



صدی تقریبات امام احمد رضا قدس سرہٗ کے حسین موقع پر

سالنامہ

تجلیاتِ اسمٰعیلی

کا دوسرا خصوصی شمارہ

بنام

مرکزِ اہلِ سنّت نمبر



زمانے میں کوئی پوچھے اگر گلزار کی نسبت
تو کہنا فخر سے شیدا امام احمد رضا کا ہے

خانقاہ قادریہ رزّاقیہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف بارہ بنکی

سرپرستی:

خانقاہِ اسمٰعیلیہ کا علمی شاہکار مسلکِ اعلیٰ حضرت کا بیباک ترجمان

تجلیاتِ اسمٰعیلی

کا دوسرا خصوصی شمارہ

بنام

مرکزِ اہلِ سنت نمبر

مرتبین:

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد — مولانا محمد قمر الزماں مصباحی

مدیر اعلیٰ:
مفتی سجاد علی خان رضوی

ایڈیٹر:
فیروز راحت کلکتوی

ناشر:
خانقاہ قادریہ رزّاقیہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف بارہ بنکی

موبائل نمبر: 9793389952

نام	:	سالنامہ تجلیات اسماعیلی کا" مرکز اہل سنت نمبر"
مرتبین	:	ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد، مولانا محمد قمر الزماں مصباحی، فیروز راحت کلکتوی
اشاعت اول	:	بموقع عرس اسماعیلی، مسولی شریف وجشن صد سالہ عرس اعلیٰ حضرت، بریلی شریف
سن اشاعت	:	1440ھ مطابق 2018ء
ناشر	:	خانقاہ اسماعیلیہ مسولی شریف یوپی
تعداد	:	گیارہ سو (1100)
کمپوزر	:	عبد المتین ضیائی
ہدیہ	:	500 روپے

ملنے کے پتے:

خانقاہ اسماعیلیہ، مسولی شریف، بارہ بنکی یوپی۔

القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ بہار

رحمانیہ بک ڈپو، درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

مکتبہ حجاز، ہرن پارک چوک، لکھنو، یوپی

مشمولات

تجلیات اسمٰعیلی کا

مرکز اہل سنت نمبر

صفحہ نمبر

باب سوم: مرکز اہل سنت بریلی شریف: تعارف و خدمات

باب چہارم: مرکز اہل سنت بریلی شریف کے تربیت یافتہ علما و مشائخ

رخ ارتکاز

سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی قادری رزاقی اسمٰعیلی
سجادہ نشین خانقاہ اسمٰعیلیہ بانی وسربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاسمٰعیلیہ، مسولی شریف

رب کریم کا بے پایاں احسان عظیم ہے کہ اس نے ہمیں علم وقلم کی خدمت کا موقع عطا فرمایا اصحاب علم وقلم ہی دور حاضر میں صحیح معنوں میں دین کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اصحاب منبر ومحراب جو خدمت انجام دیتے ہیں ان میں بیشتر افراد گرانقدر نذرانوں کی طلب میں زینت منبر ومحراب بنتے ہیں لیکن جو افراد مسند درس وتدریس اور تحریر سے جڑے ہیں وہ کثرت کار کے باوجود بھی خاطر خواہ معاوضے سے محروم ہیں اور عوام الناس بھی ایسے لوگوں کی طرف توجہ کم دیتے ہیں لہٰذا یہ اصحاب تدریس وتحریر مزید حوصلہ افزائی اور دلجوئی کے مستحق ہیں کیونکہ صحیح معنوں میں علم کی روشنی انھیں کے ذریعہ پھیل رہی ہے اور علم دین کی روشنی تادیر قائم رہنے والی ہے اور رہی اسٹیج سے آنے والی روشنی تو وہ ایک صدائے بازگشت بن کر ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ میرا رخ ارتکاز تدریسی وتحریری خدمات کی جانب زیادہ اور دیگر خدمات کی جانب کم ہے الحمد للہ ثم الحمد للہ الجامعۃ الاسمٰعیلیہ میرے انھیں خوابوں کی تعبیر ہے جو میں سوتے جاگتے دیکھتا رہتا ہوں بحمدہٖ تعالیٰ اساتذہ کی کاوشیں قابل ستائش ہیں ان کے عزائم میرے عزائم کے دوش بدوش چل رہے ہیں میں اپنے ان تمام بازوؤں کے اخلاص کی قدر کرتا ہوں۔

ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ قلمی خدمات صاحب قلم کو حیات جاوداں عطا کرتے ہیں اسی لئے میں خود بھی اس پر کاربند ہوں اور اپنے معزز اسٹاف کو بھی ترغیب دیتا رہتا ہوں ہمارے کتنے اکابر ایسے ہیں جن کی قلمی خدمت

نہ ہونے کی وجہ سے آج ان کی شخصیتیں نظروں سے اوجھل ہوگئیں۔

مذہب اہلسنت مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں مشغول آپ کا محبوب ادارہ الجامعۃ الاسمٰعیلیہ جس کی منزل ابھی بہت دور ہے ہر زمانے میں اس نے مسلک اعلیٰ حضرت کی بولی بولی ہے اوران شاء اللہ ہمیشہ اس کے درودیوار سے مسلک اعلیٰ حضرت ہی کی صدائیں باہر آئیں گی۔ مرکز اہلسنت بریلی شریف ہمارا مرکز عشق ومحبت ہے ہم نے ہمیشہ اس کی ہر صدا پہ لبیک کہا ہے اوراس کے ہر حکم کے سامنے ہمارا تسلیم خم تھا اور رہے گا۔

اسی جذبۂ عشق ومحبت کے پیش نظر جامعہ سے نکلنے والا رسالہ ''تجلیات اسمٰعیلی'' کا ''مرکز اہلسنت نمبر'' آپ کے نظروں کی زینت بنا ہے جس میں علامہ ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب کی عرق ریزی، مولانا محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری کی ایثار پسندی اور شاعر محترم جناب فیروز راحت صاحب کلکتوی اوران حضرات کے احباب کی کاوشیں قابل صد تحسین ہیں علاوہ ازیں وہ مشائخ جن کے تاثرات گرامی وقار یا وہ اصحاب قلم جن کی تحریریں شامل کتاب ہیں عمیق قلب سے ہم ان سب کے شکرگزار ہیں اور بارگاہ رب صمد میں ملتجی ہیں کہ رب کریم وکبیر ان حضرات کے علم وعمل، رزق وعمر میں برکتیں عطا فرمائے اوران سے دین وسنیت کی خوب خوب خدمت لیتا رہے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

فقیر سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی قادری رزاقی اسمٰعیلی

سجادہ نشین خانقاہ اسمٰعیلیہ بانی وسربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاسمٰعیلیہ

مسولی شریف ضلع بارہ بنکی یوپی

مرتب نامہ

[ڈاکٹر] محمد امجد رضا امجدؔ
قاضی شریعت ادارۂ شرعیہ پٹنہ (بہار)

وہ حضور تاج الشریعہ کے عرس چہلم کی پر کیف شام تھی، ہوٹل اوبرائے میں علما کا جم غفیر اس انتظار میں تھا کہ گل گلزار اسمٰعیلیت حضور سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی کی دید سے آنکھیں سیراب ہوجائیں۔ میں بھی انہیں تشنہ کاموں میں اپنے احباب جناب قاری روشن القادری، مفتی گلزار احمد رضوی، مفتی امتیاز القادری، مولانا حاضر رضا جبل پور کے ساتھ لذت انتظار کی کیفیات میں سرشار تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت بہار کے جھونکوں کی طرح تشریف لائے، اور ''عمر بھر کی بیقراری کو قرار آہی گیا'' کا پرسکون منظر نگاہوں سامنے آگیا۔

حضرت سے ہوٹل کے ایک کمرے میں ملاقات ہوئی، وہیں حضرت نے ''تجلیات اسمٰعیلی'' کے ''مرکز اہل سنت نمبر'' کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نمبر کے لئے آپ اپنا وقت نکالیں۔ میں نے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے سر تسلیم خم کردیا۔ پھر بریلی شریف سے واپسی کے بعد طے شدہ پروگرام کے مطابق میں لکھنو حاضر ہوا حضرت کے عشرت کدہ پہ اس نمبر کے حوالہ سے دبادلہ خیال ہوا۔ میں نے ایک خاکہ بنا کر حضرت کی بارگاہ میں پیش کیا، جسے حضرت نے قبول فرمایا اور اسی خط پہ کام شروع ہوگیا۔ اور مختلف مراحل سے گزر کر اب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

تجلیات اسمٰعیلی کا یہ عظیم نمبر آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ارباب علم وادب مشائخ عظام اور دانش وران ملت کے تاثرات پر مشتمل ہے۔ ان تحریروں میں خانقاہ اسمٰعیلی کے اس اقدام کو وقت کی ضرورت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق کہتے ہوئے صاحب سجادہ کی تحسین وتعریف کی ہے اور حق یہ ہے کہ وہ واقعی جماعت اہل سنت کی طرف سے شکریہ اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ انہوں سلگتے ہوئے موضوع کو اپنی پیش کش کا عنوان بنایا اور جماعت اہل سنت ایک مثبت پیغام دیا۔ خداوند قدوس ان کا سایہ کرم ہم لوگوں پہ دراز رکھے۔

دوسرا باب ان مراکز علمی کی یاد تازہ کرتا ہے جو تاریخ کے صفحات پہ روشنی کا مینار بن کر آج بھی تابندہ ہیں۔ گزرتے ایام کے ساتھ اب ان کی یادیں نوجوان نسل کے ذہن سے محو ہوتی جارہی ہیں۔ اس نمبر کے حوالہ سے ان یادوں کو پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہماری علمی تاریخ کے یہ صفحات اتنے اہم ہیں کہ کسی ایک صفحہ کا گم ہونا ہماری بے ترتیبی کی علامت

ہوگی۔ حضور گلزار ملت نے اس باب کے اضافہ پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا تھا اس سے ان کے تسبیحی نظریہ کا عرفان ہوتا ہے۔ ان کے بھی دل کا داعیہ یہ ہے کہ ہماری تاریخ جس طرح تسبیح کے دانے کے طرح ایک لڑی میں پروئی ہے ہمیں اس تسلسل کا حصہ بن کر رہنا چاہئے۔ اسی فکر کے پیش نظر اس باب میں ماضی کے چند اوراق شامل کئے گئے ہیں۔ قارئین اسے

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

کے تناظر میں ملاحظہ فرمائیں۔

تیسرا باب اس نمبر کا اہم اور مرکزی باب ہے جس میں مرکز اہل سنت کا تعارف اور اس کی خدمات کی عکاسی کی گئی ہے۔ مرکز کا تصور جس علم اور خدمت کا متقاضی ہے یہ باب اس کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اس باب میں شامل مقالات و مضامین علمی اور وقیع ہیں بلکہ یہی باب اس نمبر "مرکز اہل سنت نمبر" ہونے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ خاکہ بندی میں ہم نے ہر اس عنوان کو اس نمبر کا حصہ بنانے کی کوشش کی ہے جو اس مرکزی عنوان سے معنوی ربط رکھتا ہے۔ ہاں بعض عنوان تشنہ ضرور رہ گئے ہیں جس کے لئے میں خود خلش محسوس کر رہا ہوں مگر محدود وقت میں اتنا مواد ضرور اکٹھا ہو گیا ہے کہ جس سے بریلی شریف کے مرکز اہل سنت ہونے کی حقیقت آئینہ ہوگئی ہے۔

چوتھا باب مرکز اہل سنت کے تربیت یافتہ علما و مشائخ کے تذکرہ پر مشتمل ہے جو مرکز کا جزوی مگر لازمہ حصہ ہے۔ امام احمد رضا نے ان اشخصاص مقدسہ کی ایسی تربیت فرمائی کہ ان کا مشن تاریخ کا گم شدہ حصہ بننے کے بجائے خوشبو بن کر دنیا میں پھیل گیا اب برصغیر میں اہل سنت و جماعت کے نام سے جتنے ادارے، درسگاہیں، تنظیمیں اور اخبار و رسائل مصروف کار ہیں، تقریباً وہ سب کی سب انہیں کی خدمات کی زریں لہریں ہیں۔ اب امام احمد رضا کا مشن اتنا تناور درخت بن چکا ہے کہ زمانہ کی کوئی آندھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ان شخصیات میں فقہ ادب تصوف معرفت صحافت تبلیغ تنظیم سب کے ماہرین ہیں گویا امام احمد رضا نے اپنے مشن کے استحکام اور اس کی اشاعت کے لئے، امت مسلمہ کی علمی و روحانی تربیت کے لئے، ان کے ایمان و عقائد کے تحفظ کے لئے، صالح ادب کی کاشت اور اس کے ذریعہ ملی سماجی سیاسی اصلاح کے لئے نمائندہ افراد کا ایسا دستہ تیار کر دیا تھا، جو ہر طرح کی صلاحیتوں سے لیس ہو کر میدان عمل میں اترے اور امام احمد رضا کی روح کو شادکام کر دیا ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

پانچواں باب ان ہستیوں کی خدمات اور ان کے ایثار و آثار پر مشتمل ہے جو خانوادہ رضا کی عبقریت، بے مثالی اور مجاہدانہ زندگی کا آئینہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت سے حضور تاج الشریعہ تک علم عشق ادب معرفت تصوف تک اس خانوادہ کی خدمات کا جو تسلسل ہے وہ اس کی انفرادیت کی دلیل ہے۔ اس باب میں شامل شخصیات کی حیات و خدمات کے مطالعہ سے عیاں ہوگا وہ ہستیاں جنہیں ہم نے بہت توجہ کا مستحق نہیں سمجھا وہ بھی علمی اعتبار سے بڑے پایہ کی ہیں اور مسلک اہل سنت و جماعت کے فروغ واستحکام میں ان کی خدمات بھی اہم اور ناقابل فراموش ہیں۔ یہ باب اپنے قارئین سے اس امر کی توقع رکھتا ہے کہ وہ ان شخصیات کی خدمات اور ان کے علمی اثاثہ کی اشاعت کے لئے کمر ہمت ضرور باندھیں گے۔

چھٹا باب ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو موضوع سے متعلق ہونے کے باوجود ہمیں بعد میں موصول ہوئے یا پھر جن کا تعلق نمبر کے مرکزی عنوان سے براہ راست نہیں۔ مگر چوں کہ مضامین اہم اور قابل مطالعہ تھے اس لئے افادیت کے پیش نظر انہیں شامل کرلیا گیا۔ ہمیں یقین ہے کہ نمبر کا یہ حصہ بھی قارئین کے ذوق مطالعہ کو مہمیز کرے گا۔

ساتواں باب منظومات کو سمیٹے ہوئے ہے اس باب کے لئے مناقب کثرت سے آئے مگر نمبر فائنل کرتے وقت جو مناقب مل سکے اسے شامل کرلیا گیا، بعض مناقب درمیان صفحات کی زینت بنے اور شاید بعض چھوٹ بھی گئے جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ جناب فیروز راحت صاحب نے بہت سے شعرا کے مناقب جستہ جستہ ہمیں عنایت فرمائے، اور رفتہ رفتہ ہمارے ذہن سے نکل گئے، پھر بھی قلت وقت کے سبب جتنا ممکن تھا ڈھونڈ کر انہیں شامل کرلیا اگر اس حوالہ سے کسی صاحب کو کوئی برہمی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں جناب فیروز راحت صاحب اس سے بری ہیں۔

آخری بات!

اس نمبر کے مشمولات ملاحظہ کرنے کے بعد قارئین اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مرکز اہل سنت بریلی شریف کے ابتدائی ایام واقعی ایسے گزرے ہیں جس نے ہر رخ اور ہر جہت سے جماعت کی خدمت کی ہے۔ اور یہ بھی کہ اس خدمت میں جماعت اہل سنت اکابر شریک کار رہے ہیں۔ ندوۃ العلما کی اصلاح کے لئے اعلیٰ حضرت نے ''مجلس اہل سنت'' قائم فرمائی اور اس کا صدر حضرت علامہ عبد الصمد سہسوانی علیہ الرحمہ کو بنایا۔ جس کی متعدد شاخیں پورے ملک میں قائم ہوئیں اور اس نے جو کارنامہ انجام دیا اسے ندوۃ العلما کے خلاف علمائے اہل سنت کی جد وجہد میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، اور شدھی تحریک کے طوفانوں کا رخ موڑنے کے لئے امام احمد رضا نے ''جماعت رضائے مصطفےٰ'' قائم فرمائی۔ اسی کے بطن سے جماعت اہل انصار کا وجود ہوا، ان دونوں تنظیموں نے ملی سیاسی اور رفاہی کاموں میں جو کردار ادا کیا آج تک اس کی کوئی مثال دیکھی نہیں گئی۔ سیلاب، زلزلہ اور فرقہ وارانہ فساد کے متاثرین کے لئے بھی ان جماعتوں نے جو مجاہدانہ کردار کیا وہ بھی تاریخ کا ناقابل فراموش باب ہے۔ آج ہمیں نہ اپنی تاریخ معلوم ہے اور مرکز اہل سنت کے یہ کارنامے۔ آج کے حالات کل سے بہتر نہیں، بد سے بدتر ہیں، مساجد مقابر اوقاف، آئین، مسلمان اور ان کے املاک سب شر پسندوں کے نشانہ پر ہیں۔ ہر آنے والا دن امت مسلمہ کی تباہی اور جماعت اہل سنت کے انتشار کی خبریں لے کر طلوع ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود کل کے مقابلہ میں آج ہمارے یہاں سرد مہری ہے۔ مستقبل کے خطرات سے بے خبری اور ذمہ داری کے احساس کے فقدان نے ماضی کی اس روایت سے ہمارا تعلق کمزور کردیا ہے جو ایسے حالات میں ہماری ہمت مردانہ کا خاصہ رہا ہے۔ یہ مرکز اہل سنت نمبر اس ملک میں ہماری مومنانہ شان، سرفروشانہ کردار اور حکیمانہ جد وجہد کی یاد تازہ کرتا ہے ہمیں حال و مستقبل کی تعمیر کے لئے انہیں خطوط ونقوش پہ چلنے کی ضرورت ہے۔

اداریہ

کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

مفتی سجاد علی خان رضوی مصباحی
الجامعۃ الاسماعیلیہ، مسولی شریف

نحمدک یا اللہ و الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ

اتحاد سے برگشتہ اختلاف زدہ اس امت مرحومہ نے کیا کیا ستم جھیلے اور کیا کیا مصائب برداشت کر رہی ہے وہ اہل خرد پر مخفی نہیں ہے، اسی اختلاف نے ہماری قوت وطاقت کو پاش پاش کر دیا ہماری سیاسی وسماجی طاقت، عائلی وخاندانی طاقت، علمی و روحانی طاقت، معاشی ومادی طاقت ہر ایک کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ مصلحت پسندی سے محروم کر دیا شدت پسندی، تعصب وعناد، بغض وکینہ پروری کا مجسمہ بنا دیا مفاد پرستی کا خوگر بنا دیا آج ہم اپنے مفاد کیلئے دوسروں کے ساتھ ہر روا ونار وا سلوک کر رہے ہیں فکر آخرت کو پس پشت ڈال کر نہ جانے کس ڈگر پہ نکل گئے ہیں جو نہ تو ہماری صحیح منزل ہے نہ صحیح ہدف ہماری قوم کے ارباب حل وعقد باہم دست وگریباں ہیں ''اختلاف امتی رحمۃ'' کا غلط مفہوم نکال کر فروعی مسائل میں اس طرح الجھ گئے ہیں کہ جن سے اصولی اختلاف تھا وہ اپنے نشیمن میں بیٹھ کر آرام سے ہمارے خلاف پروپیگنڈے کر کے ہمارے ایمان کے شیش محل پر شب خون مار رہے ہیں اور ہمارے میدان پر قبضہ کر کے ہمارے دست وباز و کو کمزور سے کمزور تر کرتے جا رہے ہیں ہم فروعی مسائل میں الجھے ہیں اور اب ہمارا ہی خاندان ہم سے متنفر ہو کر اہل باطل کی ملمع سازیوں کا شکار ہو رہا ہے اور جب خاندان کا کوئی فرد بدعقیدہ ہو جاتا ہے تب ہماری آنکھ کھلتی ہے اور ہم لکیر پیٹتے رہ جاتے ہیں۔

پیروں میں اختلاف، مریدوں میں اختلاف، ناظموں میں اختلاف، خطیبوں اور شاعروں میں اختلاف مصلحین امت جب آپس ہی میں اختلاف کر بیٹھیں گے تو امت کی اصلاح کا فریضہ کون انجام دے گا۔ اب جماعت اہل سنت کو ہر چہار جانب سے نوع بنوع چیلنجز کا سامنا ہے اور اہل سنت ان تمام چیلنجز سے آنکھیں بند کر کے اپنے مفاد کی راہ پر گامزن ہے اپنے فرض منصبی کو چھوڑ کر دوسرے کی تذلیل وتحقیر حتی کی تکفیر وتضلیل کے درپے ہو چکے ہیں پوری دنیا میں جو تعارف اہل سنت کا عام کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ، اہل سنت بریلوی متشدد، بدعتی، قبر پرست، شرک کے خوگر، فسادی ہیں۔ آپ عرب دنیا کا جائزہ لیجئے وہاں ہندوستان کے وہابیہ دیابنہ غیر مقلدین وغیرہ خود کو اہل تصوف اور بریلوی حضرات کو متشدد مشرک بدعتی جیسے الفاظ سے متعارف کرواتے ہیں اور

تصوف کا سہارا لے کر اعزاز و اکرام حاصل کر رہے ہیں اور بڑی بڑی مجالس میں شریک ہو کر اپنے پیر جما رہے ہیں اور اہل سنت کا اخراج کروا رہے ہیں اور ہم ہیں جو خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں یا ایک دوسری کی ٹانگ کھینچنے میں لگے ہیں۔

جامعہ ازہر میں پڑھنے والے ایک فارغ التحصیل مصباحی عالم دین سے ملاقات ہوئی جنہوں نے اس کرب کا برملا اظہار کیا کہ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت برصغیر ہندو پاک میں محتاج تعارف نہیں مگر آپ اس سے آگے بڑھیں تو نتائج منفی نظر آتے ہیں ہم نے تعارف کروایا نہیں اور جنہوں نے تعارف کروایا انہوں نے غلط تعارف کروا کے تمام بریلوی حضرات کو عرب دنیا میں بدنام کر دیا ہے۔ زمینی حقیقت تو یہ ہے کہ ان کو اخور مولویوں نے توہین رسالت اور تنقیص نبوت اور اہانت اولیاء، جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا محمد بن عبد الوہاب نجدی جیسے سفاک ظالم شخص کے ہمنوا بنکر اہل سنت پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑتے رہے مزاراتِ صحابہ وقبور اولیاء کو منہدم کر کے بے نام ونشان کرتے رہے شریعت کے محللات کو محرمات اور محرمات کو محللات کرتے رہے اہل سنت کی پاکیزہ ملت پر کفر و شرک کے فتوے لگاتے رہے اور پھر مجرم بھی ہم ہی کو بناتے رہے۔ مگر اب وہ دن دور نہیں جب انکے سفاک چہرے سامنے آئیں گے انکی مکاریاں، فریب کاریاں طشت از بام ہوں گی۔ ہماری جماعت نے تگ ودو شروع کر دی ہے اہل سنت کا صحیح رخ عرب دنیا میں واضح کیا جا رہا ہے اور اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا صحیح تعارف ان کے کتب ورسائل کے حوالے سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی عالم دین نے اس قلق کا بھی اظہار کیا کہ ہندو پاک سے فارغ ہو کر ہم لوگ بیرون ممالک علوم اعلی کے تحصیل کیلئے جاتے ہیں ان میں بیشتر افراد عمدہ صلاحیت واستعداد کے مالک بن جاتے ہیں مگر جب وہ ہندوستان واپس ہوتے ہیں تو کوئی انکی سرپرستی قبول کر کے ان سے حتی المقدور خدمت لینے والا نہیں ملتا اور آخر میں تھک ہار کر تلاش معاش میں لگ جاتے ہیں اور تین ٹیپائیوں کے بیچ محدود ہو کر زندگی گزار دیتے ہیں حالاں کہ اگر کوئی ان سے اعلی خدمت کا طلب گار ہو تو یہی افراد جماعت اہل سنت کیلئے عمدہ خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ مگر یہ اصحاب علم وقلم کی کم نصیبی ہے کہ وہ کسی عظیم سائے سے محروم رہنے کی وجہ سے فکر معاش میں لگ جاتے ہیں کوئی تجارت کی طرف رخ موڑ لیتا ہے کوئی محراب کی زینت بن جاتا ہے کوئی منبر کی گھن گرج کو ذریعہ معاش بنا لیتا ہے اور کوئی مسند تدریس پر جلوہ فگن ہو کر زندگی کی گاڑی کھینچنے میں لگ جاتا ہے۔ ایسے حالات میں ضرورت اس بات کی ہے ہمارے مدارس و جامعات ذی استعداد و باصلاحیت افراد کا انتخاب کر کے انہیں فارغ البال کر دیں اور ان سے خاطر خواہ خدمات لیں۔ تبلیغی و تدریسی، تحریری وقلمی خدمات لیں۔

انہیں عالم دین کا کہنا ہے کہ مصر کے نواحی علاقے میں ایک سفر کے دوران ایک پروفیسر سے ملاقات ہوئی جب انہیں علم ہوا کہ میں ہندوستان سے آیا ہوں تو انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور انہوں نے پوچھا کہ آپ بریلوی ہیں یا صوفی؟ وہ کہتے ہیں میں متحیر رہ گیا کہ کیا جواب دوں۔ پھر میں نے پروفیسر سے پوچھا کہ بریلوی سے آپ کیا سمجھتے ہیں تو اس پروفیسر نے ایسا جواب دیا جس سے میرے کان کھڑے ہو گئے۔ پروفیسر نے کہا ہمیں تو یہی بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں احمد رضا خان نام کے ایک بریلوی عالم کے پیروکار کو بریلوی کہا جاتا ہے جو نہایت متشدد ہیں قبور کی پرستش کرتے ہیں قسم قسم کے بدعات وخرافات کو انجام

دیتے ہیں رسول اللہ کو اللہ کے برابر مانتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ غلط تعارف پیش کیا گیا ہے پروفیسر نے کہا جیسا ہم کو بتایا گیا ویسا ہی سوشل میڈیا یا اور دیگر ذرائع ابلاغ پر تعارف موجود ہے۔ دیکھا تو واقعی سوشل سائٹس پر وہی تعارف ملا۔ میں نے کہا یہ سب غلط ہے آپ ہمارے امام اہلسنت کو اگر صحیح معنوں میں جاننا چاہتے ہیں تو سب سے بہتر طریقہ ہے کہ آپ ان کی تصنیفات ملاحظہ کرلیں حقیقت آشکار ہو جائے گی۔ چنانچہ ان کو متعدد کتابیں دی گئیں جن کا عربی زبان میں ٹرانسلیٹ ہو چکا تھا جب انھوں نے پڑھا تو ان کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور وہ ہمارے امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے اتنا متاثر ہوئے کہ انھوں نے بھی اعلیٰ حضرت کی شان میں دو کتابیں تصنیف کی۔ **الفضل ماشهدت به الاعداء۔ ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم۔**

ان چند سطور سے یہ بات آشکار ہو گئی کہ اہل باطل نے کس قدر علمی و شخصی خیانت کا ارتکاب کیا ہے اور ہمیں پتہ تک نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔ یہ تو ایک مثال ہے ایسی سیکڑوں مثالیں ملیں گی جو ہماری بند آنکھیں کھول دیں گی۔ ان اہل ہوا نے ہمارے اکابر کی کتابوں پر قبضہ کرلیا اور مصنفین کا نام تبدیل کر کے اپنے خانے میں کرلیا مگر جب اہلسنت نے قلم اٹھایا تو ان کی قلعی کھول کے رکھ دی اور اب علماء اہلسنت پر کیچڑ اچھال رہے ہیں عوام اہلسنت کی بد اعمالیوں کو ڈھال بنا کر اپنی بد عقیدگیوں کو چھپا رہے ہیں۔ عرب شریف میں ہمارے امام اہلسنت نے جب حسام الحرمین کے ذریعہ ان کے گندے عقائد کی تشہیر کی اور ان کے مفسدات کو طشت ازبام کیا تو علمائے حرمین طیبین نے اس کی توثیق کی۔ مگر اب چند سالوں میں ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے کچھ کو اخور مولوی ان کے تلوے چاٹ چاٹ کر حرمین طیبین میں اپنی جڑ مضبوط کر رہے ہیں یہ گستاخ لال دوپٹے والی آپاؤں کی شکل میں حرمین طیبین میں سیدھے سادے عوام اہلسنت کو گمراہ کر رہے ہیں اور علماء اہلسنت کو پریشان کر رہے ہیں۔

ترے حبیب کا پیارا چمن کیا برباد
الٰہی نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے

مخدوم المشائخ پیر طریقت رہبر شریعت حضور گلزار ملت حضرت علامہ سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی مدظلہ العالی جو اس وقت ملک و بیرون ملک مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کے حوالے سے عالمی منظرنامے پہ متعارف و مشہور ہیں جن کی سربراہی میں الجامعۃ الاسمٰعیلیہ جیسے عظیم الشان ادارہ کا روز افزوں ترقیوں کی راہ پر گامزن ہونا اس امر کی عکاسی کر رہا ہے کہ آپ نے اپنا میدان عمل صرف پیری مریدی کو نہیں بنایا بلکہ بیعت و ارشاد کے ساتھ ساتھ آپ کا مطمح نظر علوم دینیہ کی نشر و اشاعت بھی ہے جب اس موضوع پر حضور گلزار ملت مدظلہ العالی سے ہماری بات ہوئی تو آپ نے فرمایا "ہمارا مطمح نظر صرف علوم دینیہ کی نشر و اشاعت ہے، ہم علم ہی کی روشنی پھیلا کر مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کا فریضہ انجام دیں گے اور ہمارا ہدف صرف ایک الجامعۃ الاسمٰعیلیہ نہیں بلکہ ہمارا منصوبہ جو ہے وہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کو معلوم ہے قبل از وقت اس کی تشہیر نامناسب ہے اور یہ ہماری پرانی عادت ہے کہ ہم اپنے کام کی تشہیر نہیں کرتے بلکہ ہمارا کام ہی ہماری تشہیر کرتا ہے اور ہمارے

عزائم میں سے ایک یہ ہے کہ مستقبل قریب میں ایک عظیم الشان لائبریری اور ایک دار القلم ہوگا جس میں اصحاب لوح وقلم کو یکجا کر کے ان سے دینی خدمات لی جائیں گی۔

حضور گلزار ملت مدظلہ العالی کے بلند عزائم اور ان عزائم میں استحکام دیکھ کر رشک آتا ہے کثرت کار اور ہجوم افکار کے باوجود جامعہ اسمٰعیلیہ آپ کا مرکز توجہ رہتا ہے روز وشب شام وسحر جامعہ کے حالات سے آگاہی لیتے رہتے ہیں۔ گرچہ آپ ہمیشہ تبلیغی اسفار میں رہتے ہیں مگر آپ کی کثرت توجہ سے کسی کو یہ نہیں لگتا کہ آپ جامعہ میں نہیں ہیں۔ مرکز اہلسنت بریلی شریف سے آپ کو والہانہ عشق ہے۔ آپ مسولی کی بولی کم اور بریلی کی بولی زیادہ بولتے ہیں یہ اسی عشق کی کارفرمائی ہے کہ ''تجلیات اسمٰعیلی'' کا ''مرکز اہلسنت نمبر'' آپ کے ہاتھوں کی زینت بنا ہے حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے سچی عقیدت آپ کی رگ وپے میں گردش کر رہی ہے آپ کے وصال کے بعد حضور گلزار ملت کو افتراقِ اہلسنت کا صدمہ تھا بریلی شریف کی مرکزیت پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ارتحال کے بعد انگلی اٹھ چکی ہے اور اب تک مرکز اہلسنت میں کوئی نہ کوئی عظیم شخصیت جلوہ فرما تھی جسے اہلسنت اپنا مقتدا و پیشوا مانتے رہے اور جس کے ذریعہ عالمی منظر مانے پر اہلسنت کی نمائندگی ہوتی رہی۔ مگر اب جب کہ بظاہر میدان خالی نظر آرہا ہے تو بریلی شریف کی مرکزیت پر انگلی اٹھنے کا خدشہ اور متحقق ہوگیا۔ لہذا ضرورت اس بات کی تھی کہ مرکز اہلسنت کی عبقری شخصیات اور ان کی خدمات کو قوم کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ مرکزیت پر انگشت نمائی کرنے والے حضرات آئینۂ بریلی میں اپنی شخصیت کو دیکھ کر فیصلہ کریں کہ انگشت نمائی مناسب ہے یا نامناسب؟

یہ کتاب ماہر رضویات علامہ ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب پٹنہ اور ان کے حلقۂ احباب کی بے پناہ کاوشوں سے منظر عام پر آئی ہے علاوہ ازیں شاعرِ محترم، صاحبِ قلم، محب مکرم جناب فیروز راحت صاحب کلکتوی کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں جنہوں نے عناوین کی ترتیب مقالات کے لئے اصحاب قلم سے رابطے پھر مقالات کی یکجائی الغرض از اول تا آخر علامہ ڈاکٹر امجد رضا امجد کے شانہ بشانہ چل کر کتاب کو اس مرحلے تک پہونچایا مذکورہ دونوں محسنین اولیں تشکر کے حقدار ہیں علاوہ ازیں وہ محبان لوح وقلم جنہوں نے تاثرات یا مقالات کی صورت میں اس میں شرکت کی ہم دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کے بھی شکر گزار ہیں۔ رب کریم ان سب کو روز افروں ترقی اور فلاح دنیوی واخروی سے سرفراز فرمائے۔

آخر میں ہم تمام قارئین کرام سے ملتجی ہیں کہ اس کتاب کی ترتیب میں بتقاضائے بشری اگر کوئی لفظی یا معنوی خامی وخطارہ گئی ہو تو چشم پوشی گوئیوں سے کار عبث کے مرتکب نہ بنیں بلکہ ہمیں اس سے آگاہ فرمائیں تا کہ آئندہ اصلاح کے ساتھ اشاعت کی جائے۔ ھذا ما عندی والاجر عند اللہ الکریم

عرض گزار

سجاد علی خان رضوی مصباحی

عرض حال

فیروز راحت کلکتوی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے علم وفن اور فکر وآگہی کا جو چراغ جلایا اس کے اجالوں سے پورے عالم اسلام کا گھر آنگن روشن ہے دوسو سے زائد علوم وفنون پر آپ کی مہارت وبصیرت دیکھ کر سبھوں نے آپ کو مرکزی شخصیت تسلیم کیا ان میں فقہا ومحدثین بھی ہیں اور مفسرین ومفکرین، ادیب ونقاد بھی ہیں اور عصری علوم کے ماہرین بھی۔ ارباب سلوک وتصوف بھی ہیں اور علمائے ربانیین بھی، یہ آپ کے قلم کی جولانیت، فقہ وافتاء میں گیرائی اور ژرف نگاہی کا نتیجہ ہے، کہ عجم تو عجم بلاد عرب سے بھی آپ کے پاس استفتے آتے اور آپ قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ کی روشنی میں منقح جواب مرحمت فرماتے اور جولاینحل مسئلہ ہوتا آپ اپنی علمی بصیرت سے حل فرمادیتے۔ آپ کے وصال کے بعد اس دینی خدمات کے نقوش مدھم نہیں پڑے بلکہ اس کی تابانی اب بھی نگاہوں کی خیرہ کر رہی ہے اور اب وصال کو سو سال پورے ہو گئے مگر بریلی شریف کی مرکزیت سلامت ہے اور سلامت رہے گی۔

میں خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف کے زیب سجادہ پیکر فضل واحسان سراپا اخلاص حضور سیدی سرکار گلزار اسمٰعیل واسطی زید مجدہٗ کو صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ایسے حالات میں جب کچھ سرپھرے بریلی شریف کی مرکزیت کے منکر ہیں اپنی خانقاہ معلی سے ”مرکز اہلسنت نمبر“ نکال کر ماضی کی روشن اور گم شدہ کڑیوں کو جوڑ کر نئی نسلوں کو متعارف کرنے میں کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں وہیں یہ وقیع اور جامع نمبر حاسدین ومخالفین کے لیے تازیانۂ عبرت بھی ثابت ہوگا۔

خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف کی عظیم پیش کش ”مرکز اہلسنت نمبر“ کو ایک اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت یوں بھی حاصل ہے کہ اس میں سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے جو علمی درسگاہیں رہی ہیں ان کا بھی تفصیلی ذکر پڑھنے کو ملے گا۔ چودہ سو سال کی تابناک ماضی کی شعاعوں سے شعور ووجدان کی حویلی ضرور منور ہوگی اور نئی پود جن کا رشتہ روشن ماضی سے کمزور ہو چکا ہے اسے پڑھنے کے بعد ان کا ذوق مطالعہ یقینا جھومے گا۔

صدی تقریبات کے حوالے سے پوری دنیا میں جو علمی اور فکری ہلچل ہے اسی کی ایک کڑی ”مرکز اہلسنت نمبر“ مسولی شریف بھی ہے۔ میں نے زیب سجادہ سے عرض کیا کہ حضور عرس صد سالہ کا موسم نور آ رہا ہے چنانچہ خانقاہ مسولی شریف سے بارگاہ رضا میں کوئی خاص تحفہ نذر کریں جو تاریخ کا حصہ بن جائے حضور صاحب سجادہ نے انشراح صدر کے ساتھ منظور عطا فرما دی مگر

اس عظیم معرکہ کو سر کرنے کے لیے افراد کی فراہمی بھی خادم کے سپرد کر دی یہ سچ ہے کہ میں اس لائق نہیں مگر بزرگوں کا فیضان خون بن کر جسم میں دوڑنے لگے۔ تو منزل تک رسائی مشکل کے باوجود آسان ہو جاتی ہے بس انہیں سرکاروں کی نوازشات کا سہارا لے کر چل پڑا ملک اور بیرون ملک کے ارباب قلم واصحاب فکر سے طے شدہ عناوین کے تحت گزارش کی دوسری طرف خانقاہ کے سجادگان کے تاثرات کی فرمائش اور امید سے زیادہ کامیابی ملی جنہوں نے نگاہ التفات نہیں کی ان سے شکوہ کیا تاہم جنہوں نے مرے ٹوٹتے حوصلوں کو نئی زندگی عطا کی اور پست ہمتوں میں نئی جان ڈالنے کی کوشش کی وہ سب قابل تعریف بھی ہیں اور لائق تعظیم بھی اس خصوص میں ماہر رضویات ڈاکٹر امجد رضا امجد قاضی ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ اور جماعت اہلسنت کے سنجیدہ عالم دین حضرت مولانا محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری کے نام اہم ہیں جو ہمارے شکریئے کے زیادہ مستحق ہیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں خطیب اہلسنت حضرت مولانا سیف اللہ علیمی کلکتہ، ماہر لسانیات حضرت مولانا انیس عالم بغدادی لکھنو، نقیب سدا بہار حضرت الیاس فیضی، حضرت مولانا ڈاکٹر مشاہد حسین مالیگاؤں، حضرت مولانا شاہد القادری کلکتہ، حضرت مولانا غلام سرور القلم فاؤنڈیشن پٹنہ اور حضرت ڈاکٹر ممتاز عالم لکچرر مولانا مظہر الحق یونیورسیٹی پٹنہ کا ذکر نہ کروں جو ہمیشہ اس نمبر کی تدوین میں مجھے مہمیز کرتے رہے اور میں پورے جتن کے ساتھ اس کار خیر میں جٹا رہا اور باسانی منزل تک پہونچ گیا دعاء ہے کہ اللہ کریم ان حضرات کو شاد و آباد رکھے اور سعادت دارین سے سرفراز کرے۔

جانشین سرکار مسولی حضور سیدی سرکار گلزار ملت کی نور بار شخصیت کا کیا کہنا یقینا آپ کا ظل ہمایوں پوری جماعت کے لیے اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے خانقاہ اسمٰعیلیہ کی علمی، تعمیری، تصنیفی اور تنظیمی ساری بہاریں اسی دولہا کے دم سے ہیں میرے اللہ ان کی عمر میں خوب برکتیں عطا فرما تا کہ ہر تشنہ کا تکمیل کو پہنچ جائے خانقاہ مسولی کا خصوصی سالنامہ "مرکز اہلسنت نمبر" آپ کے ہاتھوں میں ہے کیسا ہے یہ قارئین کی میزان نظر فیصلہ کرے گی۔

میری ہمت کو سراہو مرے ہمراہ چلو
میں نے اک شمع جلائی ہے ہواؤں کے خلاف

محتاج دعا

فیروز راحت، کلکتہ

باب اول

تاثرات علما و مشائخ

مرکز اہل سنت ایک تعارف

سید گلزار اسماعیل واسطی
سجادہ نشیں خانقاہ اسماعیلیہ، مسولی شریف یوپی

''مرکز اہل سنت'' کی بات آتی ہے تو فوری طور پر ذہن و دماغ میں بریلی شریف کا تصور ابھرتا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے کسی اور شہر کا تصور نہیں آتا۔ یہ تصور بھی ''لزوم ذہنی'' کے طور پر ابھرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مرکز اہل سنت کے بولتے ہی بریلی شریف کا تصور کبھی اس سے الگ نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ جن دو چیزوں کے درمیان ''لزوم ذہنی'' پایا جاتا ہے ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس اعتبار سے مرکز اہل سنت اور بریلی شریف کے مابین تساوی کی کیفیت پائی جاتی ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر دو موجبہ قضیئے سامنے آتے ہیں کہ ''مرکز اہل سنت بریلی شریف ہے اور بریلی شریف ہی مرکز اہل سنت ہے۔

اس گفتگو سے یہ ثابت ہوگیا کہ مرکز اہل سنت بریلی شریف ہے۔ اب اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ اہل سنت کا مرکز کون ہے تو آپ اس کے جواب میں کہیں۔ یہ سوال بھی کوئی پوچھنے والا سوال ہے؟ آپ خود اپنے آپ سے پوچھیں یا پھر اپنے ذہن پر غور کریں۔ اگر اس کے ذہن میں ''لزوم ذہنی'' کے طور پر بریلی شریف کا تصور ابھر آتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس کا ذہن کام کر رہا ہے اور اگر یہ تصور نہیں ابھرتا ہے تو جان لیجئے کہ اس کا ذہن ماؤف ہے کام نہیں کر رہا ہے۔ صرف ذہن ہی بریلی شریف کو نہیں مانتا ہے بلکہ دل بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ واہ کیا خوب؟ بریلی شریف کا تصور کس قدر اچھوتا اور کیسا انوکھا ہے کہ ذہن کا گوشہ گوشہ اس کے جمالیاتی تصور سے روشن ہے اور دل کے نہاں خانہ میں بھی روشنیوں کی بارات اتر آتی ہے جس طرح دوپہر کے وقت سورج کی کرنیں زمیں پر اتر آتی ہیں۔ اس لئے مرکز اہل سنت کا کیا تعارف کیا جائے وہ تو خود اپنے آپ میں اپنا تعارف ہے۔

دوسرا سوال ہے کیوں ہے؟

اس دوسرے سوال کا مطلب ہوتا ہے بریلی شریف ہی اہل سنت امرکز کیوں ہے؟ اور کوئی دوسرا شہر کیوں نہیں ہے؟ اس بارے میں صرف یہی جواب دیا جاسکتا ہے کہ مرکز صرف وہ نقطہ کہلاتا ہے جہاں پرکار کا نوک دار سرا پایا جاتا ہے۔ وہ نوکدار سرا جہاں پایا جائے وہیں مرکز بن جاتا ہے۔ کوئی شہر یا زمین کا کوئی حصہ مرکز بن جائے یہ زمین کی اپنی خوبی نہیں ہے اور نہ اس کی اپنی فطرت ہے بلکہ اصل خوبی تو اس پرکار کی ہوا کرتی ہے جو کسی کے ہاتھ میں ہوا کرتا ہے۔ اصل مرکز تو سیدی امام احمد رضا فاضل

بریلوی کی ذات گرامی ہے۔ چونکہ یہ ذات گرامی بریلی شریف میں جلوہ بار ہے اس لئے اسے اہل سنت و جماعت کا مرکز بننے کا شرف حاصل ہے۔ جو شہر اس بات کی تمنا رکھتا ہے کہ ہمارا شہر ہمارا مرکز ہو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ اس کے پاس وہ عظیم شخصیت نہیں پائی جاتی ہے جو کسی کو مرکز بنا دیتی ہے۔

سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات گرامی ایک مرکز اور اہل سنت وہ جماعت اس کا عظیم دائرہ اور اسی دائرہ کا دوسرا نا ''سواد اعظم'' ہے اس دائرہ میں بہت سے خطوط پائے جاتے ہیں، انہیں خطوط کو افراد ورجال کا نام دیا جاتا ہے۔ مرکز، دائرہ اور افراد و خطوط میں جس کسی کی عظمت اور اہمیت وانفرادیت کا بیان کیا جائے تو اس کی عظمتوں کے بیان کرنے سے مرکز اہل سنت کا تعارف ہو جائے گا۔ اعلی حضرت کا ذکر، ملک العلماء کا ذکر، برہان ملت کا ذکر، حجۃ الاسلام کا ذکر، سرکار مفتی اعظم کا ذکر، صدر الشریعہ کا ذکر، حضور ازہری میاں کا ذکر کرنے سے بھی تعارف کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں، بس انہیں سرکاروں کی بدولت بریلی شریف مرکز ہے اور مرکز ہی رہے گا۔

تیسرا سوال: وہ کیسا ہے؟

یوں تو ابتک جو دو سوالوں کے جوبات دیئے گئے اسی سے کسی نہ کسی حد تک ''مرکز اہل سنت و جماعت'' کا تعارف ہو گیا، لیکن اس تیسرے سوال کا جو بھی جواب ہوگا وہ براہ راست ''مرکز اہل سنت و جماعت'' کا تعارف ہوگا۔ اور اس تعارف کے لئے تجلیات اسمٰعیلی کا یہ ''مرکز اہل سنت نمبر'' بہت کافی ہے۔ مرکز اہل سنت بریلی شریف سے پہلے کے مراکز اور سیدی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بعد ان کے میکدہ علم وعرفان کے بادہ خوار حضرات تک کے تذکروں سے مرکز اہل سنت کا حقیقی تعارف الحمد للہ ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وجود مسعود سے بریلی شریف کو مرکزیت کا شرف حاصل ہوا اور آج تک ہے۔ مرکز نے بھی اپنی ہمہ جہت خدمات سے یہ ثابت کیا کہ مرکز کو ایسا ہونا چاہئے۔

□□□

تاثرات علما و مشائخ

محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، گھوسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین و الصلوٰۃ و السلام علی محمد سید المرسلین و اٰلہ و صحبہ اجمعین۔

تجلیات اسماعیلی اہل سنت و جماعت کا ایک موقر رسالہ ہے جو خانقاہ اسماعیلیہ مسولی شریف کے سجادہ نشین حضرت العلام مولانا سید گلزار میاں زید مجدہٗ کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔ الحمد للہ حضرت گلزار ملت ماضی کے مشائخ اہلسنت کے سچے وارث اور شریعت و طریقت کے سنگم ہیں۔ اسی بنیاد پر آپ عوام کے ساتھ علما و مشائخ کی نگاہوں میں بھی بہت معتمد اور مقبول ہیں۔ آپ سلسلہ کی اشاعت کے ساتھ مذہب حق اہل سنت و جماعت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و استحکام کے لیے محنت شاق برداشت کرتے ہیں اور یہ سب خدمتیں خلوص وللّٰہیت کی بنیادوں پر قائم ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے علوم و معارف اور فیوض و برکات کے سچے وارث و امین حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں صاحب قادری ازہری قدس سرہٗ العزیز کی وفات حسرت آیات پر پوری دنیائے اہل سنت میں ایک کہرام برپا ہوگیا۔ ان کی وفات سے آپ بھی صدمات سے دوچار ہوئے اس کی اصل محرک مسلک اعلیٰ حضرت سے آپ کی گہری وابستگی ہے۔

مجھے عزیزم فیروز راحت کلکتوی کے ذریعے یہ خبر سن کر بہت مسرت حاصل ہوئی کہ خانقاہ اسماعیلیہ مسولی شریف کے صاحب سجادہ نے صد سالہ عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر اعلیٰ حضرت کی دینی اور علمی خدمات اور احیائے دین و سنت کے کارناموں کو اجاگر کرنے کے لیے "تجلیات اسماعیلی" کا مرکز اہل سنت نمبر کی اشاعت کا خاص اہتمام فرمایا۔ مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے مثال فقہی خصوصیات پر اپنی علالت وضعف کی وجہ سے کوئی مقالہ قلمبند نہ کرسکا۔ اسی لیے بطور شرکت حضرت گلزار ملت کے حکم کی تعمیل کے لیے چند سطریں پیش ہیں۔ رب جلیل قبول فرمائے۔ اور اس نمبر کو بھی اللہ تعالیٰ قبول تام عطا کرے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیم۔

شیخ طریقت حضرت علامہ سید شاہ محمد حسینی میاں، ناگپور

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عزیز گرامی جناب فیروز راحت صاحب کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ حضرت مولانا سید گلزار میاں عرس اسماعیلی کے موقع سے سالنامہ "تجلیات اسماعیلی" کا مرکز اہل سنت نمبر شائع کرنے جارہے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ سید گلزار میاں صاحب بڑی مبارک شخصیت کا نام ہے الحمد للہ ان کے اخلاق وآداب اوران کے اعمال سنت کے مطابق ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ بہت ساری خوبیوں کے مالک ہیں۔ میری دعا ہے کہ یونہی دین وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کرتے رہیں۔ میں ان کے نیک مقاصد میں کامیابی کے لیے پرخلوص دعا کرتا ہوں۔

حضرت سید محمد غیاث الدین احمد قادری ترمذی کالپوی غفرلہ

سجادہ نشین خانقاہ محمدیہ کالپی شریف وخانقاہ سلطانیہ ضیائیہ چونرہ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

احمد رضا کا تازہ گلستاں ہے آج بھی
خرمن علم ان کا درخشاں ہے آج بھی

مجھے یہ جان کر غایت درجہ مسرت ہو رہی ہے کہ دنیائے سنیت کی عظیم ترین روحانی آماجگاہ خانقاہ اسماعیلیہ مسولی شریف سے اس بار ۲۷۶واں عرس کے موقع پر سالانہ مجلہ تجلیات اسمٰعیلی کا ''مرکز اہلسنت نمبر'' شائع ہونے جارہا ہے، اس عظیم ترین کاوش پر سب سے پہلے میں محب گرامی گلزار ملت حضرت مولانا سید گلزار اسمٰعیل واسطی قادری زید مجدہٗ سجادہ نشین خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف اوران کے رفقاء کار کو مبارکبادی پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی اس بہترین کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

ہمارے سامنے جب کوئی مرکز اہلسنت کا لفظ زبان سے ادا کرتا ہے تو ذہن کا تبادر فوراً خانوادۂ رضا بریلی شریف کی جانب ہوتا ہے ایسا اس لئے ہے کیونکہ کم وبیش ڈیڑھ سو سال سے اہلسنت کی تعمیر وترقی اور نشر واشاعت کی خاطر ہمارے اکابر ومشائخ اور اصفیاء وعلماء نے جو جانفشانیاں انجام دی ہیں اس کا رشتہ انھوں نے امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلحضرت الشاہ امام احمد رضا

قادری قدس سرہٗ النوارانی سے جوڑ دیا تھا وجہ یہ ہے کہ ان نفوس قدسیہ پر یہ حقیقت عیاں ہو چکی تھی کہ اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے دین مصطفوی کی صیانت وحفاظت کی خاطر جو تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے اس کو گھر گھر پہنچانے ہی میں دین وسنیت کی بقا ممکن ہے اور اسی مرد مجاہد کی بارگاہ کی شایان شان ہے کہ مرکزیت کا سہرا اس کے سر سجا دیا جائے۔ لہٰذا مجھے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ بریلی شریف ہمارا مرکز تھا، ہے، اور رہے گا ان شاء اللہ کیونکہ یہ ہمارے بزرگوں کا فیصلہ وانتخاب ہے جس سے روگردانی ہمارے لئے ممکن نہیں جس پر یہ مجلہ ہمیشہ کے لئے گواہ بن جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس وقت خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف اپنے لائق وفائق سجادہ نشین کی قیادت میں جو ہمہ جہت دینی وملی سرگرمیاں انجام دینے میں مصروف ہے چونکہ یہ بھی اسی مرکز اہلسنت کے مرتبہ نقشے کا رنگ وروغن ہے اس لئے کھلے دل سے اس کا استقبال ہونا چاہئے اور میں خود حضرت صاحب سجادہ کو ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنی عظیم الشان خانقاہ کی طرف سے اس بار زبانی نہیں، قلمی طور پر مرکز اہلسنت نمبر نکال کر بروقت ہم اہل خانقاہ کی ترجمانی کردی فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

آجکل قدرے مصروفیات دامن گیر ہیں پھر بھی عزیز گرامی شاعر خوش فکر حضرت فیروز راحت کلکتوی صاحب کے اصرار پر یہ چند سطور حاضر خدمت ہیں امید ہے کہ نظر قبولیت سے دیکھی جائیں گی۔ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعاء ہے کہ خانقاہ اسمٰعیلیہ اور جملہ خانوادہ کو نظر بد سے محفوظ ومامون رکھے اور سالانہ مجلہ تجلیات اسماعیلی کے اس وقیع ترین پیش کش ,, مرکز اہلسنت نمبر،، کو قبولیت تامہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

والسلام

دعاء گو ودعاء جو

فقیر سید محمد غیاث الدین احمد قادری ترمذی کالپوی غفرلہ

سجادہ نشین خانقاہ محمدیہ کالپی شریف وخانقاہ سلطانیہ ضیائیہ چونرہ شریف

۵/صفر المظفر ۱۴۴۰ھ ۱۵/اکتوبر ۲۰۱۸ء، بروز پیر

شہزادۂ ریحان ملت صاحب سجادہ خانقاہ بریلی شریف حضرت علامہ سبحان رضا خاں سبحانی میاں

حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ خانقاہ اسماعیلیہ مسولی شریف سے میرے جد امجد امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے عرس صد سالہ کے موقع پر ایک ضخیم نمبر بنام "مرکز اہل سنت نمبر" شائع ہو رہا ہے، اور اس موقع پر سمینار بھی منعقد کیا جارہا ہے۔ ہم ارباب خانقاہ کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ جنھوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا میں اس موقع پر سید گلزار ملت زید مجدہٗ اور عزیز محترم فیروز راحت کلکتوی کو اس عظیم وضخیم نمبر کے نکالنے پر صمیم قلب سے دعا گو ہوں کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ ان حضرات سے

زیادہ سے زیادہ دین کی خدمتیں لے۔ اور خانقاہ اسماعیلیہ مسولی شریف کی عظمت میں چار چاند لگائے۔ آمین!

شہزادۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ محمد عسجد رضا قادری، بریلی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ جماعت اہل سنت کی نامور شخصیت اور خانقاہ رزاقیہ اسماعیلیہ مسولی شریف کے سجادہ نشیں حضرت گلزار ملت سید گلزار میاں صاحب مدظلہٗ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے عرس صد سالہ کے موقع پر اپنی عقیدت ومحبت کی سوغات پیش کرتے ہوئے خانوادۂ رضویہ کی دینی خدمات پر مشتمل ''مرکز اہل سنت'' نمبر شائع کر رہے ہیں، مولیٰ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ان کی شخصیت سے مسلمانوں کو خوب فائدہ پہنچائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ واکرم التسلیم۔

محمد عسجد رضا قادری، بریلی شریف

۱۹ر صفر المظفر ۱۴۴۰ھ

حضرت سید جامی اشرف اشرفی الجیلانی، کھمبات، گجرات

پیر طریقت حضرت سید شاہ گلزار اسماعیل واسطی قادری مدظلہ العالی زیب سجادہ آستانہ عالیہ اسماعیلیہ، مسولی شریف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مجھے محترم فیروز راحت صاحب کلکتوی نے یہ خوشخبری سنائی کہ 276واں عرس اسماعیلی کے عظیم الشان موقع پر "مرکز اہلسنت نمبر" شائع ہو رہا ہے۔ آپ نے جماعت اہل سنت کی طرف سے بہت بڑا کفارہ ادا کیا۔

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

متعدد عناوین پر مشتمل اکابرین اہلسنت کی گراں قدر تحریریں یکجا کر کے عوام وخواص تک پہونچانے کا عظیم بیڑا اُٹھایا میں ان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مرکز اہل سنت نمبر کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین!

حضرت سید سلطان احمد صاحب قبلہ، گدی نشیں اجمیر شریف، راجستھان

شاعر اہلسنت حضرت مختصر فیروز راحت کلکتہ کے زیر اہتمام شہزادۂ سرکار مسولی حضور سید گلزار اسمٰعیلی واسطی زید حبہ ”مرکز اہل سنت نمبر“ کے نام سے نہایت جامع اور وقیع سالنامہ شائع کر رہے ہیں جس میں ملک اور بیرون ملک کے ارباب قلم کے معایری مقالے شامل ہو رہے ہیں صاحب سجادہ کا یہ اقدام نہایت تاریخی اور انقلاب آفریں ہے یہ جماعت پر بہت بڑا قرض اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کا جسے خانقاہ مسولی نے چُکانے کی ایک خوبصورت کوشش کی یہ وہ اہم کارنامہ ہے جسے خوب خوب سراہنا چاہیے۔

بریلی شریف کو اکابرین اہلسنت اور مشائخین طریقت نے مرکز تسلیم کیا ہے اور اگر آج چند نادان افراد کے حلق سے یہ بات نہیں اترتی ہے تو مرض حسد کا نتیجہ ہے اور بیمار ذہنوں کا علاج کے لیے صرف ایک ہی شفا خانہ ہے جسے مدینہ کہتے ہیں، خدائے قدیر حضور شیخ طریقت، وارث روحانیت حضرت سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی زید مکارمہ کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے جو مرکز اہلسنت کی حمایت میں ایک اہم نمبر شائع کر رہے ہیں جو معیاری ہونے کے ساتھ معلوماتی بھی ہے ہمیں یقین ہے کہ مطالعہ کے بعد نگاہوں کے جائے دور ہوں گے اور خانقاہی عصبیت کا مطلع ضرور صاف ہوگا میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب سجادہ کی محنت وخلوص کو قبول فرمائے اور علوم اہلسنت کے دامن دل کو فیضان رضا سے مالا مال فرمائے۔

فقیر سید سلطان احمد غفرلہٗ
گدی نشین اجمیر شریف

۞

حضرت مفتی سید شاہ خرشید انور شمسی

ولی عہد خانقاہ شمسیہ ارول بہار

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خانقاہ اسمٰعیلی روحانیت کا مرکز اور رشد وہدایت کا منبع رہا ہے اور ابھی بھی اس کی وہ روایت گل گلزار اسمٰعیلیت حضرت سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی قادری رزاقی اسمٰعیلی کے ذریعہ قائم ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گی۔

یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ خانقاہ اسمٰعیلی کے سالنامہ ترجمان ”تجلیات اسمٰعیلی“ کا امسال عرس کے موقع سے ”مرکز اہل سنت نمبر“ شائع ہو رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بہتر قدم ہے بلکہ حالات کے عین مطابق ہے۔ ابھی جیسے حالات ہمارے ملک میں پیدا ہیں اور جماعت اہل سنت میں انتشار برپا ہے مرکز کے حوالہ سے بھی طرح طرح کی آوازیں اٹھتی رہی ہیں یہ بہت مناسب ہے کہ مرکز کی خدمات کے حوالہ سے ایک آئینہ سامنے آجائے۔

شاعر اسلام جناب فیروز راحت کلکتوی نے یہ خوش خبری سنائی کہ امسال عرس اسمٰعیلی میں ایک علمی پیش کش ہونے جارہی ہے جس کے لئے آپ کا تاثر چاہیئے۔ میں مہینوں کا مریض اور مسلسل زیر علاج رہ کر کمزور اور نقاہت کا شکار ہوں، پھر بھی یہ خوش خبری سن کر شریک بزم عقیدت ہونا قابل فخر سمجھا اور بدقت تمام یہ چند کلمات لکھوادیا۔ یہ جان کر اطمینان بھی ہوا یہ کام مذہبی صحافت اور علمی حلقوں میں مثالی شناخت رکھنے والے ہمارے ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ کے زیر نگرانی ہورہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب بہت ساری خوبیوں کے مالک ہیں یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے ان میں ایک نمایاں وصف صحافت میں مہارت ہے۔ ہمیں یقین یہ نمبر خوب سے خوب تر ہوگا۔

میں اس پیش کش پہ صاحب سجادہ خانقاہ اسمٰعیل اور ان کے جملہ برادران کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یہ بھی گزارش کرتا ہوں کہ میرے لئے دعائے صحت فرمائیں تا کہ میں بھی دین وسنت کی خدمت کرسکوں۔

فقیر خورشید انور شمسی

ولی عہد خانقاہ شمسیہ ارول بہار

علامہ شبیر حسن رضوی، الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد یوپی

نحمدہٗ نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد! حضرت سید السادات سیدنا الشاہ میر اسماعیل بلگرامی بلگرام شریف کے باشندے ہیں اور علوم ظاہری وباطنی سے آراستہ ومزین تھے اور علوم ظاہرہ کی تحصیل میں شروع زمانہ سے ماءل ومنہمک رہے اور کتب درسیہ بالترتیب پڑھیں کچھ کتابیں استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی کی خدمت میں رہ کر پڑھیں اور بعض کتابوں کو دوسری جگہوں پر پڑھا علوم ظاہری کی تحصیل سے فراغت کے بعد علوم باطنی وتصوف وطریقت کی جانب میلان قلبی ہوا تو قطب زمانہ حضرت سیدنا الشاہ عبدالرزاق صاحب بانسوی علیہ الرحمۃ والرضوان وقدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں پہنچ کر ان کی کرم فرمائیوں وشفقتوں سے مشرف ہوئے اور انہیں کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور تقریباً بارہ برس تک حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر ریاضات ومجاہدات فرماتے رہے اور بے شمار فیوض وبرکات حاصل کیے اور راہ طریقت کی بلندیوں تک پہنچ گئے اور حضرت شیخ قدس سرہ کے وصال فرمانے کے بعد سجادگی خلافت پر رونق افروز ہوئے اور شیخ قدس سرہٗ کے تمام خلفا ومریدین ومتوسلین آپ کو اپنا مقتدا سمجھتے اور بہت ہی ادب واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے اور حضرت سیدنا ملا نظام الدین سہالوی علیہ الرحمۃ والرضوان (جو مرتب درس نظامیہ ہیں) نے حضرت شیخ قدس سرہٗ کے وصال کے بعد حضرت سیدنا میر اسماعیل بلگرامی ہی کے جانب رجوع فرمایا اور باطنی علوم وانوار سے عکوس حاصل فرمایا اور حضرت سیدنا الشاہ

بلگرامی قدس سرہ مسولی شریف میں اقامت پذیر تھے اور اکثر بلگرام شریف آتے جاتے رہتے تھے اور ہمیشہ طالبین ومحبین کی ہدایت وارشاد میں مصروف رہا کرتے تھے اور بے شمار خلقت نے ان سے مرید ومتوسل ہوکر اپنے مقاصد ومدعا کو پالیا اور حضرت والا ۱۴/ ذی الحجہ مبارکہ ۱۱۶۴ھ میں اپنے رب جل شانہ سے جاملے اور مسولی شریف میں آرام فرما ہوئے اور قبر مبارک زیارت گاہ عوام وخواص ہے اسی خانوادے کے چشم وچراغ حضرت سیدنا الشاہ گلزار ملت میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ ہیں جو خدمت خلق اور ان کی رشد وہدایت میں مشغول ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے مبلغ ومروج وناشر وناصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کرم کو دراز فرماءے اور خدمت دینیہ لیتا رہے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

فقط: محتاج دعا، گدائے باب رضا

شبیر حسن رضوی، الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی فیض آباد یوپی

حضرت علامہ مفتی ولی محمد صاحب قبلہ، باسنی ناگور شریف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے منظر اسلام بریلی شریف کی بنیاد رکھی یہ پہلا مدرسہ ہے جس کی تعلیم بخاری شریف سے شروع ہوئی اسے سرکاروں کی عطا اور خود مجدد اعظم سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کی کرامت کہنی چاہیے۔ آج پوری دنیا میں ایمان ویقین، عشق وعرفان، اخلاص للّٰہیت، سلوک واحسان اور علم وادب کی جو شعائیں پھوٹ رہی ہیں یہ اسی منظر اسلام کی رہین منت ہیں۔ انہیں خدمات کے تناظر میں پورے برصغیر کے خوش عقیدہ عوام وخواص نے بریلی شریف کو مرکز اہل سنت تسلیم کیا۔

یہ مسرت افزا خبر جناب فیروز راحت کلکتوی نے سنائی کہ خانقاہ اسماعیلیہ مسولی شریف کے روح رواں سیدی سرکار گلزار میاں صاحب قبلہ سالنامہ تجلیات اسماعیلی کا مرکز اہلسنت نمبر نکال رہے ہیں جو یقیناً جماعت اہلسنت کے لیے خوشخبری کا باعث ہے۔ اس نمبر میں ملک کے اہم قلم کار اور اکابر شخصیات کے مضامین وتاثرات شامل ہیں۔ جو نمبر کے وقیع ہونے کی واضح دلیل ہے۔ میں اس معیاری اقدام پر صاحب سجادہ اور ان کے رفقائے کار کو بہت بہت مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خداوند قدوس خانقاہ اسماعیلیہ مسولی شریف کی اس خوبصورت پیش کش کو قبول فرمائے۔ اور ارباب اہلسنت کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مفتی امان الرب قادری رضوی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مرکز کا تحفظ اس کے زیر اثر زندگی گزارنے والے ہر فرد و بشر پر ہے کسی بھی قوم اور مذہب کو کمزور کرنے کے لیے اس کا رشتہ مرکز سے کاٹ دو وہ خود بخود کٹ جائیگا۔ اس لیے ملی، مذہبی، تعلیمی، سماجی اور تنظیمی ترقی کے لیے مرکز سے انسلاک بے حد ضروری ہے اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ہمیں خوشی ہو رہی ہے کہ خانقاہ مسولی شریف اعلیٰ حضرت صدی تقریبات کے موقع سے سالنامہ تجلیات اسماعیلی کا مرکز اہل سنت نمبر پیش کرنے جا رہی ہے، ہمیں یقین ہے کہ یہ نمبر معلومات افزا اور حقائق سے آراستہ ہوگا چونکہ جن شخصیات کے مضامین اس نمبر میں شامل ہیں وہ درسگاہ سے لے کر زبان وقلم تک اپنی الگ شناخت رکھتی ہیں یہ سب صاحب سجادہ کے اخلاص کا نتیجہ ہے کہ اس قدر اہم لوگ ان کی بزم نور میں دوات وقلم لے کر حاضر ہیں میں دعاء گو ہوں کہ خدائے علیم وخبیر امید سے زیادہ مقبولیت عطا فرمائے۔ آمین!

امان الرب رضوی دار العلوم مینائیہ، گونڈہ

مولانا محمد عمران رضا سمنانی میاں خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما

نحن عباد محمد صلی علیہ وسلما

وعلی ذویہ و آلہ ابد الدھور و کرما

اللہ تعالی کا خاص فضل اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ کہ ہمیں اعلی حضرت عظیم البرکت مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ کا صد سالہ عرس رضوی عطا فرمایا کہ ہم اپنے محسن وکرم فرما کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کریں۔

اس سال سرکار اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کی بارگاہ میں تمامی اہل سنت اپنے طور پر خراج تحسین پیش کر رہے ہیں ماشاء اللہ سادات کرام کی مرکزی بارگاہ خانقاہ اسمعیلیہ مسولی شریف سے سرکار مسولی کی امانتوں کے امین حضرت بابرکت گلزار ملت حضرت گلزار میاں قادری واسطی اسمعیلی مدظلہ سجادہ نشین خانقاہ اسمعیلیہ مسولی شریف نے تجلیات اسمعیلی کا مرکز اہل سنت نمبر

شاءع کرنے کا ارادہ فرمایا مجھے حکم ملا کہ کچھ لکھوں

اعلی حضرت کی ذات ستودہ صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں بلکہ اہل سنت کا ایک تعارف ہے علماء حرمین طیبین زادہما اللہ شرفاو تعظیما نے فرمایا کہ جب ہندوستان سے کوئی آتا ہے تو ہم اس سے امام احمد رضا کے بارے میں سوال کرتے ہیں اگر وہ انکی تعریف کرتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ سنی ہے اگر برائی کرتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ بدعتی ہے بس یہی معیار ہمارے پاس ہے اعلی حضرت پر کام ہوا ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ ہوتا رہیگا لیکن ایک خانقاہ سے کام ہونا منظم طریقے سے یہ بڑی بات ہے حضرت گلزار ملت اس کے لئے لاءق صد ستائش ہیں۔

مرکز اہل سنت نمبر شاءع کر کے یہ بتایا کہ کوئی تاج الشریعہ رحمہ اللہ تعالی کے وصال کے بعد کوئی یہ نہ کہے یہ مرکز ہے وہ مرکز ہے بلکہ

مرکزیت کا شرف ہوگا اسی کو حاصل

جس جگہ پیدا کوئی احمد رضا خاں ہوگا

حضرت گلزار ملت فرماتے ہیں کہ میں بریلوی سید ہوں حضرت بریلی شریف سے بڑی محبت فرماتے ہیں اسی لئے اس فقیر بارگاہ رضا محمد عمران رضا سمنانی آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ بریلی شریف پر بڑا کرم فرماتے ہیں

فقط والسلام مع الاکرام

محمد عمران رضا سمنانی خانقاہ نوریہ رضویہ درگاہ اعلی حضرت بریلی شریف

۷ صفر المظفر 1440ھ مطابق 17 اکتوبر 2018ء

مولانا سید اولاد رسول قدسی، امریکہ

اعلیٰ حضرت کی ذات آیت الٰہی تھی

اعلیٰ حضرت امام عشق و محبت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کا شمار عالم اسلام کی عظیم المرتب شخصیات میں ہوتا ہے بلکہ یوں کہا جاءے تو غلط نہ ہوگا کہ عظیم المرتبت شخصیات میں ان کا قد مختلف جہتوں سے نمایاں ہے۔ محققین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالی عنہ کی بعد ان سے ذہین و فطین انسا پیدا نہیں ہوا۔ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ جو کتاب میں ایک بار پڑھ لیتا ہوں وہ مجھے حفظ ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت ماتے ہیں کہ کوئی شخص مجھے کوئی کتاب ایک بار پڑھ کر سنا دے اور دوبارا مجھ سے من وعن سن لے۔ محققین کا یہ بھی بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت نے قرآن مقدس صرف سات گھنٹوں میں حفظ فرمایا۔ میرے علم اور معلومات کی روشنی میں اسلامی تاریخ میں کسی اور شخصیت کو ایسی سعادت نہ ملی۔ اعلیٰ حضرت کی زود نویسی اور قوت

حافظہ کا یہ عالم تھا کہ الدولۃ المکیۃ، خانہ کعبہ میں بیٹھ کر بخار کی حالت میں ساڑھے آٹھ گھنٹے میں قریب قریب ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل کیاب لکھی۔آپ حالت سفر میں اپنی ذاتی لائبریری سے دور تھے، آپ کے ساتھ، آپ کے ساتھ علم غیب کے موضوع پر کوءی کتاب نہ تھی نہ آپ کے مکہ شریف کی کسی بھی لائبریری سے اس سلسلے میں رجوع کیا مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ جس کثرت سے حوالے آپ کی اس کتاب میں ملتے ہیں شاید کسی دوسری کتاب میں ملیں۔ایک دانشور کا بیان ہے کہ عربی ذخیرۂ کتب میں اس سے جامع کوئی دوسری کتاب بہ مشکل نظر آئے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت کی ذہانت وفطانت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار آپ پیلی بھیت شریف تشریف لے گئے، اکابر علماء اور اہل عقیدت کی بزم سجی ہوئی تھی۔حضور محدث سورتی علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت سے جنون کی حد تک محبت تھی۔اس محفل خیر و برکت میں آپ بھی جلوہ افروز تھے۔دوران گفتگو حضرت محدث سورتی نے عقود الدریہ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، کا تذکرہ فرمایا۔اعلیٰ حضرت نے ان سے فرمایا کہ یہ کتاب میں نے دیکھی نہیں ہے۔اگر زحمت نہ ہو تو مجھے دیجئے تاکہ میں اس کا مطالعہ کرلوں۔حضرت محدث سورتی نے کتاب لاکر آپ کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کی کہ میرے پاس اس کا ایک ہی نسخہ ہے لہٰذا بعد مطالعہ اسے واپس کردیجئے گا۔

سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کو اسی دن بریلی شریف واپس ہونا تھا مگر کسی اہم ضرورت کے پیش نظر اس روز واپسی نہ ہوسکی۔رات میں آپ نے پوری کتاب دیکھ لی۔جب کل ہو کر آپ بریلی شریف کے لیے عازم سفر ہوئے، اور اس کی خبر حضور محدث سورتی کو ہوئی تو وہ بغرض ملاقات حاضر ہوئے۔تھوڑی دیر دونوں شخصیات میں گفتگو ہوئی دوران گفتگو سیدنا اعلیٰ حضرت نے، عقود الدامیہ، اپنے تھیلے سے نکالی اور یہ کہتے ہوئے حضور محدث سورتی کی طرف بڑھائی کہ آپ اپنی کتاب رکھ لیں، کتاب کی واپسی پر آپ متحیر بھی ہوئے اور رنجیدہ بھی۔آپ نے برجستہ فرمایا اتنی جلدی کیا ہے کتاب ساتھ لے جائیں مطالعہ کے بعد واپس کردیجئے گا۔سیدنا اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ فقیر کو کل ہی بریلی جانا تھا لیکن نہیں جاسکا تو رات میں کتاب دیکھ لی اب اس کی ضرورت نہیں۔حضور محدث سورتی نے فرمایا کہ کیا ایک رات کا دیکھنا کافی ہے۔آپ نے جواب میں فرمایا، کہ بفضلہ تعالیٰ ایک سال تک، جہاں سے چاہوں گا من وعن عبارت نقل کردونگا اور نفس مسئلہ تو زندگی بھر کے لیے یاد ہوگیا۔

سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی کتاب۔حیات میں اس طرح کے بکثرت واقعات ہیں اگر انہیں جمع وترتیب کے مراحل سے گذارا جائے تو ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہوجائے۔یہ کام تھوڑی سی محنت چاہتا ہے۔میری پریشانی یہ ہے، میں اپنے وطن سے دور ہوں۔ذاتی لائبریری بھی نہیں ہے جہاں ضرورت کی کتابیں مل جائیں۔ان شاءاللہ تدریجاً کام ہوگا یہ تو حضرت گلزار ملت مدظلہ العالی کی محبت اور شاعر خوش فطر مولانا فیروز راحت صاحب کے پیہم اصرار کے باعث مجھے قلم اُٹھانا پڑا۔مجھ سے تاثر کی فرمائش کی۔۔۔۔ورنہ سیدنا اعلیٰ حضرت کی حیات کے مختلف گوشوں پر کئی ایک تحقیقی مقالات طاق کی زینت بنے ہوئے ہیں ان میں کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ۔

یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ خانقاہ اسماعیلیہ مسولی شریف سے مرکز اہلسنت نمبر کی اشاعت ہورہی ہے۔اس نام میں انفرادیت ہے اور اس سے حضور گلزار ملت کی بریلی شریف سے بے غبار و بے لوث محبت وعقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔امید قوی ہے کہ نام کی انفرادیت

کے پہلو بہ پہلو اس کے مضامین بھی انتہائی معلوماتی اور منفرد ہوں گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بریلی شریف مرکز اہلسنت تھا ہے اور رہے گا۔ حاسدین اور مبغضین سر پٹک پٹک کر مر جائیں گے مگر بریلی شریف کی مرکزیت کا ایک بال بھی بیکا نہیں کر پائیں گے۔

میری دعا ہے کہ اس نمبر کو خوب قبولیت ملے اور دیگر نمبرات کے ہجوم میں اس کی اپنی جداگانہ حیثیت برقرار رہے۔

نیاز کیش:

سید اولاد رسول قدسی: ہوسٹن امریکہ

سید محمد فرقان علی، خانقاہ، خیر آباد شریف

عزیز محترم مولانا فیروز راحت صاحب! سلام و رحمت

خانقاہ کا اصل اہداف تزکیۂ نفس اور طہارت باطنی ہے یہی وہ صوفیائے کرام ہیں جو نگاہوں کے روزن سے جھانک کر دل و نگاہ رکی نہ صرف سیاہی دور کرتے ہیں بلکہ برسوں کی تشنہ روح کو منزل آشنا کر دیتے ہیں خانقاہ مسولی شریف کا مشرقی یوپی کی اہم خانقاہوں میں شمار ہوتا ہے موجودہ صاحب سجادہ حضرت سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی ہیں جو صاحب شعور ہونے کے ساتھ نہایت متحرک و فعال بھی ہیں۔ خانقاہ کی تعمیر و تزئین کے ساتھ الجامعۃ الاسماعیلیہ کا قیام آپ کی پاکیزہ قیادت اور حسن تدبر کا منہ بولتا نمونہ ہے۔ جس طرح تعلیم و تعمیر کے روپ سے کم وقتوں میں تاریخی کردار ادا کیا تصنیف و تالیف کے اعتبار سے بھی کئی اہم کتابیں آپ کی خصوصی توجہ سے منظر عام پر آگئیں ہیں اس سال اعلیٰ حضرت صدیق تقریبات کے موقع سے سالنامہ تجلیات اسماعیلی کا اہم اور خصوصی شمارہ بنام "مرکز اہل سنت نمبر" چھپ کر آرہا ہے۔ ملک کے مشاہیر اہل قلم کے نگارشات نمبر کے جامع ہونے کی بین دلیل ہے۔ میری نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔ فقط! والسلام

آپ کا مخلص

سید محمد فرقان علی، خانقاہ، خیر آباد شریف

مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

یہ تو اپنا اپنا ہے حوصلہ اور یہ اپنی اپنی اڑان ہے
کوئی اڑ کے رہ گیا بام تک کوئی کہکشاں سے گزر گیا

اس خبر مسرت اثر نے مجھے کتنا متاثر کیا کہ الجامعۃ الاسماعیلیہ خانقاہ معلی مسولی شریف سے تجلیات اسماعیلی کا دو مرکز اہلسنت نمبر، نکلنے جارہا ہے یہ مجھ پر چھائی ہوئی خوشیوں کی۔۔۔۔۔ہی جانتی ہیں یہ ہر وقت اقدام، صحیح وقت پر صحیح کام اور نہایت ہی نیک انجام کاوش ہے جسے زمانہ برسوں یاد رکھے گا۔ مرکز اہلسنت بریلی شریف سے سچی محبت رکھنے والوں کے لیے یقیناً یہ ایک انمول تحفہ ہوگا اور مرکز سے جلنے والوں کے لیے آئینہ حق نما، اور ان کے لیے بھی نشان منزل ہوگا جو ایک طرف تو مرکز سے محبت دم بھرتے ہیں اور دوسری طرف مرکز کے حاسدین سے بھی ان کا باضابطہ راہ و رسم ہے میں بصمیم قلب حضرت گلزار ملت کو ہدیہ مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ حضرت نے مرکز مخالف آندھیوں کی زد پر مرکز محافظ چراغ جلانے کی محمود کوشش کی ہے، مجھے یقین ہے حضرت جس طرح اپنے تمام متعلقات اور منصوبات میں حسن و دلافروزی کا نور بھرنے کا جو حوصلہ رکھتے ہیں یہ نمبر ہی ظاہری و باطنی تمام تر خوبیوں سے آراستہ و پیراسہ ہوگا۔

حضرت گلزار ملت اس وقت حق کی کھنکتی ہوئی آواز، مرکز اہلسنت بریلی شریف کے جانباز سپاہی، مسلک اعلیٰ حضرت کے پر سوز داعی و مبلغ، اور حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے مشن کے تکملہ کی شکل میں جس طرح دل دل اور دماغ دماغ دستک دے رہے ہیں اس سے انشاء اللہ حاسدین کی دین دوزی بھی ہوگی اور مرکز کی وقار افروزی بھی وہ ایک عظیم و قدیم خانقاہ کے مولی و سجادہ نشیں ہوتے ہوئے بھی جہاں جائے اپنی خانقاہ کا نام اور اپنے آباواجداد کا کام لیکر چلیں بلکہ بریلی اور افکار بریلی کا جام لیکر جاتے ہیں اور منٹوں سکنڈوں میں حاضرین و سامعین کو مست و بیخود کر دلیے ہیں اس وقت تو وہ سکہ رائج الوقت کی طرح افق در افق چھائے اور محفل در محفل عقیدتوں سے نوازے اور برائے اداب و کرام سے سراپنے جارہے ہیں۔ اب اور ان کی مقبولیت میں اور جا۔۔۔۔نہ لگائے۔ آشوب روزمارسے بچائے اور دلوں کا فرش ان کے لیے سجائے ہم مبارکباد پیش کرتے ہین جناب فیروز راحت کو بھی کہ زمین و زماں کی جیسے طنا میں کھینچ کر مرکز اہلسنت نمبر کے لیے قلمکاروں کی حسین۔۔۔۔سجادی ہے، اللہ تعالیٰ اس نمبر کو قبولیت خاص عام اور محبوبیت دوام کی دولت سے شادکام فرمائیں۔

فقط دعا گو، دعا جو:
(ڈاکٹر) غلام مصطفیٰ نجم القادری
پرنسپل الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم: صدر شعبہ دینیات ہمدرد یونیورسیٹی

مشرقی اتر پردیش میں جن خانقاہوں نے خاموشی کے ساتھ ہدایت ورہنمائی اور دعوت وارشاد کے ذریعہ بندگان حق کی تربیت میں کلیدی کردار ادا کیا ہے ان میں قطب الاقطاب حضرت سیدنا عبدالرزاق بانسوی علیہ لرحمۃ والرضوان کے خلیفہ اول وجانشین حضرت سیدنا میر محمد اسمٰعیل واسطی قادری حسینی زیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آستانہ سرفہرست ہے، قابل مبارک باد ہیں اس آستانہ کے صاحب سجادہ پاسبان مسلک اعلیٰ حضرت سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی قادری رزاقی امت برکاتہم القدسیہ جن کی زندگی کا ہر لمحہ بندگان الٰہی کی خدمت ودینی تربیت کے لیے وقف ہے، یہ جان کر مجھے خوشی ہورہی ہے کہ ۲۷۶واں عرس اسمٰعیلی کے مبارک ومسعود موقع پر اس آستانہ کا آرگن ''تجلیات اسمٰعیلی'' کا شمارہ اس سال صد سالہ عرس رضوی کی مناسبت سے'' مرکز اہلسنت'' کے نام سے خاص ہوگا، جس میں '' مرکز اہل سنت'' کی جلیل القدر شخصیات، ان شخصیات کی عظیم الشان خدمات اور ان کی روحانی تجلیات کے تعلق سے ارباب فکر ودانش کی زریں نگارشات کو زیور طبع سے آراستہ کر کے حلقۂ علم وادب میں پیش کیا جائیگا، بلاشبہ یہ عمل نہ صرف قابل ستائش ہے بلکہ قابل تقلید بھی ہے، ویسے اس مرکز کی جتنی علمی ودینی خدمات ہیں اسے منظر عام پر لانے کے لیے اکیڈمیوں کی ضرورت ہے'' کار دنیا کسے تمام نہ کرد'' کے بمصداق صاحب سجادہ سید گلزار میاں نے اس طرف توجہ فرمائی اور اپنی خانقاہ کے پلیٹ فارم سے دوسری خانقاہ کا پرچم بلند کیا یہ اپنے آپ میں باعث حیرت بھی ہے اور سبب افتخار بھی ہے اس اقدام پر میں صاحب سجادہ کو ایک بار بھی مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ چراغ سے چراغ جلنے کی روایت کے مدنظر دوسری خانقاہوں سے بھی مرکز اہل سنت کی علمی ودینی خدمات کا اعتراف بھی اسی انداز میں کیا جائے گا۔

پروفیسر (ڈاکٹر) غلام یحیٰ انجم

صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ یافتہ۔ 20/10/2018

مرکزِ اہل سنت نمبر: لائق تحسین وآفریں ہے

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

مرکز اہل سنت بریلی شریف کی ہمہ گیر وہمہ جہت اور آفاقی خدمات کا اک جہاں معترف ہے۔ یہاں سے علم وفضل کے صدہا چراغ روشن ہوئے جن کی شعاعوں سے اکنافِ عالم میں پھیلی ہوئیں باطل کی ظلمتیں مٹیں اور خوش عقیدگی کے انوار پھیلے۔ قندھار میں قبیلۂ بڑھیچ کا ایک نیک فرد تھا، جو لاہور تشریف لایا اور مغلیہ حکومت کے شش ہزاری عہدے پر براجمان ہوا۔ اسی خوش نصیب فرد کے سعادت مند بیٹوں نے دہلی میں سعادت نہر جاری کروائی اور سعادت گنج بسایا، اسی خانوادۂ ذی شان کا ایک باہمت مردِ جلیل

بریلی کی مہم پر روانہ کیا گیا اور فتح و نصرت نے اس کے قدموں کو بوسہ دیا۔ مغلیہ دور سے لے کر انگریزی عہد کے ہندوستان میں اس خاندان کی ملکی وسیاسی اور قومی وملی فتوحات کی تاریخ بڑی روشن اور تاب ناک ہے جو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

یہ وہ خاندانِ عالی شان ہے جس نے تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن کے میدان میں گہرے نقوش مرتب کیے ۔اس خانوادے کا ایک فردِ فرید جغرافیائی سرحدوں کی پاسبانی سے ہٹ کر دینی سرحدوں کی حفاظت میں لگ گیا۔ علوم ومعرفت کی محفلیں سجائیں، عبادت وریاضت کی بزمیں آراستہ کیں، زہد وتقویٰ کی مثالیں پیش کیں اور تزکیہ وطہارت کے میدان میں وہ نام پیدا کیا کہ لوگ پروانہ وار اس شمع پر قربان ہونے لگے۔ اس مردِ جلیل کا نام تھا رضا علی خاں جنھیں اہل محبت امام العلماء حضرت مولانا شاہ رضا خان بریلوی کہتے ہیں۔

اسی مردِ قلندر سے قندھار کے بڑھیچ قبیلے کے اس خاندانِ عالی شان کی نئی تاریخ کے باب وَا ہوتے ہیں، جو دین ومذہب، تفسیر وحدیث، قرآن وسنت، فقہ وافتا، تاریخ وسیر، ہدایت وارشاد، علم وادب، فلسفہ واخلاق، زہد وورع، صبر ورضا، فکر وفن، شعر وسخن، ابطالِ باطل اور احقاقِ حق وغیرہ کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ واستحکام کو محیط ہے۔ اب یہی خاندان ؛خانوادۂ رضا کے نام سے اکنافِ عالم میں مشہور ومعروف ہے اور افق افق اس کے چرچے ہیں، وادی وادی اس کا نام ہے، اس کی عزت وعظمت اور اس کی شہرت ومنزلت کا سکہ لاکھوں دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ خاتم المحققین حضرت مولانا شاہ نقی علی خان، مجدد اسلام مولانا شاہ امام احمد رضا خان، حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا خان، تاجدارِ اہل سنت حضرت مولانا شاہ مصطفی رضا خان اور ان کے عم محترم استاذ زمن حضرت مولانا شاہ حسن رضا خان، مفسر اعظم حضرت مولانا ابراہیم رضا خان جیلانی میاں، ریحانِ ملت حضرت مولانا ریحان رضا خان رحمانی میاں اور تاج الشریعہ حضرت مفتی اختر رضا خان علیہم الرحمۃ والرضوان یہ وہ گل ہائے سرسبد ہیں جنھوں نے دین ودیانت کے ایوانوں میں وہ روشنیاں بکھیریں کہ جن کے سبب آج دنیا بھر میں بسنے والے خوش عقیدہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد بریلی شریف کو "مرکزِ اہل سنت" تسلیم کرنے میں بے پناہ فخر محسوس کرتی ہے۔

علم وفضل کی ترویج واشاعت کے لحاظ سے "خیرآبادی سلسلۂ علم" اور "دہلوی سلسلۂ علم" کے بعد ہندوستان میں تیسرا سب سے بڑا علمی سلسلہ "مرکزِ اہل سنت بریلی شریف" کو قرار دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔ تن تنہا مجدد اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہٗ نے جس انداز سے علمی وفقہی، احیائی وتجدیدی، اصلاحی ودعوتی، دینی وسیاسی، معاشی ومعاشرتی، قومی وملی، تہذیبی وتمدنی اور شعری وادبی کارنامے انجام دیے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات علوم وفنون کا مرکز ومنبع تھی۔ آپ گوناگوں صفات کے حامل عظیم مربی کی حیثیت سے اپنے دریائے علم وفضل سے سیراب ہونے والے تشنگانِ علوم وفنون کی اس احسن طرز سے پیاس بجھائی کہ ان میں سے ہر ایک کو چندے آفتاب چندے ماہتاب بنا دیا۔ جنھوں نے دنیا بھر میں پیغام شہِ احمد رضا کو خوب خوب عام کیا۔ امام احمد رضا بریلوی کے انھیں خلفا وتلامذہ اور ان کے خلفا وتلامذہ، مریدین ومتوسلین اور فیض یافتہ افراد کی خدماتِ جلیلہ یقیناً "مرکزِ اہل سنت بریلی شریف" ہی سے مستنیر کہلائے گی۔

یہ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان قادری برکاتی بریلوی (م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) ہیں، علم وادب کے عظیم الشان شہسوار...... یہ مبلغ اعظم علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ہیں (م ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء) ہیں، میدانِ تبلیغ وارشاد کے منارۂ نور...... یہ حضرت اقدس مولانا دیدار علی الوری (م ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء) ہیں، احقاقِ حق وابطالِ باطل میں منفرد و یکتا...... یہ ملک العلماء علامہ سید ظفر الدین بہاری (م ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) ہیں، علوم جدیدہ فلکیات، ہیئات، زیجات، تکسیر، نجوم اور توقیت کے درخشندہ ماہتاب...... یہ عبیدالاسلام مولانا عبدالسلام جبل پوری (م ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء) روحانیت کے تاجدار، تصوف وطریقت کے راہی اور قطبِ زمانہ...... یہ صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) ہیں، مصنف بہارِ شریعت، علم فقہ کے نابغۂ روزگار عبقری اور استاذ الاساتذہ...... یہ صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء) ہیں، صاحب تفسیر خزائن العرفان، علم قرآن وتفسیر قرآن اور تقابل ادیان کے درنایاب اور اپنے عہد کے ممتاز مناظر اور مایۂ ناز استاذ...... یہ سحر البیان مولانا سید احمد اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھوی (م ۱۳۴۳ھ) ہیں، میدانِ خطابت کے بے تاج بادشاہ اور ساحر البیاں خطیب...... یہ حضرت علامہ مختار احمد صدیقی میرٹھی (م ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء) ہیں، علوم قدیمہ وجدیدہ کے حسین سنگم اور سیاست وریاست کے بہترین راہی، تبلیغ وارشاد کے گوہر تابدار...... یہ سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری رضوی (م ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء) ہیں، سحر بیاں مقرر، آزادیِ ہند کی تحریک کے نامور سپاہی، حق پسند وحق گو اور باطل شکن...... یہ مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفی رضا قادری برکاتی بریلوی (م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء) ہیں، امام احمد رضا بریلوی کے فرزند اصغر اور آپ کے مظہرِ جمیل...... یہ مولانا عبدالباقی برہان الحق جبل پوری (م ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء) ہیں، فقہ وافتا نویسی کے آفتاب، روحانی فیوض وبرکات کے امین...... غرض یہ کہ کہاں کہاں تک...... کس کس طرح...... اور کیسے کیسے...... مرکزِ اہل سنت بریلی شریف کے ان ارشد فیض یافتگان کی خدمات جلیلہ کا ذکر خیر کیا جائے...... ان حضرات کی بے لوث دینی وعلمی، فقہی واصلاحی، شعری وادبی اور سماجی وسیاسی خدمات ہر رخ سے آفاقیت لیے ہوئے ہے۔

گویا مرکزِ اہل سنت بریلی شریف کے متوسلین کی گراں قدر خدمات کو کماحقہٗ بیان کرنے کے لیے ایک عظیم دفتر درکار ہے۔ قابلِ صد مبارک باد ہیں خانقاہِ اسماعیلیہ کے موجودہ سجادہ نشین مخدوم گرامی وقار، گلشن اسماعیلی کے گل رعنا، آسمانِ رزاقی کے نیر درخشاں، بحر بلگرامی کے لعل بدخشاں، واقف شریعت وطریقت، حضرت علامہ شاہ سید گلزار اسماعیل واسطی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کہ جنھوں نے صد سالہ عرسِ رضا کی مناسبت سے خانقاہ اسماعیلیہ کے سالنامہ مجلہ ''تجلیاتِ اسماعیلی'' کے پیش نظر شمارے کو خصوصیت کے ساتھ ''مرکزِ اہل سنت نمبر'' سے معنون کر کے نہ صرف خانوادۂ رضا بلکہ فیض یافتگانِ رضا کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کی ہے۔ یقیناً یہ شمارہ ہر لحاظ سے لائق تحسین وآفرین ہے۔ میں اس اہم تاریخی دستاویز کی اشاعت پر حضرت گلزارِ ملت، خانقاہِ اسماعیلیہ کے جملہ فرزندان گرامی، اعوان وانصار، رسالے کے ایڈیٹوریل بورڈ کے اراکین، مرتبین، قلم کاران، شعرائے کرام اور معاونین کو ہدیۂ تبریک وتہنیت پیش کرتا ہوں۔ اللہ عزوجل بہتر جزا عطا فرمائے، آمین!

حضرت اقدس علامہ سید گلزار اسماعیل واسطی صاحب قبلہ کی ذاتِ بابرکات عوام وخواص کی توجہ کا مرکز ہے۔ بڑے بڑے

ارباب علم وفضل آپ سے محبت کرتے ہیں۔آپ کو چاہتے ہیں۔آپ سے عقیدت رکھتے ہیں۔حضرت گلزارملت کے ماموں زاد بھائی، میرے دیرینہ کرم فرما،شہزادۂ حضور احسن العلماء شرف ملت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی مارہروی کیا خوب نقاشی فرماتے ہیں:''بزرگوں کی مسند کی زینت،عزیزی گلزارمیاں دنیائے سنیت میں خوب خوب مشہور ہیں،مشائخ کی محفلیں ہوں کہ علما کے نورانی اجلاس،بزم ہائے مشاعرہ ہوں کہ مدارس کے سالانہ جلسے وہ ہر جگہ سراہے اور چاہے جاتے ہیں۔''(حوالہ:تقریظ سید عالی نسب)

ناچیز خانقاہِ اسماعیلیہ کی آبرو حضرت گلزارِملت کی فروغِ اہل سنت خصوصاً مسلکِ اعلیٰ حضرت کے تحفظ واستحکام کے لیے مسلسل اور پیہم جاری سعیِ بلیغ اور کاوشاتِ جمیلہ کو نہایت ادب واحترام سے سلامِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مسرت وشادمانی کے جذبات سے سرشار ہے۔اللہ کریم آپ کی خدمات جلیلہ کو قبول فرماتے ہوئے آپ کے ظلِ ہمایوں کو اہل سنت کے سروں پر قائم ودائم رکھے۔آمین!

محمد حسین مشاہد رضوی

۴ر صفر المظفر ۱۴۴۰ھ/ ۱۴ر اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز اتوار

سروے نمبر ۳۹، پلاٹ نمبر ۱۴ نیا اسلام پورہ، مالیگاؤں، ناسک، مہاراشٹرا

۞

سرکار مسولی میر محمد اسماعیل واسطی علیہ الرحمہ

مولانا محمد ابوالکلام ہمدم ہزاری باغ۔مقیم حال مکہ شریف

مسولی شریف کی خانقاہ تقریباً ۳۰۰ سال پرانی خانقاہ ہے جہاں میر محمد اسماعیل واسطی علیہ الرحمہ کا فیض وکرم تقسیم ہوتا ہے مجدد اعظم امام اہل سنت رضی اللہ عنہ نے جن کے بارے میں فرمایا:

بہر اسماعیل خم میر اسر تسلیم کر

اس قتیل شیوہ صبر و رضا کے واسطے

یقیناً مجدد اعظم اعلی حضرت اور خانوادہ اعلی حضرت کو ہمیشہ اس خانقاہ سے ایک عظیم تعلق رہا ہے۔۔جس کا اندازہ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ سرکا مسولی اعلی حضرت کے پیران طریقت میں سے ہیں اعلی حضرت نے انہیں بزرگوں کا فیضان عرب وعجم میں عام کیا...جب آپ دوسری بار حج بیت اللہ کے لئے مکہ شریف آئے تھے تو حسام الحرمین الدولۃ المکیۃ جیسی عظیم تصنیفات سے قوم کو مالا مال کیا..

یہی وہ سرزمین مکہ ہے جہاں کے مفتی اعظم نے آپ کو مجدد ماۃ حاضرہ کہا تھا یہیں کے علماء ومشائخ نے کہا تھا کہ اعلی حضرت عشق رسول کی عظمتوں سے بہرہ ور ہیں...جب اعلی حضرت مکہ شریف سے واپس ہو رہے تھے تو یہاں کے علماء نے آپ سے اجازتیں حاصل کیں اور آپ سے بیعت بھی ہوئے...جب مکہ کی عظمت کی بات آتی ہے تو اعلی حضرت یوں فرماتے ہیں

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاھد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

آج سرکار مسولی کے فیوض و برکات سرکار گلزار ملت پورے عالم میں تقسیم فرما رہے ہیں لوگ ان کے تقوی طہارت و پاکیزگی سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ دامن کرم میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں...

خداوند کریم اس خانوادہ کا صدقہ ہم سبھی کو عطا فرمائے۔ آمین!

مولانا سید شباہت علی قادری جنہٹا شریف ضلع سنبھل

عصر حاضر میں میری نگاہوں نے چہار سمت ڈھونڈا اور یہ تلاش مسولی جا کر ختم ہوئی

وہ عادات واطوار جو میں نے اپنے اسلاف اکرام کے پڑھیں ہیں انکی عکاسی مسولی میں دیکھی جاسکتی ہے اخلاق مصطفی کا بہترین نمونہ سادات کی بہترین روایت اپنے متعلقین اور محبین میں مساوات کا نظام اصاغر نوازی کرم فرمائیاں ان تمام خوبیوں کا مرکب اک فرد واحد میں اگر آپ دیکھنا چاہیں تو آپ مسولی کے دولہا حامل جبہ مالائے کائنات پیر طریقت محافظ مسلک اعلی حضرت سرکار گلزار ملت کو دیکھنے کے بعد انشااللہ آپکی تلاش ختم ہوسکتی ہے اللہ تعالی حضرت کی عمر دراز کرے اہل بیت کے صدقے دین کا زیادہ سے زیادہ کام لے۔

دعا گو: سید شباہت علی قادری جنہٹا شریف ضلع سنبھل

مولانا محمد ارشد رضوی سجادہ نشیں خانقاہ رضویہ اسلمیہ

یہ جان کر بے پناہ خوشی ہوئی کہ گل گلزار اسماعیلی آل رسول شیخ با اصول پیر طریقت رہبر شریعت حضرت سید الشاہ گلزار اسماعیل صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی سرپرستی میں سالنامہ تجلیات اسماعیلی کا دوسرا خصوصی شمارہ مرکز اہل سنت نمبر کے نام سے اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے جو خانقاہ واسطیہ اسماعیلیہ کا نقیب وترجمان اور مسلک اعلیٰ حضرت کا علمبردار و پاسبان کی حیثیت رکھتا ہے سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے عرس صد سالہ کے موقع پر شائقین علم وادب کے لئے کسی تحفہ نایاب سے کم نہیں

مولی تعالی مشائخ مسولی شریف کے فیضان کو عام فرمائے اوران کے روحانی برکات سے اہلسنت وجماعت کو ہمیشہ مالا مال رکھے آمین

محمد ارشد رضوی سجادہ نشیں خانقاہ رضویہ اسلمیہ
ومہتمم جامعہ قادریہ مقصود پور اورائی مظفر پور بہار

مجلس علمائے اسلام بنگال

ھیڈ آفس: ۳؍نمبر ولی اللہ لین، کلکتہ: ۱۶

عالم اسلام میں عرس صد سالہ رضوی کی دھوم ہے، عشقا قان رضا پوری آب وتاب کے ساتھ صدی تقریبات میں مصروف ہیں، سیمینار، سمپوزیم، نعتیہ ومنقبتیہ انعامی مقابلہ، کانفرنس، اجلاس، نمبرات کی اشاعت، کتب افکار رضا اور تصانیف رضا کی طباعت کی تیاریاں شباب ہیں۔

خانودہ اسماعیلیہ صغرویہ جماعت اہلسنت کی ایک عظیم اور قدیم خانقاہ ہے، اس خاندان بابرکات کی نفوس قدسیہ نے اپنی تبلیغی، علمی، تصنیفی، فقہی، روحانی اور مسلکی خدمات پر وہ نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں، جو تاریخ اسلام کا ذریں باب ہے۔

دور حاضر میں اہل سنت و جماعت کی پہچان مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح سے ہے، اس اصطلاح جدید کی ضرورت کیوں پڑی، یہ ایک علمی بحث ہے، اس سے قطع نظر خانوادۂ اسماعیلیہ کے چشم و چراغ اور سچے جانشیں شہزادۂ عالی وقار حضور گلزار ملت علامہ سید الشاہ گلزار اسماعیل واسطی دامت برکاتہم العالیہ اس اصطلاح جدید کا خیر مقدم کرتے ہوئے آج نہ صرف ترجمان بنے ہوئے ہیں بلکہ اسے برحق جان کر اسی میں آخروی نجات کے قائل وفائل ہیں۔

خانودۂ اسماعیلیہ اور خانوادۂ رضویہ کا ایک اٹوٹ رشتہ زمانہ قدیم سے ہے، ہمارے مجدد اعظم سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے جب سے اپنا روحانی رشتہ تاجدار مارہرہ مطہرہ سیدنا سرکار سید آل رسول احمدی رضی اللہ عنہ کے توسل سے جوڑا، اسی وقت سے بلگرام شریف، مسولی شریف اور مارہرہ شریف خانوادۂ رضویہ کو جبیں سائی کا مقام عشق مل گیا۔

میرے مرشد اجازت حضور گزار ملت مدظلہ العالی اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں، سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ، سرکار حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ، سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ، سرکار مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ اور میرے مرشد برحق حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ سے حد درجہ محبت کرتے ہیں اور خود کو مسلک اعلیٰ حضرت کے مبلغ اور فکر تاج الشریعہ کے ترجمان کی حیثیت سے شمار کراتے ہیں۔

اس خاکدان گیتی پر سادات کرام میں سادات کالپی، بلگرام، مسولی، مارہرہ نے خصوصی طور خانوادۂ رضا کے ہر ایک شرعی اعلان اور فکر کا استقبال ہر دور میں کیا ہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت کی ذات پاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائے ہوئے ہیں، یہی سبب ہے کہ جب سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے صد سالہ عرس رضوی کا اعلان عام ہوا تو دوسری خانقاہوں نے جہاں اس صدی تقریبات کے لئے اپنے پروگراموں کی تفصیل دنیا کے سامنے پیش کیا تو خانوادۂ اسماعیلیہ کے نور نظر اور مولائے کائنات کے لخت جگر حضور گلزار ملت مدظلہ العالی نے اپنے قدیمی روحانی رشتہ کے پیش نظر ۲۱۰۸ء عرس اسماعیلی قادری میں ''مرکز اہلسنت نمبر'' کی اشاعت کا اعلان کر کے دنیائے سنیت میں ایک غلغلہ پیدا کر دیا اور خانقاہ اسماعیلیہ کی فراخ دلی کا مظاہر کر کے شادکام ہوئے۔

مجلس علمائے اسلام مغربی بنگال ''حضور گلزار ملت مدظلہ العالی'' کے اس وسعت قلبی اور تاریخی کارنامہ پر مخدوم گرامی اور تمام احباب جو اس کام میں دست بازو بنے ہوئے ہیں، صد مبارک بادی کے لائق ہیں اور ہمارے برادر طریقت شاعر خوش بیاں محترم محمد راحت رضوی صاحب بھی لائق ستائش ہے کہ اس عظیم کام میں ہمارے مرشد گرامی کے ساتھ سچے معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام اہل حق کو مجدد اعظم حضرت محدث بریلوی قدس سرہ کے مسلک و مشن کی ترویج و اشاعت کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور خانقاہ اسماعیلیہ و رضویہ کے فیوض و برکات سے سرفراز فرمائے (آمین)

(مولانا) محمد شاہد القادری
جنرل سکریٹری مجلس علمائے اسلام بنگال

حضرت قاری روشن القادری، لکھنو

یہ خبر سن کر حد درجہ مسرت ہوئی کہ خانقاہ مسولی شریف، تجلیات اسمٰعیلی کا سالنامہ بنام ''مرکز اہلسنت نمبر'' شائع کرنے جارہی ہے جسے خانقاہ کا ایک انقلابی قدم کہنا چاہیے آپ کو اس نمبر میں وہ سب کچھ ملے گا جو ایک مرکز کا تقاضہ اور اس کے لوازمات ہیں۔ آج کل یہ آواز سنائی دے رہی ہے کہ امام احمد رضا نے صرف کتابیں تحریر کیں افراد تیار نہیں کیے حالانکہ درایت اور روایت دونوں کے خلاف ہے آج پورے برصغیر میں کوئی بھی تحریک، تنظیم، ادارے اور افراد ہیں ان سب کا رشتہ بریلی شریف سے ملتا ہے۔ سوسال افراد ہیں ان سب کا رشتہ بریلی شریف سے ملتا ہے سوسال میں ملک نے جو شخصیت سازی کی اور مسلمانان ہند کے ایمان و عقیدے کے تحفظ کے لیے جس تنظیم و تحریک کو قائم فرمای اور اس نے جس اخلاص و یقین کے ساتھ ایمان بچایا اس سے مرکز کی فعالیت اور احساس مسئولیت پورے طور پر نمایاں ہے میں حضور صاحب سجادہ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں جو حالات کے چیختے تقاضوں کی تکمیل فرما رہے ہیں۔

محتاج کرم:
روشن القادری، لکھنو

اعتذار

قارئین کرام!　ایک ماہ کے مختصر عرصہ میں مرکز اہل سنت بریلی شریف کی سوسالہ تاریخ کو سمیٹنا آسان نہیں، تھا مگر فیضان سرکار مسولی اور اعلیٰ حضرت سرکار کی کرم فرمائیوں سے یہ مرحلہ شوق ہم نیازمندوں نے طے کرلیا، اس درمیان کٹھنائیاں پریشانیاں الجھنیں سبھوں سے سابقہ رہا مگر دل کا اطمینان اپنی جگہ برقرار رہا کہ یہ زندگی کے قیمتی لمحے ہیں جو توشۂ آخرت بن کر آخرت میں ان شاء اللہ ہمارے سامنے آئیں گے۔ مگر اک خلش ہے جس کے لئے کلمات اعتذار کا سہارا لینا پڑا کہ کم وقت میں بڑے کام کو سمیٹنے میں یقینا کہیں نہ کہیں کوئی لغزش راہ پا گئی ہو، جس کا تعلق کمپوزنگ سے ہو خواہ مضامین و مقالے کی معنویت سے۔ ہم پیشگی اس کے لئے معذرات خواہ ہیں اور عفو و کرم کے خواستگار۔ اللہ رب العزت ہماری یہ جدوجہد قبول فرمائے اور لغزشوں کو معاف فرمائے۔ آمین

باب دوم

ہندوستان میں علمی و دینی مراکز

تذکرہ علمائے اہل سنت دہلی

شاہ مفتی محمود احمد رفاقتی اشرفی: مظفر پور

برکۃ المصطفیٰ فی الہند شیخ عبدالحق محقق دہلوی

ولادت ۹۵۸ھ وصال ۱۰۵۲ھ

حضرت برکۃ المصطفیٰ فی الہند شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ علم وفضل ومعرفت اور علم یقین کے آفتاب ہی نہ تھے، ماہتاب بھی تھے۔ ان کی ذات گرامی بندگانِ خاص کے درمیان فضل مولیٰ جل شانہٗ کی خاص نشانی تھی، ان کا وجود گرامی فخر اسلاف کبار تھا، اُن کے نفس قدسی کی برکتوں سے اسلامیوں میں انوارِ احادیث مصطفائی کا اُجالا پھیلا ان کی ولادت محرم الحرام ۹۵۸ھ میں ہوئی۔ سلیم شاہ سوری کے عہد میں اہلِ دین اور اہل یقین گھرانے میں ہوئی جس کی صبح درخشندہ اور راتیں تاباں وتابندہ تھیں والد ماجد نے محبت و الفت تمام آپ کی طرف مبذول رکھی، تعلیم کا آغاز انہوں نے خود کرایا، اس کا منہاج بھی عام طریقوں سے جدا تھا، حروف تہجی کی شناسی کے بجائے قرآن پاک پڑھایا، دو تین ماہ میں قرآن کی تکمیل کرلی، اور تھوڑی مدت میں کتابت انشا کا سلیقہ حاصل ہوگیا، رسمی کا آغاز کرایا تو اس کا طریقہ بھی رسم زمانہ سے الگ تھا، ختم قرآن مجید کے بعد ہی میزان شروع کرادی اور مصباح وکافیہ تک خود تعلیم دی، پڑھاتے وقت فرماتے کہ ان شاء اللہ تو جلد دانشمند بن جائے گا، بارہ تیرہ کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی، پندرہ سولہ برس کی عمر میں مختصر ومطول سے فارغ ہوئے۔ ۲۲ برس کی عمر میں علوم نقلی وعقلی کی تحصیل سے اس طرح فارغ ہوئے کہ ہر علم سے مختصر پڑھ کر فارغ ہوگئے، حضرت شیخ محمد شاہ اس کو حضرت والد ماجد کی دعاء کی برکت فرماتے ہوئے فرماتے کہ تحصیل علوم میں مجھ کو ایسی سرعت حاصل ہوئی کہ جس کو طے زمان اور طے مکان کہتے ہیں حضرت شیخ نے دہلی میں اپنے گھر سے دو میل دور کے مدرسہ میں علماء ماوراالہند سے علوم دانشمندی پڑھا، ان کے اساتذہ کے نام خود تحریر نہیں فرمائے۔ حضرت شیخ کو علوم میں کیسا درک حاصل ہوا کہ وہ زمانے پر روشن ہے۔

حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ میں شوق وشغف تحصیل و تکرار علم کے باوجود اس طفل میں کثرت نماز واوراد، شب خیزی اور مناجات کرتا تھا، اسی جذبہ کی وجہ سے علماء اولیاء کی صحبت میں جا بیٹھتا، انہیں میں حضرت شیخ اسحاق سہروردی ملتانی متوفی ۹۸۹ھ بھی تھے وہ اکثر خاموش رہتے تھے، لیکن

شیخ محدث ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو سخنِ بسیار کرتے حضرت شیخ محدث نے والد ماجد کی ترغیب و رہنمائی میں ۲ شوال المکرم ۹۸۵ھ/۱۵۷۷ء کو حضرت سید موسیٰ پاک گیلانی قدس سرہ کے دستِ مبارک پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعتِ ارادت پائی۔ حضرت شیخ محدث حضرت سید گیلانی کی صحت سے خوب خوب فیض یاب ہوئے اور سلسلۂ عالیہ قادریہ کی خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت شیخ محدث کو اپنے شیخ کی ذات پاک سے ارادت قلبی حاصل تھی۔ اس کا اظہار اخبار الاخیار میں خوب خوب ہوا ہے۔ حضرت سید گیلانی آخر میں ملتان تشریف لے گئے، وہاں آپ کی ۱۰۰۲ھ شہادت واقع ہوئی۔

حضرت شیخ نور الحق محدث کا لکھا ہوا جو کتبہ مرقد پر لگا ہوا ہے، اس میں ۲۲ ویں برس تحصیل علوم دینی سے فراغت کا سال لکھا ہوا ہے۔ اس طرح حضرت محدث نے ۱۰۸۰ھ میں علوم کی تحصیل کی ۹۸۵ھ میں حضرت موسیٰ پاک گیلانی ملتانی قدس سرہ کے زیر سایہ کرم آگئے۔

حضرت شیخ محدث اُن کے فضائل ومناقب سے بے حد فیض یاب ہوئے۔ اس کا بیان اُن کے مبارک قلم سے محفوظ ہے۔ حضرت شیخ محدث کے والد ماجد حضرت نے ۲۷ شعبان المعظم ۹۹۵ھ میں وفات پائی اس وقت تک آپ ان کی خدمت گزاری کے لیے ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ اخبار الاخیار شریف کی تالیف حضرت محدث کی اولین کتاب ہے۔ یہ اسی دور کی یادگار ہے۔ ۹۹۵ھ کے اوائل میں سفر حج وزیارت کے ارادہ سے صوبہ گجرات میں داخل ہو گئے۔ درمیان کا چار سال کا عرصہ کہاں گزرا، کیا مشاغل رہے، اس کے متعلق حضرت شیخ ہی کا بیان محفوظ ہے، انہوں نے اپنے شیخ حضرت شیخ عبدالوہاب کو ایک خط میں لکھا ہے کہ

''میں کم سنی ہی سے تعلیم وتعبد کی ریاضت میں رہا، میں عوام الناس کی صحبت واختلاط اور میل جول سے الگ رہا، جب مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا اچھا حصہ مل گیا اور میں نے اس سے اپنی حاجت وضرورت پوری کرلی تو بعض اہل حقوق نے مجھے اہل دنیا نویں سلطانِ وقت اور امراء کے پاس پہنچا انہوں نے میرے ساتھ توجہ کی اور میرا رتبہ بلند کیا، انہوں نے میرے ذریعے اپنی جماعت بڑھانے اور اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کا ارادہ کیا، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا اور اُن کے ساتھ مجھ کو نہ چھوڑا اور اپنے اس بندے کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا جس نے مجھے اس مقام شریف تک پہنچایا''۔

حضرت شیخ محدث قدس سرہ احمد آباد پہنچے تو بخشی مرزا نظام الدین احمد نے اصرار کر کے اپنے پاس ٹھہرایا، یہاں حضرت افضل العلماء علامہ امام شیخ وجیہ الدین احمد علوی کا آفتاب فیضان ضوفشانی کر رہا تھا اور ان کا آخر عہد تھا، آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ محرر سطور جس وقت کہ بقصد زیارت سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم احمد آباد، گجرات پہنچا اس وقت وہاں متاخرین مشائخ میں شیخ وجیہ الدین جامع کمالات وبرکات سن رسیدہ بزرگ درس وتدریس میں اور کتابوں کی تصنیف اور تربیت ارشاد وطالبان

میں مشغول تھے، ان کی ملاقات کی سعادت سے مستفید ہوا اوران سے سلسلۂ عالیہ قادریہ کے بعض اذکار واشغال حاصل کیے، بخشی نظام الدین احمد کی مدد سے جہاز میں بیٹھ کر حجاز مقدس روانہ ہوئے، حضرت شیخ محمد قدس سرہ نے رسالہ صلوہ الاسرار میں تحریر فرمایا ہے کہ ان کے شریک سفر ایک قادری درویش تھے، صبح کو جب جہاز کا لنگر اُٹھایا جاتا یہ درویش جہاز کے ایک کونے میں بیٹھ کر حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا نام نامی زورزور سے بلند کرتے آپ کوان کی آواز بہت بھلی لگتی یہ سفر رمضان ۹۹۶ھ سے بہت عرصہ پہلے تمام ہوا، حضرت شیخ نے محدثین مکہ سے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا درس لیا اس کے بعد حضرت شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ان کی خدمت میں علم الٰہی اور علم مصطفائی کا فیضان حاصل کیا اور جب مدینہ منورہ میں زیارت پاک کا عزم کیا تو وداع کے وقت سیدی حضرت شیخ عبدالوہاب قدس سرہ نے درود پاک

اللّٰهم صلی علی سیدنا محمد عبدك و رسولك النبی الامی و علیٰ اله و صحبه و بارك وسلم

کے ورد کی اجازت مرحمت فرمائی، حضرت محدث دہلوی نے اسی حاضری وحضوری کے موقع پر جذب القلوب الی دیار المحبوب لکھی حضرت شیخ نے اس سفر سعادت کا قال خود تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں:

> بجاذبۂ غیبی ترک یار و فعارقتِ اہل وعیال درواى طلب وغربت افتادہ، وبموطن ارواح و مستقر قلوب کہ بیت رب العلمین و درگاہ سیدالمرسلین است روئے آوردہ، بانعام عام و خاص بطریقِ عموم واختصاص از آنحضرت مشمول ومخصوص گشتہ بعادت لقائے شریف وے صلی اللہ علیہ وسلم مکرر مشرف شدہ، در ستماع حدیث درمنام ار حضرت سید انام علیہ الصلوۃ والسلام بے واسطہ نمودہ وبشارتہا بمقصود یافتہ، مدتے بتجوید قرآن عظیم وعلم قرأت وحدمتِ علم حدیث رسول کریم مشغول شدہ و باجازت نامہ عام، شامل وکامل تمام کتب احادیث وسائرعلوم دینیہ از علماء کرام آل عالی مقام علیہم رحمۃ اللہ الملک العلام خصوصاً حضرت اجل عبدالوہاب متقی بہ تلقین ذکر وایثار خلوت وخلافت و برکت مشرف وفایز شدہ وبنعمت ہائے بشارت از خدمت وے در حصول انوار وآثار برکت، والتزام مقام صدق واستقامت درنشر علوم دینی وحصول مواہبِ یقینی مشرف وبشتر گشتہ، رجوع و عود بوطن مالوف ماور ومکلف گشت''۔

دسویں صدی ہجری ۸۰۰ھ میں حضرت محدث دہلوی ہندوستان واپس آئے، اور دہلی میں طرح اقامت ڈالی اور عبادت وریاضت اور تصنیف وتدریس کے شغل میں مشغول ہوئے یہ اکبر بادشاہ کا عہد حکومت تھا اور ہنگامۂ شرف فساد سے ماحول مسموم تھا، لیکن حضرت شیخ محقق محدث اپنے زاویہ میں عبارت وریاضت اور اذکار واشغال کے ساتھ نشیر علام دینی اور ترویج علم حدیث اور تحریر معارف وحقائق میں متوجہ رہے اُن کے تعلقات اہل اللہ اور علماء باللہ سے قائم تھے اور امراء پاک باز سے بھی روابط قائم تھے، جن میں ایک بے حد نمایاں نام سید فرید بخاری شاہی احمد آبادی کا ہے جو نواب

مرتضٰی خاں بخاری سرانطاب سے مشہور انام تھے دوسرا مرزا حسام الدین نقشبندی تھے جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے جانشیں ہوئے ابوالفضل اور فیضی دونوں بھائی مرزا صاحب کے ساتھ تھے۔ مشہور نقشبندی بزرگ حضرت خواجہ محمد باقی کابلی قدس سرہ ۱۰۰۸ھ میں دہلی وارد ہوئے تو اُن سے بے حد ربط قائم ہوا اور حضرت شیخ محدث نے اُن سے نقشبندی نسبت حاصل کی، لاہور کے حضرت شاہ ابوالمعالی قادری سے بھی حضرت شیخ محدث قدس سرہ فیض یاب ہوئے اور ان کی زیارت کے لیے لاہور کا سفر بھی دوبار کیا، حضرت شیخ محدث لاہور کے مشہور قادری بزرگ حضرت میاں میر قادری کی خدمت میں بھی حاضری دی۔

حضرت شیخ محدث قدس سرہ نے حرمین طیبین کے بعد گوشہ خلوت میں بیٹھ کر ترویج حدیث کا کام کیا ان کی تصانیف میں اشعۃ اللمعات فارسی اور لمعات التنقیح اور اخبار الاخیار کی بے حد شہرت ہے۔ اول الذکر تصنیف چھ برس میں مکمل ہوئی۔ 1019ھ تا ۱۰۲۵ھ لمعات عربی کی تکمیل کا سن ۲۴ رجب ۱۰۲۵ھ اخبار الاخیار شریف کی تصنیف تیس تا چالیس کے درمیان میں مکمل ہوئی۔ حضرت شیخ محدث کی ایک بے حد اہم کتاب مدارج النبوت ہے اکبری عہد میں اوعاء کا بپا ہوا تو جہانگیر کے عہد میں وصل عریاں کا فتنہ پیدا ہوا۔ حضرت شیخ محدث قدس سرہ نے مسلمانوں کے قلوب کی حفاظت کے لئے یہ مبارک کتاب لکھی، جس نے اہل اسلام کے قلوب کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت پاک سے مربوط کر دیا۔ حضرت شیخ محمد کا یہ حُب ولائے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھا کہ وصل عریاں کے بیان و اظہار پر اپنے محب حضرت شیخ سرہندی نقشبندی قدس سرہ کا مواخذہ کیا اور سرزنش کی حضرت شیخ محدث کا ایک بے حد اور اہم کامل یہ بھی ہے کہ آپ کی تحریروں پر کسی نے کبھی اعتراض نہیں کیا، مختصر یہ کہ بے حد فیض رسانی کے بعد چورانوے برس کی عمر میں ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں وصال فرمایا۔

آپ کے فرزند و جانشیں حضرت شیخ نور الحق محدث قدس سرہ نے وصیت کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی، آپ کے جنازہ میں خلائق نے بڑی تعداد میں شرکت کی، وصیت کے مطابق قبر میں شجرۂ پیران رکھا گیا اور فرزند ارشد و اسعد حضرت شیخ نور الحق محدث لوح مزار پر تاریخ ولادت و وفات اور تحصیل سفر اور معمولات پر جامع تحریر لکھوا کر آویزاں کیا۔

حضرت شیخ نور الحق محدث الہند دہلوی قدس سرہ

وصال ۱۰۷۳ھ

برکتہ العصر حضرت شیخ نور الحق محدث الہند کی ذات گرامی شجر طوبیٰ کے مثل تھی، جس کی ہر شاخ علم وعرفان سے صدیوں اور نسلوں لدی بھری رہی، آپ کے کمالات وفضائل اور محامد بے حد ہیں۔ آپ کے والد برکتہ المصطفیٰ فی الہند حضرت شیخ محقق عبدالحق قادری شاذلی محدث الہند قدس سرہ آپ کو اپنا وجود ثانی فرماتے تھے۔ آپ کی ولادت حضرت شیخ محقق کے سفر حرمین سے قبل ۹۸۳ھ میں ہوئی۔ از ابتداء تا انتہا والد ماجد سے علوم وفنون فیض توجہ سے حاصل کیا۔ والد ماجد کے دست مبارک پر قادری شاذلی سلسلہ میں بیعت کا شرف حاصل کیا، زندگانی ہی میں آپ ان کے

جانشین ہو گئے۔ درس کی مسند بچھائی، حضرت شیخ محقق کا آخر زمانہ تھا، جب دیار یورپ کے علامۃ الوریٰ حضرت شیخ محمد رشید جون پوری قدس سرہ درسِ حدیث کے لئے حضرت شیخ محقق قدس سرہ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، اس وقت حضرت محقق قدس سرہ کی عمر بہت ہو گئی تھی۔ ضعف ظاہر کا استیلاء تھا، فرمایا فرزند نور الحق سے پڑھو وہ میرا وجود ثانی ہیں۔ اس جواب سے شیخ جونپوری مایوس ہوئے ان کے حال کو دیکھا، فرمایا میں مجلس میں موجود رہوں گا۔ ان کا پڑھانا میرا ہی پڑھانا ہوگا۔

قطب الاقطاب دیوان محمد رشید قادری کے خیر خلف و۔۔۔۔ارشد حضرت دیوان محمد ارشد رشیدی قدس سرہ والد ماجد کی اجازت حدیث کے بارے میں لکھا ہے۔ واجازت حدیث از صحیح بخاری ومصابیح ومشکوۃ از حضرت شیخ نور الحق ولد قدوۃ المحدثین اسوۃ العارفین حضرت شیخ عبدالحق الدہلوی البخاری یافتہ، چنانچہ دستخط خاص کے قطب الاقطاب (دیوان محمد رشید) براجازت درس حدیث حضرت شاہ یسین ارقام ساختہ مرقوم فی شور، ان الشیخ الاجل الاوحت الافضل، جامع الکمالات الالوہیۃ، المتوجہ الی اللہ ابوالاعظم الشیخ یسین خلیفۃ قدوہ المتورعین الشیخ طیب بن معین الدین طلب منی الاجازۃ النشنین اھل الحدیث، حفظالھذہ السلسلۃ الشریفۃ مع انی لستُ باھلما وکان الاعتذار لی احری والیق من الجازۃ الکن لا کان امتثال امرہ واجباً علّی وکان اجراء ھندا الطریق ممتا اوصی بہ الشیوخ احبیت مسئولہ، واجزتُ رفع اللہ شانہ ان یروی ھذہ الکتب المسطورہ کما اجازنی الشیخ الاتقی والاعظم الشیخ نور الحق بن الشیخ عبدالحق بن سیدا لدین ا لدھلوی البخاری شفاھاو کتا بۃوا نا العبد الاحقر المفتقر ا نی اللہ الوحید المور عد نبی الناس۔۔۔۔رشید من الشیخ المصطفیٰ الجونپوری مولداً والعثمانی نسباً والقادری والقلندری والشطاری مشرباً وکان ذلک فی ذیقعدہ ۱۰۶۰ ھ ستین والف من الھجریۃ النبویۃ“

حضرت شیخ نور الحق کا وصال ۱۰۷۳ھ میں ہوا، یہ سند اجازت درس حدیث ان کے وصال کے تقریباً بارہ قبل حیات میں ہی لکھی گئی۔

حضرت شیخ نور الحق سند علم وعرفان بزرگ تھے، والد ماجد کی طرح قادری سلسلہ کے شیوخ کے بے حد معتقد تھے۔ والد کی حیات تک ان سے اکتساب فیض کرتے رہے، ان کے وصال کے بعد حضرت شاہ عاشق محمد نبیرہ حضرت شیخ نظام الدین نارنول شریف سے اکتسابِ فیض اور بیعت ارشاد حاصل کیا۔ گجرات دار الحسنات کے شہر احمد آباد میں حضرت سید عسکری عبدالفتاح متوفی ۔۔۔۔۔۔ہجری بہت ممتاز اور مرجع ومعمر بزرگ تھے۔ چھ واسطوں سے ان کا سلسلہ حضرت غوث اعظم سے متصل تھا۔ آپ کی زندگانی کا بھی آخر زمانہ تھا۔ سلطان شریعت برہان طریقت خلد مکاں محمد اورنگ زیب محی الدین عالمگیر غازی کی سلطنت کا ابتداء زمانہ تھا۔ حضرت عالمگیر نے آپ کے توسط سے حضرت سیدی عسکری احمد آبادی کو دار السلطنت دہلی آنے کی دعوت دی۔ اس وقت آپ اور عالمگیر غازی حضرت سید عسکری سے فیض یاب ہوئے آپ نے شاگردوں کی سید عسکری سے

مرید کرایا۔ والد ماجد کی طرح آپ نے بھی حدیث شریف کی خدمت میں عمر گزاری۔ بخاری شریف کی شرح تیسرا قاری لکھی ریاست ٹونک کے معزول نواب محمد خان نے ۱۲۹۹ھ ہجری میں بعہد سلطان شریعت محمد اورنگ زیب غازی وصل حق پایا۔ والد ماجد کے مزار فائز الانوار میں مرقد منور ہے۔ ۳ نومبر ۱۹۶۳ء کو مدرسۂ عربی اسلامی میرٹھ کے طالب علمی کے زمانے میں فقیر راقم الحروف دونوں حضرات کے مزار مقدس پر حاضر ہوا۔ زیارت وحضوری سے مشرف ہوا، اور گھنٹوں حاضرہ کر واپس ہوا۔ اس کے بعد بھی حاضر ہوا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز سراج الہند دہلوی قدس سرہ

وصال ۱۲۳۹ھ

سراج الہند مسند الوقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس کے علم وفضل وکمال اور محاسن ومکارم سے زمانہ گونجا اور فیض تدریس حدیث وعلوم اور وعظ تذکیر کی بے حد شہرت ہوئی۔ ان کی محبوبیت ومقبولیت دور دور پھیلی۔ آپ علماء...... کے سردار کہلائے۔ آپ کی ولادت بوقت رمضان المبارک جمعرات ۱۱۵۹ھ میں ہوئی۔ تاریخی نام ''غلام حلیم'' قرار پایا۔ عورتیں مسیتا کہتی تھیں، تعلیم کی ابتداء قرآن مجید کے حفظ سے ہوئی۔ ذہانت وذکاوت اور قوت حفظ حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ حفظ قرآن مجید کے بعد علوم کی تحصیل کی طرف لگائے گئے۔ والد ماجد کی توجہ سے بہت جلد علوم کی کتابوں کا درس تمام کیا۔ آپ نے بعض کتابیں خود پڑھیں اور بعض کی سماعت کی۔ درسیات کی کتابیں تمام نہ ہوئی تھیں کہ آپ کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ قطب الدین احمد نے ۲۹ محرم بروز شنبہ ۱۱۷۶ھ میں جوار اقدس کی کراہ لی۔

حضرت مولانا...... نے نماز جنازہ پڑھائی اس وقت آپ کی عمر سترہواں برس تھا۔ والد ماجد کے فاتحہ سیوم میں حضرت مولانا شاہ فخر الدین محمد محب النبی چشتی نظامی دہلوی متوفی تشریف لائے ور حضرت مولانا شاہ مہرزا مظہر جان جاناں نقشبندی آئے اور آپ کے سرجانشینی کی دستار باندھی، مقالات طریقت میں مولانا عبدالرحیم ضیا حیدر آبادی نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا فخر الدین نے کان میں کہا کہ تمہارے والد بزگوار کے دامن پر ایک دھبا لگ چکا ہے تمہارا کام یہ ہے کہ اسے صاف کردو، دھبے سے مقصود شاہ ولی اللہ کا مجتہدانہ مسلک اور تقلید مذاہب سے انکار تھا۔ حضرت مولانا محب النبی شاہ فخر الدین قدس سرہ کا شاہ ولی اللہ سے بے حد ربط تھا اور شاہ ولی اللہ کے کمالات وفضائل کے معترف تھے لیکن ان سب کے باوجود ان کے مسلک سے برملا اختلافات ظاہر کرتے تھے چنانچہ حضرت حسن بصری کی حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم عدم بقا کے والی اللہ مسلک تحقیق کا برملا رد لکھا اور ان کے مسلک کی تقلید کی۔ فخر الحسن میں ساتھ ہی شاہ ولی اللہ کے فضل کے متعلق یہ کلمات بھی لکھے ''صاحب المقالات العلیہ والکرامات الجلیہ الشیخ ولی اللہ المحدث سلمہ اللہ تعالیٰ''

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے وسادۂ ارشاد پر رونق افروز ہوکر درس وتدریس میں مصروفیت اختیار کی۔ شائقین علم نے دور دور سے آکر آپ سے اکتساب علم کیا۔ آپ کا سلسلہ تلمذ بہت وسیع ہے ہندوستان کے تقریبا تمام علما کا سلسلہ حدیث آپ ہی سے وابستہ ہے حضرت شاہ مخدوم آل رسول مارہروی، حضرت مفتی صدر الدین خاں آزردہ، حضرت

غلام علی برادر زادہ مولانا مخصوص اللہ، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی، حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، حضرت شاہ ابو سعید اور ان کے صاحبزادہ حضرت شاہ احمد سعید مجددی، مولانا شاہ ظہور الحق پھلواروی، مولانا شاہ عبد الغنی پھلواری قدست اسرا ھم آپ کے مشہور اور نادر روزگار تلامذہ سے تھے۔ ۷ ر شوال المکرم ۱۲۳۹ھ بروز یکشنبہ حضرت کا وصال ہوا۔

حجۃ العصر

حضرت مولانا مفتی محمد صدر الدین دہلوی

وصال ۱۲۸۵ھ ہجری

حضرت علامہ امام شیخ محمد صدر الدین قدس سرہٗ تیرہویں صدی ہجری کے ان علماء اخیار اور صالحین امت میں ہیں جن کے وجود کی برکتوں سے بزم اسلام پر رونق ہوئی۔ ان کے فضائل بے شمار ہیں، وہ اعلیٰ اخلاق محاسن سے متصف تھے انہوں نے بہت سی جہتوں سے اسلام و مسلمانوں کی خدمت کی علوم شرعیہ نے ان سے عظمت پائی بے چاروں کی دستگیری ان کا محبوب طریقہ عمل تھا طالبان دین کے لئے مدرسہ دار البقاء کا احیاء کی اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ان کی ولادت ۱۲۰۴ھ ہجری میں دہلی میں ہوئی لفظ "چراغ" تاریخ ولادت ہے والد ماجد کا نام نامی شیخ لطف اللہ کشمیری تھا شیخ لطف اللہ کے برادر معظم مولانا فخر الدین محمد امان اللہ تھے یہ اپنے وقت میں شیخ الاسلام تھے "شیخ الاسلام" ان کی تاریخ کہی گئی ہے ۱۱۷۳ھ ہجری برآمد ہوتا مفتی صدالصدور کے دادا شیخ خیر الدین ابوالخیر نے آبائی تجارتی پیشہ ترک کئے علم وعرفان کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں بھی حصہ لیا تھا، ان کا مرقد حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانہ کے حلقہ میں مدفون ہیں۔

حضرت صدر الدین والملۃ کو ابتدائی تعلیم والد ماجد نے خود دی، اس کے بعد شاہ عبد العزیز محدث کے حضور حاضر کر دیا، ان سے پڑھا۔ ان کے برادر اوسط حضرت شاہ رفیع الدین عبد الوہاب سے پڑھا حضرت شاہ عبد القادر سے پڑھا۔ علوم حکمت علامہ فضل امام خیر آبادی سے پڑھا۔ حضرت صدر الدین والملۃ کا علمی کمالات وفضائل کا عام شہرہ ہے خاندانی اعتبار سے صاحب مال ومنال تھے اکبر شاہ ثانی کے عہد میں صدر الصدور تھے۔ انگریزی عہد میں بھی باوقار تھے یہ عہدے ان کے لئے اعزاز کا باعث نہ تھے دہلی کے ہر حلقہ میں ان کا احترام قائم تھا۔ مرجع انام اور مرجع فتاویٰ تھے آپ کے زمانے میں مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی بھی تھے، انہوں نے حضرت شاہ عبد العزیز محدث کے وصال کے معاً دہلی میں مسلک عزیزی کے خلاف روش اپنائی تو حضرت صدر الدین نے سابقہ ربط واتحاد کی وجہ سے مولوی اسماعیل کو بہت سمجھایا۔ اور ان سے رجوع کی تحریر لی لیکن مولوی محمد اسمٰعیل نے تحریر کی پاسداری نہ کی ان کے بعد جو ہونا تھا وہ ہو گیا وہ تو بالا کوٹ میں اپنے انجام کو پہونچے لیکن مولوی محمد اسمٰعیل کے جماعت کے افراد نے اس فتنہ کو ہندوستان میں مولوی حیدر علی ٹونکی کی سربراہی میں سے ابھارا اس موقع پر حضرت صدر الدین والملۃ نے منتہی المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال (۱۲۶۴ھ ہجری) لکھی آپ کے شاگرد بھیہ بہت تھے ان ناموروں میں نواب صدیق حسن قنوجی اور مولوی رشید احمد بھی تھے لیکن ان دونوں کے عقائد

ومسالک آپ کے مسلک وعقیدہ کے خلاف تھے جو عقیدہ ومسلک آپ کا تھا وہ مسلک عزیزی تھا۔ آپ کے زمانہ میں وہابیوں نے دہلی کی ان تمام مسجدوں میں مقرر امام کی اقتدا ترک کردی تھی وجہ یہ تھی کہ وہ سب اکبر شاہ ثانی بادشاہ وقت مقرر کردہ تھے اور وہابیوں کے نزدیک اکبر شاہ ثانی بدعتی تھے صدر الدین والملۃ کے زمانہ مین شاہ جہانی جامع مسجد میں آثار شریف میں لوگوں کی کثرت سے حاضری اور ان کے معمولات مورد بحث تھے وہابیوں کو وہاں پر نعرۂ یارسول اللہ کی صدا بھی نوگوار لگتی تھی ایک وہابی نے مفتی صدرالدین صاحب کے پاس لکھ کر روانہ کیا اور اس میں اپنے باطل عقیدہ کا اسطرح اظہار کیا کہ جس مسجد کے گوشہ مین ایسے مشرکانہ اعمال ہوتے ہوں اس مسجد میں نماز کی ادائے گی درست ہوتی ہے یا باطل ہوتی ہے آپ نے اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھا اور سائل کے باطل عقیدہ کو رد کیا۔

حضرت صدرالدین باکمال علامہ اجل تھے امام اعظم وقت تھے ایک مشفق استاذ تھے غم خوار ملت تھے۔ انکی بہت سی حیثیتیں تھیں۔ اردو والوں نے ایک شاعر کی حیثیت سے یادر کھا وہابیو نے مدح کے پردہ میں قدح کی مولانا نقی علی خاں بریلوی شاعری میں آپ کے تلمیذ تھے۔ حضرت صدر دین وملت معمولات اولیاء پر قائم تھےلیکن آپ کن بزرگ کے مرید تھے ان کے نام کا ذکر نہیں ملتا آپ کا وصال ۱۲۸۵ھ ہجری کی چودہویں تاریخ جمعرات کے دن کو وصال کیا حضرت چراغ دہلی میں مدفون ہوئے ''چراغ دو جہاں'' مادہ تاریخ وصال ہے۔

□□□

مرجع اہل یقیں مرکز اہل سنت

مفتی نظام الدین نوری: براؤں شریف

مرجع اہل یقیں مرکز اہل سنت
ناشر دین مبیں مرکز اہل سنت

تیری وہ شان کہ جھکتی ہے جس کے آگے
اچھے اچھوں کی جبیں مرکز اہل سنت

تجھ میں خوابیدہ ہے جب عشق ومحبت کا امام
تیرا بھی ثانی نہیں مرکز اہل سنت

بالیقیں تجھ سے ملے حجۃ الاسلام ہمیں
علم کے درثمیں مرکز اہل سنت

جن کے فتووں کی دھمک عالم اسلام میں ہے
مفتی اعظم دیں مرکز اہل سنت

تری گلشن کے گل خوشنما ریحان رضا
صاحب عزم ویقیں مرکز اہل سنت

تجھ میں قرآں کا مفسر ہے کہ جس نے کھولی
گرہ قرآن مبیں مرکز اہل سنت

حضرت تاج شریعت کے جنازہ کا ہجوم
تنگ تھی تیری زمیں مرکز اہل سنت

ناشر فکر رضا سیدی گلزار میاں
اک گل گلشن دیں مرکز اہل سنت

یہ تو بس مفتی اعظم کا کرم ہے ورنہ
نوری ہی شاعر ہی نہیں مرکز اہل سنت

تذکرہ علمائے فرنگی محل

مولانا محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری

دنیائے اسلام کی پہلی درسگاہ مسجد نبوی شریف کا وہ حصہ ہے جسے اصحاب صفہ کہتے ہیں اور جس کے پہلے معلم خالق لوح وقلم کے نائب مطلق محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جملہ علوم وفنون کا ایسا دائرۃ المعارف بنادیا کہ صبح قیامت تک علم وشعور کی جتنی چمک ہے اسی درسگاہ نبوت کے فیض یافتگان کی خیرات سمجھی جائے گی اور ایسا بھی نہیں ہے کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے لیے الگ الگ نصاب ترتیب دیا ہو بلکہ سبھوں کے لیے صرف ایک ہی نصاب اور وہ قرآن عظیم خدائے بزرگ وبرتر کی مقدس کتاب اور اسی ایک نصاب کو پڑھ کر ہر فن میں اس قدر ماہر نکلے کہ آج بھی زمانہ محو حیرت ہے اور آج پوری دنیا اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ ابھی علم کے جتنے شعبے ہیں یا قیامت تک ان شعبوں میں جس قدر اضافہ ہوتا جائے گا ان سارے علوم کے مصادر وماخذ اور منبع ومراکز صرف اور صرف قرآن اور احادیث ہیں۔

کتب حدیث کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مسجد نبوی شریف اور چبوترۂ صفہ کے علاوہ مدینہ منورہ میں نو مسجدیں ایسی تھیں جن سے عبادت کے ساتھ درسگاہ کا بھی کام لیا جاتا تھا۔ زمانہ بنو عباسیہ تک تعلیم وتعلم اور درس وتدریس کے زیادہ تر فرائض مساجد، اُمراء کے محلات، صوفیہ کی خانقاہ اور علماء کے مکانوں میں انجام دیئے جاتے رہے۔ مکۃ المکرمہ میں حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا میکدۂ علم مشہور تھا مدینہ شریف میں حضرت سیدنا سعید ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مجلس علمی مشہور تھی، حضرت امام مالک اور حضرت اوزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسی درسگاہ کے فیض یافتہ تھے۔ کوفے میں حضرت عبد الرحمٰن ابن ابی لیلیٰ اور حضرت امام شعبی کے مسند علم کا غلغلہ تھا تو بصرہ میں حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درسگاہ کا شہرہ تھا۔ اموی دور حکومت کے آواخر اور عہد عباسی کے اوائل میں مدینہ پاک میں حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حلقۂ درس اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا فقیہ اور جابر بن حیان جیسا ماہر کیمیا اسی بارگاہ کے خوشہ چیں ہیں۔ پھر عہد بنو عباس کی دو درسگاہیں نہایت عروج پر تھیں کوفہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور مدینہ میں حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جہاں ہرات، قروان، سمرقند، سرقسط، بخارا، دمشق، نیشاپور، تونس اور حمص وغیرہ کے تشنگان علوم کی ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ حضرت

امام جعفر صادق، حضرت امام مالک بن انس، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام یوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام حنبل، حضرت امام شافعی رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جہاں جہاں محافل علمیہ قائم تھیں ایسا لگتا تھا کہ پورا پورا شہر شہرستان علم وفن بنا ہوا ہے ۸۵۹ء مراکش کے شہر وائس میں جامعۃ القراوئین کا قیام عمل میں آیا جسے مورخین دنیا کی پہلی یونیورسیٹی کا درجہ دیتے ہیں مگر یہ بھی مسجد القراوئین کے احاط میں واقع ہے جسے محمد الفہری کی بیٹی فاطمہ الفہری نے قائم کروایا تا جس کا اپنے زمانے کے امیر وکبیر تاجر میں شمار ہوتا تھا اس سے جہاں فاطمہ الفہری کی سخاوت اور دریادلی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں علم کے فروغ میں خواتین اسلام کے جذبۂ فراواں کا بھی پتہ چلتا ہے۔

جامعہ القراوئین کے بعد ۳۵۹ھ/۹۷۰ء میں قاہرہ مصر میں جامعہ ازہر کا قیام ہوا جسے فاطمی خلیفہ معزباللہ کے حکم سے اس کے جرنیل جواہر الکاتب نے تعمیر کرایا۔ اور جب سلجوقی دور آیا تو اس کے وزیر نظام الملک ابوعلی حسن طوسی نے حکومتی سطح پر ایک نظام تعلیم مرتب کیا اور اپنے دائرۂ سلطنت کے طول وعرض میں بڑے بڑے مدرسے قائم کئے جبھی سے مدرسہ نظامیہ اور درس نظامیہ کی اصطلاح قائم ہوئی۔ نظام الملک طوسی تاریخ کا وہ پہلا شخص ہے جس نے باضابطہ مدرسوں کے قواعد وضوابط متعین کیے اور اس کی روشنی میں تعلیم کا آغاز کیا۔ پھر ۱۰۶۵ء میں شہر بغداد میں مدرسہ نظامیہ قائم ہوا اور اس میں معیاری اور اعلیٰ تعلیم کے لیے امام جوینی، ابواسحاق شیرازی اور ابوبکر الشاشی جیسے ماہر علماء، فقہا اور حکماء کی خدمات حاصل کی گئیں اور اب صرف بغداد ہی نہیں بلکہ اصفہان، خراسان، موصل، ہرات، عراق، بلخ اور نیشاپور کے ہر شہر میں مدارس اسلامیہ کا ایک جال بچھا دیا گیا اور ان سارے مدارس کا انتساب نظامیہ سے تھا۔ مورخین نے اس دور کو اسلامی علوم کے دور سے تعبیر کیا ہے تقریباً ستر مدرسے سلطان وقت کے شاہی خزانوں کی اعانت سے چل رہے تھے اور اس کے بعد مدرسوں کے قیام کا رجحان اس تیزی سے بڑھا کہ ۱۱۵۵ء/ ۱۲۶۰ء تک قاہرہ میں ۷۵/ دمشق ۵۱/ اور حلب میں ۴۴/ مدرسے قائم ہو چکے تھے۔

جب داعیان اسلام اور مسلم حکمرانوں نے ملک ہندوستان جنت نشان کو اپنے زیر نگیں کیا اور فاتحانہ شان سے داخل ہوئے تو ان لوگوں نے بھی علم دوستی کی شاندار مثالیں قائم کیں چنانچہ ان مسلم حکمرانوں کی جو اولین تعمیرات ہیں ان میں مسجدوں کے ساتھ مدرسے بھی لازماً ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کابل سے قندھار، دہلی سے ملتان اور جون پورے سے ڈھاکہ تک جس طرف چلے جائیں برصغیر کے ہر حصے میں مدرسوں کی عمارتیں بوسیدہ ضروری لیں گی مگر ان کے آثار وباقیات آج بھی اپنے روشن ماضی کا خطبہ پڑھ رہے ہیں لیکن دوسری طرا اپنے حال پر ماتم کناں ہیں۔ ملتان میں ناصر الدین قباچہ کا مدرسہ تھا، بدایوں میں حضرت قاضی دانیال قطری کی درسگاہ تھی یہ وہی درسگاہ ہے جہاں سے شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی، حضرت خواجہ حسن شیخ شاہی، حضرت خواجہ ضیاء الدین موئے تاب، حضرت شیخ شہاب الدین اور حضرت امیر حسن علا سنجری جیسے عارفان حق پیدا ہوئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) جن کے علم واحسان کی خوشبو سے نہ صرف بدایوں بلکہ جہان تصوف آج بھی معطر ہے۔ سلطان قطب الدین ایبک اور ناصر الدین قباچہ کے معاصرین میں شیخ کمال الدین جو

بہار کے خطہ منیر شریف اور حضرت شیخ شہاب الدین پیر جگ جوت پٹنہ تشریف لائے اور یہ دونوں حضرات مدرسہ نظامیہ بغداد کے فارغین تھے، اور مغربی بنگال میں حضرت شیخ شرف الدین ابوتوامہ تھے جو سلطان المحققین کے استاذ اور خسر ہوتے ہیں۔ حضرت ابوتوامہ ہی وہ پہلے محدث ہیں جنہوں نے ہندوستان کی سرزمین پر بخاری و مسلم کا درس شروع کیا۔

ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کے قیام میں عہد عالم گیر (۱۶۵۸ء/ ۱۷۰۷ء) کو بڑی اہمیت رہی ہے اسی دور میں حضرت ملا جیون (استاذ اورنگ زیب) کی درسگاہ اور پھر ملا نظام الدین سہالوی کے دارالعلوم فرنگی محل لکھنؤ (۱۶۹۳ء) اور اس کے نصاب تعلیم کو حد درجہ مقبولیت وشہرت ملی۔ جسے ہندوستان کی علمی تاریخ کا عہد زریں کہنا چاہیے جس سے ملک کے پورے کونے میں علم کا اجالا پھیلا۔

فرنگی محل کے جن متبحر علمائے کرام نے اشاعت دین اور علوم اسلامیہ کے فروغ وارتقاء میں کلیدی کردار ادا کیا ان میں چن شخصیات یہ ہیں۔

حضرت مولانا شاہ انوار الحق فرنگی محلی قدس سرہٗ

حضرت مولانا شاہ احمد انوار الحق حضرت مولانا شاہ احمد عبد الحق المتوفی ۱۱۶۷ھ کے منجھلے فرزند جو فرنگی محل میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے، حضرت مولانا احمد حسین ابن مولانا محمد رضا ابن ملا قطب الدین شہید اور حضرت مولانا محمد حسن بن قاضی غلام مصطفےٰ بن ملا محمد اسعد بن حضرت مولانا قطب الدین سے درسیات پڑھی تکمیل حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی سے کی، فقر و عرفان کی طرف میلان کے باعث تکمیل کے بعد علوم عقلیہ سے کلی احتراز کرلیا، مرید وخلیفہ اپنے والد ماجد کے تھے، فاضل بریلوی مولانا شاہ احمد رضا قدس سرہٗ کے پر دادا حافظ شاہ کاظم علی خاں آپ ہی کے مرید وخلیفہ تھے۔

۶ رشعبان المعظم ۱۲۳۶ھ بروز شنبہ آپ کا وصال ہوا، رئیس العلماء زبدۃ المشائخ حضرت مولانا نور الحق آپ کے بلند اقبال، صاحب عرفان ومقام صاحبزادے تھے، جن کے شاگرد حضرت شاہ آل رسول مارہروی (پیرومرشد مولانا شاہ احمد رضا) اور سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی اور مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی تھے۔

حضرت مولانا جمال الدین

ملک العلماء ملا علاء الدین بن ملا شیخ انوار الحق کے صاحبزادے اور حضرت بحر العلوم کے نواسے، اپنے آبائی مکان فرنگی محل میں پیدا ہوئے، اپنے چچا حضرت مولانا نور الحق سے کتب درسیہ کی تحصیل کی، اس کے بعد آپ کرناٹک صوبہ مدراس چلے گئے یہاں آپ کے والد مدرسہ کلاں میں صدر مدرس تھے، اس سے پہلے آپ کے نامور نانا صدر المدرس تھے۔ والد کے انتقال ۱۲۴۲ھ کے بعد بھی آپ کرناٹک میں مقیم رہے، اور نیک نام وصاحب جاہ وثروت رہے، آپ نے ان دیار میں ردوہابیت کا مجاہدۂ عظیم فرمایا، مولوی محمد علی رام پوری خلیفہ سید احمد رائے بریلوی نے یہاں بہت سے مرید کر لیے تھے، آپ نے مسئلہ شفاعت پر مولوی محمد علی سے مناظرہ کیا، اور مجبور کیا کہ تقویۃ الایمان کی قابل اعتراض عبارتوں سے اپنی برأت کا اظہار کریں، مولوی محمد علی رامپوری نے مسجد والا جاہی میں بعد نماز جمعہ تحریری برأت نامہ پیش کیا، جو حاضرین کو سنایا گیا، مگر اس مجمل برأت نامے سے آپ

مطمئن نہ ہوئے مولوی محمد علی رام پوری نے دوسرا برأت نامہ پیش کیا، مگر ایک طرف برأت نامہ پیش کیا اور دوسرے طرف ایسی تقریریں کرتے جس سے مولوی اسمٰعیل و سید احمد کی تعریف و توصیف بھی ظاہر ہوئی، آپ نے اُن کی حرکتوں کے پیش نظر ایک فتویٰ مرتب فرمایا، اور علماء سے دستخط کرا کے اُن کے قتل کے حکم شرعی کا اعلان کر دیا، نواب ارکاٹ کو قتل کا اختیار نہ تھا، اس لیے مدارس کے چیف مجسٹریٹ نے مولوی محمد علی کو بحری جہاز کے ذریعہ کلکتہ روانہ کر دیا، مولوی محمد علی کے چلے جانے کے بعد آپ نے ان کے ایک ایک مرید سے فرداً فرداً مسجد والا جاہی میں توبہ کرائی، نواب محمد علی والا جاہی والئی ارکاٹ المتوفی ۱۲۱۰ھ کی بیوہ بھی اُن سے مرید تھیں، ان سے بھی توبہ کرائی۔ مؤلف نزہۃ الخواطر نے آپ کے ذکر میں لکھا ہے، ثم رحل الی مدراس وولی التدریس فی المدرسۃ الوالا جاھیۃ مقام والدہ ونال منزل ابیہ۔ پھر انہوں نے مدراس کا سفر کیا، اور مدرسہ والا جاہی میں مدرس ہوئے، اور اپنے والد کا مقام پایا، اور ان کے جانشین ہوئے۔ آپ اپنے والد کے مرید تھے اور انہیں سے اجازت وخلافت بھی تھی، 8 ربیع الثانی 1276 کو انتقال ہوا۔

حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی:

مولانا محمد عبدالحکیم فرنگی محلی ۱۱ رشوال المکرم ۱۲۰۹ھ میں فرنگی محل لکھنؤ میں پیدا ہوئے، دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، صرف ونحو اپنے والد مولانا محمد امین اللہ المتوفی ۱۲۳۶ھ سے پڑھ کر کتب متداولہ کا درس علماء فرنگی محل مولانا مفتی ظہور اللہ مولانا مفتی محمد اصغر اور مولانا مفتی محمد یوسف علیہم الرحمۃ سے لیا، تکمیل کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔

۱۲۶۰ھ میں نواب ذوالفقار الدولہ والئی باندہ کی طلب پر باندہ تشریف لے گئے، ریاست کے مدرسہ میں مدرس مقرر کیے گئے اس کے بعد ۹ برس مدرسہ حنفیہ میں صدر مدرس رہے، یہاں قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار مولانا حکیم وکیل سکندر پوری کی استدعاء پر قلم بند فرمایا، ۱۲۶۷ھ میں حضرت مولانا شاہ عبد الوالی فرنگی محلی سے سلسلۂ قادریہ رزاقیہ میں مرید ہوئے، ۱۲۷۷ھ میں حیدرآباد کا سفر کیا سید تراب علی خاں مدار المہام نے مدرسہ نظامیہ کا مدرس بنا دیا۔ ۱۲۷۹ھ میں حج وزیارت کے لیے گئے مکہ معظمہ میں مولانا محمد جمال حنفی اور شیخ احمد زینی دحلان سے علم حدیث اور دیگر علوم کی سند حاصل کی، ۱۲۸۰ھ میں مدینہ طیبہ میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، مولانا شاہ عبدالغنی ابن حضرت شاہ ابوسعید دہلوی مجددی سے حدیث وتفسیر اور مولانا شاہ عبدالرشید ابن مولانا شاہ احمد سعید ابن حضرت شاہ ابوسعید دہلوی مجددی سے قصیدۂ بردہ اور حزب البحر کی اجازت وسند حاصل کی ۱۲۸۲ھ میں حیدرآباد واپس ہوئے اور عدالت نظامیہ سے وابستہ ہو گئے۔

صفر المظفر ۱۲۸۴ھ میں سل دق کے مرض میں مبتلا ہوئے اور ۲۱ رشعبان المعظم ۱۲۸۵ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی، آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو شاہ یوسف قادری کے زیر قدم دفن کیا گیا "واقف راہ خدا مولوی عبد الحلیم" (۱۲۸۵ھ) مصرعۂ تاریخ وفات ہے۔ ساری زندگی پڑھنے پڑھانے میں گذاری، تالیفات شروح حدیث وفقہ میں گراں قدر اضافات ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت کے والد کا نام مولانا جمال الدین فرنگی محلی

۱۲۳۷ھ سال ولادت باسعادت مولانا جمال الدین صاحب کا قیام بسلسلۂ تدریس مدراس تھا، آپ فطری رجحان کی بناء پر تحصیل علم میں لگ گئے، پہلے کچھ کتابیں مولانا نور کریم دریابادی اور مولانا مفتی محمد اصغر اور مولانا مفتی محمد یوسف فرنگی محلی سے اکثر درسیات پڑھی، حدیث وتفسیر مولانا حسین احمد ملیح آبادی اور مولانا مرزا حسن علی لکھنوی سے پڑھی، مولانا شاہ محمد عبدالوالی کے مرید تھے، کتب تصوف کی تحصیل انہیں سے کی ۱۲۵۴ھ میں تکمیل علوم سے فارغ ہوئے، پیرومرشد اور والد سے اجازت وخلافت تھی، آپ نے آخر عمر میں تدریس کا کام ختم کردیا تھا۔ مولانا شاہ عبدالرزاق اپنے زمانے میں فرنگی محل کے نامور صاحب ارشاد بزرگ ومرجع خاص وعام تھے، ۲۵/صفر المظفر بروز دوشنبہ بوقت نصف النہار ۱۳۰۷ھ میں فوت ہوئے، آپ کا مزار باغ مولانا انوار صاحب میں ہے شاہ محمود احمد محمود رودولوی نے قطعۂ تاریخ کہا۔

کرد رحلت چوں سپہر اتقا
مہر اوج فقر وقدر منزلت
تیرۂ وتاریک شد عالم کنوں
از وصال آں تقدس مرتبت
سال وصلش گفت محمود حزیں
"ہائے بودہ آفتاب معرفت"
(۱۳۰۷ھ)

حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی علیہ الرحمہ

ابوالحسنات کنیت، بمقام باندہ ذوقعدہ ۱۲۶۴ھ میں ولادت ہوئی، گیارہ برس کی عمر میں حافظ قرآن پاک اور سترہ برس میں علوم متعارفہ کی والد بزرگوار مولانا عبدالحلیم قدس سرہٗ سے تحصیل کرکے فارغ ہوئے دوبار حرمین معظمین کی حاضری وزیارت سے شادکام ہوئے، پہلی مرتبہ ۱۲۷۹ھ میں اور دوسری بار ۱۲۹۶ھ میں، آپ کو شیخ الاسلام سید احمد دحلان مکی قدس سرہٗ سے سند حدیث حاصل تھی، ایک عالم آپ کے فیضان علم سے مستفید ہوا، درجنوں علوم وفنون کی کتابیں تصنیف کیں، نواب صدیق حسن بھوپالی کی غیر مقلدیت کی تردید میں رسالے تصنیف کیے، ۳۸ برس کی مختصر عمر میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی حضرت مولانا سید عین القضاۃ لکھنوی وغیرہ جیسے بڑے بڑے نامور علماء آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالباقی فرنگی محلی مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شاہ عبدالباقی بن مولانا علی محمد بن مولانا محمد معین بن ملا محمد مبین ۱۲۸۶ھ میں فرنگی محلی لکھنؤ میں پیدا ہوئے، مولانا سید عبدالحئی چاٹگامی، مولانا ابوالحسنات عبدالحئی فرنگی محلی، مولانا سید عین القضاۃ مولانا فضل اللہ بن نعمت اللہ فرنگی محلی، مولانا محمد نعیم بن عبدالحکیم سے اخذ علوم کیا، اور حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق بن مولانا شاہ جمال الدین سے بیعت کی، ایک مدت تک فرنگی محل میں درس وتدریس میں مشغول رہے، پھر حرمین شریفین کا سفر کیا حج کے بعد مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور ملا نظام الدین بانی درس نظامی کی یاد میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا اور پوری توجہ سے تدریس کے کام میں مصروف ہوئے نظام حیدرآباد میر عثمان علی مرحوم کی طرف سے مدرسہ کا وظیفہ مقرر تھا۔

سلطنت ہاشمی کے سقوط کے بعد آپ سخت آزمائش میں مبتلا ہوگئے، نجدی حکومت کی آپ پر سخت نظر تھی، مگر آپ

نے اعتقادی امور میں مداہنت کبھی گوارا نہیں کی۔ ۴؍ ربیع الآخر ۱۳۶۴ھ میں آپ فوت ہوئے اور جنۃ البقیع میں دفن کیے گئے۔ حضرت علامہ محمد علی حسین خیر آبادی مدنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ممتاز تلمیذ وخلیفہ تھے، حضرت علامہ شیخ ضیاء الدین احمد مدنی مدظلہٗ کو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالباری فرنگی محلی قدس سرہٗ

قدوۃ الخلف، بقیۃ السلف حضرت علامہ شاہ محمد عبد الباری ابن حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب ابن حضرت مولانا شاہ محمد عبدالرزاق ابن غیظ المنافقین، مہلک الوہابیین حضرت مولانا شاہ محمد جمال الدین فرنگی محلی قدست اسرارہم 1295ھ میں فرنگی محل لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالباقی فرنگی محلی مدنی علیہ الرحمۃ سے اکثر علوم کا درس لیا، چند کتابیں حضرت مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی لکھنوی تلمیذ مولانا ابوالحسنات عبدالحئی فرنگی محلی سے پڑھیں۔ ۱۳۲۳ھ میں حرمین طیبین کا سفر کیا، اور حج کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت علامہ سید علی ابن ظاہر الوتری المدنی اور شیخ الدلائل علامہ سید امین ابن رضوان اور علامہ شیخ سید احمد برزنجی مدنی اور حضرت شیخ المشائخ سید عبدالرحمٰن بغدادی نقیب الاشراف قدس اللہ اسرارہم سے سند واجازت حدیث وسلاسل طریقت حاصل کی، آپ کو تمام علوم میں تبحر تام حاصل تھا، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا آپ کو فاضل اکمل کہتے تھے۔ حرمین طیبین کی زیارت سے واپسی کے بعد مدرسہ نظامیہ میں درس وتدریس میں مشغول ہوئے پوری قوت سے درس دیتے تھے، پہلے پہلے فنون سے دل چسپی تھی، آخر میں صرف حدیث شریف پڑھاتے تھے۔ بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے آپ سے اخذ علوم کیا۔

آپ کو سیاست سے بھی دل چسپی تھی، مسٹر گاندھی کو آپ ہی کی ذات سے شہرت نصیب ہوئی مگر اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے توجہ دلاتے پر مسٹر گاندھی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بقیع مبارک مدینہ طیبہ اور جنۃ المعلیٰ مکۃ معظمہ کے مزارات کے انہدام اور سعود اول کے مظالم وجفا کی آپ نے بھی سخت مخالفت کی، آپ ہی کے حکم سے مولانا اشرف علی تھانوی کی بہشتی زیور اور حفظ الایمان فرنگی محل میں جلائی گئی تھی، آپ نے مولانا تھانوی کو حفظ الایمان کی کفری عبارت سے توبہ کے لیے بار بار متوجہ کیا، مگر ان کو توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوسکی۔ جواد وسخی تھے، مہمانوں کے اکرام میں کافی مبالغہ کرتے تھے، نماز باجماعت کے خیال سے ہر سفر میں دو آدمیوں کو ساتھ رکھتے تھے۔

مرض فالج میں دو یوم مبتلا رہ کر ۴؍ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ میں وفات پائی، آپ کی وفات پر فرنگی محل کا ایک عہد ختم ہوگیا، آپ علمائے فرنگی محل کے شیخ تھے۔

تصانیف: ''التعلیق المختار علی کتاب الآثار''، ''ماھم الملکوت بشرح مسلم الثبوت'' الآثار المحمدیہ والاثار المضلۃ (حدیث میں) آثار الاول من علمائے فرنگی محل''۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف فرنگی محلی قدس سرہٗ

حضرت مولانا مفتی محمد اصغر فرنگی محلی قدس سرہٗ المتوفی ۱۲۵۵ھ ۹؍ رجب المرجب، کے فرزند ارجمند، علمائے فرنگی محل سے تعلیم پائی، علوم وفنون میں امامت کا منصب رکھتے تھے۔ اکثر علمائے فرنگی محل کا سلسلۂ تلمذ آپ سے وابستہ ہے، اپنے والد کے انتقال کے بعد عدالت دیوانی لکھنؤ کے مفتی

مقرر ہوئے بعدہٗ مدرسہ الحاج امام بخش مرحوم جونپور میں مدرسی اختیار کی، حضرت مولانا عبدالقیوم آسی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ نے آپ سے تلمذ اختیار کیا، حرمین شریفین کی زیارت کے شوق میں حیدرآباد ہوتے ہوئے شعبان ۱۲۸۶ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ بمرض اسہال سہ شنبہ ۱۹/ ذیقعدہ ۱۲۸۶ھ میں فوت ہوئے "تذکرہ علمائے ہند" میں ۱۱/ تاریخ غلط لکھی ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، کی قبر مبارک کے قریب دفن کیے گئے۔

تصانیف: شرح سلم، حاشیہ شمس بازغہ، تعلیقات علی البیضاوی، حاشیہ شرح وقایہ، تعلیق علی البخاری۔

جن علما کے احوال دستیاب ہو سکے ہیں ان کے ذکر وفکر سے ایوان قرطاس وقلم کو سنوارنے کی ایک ادنی کوشش کی گئی ہے مزید اس رخ سے کام کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں یقین ہے کہ ماضی کی خاک کریدنے سے بہت ساری چنگاریاں ابھر کر اوپر آئیں گی، خدا کرے کہ کوئی فاضل نوجوان اس طرف توجہ دے تا کہ روشن ماضی کے بجھتے چراغ کی لو تیز ہو سکے۔

کہاں میں اور کہاں مدحت سرائی

خالد ندیم بدایونی

پسند آئی نبی کو پارسائی اعلیٰ حضرت کی
خدا نے اس لیے عظمت بڑھائی اعلیٰ حضرت کی
کہاں میں اور کہاں مدحت سرائی اعلیٰ حضرت کی
محمد مصطفیٰ تک ہے رسائی اعلیٰ حضرت کی
سنور جائیں مرے دونوں جہاں بس ایک سجدہ میں
اگر سجدے کو مل جائے چٹائی اعلیٰ حضرت کی
نہ ہو مقبول اب میری دعا یہ ہو نہیں سکتا
دعا میں میں نے دے دی ہے دہائی اعلیٰ حضرت کی
بریلی میں چراغِ قادریت ہو گئے روشن
ہوئے اِس شان سے جلوہ نمائی اعلیٰ حضرت کی
برائی کو بھلائی میں بدل دیتے ہیں اک پل میں
کرامت خیز دیکھی لب کشائی اعلیٰ حضرت کی
یہ سنتے ہی بدایوں سے بریلی آ گئے خالد
بڑی مشہور ہے حاجت روائی اعلیٰ حضرت کی

تذکرہ علمائے اہل سنت بدایوں

ڈاکٹر محمد ممتاز عالم رضوی
لکچرار مظہر الحق یونیورسیٹی، پٹنہ

ہندستان کے جن خانوادوں کو علمی جاہ وجلال سے صدیوں تک مالا مال رہنے کی سعادت میں انہیں میں سے ایک بدایوں کی مردم خیز سرزمین سے تعلق رکھنے والا خانوادۂ عثمانیہ بھی ہے اس خانوادۂ کے مورث اعلی حضرت قاضی دانیال قطری علیہ الرحمہ ہیں جو قطب الدین ایبک کے فوج کے ساتھ آئے ان کی حیثیت قاضی عسکری کی تھی ہندوستان کے دہلی میں وارد ہونے کے کچھ دنوں بعد بدایوں میں سکونت پذیر ہو گئے اس وقت محبوب الہی کے نانا بدایوں کے قاضی تھے جب وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے تو آپ کو اس منصب پر فائز کیا گیا۔ آپ علم ظاہر و باطن کے کوہ گراں تھے جہاں علوم ظاہری کی تکمیل مشاہیر وقت سے کیا تھا وہیں راہ طریقت میں حضرت عثمان ہارونی کے مرید اور خلیفہ مجاز ہوئے آپ کو اسی وجہ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالی عنہ کے برادر طریقت ہونے کا شرف حاصل ہے اپنی تمام زندگی عدل وانصاف اور علم ظاہر و باطن کا فیض لٹاتے ہوئے ۲۹ ربیع الثانی ۶۱۸ھ میں واصل بحق ہوئے۔

آپ کے جانشین قاضی رکن الدین ہوئے آپ کا خطاب شمس الدین تھا آپ حضرت دانیال قطری کے صاحبزادے ہیں علم ظاہر و باطن میں یکتا تھے علم فقہ کی تکمیل علامہ ابوالقسم تنوجی سے حاصل کیا طریقت کی راہ پر گامزن ہوئے تو تو پہلے سلطان شہید چشتی سے اور بعد میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزی سے مرید ہوئے پہلے بدایوں کے قاضی تھے پھر دہلی کے قاضی مقرر ہوئے ملک بدرالدین سنقر کی دوستی آپ کے لئے آفت جان ثابت ہوئی بہرام شاہ نے آپ کو شہید کروادیا۔ آپ کے جانشین آپ کے صاحبزادے قاضی سعد الدین المعروف بہ سدا بے گواہ ہوئے علوم ظاہر و باطن میں کامل تھے قاضی مقرر کئے گئے تھے آپ کا کشف بہت مضبوط تھا عالم یہ تھا کہ جب کوئی مقدمہ ان کی بارگاہ میں پیش ہوتا تو اپنے کشف کی قوت سے مقدمہ کی گہرائی میں پہنچ جاتے کون بے گناہ اور کون گنہ گار ہے اس کا صحیح اندازہ کر لیتے کسی کو آپ کی عدالت میں جھوٹ بولنے کی جرائت نہیں ہوتی تھی اگر کسی نے جرات کی تو ایک ایک واقعہ کو یوں بیان کرتے کہ جھوٹی گواہی دینے والے کی حالت دگر گوں ہو جاتی اسی لئے آپ قاضی سدا بے گواہ کے نام سے مشہور ہوئے قضا کی ذمہ داریوں کے علاوہ آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ بھی تاحیات جاری رکھا آپ کا وصال

غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوا۔

آپ کے جانشین شیخ محمد ہوئے جو شیخ راجی کے نام سے مشہور ہوئے۔ شیخ راجی علوم وفنون میں جامع تھی طبیعت تصوف کی طرف مائل تھی حاکم وقت نے قاضی مقرر کرنا چاہا مگر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اسلئے کہ والد گرامی نے انہیں وصیت کی تھی قضا کے معاملہ حقوق العباد سے وابستہ ہے اگر ذرا سی نا انصافی ہوئی تو خسران اخروی یقینی ہے اللہ تعالی نے ہمیں کشف کی دولت سے نوازا تھا اگر تم مکمل انصاف کر سکو تو قاضی بننا ورنہ ہرگز قاضی مقرر نہ ہونا۔ باوجویکہ آپ ظاہری اور باطنی دولت سے مالا مال تھے مگر پھر بھی قاضی بننا پسند نہ کیا ۔گوشہ نشینی کی زندگی کو ترجیح دی مگر علم کا شہرہ اتنا تھا کہ تشنگان علوم نے ان کی خلوت کو جلوت میں بدل دیا بالآخر اپنی گوشہ نشینی کو آباد رکھنے کے لئے گھر بار چھوڑ دیا ان کے بعد عہدۂ قضا سے دور رہنے کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ شیخ محمد راجی کے صاحبزادے مولانا عبد الشکور ان کے صاحبزادے مولانا شیخ مودود ان کے فرزند مولانا معروف سب علوم وفنون میں کامل ہونے کے باوجود قاضی بننے سے متنفر رہے حالانکہ اس زمانے میں قاضی ہونا بڑے شرف کی بات تھی۔

مولانا شیخ حمید الدین علیہ الرحمہ کے دور میں یہ سلسلہ ٹوٹا اور سلطان سکندر لودی کے زمانے میں انہوں نے عہدۂ قضا کو قبول کر لیا آپ کو دربار شاہی سے قاضی القضاۃ کا خطاب ملا ان کے بعد ان کے صاحبزادے مفتی کریم الدین بھی افتا وقضا میں نامور ہوئے آپ کی درسگاہ کا غلغلہ بھی دور تک پہنچ گیا اور بدایوں اس زمانے میں مرکز علم وفن بن گیا۔ شیخ حمید الدین کی اولاد میں شیخ عزیز اللہ اور شیخ مظاہر ہیں ۔شیخ عزیز اللہ پر تصوف کا رنگ غالب تھا نسبت اویسی رکھتے تھے نام ونمود سے دور رہے ان کے دو صاحبزادے ہوئے مولانا عبد الغفور اور مولانا عبد الشکور صاحبان۔

۔مولانا عبد الشکور حدیث وفقہ میں درک وکمال کے لئے جانے جاتے تھے مولانا عبد الغفور بھی فقہ وحدیث میں ماہر تھے مگر طبیعت گوشہ نشینی کی طرف مائل تھی اس لئے گوشہ ہی میں محفل درس وتدریس بپا کئے رہے۔ ان کے صاحبزادے مولانا شیخ مصطفے علیہ الرحمہ علوم ظاہر وباطن میں یکتا تھے ان کے فرزند مولانا محمد شفیع علیہ الرحمہ اپنے والد کے سچے جانشین ہوئے عہد عالمگیری کے نامور علما میں سے تھے فتاوی عالمگیری کے مرتبین میں آپ بھی شامل تھے۔

مولانا محمد شفیع کے دو صاحبزادے مولانا شریف اور مولانا عبد اللطیف ہوئے ،مولانا شریف المعروف اشرف الاتقیا صاحب جذب وسلوک تھے علوم ظاہری پر علوم باطنی کا غلبہ تھا گھر بار چھوڑ کر جنگل میں چلے جاتے اور یاد حق میں مصروف ہو جاتے لوگ پکڑ پکڑ کر لاتے بمشکل رات گھر پر گزارتے اور بعد فجر پھر باہر نکل جاتے اور یاد الہی میں مصروف ہو جاتے انہیں یہ امتیاز حاصل ہے کہ عصر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ عین حالت سجدہ میں وصال فرمایا۔

مولانا شریف علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مولانا محمد سعید چشتی نے آپ علوم وفنون کی تکمیل کی اور بیعت عاف باللہ حضرت کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی علیہ الرحمہ سے مرید ہوئے اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے درس وتدریس سے وابستہ رہے اس وقت آپ کے خاندان کے مشہور عالم دین مولانا محمد علی اور مفتی عبد الغنی بھی درس وتدریس کی مجلس

سجائے ہوئے تھے، آپ کے بعد آپ کے دو صاحبزادے نے اس روایت کو آگے بڑھایا، ایک کا نام مفتی لبیب احمد اور دوسرے کا نام مولانا عبدالحمید ہے ۱۹۵اھ میں مفتی لبیب کا وصال ہوا، مولانا عبدالحمید نے بھی پڑھ لکھ کر درس و تدریس کا آغاز کیا آپ ہی کے زمانے میں بدایوں کے خانوادۂ عثمانیہ کا رشتہ مارہرہ سے مربوط ہوا آپ حضور شمس مارہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی لوگوں کے پیہم اصرار کے باوجود بھی مرید نہیں کرتے تھے آپ بڑے مستجاب الدعوات تھے جن کے حق میں جو دعا کر دیتے مقبول ہو جاتی تھی۔

آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالمجید عین الحق علیہ الرحمہ ہیں علوم وفنون کی تکمیل اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ سے کیا اور ہر فن میں کمال حاصل کیا علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد طبیعت تصوف کی طرف مبذول ہوئی کئی بزرگان دین کی بارگاہ میں حاضر ہوئے مگر تشفی نہیں ہوئی اسی خیال میں سرگرداں تھے کہ بخت سکندری نے خواب میں سرور کونین کی زیارت کی، دیکھا مجلس مبارک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد صحابہ کا مجمع ہے حضرت غوث پاک بابا فرید اور شمس مارہری حضرت آل احمد اچھے میاں حاضر بارگاہ ہیں حضور نبی کریم نے غوث پاک کی طرف اشارہ کیا اور انہوں نے آپ کا ہاتھ حضرت اچھے میاں کے ہاتھ میں دیدیا، منزل کا یقینی پتہ مل گیا صبح مارہرہ حاضر ہوئے اور حضرت اچھے میاں کے ہاتھ پر مرید ہو گئے، بعد بیعت شیخ کی محبت دل میں ایسے سمائی کہ زیادہ تر وقت مارہرہ ہی میں گزرنے لگا شیخ نے بھی آپ کی تربیت پر خصوصی توجہ ڈالی آپ کے شوق

جذب وسلوک کو دیکھ کر حضور شمس مارہرہ کہا کرتے تھے: مولوی عبدالمجید "ہل من مزید" کے مقام پر فائز ہیں اور اس معاملے میں ان کی طرح کوئی نہیں۔ ایک موقع پر فرمایا: فقیر کا ظاہر امام اعظم کی طرح اور باطن حضرت منصور جیسا ہونا چاہئے اور یہ دونوں اوصاف مولوی عبدالحمید کے اندر ہی پائے جاتے ہیں۔ ان کی علمی وروحانی عظمت کے سلسلے میں حضرت کا یہ قول بھی قابل رشک ہے، جسے آپ نے ایک موقع پر کہا تھا: اگر بروز حشر خدائے تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو تو میں مولوی عبدالحمید بدایونی کو پیش کر دوں گا۔ حضرت شمس مارہرہ نے آپ کو اجازت و خلافت سے سرفراز کیا اور عین الحق کے خطاب سے نوازا، آپ نے وعظ، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعے خدمت دین کیا آپ کی چند تصانیف بھی علمی دنیا میں مقبول ہے فارسی زبان میں "مواہب المنان" حضرت غوث پاک کے ملفوظات کی شرح اور تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے، دوسری تصنیف اردو زبان میں محافل انوار ہے جو کہ سیرت مصطفی پر بارہ مجلسوں پر مشتمل ہے۔

آپ کے صاحبزادے سیف اللہ المسلول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی ہیں پیر ومرشد کی دعا سے شاہ عبدالمجید کے گلشن میں یہ پھول کھلا تھا آپ نے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی آپ جد کریم شیخ عبدالحمید اور شمس مارہرہ کی خصوصی توجہ رہی گھر پر پڑھنے کے بعد فرنگی محل تشریف لے گئے مروجہ علوم کی تحصیل کیا فراغت کے بعد بارگاہ حضور شمس مارہرہ میں حاضر ہوئے، انہوں نے علم طب پڑھنے کا مشورہ دیا حکم کی تعمیل میں دھولپور تشریف لے گئے

اور حکیم سید ببر علی سے علم طب حاصل کیا حضور شمس مارہرہ کی دعا سے آپ کو دست شفا ملی جسے جو دوا لکھ دیتے شفا ہو جاتی جس مریض کو ہاتھ لگا دیتے شفایاب ہو جاتا، آپ صدر الصدور کے عہدہ پر بھی فائز ہوئے کچھ دنوں کے بعد مستعفی ہو کر والد گرامی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے حضرت شمس مارہرہ وصال فرما چکے تھے آپ نے والد سے بیعت ہونا چاہا والد نے کہا: تم بنارس کے صدر الصدور رہ چکے ہو تمہارا نفس موٹا ہے پہلے وہاں جا کر مزدوری کرو تا کہ تمہارے نفس کی اصلاح ہو جائے آپ نے تعمیل حکم کیا واپسی پر والد گرامی نے داخل سلسلہ کیا اور ریاضت شاقہ کے بعد خلافت سے نوازا، آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا آپ مشفق استاذ تھے طبابت کی کمائی سے طلبا کی کفالت کرتے تھے، آپ کے دست شفا کی شہرت شاہی محل تک پہنچی ہوئی تھی بہادر شاہ ظفر کی بیٹی بیمار ہوگئی تو آپ کو بغرض علاج بلایا گیا آپ کے علاج سے شفایاب ہوگئی بادشاہ نے انعام و اکرام سے نوازنا چاہا مگر آپ نے بطور انعام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک جو بادشاہ کے پاس تھا طلب کیا بادشاہ نے اسے عنایت کیا ہاتھیوں کے جلوس کے ساتھ موئے مبارک بدایوں پہنچا جو آج بھی محفوظ ہے جس کی زیارت سے لوگ بموقع عرس مشرف ہوتے ہیں۔

آپ نے نظم و نثر میں علمی یادگار بھی چھوڑا ہے بہت سے علوم و فنون پر آپ کی تصانیف ہیں بالخصوص رد وہابیہ آپ کا پسندیدہ موضوع تھا ''سیف الجبار، المعتقد المنتقد، فوز مبین اور بوارق محمدیہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں آپ نے منطق و فلسفہ کے اصطلاحات کو منظوم شکل میں پیش کیا ہے

روحانی اعتبار سے آپ کی منزل کا حال یہ ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت غوث پاک کی زیارت سے مشرف تھے بارگاہ رسالت سے آپ کو معین الحق کا خطاب ملا تھا ،آپ کے جانشین آپ کے صاحبزادے تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر محب رسول ہوئے۔

آپ سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کے فرزند ارجمند ہیں آپ کا تاریخی نام ''مظہر حق ''لقب بالہام باطن'' شیخ الاسلام فی الہند'' اور عبد القادر کے نام پر عقیقہ ہوا ان کے والد نے ''محب رسول جز و نام قرار دیا حضرت مولانا نور احمد بدایونی سے ابتدائی تعلیم، حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی سے علوم عقلیہ، اور اپنے والد سے سند حدیث لی اور انہیں سے مرید ہوئے آپ کی ذہانت و ذکاوت کے معترف آپ کے اساتذہ تھے اس حوالے سے حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کا قول ہے:

صاحب قوت قدسیہ ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے وقتاً بعد وقت اور عصراً بعد عصر پیدا ہوتے ہیں اگر اس زمانے میں کسی کا وجود مانا جائے تو آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ یہ ہیں علامہ یہ بھی فرماتے کہ ان کے ذہن کی جودت و سلامت ابوالفضل و فیضی کے اذہان ثاقبہ کی جودت کو مات کرتی ہے (تذکرہ علمائے اہلسنت ص ۱۲۶)

آپ کی ذہانت کے سلسلے میں آپ کے والد کا قول ہے: ''مجھ سے مولانا فیض احمد کی ذہانت زیادہ ہے مگر برخوردار عبد القادر کی ذہانت و ذکاوت ہم دونوں سے زیادہ ہے (تذکرہ علمائے اہلسنت ص ۱۲۶)

آپ کے علم سے ایک زمانہ فیضیاب ہوا آپ کے شاگردوں میں حضرت مولانا محب احمد بدایونی، حضرت مولانا فضل احمد بدایونی، حضرت مولانا فضل مجید بدایونی، حضرت مولانا مفتی حافظ بخش بدایونی، حضرت مولانا سید شاہ عبد الصمد صاحب مودودچشتی، حضرت مولانا حسن سنبھلی مشہور ہیں

آپ کی قلمی یادگار مندرجہ ذیل ہیں

حقیقۃ الشفاعۃ علی طریق اہل السنۃ

شفاء السائل بتحقیق المسائل

سیف الاسلام

اشباع الکلام

ہدایت الاسلام

عقائد الاسلام

تاریخ بدایوں، اس کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں

آپ قادری سلسلہ کے مشہور شیخ رہے ہیں آپ کا روحانی مرتبہ بھی بڑا بلند ہے ۹۹ بار بے پردہ آپ کو تجلیات باری کا دیدار ہوا

آپ کے بعد آپ کے جانشین مولانا عبد المقتدر بدایونی ہوئے آپ علم وفضل میں بہت باکمال تھے آپ کے مرتبت عالیہ پر ان کے والد

گرامی رشک کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے :مولانا میرے شاگرد اور مرید ضرور ہیں مگر ان کی شان بالاتر ہے کاش میں مولانا کا مرید ہوتا۔ آپ نے فجر کی نماز پڑھتے ہوئے حالت سجدہ میں وصال فرمایا

آپ کے بعد آپکے برادر اصغر حضرت مولانا عبد القدیر بدایونی منصب سجادگی پر فائز ہوئے آپ حضور غوث پاک کے سچے عقیدت کیش تھے آپ نے مسلسل پینتالیس بار بارگاہ غوثیت میں حاضری دی ہیں ایک مرتبہ حاضر نہ ہو سکے تو بارگاہ غوث کا نقیب باشارۂ باطن مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے آپ نے مسجد حرام اور مسجد اقصی میں امامت کا فریضہ بھی دوران سفر انجام دیا ہے جب آپ کا انتقال ہوا تو حضور غوث پاک نے اپنے سجادہ کو بشارت دی کہ مولوی عبد القدیر ہر سال ہمارے لئے لباس لایا کرتا تھا اب وہ مستقل طور پر میرے پاس آ گیا ہے لہذا میرے مزار پر ایک سال سے پڑے ہوئے غلاف کو ان کے مزار کے لئے بھیج دو۔

تذکرہ علمائے اہل سنت جون پور

مفتی محمود احمد رفاقتی اشرفی

حضرت شیخ عبدالقدوس قلندر شطاری جون پوری

ولادت ۹۴۵ھ وصال ۱۰۵۲ھ

مرجع انام حضرت شیخ عبدالقدوس قلندر شطاری نظام آبادی نے ایک سو پندرہ برس کی بافیض زندگانی گزار بارہویں شوال ۱۰۵۲ھ کو وصال فرمایا، ان کو شیخ قدن اور قطب صدیق بھی کہا جاتا ہے، انہوں نے ہندوستان میں مشربِ شُطّار کے بانی حضرت شیخ عبداللہ شطاری سے براہ راست طریقۂ شطاریہ عشقیہ حاصل کیا، اُن کے وصال کے بعد ان کے خلیفۂ خاص حضرت شیخ حافظ واسطہ کار، کی صحبت میں رہ کر کمال کے درجہ پر پہنچے، حافظ صاحب نے خلافت سے نوازا، اس کے بعد نظام آباد میں تلقین وارشاد کی بزم سجائی، حضرت اُستاذ الملک ملا امام محمد افضل اور ان کے یگانۂ آفاق تلامیذ حضرت امام ملا محمود اور حضرت قطب الاقطاب دیوان محمد رشید عثمانی جونپوری آپ کے فیض تلقین سے اقطاب واوتاد عالم بنے۔

گنجِ ارشدی میں ہے کہ ایک روز آپ کے یہاں دو فقیر اہلِ کمال، مہمان ہوئے، گھر میں جا کر کھانا پکانے کا حکم دیا۔ آپ کی زوجۂ محترمہ نے کہا آٹا تو موجود ہے، لیکن لکڑی نہیں ہے، اپنے سر کا بال جلا کر پکا دوں، آپ نے فرمایا تم کاہے کو اپنا سر جلاؤ گی میں ہی اپنے سر پر پکا لوں گا، تم آٹا گوندھو، جب تک آٹا گوندھ کر تیار ہوا، اِدھر آپ نے حبسِ دم کر کے سر کو خاصا تنّور بنالیا، اور دو روٹیاں پکالیں، تیاری کے بعد مہمانوں کے آگے رکھی گئیں، دونوں نے کھا پی کے رخصت کی اجازت چاہی، حضرت شیخ نے فرمایا کہ آج ٹھہریئے، فقرا، صاحبانِ کشف تھے، جواب دیا کہ آپ تکلف نہ کرتے، کچا آٹا سامنے لا کر رکھ دیتے تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ اب نہیں رہ سکتے۔ آپ کا مزار مبارک جونپور جیل خانہ کے مغرب میں ہے۔

اُستاذ الملک حضرت ملا محمد افضل جون پوری

ولادت ۹۷۷ھ ۔ وصال ۱۰۶۲ھ

اسلامی ہند کی خاک سے دسویں صدی ہجری کے آخر میں توقیر اسلام کے لیے جو گوہر ابدار اور تابدار بندا ہوئے ان میں سے ایک حضرت اُستاذ العصر تھے وہ دیار پورب کے استاذ العصر تھے، ان کے فیضِ درس سے ملا محمود اور قطب

اطاقطاب دیوان محمد رشید، قدوۂ کاملین بنے، حضرت کی ولادت ۱۹؍رمضان ۹۷۷ھ میں ہوئی، رودولی شریف ضلع بارہ بنکی یوپی میں ہوئی، سن شعور کو پہنچے تو اپنے والد ماجد مفتی حمزہ سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے دارالسرور جونپور پہنچے یہاں سے لاہور پنجاب جا کر اُستاذ العصر ملا عبدالحکیم سیال کوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ سے پڑھا، دہلی میں ملا شیخ حسین کے حلقہ درس میں شامل ہو کر استفادہ کیا، صحاح ستہ اور دیگر کتبِ احادیث ملا ابوحنفیہ سے پڑھا، انہیں کی خدمت میں رہ کر مسائل کے استنباط وتحقیق میں مہارت حاصل کی، ۹۹۷ھ میں بیس برس کی عمر میں علوم کی تحصیل و تکمیل سے فراغت پائی، اس مرحلہ کے بعد جونپور آکر مقیم ہوئے، تدریس کی مسند بچھائی ان کے فضل وکمال کا شہر دور دور تک پہنچا، جونپور کے علماء نے خاص طور سے استفادہ کیا یہ جہانگیر بادشاہ کا دور تھا۔ وقائع نگار نے جہانگیر بادشاہ کو حضرت اُستاذ العصر کی مرجعیت اور فضل وکمال کے متعلق اطلاع دی، جہانگیر نے اُن کو اُستاذ الملک کا لقب دیا، اور شاہی مدرسہ کی صدر مدرسی اور جاگیر کا پروانہ روانہ کیا، لیکن حضرت استاذ الملک نے اس کے قبول کرنے سے معذرت کی اور پوری زندگی توکل کے ساتھ درس وتدریس میں گزار دی، حضرت اُستاذ الملک کے شاگردوں میں بڑے بڑے علماء اور اہل اللہ تھے، لیکن ان میں اُن کو اپنے دو شاگردوں، پر ناز تھا، اور ان دونوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

علامہ تفتازانی اور علامہ جرجانی کے بعد ایک وقت میں اور ایک شہر میں ان کے جیسے فضلاء کا اجتماع نہیں ہوا، یہ دونوں ملا امام محمود عثمانی اور قطب الاقطاب دیوان محمد رشید عثمانی تھے۔

حضرت اُستاذ الملک ظاہری علوم وفنون میں یگانۂ عصر ہونے کے ساتھ روشن ضمیر اہل اللہ بھی تھے، شطاری مشرب ہیں حضرت شیخ عبدالقدوس شطاری نظام آبادی وصال ۱۰۵۳ھ سے بیعت ونسبت رکھتے تھے، میر علی عاشقان شطاری وصال ۱۰۵۰ھ اور حضرت دیوان محمد رشید جون پوری بھی انہیں کے مرید تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس شطاری حضرت قطب الدین بینا دل قدس سرہ وصال ۸۸۰ھ کے پوتے تھے، حضرت اُستاذ الملک کا وصال تیرہویں ربیع الثانی ۱۰۶۲ھ میں ہوا، چوراسی برس کی عمر مبارک ہوئی آپ کے وصال کے تذکرہ میں تجلی نور کے مصنف نے لکھا ہے، کہ جس وقت ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا وصال ہوا۔ اہل جون پور نے علم کا الوداعی ماتم کیا تھا، ان کو یہ معلوم نہ تھا، کہ ملک العلما، خود تو دنیا سے تشریف لے گیے، مگر علم کی خلعتِ فاخرہ استاذ الملک ملا محمد افضل کے لیے چھوڑ گیے

گماں مبر کہ تو چوں بگزری جہان بکشت
ہزار شمع می کشتند وانجمن باقی است

مرجع العلماء امام ملا محمود فاروقی جونپوری

ولادت ۱۰۱۵ھ وصال ۱۰۶۲ھ

مرجع العماء سیدی امام ملا محمود فاروقی کے ہم وطن، ہم خاندان، معاصر اور رشتہ دار بزرگ شاہ ابوالخیر فاروقی متوفی ۱۰۵۹ھ نے ان کے مناقب اپنی کتاب شیر وشکر میں لکھتے ہیں کہ حق سبحانہ نے شیخ محمد کو اپنے دست کرم سے ایسا ایک فرزند عطا فرمایا جو انفس وآفاق میں یگانہ اور مکارم اخلاق کا

آفتاب ہے، اس فرزند کے حال واحوال کے بیان کے لیے ایک جداگانہ دفتر چاہیے، اجمال اس کے بیان کا یہ ہے کہ وجود امام اعظم، مولانا نے مکرم، جامع مناقب، آفتابِ مشرق ومغرب، ملت حنفیہ کے روشن چراغ، علوم حقیقیہ کے بحرِ مواج، علم الہدیٰ علامۂ مقتداء علمائے راسخین کے بادشاہ، افتخار الملۃ والدین شیخ محمود بن محمد، اللہ تعالیٰ ان کے فیض کے سایہ کو طالیانِ فیض کے سروں پر قائم رکھنے اور علامۂ نامی میر سید غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ نے اُن کے مناقب فضائل میں تحریر فرمایا:

"ھو العلامۃ الاوجد بین العماء الفوار بہ و منسلب نظیرہ اسطقس الفضایا السالبہ - ولا ریب انہ لم یظھر بالھند - مثل الفارو قبین احدھما فی علم الحقائق وھو مولانا الشیخ احمد السرھندی والثانی فی العلوم الحکمیۃ والاربیۃ وھو الملا محمود"۔

آفتاب ہندوستان مولانا الامام محمد عبدالحی فرنگی محلی متوفی ۱۳۰۴ھ نے تحریر فرمایا،"ھو العلامۃ فی عصرہ، الفاعۃ فی دھرہ، محقق العلوم الحکمیۃ، مدقق العلوم العقلیہ مولانا محمود الجونپوری"۔

حضرت ملا صاحب کا ننہالی خانوادہ بھی صاحبانِ علم و معرفت کا خانوادہ ہے ان کے نانا حضرت شیخ شاہ محمد کے بڑا ابا حضرت اُستاذ الملک ملا محمد افضل قدس سرہ ہیں۔ حضرت ملا محمود قدسرہ کی ولادت اپنے نانا کے گھر جونپور میں ۱۰۱۵ھ میں ہوئی یہ جہانگیر بادشاہ کے عہد سلطنت کا دوسرا برس تھا، وہ بارہ برس سے بھی کم عمر کے تھے، کہ دوسری ربیع الاول ۱۰۲۷ھ کو ان کے والد کا انتقال ہو گیا، حضرت شیخ شاہ محمد قدس سرہ سے ختم قرآن مجید کے بعد علوم کی تحصیل ان کے نانا نے قابل ذکر تعلیم دینے کے بعد اپنے بڑے ابا استاذ الملک ملا محمد افضل قدس سرہ کے سپرد کیا، ان کے فیض قلب سے ملا صاحب کی تحصیل علم کے دور ہی میں علمِ بلندی حاصل ہوگئی۔ بڑے بڑے علماء سے علمی گفتگو میں وہ غالب آجاتے اور وہ ان بلند علمی باتوں سے متحیرہ ہوتے بندہ نواز کریم اللہ جل شانہ نے ملا صاحب کو اخذ کرنے والا ذہن، اور قوت حفظ عطا فرمایا اور اکتساب علمی کی نعمتوں سے نوازا، وہ بے حد محنت کرنے والے تھے، چنانچہ تھوڑی سی مدت میں تمام طلبہ پر سبقت لے گئے اور جب تحصیلی علوم سے فاتحۂ پڑھا، سترہ برس کی عمر کے نوجوان صالح تھے اور اشراقی علماء اور مشائی حکماء کے سرخیل تھے ان کی فراغت علمی اور اُن کے شفیق نانا حضرت شیخ شاہ محمد شطاری قدس سرہ کی رحلت از دنیا کا ایک ہی سن وصال ۱۰۳۲ھ ہے۔

تحصیل و تکمیل علوم کے بعد درس کی مسند بچھائی اس کے چار برس کے بعد ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء میں شاہ جہاں بادشاہ کا دورِ سلطنت شروع ہوا، اس کے کانوں تک ملا صاحب کی شہرتِ علمی کی آواز پہنچی تو دربار میں بلائے گئے، بادشاہ کے حکم سے امراء وزراء نے استقبال کیا سر پر سلطانی کے مسند پر شاہ علم وفضل وکمال اور بادشاہ دنیا ایک ساتھ بیٹھے، کچھ مدت بعد جاگیر کا پروانہ ملا، اور وہ پھر سے تدریس و تعلیم میں مشغول ہو گئے، ایک بار ایک ایرانی فاضل ہندوستان آیا، اس کو عقلی و نقلی علوم کے اہم ادق مسائل پر تبحر حاصل تھا۔ آگرہ کے بڑے بڑے علماء بلائے گئے، لیکن اس مقابل ٹھہر نہ سکے، علماء کی بے مائے گی سے شاہ جہاں متعجب ہوئے اور انہوں

نے ارکانِ دولت سے کہا ہماری قلم و میں بڑے بڑے علماء و فضلاء موجود ہیں، اُن میں سے ایسے عالم کو بلایا جائے جو ایرانی فاضل کو زیر کر سکے، وزیر اعظم سعد اللہ خاں جو حضرت ملا صاحب کا شاگرد تھا، اس نے ناظم جون پور کے نام شاہی فرمان جاری کیا کہ ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر شاہی فرمان پیش کر کے کسی طرح ان کو دہلی پہنچنے پر راضی کرو چنانچہ ملا صاحب عالمانہ کروفر کے ساتھ، دربار شاہی تک پہنچایا، وہاں کمال تعظیم کا مظاہرہ ہوا، شاہ جہاں کے حکم سے دربار میں مناظرہ کی مجلس سجی جس میں اثباتِ ہیولیٰ کی بحث چھڑی، ایرانی نابینا فاضل نے باری باری سے وہ تمام دلائل دیے، جو اُسے یاد تھے، حضرت ملا صاحب نے اس کی ہر دلیل کے پرخچے اڑا دیے، آخر میں اس نے کہا آپ کے پاس اثبات کی کوئی دلیل ہو تو بیان کیجیے۔ حضرت ملا صاحب نے اثبات کے دلائل پر دقیق تقریر فرمائی جس کو سن کر ایرانی فاضل بے اختیار اُٹھا اور ان کے ہاتھوں کو چوم لیا، اور ملا کے فضلِ علم کا بھری مجلس میں اعتراف کیا، حضرت ملا صاحب کے اس طرح کے علمی فضائل بے حد ہیں، ان میں سے چند کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح کا ایک مشہور اور نامور مباحثہ جلیل القدر علامہ، ملا محمد عبد الحکیم فاضل لاہوری سے بھی ہوا، فاضل لاہوری نے علمی تبحر و تمہر کے باوجود مناظرہ میں شکست کھائی اور اس کا اعتراف کیا اور ملا صاحب کے علمی تفوق کا اظہار کیا کہ مولانا نفس قدسی ہیں۔ شاہ جہاں ان کا بے حد قدرداں تھا۔ ایک بار حضرت ملا صاحب بادشاہ کے جلو میں لاہور پہنچے، وہاں اقلیم فقر و استغناء کے شہنشاہ حضرت میاں میر قادری لاہوری قیام فرما تھے، بادشاہ نے ان کی زیارت کا قصد کیا ملا صاحب اور حضرت ملا عبد الحکیم سیال کوٹی تینوں نے ان کی زیارت کی، حضرت میاں میر قدس سرہ نے کوئی توجہ نہ کی ان کے ادا نو جوان شاہ جہاں بادشاہ اور دونوں علم کے شہنشاہوں کو بے حد رنج پہنچا، اور حضرت شہنشاہ دین و فقر سے کہا "توجہ بہ علماء، نہ کردن چہ معنی دارد" حضرت میاں میر صاحب قدس سرہ نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ حجرہ میں جا کر اپنا کمبل لائے اور اس پر ان دونوں کو بیٹھا کر فرمایا میں جاہل ہوں اور ماشاء اللہ آپ لوگ عالم ہیں، ذرا اس شعر کا مطلب مجھے سمجھا دیں ؎

مبادا اوّل آں فرومایہ شاد
کہ از بہرِ دنیا دہد، دیں بباد

شعر سنتے ہی حضرت علامہ ملا عبد الحکیم فاضل سیال کوٹی پر گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی، اور حضرت ملا محمود قدس سرہ درباری زندگی ترک کر کے مدرسہ میں لوٹ پڑے، اس ترکِ تعلق کے بعد بھی بادشاہ نے شاہزادہ محمد شجاع کی تعلیم کے لیے بنگالہ بھیجا، وہاں عارف باللہ حضرت شاہ نعمت اللہ قادری کا آوازۂ ولایت سنا تو ان کی خدمت میں جا کر مرید ہو گئے، حضرت شاہ نعمت اللہ حضرت ملا محمد افضل جونپوری قدس سرہ کے شاگرد تھے، اس طرح وہ آپ کے خاندان کے بزرگوں کے زیر بار کرم تھے اور آپ کے اُستاذ بھی، بھائی بھی تھے، اب علامہ اس منزل کی طرف روانہ ہوئے جس کی طرف آپ کے نانا پرنانا چلے تھے، ان کی حکمت و دانش نے فراست مومن کا رنگ اختیار کر لیا، تدریس و تصنیف بر آورادو اذ کار و اشغال کو برتری حاصل ہوگئی، اس وقت ان کی نظر میں ان کے علم و فن کی متاع ہیچ معلوم ہونے لگی، اس کے بعد

زندگانی کے آخر دس برس اس میں گزارے اور اس وقت اپنے تلامذہ بھی عالم باعمل اور مرد زاہد پر اطمینان و مسرت کا بے حد اظہار کرنے لگے، ایک بار حضرت ملا صاحب اپنے شاگرد ملا محمد صادق جونپوری کے یہاں تشریف فرما تھے، حضرت ملا محمد صادق بڑے عابد و زاہد اور متقی اور بڑے پایہ کے بزرگ تھے، استاذ کے سامنے اس کی توجیہ میں کہا، میرے نزدیک فلاسفہ و حکماء کے کلام میں ایمان مشتبہ ہے، اس لیے میں نے اپنی نماز ضائع نہیں کی، حضرت ملا کی للہیت تھی کہ آپ دونوں فعل پر ناراض نہیں ہوئے، بلکہ فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے، کہ میں نے اپنے شاگردوں میں ایک کو عالمِ باعمل اور عابد و زاہد پایا۔

ملا صاحب کے علم عصر و ہم عمر صاحب کا شیر و شکر نے ان کو جن القاب و آداب سے یاد کیا ہے وہ ان کی زندگانی کے آخری برسوں کے احوال میں جن میں ملا صاحب سراپا صاحب حال درویش، عالم ربانی علوم اسلامیہ کے بابغہ تھے۔ ملا صاحب اپنی پہلی زندگانی علوم حکمت و دانش کے جس رتبہ بلند پر تھے، ہر عہد کے جید الاستعداد علماء ان کے معترف رہے، ملا صاحب کی کتاب شمس بازغہ کا نام آفاقِ عالم میں گونج رہا ہے، ملا صاحب متکلم اسلام بھی تھے ان کی اس وقت کی کتاب الفرائد ہے، علامہ نامی میر سید غلام علی بلگرامی نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی شرح الفرائد پر خود حاشیہ لکھا ہے، جس میں حسن و جمال بھر دیا ہے، یہ حاشیہ جلیل القدر شرح ہے، جس سے علم فصاحت و بلاغت میں ان کے تبحر و تمہر کا پتا چلتا ہے، وہ ادب کے چمن پر برستا ہوا بادل ہے، تیرہویں صدی کے ہندوستان کے علامہ اجل علامہ محمد عبدالحی فرنگی قدس سرہ متوفی ۱۳۰۴ھ نے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ ملا صاحب نے اس شرح میں ایسی عجیب و غریب باتیں بیان کی ہیں، جن سے ذہنوں کو نشاط اور کانوں کو فرحت حاصل ہوتی ہے، ملا صاحب کا وصال نویں ربیع الاول ۱۱۶۲ھ کو ہوا، ان کی وفات علم و فن کی موت تھی، ارباب علم و فن میں ماتم برپا ہوا، کل ۷۴ برس کی عمر ہوئی، مرقد مبارک جونپور کے محلہ چاچک پور میں ہے، ملا صاحب سے فیض یافتوں کی بڑی تعداد ہے، جن سے بزم علم و معرفت منور رہی، خلائق ان کے نفوس قدسی کی برکتوں سے بہرہ یاب ہوئی۔ حضرت ملا غلام نقشبندی لکھنوی کے والد ماجد ملا شیخ عطاء اللہ متوفی ۱۳۶۳ھ مدفون لکھنؤ بھی حضرت امام ملا محمود فاروقی شطاری کے اجل تلمیذ تھے، اس طرح درس نظامی نصاب تعلیمی کے بانی کا سلسلہ ملا صاحب سے جڑا ہوا ہے، رحمهم الله رحمة واسعةً۔

قطب العصر حضرت دیوان محمد رشیدی جونپوری

ولادت ۱۰۰۰ھ وصال ۱۰۸۳ھ

حضرت دیوان صاحب، صاحبِ خیر کثیر اور برکت العصر اور حسنات الدھر تھے، انہوں نے علم الٰہی اور انوارِ مصطفائی دونوں سے بہرۂ وافرۂ کاملہ پایا۔ جس طرح پایا، اُسی طرح اس کو بندوں کے قلوب میں منتقل بھی فرمایا، حضرت دیوان صاحب کے محاسن و مناقب اور فضائل بے انتہا، ہیں، ان کو علم و فضل کے منہلِ صافی سے بے پایاں حصہ ملا تھا، وہ اس میں اعلم علماء عصر اُستاذ الملک حضرت افضل جونپوری سے فیض یاب ہوئے جن کا وجود رحمتِ خداوندی کی نشانی تھا، انوارِ علم مصطفائی کے لیے فیضان حدیث پاک کی

سب سے بڑی درسگاہ برکۃ المصطفائی الہند شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی بارگاہ میں پہنچے۔ حضرت دیوان صاحب جس وقت دہلی شریف گئے حضرت شیخ محقق پیرانہ سالی کی وجہ سے درس کا سلسلہ بند کر چکے تھے، لیکن آپ کی خاطر فرمایا ''میری موجودگی میں شیخ نورالحق سے پڑھا کر'' و آپ نے اس کو قبول کیا، حضرت قطب الاقطاب جب پڑھنے کے لیے حاضر ہوتے پہلے حضرت شیخ کے حجرہ کی چوکھٹ کو بوسہ دیتے پھر قدموں کو چوم کر پڑھنے بیٹھتے، سبحان اللہ! کیا نیازمندی ہے کیسی عقیدتِ قلبی ہے، بزرگوں کے ارشاد کا ہر آن مشاہدہ ہے جس کو رفعت وعظمت میں حسنِ ادب اس کا وسیلہ بنا۔

حضرت قطب الاقطاب اپنے اُستاذ الملک حضرت ملا محمد افضل سے مختصر المعانی پڑھ رہے تھے، ایک شخص نے اُستاذ الملک سے پوچھا یہ گایَگُو کے معنی بھی جانتے ہیں؟ حضرت استاذ الملک نے فرمایا یہ سبَگُو کے بھی معنیٰ بتاتے ہیں، ایک دن آپ حضرت اُستاذ الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت وہ فنِ مناظرہ کی کتاب شریفیہ پڑھا رہے تھے، آپ کی طرف دیکھ کر فرمایا متن خوب ہے، اگر کوئی شرح لکھے تو اچھی ہوگی، دوسرے ہفتہ آپ زیارت و ملاقات کے لیے گئے تو اس کی شرح بھی لے گئے۔ اُستاذ العلماء والملک نے دیکھ کر بہت پسند فرمایا اور اس کا نام رشیدیہ رکھا۔ ان کے فیضانِ قلب ونگاہ کی برکت نے رشیدیہ کو قبول عام عطا کردی، آج بھی وہ درس نظامی کے نصابِ تعلیمی وہ شامل ہے اور پڑھائی جارہی ہے۔

حضرت دیوان صاحب نے تحصیل علوم کی تکمیل کے بعد تدریس کی مسند بچھائی طلبہ کا ہجوم ہوا، دیار پورب کے اولیاء علماء کے گھرانوں کے افراد نے طلب علم کے لیے آپ کی خدمت میں حاضریاں دیں، حضرت شیخ طیب بنارسی آپ کے مرشدزادوں مخدوم زادگان شیخپورہ متصل پھول پور الہ آباد کو بہت مانتے تھے، اُن کے علاوہ طلبہ پر بھی الطاف و کرم کا سلوک کرتے، آپ نے وصال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ طلبہ جس پتھر پر اپنی جوتیاں اتارتے ہیں، میری قبر میں اُسی کا تختہ دیا جائے۔

حضرت قطب الاقطاب دیوان صاحب نے نو برس کی عمر میں اپنے والد شیخ مصطفیٰ جمال الحق سے سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ سراجیہ حامیہ میں مرید ہو گئے تھے اور خرقہ خلافت بھی پہنا تھا، تحصیل علم کے بعد تدریس کی طرف متوجہ رہتے، نسبت ارادت کی نعمت کی موجودگی بھی اپنا اثر دکھائی اسی زمانے میں حضرت مخدوم طیب بنارسی وصال ۱۰۴۲ھ کی بنارس سے جونپور میں آمد ہوئی آپ نے ان سے ملاقات کی لیکن اس وقت دل ان کی طرف نہ ہوا، دوسری ملاقات بنارس میں ہوئی تو اس بار دل میں ایک محبت پیدا ہوگئی اور آپ نے ان کی خدمت میں کچھ دنوں حاضر رہے، اسی عرصہ میں سلوک کا ذوق وشوق ایسا اُبھرا کہ درس وتدریس کا مشغلہ ترک کر کے ان کی خدمت میں رہنا چاہا، اس کو ملاحظہ فرما کر حضرت شیخ طیب قدس سرہ نے فرمایا کہ تم صبح کے وظیفہ کے بدلے طلبہ کو سبق پڑھایا کرو، یہ بھی عبادت ہے، اس کی تعمیل کی، زیارت کے لیے اکثر منڈواڈیہہ بنارس جایا کرتے ایک بار رمضان کا اعتکاف بنارس میں کیا عین عید کے دن حضرت بنارسی نے مجمع عام میں حضرات چشت کی طرف

سے اپنا پیراہن پہنایا، اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ نصیریہ کے اذکار اور تلقینِ طالبان کی اجازت دی، طلب فیض میں آپ عالی حوصلہ تھے، بہت سے مشائخ سے تلقین پا کر مجاز ہوئے اس کے بعد کثیر در کثیر مخلوق کو فیض پہنچایا۔

تمام شب عبادت میں صرف کرتے اٹھتے بیٹھتے، اسم ذات کا ورد کرتے، سادات کا بے حد اکرام کرتے، غرباء کی دستگیری اور حاجت روائی بے تامل کرتے، جس میں کوئی شکایت ہوتی اس کا جواب نہیں لکھتے جس کام کو کرتے اس کو مکمل کرتے کل کا لفظ انشاء اللہ کے بغیر نہیں کہتے، تہذیب و اخلاق کا بے حد لحاظ تھا، کسی کے بھی سامنے پاؤں نہیں پھیلاتے تھے۔ طریقت نبوی پر قدم بقدم چلتے، ہر کام میں بسم اللہ فرماتے جس چیز کو رکھتے قبلہ رو رکھتے، زہد اس درجہ کا تھا کہ ہمیشہ دریا کے پانی سے وضو فرماتے آپ نے سماع بھی سنا ہے مگر کم آپ کو اس سے انکار نہ تھا، بہت تیز قدم تھے، اس لیے پیدل سواری کرتے آپ کسی کی غیبت نہیں سنتے تھے، اگر کسی نے غیبت کی تو بیزار ہوتے، اور اس کی کسی اچھی بات سے تاویل فرماتے، ایک بار حاجی جلال نے حاکم شہر کی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے کوئی کسی کی بدی ظاہر کرتا ہے، تو مجھے اس کے جواب میں مشکل پڑتی ہے، کیونکہ خدا نے گمانِ بد سے منع فرمایا ہے، اور اس کے رسول نے حسنِ ظن کا حکم دیا ہے، لامحالہ مجھے توجیہہ کرنی پڑتی ہے، مثلاً اگر کسی کو رمضان میں سر بازار کھاتے ہوئے دیکھوں تو گمان کروں گا کہ مسافر یا بیمار ہے اگر کسی کو دیکھوں کہ عورت غلیظہ کے علاوہ ننگے بدن نماز پڑھ رہا ہے، تو سمجھوں گا مالکی المذہب ہے، دیکھوں کہ فصد کے بعد تجدیدی ہونے کے بغیر نماز پڑھ رہا ہے، خیال کروں گا شافعی المذہب ہے، اگر کسی کو جانوں کہ اس نے شراب پی ہے کہوں گا کہ توبہ کرنی ہوگی آپ فرماتے تھے کہ پیر کا عرس مرید کی عید ہے، جو شخص بزرگوں کے فاتحہ کا تبرک کھاتا ہے، سالِ آئندہ تک اس کی پناہ میں رہتا ہے، کسی کو بلا میں دیکھ کر نہ ہنسے بلکہ ڈرے اور استغفار کرے اور اپنی صحت و سلامتی پر شکر ادا کرے اہل دنیا چاہتے ہیں کہ فقراء کو دو ایک ملاقاتوں میں پہچان لیں، یہ کیوں کر ہو سکتا ہے فقیر کو غیر فقیر پہچان لے حضرت قطب الاقطاب سیدی دیوان صاحب کے فضائل و مناقب بہت ہیں، ان کی شہرت بھی بہت ہے، آپ حسنات الدھر برکۃ العصر تھے، آخر شعبان المعظم سے بیمار ہوئے، علالت وضعف بڑھتا گیا، آخر شب وصال کو تیمم سے تہجد پڑھی اور صلوۃ العشق اور نوافل پڑھے اور ذکر جہر میں مصروف ہوئے، اس کے بعد ہی نماز فجر کی نیت کی حاضرین نے عرض کیا ابھی وقت نہیں ہوا ہے فرمایا میاں ہو گیا ہے، اور خاتمۂ ارکان پر وصال فرمایا۔ نویں رمضان روز جمعہ ۱۰۸۳ھ کا ماہ و دن وصال ہے۔ آپ کے فرزندان علم الھدیٰ کہفِ الوریٰ زمان ہوئے، تلامیذ و خلفاء بھی اکابر عہد پاکانِ امت ہوئے رحمھم اللہ رحمۃً۔

حضرت مولانا شاہ غلام معین الدین رشیدی جون پوری

وصال ۱۳۰۷ھ

آپ کا نسبی تعلق قطب الاقطاب حضرت شیخ دیوان محمد رشید قدس سرہ سے ہے، آپ اپنے بزرگوں کے خصائل و محاسن کے جامع تھے، آپ کے والد ماجد کا نام نامی حضرت شاہ قیام الحق امیر الدبر تھا، آپ نے علوم کی تکمیل مولانا

معشوق علی جونپوری اور مولانا محمد شکور مچھلی سہری سے کی۔ علوم کی تحصیل سے فراغت کے بعد علوم شرعی کی تدریس کی طرف پوری توجہ کی، یہ شغل آخر زندگانی تک قائم رہا، والد ماجد سے بیعت ارادت کی خلافت سے بھی مشرف تھے، والد ماجد کے وصال نویں محرم الحرام ۱۲۶۵ھ کے بعد سجادۂ رشیدی پر مسند نشین ہوئے۔ ۱۲۹۶ھ میں حج وزیارت کے لیے گیے جب مکۃ المکرمہ میں حاضر تھے، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی شاہ امداد اللہ چشتی صابری آپ کے پاس تشریف لائے، اور آپ سے خلافت حاصل کی اور اپنا شجرۂ طریقت بھی دیا، حضرت شاہ غلام معین الدین قدس سرہ میں توکل، استغنا، غیرت اور مروت بہت تھی، غرباء وفقراء کی آپ کے نزدیک بہت قدر و منزلت تھی، میانہ قد، آفتابی چہرہ، کشادہ پیشانی، دوہرا بدن، رنگ گورا، آپ میں جمال وجلال دونوں تھا، منور چہرہ سے وقار وتمکنت اس درجہ نمایاں تھا کہ لوگوں کے سامنے جانے یا بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، چھٹی ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ کو جان، جان آفریں کے سپرد کی، مزار مبارک بہمن تبرہ شریف سیوان ضلع چھپرہ صوبۂ بہار میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے بعد شاہ سراج الحق جانشیں ہوئے، بحر الاسرار شیخ اکبر مولانا شاہ محمد عبد العلیم آسی قدس سرہ آپ کے خلیفۂ اعظم تھے۔

شریعت کے مطابق ہر عمل تھا

فاروق میدنا پوری

شریعت کے مطابق ہر عمل تھا اعلیٰ حضرت کا
رسول پاک کی سیرت سراپا اعلیٰ حضرت کا
رسول پاک سے تھا عشق سچا اعلیٰ حضرت کا
جبھی تو آج ہے عاشق زمانہ اعلیٰ حضرت کا
مبارک ہو مبارک ہو مسلمانوں مبارک ہو
تمہیں یہ جشن صد سالہ منانا اعلیٰ حضرت کا
جنہیں سردار اپنا سارے علماء عرب مانیں
ذرا سوچو کہ کیسا علم ہوگا اعلیٰ حضرت کا
فتاویٰ رضویہ و کنز الایماں، شاعری ان کی
عدیم المثل ہے ہر کارنامہ اعلیٰ حضرت کا
رجوع کرنے کی حاجت پیش نہ آئی کبھی ان کو
ہر اک لغزش سے ہوتا پاک فتویٰ اعلیٰ حضرت کا
قلم دہن وزباں ان کے تھے سب رب کی حفاظت میں
جو کیسے چوکتا کوئی نشانہ اعلیٰ حضرت کا
نبی کی شان میں جس کو ذرا بے ادب پاتے
خلاف اس کے قلم فوراً ہی چلتا اعلیٰ حضرت کا
وہ جب لکھے گا حق لکھے گا ہر دم حق ہی بولے گا
اگر وہ واقعی عاشق ہے سچا اعلیٰ حضرت کا
خدا کے فضل سے فاروق بھی طیبہ کو جائیں گے
ملا مارہرہ سے یہ ہم کو صلہ اعلیٰ حضرت کا

تذکرہ علمائے اہل سنت خیر آباد

مفتی محمود احمد رفاقتی اشرفی

استاذ الاکابر

حضرت مولانا فضل امام خیر آبادی قدس سرہ

وصال ۱۲۴۴ھ

حضرت مولانا فضل امام خیر آبادی سپر فضل وکمال کے مہر انور تھے، آپ حضرت عمر فاروق خلیفہ الراشد کی ذریت میں تھے، ان کے والد ماجد حضرت شیخ محمد ارشد تھے، وہ محدث اور حضرت مولانا شاہ سید صفت اللہ کے فرزند رئیس العلماء حضرت مولانا سید احمد اللہ خیر آبادی کے صادق مرید تھے، حضرت مولانا فضل امام قدس سرہ نے حضرت ملا عبد الواحد کرمانی خیر آبادی کی خدمت میں منقول ومعقول میں کمال حاصل کیا، محقق عالم مولانا مفتی محمد عنایت اللہ فرنگی محلی نے تذکرۂ علماء فرنگی محل میں حضرت علامہ محمد ولی بن قاضی غلام مصطفی بن علامہ محمد اسعد برادر اکبر حضرت قطب الاقطاب استاذ الہند ملا نظام الدین محدث اسرار ھم کے پوتے حضرت ملا نعمت اللہ کے ہاتھ لکھی ہو فہرست تلامذہ میں مولانا فضل امام خیر آبادی اور ان کے استاذ حضرت مولانا عبد الواحد صاحب کا نام بھی درج کیا ہے، مولانا سید عبد الواحد حضرت کمال الدین کے بھی شاگرد تھے، آپ کی طینت درویشی کے اعلیٰ صفت سے متصف تھی، جس ماحول میں پرورش ہوئی اس کا اقتضا بھی یہی تھا، اس زمانے میں قصبہ متبرکہ گوپامئو میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ صلاح الدین صفوی کی گویا موی فیاضی کا خاص شہرہ تھا۔ آپ نے چشتی سلسلہ میں ان سے بیعت ارادت کی نعمت پائی، دہلی جا کر انگریزی حکومت میں صدالصدور مقرر ہوئے، تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا، ذہانت وخطابت خداداد تھی ملکہ تدریس بے نہایت تھا، جس نے آپ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا، باکمال بنایا، کار منصبی اور تدریس کے ساتھ اوراشوال سلسلہ پر کاربند معمولات میں شامل آخر زندگانی میں یہ رنگ گہرا ہو گیا تھا، افسوس کہ مہر اوج کمال کے پانچویں ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کو غروب ہوا۔ حضرت مخدوم شیخ سعد کی درگاہ میں اپنے استاذ حضرت سید عبد الواحد کرمانی کی تربیت سے جانب شمال کے فاصلہ خلائق نے سرائر پردۂ خاک میں آپ کو ڈال دیا۔ فرحمہ اللہ رحمۃ اللہ

استاذ مطلق محب الرسول حضرت علامہ امام محمد فضل حق فاروقی چشتی خیر آبادی قدس سرہ

ولادت ۱۲۱۲ھ وصال ۱۲۷۸ھ

وصاف النبی، مرجع انام، حمیت قرینی اور غیرت اسلامی کے پیکر، زمانے میں بندوں کے درمیان فضل حق اور فضل

رسول اللہ تھے۔ ۱۲۱۲ھ میں ولادت ہوئی، ۱۲ برس کی عمر میں والد ماجد سے درسیات کی تکمیل کی، نہایت ذکی اور قوتِ حافظہ قوی تھا، حضرت شاہ عبدالقادر محدث جلیل کی خدمت میں حدیث شریف پڑھی، چار ماہ میں قرآن شریف حفظ کی نعمت حاصل کی، نماز تہجد کی مواظبت اور ہفتہ میں ایک ختم قرآن مجید معمولات میں تھے، جہاں بھی رہے، مسجد شریف میں نماز جماعت کے پابند رہے، رام پور کے زمانۂ قیام میں جس محلہ میں حضرت کا قیام تھا، وہاں ایک عالی مقام بزرگ حضرت شاہ احمد علی کا بھی مکان تھا، ایک دن آپ نے اُن کے مرید شاہ نظام رام پوری متوفی ۱۲۸۹ھ سے پوچھا کہ آپ کے مرشد کے بارے میں سنا ہے کہ بڑے صاحب حال ہیں لیکن وہ مسجد میں نہیں آتے اور جماعت کی نماز ترک کردی ہے، (شاہ احمد علی ایسے اعذار بھی تھے جو مانع حاضری تھے) مسجد شریف جا کر التزام، شرکت جماعت نماز، کی توفیق خاصان خاص ہی نفوس عطاء ہوتی ہے۔

زمانہ کا تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن دہلی کے بعد جھجھر اور الور پہنچے، دو برس سہارنپور میں قیام رہا، حضرت علامہ کے پیر و مرشد کا عرفی نام ''شاہ دھومن'' ہے، وہ اصلاً سہارن پور ہی کے رہنے والے تھے، پھر دہلوی بھی کہے جانے لگے تھے، حضرت علامہ اگر دہلی میں مرید ہوئے تو اس قیام کی مدت ۱۲۴۵ھ تک کی ہے اور حضرت علامہ کی عمر ۳۳ برس کی ہوتی ہے اس کے سے پہلے ہی من دھلانے کے لیے ''شاہ دھومن''، چشتی کے دربار میں حاضری دی اس کے بعد معرفت کی بزم میں حاضری کا سعید جذبہ بڑھتا ہی رہا، سلوک کے معارف و حقائق کے حصول کے لیے انہوں نے اپنے ہم وطن بزرگ حضرت حافظ شاہ سید محمد علی فخری سلیمانی قدس سرہ وصال ۱۲۶۶ھ کی خدمت میں حاضری دی اور خصوص الحکم پڑھنا چاہا، لیکن حضرت حافظ صاحب نے انکار کیا اور وجہ بتائی کہ میاں تم خود علامۂ اجل ہو، تم سے زیادہ میں کیا اس کو سمجھا ہوں، مگر علامہ پر یہ سرّ افشار تھا کہ معانی تو میں ضرور سمجھ چکا ہوں مگر اس کے جو مقاصد اور حقائق ہیں وہ تو آپ کے پاس ہیں، اس کے بعد حضرت حافظ قبلہ نے حقائق و معارف کے دریا بہا کر علامہ کو اس راہ کا خاص عارف بنا دیا اور ان پر اسرارِ حق فاش ہونے لگے حضرت علامہ نے انہی حقائق کے بیان میں کتاب لکھی اور اس کا نام الروض الموجود فی تحقیق وحدۃ الوجود رکھا، حضرت علامہ کے فرزند جلیل، علامہ عبدالحق قدس سرہ کے اجل واعظم تلمیذ حضرت مولانا نادرالدین ملتان علیہ الرحمہ سلطنت آصفیہ کے دارالسلطنت حیدرآباد جا کر جامعۂ نظامیہ کے صدر المدرسینی کے مسندِ علمی پر رونق افروز ہوئے، وہ صاحبِ حال بزرگ تھے اُن کے پاس اس کی نقل تھی ان سے لے ان کے ایک شاگرد نے ۱۳۱۳ھ میں چھپوادی۔ مولانا نادرالدین چشتی، مولانا سید مہر علی شاہ کے گولڑوی کے ہم سبق تو نہ تھے بلکہ متقدم تھے اور ہم استاذ اور ہم مدرسہ تھے، مولانا ملتانی نے ان کو ایک نسخہ بھجوایا، انہوں نے پڑھا تو کہا، کہ ''جس چیز کو صوفیائے وجودیہ نے ریاضت و مکاشفات سے حاصل کیا، مولانا نے اُسے معقول اور براہین سے پالیا ہے''۔

شہر بریلی، روہیل کھنڈ میں حضرت ممدوح کے تلمیذ قدیم مولانا مفتی سلطان حسن عثمانی (وصال ۱۲۹۸ھ) متوطن تھے ان کی التجاء و دعوت پر حضرت ممدوح بریلی تشریف لے گیے، خانقاہ نیازیہ بریلی شریف میں اس وقت کے سجادہ نشین حضرت شاہ نظام الدین حسینی نیازی علیہ الرحمہ سے ملنے

تشریف لے گیے، حضرت مولانا شاہ نیاز احمد بریلوی چشتی فخری سلسلہ کے یکتائے روزگار بزرگ اور اپنے عہد وعصر میں وحدۃ الوجود کے زبردست شارح تھے، اس خانقاہ کے مسترشدین میں علامہ غلام قادر داغستانی نیازی نظامی بھی موجود تھے، انہوں نے محفل کی مناسبت سے مسئلۂ وحدۃ الوجود کا ذکر چھیڑ دیا، حضرت علامہ نے روئے سخن اس مسئلہ کی طرف موڑا، حضرت علامہ کی اس مسئلہ میں تحقیق تھی کہ یہ صوفیۂ صافیہ کرام کا متفقہ مسئلہ ہے، صرف حضرت علاء الدولہ سمنانی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے، رسالہ امتناع النظیر صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مبحث کا بیان لکھا ہے، کراماتِ نظامیہ مؤلفہ مولانا فائق صاحب میں ہے کہ حضرت علامہ نے جب جامع ومدلل پر براہین تقریر شروع کی تو اس محفل خاص میں جس میں مدقق علماء اور محقق عرفاء موجود تھے، سب پر محویت کی کیفیت طاری ہوگئی، حضرت علامہ جانتے تھے کہ یہ مسئلہ کشفی وحالی ہے، اور کشف وحال کی دقائق کب بیان میں آتے ہیں، اسی لیے پہلے ہی فرمادیا کہ جہاں تک دلائل و براہین کا تعلق ہے وہ بیان کردیتا ہوں، تسلیم کرنا نہ کرنا حاضرین کا کام ہے۔

الروض المجود شریف کے آخر میں توصیت فرمائی کہ ہے کہ:

> ''بہترین وصیّت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ظاہر وباطن میں ڈرتا رہے، اگرچہ میں ان لوگوں میں سے ہوں، جو اپنے آپ کو بھول کر دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے کس قدر افسوس کہ میں نے اپنی عمر خواہشات میں برباد کی، اور اپنی زندگی بداعمالی میں تباہ کی، اپنی عزت وتوقیر، واہیات باتوں کی گراتا رہا، اور اپنی پونجی کی بڑی مقدار لٹاتا رہا، حیات کے خوش گوار دن اترانے میں اور بہترین ایام لہوولعب میں گزارتا رہا۔
> اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں معاف کرے اور اپنی رحمتِ کاملہ سے ان لغزشوں سے درگزر کرے، ہم سب کو اعمال نیک کی توفیق دے اور اپنے مقبول بندوں، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین جن پر اس نے انعام کیا بنائے اور یہی اچھے ساتھی ہیں''۔

حضرت علامہ امام خیرآبادی قدس سرہ کی عربی دانی اور عربی شاعری کا غلغلہ بلند ہے، اور بحیثیت عربی شاعر، حضرت کی بلند مقامی پر کچھ نہ کچھ لکھا جاتا رہتا ہے، لیکن کیا حضرت کی شاعری برآئے شعر گفتن کی حد تک ہے، حضرت علامہ کے درون سینے میں اگر جھانکنے کی توفیق خیر، مرحمت ہوتو اس کا عرفان مشکل نہیں ہے، ان کی عربی شاعری وصف شاہ ہدیٰ اور مدح گستری حبیب خدا ہے، اسی حب والا میں غرق ہوکر اس غریق نے بعالم حضوری مدح گستری بھی کی، اور اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضوری اور وصل وقرب کی التجائیں لگائیں، اور کون کہہ سکتا ہے کہ ''نہیں''، سنتا ہی نہیں مانگنے والے در کریم کے درس حضرت علامہ خالی اور بے مرام رہے۔

ایک بار آپ کے محب جو کہ عازم حج وزیارت شریف تھے، بغرض رخصت حاضر ہوئے، آپ ان کی تشیع کے لیے پیادہ پا ہوئے اور فرمایا کہ حاضری اقدس پر اس مہجور غلام کے چند ابیات عرض کردینا، اور اسی حال میں راستہ چلتے آپ نے

برجستہ وہ اشعار لکھوا لیے تھے جن کی تعداد دو قصیدوں کی صورت میں پچاس شعر کے قریب ہوگئی۔

جس وقت ان زائر صاحب نے ان کو مواجیہ اشرف میں پڑھنا شروع کیا، تو علماء نے جو مشغول تدریس تھے، اپنے اپنے درس بند کردیئے اور حرم محترم میں ہر جانب سے خلقت ان کے گرد جمع ہوگئی اور حاضرین پر عجیب عالم طاری رہا۔

حضرت علامہ امام خیر آبادی قدس سرہ نے اگرچہ تکمیل علوم کے بعد ملازمت کی اور باوقار رہے، مگر اس در کی ملازمت کی طرف بھی متوجہ رہے جن کی شفاعت ان کی آخرت کی متاع تھی، وہ حسان زماں اور مدافع عن سید الاکوان رہے، مولوی اسماعیل کی ہرزہ سرائی کی دھجیاں اڑائی، اور شفاعت کبریٰ کی تہنیت واثبات کا علم بلند کیے رہے، انہوں نے مدح گستری کی اور مدح سرا رہے حضرت علامہ امام خیر آبادی نے مولوی حیدر آباد ٹونکی کی شورہ پشتی اور ہرزہ سرائی کے پڑانچے اڑائے، رسالۂ مبارکہ امتناع النظیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، حیدر ٹونکی کلام الفاضل الکلیہ کے اباطیل کا ابطال کیا اور آخر میں تحریر فرمایا کہ:

”برائے مقبولیت اعمال، ایمان شرط است اور بارتکاب استخفاف بشانِ حضرت افضل الممکنات علیہ افضل الصلوٰۃ واہانت ائمہ مجتہدین، وحضرات صوفیۃ طوقِ لعنت، درگردن وخار ارتداد، در دامن داشت، بطمع جاہ، عباد اللہ را گمراہ، ودین خلقی را تباہ کردہ۔ فی خواست کہ ہچو اسماعیل صفوی کہ بذریعۂ اشاعتِ رفض، براہران زمین تسلط یافت، باشاعتِ نجدیت، در نواحِی افغانستان و پنجاب استیلا یابد، ایں خیال خام، دریں سودائے ناتمام اور ادر انجام اور ابمقام عزام رسانید، اعاذنا اللہ من سوء الختام بحرمۃ حبیبہ وآلہ الکرام“۔

امام المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الدرسی لاہوری نے اپنی موقر کتاب، مقدمہ میزان الادیان میں اعجازِ قرآنی کے بیان میں حضرت مولانا حکیم محمد حسن امروہوی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ عربی زبان ادب و انشاء پر غیر معمولی قدرت کی وجہ سے علامہ کے دل میں بیٹھے بٹھائے وسوسہ پیدا ہوا کہ میں بھی قرآن مجید کی ایک آیت کے مطابق کوئی آیت لکھوں، علامہ فرماتے تھے، ایک ہفتہ خبط میں مبتلا رہا، پھر توبہ کی، گریہ وزاری کی، حضرت علامہ نے نصاریٰ کے عزائم کے خلاف جدوجہد کی، اسی جرم میں گرفتاری ہوئی کالا پانی کی سزا ہوئی، برسوں بعد رہائی ملی، رہائی کا پروانہ لے کر خلفِ اصغر مولانا شمس الحق کالا پانی پہنچے اور جہاز سے اُترے تو سامنے کسی کا جنازہ دیکھا، معلوم ہوا کہ حضرت علامہ دارِ آخرت کے سفر پر روانہ ہوگیے ہیں اُنہیں کا جنازہ ہے، بارہویں صفر ۱۲۷۸ھ سال وصال ہے۔

استاذ العصر امام علم وفن حضرت مولانا عبدالحق فاروقی چشتی خیر آبادی قدس سرہ

ولادت ۱۲۴۴ھ وصال ۱۳۱۶ھ

یہ آفتاب علم وفضل ومعرفت شہر یار مسند تدریس ۱۲۴۴ھ کو سپہر دارائی اور اورنگ علمی پر طلوع ہوکر فضل حق کی خاص نشانی ہوا، یوسف جمال ایسا کہ ہر نئی رویت ہلال کے بعد نیک فال کے طور پر لوگ آکر آکر چہرہ دیکھا کرتے، مولانا سید شاہ مصباح الحق مودودی چشتی فخری سلیمانی علیہ الرحمہ تلمیذ

حضرت علامہ امام محمد ہدایت اللہ خان قدس سرہ کو راقم الحروف نے بارہا فرماتے سنا تھا کہ حضرت علامہ امام فضل حق علیہ الرحمہ نے عقیقہ میں ساٹھ ہزار روپے خرچ کیے تھے علماء و صلحاء عمائد کے علاوہ غرباء کی ضیافت کی تھی اور ان میں کپڑے وغیرہ بھی تقسیم کیے تھے، نہایت ہی ذہین اور دراک فہم، قوی الحافظہ، جو پڑھتے وہ فسانۂ ذہن میں محفوظ ہو جاتا تھا، ۱۴ برس کی عمر میں علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل کر کے فاتحہ فراغ پڑھا، آپ کی تکمیل علوم کا بھی جلسہ ہوا، علماء و صلحاء عمائد کی اس مجلس میں بھی تشریف آوری ہوئی، یہ ۱۲۵۸ھ کا سن تھا، حدیث کی سند آپ کے حضرت والد کو شاہ عبدالعزیز نے دی تھی اور شاہ عبدالقادر صاحب سے حدیث پڑھی تھی، بہت سے قوی قرآئن ہیں کہ حضرت علامہ امام عبدالحق قدس سرہ نے حدیث پاک کا درس کا فخر خاندان ولی اللہی حضرت مسند الوقت مولانا شاہ محمد مخصوص اللہ محدث سے لیا ہو۔

علوم کی تحصیل و تکمیل کے بعد والد ماجد ہی کے ساتھ رہے، عرصہ تک والد ماجد کے ساتھ سہارنپور رہے وہاں سے انہیں کے ہمراہ ریاست الور گیے، ۱۸۵۸ء/۱۲۷۲ھ میں جد و جہد وطن کے زمانے میں الور میں تشریف فرما رہے، چنانچہ ہمیں حضرت علامہ امام فضل حق قدس سرہ کی ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ آخری ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ میں الور میں حضرت عالی قدر سے مولانا نور احمد و مولانا عبدالقادر پڑھتے تھے اور حضرت خلف ارشد علامہ امام عبدالحق بھی چار اسباق دیتے تھے اس وقت آپ کی عمر اٹھائیس برس کی تھی اور مولانا عبدالقادر بدایونی ۱۹ برس کے تھے، عمروں میں نو دس برس کا فرق تھا۔

حضرت علامہ امام فضل حق قدس سرہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں بیعت تھے، آپ کے حصہ میں بھی بزرگان چشت اہل بہشت کے در کی خاکروبی آئی، آپ کے زمانے میں چشتی سلسلہ کی سب سے بڑی خانقاہ تونسہ شریف صوبۂ پنجاب میں تھی، وہاں اس وقت مسند عرفان پر شاہ عرفان و سلوک حضرت شاہ الہ بخش چشتی فخری سلیمان رونق افروز تھے اور ان کی روحانی شہریاری کا آوازہ بلند تھا، شاہ عرفانِ و سلوک کے دربار میں اللہ کی اطاعت کرنے والے اور دین کا غم کھانے والے پاکان کا جم غفیر جمع تھا، ان کی پیدائش ۱۲۴۱ھ کے ماہ ذی الحجہ میں ہوئی تھی اور ان کے دادا حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان چشتی فخری شاہباز ولایت کا وصال صفر ۱۲۶۷ھ میں ہوا تھا، اس وقت آپ اکیس برس کے تھے، ان کا روحانی عروج یوماً فیوماً اوج پر تھا، اسی روحانی اکتسابات کے عہد میں بزرگانِ چشت کے آستانوں پر حاضری دی، نوازشوں اور عنایتوں سے سرفراز ہوئے، اجمیر مقدس تا دہلی آپ کی آمد آمد کا غلغلہ بلند تھا، حضرت علامہ امام فضل حق نے دہلی میں لے جا کر فرزند ارجمند کو آپ نے مرید کرا دیا، اس طرح حضرت علامہ امام عبدالحق بھی سلوک و معرفت کی بزم میں شامل ہو گیے، اسی آستانہ سے وابستہ شیخ زمانہ حضرت شاہ عارفاں حافظ سید محمد علی شاہ خیر آبادی بھی تھے اور یہ حضرت شاہ عرفان و سلوک کے دادا حضرت شاہ محمد سلیمان چشتی فخری کے اجل خلیفہ تھے، اور علامہ امام کے ہم وطن اور ہم محلہ اور قرابتدار تھے، ان کی صحبتوں سے بھی فیض یاب ہوئے تھے، ان صحبتوں کا فیضان آپ کی زندگانی کے لمحات پر باران رحمت بن کر بے کراں برسا، صوفیۂ صافیہ کے حالات و واقعات بہت توجہ سے سنتے تھے، آپ کے سامنے جب بھی بزرگانِ دین کے مجاہدات و ریاضت اور شدائد و مشکلات

بیان کیے جاتے تو سن کر بے اختیار روتے، آخر عمر میں والد ماجد کی طرح ہمہ وقت اوراد و اشغال میں بسر کرتے تھے، علماء کتابی پر تو آپ کے تبصرے اور اقوال مشہور ہیں، اسی طرح علم الٰہی کے عارفوں اور واقفوں سے عقیدت کے افعال بھی مشہور ہیں۔ غریب پروری ایثار و بذل اور حمیت اسلامی اور غیرت دینی کے پیکر تھے۔

۱۲۸۱ھ تا ۱۳۰۴ھ رام پور میں قیام رہا، نواب حاجی کلب علی خاں نے آپ سے خود پڑھا اور المز از تمام کے ساتھ عالمی وقار کے مدرسۂ عالیہ کا پرنسپل اور حاکم مرفعہ مقرر کر دیا، اور دو سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ حضرت علامہ امام عبدالحق خیر آبادی کے درس میں آنے والے عموماً فارغ التحصیل ہوئے تھے اور آپ کی تقریروں سے استفادہ کرتے تھے، راقم الحروف کے خیر آبادی علمی سلسلہ کے اساتذہ آپ کے واقعات سناتے تھے، فرماتے، کہ تقریر نہایت سلجھی ہوئی، مالہ و ماعلین پر حاوی، سہل الفاظ استعمال فرماتے، تسلسل کا ''تانا بندھ جاتا'' اور دور کو ''ہیر پھیر'' کہتے تھے، حضرت علامہ امام عبدالحق قدس سرہ کے درس کی یہ صورت تھی کہ طالب علم عبارت پڑھتا تھا اور آپ تقریر کرتے، دیگر علماء کی طرح عبارت کتاب سے تقریر کو مطابق کرنے کا دستور نہ تھا، ہم نے بھی اپنے خیر آبادی علماء اساتذہ سے اسی طرح پڑھا ہے۔ ترجمہ کرانا اور تقریر کو منطبق کرنا، معلمین کا پیشہ کہتے تھے۔

امام زمانہ حضرت علامہ عبدالحق خیر آبادی قدس سرہ مدرسہ عالیہ کے پرنسپل بھی تھے، اس لیے کبھی کبھی مدرسۂ عالیہ کے اساتذہ کو نواب صاحب کے سامنے امتحان لینے کے لیے پیش کیا کرتے تھے، چنانچہ نواب حامد علی خاں کے زمانے میں جب کہ ان کا قیام خسرو باغ محل میں تھا علماء کو امتحان لینے کے لیے پیش کیا، مولانا ظفر احمد خیر آبادی، عبارت پڑھتے تھے، اور کتاب سامنے رکھ کر تقریر کرتے تھے، مولانا ظہور الحسینی صاحب کی باری آئی، مولانا ظفر احمد نے حمد اللہ پڑھنا شروع کی ہی تھی کہ شمس العلماء علامہ ظہور الحسین صاحب نے تقریر شروع کر دی اور پورے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ تقریر کی، کسی نے کہا، کہ یہ موقع متواتر مولانا کے سامنے پڑھا جاتا ہے، چنانچہ اواخر کتاب سے پڑھا گیا، اس بار بھی مالہ و ماعلیہ کے ساتھ تقریر کی، فرق تھا تو یہ تھا، پہلے سکون سے عبارت سنی پھر تقریر کی، تذکرہ کاملان رام پور میں ہے کہ مولانا ظہور الحسین صاحب سے قاضی سے الکلیة والجزیة قیل صغة العلم کے مطالب و مفاہیم بیان کرنے کے لیے فرمایا، آپ نے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ ایسی تقریر فرمائی کہ شمس العلماء نے نواب سے کہنے لگے، قاضی پڑھانا اس کو کہتے ہیں۔

مولوی حفیظ اللہ اعظم گڑھی، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے شاگرد تھے، مدرسہ عالیہ میں صدر مدرس ہو کر آ گئے تھے، وہ بھی بغرض امتحان پیش کیے گیے، علامہ امام عبدالحق نے ان سے پوچھا، فرد منتشر کا کیا مفہوم ہے، مولانا حفیظ اللہ نے تشریح کی تو پوچھا، فرد منتشر کا ثبوت و انتفاء کس طرح ہوتا ہے، مولانا حفیظ اللہ نے جواب دیا ایک فرد سے موجود ہوتا ہے اور ایک ہی فرد سے منتفی ہو جاتا ہے۔ علامہ خیر آبادی نے نواب حامد علی خاں کو مخاطب کر کے اور ایک خادم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مولانا کا مطالب یہ ہے کہ خدمت گار کی موت سے انسان فنا ہو جاتا ہے، حالانکہ فرد منتشر بمعنی مفہوم فردیت مضاف بہ کلی مثلاً جسم تا وحیوانِ تا یعنی کوئی سا جسم کوئی سا حیوان اور کوئی سا

انسان، بلا تخصیص و تعین کے، ثبوت کے لیے کسی ایک کا وہ کوئی بھی ہو، ثبوت کے لیے کافی ہے، اور انتفاء کے لیے جمیع کا انتفا ضروری ہوتا ہے، نواب صاحب نے فوراً فرمایا نکالو اس کو یہاں سے نکالے جانے کے بعد وہ یہاں سے لکھنؤ کے دار العلوم ندوۃ العماء میں صدر مدرس ہوگیے، یہ وہابی غیر مقلد تھے۔

حضرت علامہ نے تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی، آپ نے ہدایۃ الحکمہ لکھی تو تحریر فرمایا کہ مولوی نظام الدین نے مجھ سے فرمائش کی، کہ ایسی شرح لکھوں کہ جو فوائد پر حاوی ہو اور حشو و زائد سے خالی ہو، چونکہ الہتات کے مباحث اسلامی عقائد سے متضاد ہوتے ہیں۔ حضرت ممدوح نے دینی حمیت کے پیش نظر وضاحت فرمادی کہ یہ سب فلاسفہ کے جزاف و غوایت و گمراہی ہیں جو سبیل حق سے دور کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو ان و باطیل سے بچائے، اللہ حق کہتا ہے اور سیدھے راہ پر چلاتا ہے''۔

حضرت علامہ امام عبد الحق چشتی فاضل خیر آبادی قدس سرہ کے حضرت والد ماجد اُستاذ مطلق سراپا خیر، سراپا بر حکمت، امام فضل حق نے کی۔ زندگان کے تیسرے عشرہ کے آواخر میں جب مولوی اسماعیل دہلوی نے امکان کذب باری تعالیٰ اور امکانِ نظیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ اختراع کیا تھا، اور اُستاذ مطلق نے اسماعیل کے عقائد کے اباطیل کی ساری راہیں بند کردی تھیں، لیکن اس کو کیا کہئے کہ اسماعیل کے غالی طرفدار مولوی حیدر علی نے پھر سے اس فتنہ کو اُٹھایا، ابھارا، اس وقت حضرت علامہ امام عبد الحق انیس برس کے جوان صالح تھے، حضرت اُستاذ مطلق نے مولوی حیدر کے رسالے کلام الفاضل الکبریٰ فی امکان النظیر کا رد رسالہ امتناع النظیر صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھ کر اس فتنہ کو جڑ سے اُکھاڑا اور ان کے دعاوی کے پڑانچے اڑا دیئے یہ ۱۲۶۵ھ کا زمانہ تھا۔

۱۲۸۵ھ میں امیر احمد امیر حسن سہسوانی وہابی والد و مولود نے طبقۂ ارض کے لیے ہر حصہ میں سرور کائنات کے مثیل کو فتنہ اُٹھایا اور امکان نظیر کے ساتھ امکان کذب باری تعالیٰ کے قائل ہوگیے، یہ فتہ بڑھا، مولانا عبد القادر بدایونی کے شاگرد مولانا سید عبد الصمد چشتی سہسوانی نے ۱۲۸۵ھ میں اس کا رد افادات صمدیہ میں لکھا، یہ فتنہ بڑھتا ہی گیا، شیخپورہ ضلع بدایوں میں اُستاذ الحکماء حکیم غلام نجف خاں کے یہاں ایک شادی کی محفل میں یہ فتنہ موضوع بحث بن کر مناظرہ پر منتج ہوا، ۱۲۸۸ھ میں حضرت تاج الفحول، بدایونی نے امیر حسن سہسوانی نے مناظرہ کیا۔

وہابیوں نے مناظرہ احمدیہ نام کی کتاب میں اس کی روئداد شائع کی، اس میں لکھا کہ مولوی محمد احسن نانوتوی پروفیسر عربی بریلی کالج بھی اس کے قائل ہیں، اس پر ۱۲۹۲ھ میں فتنہ اُٹھا، مولوی محمد احسن نے اپنے ہم وطن مولوی قاسم نانوتوی سے استمداد کی طلب کی، اُنہوں نے مجذوبانہ بڑمیں بجائے ہدایت کے ایک دوسرا کفر اور تلقین کر دیا، اسی بحث پر دہلی میں مولوی محمد قاسم نانوتوی اور نواب حاجی قطب الدین خاں کے شاگرد مولانا شاہ محمد دہلوی سے مناظرہ ہوا، علماء دہلی نے محضر تیار کر کے مولوی قاسم کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا، مولوی قاسم نانوتوی نے اس کی فریاد حضرت امداد اللہ شاہ مکی کو خط لکھ کر کی، اور ساتھ ہی لکھا، کہ مولوی نذیر حسین کے سواء سب نے تکفیر کی ہے، بریلی میں مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے علماء رام پور کے پاس سوال بھیجا۔

جواب آگیا کہ:

''یہ عقیدہ زید کا فاسد ہے، اس صورت

میں زید خارج مذہب اہل سنت و جماعت
ہے، بلکہ جمیع فرقۂ اہل اسلام سے خارج
ہے، کس واسطے کہ کوئی فرقۂ قائل اس کا نہیں
ہے کہ سات خاتم النبیین ہیں"

اسی فتویٰ کے مجیب، حضرت مولانا نور النبی مجددی قدس سرہ تلمیذ ارشد علامہ امام فضل حق چشتی ہیں اور اس جواب کے مؤیدین ہیں حسب ذیل اعلام علماء صالحین اولیائے کاملین ہیں:

حضرت مولانا سدید الدین خاں ابن مولانا رشید الدین خاں دہلوی قدس سرہ

حضرت مولانا شاہ نور النبی نقشبندی مجددی رام پوری قدس سرہ

مسند الوقت حضرت مولانا عالم علی محدث مراد آبادی قدس سرہ

مسند الوقت حضرت مولانا سید حسن شاہ محدث رام پوری قدس سرہ

قدوۃ المحققین حضرت مولانا حیدر علی فیض آبادی تلمیذ اجل حضرت مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہما

شمس العلماء حضرت علامہ امام عبد الحق چشتی خیر آبادی قدس سرہ

حضرت مولانا مفتی محمد ریاض الدین کاکوروی مفتی عدالت رام پور قدس سرہ

حضرت قطب الارشاد مولانا شاہ ارشاد حسین مجددی قطب رام پور قدس سرہ نے مستقل تفصیلی جواب میں تحریر فرمایا کہ "قائل تخصیص پر اگر حکم کفر کا کیا جاوے تو ممنوع نہیں"۔

مشہور بات ہے، کہ مولوی قاسم اسی زمانے میں رام پور وارد ہوئے تھے، اور ایک سرائے میں خفیہ ٹھہرے تھے اور خفیہ ہی واپس ہوئے تھے، حضرت علامہ امام عبد الحق قدس سرہ کی ایسی دینی استقامت اور صلاحیت اور ہیبت حق تھی۔

انگریز اور انگریزی وضع اور معاشرت سے بہت ہی متنفر تھے، اسی کا نتیجہ تھا، کہ حضرت ممدوح نے آخر وقت میں وصیت فرمائی تھی کہ جب انگریز ہندوستان سے چلا جائے، تو میری قبر پر آکر خبر کر دینا چنانچہ ہندوستان سے جب انگریز کا منحوس قدم چلا گیا، تو ان کے تلمیذ التلمیذ کے تلمیذ اور اہل قرابت مولانا سید نجم الحسن خیر آبادی پر ایک جم غفیر کے ساتھ میلاد شریف پڑھ کر ایصال کیا اور اس وصیت کی تعمیل کر دی۔

زندگانی کے پہلے دور میں درس وافادہ اور جد وجہد آزادی وطن میں گزرا، دوسرے دور میں درس وافادہ کا زور رہا، اور آخر میں ہر چیز اور ہر تمنا سے ایک ہو کر ہو گیے جو نازش بندگی ہے، صوفی صافی تھے، فقراء اور درویشوں کی دامن ویزی کے جھرمٹ میں وصل وصال اور قرب حق کی تمنا میں تھے، رخصتی کے آثار دیکھ کر فرزند نے ہدایات طلب کیں فرمایا:

"دنیا سے احتراز، دراہم ودنانیر سے
اجتناب، حب مال، تمام برائیوں کی جڑ ہے،
سلمان کے لیے مال ودولت کی خواہش
نازیبا اور اس کی ہوس بدترین گناہ ہے"

۲۳ شوال المکرم کی شب ۱۳۱۶ھ میں وصال فرمایا، دادا کی قبر کے پاس مخدوم صاحب کی درگاہ شریف میں مدفون ہوئے۔ حضرت مولانا مفتی شاہ امیر احمد چشتی صابری مینائی نے یہ تاریخ کہی:

شمس العلماء ز ظلمت دہر
چوں تیر زابر تیرہ برجست
بر لوحِ مراز آمیر بنویس
آرام گہہ امام وقت است

۱۶ ۱۳ھ

❀❀❀

باب سوم

مرکز اہل سنت: تعارف وخدمات

مرکز اہل سنت کی اعتقادی خدمات

مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خانوادۂ رضویہ نے لسان وقلم کے ذریعہ ایمان واسلام اور دین وعقائد کے تحفظ کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، حقائق کا مطالعہ کرنے سے یہ انکشافِ تام ہوتا ہے کہ اس خانوادہ نے توحید ورسالت وغیرہ اعتقادی امور میں ہمیشہ اہل حق کے عقائد کی ترویج واشاعت کی، امت مسلمہ کو اسی عقیدہ پر قائم رہنے کا درس دیا اور اس کے خلاف عقیدے کا روشن رد فرمایا۔

خاکِ ہند میں مختلف جماعتوں نے اہلِ حق کے روشن عقائد کے خلاف باطل فکروں کو رائج کیا، کبھی امکانِ کذبِ باری، کبھی انکارِ ختم نبوت، کبھی امکانِ مثلِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں، خانوادۂ رضویہ کے اکابر علما ومشائخ نے ان فتنوں کا سد باب فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ اللہ رب العزت جسم وشکل، ظاہری اعضا وجوارح، ممکنات وحوادث کے خواص واوصاف، نقص وعیب اور بے حیائی وبرائی کی تمام باتوں سے پاک ومنزہ اور کمال کی تمام صفتوں کا جامع ہے اور حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا کے بعد سب سے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد اب کوئی دوسرا نبی نہیں آ سکتا، آپ کا آخری نبی ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، جس کا منکر کافر ومرتد ہے۔ خاتم النبیین کا معنی ہی آخری نبی ہے، نبی بالذات نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متواترۃ المعنیٰ حدیثوں میں خاتم النبیین کا معنی ''آخری نبی ہونا'' روشن فرمایا، اسی معنی پر ساری امت کا اجماع ہے، اس معنی کے علاوہ کسی اور معنی کا اختراع متواترۃ المعنی حدیثوں اور امت کے اجماع کی مخالفت ہے۔ اسی طرح آپ کا مثل محال بالذات ہے، ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر نہیں۔ اللہ رب العزت کی قدرت کے تحت وہی شے داخل ہوتی ہے جو اس کا مقدور بننے کے قابل ولائق ہے۔ جو شے اس کا مقدور بننے کے قابل ولائق نہ ہو، وہ اللہ کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہوتی، محال اور ممتنع بالذات چیزیں اللہ سبحانہ کا مقدور بننے کے قابل ولائق نہیں، اس لیے وہ اللہ کی قدرت کے تحت داخل نہیں۔ محال بالذات چیزوں کے داخلِ قدرتِ الٰہیہ نہ ہونے سے اللہ سبحانہ کی قدرتِ کاملہ میں کوئی خلل لاحق نہیں ہوتا، یہ نقص فاعل حقیقی اللہ سبحانہ میں نہیں بلکہ محالات وممتنعات میں ہے کہ وہ اس لائق ہی نہیں کہ اللہ کی قدرت کے تحت داخل ہوں۔ محالات وممتنعات پر اللہ سبحانہ کو قادر

ماننے سے ایمان واسلام اور توحید کی ساری بنیادیں منہدم ہو جاتی ہیں۔

حاصل یہ کہ اہلِ حق کے محکم عقائد کے خلاف جتنے بھی فتنے رونما ہوئے، خانوادہ رضویہ کے اکابر علما ومشائخ نے اس کے رد میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، باطل کی بدعقیدگی کا پردہ چاک فرمایا اور اہل حق کے روشن عقائد کی حقانیت کو واشگاف فرمایا۔ خانوادۂ رضویہ کے اکابر علما ومشائخ کی ایک عظیم فہرست ہے اور اعتقادات کا باب بھی عظیم وطویل ہے مگر اس عظیم خانوادہ کی روشن شخصیات میں سے کچھ اہم شخصیتوں کی اعتقادی خدمات کا ایک اجمالی جائزہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان اہم شخصیتوں میں امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری (جن کی وجہ سے علامہ رضا علی خاں و علامہ نقی علی خاں کا خاندان، خانوادۂ رضا بن گیا)، حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا بریلوی اور امام الفقہاء سیدنا سرکار مفتی اعظم قدست اسرارھم کی ذات بابرکات ہے۔

امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ہمہ جہت اعتقادی خدمات ہیں: قوارع القھار، سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح، القمع المبین لآمال المکذبین، المبین ختم النبیین، جزاء اللہ عدوہ بأباءہ ختم النبوۃ، السوء والعقاب علی المسیح الکذاب، الامن والعلی، خالص الاعتقاد، الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ، المستند المعتمد فی بناء نجاۃ الأبد، أنوار المنان فی توحید القرآن، الکوکبۃ الشھابیۃ في کفریات أبی الوھابیۃ، حسام الحرمین، إسماع الأربعین في شفاعۃ سید المحبوبین، سمع وطاعۃ لأحادیث شفاعۃ، تجلی الیقین بأن نبینا سید المرسلین۔ وغیرہ کتب ورسائل آپ کی اعتقادی خدمات کی روشن دلیل ہیں، جن کے مطالعہ سے ایمان واسلام اور اعتقاد وایقان کو جلا حاصل ہوتی ہے۔ حق کا اجالا اور باطل کا منہ کالا ہوتا ہے۔ حق کا احقاق اور باطل کا ابطال ہوتا ہے۔

اہلِ حق کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل جسم وجہت، مکان وکیفیت، تحیز وتمکن، اتصال وانفصال اور نزول وحلول وغیرہ عیوب ونقائص سے پاک ہے۔

امام علی بن حسین زین العابدین فرماتے ہیں:

سبحانک لاتحس ولاتمس ولاتجس

اتحاف السادۃ المتقین لمرتضی الزبیدی۔ (۴/۳۸۰)

اللہ کی ذات احساس، چھونے
اور ٹٹولنے سے پاک ومنزہ ہے۔

امام اجل، حجۃ الاسلام، ابوجعفر طحاوی حنفی (متوفی: ۳۶۱) فرماتے ہیں:

تعالی عن الحدود والغایات والأرکان والأعضاء والأدوات ولاتحویہ الجھات الست۔ (عقیدۂ طحاویہ، ص: ۴)

اللہ حدود وغایات، ارکان واعضاء آلات و ادوات اور شش جہات سے برتر وبالا ہے۔

عقائد وکلام کی سبھی کتابوں میں اہل حق کا یہی روشن عقیدہ مذکور ہے، مگر اس کے برخلاف وہابیہ امثالیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل عیب ونقص کی ان تمام چیزوں سے پاک نہیں، وہ جسم ہے، جہت ہے۔ حیز ومکان میں ہے، متصل اور

منفصل ہوتا ہے، حرکت وانتقال اور نزول وحلول اس کی صفت ہے۔ ابن تیمیہ نے بیان تلبیس الجھمیة (۱/ ۱۵۲) میں لکھا ہے:

ولیس فی کتاب اللّٰہ ولا سنة رسوله ولا قول أحد من سلف الأمة وأئمتها أنه لیس بجسم وأن صفاته لیست أجساما وأعراضا، فنفی المعانی الثابتة بالشرع والعقل بنفی ألفاظ لم ینف معناها شرع ولا عقل جهل وضلال۔

اللہ کی کتاب، اس کے رسول کی سنت اور امت کے اسلاف وائمہ کے اقوال وارشادات میں یہ کہیں نہیں ہے کہ اللہ جسم نہیں اور اس کی صفتیں جسم وعرض نہیں تو عقل وشریعت نے جن الفاظ کے معنی کی نفی نہ کی ان الفاظ کی نفی کرکے عقل و شرع سے ثابت شدہ معانی کا انکار کرنا جہالت وگم راہی ہے۔

ابن تیمیہ کے مجموعہ فتاویٰ میں ہے:

ثم لفظ التجسیم لا یوجد في کلام أحد من السلف لا نفیا ولا إثباتا فکیف یحل أن یقال: مذهب السلف نفی التجسیم أو إثباته۔ (۴/ ۱۵۲)

سلف کے کلام میں کہیں بھی تجسیم کا لفظ بطور نفی یا اثبات موجود نہیں تو یہ کہنا کیوں کر روا ہوگا کہ سلف کا مذہب تجسیم کی نفی یا اس کے اثبات کا ہے۔

امام رازی نے أساس التقدیس تحریر فرمائی جس کے رد میں ابن تیمیہ نے التاسیس في رد أساس التقدیس لکھی۔ علامہ کوثری نے تکملة الرد میں ابن تیمیہ کی کتاب مذکور سے درج ذیل عبارت نقل کی:

فمن المعلوم أن الکتاب والسنة والإجماع لم ینطق بأن الأجسام کلها محدثة وأن اللّٰہ لیس بجسم ولا قال ذلک إمام من أئمة المسلمین فلیس في ترکی لهذا القول خروج عن الفطرة ولا من الشریعة۔ (تکملۃ الرد، ص: ۴۰)

یہ حقیقت واضح ہے کہ کتاب وسنت اور اجماع امت سے یہ ثابت نہیں کہ تمام اجسام حادث ہیں، اللہ جسم نہیں، ائمہ مسلمین میں سے کسی امام نے ایسا نہ فرمایا، اس لیے اس کے برخلاف میرا قول شریعت وفطرت کے خلاف نہیں۔

وہابیہ کے ہندوستانی پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے ''ایضاح الحق'' میں کہا:

''تنزیہ اوتعالیٰ از زمان ومکان وجہت و اثبات رویت بلا جہت ومحاذات وقول بصدور عالم بر سبیل ایجاب واثبات قدم عالم وأمثال آں ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ فی شمار۔

(ایضاح الحق الصریح مترجم اردو، فائدہ اول ان امور کا بیان جو بدعات حقیقیہ میں داخل ہیں۔ قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص: ۷۷-۷۸)

زمان، مکان، جہت اور رویت بلا جہت ومحاذات سے اللہ تعالیٰ کو پاک کہنا اور جہاں کا صدور بطور ایجاب وعالم کا

قدم ثابت کرنا اور ایسے دیگر امور، یہ تمام حقیقی بدعات ہیں جب کہ مذکورہ اعتقاد والے لوگ ان مذکورہ امور کو دینی عقائد میں شمار کرتے ہیں۔اھ ملخصاً (ت)

مجھے زیادہ تفصیل نہیں پیش کرنی ہے مجھے بتانا یہ ہے کہ اہلِ حق کے عقیدہ کے برخلاف غیر مقلدوں کے پیشوا ابن تیمیہ اور اسماعیل دہلوی کا یہ عقیدہ ہے، جس کی تصریح ان کی کتابوں میں ہے۔ ہمارے اسلاف واکابر نے ان کا یہ عقیدہ نقل فرمایا۔علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب **شفاء السقام** اور سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ نے **المعتقد المنتقد** میں اور امت کے اجلہ علمانے ابن تیمیہ وغیرہ کے باطل عقیدے کا ذکر کیا، جس پر آج کے وہابیہ قائم ہیں۔

امام اہلِ سنت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی اس بدعقیدگی کا پردہ چاک فرمایا اور کتاب وسنت اور اجماع امت سے یہ روشن فرمایا کہ اہلِ حق کا عقیدہ تنزیہہ و تقدیس کتاب وسنت اور اجماعِ امت کا روشن آئینہ دار ہے، آپ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی روشن تحقیق فرمائی اور رسالہ ”قوارع القہار“ وغیرہ میں فرقہ مجسمہ کا ایسا رد فرمایا جس سے غیر مقلدوں کے باطل عقائد کی ساری بنیادیں منہدم ہو جاتی ہیں اور عمل بالحدیث کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور ان کے سلفی ہونے کا عقیدہ بالکل جھوٹا نظر آتا ہے اور یہ بھی روشن ہو جاتا ہے کہ امت کے اسلاف وائمہ کے عقیدے کے خلاف ان کا عقیدہ ہے۔ آپ نے اسلافِ امت کا عقیدہ بڑے ہی نفیس اور شائستہ اسلوب میں بیان فرمایا:

”(۱) اللہ تعالیٰ ہر عیب ونقصان سے پاک ہے۔ (۲) سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی چیز کی طرف کسی طرح کسی بات میں اصلا احتیاج نہیں رکھتا۔ (۳) مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے۔ (۴) اس میں تغیر نہیں آ سکتا، ازل میں جیسا تھا ویسا ہی اب ہے اور ویسا ہی ہمیشہ ہمیش رہے گا، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ پہلے ایک طور پر ہو پھر بدل کر اور حالت پر ہو جائے۔ (۵) وہ جسم نہیں جسم والی کسی چیز کو اس سے لگاؤ نہیں۔ (۶) اسے مقدار عارض نہیں کہ اِتنا یا اتنا کہہ سکیں، لمبا چوڑا یا دلدار یا موٹا یا پتلا یا بہت تھوڑا یا گنتی یا تول میں بڑا یا چھوٹا یا بھاری یا ہلکا نہیں۔ (۷) وہ شکل سے منزہ ہے، پھیلا یا سمٹا، گول یا لمبا، تکونا یا چوکھونٹا، سیدھا یا ترچھا، یا اور کسی صورت کا نہیں۔ (۸) حدوطرف ونہایت سے پاک ہے اور اس معنی پر نامحدود بھی نہیں کہ بے نہایت پھیلا ہوا ہو بلکہ یہ معنی کہ وہ مقدار وغیرہ تمام اعراض سے منزہ ہے، غرض نامحدود کہنا نفی حد کے لیے ہے نہ اثبات بے مقدار بے نہایت کے لیے۔ (۹) وہ کسی چیز سے بنا نہیں۔ (۱۰) اس میں اجزا یا حصے فرض نہیں کر سکتے۔ (۱۱) جہت اور طرف سے پاک ہے جس طرح اسے دہنے بائیں یا نیچے نہیں کہہ سکتے یوں ہی جہت کے معنی پر آگے پیچھے یا اوپر بھی ہرگز نہیں۔ (۱۲) وہ کسی مخلوق سے مل نہیں سکتا کہ اس سے لگا ہوا ہو۔ (۱۳) کسی مخلوق سے جدا نہیں کہ اس میں اور مخلوق میں مسافت کا فاصلہ ہو۔ (۱۴) اس کے لیے مکان اور جگہ نہیں۔ (۱۵) اٹھنے، بیٹھنے، اترنے، چڑھنے، چلنے، ٹھہرنے وغیرہا تمام عوارض جسم وجسمانیات سے منزہ ہے۔

محل تفصیل میں عقائد تنزیہہ بے شمار ہیں، یہ پندرہ کہ بقدر حاجت یہاں مذکور ہوئے اور ان کے سوا اُن جملہ مسائل

کی اصل یہی تین عقیدے ہیں جو پہلے مذکور ہوئے اور ان میں بھی اصل الاصول عقیدہ اولی ہے کہ تمام مطالب تنزیہیہ کا حاصل وخلاصہ ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ ۲۲۰/۱۱ تا ۲۲۱ ر سالہ قوارع القہار علی المجمسة الفجار، رضا اکیڈمی ممبئ)

ان روشن عقائد کی دلیل کیا ہیں آپ نے فرمایا کہ:

''ان کی دلیل قرآن عظیم کی وہ سب آیات ہیں جن میں باری عزوجل کی تسبیح وتقدیس وپاکی وبے نیازی وبے مثلی وبے نظیری ارشاد ہوئی۔ آیات تسبیح خود کس قدر کثیر ووافر ہیں۔

قال تعالیٰ: الملک القدوس السلم۔

(الحشر ۲۳، پ:۲۸) بادشاہ نہایت پاکی والا ہر عیب سے سلامت۔ وقال تعالی: فان اللہ غنی عن العلمین۔ (آل عمران، ۹۷، پ:۴) بے شک اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔ وقال تعالی: فان اللہ ھوالغنی الحمید۔ (لقمان ۱۲، پ:۲۱) بے شک اللہ ہی بے پرواہے سب خوبیوں سے سراہا۔ وقال تعالی : لیس کمثلہ شیء۔ (شوریٰ، ۱۱، پ:۲۵) اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔

وقال تعالی: ھل تعلم لہ سمیا۔ (مریم ۶۵، پ:۱۶) کیا تو جانتا ہے اس کے نام کا کوئی۔

وقال تعالی: ولم یکن لہ کفوا أحد۔ (اخلاص ۴، پ:۳۰) اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔

ان سب مطالب کی آیتیں صدہا ہیں، یہ آیات محکمات نہیں، یہ ام الکتاب ہیں، ان کے معنی میں کوئی خفاواجمال نہیں، اصلاً دِقت واشکال نہیں جو کچھ ان کے صریح لفظوں سے بے پردہ روشن وہویدا ہے بے تغییر وتبدیل بے تخصیص وتاویل اس پر ایمان لانا ضروریاتِ دین اسلام سے ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ ۲۲۰/۱۱ تا ۲۲۱ / رسالہ قوارع القہار علی المجمسة الفجار، رضا اکیڈمی ممبئ)

مزید فرماتے ہیں:

''پھر شرع مطہر کی طرف رجوع کیجیے تو مسئلہ اعلیٰ ضروریات دین سے ہے، جس طرح قرآن و حدیث نے باری جل مجدہ کی توحید ثابت فرمائی، یوں ہی ہر عیب ومنقصت سے اس کی تنزیہ وتقدیس اور خود کلمہ طیبہ ''سبحان اللہ'' و اسمائے حسنیٰ ''سبوح وقدوس'' کے معنی ہی یہ ہیں ولہذا تسبیحات حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد سبحان الذی لاینبغی التسبیح إلا لہ (پاک ہے وہ ذات کہ پاکیزگی فقط اسی کے لیے ہے) جس کے باعث توقروہ پر وقف اور تسبحوہ کو اس سے فصل کیا گیا پھر مرتبہ اجمال میں اس پر اجماع اہلِ اسلام منعقد، کوئی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے والا اپنے رب عزو جل پر عیوب ونقائص نہ رکھے گا۔'' (سبحان السبوح، ص:۳۸)

آپ اس کی مزید تحقیق وتوضیح فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''قرآن عظیم کی آیتیں دو قسم کی ہیں: ایک محکمات، جن کے معنی صاف بے دِقت ہیں

جیسے اللہ تعالی کی پاکی و بے نیازی و بے مثلی کی آیتیں جن کا ذکر اوپر گزرا۔ اور دوسری متشابہات، جن کے معنی میں اشکال ہے یا تو ظاہر لفظ سے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا جیسے حروفِ مقطعات الم وغیرہ۔ جو سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ عزوجل پر محال ہے، جیسے:

الرحمن علی العرش

استوی، یاثم استوی علی العرش

پھر جن کے دلوں میں کجی و گمراہی تھی وہ دین میں فتنے پھیلانے لگے کہ اللہ عرش پر بیٹھا ہے، عرش پر چڑھا ہوا ہے، عرش پر ٹھہر گیا ہے۔ انھیں کو قرآن مجید نے فرمایا:

الذین فی قلوبھم زیغ۔ (آل عمران ۷، پ: ۳) ان کے دل پھرے ہوئے ہیں۔

اور جو لوگ علم میں پکے اور اپنے رب کے پاس سے ہدایت رکھتے تھے وہ سمجھے کہ آیات محکمات سے قطعا ثابت ہے کہ اللہ تعالی مکان و جہت و جسم واعراض سے پاک ہے، بیٹھنے، چڑھنے، بیٹھنے سے منزہ ہے کہ یہ سب باتیں اس کے حق میں عیب ہیں اور وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ان میں اللہ عزوجل کے لیے اپنے مخلوق "عرش" کی طرف احتیاج نکلے گی اور وہ ہر احتیاج سے پاک ہے، ان میں مخلوق سے مشابہت ثابت ہوگی کہ اٹھنا، بیٹھنا، چڑھنا، اترنا، سرکنا، ٹھہرنا اجسام کے کام ہیں اور وہ ہر مشابہت خلق سے پاک ہے۔ تو قطعا یقینا ان لفظوں کے ظاہری معنی جو ہماری سمجھ میں آتے ہیں ہرگز مراد نہیں پھر آخر معنی کیا لیں۔ اس میں یہ ہدایت والے دو روش ہو گئے۔

اکثر نے فرمایا: جب یہ ظاہری معنی قطعا مقصود نہیں اور تاویلی مطلب متعین و محدود نہیں تو ہم اپنی طرف سے کیا کہیں، یہی بہتر کہ اس کا علم اللہ پر چھوڑیں ہمیں ہمارے رب نے آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا اور ان کی تعیین مراد میں خوض کرنے کو گمراہی بتایا تو ہم حد سے باہر کیوں قدم دھریں، اسی قرآن کے بتائے حصے پر قناعت کریں کہ امنا بہ کل من عند ربنا۔ جو کچھ ہمارے مولیٰ کی مراد ہے ہم اس پر ایمان لائیں، محکم متشابہ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ یہ مذہب جمہور ائمہ سلف کا ہے اور یہی اسلم واولی ہے اسے مسلک تفویض و تسلیم کہتے ہیں۔ ان ائمہ نے فرمایا:

"استوا معلوم ہے کہ ضرور اللہ تعالی کی صفت ہے اور کیف مجہول ہے کہ اس کے معنی ہماری سمجھ سے وراہیں اور ایمان اس پر واجب ہے کہ نص قطعی قرآن سے ثابت ہے اور سوال اس سے بدعت ہے کہ سوال نہ ہوگا مگر تعیین مراد کی طرف راہ نہیں۔ بعض نے خیال کیا کہ جب اللہ عزوجل نے محکم متشابہ دو قسمیں فرما کر محکمات کو ھن أم الکتاب فرمایا کہ وہ کتاب کی جڑ ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے تو آیہ کریمہ نے تاویل متشابہات کی راہ خود بتادی اور ان کی ٹھیک معیار ہمیں سجھادی کہ ان میں وہ درست وپاکیزہ احتمالات پیدا کرو جن سے یہ اپنی

اصل یعنی محکمات کے مطابق آ جائیں اور فتنہ وضلال و باطل ومحال راہ نہ پائیں۔ یہ ضرور ہے کہ اپنے نکالے ہوئے معنی پر یقین نہیں کر سکتے کہ اللہ عزوجل کی یہی مراد ہے، مگر جب معنی صاف و پاکیزہ ہیں اور مخالفت محکمات سے بری ومنزہ ہیں اور محاورات عرب کے لحاظ سے بن بھی سکتے ہیں تو احتمالی طور پر بیان کرنے میں کیا حرج ہے کہ ان کے معنی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور جب انہیں روکا جائے گا تو خواہ مخواہ ان میں فکر کی اور حرص بڑھے گی۔ ان ابن أدم لحریص علی مامنع۔

اور جب فکر کریں گے فتنے میں پڑیں گے، گمراہی میں گریں گے، تو یہی انسب ہے کہ ان کی افکار ایک مناسب وملائم معنی کی طرف کہ محکمات سے مطابق محاورات سے موافق ہوں پھیر دی جائیں کہ فتنہ وضلال سے نجات پائیں۔ یہ مسلک بہت سے علماے متاخرین کا ہے کہ نظر بحال عوام اسے اختیار کیا ہے اسے مسلک تاویل کہتے ہیں یہ علما بوجوہ کثیر تاویل آیت فرماتے ہیں ان میں چار وجہیں نفیس وواضح ہیں۔'' (ملخصاً فتاویٰ رضویہ ۱۱/ ۲۲۲ تا ۲۲۳/رضا اکیڈمی ممبئی)

اس تحقیق وتفصیل کے بعد آپ نے ائمہ دین کے کلمات عالیہ، ان کی تصریحات جلیلہ کی روشنی میں تاویل کی چار واضح اور نفیس وجہیں ذکر کیں اور آیات متشابہات کے متعلق محض عبارتیں ذکر فرما کر مطلب سابق کی توضیح فرمائی اور یہ واضح فرمایا کہ آیت کریمہ الرحمٰن علی عرش استوی آیات متشابہات سے ہے اور چاروں اماموں کا اس باب میں اجماع ہے کہ استوا کے معنی کچھ نہ کہے جائیں، اس پر ایمان واجب ہے اور معنی کی تعیین حرام ہے۔ یہی طریقہ جملہ سلف صالحین کا بھی ہے۔ آپ نے اس کے بعد امام محمد اور ائمہ امجاد کا ارشاد ذکر فرما کر تحریر فرمایا کہ:

''طرفہ یہ کہ امام محمد کے اس ارشاد وذکر اجماع ائمہ امجاد کو خود ذہبی نے بھی ''کتاب العلو'' میں نقل کیا اور کہا کہ محمد سے یہ اجماع لا نکالی اور ابو محمد بن قدامہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا بلکہ خود ابن تیمیہ مخذول بھی اسے نقل کر گیا۔ وللہ الحمد وله الحجة السامیة۔ (فتاویٰ رضویہ ۱۱/ ۲۲۸، رضا اکیڈمی، ممبئی)

آپ نے مزید شہادتوں سے یہ روشن فرمایا کہ جمہور ائمہ دین، صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ متشابہات کا معنیٰ اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا، قاریانِ صحابہ ابی بن کعب، ام المومنین عائشہ صدیقہ، عروہ بن زبیر اور مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے۔ امام طاؤس نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی روایت کیا اور یہی مذہب امام حسن بصری واکثر تابعین کا ہے اور اسی کو امام کسائی، فرا و اخفش نے اختیار کیا۔

ناظرین کرام غور فرمائیں غیر مقلدین زمانہ اور ان کے پیشوا جن باطل فکروں پر قائم ہیں، کیا وہ کتاب وسنت اور اجماعِ امت کا روشن آئینہ دار ہیں؟ کیا وہی امت کے اسلاف وائمہ کا مسلک ہے، کیا وہ جمہور ائمہ دین، صحابہ و تابعین کا مذہب ہے، کیا وہ امام احمد بن حنبل، ائمہ ہدایت،

سلف صالحین اور جمہور اہلِ سنت و جماعت کا مذہب ہے؟ ہر گز نہیں، یہ ان لوگوں کا مذہب ہے جن کے بارے میں قرآن کریم نے صاف فرمایا: فأما الذین فی قلوبهم زیغ۔

یہ حشویہ کا مذہب ہے جنھوں نے صاف مان لیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ہے، جسم ہے، جہت ہے اور جب یہ سب کچھ ہے تو پھر چڑھنا، اترنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا سب خود بخود ثابت ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے اس محققانہ رسالہ میں اس مسئلہ کو عرش تحقیق تک پہنچایا اور عقیدۂ تجسیم کی ایسی دھجیاں اڑائی ہیں کہ مخالف کو دَم زدن نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''اقول: اگر تیرے معبود کے لیے مکان ہے اور مکان ومکانی کو جہت سے چارہ نہیں کہ جہات نفس امکنہ ہیں یا حدود امکنہ تو، اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو آفتاب کی طرح صرف ایک ہی طرف ہوگا یا آسمان کی مانند ہر جہت سے محیط، اولی بوجوہ باطل

اولاً: آیہ کریمہ وکان اللہ بکل شیءمحیطا۔ کے خلاف ہے۔

ثانیاً: آیت کریمہ أینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ کے مخالف ہے۔

ثالثاً: زمین کروی یعنی گول ہے اور اس کی ہر طرف آبادی ثابت ہوئی ہے اور بحمد اللہ ہر جگہ اسلام پہنچا ہوا ہے۔ نئی پرانی دنیائیں سب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلمے سے گونج رہی ہیں۔ شریعتِ مطہرہ تمام بقاع کو عام ہے۔ تبرک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إن أحدکم اذا کان فی الصلاۃ فإن اللہ تعالی قبل وجھه فلا یتنخمن أحد قبل وجھه فی الصلاۃ۔

جب تم میں کوئی شخص نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے منہ کے سامنے ہے تو ہر گز کوئی شخص نماز میں سامنے کو کھنکھار نہ ڈالے۔ (صحیح البخاری کتاب الاذان باب ھل یلتفت لامر ینزل بہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۴)

اگر اللہ تعالیٰ ایک ہی طرف ہے تو ہر پارۂ زمین میں نماز پڑھنے والے کے سامنے کیوں کر ہوسکتا ہے؟

رابعاً: ان گمراہوں مکان و جہت ماننے والوں کے پیشواؤں ابن تیمیہ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے جہت بالا میں ہونے پر خود ہی یہ دلیل پیش کی ہے کہ تمام جہان کے مسلمان دعا ومناجات کے وقت ہاتھ اپنے سروں کی طرف اٹھاتے ہیں۔ پر ظاہر کہ یہ دلیل علیل کلیل کہ ائمہ کرام جس کے پرخچے اڑا چکے اگر ثابت کرے گی تو اللہ عز وجل کا سب طرف سے محیط ہونا کہ ایک ہی طرف ہوتا تو وہیں کے مسلمان سر کی طرف ہاتھ اٹھاتے جہاں وہ سروں کے مقابل ہے باقی اطراف کے مسلمان سروں کی طرف کیوں کر اٹھاتے بلکہ سمت مقابل کے رہنے والوں پر لازم ہوتا کہ اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھائیں کہ ان مجسمہ کا معبود اُن کے پاؤں کی طرف ہے۔

بالجملہ پہلی شق باطل ہے، رہی دوسری اس پر یہ احاطہ عرش کے اندر اندر ہر گز نہ ہوگا ورنہ استوا باطل ہو جائے گا،

ان کا معبود عرش کے اوپر نہ ہوگا نیچے قرار پائے گا، لاجرم عرش کے باہر سے احاطہ کرے گا۔ اب عرش ان کے معبود کے پیٹ میں ہوگا تو عرش اس کا مکان کیوں کر ہوسکتا ہے بلکہ وہ عرش کا مکان ٹھہرا اب عرش پر بیٹھنا بھی باطل ہوگیا کہ جو چیز اپنے اندر ہو اس پر بیٹھنا نہیں کہہ سکتے۔ کیا تمہیں کہیں گے کہ تم اپنے دل یا جگر یا طحال پر بیٹھے ہوئے ہو، گمراہو! حجۃ اللہ یوں قائم ہوتی ہے۔

(ملخصاً فتاویٰ رضویہ ۱۱/ ۲۳۸ تا ۲۴۲، رضا اکیڈمی، ممبئی)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”متاخرین حنابلہ میں بعض خبثا مجسمہ ہو گئے جیسے ابن تیمیہ وابن قیم۔ ابن تیمیہ کہتا ہے کہ میں نے سب جگہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا اور معدوم ہے ان دونوں میں کچھ فرق نہیں یعنی جو کسی جگہ نہیں ہے وہ ہے ہی نہیں لیکن رب عزوجل تو معاذ اللہ ضرور کسی جگہ ہے، اس احمق سفیہ کو اگر مادی اور مجرد عن المادہ کا فرق نہ معلوم ہو تو وہ سیف قاطع جو اوپر ہم نے ذکر کی اس کی گردن کاٹنے کو کافی۔ جگہ حادث ہے جب جگہ تھی ہی نہیں کہاں تھا؟ وہ شاید یہ کہے گا کہ جب جگہ نہ تھی وہ بھی نہ تھا یا یہ کہے گا کہ جگہ بھی قدیم ازلی ہے اور دونوں کفر ہیں جب اس کا معبود اس کے نزدیک بغیر کسی جگہ میں موجود ہوئے نہیں ہوسکتا تو جگہ کا محتاج ہوا، اور جو محتاج ہے اللہ نہیں تو حقیقۃً ان پر انکار خدا ہی لازم ہے ایسے عقیدے والے کے پیچھے نماز ممنوع و ناجائز ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ ۱۱/ ۴۹، رضا اکیڈمی، ممبئی)

اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا کلام ازلی صادق ہے، کذب سے پاک ہے، جس پر اللہ عزوجل کا ارشاد: وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا، ومن أصدق من اللہ حدیثا وغیرہ شاہد عدل ہے، تمام اشاعرہ وماتریدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کا کلام کذب سے پاک ہے۔ شرح مقاصد کے مبحث کلام میں ہے:

الکذب محال باجماع العلماء لأن الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالٰی محال۔

جھوٹ بہ اجماع علما محال ہے کہ وہ بہ اتفاق عقلا عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

(اھ ملخصاً شرح المقاصد البحث السادس فی أنہ تعالٰی متکلم، دار المعارف النعمانیہ، ۴/۲/ ۱۰۴۔ بحوالہ رسالہ سبحان السبوح)

تفسیر عزیزی میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فلن یخلف اللہ عھدہ (اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہیں فرماتا) کے تحت یہ تصریح موجود ہے:

”خبر او تعالیٰ کلام ازلی اوست وکذب در کلام نقصانے ست عظیم کہ ہرگز بصفات او راہ نمی یابد در حق او تعالیٰ کہ مبرا از جمیع عیوب ونقائص ست خلاف خبر۔“

اللہ تعالیٰ کی خبر ازلی ہے، کلام میں جھوٹ کا ہونا عظیم

نقص ہے، لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہرگز راہ نہیں پا سکتا۔ اللہ تعالیٰ تمام نقائص وعیوب سے پاک ہے، اس کے حق میں خبر کے خلاف ہونا سراپا نقص ہے۔ اھ ملخصاً (فتح العزیز، تفسیر عزیزی تحت آیت: فلن یخلف اللہ عھدہ دار الکتب، لال کنواں، دہلی، ص: ۳۰۷، رسالہ سبحان السبوح)

حاصل یہ کہ عقائد وکلام کی سبھی کتابوں میں یہ روشن تصریح ہے کہ بہ اجماع علما اللہ عز وجل کا کلام کذب سے پاک ہے، اس کا جھوٹا ہونا محال ہے، اس لیے کہ یہ اس کے حق میں عیب ہے، مگر وہابیہ کے پیشوا نے ''رسالہ یک روزی'' میں اس کے برخلاف ائمہ دین کے اس ارشاد: وھو محال لأنہ نقص والنقص علیہ تعالیٰ محال (کذب محال ہے کیوں کہ وہ نقص ہے، اور اللہ تعالیٰ پر نقص محال ہے) کے تحت یہ لکھا:

اقول: اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الٰہیہ داخل نیست پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنیٰ مسطور باشد، چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقاے آں بر ملائکہ وانبیا خارج از قدرتِ الٰہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرتِ انسانی ازید از قدرتِ ربانی باشد، چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقاے آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی ست، کذب مذکور آرے منافی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر است ولہٰذا عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ می شمارند۔

اگر محال سے مراد ممتنع لذاتہ ہے جو قدرتِ الٰہیہ کے تحت داخل نہیں تو ہم نہیں مانتے کہ کذب مذکور محال بہ معنی مسطور ہوگا، کیوں کہ یہ قضیہ غیر مطابق للواقع ہے اور اس کا القاء ملائکہ اور انبیا پر قدرتِ الٰہیہ سے خارج نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ قدرتِ انسانی قدرتِ ربانی سے زائد ہو جائے کیوں کہ قضیہ غیر مطابق للواقع اور اس کا القا مخاطبین پر اکثر افراد انسانی کی قوت میں ہے، ہاں کذب مذکور اس کی حکمت کے منافی ہے، لہٰذا یہ ممتنع بالغیر ہے اور اسی لیے عدم کذب کو اللہ تعالیٰ کے کمالات سے شمار کرتے ہیں۔ الخ (رسالہ یک روزی (فارسی) شاہ محمد اسماعیل، فاروقی کتب خانہ ملتان، ص: ۱۷)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس پیشوا کے نزدیک اگر اللہ جھوٹ نہ بول سکے تو انسان کی قدرت اللہ کی قدرت سے زائد ہوگی کہ انسان جھوٹ بول لیتا ہے اور اللہ سبحانہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مزید آگے اسی رسالہ میں یہ بھی لکھا کہ جھوٹ نہ بولنا اللہ کی صفت کمال ومدح ہے اور صفت کمال اور قابل مدح یہی ہے کہ متکلم قدرت کے باوجود مصلحت عیب وآلائش سے بچنے کو کذب سے باز رہے، نہ کہ کذب پر قدرت نہ رکھے، گونگے یا پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ ''جھوٹ نہیں بولتا'' تو لازم ہے کہ اللہ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے اور اس کی قدرت کے تحت داخل ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اہلِ حق کے عقیدہ کے خلاف باطل کے اس عقیدہ کا بلیغ رد فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ کذب باری محال ہونے پر اجماع قطعی منعقد ہے، عقائد و کلام کی کتابوں میں جہاں اس مسئلے کا ذکر آیا ہے صاف تصریح فرما دی کہ اس پر اجماع واتفاق علما ہے یا بے حکایت

خلاف اس پر جزم فرمایا۔ کذب الٰہی کو خلف وعید کی فرع جاننا اور اس میں اختلاف کی وجہ سے امکان کذب کو مختلف فیہ ماننا افترا ہے۔ بیشک مسئلہ خلف وعید میں بعض علما جانب جواز گئے۔ اور محققین نے منع وانکار فرمایا، مگر اس سے نہ امکان کذب ثابت، نہ یہ علمائے مجوزین کا مسلک بلکہ جو علما خلف وعید کا جواز مانتے ہیں وہ امکانِ کذب سے حد درجہ دور رفتہ نظر آتے ہیں، ان حضرات کی طرف امکانِ کذب کی نسبت سخت ظلم ہے۔ جو علما خلف وعید میں خلاف بتاتے ہیں وہی استحالہ کذب پر اجماع نقل فرماتے ہیں بلکہ خود ہی کذبِ الٰہی کو محال واجماعی جانتے ہیں۔

علاوہ ازیں جو علما خلف وعید کو جائز مانتے ہیں اسے قطعاً جائز وقوعی بلکہ واقع ٹھہراتے ہیں تو اگر جواز خلف بمعنی کذب ائمہ دین کی طرف منسوب ہو تو لازم آئے گا کہ یہ ائمہ دین اللہ سبحانہ کے کاذب بالفعل ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، جب کہ یہ قطعاً بالاجماع کفر خالص ہے۔

رہ گیا یہ وسوسہ کہ اگر اللہ جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہو تو آدمی کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے گی، اس وسوسہ کا رد فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ آدمی کی اپنی قدرت ہے ہی نہیں وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کرتا ہے، آدمی کی کیا طاقت کہ بے اس کے ارادۂ تکوین کے پلک مار سکے۔

حاصل یہ کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے امکانِ کذب باری کے بدترین فتنہ کے خلاف اسلامی عقیدہ کی تحقیق وتوضیح فرمائی اور باطل کو اس کے گھر تک پہنچایا۔ آپ کا رسالہ ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' اس اسلامی عقیدہ کی حقانیت کا روشن ثبوت ہے، آپ نے کتاب وسنت، تفاسیر مبارکہ اور عقائد وکلام کی مستند کتابوں سے اس مسئلہ کو ایسا محقق ومبرہن فرمایا ہے جو آپ ہی کا خاص حصہ ہے۔ تفصیل کے لیے آپ کی اس گراں قدر کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ انشاء اللہ الرحمن تحقیقات وتدقیقات کے ایسے روشن جواہر پارے ملیں گے جن سے امتناعِ کذب باری کا کامل اذعان ویقین حاصل ہوگا اور امکانِ کذبِ باری کی دھجیاں بکھرتی نظر آئیں گی۔

نبوت ورسالت کے اسلامی اعتقادات کے خلاف باطل کی موشگافیوں کا بھی سخت ترین محاسبہ فرمایا انکارِ ختم نبوت کے باطل عقیدہ کے خلاف آپ نے اسلامی عقیدہ کی ایسی تحقیق وتوضیح فرمائی کہ باطل کا سارا طمطراق جاتا رہا۔ آپ نے واضح فرمایا کہ نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، اس پر ساری امت کا اجماع قائم ہے، متواترۃ المعنی حدیثوں سے آپ کا خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونا ثابت ہے۔ آپ کے آخری نبی ہونے کا انکار اجماعِ امت اور قرآن کریم کی نص قطعی اور ان متواترۃ المعنی حدیثوں کا انکار ہے۔ آپ نے ایک سوتیس احادیث مبارکہ اور تیس ارشاداتِ علماء سے اپنے رسالہ جزاء اللّٰہ علاوہ باباءہ ختم النبوۃ میں یہ روشن فرمایا ہے کہ:

نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ضروریاتِ ایمان واسلام سے ہے، جسے علما تو علما عوام بھی جانتے ہیں، اگر عوام سے پوچھا جائے کہ خاتم النبیین کا معنی کیا ہے؟ تو وہ بھی بلاتوقف یہی کہیں گے کہ ''آخری نبی''۔ آپ نے امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی شفا، علامہ عبد

الغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح الفوائد وغیرہ سے یہ روشن فرمایا کہ آیتِ کریمہ میں ''خاتم النبیین'' کا جو لفظ وارد ہے اس سے آخری نبی ہونا ہی مراد ہے، اس میں کسی طرح کی کوئی تاویل و تخصیص ممکن نہیں، یہ اپنے ظاہری معنی ہی پر باقی ہے۔ حضور کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کوئی نبی ممکن ماننا آپ کے آخری نبی ہونے کا انکار اور قرآن کریم کے اس روشن نص کی تکذیب ہے، خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہونے کو ناسمجھ عوام کا خیال بتانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نافہم عوام میں داخل کرنا ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے ارشاد ''خاتم النبیین'' کا معنی آخری نبی، پچھلا نبی بتایا ہے۔ تمام صحابۂ کرام اور پوری امت نے یہی معنی بتائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ناسمجھ عوام میں داخل کرنا آپ کی کھلی ہوئی توہین ہے، جس کا مرتکب کافر ہے۔

خاتم النبیین کا معنی اپنے من سے یہ گڑھنا کہ آپ وصف اور اجماع امت نبوت سے بالذات موصوف ہیں، باقی انبیا بالعرض ہیں، اس نص صریح اور متواترۃ المعنی حدیثوں کے روشن معنی کے انکار کے ساتھ دیگر انبیا کی نبوت کا بھی انکار ہے کہ اس صورت میں دیگر انبیاے کرام اپنی ذات کے اعتبار سے وصف نبوت سے خالی ہیں، ان کی نبوت بالعرض ہے جیسا کہ چاند اپنی ذات کے اعتبار سے روشنی سے خالی اور محض تاریک ہے، اس کی روشنی اس کی ذاتی صفت نہیں بلکہ بالعرض ہے، جب کہ قرآن عظیم کا ارشاد ہے: لا نفرق بین أحد من رسلہ۔ (پ:۳، البقرۃ)

لہٰذا حضور اقدس کو نبی بالذات ماننا اور باقی انبیا کو نبی بالعرض ماننا قرآن کریم کے اس روشن نص کا بھی انکار ہے۔ یہ معنی نہ تو قرآن مجید کا عرف ہے، نہ عرب کا محاورہ، نہ ہی نظم قرآن کا اس کی طرف کوئی اشارہ۔

حاصل یہ کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا جب انکار کیا گیا اور خاتم النبیین کا ایک نیا معنی نبی بالذات تراشا گیا، ایسے ماحول میں مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مسلمانانِ عالم کے ایمان و اسلام کا تحفظ فرمایا اور اس کے خلاف لسان و قلم سے جہاد فرما کر باطل کی ساری آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ یہ بھی واضح فرمایا کہ یہ معنی صریح کفر ہے، اس کا اعتقاد رکھنے والا کافر ہے اور اس کفر کو جان کر دیدہ و دانستہ جو اس پر قائم رہے یا اس میں شک کو راہ دے وہ بھی کافر ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے اس روشن فتوے کی حمایت صرف ان کے اصحاب و احباب، تلامذہ و خلفا، صرف ان کے پیر خانہ اور صرف علماے ہند ہی نے نہ کی بلکہ علماے عرب و عجم نے کی اور اس پر توثیقی کلمات ثبت فرمائے۔

اسی طرح جب نبی اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم ارفع و اعلیٰ کے خلاف زبان درازیاں کی گئیں اور شیطان و ملک الموت کے علم کو آپ کے علم سے وسیع کہا گیا، شیطان و ملک الموت کے علم کو نص قطعی سے ثابت مانا گیا اور حضور اقدس کے علم ارفع و اعلیٰ کو نصوص قطعیہ کے خلاف بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنے کا قول کیا گیا اور زمین کا علم محیط آپ کے لیے ثابت کرنا شرک کہا گیا تو آپ نے اس گنگوہی اور انبیٹھی فتنہ کو بے نقاب فرمایا کہ حضور اقدس کے لیے جس علم کا اعتقاد شرک، نص قطعی کے خلاف، بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا ہے، شیطان کے لیے اسی علم

کا اثبات عین ایمان ہے تو حضور اقدس کے لیے جو چیز شرک ہے وہ شیطان اور ملک الموت کے لیے عین ایمان کیسے ہے اور وہ بھی نص قطعی سے کیسے ثابت ہے؟ شرک تو اسی وقت ہوگا جب کہ اسے اللہ عز وجل کی خاص صفت مانیں اور جب وہ اللہ عز وجل کی خاص صفت ہوئی تو شیطان اور ملک الموت کے لیے اسے ثابت ماننے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دونوں ان کے اعتقاد میں خدا کے شریک ہیں، یہ صریح کفر ہے۔

نیز کفر و شرک کو نص یعنی قرآن و حدیث سے ثابت ماننا دوسرا کفر ہے۔

پھر شیطان و ملک الموت کے علم کی زیادتی چوں کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس لیے ان کا علم زیادہ ہے اور حضور اقدس کے علم کی وسعت وزیادتی نصِ قطعی سے ثابت نہیں اس لیے حضور کے لیے اسے ماننا شرک ہے، جس کا صاف اور غیر مبہم مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس کا علم زیادہ نہیں۔ گویا گنگوہی اور انبیٹھوی صاحبان کے نزدیک شیطان کا علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، یہ کھلی ہوئی توہین ہے جس کا اعتقاد رکھنے والا کافر ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کفر کو واشگاف فرما کر ایمان و اسلام اور ہدایت و استقامت کا راستہ بتایا اور کسی کی مخالفت وملامت کی پروا کیے بغیر اس کا کھل کر رد فرمایا اور یہ شرعی حکم صادر فرمایا کہ ان صریح و شنیع کفریات کا اعتقاد رکھنے والا اور علم واطلاع کے بعد اس میں شک کو راہ دینے والا کھلا ہوا کافر، ایمان و اسلام سے خارج ہے۔

جس وقت ''حفظ الایمان'' نامی کتاب کے ذریعے مسلمانوں کے ایمان و اسلام پر شب خون مارا گیا اور ایمان و اسلام کی حفاظت کے نام پر ان کے ایمان کو تباہ و برباد کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی اور آپ کے علم پاک کو ہر کس و ناکس، بچوں، پاگلوں، جانوروں اور چوپایوں کے علم سے تشبیہ دی گئی۔ ان کے علم کے برابر کہا گیا، اور یہ کہا گیا کہ:

> ''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہیں یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید و عمرو، بکر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔'' (حفظ الایمان، ص:۷)

دیوبندی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کی اس کفری عبارت سے امام احمد رضا نے پردہ اٹھایا اور یہ واضح فرمایا کہ تھانوی صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم پاک کو ہر کس و ناکس (زید و عمرو بکر) بلکہ بچوں، پاگلوں، جانوروں اور چوپایوں کے علم سے تشبیہ دی ہے، یا ان کے علم کے برابر کہا ہے۔ آپ کے علم پاک کو ان کے علم سے تشبیہ دینا یا ان کے علم کے برابر کہنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی توہین اور تحقیر ہے، کسی نبی کی توہین، وہ بھی سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین بہ اجماعِ امت کفر ہے اور توہین کرنے والا کافر ہے۔ امام احمد رضا نے دیوبندی جماعت کے ان اقانیم اربعہ کے خلاف لسان و قلم کے ذریعہ کھل کر جہاد فرمایا اور مسلمانانِ عالم کو ان کفری عقائد اور ایسے کفری عقائد رکھنے والوں سے سخت اجتناب کی دعوت

دی اور ان کے ایمان و اسلام کا تحفظ فرمایا۔

جب انبیائے کرام بالخصوص نبی دو جہاں ہادی انس و جاں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا انکار کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ معاذ اللہ آپ مر کر مٹی میں مل گئے تو آپ نے اس باطل عقیدے کے خلاف احقاق حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیا اور اس باطل عقیدہ کو بے نقاب فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ انبیائے کرام حیات حقیقی جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں، جس پر حدیث اِسرا، روشن دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا، قیام کرنا، رکوع و سجود فرمانا۔ آپ کا حضرت موسیٰ کو شنوءہ کے لوگوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عروہ ابن مسعود کے مشابہ بتانا، آپ کا انبیا سے خطاب فرمانا، حضرت موسیٰ کا بار بار آپ سے نماز کی تخفیف کے لیے گزارش کرنا، حضرت آدم، حضرت ابراہیم کا مرحبا بالابن الصالح (خوش آمدید) کہنا، حضرت موسیٰ کا رو پڑنا، وغیرہ یہ چیزیں روح کی صفات سے نہیں بلکہ جسم کی صفات ہیں۔

تقویۃ الایمان میں اس حدیث شریف کو جس میں یہ ارشاد ہوا کہ "اگر تو میری قبر کے پاس سے گزرے" ذکر کر کے کہا کہ "یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔"

جب کہ حدیث پاک میں وارد ہے:

إن اللہ حرم علی الأرض أن تاكل أجساد الأنبياء۔ (سنن ابی داؤد باب الصلاۃ، ۱۰۲)

بے شک اللہ نے زمین پر انبیا کے جسموں کو کھانا حرام فرمادیا ہے۔

اس حدیث کو اجلہ محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں روایت کیا اور اسے صحیح کہا اور بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا۔ شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے فرمایا:

نص علی صحته جماعة من الحفاظ (الصلات والبشر، ص: ۴۷)

حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے واضح لفظوں میں صحیح کہا۔

نیز انس بن مالک نے کہا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون۔ (حیات الأنبیاء، ص: ۱۷)

انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے کہا: وبالحديث الصحيح: الانبياء أحياء في قبورهم يصلون۔

(الجواهر المنظم في زيارة القبر النبوي المكرم، ص: ۲۲)

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی، امام سخاوی، علامہ علی قاری مکی اور بہت سے اجلہ محدثین نے اسے صحیح کہا۔ حیاتِ انبیا سے متعلق وارد احادیث صحیحہ کی روشنی میں امام احمد رضا قدس سرہ نے باطل کے اس عقیدہ کا دنداں شکن جواب دیا اور یہ فرمایا کہ:

آپ کو قبر اطہر میں جو حیات حاصل ہے اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوتی بلکہ آپ کی حیات دائمی ہے، ان کی موت بس یہ ہے کہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، ہم ان کا ادراک

نہیں کر پاتے، وہ موجود زندہ ہیں، جیسا کہ ملائکہ موجود زندہ ہیں، ہم انھیں نہیں دیکھ پاتے، انبیاے کرام کے حقیقۃً زندہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کھانے پینے کے محتاج ہوں، تمام انبیاے کرام قبر شریف سے اسی حال میں اٹھیں گے جس حال میں دنیا میں تھے۔

زمین حضور کے جسم شریف کو نہیں کھاتی، آپ کا جسم بوسیدہ و کہنہ نہیں ہوتا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات و تصرفات کے متعلق جب ہرزہ سرائیاں کی گئیں اور یہ ناپاک عقیدہ عام کرنے کی ناکام کوشش کی گئی کہ آپ کے دنیا سے روپوش ہو جانے کے بعد آپ کا فیض منقطع ہو گیا، آپ کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا سکتے، آپ سے مدد مانگنا، حاجتیں طلب کرنا اور پکارنا شرک و بدعت ہے، دین و شریعت میں کوئی اختیار نہیں۔ اس ناپاک عقیدے کے خلاف امام احمد رضا قدس سرہ نے زبان و قلم کے ذریعہ سخت جہاد فرمایا اور اس باطل فکر اور ناپاک عقیدہ کا روشن رد فرمایا اور کتاب وسنت کی روشنی میں یہ ثابت فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے جس طرح دنیا کے امور میں تصرف کا مالک بنایا ہے، اللہ رب العزت کے اذن اور اس کی عطا کردہ طاقت و قوت سے جیسا چاہیں تصرف فرمائیں، دین و شریعت کے معاملہ میں بھی تصرف کا حق بخشا ہے کہ اس کے حکم سے جسے چاہیں مباح، حلال و جائز فرمائیں اور جسے جس کے لیے چاہیں حرام فرمائیں، جسے چاہیں حکم سے خاص فرمائیں۔

اس پر امام احمد رضا نے دلیل نہیں، دلیلوں کے انبار لگا دیے، جس کا جی چاہے الامن والعلی لناعتی المصطفی، برکات الامداد لأھل الاِستمداد وغیرہ کا مطالعہ کر لے آنکھیں روشن ہو جائیں گی، حقائق سے پردہ اٹھے گا، تعصب و نفسانیت اور عناد و انانیت سے ہٹ کر جو بھی ذی فہم، عاقل، منصف و دیانت دار مطالعہ کرے گا امام احمد رضا کی روشن تحقیق کو بسر و چشم قبول کرے گا اور اسے اس بات کا کامل اذعان ہوگا کہ تقویۃ الایمان کے ذریعہ ایمان کو قوت و استحکام عطا کرنے کے بجاے ایمان و اسلام کا خاتمہ کیا جا رہا تھا، دین اسلام کی مضبوط دیواریں منہدم کی جا رہی تھیں، قرآن وسنت کے روشن معانی کو مسخ کیا جا رہا تھا، ایمان و اسلام کو کفر و شرک کا نام دیا جا رہا تھا، محبوبانِ بارگاہِ خداوندی کو اصنام و اوثان کی شکل میں پیش کیا جا رہا تھا۔

ایسے پر آشوب ماحول میں جب کہ مسلمانانِ عالم کو ناپاک فکروں اور باطل عقیدوں کے ذریعہ گم راہ کرنے کی ناپاک کوششیں کی جا رہی تھیں، گونا گوں شیطانی وسوسے پیدا کیے جا رہے تھے امام احمد رضا نے کتاب وسنت کا روشن آئینہ دار عقیدہ مسلمانانِ عالم کو بخشا اور انھیں اس بات کی دعوت دی کہ انبیا و رسل مجبور محض اور جماد و پتھر کی طرح نہیں بلکہ اللہ رب العزت نے انھیں اختیارات و تصرفات سے نوازا ہے۔ آپ کو وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ محن پھول

صحابی رسول حضرت اقرع بن حابس نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ نے سکوت فرمایا، جب آپ نے دوسری اور تیسری بار سوال کیا تو فرمایا:

لو قلت نعم لوجبت۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو

حج ہر سال فرض ہو جاتا۔

آپ نے فرمایا:

لاتشرب مسکرا فإنی حرمت کل مسکر
بہ۔ نشہ کی کوئی چیز نہ پی، میں نے ہر نشہ آور حرام
فرما دیا۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا:

أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول۔ اللہ کی
اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

اگر رسول کے حکم کی اطاعت لازم نہیں تو أطیعوا
الرسول رسول کی اطاعت کا حکم کیوں دیا گیا؟

فرمایا گیا: من یطع الرسول فقد أطاع
اللہ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک
اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ومن یعص اللہ و رسولہ ویتعد حدودہ
یدخلہ نارا خالدا فیھا۔ جو اللہ اور اس کے
رسول کے حکم سے سرتابی کرے گا اور اس کے
حدود سے بڑھے گا، اسے جہنم رسید فرمادے
گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

اگر رسول کے حکم کی کوئی حیثیت نہیں وہ مجبور محض ہیں تو
ان کا حکم نہ ماننے پر عذاب کی وعید کیوں سنائی گئی؟ یہ کیوں
فرمایا گیا:

وما کان لمومن ولا مومنۃ إذا قضی اللہ
ورسولہ أمرا أن یکون لھم الخیرۃ من
أمرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل
ضللا مبینا۔ (سورہ احزاب، پ: ۲۲،
آیت: ۳۶، ع: ۲)

کسی مسلمان مرد یا عورت کی مجال نہیں کہ اللہ و رسول
کوئی حکم فرمائیں تو انھیں اپنے معاملہ کا اختیار رہے، جو اللہ و
رسول کا حکم نہ مانے وہ بلاشبہہ کھلی ہوئی گم راہی میں ہے۔

فرمایا: ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ
الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتولی ونصلہ
جھنم وساءت مصیرا۔ (پ: ۵، ع: ۱۴، آیت: ۱۱۵)

حق روشن ہو جانے کے بعد جو بھی رسول کے خلاف
کرے اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار
کرے، ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ مڑا اور
اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور یہ برا ٹھکانہ ہے۔

اگر رسول مجبور محض ہیں، ان کے حکم کی کوئی حیثیت
نہیں، انھیں کوئی اختیار نہیں تو یہ وعید کیوں ہے؟ فرمایا: قل إن
کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

(آل عمران، آیت: ۳۱)

فرمادو اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ
تم کو محبوب بنالے گا۔

اتباع کا کیا معنی ہے؟ یہی نا کہ جو حکم دیا جائے اسے مانا
جائے، اس کے خلاف نہ کیا جائے، یہ شان شارع امت کی
ہوتی ہے، اسی لیے ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی نے حضرت
مقدام ابن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرمایا۔

آپ نے فرمایا کہ حضور نے ارشاد فرمایا:

ألا یوشک رجل شبعان علی
أریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن
ماوجدتم فیہ من حلال فأحلوہ

وماوجدتم من حرام فحرموه وإن ماحرم رسول الله كما حرم الله۔

کوئی پیٹ بھرا اپنی مسند پر بیٹھا یہ نہ کہنے لگے کہ تو صرف قرآن کے پابند رہو، اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو اور اس میں جو حرام پاؤ اسے حرام جانو حالاں کہ رسول اللہ نے جسے حرام فرمایا وہ ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اللہ نے حرام فرمایا۔

امام ابن داؤد نے حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے ہم معنی روایت کیا، اس میں یہ فرمایا:

لا وإني والله قد أمرت ونهيت عن أشياء إنها لمثل القرآن۔ سنو، خدا کی قسم میں نے کچھ چیزوں کا حکم دیا اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے، بے شک وہ قرآن کی مثل ہے۔

حاصل یہ کہ اگر حضور اقدس کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوتا، وہ اللہ کے اذن اور اس کی عطا سے یہ اختیار نہ رکھتے تو اللہ عز و جل آپ کی اطاعت و اتباع کا حکم نہ فرماتا۔ آپ کے حکم کی خلاف ورزی پر سخت وعید نہ فرماتا، آپ یہ نہ فرماتے کہ میرے حرام فرمودہ کی وہی حیثیت ہے جو اللہ عز و جل کے حرام کردہ کی ہے۔ حج کی فرضیت کے موقع پر یہ نہ فرماتے کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا۔ یہ نہ فرماتے:

قد عفوت عن الخيل والرقيق فهاتوا صدقة الرقة من كل أربعين درهما درهم۔

میں نے گھوڑوں کی زکوۃ معاف فرمادی ہے، روپیوں کی زکوۃ دو ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تحفے قبول کرنا حلال نہ فرماتے جب کہ حکام کے لیے تحفے قبول کرنا جائز نہیں۔ حضرت براء کے لیے سونے کی انگوٹھی، حضرت سراقہ کے لیے کسریٰ کے زرین کنگن اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے خارش کے وقت ریشمی لباس حلال نہ فرماتے جب کہ سونا اور ریشمی کپڑا مردوں کے لیے حرام ہے۔

صرف دو ہی نماز پڑھنے کی شرط پر اسلام لانا قبول نہ فرماتے اور اللہ کی فرض کی ہوئی تین نمازوں کو معاف نہ فرماتے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے منبه اللبيب اور الامن والعلى وغیرہ میں اپنی ان روشن تحقیقات کے ذریعہ تقویت الایمان کے اس فتنہ کا قلعہ قمع فرمایا اور مسلمانانِ عالم کو آپ کے اختیارات وتصرفات کی روشن دلیلیں عطا فرما کر ان کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت فرمائی اور انھیں قوت واستحکام بخشی۔

آپ کے اختیاراتِ شفاعت کے خلاف جب غیر اسلامی عقیدوں کو عام کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی اور یہ کہا گیا کہ شفاعت کی تین قسمیں ہیں: شفاعت بالوجاہت، شفاعت بالمحبۃ اور شفاعت بالاذن۔ شفاعت کی پہلی دو قسموں کو شرک کہا گیا، اور تیسری قسم شفاعت بالا بارے میں یہ کہا گیا کہ اللہ کی جناب میں اس قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے، اور جس نبی وولی کی شفاعت قرآن وحدیث میں مذکور ہے، سو، اس کے یہی معنی ہیں۔

تو اس گم راہ کن عقیدہ کا امام احمد رضا نے روشن رد فرمایا اور اس باطل عقیدہ کے چہرے سے پردہ ہٹایا اور یہ واضح

فرمایا کہ شفاعت کی تین قسمیں کرنا اور شفاعت بالاذن کو شفاعت بالوجاہت اور شفاعت بالمحبۃ کا مقابل وقسیم ٹھہرانا مسلمانانِ عالم کو دھوکہ میں ڈالنا ہے، شفاعتِ محبت اور شفاعتِ وجاہت، شفاعت بالاذن ہی کی قسمیں ہیں، ان کا مقابل وقسیم نہیں۔ اللہ عزوجل نے انبیاے کرام، رسلانِ عظام خاص کر اپنے حبیب اعظم، شفیعِ امت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی بارگاہ میں عزت ووجاہت، مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے اور عظیم محبوبیت سے سرفراز فرمایا ہے، یہاں تک کہ فرمایا۔ وکان عند اللّٰہ وجیھا۔

اور موسیٰ اللہ کے یہاں عزت وآبرو والے ہیں۔

وما كان الله ليعذبهم وأنت فيهم۔ (پ:۹، الانفال) اللہ کی یہ شان نہیں کہ کفار مکہ کو عذاب دے، جب کہ اے محبوب تم ان میں موجود ہو۔

فرمایا

: فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ (پ:۳، آلِ عمران) تم میرے فرماں بردار ہو جاؤ اللہ تمھیں محبوب بنالے گا۔

فرمایا:

ولسوف يعطيك ربك فترضیٰ۔ (پ:۳۰، الضحیٰ) عن قریب تمہارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

حدیث میں ہے کہ فرشتوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

ما أكرمك على الله إن الله معك و ملائكته۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی کتنی عزت ہے، بے شک اللہ عزوجل آپ کے ساتھ ہے اور اس کے فرشتے۔

حدیث میں وارد ہے کہ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

قد اتخذتك حبيبا فهو مكتوب في التوارة محمد حبيب الرحمٰن۔ میں نے تمھیں محبوب بنالیا، تورات میں لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں۔

ظاہر ہے، اللہ عزوجل کی بارگاہ میں جنھیں عزت و وجاہت خاص محبوبیت حاصل ہے، احکم الحاکمین انھیں شفاعت کی اجازت بخشے گا اور جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، اللہ کو ان کی شفاعت پسند نہیں تو ان کے لیے شفاعت کا اذن بھی نہ بخشے گا۔ انکارِ شفاعت کا عقیدہ قرآن وسنت کے روشن ارشادات کا انکار ہے۔ اس لیے امام احمد رضا نے اس غیر اسلامی عقیدہ کے چہرے سے پردہ اٹھا کر صحیح اسلامی عقیدہ کی راہ نمائی فرمائی اور باطل کی سرکوبی فرمائی اور فرمایا کہ شفاعت کو توبہ وندامت والوں کے ساتھ خاص کرنا شفاعت ہی کو باطل کرنا ہے، شفاعت گناہ کی بخشش کے لیے ہوتی ہے اور حدیث میں وارد ہے: تائب من الذنب كمن لا ذنب له۔

گناہوں سے توبہ کرنے والا اس جیسا ہے جس کا کوئی گناہ نہیں۔

یہ مضمون قرآن سے بھی ثابت ہے بلکہ ضروریاتِ دین سے ہے، تو توبہ کرنے والا جب پہلے ہی بخشا جا چکا ہے تو مغفرتِ گناہ کے لیے شفاعت کیوں کر ہوگی؟

حاصل یہ کہ امام احمد رضا کے دور میں ایمان واسلام کے خلاف جو بھی فتنے اٹھے، آپ نے ان کا سد باب فرمایا اور صحیح اسلامی عقیدہ امتِ مسلمہ کے سامنے پیش کیا۔ آپ کے فتاویٰ، آپ کی تحقیقات وتدقیقات، آپ کے علمی جواہر پارے اس پر شاہد عدل ہیں۔ امام احمد رضا باطل کے لیے پیغامِ موت بن کر تشریف لائے تھے، اسلام مخالف فتنوں کا سر کچل کر رکھ دیا اور غیر اسلامی عناصر کو پامال کر کے ہی چھوڑا۔ باطل کا ناطقہ بند کر دیا۔

امام احمد رضا نے کنز الایمان فی خزائن العرفان کی شکل میں ایمان واسلام کا ایسا گراں قدر خزانہ بخشا جس خزانہ سے امتِ مسلمہ کا ایمان واسلام اور دین وعقیدہ سالم ومحفوظ ہے، قرآن کریم کے غلط ترجموں کے ذریعہ امت مسلمہ کو گم راہ کرنے کی بھی ناپاک کوشش کی گئی، مگر امام احمد رضا نے اس گراں قدر ترجمہ کے ذریعہ ایمان واسلام کے تحفظ کا اہم بیڑا اٹھایا، مستند تفسیروں کی روشنی میں ایسا ایمان افروز ترجمہ فرمایا کہ باطل کے سارے شکوک وشبہات رفع ہو جاتے ہیں، شانِ الوہیت اور مقامِ نبوت ورسالت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ انبیاے کرام ورسلانِ عظام کی عصمت داغ دار نہیں ہوتی، اللہ عزوجل کی طرف سہو ونسیان، مکر واستہزا، ٹھٹھا وغیرہ کی نسبت واسناد سے دور ورفتہ یہ ترجمہ بلاشبہہ ایمان و عقیدہ کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ آج کتنے غلط ترجموں کی اشاعت کا سلسلہ جاری وساری ہے مگر ترجمہ کنز الایمان آج بھی سب پر بھاری ہے اور صبحِ قیامت تک بھاری رہے گا، باطل کی سر کوبی کرتا رہے گا اور اہلِ اسلام کے ایمان وعقیدہ کا تحفظ کرتا رہے گا۔

امام احمد رضا کی زندگی ایمان واسلام کے تحفظ سے عبارت ہے۔ وہ تجدید اسلام اور احیاے دین متین کے لیے تشریف لائے تھے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو اسلامیانِ عالم کے ایمان وعقیدہ کے تحفظ اور اسلام دشمن عناصر کو نیست ونابود کرنے کے لیے پیدا فرمایا تھا، اس لیے دنیاے اسلام نے آپ کو مجدد دین وملت، مجدد اسلام، مجدد اعظم کے عظیم القاب سے یاد کیا اور اس عظیم لقب سے آج بھی آپ کو یاد کیا جاتا ہے اور صبح قیامت تک یاد کیا جاتا رہے گا۔

امام احمد رضا نے ایمان واسلام کے تحفظ کا جو عظیم سرمایہ چھوڑا ہے وہ باطل کے لیے عظیم موت ہے۔ امام احمد رضا نے جہاں ایمان واسلام کے تحفظ کے لیے عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے، اپنے دو عظیم نام ور، مقتدر، قابلِ فخر اہم فرزندوں کو یادگار چھوڑا ہے جنھوں نے لسان وقلم، تبلیغ وہدایت اور ارشاد وبیعت کے ذریعہ امام احمد رضا کے نقوشِ راہ پر گام زن رہ کر شیدائیانِ اسلام کو صحیح اسلامی عقیدہ سے روشناس فرمایا اور طاغوتی قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، انھیں دنداں شکن جواب دیا، ان کی ناپاک کوششوں کو ناکام بنایا، جن میں سے آپ کے بڑے شہزادے حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں اور چھوٹے شہزادے امام الفقہاء سیدنا سرکار مفتی اعظم علیہما الرحمۃ والرضوان ہیں۔ امام احمد رضا کے ان دو شہزادوں کی روشن زندگی اور ان کی دینی خدمات کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ کے زمانہ میں ایک فتنہ یہ رونما ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسد عنصری کے ساتھ ذی حیات آسمان پر اٹھا لیے گئے، سائل نے سوال کیا کہ اگر

آپ جسمانی حیات کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیے گئے، آپ کے جسد اقدس کو موت لاحق نہ ہوئی، اس سلسلے میں آیت قطعیۃ الدلالۃ اور صریحۃ الدلالۃ یا کوئی حدیث مرفوع متصل پیش فرمائیں۔ آپ نے اس رونما فتنہ کو اچھی طرح بھانپ لیا اور اپنے اشہب قلم سے اس کا محققانہ جواب رقم فرمایا اور فرمایا کہ سیدنا عیسیٰ روح اللہ صلواۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ کی حیات کے دو معنی ہیں:

ایک یہ کہ وہ اب تک زندہ ہیں، یہ بھی مسائل قسم ثانی سے ہے جس میں خلاف نہ کرے گا، مگر گم راہ کہ اہل سنت کے نزدیک تمام انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام بحیات حقیقی زندہ ہیں، ان کو موت صرف تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لیے ایک آن کو ہوتی ہے، پھر ہمیشہ حیات حقیقی ابدی ہے، ائمہ کرام نے اس مسئلہ کو محقق فرمایا ہے۔

> وقد فصلها سيدنا الوالد المحقق دام ظله فى كتا به سلطنة المصطفى في ملكوت كل الورى۔

دوسرے یہ کہ اب تک ان پر موت طاری نہ ہوئی زندہ ہی آسمان پر اٹھا لیے گئے اور بعد نزول دنیا میں سالہا سال تشریف رکھ کر اتمام نصرت اسلام وفات پائیں گے کہ یہ مسائل قسم اخیرین سے ہے، اس کے ثبوت کو اولاً اسی قدر کافی و وافی کہ رب جل وعلا نے فرمایا:

> وإن من أهل الكتب إلا ليؤمنن به قبل موته۔ کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے۔

جس کی تفسیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزری۔ مخالف نے اپنی جہالت سے صرف صحیح بخاری کی تخصیص کی، یہ تفسیر نہ صرف اس میں بلکہ صحیح بخاری و مسلم دونوں میں موجود، اس کے بعد آپ نے کامل تحقیق فرما کر یہ روشن فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے بغیر موت اٹھا لیے گئے، اس کے بعد آپ وفات دیے جائیں گے۔ امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کے حوالہ سے تحریر فرمایا:

> وقد ثبت بالدليل أنه حى وورد الخبر عن النبى صل الله تعالىٰ عليه وسلم: أنه سينزل ويقتل الدجّال ثم أنه تعال يتوفاه بعد ذلك. دلیل سے، یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام زندہ ہیں اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث آئی ہے کہ وہ عن قریب اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے، پھر اس کے بعد عز وجل انھیں وفات دے گا۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے: القول الصحيح أنه رفع وهى حى۔ صحیح قول یہ ہے کہ وہ زندہ اٹھا لیے گئے۔

مزید فرمایا کہ: اقول: یہ تو بالیقین ثابت کہ وہ دنیا میں عن قریب نزول فرمانے والے ہیں اور اس کے بعد وفات پانا قطعاً ضرور، تو اگر آسمان پر اٹھا لیے جانے سے پہلے بھی وفات ہوئی ہوتی تو دو بار اُن کی موت لازم آئے گی ------ ایسی بات جب تک نص صریح سے ثابت نہ ہو انبیاء اللہ خصوصاً ایسے رسول جلیل کے حق میں ہرگز نہ مانی

جائے گی۔ حضور روح اللہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جن کی دعا یہ تھی کہ الٰہی اگر تو یہ پیالہ یعنی جام مرگ اگر کسی سے پھیر نے والا ہے تو مجھ سے پھیر دے۔ بارگاہِ عزت میں رسول اللہ کی جو عزت ہے اس پر ایمان لانے والا بے دلیل صریح واضح التصریح کے کیوں کر مان سکتا ہے کہ وہ یہ دعا کریں اور رب عز وجل اس کے بدلے ان پر موت پر موت نازل فرمائے، یہ ہرگز قابل قبول نہیں، انصاف کیجیے تو ایک یہی دلیل ان کے زندہ اٹھائے جانے پر کافی ووافی ہے۔

اقول: قرآن سے اتنا ثابت اور مسلمان کا ایمان کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام یہود عنود کے مکر وکید سے بچ کر آسمان پر تشریف لے گئے، رہا یہ کہ تشریف لے جانے سے پہلے زمین پر ان کی روح قبض کی گئی اور جسم یہیں چھوڑ کر صرف روح آسمان پر اٹھائی گئی۔ اس آیت میں کہیں ذکر نہیں، یہ دعویٰ زائد ہے، جو مدعی ہو ثبوت پیش کرے ورنہ قول بے ثبوت محض مردود ہے۔ (ملخصاً فتاویٰ حامدیہ، رسالۃ الصارم الربانی)

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ نے رسالۃ الصارم الرباني علی إسراف القادیاني میں اس مسئلہ کی ایسی کامل تحقیق فرمائی کہ کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑا اور مرزا غلام احمد قادیانی کے اس فتنہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور امت مسلمہ کو اس گم راہ کن فتنۂ قادیانیت سے محفوظ و مامون فرمایا۔

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ کی زندگی کا ایک اہم باب آپ کا علمی مناظرہ ہے، جب بھی باطل نے حق کے خلاف سر اٹھانے کی کوشش کی آپ نے بلا خوف وخطر باطل کو مناظرہ کا چیلنج دیا، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے مکمل طور پر کمر بستہ ہو گئے۔ آپ نے اپنی زندگی کے ہر موڑ پر امت مسلمہ کے عقائد حقہ کی طرف رہ نمائی فرمائی اور باطل افکار وعقائد سے ان کی حفاظت فرمائی اور اسلام دشمن عناصر کو نیست ونابود کرنے کے لیے ایسے عظیم افراد پیدا کیے جنھوں نے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے لیے خود کو وقف کر دیا۔

آریہ سماج کی مجلس شوریٰ میں جب غیر ہندو قوموں کو آریہ مذہب میں داخل کرنے کی قرارداد منظور کی گئی اور ہندو مبلغین نے شدھی تحریک کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے، انھوں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ گورنمنٹ اور راجا کا حکم ہے کہ سب لوگ آریہ دھرم اختیار کر لیں، ورنہ ان پر جرمانے عائد کیے جائیں گے۔ اسلام کے خلاف من گھڑت اختراعی قصوں کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ مفتی اعظم نے ایسے ماحول میں اس طاغوتی قوت کا جم کر مقابلہ فرمایا۔ اسلام کی صداقت وحقانیت کے اظہار کے لیے آریائی مبلغین کو مناظروں کا چیلنج دیا، مگر اس شیرِ حق کے سامنے انھیں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے تحفظ ایمان واسلام کی تحریک پیدا کی جس کے ذریعہ مسلمانوں کو مذہبِ حق پر قائم رہنے اور دشمنانِ اسلام کے دامِ فریب سے دور رہنے کی روشن دعوت دی۔ مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کے تحفظ کے لیے مسلم راجپوتوں کے علاقوں میں مدارس قائم کیے جن میں مفت دینی تعلیم کا انتظام فرمایا، مدرسین کی تنخواہوں اور طالبانِ علوم رسالت کے لیے بے معاوضہ کتابوں کی فراہمی کا ذمہ جماعت رضائے مصطفی پر ڈالا۔ گوناگوں اجتماعات کے ذریعہ اسلام مخالف عناصر کا معقول اور دنداں شکن جواب دیا۔ تحریک صلاۃ چلائی۔

حاصل یہ کہ آپ نے اس پر آشوب ماحول میں مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کے تحفظ کے لیے مثالی کردار ادا فرما کر کفر وارتداد کے فتنہ کا استیصال فرمایا۔ آپ کی مبارک کوششوں سے ہندوؤں کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا اور کفر وشرک کی آلائشوں اور جہنم کے دائمی عذاب سے خود کو بچایا۔

دیوبندیوں کے پیشوا تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کی کفری عبارت کے جواب میں ''بسط البنان'' لکھی اور کفری عبارت کو بے غبار کرنے کی ناکام کوشش کی تو، حضرت مفتی اعظم نے تھانوی کے دجل وفریب کا پردہ چاک کیا، ان کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملایا اور اس کے رد میں وقعات السنان اور ادخال السنان لکھی اور بذریعہ رجسٹری تھانہ بھون بھیجا، مگر تھانوی صاحب کیا اُن کی پوری برادری آج تک اس کے جواب سے عاجز ہے اور صبح قیامت تک عاجز رہے گی۔ تھانوی صاحب نے اپنے اس رسالہ کے ذریعہ فرزندانِ توحید ورسالت کو گم راہ کرنے، ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور کفر کو ایمان بنانے کی ناکام کوشش کی مگر مفتی اعظم قدس سرہ نے ان کو ایسا بے نقاب فرمایا کہ ان کے خوابوں کا سارا شیش محل تاراج ہو گیا۔

''وقعات السنان'' اور ''ادخال السنان'' کے کاری زخموں کی تاب نہ لا کر تھانوی صاحب نے اپنے ایک نیاز مند سے کچھ سوالات کرائے، مگر مفتی اعظم قدس سرہ نے الموت الاحمر لکھ کر اکابر دیوبند کے تکفر کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور حجج الہیہ ان پر تام فرما دی اور مسلمانانِ عالم پر یہ روشن فرما دیا کہ اکابر دیوبند ان کفری عبارتوں کی جو بھی تاویل کریں وہ تاویل نہیں بلکہ مسخ وتبدیل ہے، ان کا کفر ایسا واضح اور متعین ہے کہ کتنا بھی اسے اٹھائیں اٹھنے والا نہیں۔ مفتی اعظم کی اس گراں قدر کوشش نے مسلمانانِ اہلِ سنت کو ان ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھا اور حق پر استقامت کی قوت بخشی۔

مولوی قاسم نانوتوی جنھوں نے تحذیر الناس میں نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کیا اور خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہونا خیالِ عوام بتلایا اور یہ کہا کہ:

''اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلعم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔'' (ص:۲۸) بلکہ بالفرض اگر آپ کے زمانہ میں بھی کہیں کوئی اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔'' (ص:۱۴)

مفتی اعظم قدس سرہ نے مولوی قاسم نانوتوی کی جہالتوں کا پردہ چاک فرمانے کے لیے اشد العذاب علی عابد الخناس (۱۳۲۸ھ) تالیف فرمائی اور ان کی تصنیف ''تحذیر الناس'' کا بھرپور رد فرمایا اور ان کی عبارت کا کفری معنی واضح اور متعین ہونا روشن فرمایا اور امتِ مسلمہ کو انکارِ ختم نبوت کے عظیم فتنہ سے بچایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے انکار پر البحر الرائق ۳/ ۹۴، مطبوعہ مصر کی درج ذیل عبارت سے شبہہ پیدا کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے تھے۔

وفِی الخانِیۃِ والخلاصۃِ لو تزوج بِشھادۃِ اللّٰہِ ورسولِہٖ لا ینعقِد ویکفر لِاعتِقادِہٖ أن النبِی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یعلم الغیب۔

خانیہ اور خلاصہ میں ہے، اگر کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی شہادت وگواہی پر نکاح کیا نکاح نہ ہوگا، نکاح کرنے والا کافر ہوجائے گا اس لیے کہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود سے غیب جان لیتے ہیں۔

مفتی اعظم قدس سرہ کے دور میں بھی یہ شبہ پیدا کیا گیا اور سنی مسلمانوں کو گم راہ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ آپ نے اس شبہہ کا استیصال فرمایا، متعدد آیات واحادیث مبارکہ سے علم غیب رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبرہن فرمایا اور فرمایا کہ:

''وہابیہ کا گروہ مان چکا کہ شرائط تعارض سے تساوی فی القوۃ ہے، پس جواب میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ راجح کے سامنے مرجوح ساقط و متروک ہے، اور ادب یہ ہے کہ مرجوح میں تاویل مناسب کی جائے۔'' (بسط البنان)

اس مرجوح قول میں مناسب تاویل نہ کرنے والا اسے اپنی سند بنانے والا بے ادب گستاخ ہے۔ ساقط و متروک ومرجوح کو قرآن وحدیث کے نصوص کے رد کے لیے پکڑنے والا ہے اور اپنے ساتھ کفر کے گڈھے میں صاحب بحر کو بھی ڈبا دینے والا ہے، اور طائفہ کے گرو گھنٹال کی معقول بات کو بھی رد کر دینے والا ہے۔

جب طائفہ کے استاد جی کو بھی یہ علم ہے کہ ایسی جگہ تاویل مناسب کرنی چاہیے تو لازم تھا کہ بحر وغیرہ علما کی ایسی عبارت میں یہ سمجھتا کہ ان کی مراد علم ذاتی ہے نہ کہ اس عبارت کو قرآن وحدیث کے رد کے لیے لے دوڑا، والعیاذ باللہ تعالیٰ، کیا یہ علما، یہ دین کے ائمہ جن کی وسعتِ نظر ہم جیسوں کے حسابوں سے بے انتہا، جس حد تک ہمارا مرغِ وہم بھی پرواز نہ کر سکے، تو یہ کیا کوئی سلیم الحواس ادنیٰ عالم بھی ان آیات واحادیث پر جس کی نظر ہو وہ مطلقاً انکارِ علم غیب برائے انبیا کر سکے گا۔ لا إلٰہ الا اللّٰہ آمنّا برسول اللّٰہ۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۴و۵)

آپ نے اس مسئلہ کو عرش تحقیق تک پہنچایا اور مسلمانانِ عالم کو انکارِ علم غیب کے برے فتنہ سے بچایا اور یہ روشن فرمایا کہ امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اس کے ضعف کا اشعار فرمایا، کیوں کہ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ یہ کفر ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ بعض نے اسے کفر ٹھہرایا۔

آپ کے زمانہ میں ایک گروہ ایسا پیدا ہوا جو یہ کہتا تھا کہ ہندوستانیوں کو، اب مذہب سے آزاد ہو جانا چاہیے، خواہ کوئی سا مذہب رکھتے ہوں، ان کا خیال یہ تھا کہ مذہب ہی بنی نوع انسان میں جھگڑوں اور تباہی کا باعث ہے، یہ گروہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ اشتراک عمل کی پیہم دعوت دیتا رہا، آپ نے اس فتنہ کا روشن رد فرمایا اور مسلمانوں کو صحیح راہ بتائی اور فرمایا کہ:

''دہریوں اور اباحیوں کا وجود آج نہیں عرصہ

دراز سے ہے، یہ لوگ ابلیس کے ایجنٹ، شیطان کے وکیل، شیطنت کے پروپیگنڈہ کرنے والے ہیں، انھیں اللہ ورسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی علاقہ نہیں جیسے ان کے پیر واستاد ابلیس لعین کو۔ ان بدعقلوں نے خطوات شیطان کا اتباع کیا، ابلیس کے نقش قدم پر چلے تو دین ودیانت ہی کو پیٹھ نہ دی بلکہ عقل کو بھی۔ حیا وشرم غیرت کو بھی۔ جو لوگ مسلمان نام رکھ کر اس دہریت اور اس اباحیت کے حامی ہیں وہ محض نام کے مسلمان ہیں۔ در حقیقت دہریہ اباحیہ ہیں۔ اگر یہ لوگ توبہ نہ کریں مسلمان محض ان کے اسلامی ناموں کی بنا پر مسلمان نہ سمجھیں۔ محض نام یا گاے کا گوشت کھانا مسلمان نہیں بناتا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس ملعون تحریک سے مذہب کا کچھ نقصان نہیں وہ اس پاگل کی طرح ہیں جو قلعہ کی در و دیوار ڈھاتا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ اس سے قلعہ کو کوئی نقصان نہیں۔ حدودِ الٰہیہ کو توڑو، دائرۂ دین کو مٹاؤ اور بکے جاؤ کہ اس سے دین ومذہب کو کوئی خطرہ نہیں۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔

(فتاویٰ مصطفویہ، ص: ۹۴و۹۵)

آپ کی زندگی کا ایک اہم حصہ بیعت وارشاد ہے، اس کے ذریعہ آپ نے مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کا اہم فریضہ انجام دیا اور مذہب حقہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کی دعوت دی اور باطل افکار وعقائد سے دور رہنے کی گراں قدر نصیحت فرمائی، ان سے رشتہ ومُوالات، میل جول، صحبت و مخاطبت کو ایمان وعقیدہ کے لیے سمِ قاتل قرار دیا۔ حاصل یہ کہ آپ نے مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش فرمائی، آج آپ کے مریدین کی خاصی تعداد موجود ہے جو، ایمان واسلام پر مضبوطی سے قائم رہ کر دوسروں کو ایمان واسلام کی دعوت دے رہی ہے۔ جن میں عمائدین اسلام کی ایک عظیم جماعت ہے، جس کا ایک ایک فرد اپنی جگہ جبل شامخ ہے، جو زبان وقلم، تبلیغ وہدایت اور ارشاد وبیعت کے ذریعہ آپ کے روشن طریقہ پر عقائد واعمال کی اصلاح کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

آج بہ ظاہر امام احمد رضا، حجۃ الاسلام اور سرکار مفتی اعظم قدست اسرارھم ہم میں نہیں مگر ان کے روشن نقوش، اعلیٰ ہدایات، اسلامی تعلیمات، علمی ذخیرے، مسلمانانِ عالم کے ایمان واسلام کی حفاظت کر رہے ہیں اور صبح قیامت تک کرتے رہیں گے۔

❀❀❀

مرکز اہل سنت کی فقہی خدمات

از: ڈاکٹر مولانا حسن رضا خاں
سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقاتِ عربی وفارسی، پٹنہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اس خاکدانِ گیتی پر ۱۰؍ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء جلوہ بار ہوئے۔ امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے اپنا سنِ ولادت تخریج فرمایا ہے:

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدہ بروح منہ۔

اعلیٰ حضرت جیسی نابغہ روزگار وعبقری شخصیت جو اپنے معاصرین میں حق آگاہ، حق نگر، حق پسند اور حق گو کی حیثیت سے وحیدِ عصر اور فریدِ دہر ہے، جس کے رمز شناس قلم سے علوم ومعارف کے بے شمار سوتے پھوٹ پڑے ہیں۔ اس بلند پایہ ہستی کے لیے مجھ جیسے طالب علم کے لیے کچھ لکھنا حصولِ سعادت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تفقہ فی الدین ایک ایسا اثاثہ ہے کہ اس دولتِ بے مایہ کو ہر دل کی تجوری میں مقفل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کا رشتہ وناطہ کسب وحصول کے تانے بانے تک محدود ہے۔ اس کا آشیانہ اتنا بلند ہے کہ ہر صاحبِ فضل وکمال اپنی جلالتِ علم وفکری بلندیوں کے بل بوتے پر اس پر کمند نہیں ڈال سکتا۔

اگر قرآن وحدیث کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے کہ تفقہ فی الدین کا تعلق کسب وحصول سے پہلے مشیتِ ایزدی اور ارادۂ الٰہی سے وابستہ ہے۔ اس سلسلے میں نبوی صراحت ہے کہ من یرد اللہ خیراً یفقھہ فی الدین، اللہ تعالیٰ جس بندے پر خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے تفقہ فی الدین کی دولت گرانمایہ سے مالامال فرماتا ہے۔ اس سے یہ بات یقین کے اُجالے میں آجاتی ہے کہ یہ فن بندے کی کوششوں تک محدود نہیں رکھا گیا ہے بلکہ یہ دولتِ گراں قدر ارادۂ الٰہی اور مشیتِ باری کی توفیق اور تفویض کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقیہ اپنے منصب کے لحاظ سے مسائل کے استخراج میں اور ترجیح وتطبیق میں خدائے قدیر کی بخشی ہوئی بے غبار صلاحیتوں کی روشنی میں غور وفکر کرتا ہے۔ قرآن وسنت سے مسائل کے استخراج واستنباط میں کسی خارجی دباؤ کو قبول نہیں کرتا ہے بلکہ اخذِ مسائل میں قیاس کے انہیں متعینہ حدود کی پابندی کرتا ہے جس کو شرعی اصابت رائے کے ترازو پر تولا گیا ہو۔

اعلیٰ حضرت کی شانِ تفقہ کا اندازہ کرنے کے لیے فقہ کی تعریف اور اس کے لوازمات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اختصار کے ساتھ اس کا بیان بھی ناگزیر ہے۔

مجتہد کے لیے اسلاف سے جن شرطوں کا ذکر ملتا ہے اعلیٰ حضرت یقیناً ان شرائط کے حامل تھے۔ امام صدر الشریعہ

شرائطِ اجتہاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "شرطه ان یحوی علم الکتاب بمعانیه لغةً وشرعاً واقسامه المذکورة وعلم السنة متناً و سنداً و وجوه القیاس کما ذکرنا۔" (شامی جلد ا، ص ۱۷۹ و فضل القضاء فی رسم الافتاء، ص ۲ تا ۳)

اس کی تفصیل علامہ تفتازانی اس طرح فرماتے ہیں: کتاب اللہ کے مفاہیم تک رسائی کے لیے لازمی ہے کہ لغت، نحو، صرف اور معانی و بیان میں مہارت ہو اور اصولی طور پر جو خصوصیات احکام پر اثر انداز ہوتی ہیں ان کی معرفت میں بھی کمال ہو مثلاً عام، خاص، مجمل، مفسر اور اقسامِ دلالات وغیرہ بھی جاننا ضروری ہے اور مفاہیم سنت تک پہنچنے کے لیے جہاں یہ تمام علوم اور اقسام اصولی شرط ہیں، وہیں احادیث کی سند اور احوالِ رواۃ پر بھی آگاہی ضروری ہے۔ قیاس کے شرائط و اقسام اور ان کے احکام نیز ان میں مقبول اور نا مقبول میں تمیز کا علم بطور ملکہ حاصل ہو فقیہ کو اجماعِ اُمت سے آگاہ ہونا چاہیے تاکہ اس کا اجتہاد، اجماع سے مزاحم نہ ہو۔

علامہ تفتازانی نے علم کلام کی معرفت بھی شرائطِ اجتہاد میں شمار کی ہے۔

علامہ طاش کبریٰ زادہ علم فقہ کی تعریف میں لکھتے ہیں: هو علم باحث عن الاحکام الشریعة العملیة من حیث استنباطها من الادلة التفصیلیة و مبادیه مسائل اصول الفقه وله استمداد من سائر علوم الشرعیة والعربیة (الفوائد البهیه، ص ۸۶)

امام سرخسی نے تمامیتِ فقہ کے لیے عملِ صالح کی قید کا بھی اضافہ فرمایا ہے: ان تمام الفقه لایکون الا باجتماع ثلاثة اشیاء العلم بالمشروعات والاتفاق فی معرفة ذلک بالوقوف علی النصوص بمعانیها وضبط الاصول بفروعها ثم العمل بذلک فتمام المقصود لایکون الا بعد العمل بالعلم۔

(فواتح الرحموت، ص ۶۲۴)

ان شواہد کے لکھنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ ایک تخمینہ قائم کیا جا سکے کہ فقہ و اجتہاد کے لیے کتنے علوم کی مہارت شرط ہے۔ اسی طرح اصول و فروع کی تفصیلات نیز اجماعِ امت اور قیاس کے اقسام و احکام میں کس قدر بصیرت لازم ہے، ان شہادات سے یہ امر بھی مفہوم ہوتا ہے کہ فقیہ ہر مسئلہ کا استنباط اس کی تفصیلی دلیل سے کرنے پر قادر ہوتا ہے اور یہ ممکن نہیں جب تک وہ فقیہ ثاقب الذہن، طباع، سلیم الفکر اور نکتہ رس قابل اعتماد نہ ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ فقیہ کو تدین و تقویٰ سے بھی متصف ہونا چاہیے تاکہ قدم بہ قدم اسے تائیدِ غیبی حاصل ہوتی رہے۔

عہدِ صحابہ کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام فقہا کے امام اور قاید شمار کیے گئے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں، ما رأیت احداً افقه منه من اراد ان یتفقه فعلیه به و باصحابه۔ (الفوائد البهیه، ص ۱۴۶)

اصول و فروع کی ترتیب عہدِ امام میں مکمل ہو گئی۔ البتہ فکرِ مراتب کے اعتبار سے ان کی تہذیب کا کام ہر دور میں جاری رہا۔ اس لیے طبقاتِ فقہا کا تعین بھی ضروری ہوا تاکہ ہر ایک کی منزلت اور طبقاتی خصوصیت کی رعایت سے ان کے اقوال کی تنقیح اور ترجیح کا اعتبار کیا جائے۔

علامہ ابن کمال پاشا نے فقہا کو سات طبقات میں تقسیم فرمایا ہے:

(۱) **مجتہدین فی الشرع:** وہ فقہا جنہوں نے قواعدِ اصول کی تاسیس فرمائی۔ ائمہ اربعہ اسی طبقے میں معدود ہیں۔

(۲) **مجتہدین فی المذہب:** وہ فقہا جو مجتہد فی الشرع سے منقول قواعد کی پابندی کے ساتھ دلائل سے مسائل کے استخراج پر قادر ہیں۔ اگرچہ بعض فروع میں مجتہد فی الشرع کے خلاف بھی ہیں۔

(۳) **مجتہدین فی المسائل:** وہ فقہا جو اصول وفروع میں اپنے امام کے پابند ہیں اور امام کے غیر منصوص احکام کے استنباط کرنے پر قادر ہیں۔

(۴) **اصحابِ تخریج:** یہ لوگ اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے لیکن اصول اور مآخذ، تفسیر مجمل، تفصیل مبہم اور تعیین محتمل پر قادر ہوتے ہیں۔

(۵) **اصحابِ ترجیح:** مذہب کی روایتِ مختلفہ میں کسی ایک کو ترجیح دینے پر قادر ہوتے ہیں۔

(۶) **اصحابِ تمیز:** یہ حضرات قوی واقوی اور ضعیف نیز ظاہر الروایہ اور نوادر وغیرہ میں فرق کرتے ہیں۔

(۷) **اصحابِ تلفیق:** جنہیں کھرے کھوٹے میں امتیاز کی تمیز نہیں ہوتی۔

علامہ ابن کمال نے طبقات تقسیم کے ذیل میں بطور مثال جن فقہا کا نام شمار کیا ہے، وہ محلِ نظر ہے۔ اس لیے کہ آپ نے رازی و کرخی کو اصحابِ تخریج میں اور قدوری اور صاحبِ ہدایہ کو اصحابِ ترجیح میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ بلاشبہہ یہ حضرات مجتہد فی المسائل تھے۔ اسی طرح آپ نے اصحابِ تخریج کے متعلق کہا کہ یہ لوگ اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ اصحابِ تخریج کے ضمن میں جو فقہا شمار کیے جاتے ہیں، سب مجتہد فی المسائل کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ مجتہد مطلق کے بعد ہر طبقے کے لیے ایک وصف مخصوص ہے۔ اگر یہ اوصافِ خاصہ کسی ایک شخصیت میں جمع ہو جائیں تو اس شخصیت کا شمار بہ یک وقت کئی طبقات میں ہو سکتا ہے۔

علامہ کفوی نے فقہائے مقلدین کے پانچ طبقات رکھے ہیں۔ اس لحاظ سے آپ نے ابن کمال پاشا کے ذکر کردہ اوّل وآخر کو ترک کر کے صرف درمیانی پانچ طبقات شمار کیے ہیں۔ دونوں راویوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بعض علما نے لکھا ہے کہ مجتہد فی المذاہب کا دروازہ ابو البرکات نسفی المتوفی ۷۱۰ھ پر ختم ہو گیا ہے۔

علامہ بحر العلوم لکھنوی نے اس قول کو رد فرمایا ہے۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نیرنگیِ زمانہ کی وجہ سے ہر دور میں گوناگوں مسائل کا پیدا ہونا لوازمِ عالم سے ہے۔ لہٰذا ہر نئے پیدا ہونے والے مسئلے کا حل نکالنے کے لیے اللہ کی رحمتوں سے مجتہدین کا سلسلہ قائم رہنا ضروری ہے۔ مجتہد مطلق کا وجود ہر دور میں ضروری نہ سہی مگر مجتہدین فی المذہب یا مجتہدین فی المسائل کے وجود کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر واقعات بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ امام نسفی کے بہت بعد امام ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) گذرے ہیں۔ آپ کی کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں کہ آپ مجتہد تھے۔

ابن کمال اور کفوی نے مجتہد فی المذہب کی جو تعریف

کی ہے، امام ابن ہمام اس پر پورے اترتے ہیں۔ اس لیے بحر العلوم کی طرح ہم بھی یہ تسلیم کرنے سے قاصر نہیں کہ مجتہد فی المذہب کا سلسلہ امام نسفی پر ختم ہو گیا۔

پھر امام ابن ہمام کے بعد اعلیٰ حضرت میں ایک عظیم فقیہ کی خصوصیات اجتماعی طور پر نظر آتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی سوانح دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ بچپن ہی سے صالح الفکر، صائب الرائے شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کا بچپن ایک ذکی الطبع، قوی الفکر انسان کے شباب سے کم نہ تھا۔ آپ سرحدِ شباب میں داخل ہونے تک جملہ فنونِ عربیہ اور علومِ دینیہ اور ان کے مبادی میں ماہر نظر آتے ہیں۔ علم کے کسی میدان میں آپ کے جولانیِ قلم میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ علمِ حدیث میں آپ امام سیوطی کے مظہر نظر آتے ہیں، تو تفسیر میں ابن جریر کے پرتو ہیں۔ علوم عربیہ میں سحبان کی شان رکھتے ہیں تو امام ابوحنیفہ کے قواعد و اصول برتنے میں آپ پر بزدوی سرخسی کا شبہ ہوتا ہے اور صرف انہیں علوم تک نہیں بلکہ جملہ علومِ عقلیہ ونقلیہ میں آپ کی شان یکساں معلوم ہوتی ہے اور اس شان میں آپ کی انفرادیت اس درجہ ہے کہ اقران وامثال ہی نہیں بلکہ کئی صدی قبل بھی آپ کی نظیر تلاش کی جائے تو آپ منفرد نظر آئیں گے۔

اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ کا جائزہ لینے کے بعد ہر وہ شخص جس نے مشہور فقہا کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہو گا وہ اس نتیجے پر بہت آسانی سے پہنچ سکتا ہے کہ امام ابن ہمام کی شانِ روایت اور رنگِ اجتہاد سے مزین فکر جو ان کی خصوصیت تھی، ان کے بعد صرف اعلیٰ حضرت کو ملی اور مسائل کی تنقیح، فقہ کی جملہ متداول کتب پر نظر رکھتے ہوئے جو علامہ شامی کی ایک مسلمہ خصوصیت تھی، اعلیٰ حضرت کے حق میں مقدر ہو گئی۔ گویا اعلیٰ حضرت بہ یک وقت ابن ہمام بھی تھے اور ابن عابدین بھی۔

عرب وعجم کے بے شمار فقہا اور اہلِ علم ودانش اعلیٰ حضرت کا تفقہ تسلیم کر چکے ہیں۔ ''الدولۃ المکیہ'' اور اعلیٰ حضرت کی دوسری تصانیف پر علمائے ہذا کی تقریظات ہمارے اس دعویٰ کا بیّن ثبوت ہیں۔ اعلیٰ حضرت فقہائے مقدّمین کی جملہ خصوصیات کے حامل تھے۔

(۱) اقوالِ سلف پر آپ کی نظر بہت ہی وسیع تھی۔ جب کسی مسئلہ کی تائید میں ائمہ سابقین کی شہادتیں بیان کرنے پر اُترتے ہیں تو سیکڑوں سے بھی ان کی تعداد متجاوز ہو جاتی ہیں۔ اپنے پیش رو فقہا کے اقوال کی مکمل تنقیح فرماتے ہیں۔ کسی نقل یا دلیل پر پرکھے بغیر اعتماد نہیں کرتے۔ روایاتِ مذہب اور اگلوں کے استنباط کے قوت وضعف اور مراتب صحت پر نشان دہی فرماتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اصحابِ تمیز کے خواص سے یقیناً متصف تھے۔ ہمارے اس دعویٰ پر اعلیٰ حضرت کے ہزاروں فتاوے شاہد ہیں۔ بذل الجوائز، سبحان السبوح، التحریر الجید، نفی العار، ردّ الرفضہ، القطوف الدانیہ، اہادی الحاجب، جیسے پچاسوں رسالوں سے آپ کے استحضارِ روایات وعبارات پر روشنی پڑتی ہے۔

اس ذیل میں یہ خصوصیت بھی قابلِ ذکر ہے مسائل یا حکم کا منکر جن علما پر اعتماد رکھتا ہے، ان کی شہادتیں التزاماً لاتے ہیں۔ حیات الموات، الکوکب الشہابیہ وغیرہ میں ایسے مواد ملتے ہیں۔

(۲) مذہب کی روایاتِ مختلفہ کو باعتبار ترجیح ہم گئی

حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ علمائے سلف نے اکثر روایات میں ترجیح و تنقیح فرما دی ہے لیکن جہاں ترجیحات میں معتمد فقہا متفق ہیں وہیں بھاری تعداد اختلافِ ترجیح کی بھی موجود ہے۔ اور بعض مسائل ایسے بھی ہیں جو ہنوز تشنۂ ترجیح ہیں۔ ترجیحاتِ سلف میں ایسا بھی ہوا ہے کہ جن اسباب کی روشنی میں کسی قول کو ترجیح دی گئی اور مرورِ زمانہ سے وہ اسباب متغیر ہو گئے اس لیے ترجیح جدید ضروری ہوئی۔

اعلیٰ حضرت نے ترجیح سابق میں کسی قسم کی تبدیلی پسند نہ فرمائی۔ مذہب جس طرح کتبِ متون میں منقول ہے اس پر اعتماد فرمایا۔ البتہ زمانے کے تغیرات سے شرعاً حکم پر جو اثر پڑتا ہے اس کی رعایت التزاماً ملحوظ رکھی ہے۔ کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ الفتوی یتغیر الزمان البتہ تبدیل حکم میں تغیراتِ ماحول کا ہر جگہ اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے لیے چھ مواضعات کا تعین فرمایا ہے اور ایک ضابطہ وضع کر کے یہ ثابت کیا کہ تغیر حکم بھی قولِ امام کے درجے میں ہے۔ فرماتے ہیں

> ''قولِ امام کی دو صورتیں ہیں ظاہر اور ضروری۔ قولِ ظاہر جو امام سے صراحۃً منقول ہو۔ قولِ ضروری یہ ہے کہ امام سے منقول تو نہ ہو لیکن کسی حکمِ عام کے تحت آ سکے کہ اگر اس ماحول میں امام کے سامنے یہ صورتِ مسئلہ آتی تو یہی حکم صادر فرماتے۔ قولِ ظاہر اور ضروری میں تعارض ہو تو ضروری کو ترجیح دی جائے گی اور یہ تعارض صرف چھ صورتوں میں معتبر ہے: (۱) ضرورت (۲) رفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) اہم دینی مصلحتوں کی تحصیل (۶) کسی فسادِ موجود یا مظنون کا ازالہ، اور انہیں وجوہ کے پیشِ نظر صحیح احادیث کے خلاف میں بھی فتویٰ دیا جاتا ہے جو درحقیقت مخالفتِ حدیث نہیں۔ جیسے عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا۔''
>
> (فتاویٰ رضویہ، ج سوم، کتاب الصلوٰۃ)

اختلافِ ترجیح کی شکل میں آپ نے ترجیحات کو کالعدم قرار دیا اور پوری بحث و تمحیص کے بعد یہ ضابطہ مقرر فرمایا یقدم قول الامام عند اختلاف التصحیح، اسی طرح آپ نے صدہا غیر منقح تشنۂ ترجیح مسائل کی اسباب و علل کی روشنی میں ترجیح فرمائی۔ آپ کے فتاویٰ کے ساتھ کتبِ فقہ پر آپ کے حواشی و تعلیقات ہمارے اس بیان کی واضح دلیل ہیں۔ اس لیے ہم کو بجا طور پر یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو ائمۂ ترجیح میں بھی شمار کریں۔

(۳) روایاتِ مذہب اور فقہائے مابعد کے اقوال میں مجمل اور مبہم اقوال بھی بہ کثرت ملتے ہیں۔ ائمۂ تخریج نے مجمل کی تفسیر اور مبہم کا بیان اور دیگر قیود و شرائط کا بیان فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور تک بھی کچھ ایسے گوشے باقی رہ گئے جن میں عملِ تخریج کی ضرورت تھی۔ آپ نے ایسے بیش تر مقامات کی تنقیح فرمائی اور اسی تخریج کے ذریعے حکم کے لیے صورتِ مسئلہ کا تعین فرمایا۔ مثلاً ماء مستعمل کی تعریف اور اس کا حکم متون مذہب میں بالفاظ ذیل منقول ہے:

والماء المستعمل لا یجوز استعماله فی طهارة الاحداث والماء المستعمل کل ماء ازیل به حدث او استعمل فی البدن علی وجه القربة۔

اعلیٰ حضرت نے کل ماء میں ماء قلیل کی قید پھر بدن سے جدا ہونے کی قید کا بھی اضافہ فرمایا اور ستائیس احتمالات قائم کر کے پانی کے مستعمل ہونے کی صورت متعین فرمائی۔ اس موضوع پر مکمل مفصل تحقیق پر مشتمل ''الطراس المعدّل'' نامی رسالہ تحریر فرمایا۔ جسمِ انسانی کا پانی سے لمس، پانی کو کب مستعمل بناتا ہے، اس پر مفصل توضیح وتفسیر اور احتمالی صورتوں کی تعلیل وغیرہ کے ساتھ نہایت درجہ محقق ومنقح بیان کے لیے ایک بسیط رسالہ النمیقة الانقی تحریر فرمایا۔ بچّوں کی صغیر وکبیر اشیا کا استعمال ممنوع ہونے اور اس کا ہبہ باطل ہونے پر ایک مفصل رسالہ عطاء النبی تحریر فرمایا جس میں مبہم عبارتوں کی تشریح اور احتمالات کی تعیین اور صورتِ مسئلہ کا تقرر وغیرہ مذکور ہے۔ اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ اور رسائل وحواشی میں تخریجات کے نظائر کم نہیں ہیں۔

ائمہ سابقین کی تخریجات میں جو تسامح ہوا ہے اس کی نشان دہی بھی فرمائی ہے۔ رسالہ ''اضافة الطلاق'' اور ''جد الممتار'' میں اس کے نظائر وشواہد موجود ہیں۔ امام ابن ہمام، ابو السعود، ابن کمال، برجندی، زیلعی، ملک العلما کاسانی، فخر الاسلام بزدوی اور شمس الائمہ سرخسی علیہم الرحمۃ کی تخریجات پر جا بجا مدلل کلام فرمایا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی ان ابحاث پر نظر پڑنے کے بعد ایک دانش مند قاری آپ کا مقام ائمہ تخریج میں آسانی سے متعین کرسکتا ہے۔

(۴) حوادث ووقائع کا سلسلہ غیر متناہی ہے جب کہ نصوصِ شرعیہ متناہی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر نئے پیدا ہونے والے مسئلے کا حکم شرعی اجتہاد کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ مجتہدین فی المسائل امام مطلق کے اصول وقواعد کی روشنی میں ان مسائل کو حل فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے دَور میں پیدا ہونے والے سیکڑوں مسائل میں احکام کا استخراج فرمایا ہے۔ مثلاً نوٹ کی ایجاد کے بعد کئی قسم کے مسائل پیدا ہوئے کہ نوٹ سونا چاندی نہیں ہے لیکن قیمتی ہے۔ اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ جنس قدری نہیں ہے بلکہ عددی ہے تو اس کی بیع تفاضل سود کہلائے گی یا نہیں۔ اعلیٰ حضرت نے نوٹ کی حقیقتِ شرعی متعین کر کے اس سے متعلق احکام کا بیان فرمایا۔ آپ کا یہ فتویٰ ستر صفحات سے متجاوز ہوگیا۔ جس کا تاریخی نام کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم ہے۔ عرب و عجم کے مشائخ کبار نے اسے بے پناہ سراہا۔

رُدسر کی شوگر مل سے متعلق یہ بات مشہور ہو کر حکمِ شرعی کی طالب ہوگئی کہ شکر کا تصفیہ ہڈیوں کے برادے سے کیا جاتا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ ہڈیاں حلال جانوروں کی ہیں یا نہیں۔ پاک ہیں یا ناپاک؟ اعلیٰ حضرت نے دریافت حکم کے لیے دس مقدمات استدلال کے ساتھ قائم فرمائے۔ اس کے بعد نہایت اعلیٰ تحقیق کے ساتھ حکم شرع کا استنباط فرمایا۔ آپ کی یہ تحقیق وسیع ہو کر رسالہ ''الاحلی من السکر'' کی شکل میں کئی اجزا میں سمائی۔ ریل پر نماز کا حکم کیا ہے؟ جن مقامات میں ایک شب وروز کا سال ہوتا ہے، وہاں روزہ نماز کا کیا حکم ہے؟ ریلوے گارڈ اور ڈرائیور، ٹرین سے مسافت

سفر طے کریں تو وہ مسافر کہلائیں گے یا نہیں؟ ان تمام کا حکم استخراج فرمایا۔

سلف کے استنباط میں جو مواضع تنقیح طلب تھے، ان کی تنقیح فرمائی۔ بطور نمونہ ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

حکمِ ائمہ یہ ہے کہ وصی یا وارث نے میت کی تجہیز و تکفین مثل اپنے مال سے کردی تو ترکہ سے اپنی رقم واپس لے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تجہیز و تکفین مثل دین میں شمار ہوگی یا اسے حق تکفین سے مؤخر کرنا پڑے گا۔ اور حکمِ تکفین میں رکھیں تو اس سے رقم کی ادائیگی دیون پر مقدم ہوگی؟

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ کفن دینے والا اسوۃ الغرماء ہے۔ اس کا حق دیگر قرض خواہوں پر مقدم نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ دین پر تجہیز کی تقدیم حق میت کے سبب تھی۔ جس طرح حالتِ حیات میں ذاتی حق مثل نان شبینہ دیون پر مقدم تھا اور جب وصی یا وارث نے تکفین کردی تو حقِ میت ساقط ہوگیا۔ اب صرف ادائے دین کی صورت رہ گئی فھو اسوۃ الغرماء اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص لباس کا ضرورت مند ہو تو اس کی یہ ضرورت عام دیون پر مقدم ہوگی۔ لیکن اگر کسی نے اسے بہ شرط رجوع لباس دے دیا تو یہ دینا دیگر دیون پر مقدم نہ ہوگا، بلکہ وہ بھی احد الدائنین میں شمار ہے۔ نیز یہ کہ آدمی اپنی حیات میں اکل و شرب و دیگر حاجاتِ اصلیہ کے لیے دین لیتا ہے تو یہ دائن کسی صورت سے اس سے کم درجہ نہیں جس نے موت کے بعد طاری ہونے والی حاجت کے لیے دین دیا۔

اعلیٰ حضرت کے استنباط و استخراج کو اگر ہم تفصیل سے قلم بند کریں تو یقیناً ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

ان شواہد کے لکھنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مجتہد فی المسائل کہنے میں بھی ہمیں کسی قسم کا تردّد یا اشکال نظر نہیں آتا بلکہ اعلیٰ حضرت میں یہ اوصاف بطور ملکہ تھے۔

(۵) اعلیٰ حضرت جہاں دین کے اصول و فروع اور عربیت کے فنون میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، وہیں آپ فقیہ النفس بھی تھے۔ عہدِ طفلی میں بھی صاحبِ بصیرت مفتی دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں فرائض کا ایک دقیق فتویٰ تحریر فرمایا۔

اور جب آپ عمر کے تیرھویں سال میں داخل ہوئے، اس وقت درسِ نظامیہ سے متعلق علوم و فنون میں آپ ماہر ہو چکے تھے۔ بلکہ زیر تعلیم کتابوں پر آپ کے حواشی و تعلیقات بھی موجود تھے۔ اور جب آپ تیرہ سال دس مہینہ پانچ دن کی عمر کو پہنچے اسی روز آپ پر نماز فرض ہوئی اور اسی روز آپ کے والد ماجد نے منصبِ افتا پر مامور فرمایا۔ بیٹھتے ہی آپ کے سامنے حرمتِ رضاعت سے متعلق ایک دقت طلب مسئلہ پیش ہوا کہ ناک کے ذریعے عورت کا دودھ بچے کے حلق میں پہنچ گیا تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں۔ آپ نے مدلل طور پر حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کا حکم صادر فرمایا۔

ابتدائے عمر میں ہی آپ کو فقہی جزئیات و کلیات پر عبور حاصل تھا۔ عمر کے اضافے کے ساتھ آپ کی علمی گہرائی، وسعتِ مطالعہ اور ممارست و تجربہ میں اضافہ ہوتا گیا۔

آپ کی فقہی خصوصیات میں یہ امر بہت اہمیت رکھتا ہے کہ ابتدا سے لے کر اخیر عمر تک آپ کے فتاویٰ تحقیق پر مبنی ہوتے تھے اور آپ کو کسی فتویٰ سے رجوع کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کی فقہی اور کلامی بحثیں اور اندازِ تحقیق

دیکھنے کے بعد ہم درج ذیل نتائج بھی اخذ کرتے ہیں۔

(الف) کسی مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے کتاب اللہ سے استنباط ممکن ہو تو اسے نظر انداز نہیں ہونے دیتے۔ یہ ضرورت نہیں کہ جو مسئلہ زیر بحث ہے اسی پر قرآنی شہادت قائم کی جائے بلکہ ضمنی مسائل اور مسئلہ زیر بحث کے مقدمات پر گفتگو کرتے ہوئے بھی قرآن مجید سے استدلال کرتے ہیں اور جب آپ کتاب اللہ سے کوئی دلیل لیتے ہیں تو بسا اوقات اصولی اور تفصیلی بحثیں بھی سامنے آجاتی ہیں۔ اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ جملہ تفاسیر پر عبورِ تامہ رکھتے تھے۔ ہم اپنی تائید میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف کردہ "تجلی الیقین، جزاء اللہ عدوہ، الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ، الامن والعلیٰ، سبحن السبوح جیسی متعدد تصانیف کو پیش کرسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت کا قابل تعریف موقف یہ بھی ہے کہ تفسیر قرآن میں اپنی رائے کو ہرگز دخل نہیں دیتے۔

(ب) اعلیٰ حضرت کے تحقیقی فتاویٰ میں احادیثِ کریمہ کی شہادتیں اس وسیع پیمانے پر ملتی ہیں کہ گویا تمام احادیثِ مرویہ آپ کی نگاہ میں تھیں۔ احادیث کے راویوں، حدیث کے صحت وضعف اور دوسرے اقسام، الفاظ کے تغیرات، متن وسند کی زیادات پر موقع موقع سے بحثیں بھی فرماتے ہیں۔ جرح وتعدیل کے الفاظ ومعانی اور متن کے اقسام دلالاتِ احادیث کے محمولات اور محتملات نیز دیگر نکات پر بھی آپ گہری نگاہ رکھتے تھے۔ بالعموم کوئی بھی حدیث بے حوالۂ کتب ذکر نہیں فرماتے۔ ایک ایک حدیث کی تخریج میں کبھی کبھی دس پندرہ کتابوں کے نام بہ طور حوالہ ذکر فرماتے۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ آپ اس کی تصحیح و تخریج فرماتے ہیں اور نتائج کی نشان دہی بھی فرماتے ہیں۔ اسی طرح مرادِ حدیث میں کسی سے چوک ہوئی تو اس پر بھی آگاہ فرماتے ہیں۔

(ج) مسائلِ فقہیہ کے استخراج اور استنباط وتائید میں ضمناً کئی علوم کا بکثرت استعمال فرمایا۔ لغت، صرف، معانی، بیان، منطق وفلسفہ، حساب اقلیدس اور ہیئت وغیرہ سے مدد لینے میں کسر نہیں اٹھا رکھتے۔

علوم کی معرفت وممارست بہت ہی اہم اور مشکل شے ہے۔ لیکن کمالِ علم ووفورِ علم یہ ہے کہ علوم غیر متعلقہ سے بھی مقصد برآری میں کامیابی حاصل کرلی جائے۔ اور سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ علوم وفنون کو دینِ متین کی خدمت میں بھی لگا دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت کو یہ خصوصیت بدرجۂ کمال حاصل تھی۔

اعلیٰ حضرت کے فتویٰ وغیرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اوّل نظر میں آپ کی حسب ذیل خصوصیات کا ادراک ہر قاری کو ہوتا ہے۔

(۱) جس مسئلے کی تحقیق فرماتے ہیں اس میں اقوالِ سلف کا استقصاء فرماتے ہیں۔

(۲) احتمالِ شقوق کا استیعاب کرتے ہیں۔

(۳) غیر معتمد اقوال وشقوق پر کلام وافر فرماتے ہیں۔

(۴) کلامِ سلف کی توجیہات کرتے ہیں۔

(۵) اقوالِ سلف کی توجیہات کرتے ہیں۔

(۶) تطبیق وتوجیہ ناممکن ہو تو ترجیح دیتے ہیں۔

(۷) توجیہ وتوفیق اور ترجیح کے اسباب وعلل پر مدلل کلام فرماتے ہیں۔

(۸) ضوابط کلیہ وضع فرماتے ہیں۔
(۹) اصلاح واضافہ فرماتے ہیں۔
(۱۰) دلائل کا تکاثر پایا جاتا ہے۔
(۱۱) دلائل ومسائل کی بھرپور تنقیح فرماتے ہیں۔
(۱۲) مسائلِ جدیدہ کا استنباط فرماتے ہیں۔
(۱۳) علومِ عصریہ سے دینی مسائل کی تائید فرماتے ہیں۔

اس قسم کی بے شمار خوبیاں اعلیٰ حضرت کی فقہی تصانیف میں نظر آتی ہیں۔ جو قاری، فقہ میں جتنی بصیرت رکھتا ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کے خزانۂ علم میں اضافہ ہوگا اور اعلیٰ حضرت کے تفقہ سے اس کا تاثر بھی اسی حساب سے ہوگا۔

اعلیٰ حضرت کی انہی فقہی تحقیقات اور بے مثال تنقیحات کے بعد علامہ سید اسماعیل مفتیِ حرم علیہ الرحمہ پکار اُٹھے: ''لو راٰہ الامام ابو حنیفہ لجعلہ فی اصحابہ'' (الاجازات المتینہ، ص۹)

ایک حد تک ہم بھی اس رائے سے متفق ہیں کہ اعلیٰ حضرت قواعدِ اصول وفروعِ احکام میں امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد تھے اور تقلیدی شان کے ساتھ ہی منصبِ اجتہاد فی المسائل واجتہاد فی المذہب کی پوری اہلیت رکھتے تھے۔ آپ کے معاصرین بھی آپ کی تبحر علمی اور ملکۂ استخراج پر اعتماد رکھتے تھے۔ بلاشبہ آپ نے فقہ حنفی کے لیے بہترین مواد اور عظیم ترین سرمایہ چھوڑا ہے۔ رحمہ اللہ تعالی رحمۃً واسعۃً

مسلک اعلیٰ حضرت کا گلشن

شکیل اثر نورانی بریلی شریف

مسلک اعلیٰ حضرت کا گلشن پھولتا اور پھلتا رہے گا
اس پہ چھائی رہیں گی بہاریں اس کا ہر گل مہکتا رہے گا
یہ ہوائے حدائق بخشش باغ طیبہ سے آتی رہیں گی
نور الدولۃ المکیہ سے زور ظلمات گھٹتا رہے گا
زندگی مسکراتی رہے گی نغمہ نعت گاتی رہے گی
دور صہبائے عشق نبی کا اہل سنت میں چلتا رہے گا
یہ عطائیں تو بغداد کی ہیں ان میں برکات مارہروی ہیں
ہے حسین وحسن کا یہ صدقہ روز افزوں یہ بڑھتا رہے گا
سنیوں کی ہے تقدیر روشن دل بھی روشن ہیں چہرے بھی روشن
ہے وہابی اندھیروں کا خوگر ظلمتوں میں بھٹکتا رہے گا
جو ہوائے مخالف چلے گی خاک سر پر اڑاتی پھرے گی
چہرہ مسلک اعلیٰ حضرت نور حق سے دمکتا رہے گا
یہ جو فکر شکیل اثر ہے سب یہ مرشد کا فیض نظر ہے
دم میں جب تک ہے دم ان شاء اللہ یہ قلم یونہی چلتا رہے گا

مرکز اہل سنت کی تصنیفی خدمات

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

چودہویں صدی ہجری میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے کاروان اہل سنت وجماعت کی ایسی بے مثال قیادت فرمائی اور دین اسلام کی سچی تعلیمات سے اس طرح روشناس کرایا کہ سواد اعظم اہل سنت نے آپ کو چودھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا اور آپ کے مولد ومسکن شہر بریلی کو "مرکز اہل سنت" سے تعبیر کیا گیا جو آج تک اسی لقب سے مشہور ومعروف ہے۔ آج بھی مرکز اہل سنت بول کر یہی شہر مراد ہوتا ہے اور اسی شہر سے اٹھنے والی حق وصداقت کی آواز پر سواد اعظم اہل سنت لبیک کہتے چلے آئے ہیں۔

مرکز اہل سنت مختلف حیثیتوں سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، مگر مجھے اس مقالے میں حکم دیا گیا کہ میں مرکز کی تصنیفی خدمات کا اختصاراً ایک جائزہ پیش کروں، اگرچہ موضوع نہایت وسعت چاہتا ہے اور سیکڑوں صفحات اس کے لیے لازمی وضروری ہیں مگر میں سیدنا اعلیٰ حضرت اور آپ کے خاندان کے معزز ومکرم حضرات کی مختصر سوانح، پھر تصانیف کی فہرست اور نہایت مختصر انداز میں بعض تصانیف کا تعارف پیش کروں گا۔

سیدنا اعلیٰ حضرت نے پچاس سے زیادہ موضوعات پر ایک ہزار کے قریب کتابیں تصنیف فرمائیں جیسا کہ مشہور ہے۔ آپ کی تصانیف کی مختلف ادوار میں متعدد حضرات نے فہرستیں تیار کیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

اس مقالے میں اعلیٰ حضرت کی تصانیف کے ساتھ مندرجہ ذیل سات حضرات کی قلمی خدمات کی وضاحت بھی کی جائے گی:

۱۔ استاذ زمن حضرت علامہ مولانا حسن رضا خاں (برادر اوسط اعلیٰ حضرت)

۲۔ حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خاں (خلف اکبر اعلیٰ حضرت)

۳۔ مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا مصطفی رضا خا (خلف اصغر اعلیٰ حضرت)

۴۔ استاذ العلما حضرت علامہ مولانا حسنین رضا خاں (شہزادۂ استاذ زمن)

۵۔ مفسر اعظم حضرت علامہ مولانا ابراہیم رضا خاں (نبیرۂ اعلیٰ حضرت)

۶۔ صدر العلما حضرت علامہ مولانا تحسین رضا خاں (نبیرۂ استاذ زمن)

۷۔ تاج الشریعہ حضرت علامہ مولانا اختر رضا خاں (نبیرۂ اعلیٰ حضرت)

محققین رضویات نے اعلیٰ حضرت کی تصانیف پر تبصرہ اور ان کی تقسیم مختلف جہات سے کی ہے، ہم یہاں مختصر سوانح کے ساتھ علوم وفنون اور دیگر عنوانات کے اعتبار سے صرف تعداد تصانیف شمار کر رہے ہیں، اس کے بعد بعض تصانیف کا اجمالی تعارف پیش کیا جائے گا۔

مختصر سوانح اعلیٰ حضرت:

اعلیٰ حضرت کی ولادت ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ / ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء بروز ہفتہ ظہر کے وقت بریلی شہر کے محلہ جسولی میں ہوئی۔ پیدائشی نام ''محمد'' رکھا گیا اور عرفی نام ''احمد رضا'' تجویز ہوا، تاریخی نام ''المختار'' ہے جس سے ۱۲۷۲ کا عدد نکلتا ہے، گھر والے آپ کو ''امّن میاں'' کے نام سے پکارتے تھے۔

شجرۂ نسب اس طرح ہے: امام احمد رضا بن مفتی نقی علی خاں بن امام العلما مفتی رضا علی خاں بن حافظ کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں بن سعادت یار خاں بن سعید اللہ خاں (شجاعت جنگ)۔

عہد طفلی: آپ کا بچپن بہت ناز ونعم میں گزرا، فطری طور پر ذہین تھے اور حافظہ نہایت قوی تھا، طہارت نفس، اتباع سنت، پاکیزہ اخلاق اور حسن سیرت سے آپ کی ذات متصف تھی، عالم طفولیت ہی سے آپ کی پیشانی پر سعادت وارجمندی کے آثار ہویدا تھے۔

تعلیم، فراغت اور فتویٰ نویسی:

آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ ختم کیا، چھ سال کی عمر میں پونے دو گھنٹے تقریر فرمائی، اور ۱۳ر سال ۱۰ر ماہ ۵ر دن کی عمر میں فاضل اجل اور عظیم عالم ومفتی ہو گئے تھے۔ جس دن پڑھ کر فارغ ہوئے اسی دن رضاعت کے مسئلہ پر فتویٰ لکھا، اس میں یہ واضح کیا کہ وہ کونسی صورتیں ہیں کہ کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ اس کی رضاعی ماں ہو جاتی ہے۔ جس دن پہلا فتویٰ لکھا تو والد ماجد نے اس کو دیکھا جو بالکل صحیح تھا، لہذا اسی دن سے آپ کو فتویٰ لکھنے کے لیے بٹھا دیا اور خود سبکدوش ہو گئے۔

زمانہ طالب علمی میں تصنیف وتالیف اور اساتذہ:

آپ نے اپنے تعلیمی دور میں صرف آٹھ سال کی عمر میں فن نحو کی مشہور کتاب ''ہدایۃ النحو'' کی شرح لکھی جو کہیں غائب ہو گئی، اسی طرح ۱۰ر سال کی عمر میں اصول فقہ کی مشہور کتاب ''مسلم الثبوت'' پر حاشیہ لکھا جب آپ مسلم الثبوت پڑھتے تھے۔ یہ حاشیہ موجود ہے مگر ابھی تک چھپ نہیں سکا۔ اس لیے کہ اس کی اصل ابھی تک نہیں مل سکی اور موجودہ نقل میں غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔

اسی طرح صفات باری تعالیٰ کے تعلق سے آپ نے عربی زبان میں ایک کتاب ''القول النجیح'' نام سے لکھی، یہ کتاب بھی آپ کے طالب علمی کے زمانے کی ہے، لیکن اس کا نام تاریخی نہیں۔ پھر اس پر آپ نے ایک حاشیہ ''السعی المشکور'' کے نام سے ۱۲۹۰ھ میں لکھا جب آپ کی عمر مبارک ۱۸ر سال تھی۔ (یہ دونوں کتابیں پہلی مرتبہ فتاویٰ رضویہ ۲۲ر جلدوں کے سیٹ میں ہمارے یہاں ''امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف'' سے شائع ہو چکی ہیں)۔

درس نظامی مکمل کرنے کے بعد ایک مرتبہ آپ کا رام

پور جانا ہوا تو وہاں چھ ماہ رہ کر ماہر علم ریاضی حضرت مولانا عبد العلی صاحب رامپوری سے شرح چغمینی کے چند اسباق پڑھے۔ آپ کے یہ استاذ رام پور میں ''ریاضی داں'' کے نام سے مشہور تھے۔ یہ کتاب علم ہیئت میں ہے۔

طریقت کی تعلیم ایک ہی نشست میں مرشد گرامی حضور خاتم اکابر ہند حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ سے ایسی پائی کہ مرشد اعظم نے اپنے رنگ میں رنگ دیا جس سے متاثر ہو کر تھوڑی دیر کو خدام درگاہ بھی سکتے میں رہ گئے۔ پھر مرشد گرامی کے وصال کے بعد آپ کے پوتے اور سجادہ نشین حضور سرکار نور ابوالحسین احمد نوری سے بعض علم طریقت اور تکسیر و جفر کا علم حاصل کیا۔

پہلے حج کے واقعات:

آپ نے پہلا حج ۱۲۹۵ھ میں کیا جب آپ کی عمر کو ۲۳واں سال تھا، مکہ مکرمہ کی حاضری کے دوران ایک دن نماز مغرب کے بعد مقام ابراہیم کے پاس امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح جمل اللیل بغیر کسی تعارف کے آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دولت کدہ پر لے گئے، دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑے رہے اور فرمایا: اِنّی لأجد نور اللّٰہ فی ھذا الجبین۔ بیشک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں۔ پھر صحاح ستہ (بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف) کی سند اجازت عطا فرمائی اور فرمایا: تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے۔

آپ نے ایک رات مسجد خیف شریف منیٰ میں گزاری تو رات کو جاگتے میں مغفرت کی بشارت سے سرفراز ہوئے۔ اسی حج کے موقع پر جب زیارت روضہ انور کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو شوق دیدار میں روضہ شریف کے مواجہ میں درود شریف پڑھتے رہے اور یقین کیا کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضرور عزت افزائی فرمائیں گے اور اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں گے۔ لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا تو افسردہ خاطر ہو کر ایک غزل لکھی، یہ غزل مواجہ اقدس میں پڑھی اور انتظار میں باادب بیٹھ گئے، قسمت جاگ اٹھی اور اپنی آنکھوں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار پرانوار کیا۔ (حیات اعلیٰ حضرت)

بیعت و خلافت کا واقعہ:

ایک دن اعلیٰ حضرت قبلہ کسی خیال میں روتے روتے سو گئے، خواب میں آپ کے دادا حضور مولانا رضا علی خاں صاحب قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور فرمایا: وہ شخص جلد ہی آنے والا ہے جو تمہارے اس درد کی دوا کرے گا۔ چنانچہ اس خواب کے دوسرے یا تیسرے دن تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی علیہ الرحمہ تشریف لائے، ان سے بیعت کے متعلق مشورہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ جلد ہی مارہرہ شریف چل کر بیعت ہو جانا چاہئے۔

پھر بریلی سے چار حضرات مارہرہ شریف کے لیے روانہ ہوئے: حضرت تاج الفحول، اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں، اعلیٰ حضرت کے استاذ حضرت مولانا غلام قادر بیگ، اور اعلیٰ حضرت۔

ٹرین کے ذریعے سفر طے ہوا، جب اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد کے ساتھ مارہرہ شریف مرشد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مرشد اعظم نے فرمایا: آیئے ہم تو کئی روز سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر مرید فرما کر خلافت سے بھی نوازدیا۔

بعض مریدین جو اس وقت حاضر تھے انہوں نے عرض کیا: حضور اس بچے پر یہ کرم کہ مرید ہوتے ہی تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمادی، نہ کوئی ریاضت کا حکم، نہ چلہ کشی کرائی، فرمایا: سنو! یہ بالکل تیار آئے تھے انہیں صرف نسبت کی ضرورت تھی، وہ مرید ہو کر پوری ہوگئی، لہذا ان کو خلافت دے دی گئی۔

سوال کا جواب دے کر حضور مرشد گرامی آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ارشاد فرمایا: فکر تھی، کل میدان قیامت میں اللہ رب العزت مجھ سے فرمائے گا کہ اے آل رسول! تم دنیا سے ہمارے لیے کیا لائے؟ تو میں کیا پیش کروں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ فکر دور ہوگئی، اب میں اس سوال کے جواب میں احمد رضا کو پیش کروں گا۔

ذہانت وقوت حافظہ کے واقعات:

مولوی احسان حسین صاحب جو اعلیٰ حضرت کے ابتدائی عربی کتابوں میں ساتھی تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ شروع ہی سے اعلیٰ حضرت کی ذہانت کا یہ حال تھا کہ استاذ سے کبھی چوتھائی کتاب سے زیادہ نہیں پڑھی، چوتھائی کتاب کے بعد بقیہ تمام کتاب از خود پڑھ کر اور یاد کر کے سنا دیتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے بہت شاندار قوت حافظہ عطا فرمائی تھی۔

معمولات شب وروز:

اعلیٰ حضرت کے شب وروز کے معمولات میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) عصر کی نماز کے بعد موسم گرما میں عام طور پر پھاٹک میں تشریف رکھتے اور حاضرین محفل کو اپنے مبارک کلمات سے فیضیاب فرماتے۔

(۲) موسم سرما میں بعد عصر اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں تشریف رکھتے اور ملفوظات عالیہ سے سرفراز فرماتے۔ سامعین بھی اعتکاف کی نیت سے موجود رہتے۔

(۳) جمعہ کے دن معمول تھا کہ نماز جمعہ کے بعد پھاٹک میں تشریف فرما ہوتے،

(۴) مغرب کی نماز ادا فرما کر زنانہ مکان میں تشریف لے جاتے۔

(۵) پانچوں وقت نماز باجماعت کے لیے مسجد میں حاضر ہوتے۔

(۶) نماز کے اوقات کے علاوہ جب آپ اپنے گھر میں تشریف فرما، ہوتے تو اگر شہر یا بیرون شہر سے کوئی صاحب ملنے حاضر آتے اور آپ کو اطلاع کرائی جاتی تو آپ فوراً باہر تشریف لاتے۔

(۷) اگر کوئی آپ کی دعوت کرتا تو اس کی دل جوئی کے لیے ضرور اس کے یہاں تشریف لے جاتے اور کھانا بھی تناول فرماتے خواہ وہ کھانا آپ کے پرہیز کے خلاف ہی ہوتا۔

(۸) جب بستر پر آرام فرماتے تو بشکل محمد لیٹتے، یعنی داہنی کروٹ پر دونوں ہاتھ کہنیوں سے موڑ کر سر کی طرف رکھتے جس سے میم اور حا کا نقشہ بن جاتا اور کمر دوسری میم کی طرح اور پائے اقدس گھٹنوں سے موڑ کر رکھتے کہ دال کی شکل بن جاتی۔

(۹) کبھی ٹھٹھا لگا کر نہ ہنستے، ہمیشہ ایسے وقت میں صرف مسکراتے۔

(۱۰) جمائی آنے پر انگلی دانتوں میں دبا لیتے اور کوئی آواز نہ نکالتے۔

(۱۱) کلی کرتے وقت بایاں ہاتھ داڑھی مبارک پر رکھ کر جھکتے اور پانی گراتے۔

(۱۲) کبھی قبلہ کی جانب نہ تھوکتے۔

(۱۳) قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ پھیلاتے۔

(۱۴) فرض نماز عمامہ کے ساتھ ادا فرماتے۔

(۱۵) لوہے کا قلم کبھی نہ استعمال فرماتے۔

(۱۶) خط بنواتے وقت اپنا کنگھا اور شیشہ استعمال فرماتے۔

(۱۷) پابندی سے مسواک فرماتے۔

(۱۸) ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانو پر رکھ کر نہ بیٹھتے بلکہ اس کو ناپسند فرماتے،

(۱۹) آپ کے بیٹھنے کا طریقہ عام طور پر لکھتے اور پڑھتے وقت یہ تھا کہ دونوں پاؤں سمیٹ کر دونوں زانو اٹھائے رہتے، یا پھر سیدھا زانو مبارک اٹھا رہتا اور دوسرا بچھا رہتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ضرورت کے وقت بایاں زانو اٹھاتے تو داہنا بچھا لیا کرتے تھے۔

(۲۰) ذکر میلاد شریف کی مجلس میں شروع سے آخر تک بطور ادب دو زانو ہی بیٹھے رہتے تھے اور وعظ بھی اسی طرح بیٹھ کر فرماتے۔

(۲۱) ہفتہ میں دو بار جمعہ اور منگل کو لباس تبدیلی فرمایا کرتے تھے۔ ہاں اگر جمعرات کو عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا عیدین کا دن ہوتا تو اس دن بھی آپ لباس بدل لیا کرتے تھے۔

(۲۲) آپ کا راہ میں چلنا اس آہستگی کے ساتھ تھا کہ عام طور پر لوگوں کو آپ کے چلنے پھرنے کا احساس ہی نہیں ہو پاتا۔

(۲۳) حاضرین بارگاہ کا کہنا ہے کہ آپ زنان خانہ سے نکل کر پورا صحن طے فرما کر باہر سردری میں تشریف لے آتے اور ہمیں آپ کی آہٹ تک محسوس نہ ہوتی کہ آپ خود ہی آکر سلام کرتے تو ہم خبردار ہوتے۔

(۲۴) آپ مسجد میں نماز سے فارغ ہوکر پھاٹک کی طرف تشریف لے جاتے تو اپنا عمامہ اتار کر بغل میں دبا لیا کرتے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے چلتے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہر قدم پر کچھ پڑھتے ہوئے جا رہے ہیں، نگاہیں اکثر نیچی رہتی تھیں مگر کبھی سامنے بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔

(۲۵) مسجد میں ہمیشہ داہنا قدم پہلے رکھتے۔

(۲۶) مسجد سے باہر آتے وقت پہلے الٹا قدم نکالنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اس لیے آپ اس موقع پر الٹا قدم جوتے کے بالائی حصے پر قائم فرما کر سیدھے پاؤں میں پہلے جوتا پہنتے پھر الٹے میں۔

(۲۷) بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت عصائے مبارک باہر بازو کو کھڑا کر کے جاتے، شاید اس میں دو مصلحتیں مضمر تھیں: ایک تو یہ کہ دوسرا شخص آنے نہ پائے۔ دوسرے عصائے مبارک مسجد میں ساتھ رہتا تھا بلکہ اس کے سہارے سے قیام میں قیام فرماتے، اسی لیے احتیاط ملحوظ رکھتے، والحمدللہ

(۲۸) بینی پاک کرنے اور استنجا فرمانے کے سوا آپ کے ہر فعل کی ابتدا سیدھے ہی جانب سے ہوتی تھی۔

(۲۹) نماز جمعہ کے لیے جس وقت تشریف لاتے، فرش مسجد پر قدم رکھتے ہی حاضرین سے بتقدیم سلام فرماتے۔

(۳۰) اعداد بسم اللہ شریف (۷۸۶) عام طور سے لوگ جب لکھتے ہیں تو ابتداء ۷ سے کرتے ہیں پھر ۸ لکھتے ہیں اس کے بعد ۶، مگر اعلیٰ حضرت پہلے ۶ تحریر فرماتے پھر ۸ تب ۷۔

صلابت دینی:

آپ دینی امور میں بہت سخت تھے، کسی طرح کی کوئی بات دین کے خلاف پسند نہیں فرماتے تھے۔ اللہ و رسول سے محبت کرنے والوں کو اپنا عزیز سمجھتے اور ان کے دشمن کو اپنا دشمن جانتے تھے۔ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ اتباع سنت کے انوار سے منور تھا اور صلہ رحمی آپ کا شعار تھا۔

بچوں اور غریبوں کی دل جوئی اور غربا پروری:

آپ بچوں پر نہایت شفقت فرماتے اور ان کا دل رکھنا آپ کو بہت پسند تھا۔ ایک روز ایک کم سن صاحبزادے اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی بے تکلفی سے آپ سے کہنے لگے کہ میری بوا (ماں) نے آپ کی دعوت کی ہے۔ کل صبح بلایا ہے، اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان کی بے تکلفی پر مزاحاً دریافت فرمایا کہ دعوت میں کیا کھلاؤ گے ،صاحبزادے نے اپنے کرتے کا دامن جسے دونوں ہاتھوں سے پکڑے تھے پھیلا کر دکھا دیا۔ اس میں ماش کی دال اور کچھ مرچیں تھیں اور کہا دیکھئے نا یہ لایا ہوں۔ اعلیٰ حضرت نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا کہ میں اور یہ (حاجی کفایت اللہ صاحب کی طرف اشارہ فرمایا) آئیں گے، اور حاجی صاحب کو حکم دیا کہ ان سے مکان کا پتہ دریافت کر لیجیے۔ صاحبزادے مکان کا پتہ بتا کر خوش خوش لوٹ گئے۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر اعلیٰ حضرت قبلہ اندر سے تشریف لائے اور حاجی صاحب سے فرمایا چلیے! انہوں نے عرض کیا: کہاں؟ فرمایا: صاحبزادے کے یہاں جو کل دعوت کا کہہ گئے تھے، آپ نے مکان کا پتہ معلوم کر ہی لیا ہوگا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا: ہاں حضور ان کا مکان محلہ ملوکپور میں ہے، یہ کہہ کر ساتھ ہو لیے۔ جس وقت ان کے مکان پر پہنچے تو صاحبزادے اپنے دروازے پر کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت کو دیکھتے ہی یہ کہتے ہوئے اندر کو بھاگے ارے مولوی صاحب آگئے۔ ان کے دروازے پر ایک چھپر پڑا تھا جس کے سایہ میں اعلیٰ حضرت اور حاجی کفایت اللہ صاحب کچھ دیر منتظر کھڑے رہے۔ اس کے بعد ایک بوسیدہ چٹائی آئی اور ایک ڈلیا میں باجرہ کی گرم گرم روٹیاں آئیں۔ مٹی کی رکابی میں ماش کی دال آئی جس میں مرچوں کے ٹکڑے ٹوٹے ہوئے پڑے تھے۔ یہ رکھ کر صاحب زادے نے کھانے کو کہا، فرمایا: ہاتھ دھونے کے لیے پہلے پانی تو لائیے، وہ پانی لینے مکان میں گئے تو حاجی صاحب نے یہ عرض کیا: یہ مکان تو نقارچی کا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے ان سے کبیدہ خاطر ہو کر فرمایا: ابھی سے کیوں کہہ دیا۔ کھانے کے بعد کہتے۔ اتنے میں صاحبزادے پانی لے کر آگئے۔ آپ نے ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کے والد کہاں ہیں، اور کیا کام کرتے ہیں؟ پردے کی آڑ سے ان کی ماں نے عرض کیا کہ میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، وہ پہلے کبھی نوبت بجاتے تھے، اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی تھی، اور اب تو کمانے والا صرف یہ لڑکا ہے جو راجوں کے ساتھ مزدوری کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے خدا کا شکر ادا کیا اور ان لوگوں کے لئے دعائے خیر و برکت کی۔ حاجی صاحب بھی شریک طعام رہے۔ حاجی صاحب کے دل میں یہ خیال گشت کرتا رہا کہ اعلیٰ حضرت کے کھانے میں گھر پر تو یہ احتیاط برتی جاتی ہے کہ بجائے چپاتی کے سوجی کا بسکٹ ملاحظہ فرماتے ہیں، یہاں باجرہ کی روٹی اور ماش کی دال کھانا پڑی ہے۔ قربان ان اخلاق کریمانہ کے کہ میزبان کی دل شکنی کے اندیشے سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ میزبان کا دل رکھنے کے

لیے پوری توجہ سے کھانا کھارہے ہیں۔غرض یہ کہ وہاں خوب سیر ہوکر کھانا کھایا۔حاجی صاحب کا پورا ساتھ دیا۔واپسی پر حاجی صاحب سے فرمایا کہ اگر ایسی پرخلوص دعوت ہوا کرے تو میں روز کھاؤں۔ورنہ گھر پر سوائے گوشتِ بز یا چوزے کے اور کوئی چیز پیش نہ کی جاتی تھی۔یا بعض وہ میٹھی اور ٹھنڈی چیزیں جو آپ کو مضر نہ ہوتیں۔اس پرہیز کا سبب آپ کی علالت اور کمزوری تھی جو تیرہ چودہ سال کی عمر سے مسلسل بیٹھے رہ کر لکھنے سے عارض ہوئی تھی۔آخر عمر تک یکساں یہی حالت رہی۔درد گردہ کے آپ مستقبل مریض تھے جس کے کبھی کبھی دورے پڑجاتے تھے۔مگر اپنے کام کے آگے وہ ان موانع کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

(سیرت اعلیٰ حضرت ص ۹۹ تا ۱۰۰)

وصال اقدس:

سیرت اعلیٰ حضرت میں ہے:

امام احمد رضا قدس سرہ ان اولیائے کاملین میں سے تھے جن کے قلوب پر فرائض الٰہیہ کی عظمت چھائی رہتی ہے۔چنانچہ جب ۱۳۳۹ھ کا ماہ رمضان المبارک مئی جون ۱۹۲۱ء میں پڑا اور مسلسل علالت اور ضعف کے باعث آپ نے اپنے اندر امسال کے موسم گرما میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ پائی تو اپنے حق میں فتوی دیا کہ میں پہاڑ پر جاکر روزہ رکھ سکتا ہوں اور میرے اندر یہ وسعت واستطاعت بھی ہے، لہذا وہاں جاکر روزے رکھوں گا، چناں چہ آپ نے وہاں جاکر روزے رکھے۔

اسی دوران آپ نے مشہور محدث امام المحدثین حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی ثم پیلی بھیتی کی تاریخ وصال اس آیت کریمہ سے نکالی: {یُطَافُ عَلَیْھِم بِاٰنِیَۃٍ مِّنْ فِضَّۃٍ وَّ اَکْوَابٍ }[الانسان:۱۵] ۱۳۳۴ھ۔ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا۔آپ کا وصال ۱۳۳۴ھ میں ہوچکا تھا اور امام احمد رضا قدس سرہ کے نہایت مخلص دوستوں میں تھے۔

تاریخ وصال نکالنے کے بعد فرمایا:اس آیت کے شروع میں واو ہے، اگر اس کو باقی رکھ کر حساب کیا جائے تو دوست دوست سے مل جائے گا۔حاضرین نے اس وقت تو غور نہ کیا لیکن جب ۱۳۴۰ھ میں وصال ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ تو اعلی حضرت نے باتوں ہی باتوں میں اپنے وصال کی خبر دی تھی، کیوں کہ بحساب ابجد 'واؤ' کے عدد چھ ہیں، اس طرح ۱۳۳۴ میں چھ کا اضافہ کرکے ۱۳۴۰ ہوتے ہیں۔یہ واقعہ وصال سے چھ ماہ پہلے کا ہے۔

قارئین ان کی سنہ ولادت کا استخراج اور اس کی توجیہ پڑھ چکے ہیں، اب دونوں کو جمع کیجئے تو صاف ظاہر ہوگا کہ سنہ ولادت کی آیت کریمہ ان کے ایمان راسخ کا پتہ دیتی ہے تو اس پر مرتب ہونے والا نتیجہ بفضلہ تعالیٰ آخرت میں یہ ہی ہوگا کہ جنت کی ابدی راحتوں میں سونے چاندی کے ساغر وصراحی لیے حور وغلماں ان پر پیش ہوتے رہیں گے اور یہ دور ہمیشہ چلتا رہے گا۔

۲۵/صفر ۴۰ھ کو لوگ بعد نماز فجر حسب معمول مزاج پرسی کے لیے آئے تو اعلی حضرت قبلہ کی طبیعت اس قدر شگفتہ اور بحال تھی کہ لوگوں کو مسرت ہوئی اور یہی حالت رحلت تک رہی۔

وصال:

۱۲/بجے دن کے بعد اعلی حضرت قبلہ نے جائداد کا وقف نامہ لکھوایا اور اپنے دستخطوں سے مزین فرمایا، اس کے

بعد حضرت حجۃ الاسلام سے سورۂ رعد پڑھوائی جسے بڑے اطمینان سے بغور سنتے رہے پھر یٰسین شریف پڑھوائی۔ ۲/ بجے کے بعد پانی طلب فرمایا جو پیش کیا گیا، پانی پی کر کلمۂ طیبہ پڑھنے لگے کچھ دیر کے بعد صرف اسم جلالت اللہ، اللہ کا ورد فرمایا یہاں تک کہ دو بج کر ۳۸/ منٹ پر داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ان کی روح پاک اپنے رفیق اعلی کی بارگاہ میں چلی گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ جمعہ کا دن تھا، صفرالمظفر کی ۲۵/ تاریخ تھی، دو بج کر ۳۸/ منٹ ہوئے تھے جب کہ دنیاء اسلام میں خطیب منبروں پر خطبوں میں بلند آواز سے پڑھ رہے تھے: اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجعلنا منھم۔ اے اللہ اسکی مدد کر جس نے تیرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی مدد کی اور ہمیں بھی ان کی ہمراہی کا شرف عطا فرمایا۔ ان کی روح ان دعاؤں کے جھرمٹ میں ملی جلی بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

تکفین وتدفین:

چناں چہ وصال کے بعد فوراً جمعہ کی تیاری کی آواز لگادی گئی اور سب حاضرین واہل خانہ بجائے آہ وبکا وگریہ وزاری کے جمعہ کی تیاری میں لگ گئے، جمعہ کے بعد لوگ بہت آ گئے، تجہیز وتکفین وتدفین کا مشورہ ہوا، فوراً ۴۵ تار دیئے گئے جہاں جہاں سے لوگ آسکتے تھے وہ دفن کے مقررہ وقت تک بریلی آگئے، غسل میں سادات عظام اور علمائے کرام واہل خاندان نے شرکت کی، جنازہ تیار ہوا تو کفن لانے والے صاحب عطر بھول گئے تھے، عین ضرورت کے وقت محلہ پنیٹھ میراں کے ایک حاجی صاحب اعلی حضرت قبلہ کی نذر کے لئے مدینہ پاک سے عطر وغلاف کعبہ، آب زمزم، خاک شفا وغیرہ لے کے آگئے، یہ عطیہ عین وقت پر پہونچا، یہ سب چیزیں فورا کام آئیں۔ رونمائی کے بعد جنازہ نماز کے لیے عیدگاہ چلا اس واسطے کہ وسط شہر میں کوئی ایسا وسیع میدان نہ تھا بجز ایک ارض مغصوبہ کے۔ سوداگری محلہ سے عیدگاہ تک جو کشمکش رہی ہے وہ کبھی نہ دیکھی، یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اس چھین جھپٹ میں پلنگ ٹوٹ کے ٹکڑے ہوجائے گا مگر شکر ہے کہ پلنگ سلامت رہا۔

شامی بزرگ کا خواب:

استاذ العلماء جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت مولانا حافظ عبد العزیز صاحب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ مبارک پور فرماتے ہیں:

میری زندگی کا سب سے بہترین زمانہ دار الخیر اجمیر شریف کی حاضری کا وہ دور طالب علمی ہے جس میں نو سال تک سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دربار میں حاضری نصیب ہوئی، اور استاد محترم حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ کی کفش برداری کا شرف حاصل رہا۔ اس مبارک زمانہ میں اکثر علماء ومشائخ وبزرگان دین کی زیارت میسر آتی تھی۔ انہیں بزرگوں میں سے حضرت دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ماموں صاحب قبلہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جو بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، دیوان صاحب کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے، موصوف کی خدمت میں حاضری ہوا کرتی تھی، اکثر بزرگان دین کے واقعات بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت موصوف نے بیان فرمایا کہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے، ان کی آمد کی خبر پاکر اُن سے

ملاقات کی۔ بڑی شان وشوکت کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں بڑا ہی استغنا تھا۔ مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے ہیں اُن کی بھی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ نذرانہ پیش کرتے تھے، مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ بفضلہٖ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں، مجھے ضرورت نہیں۔ ان کے اس استغنا اور طویل سفر سے تعجب ہوا، عرض کیا: حضرت یہاں تشریف لانے کا سبب کیا ہے۔ فرمایا: مقصد تو بڑا از ریں تھا لیکن حاصل نہ ہوا جس کا افسوس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی، خواب میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں، لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا: فداک ابی و امی، کس کا انتظار ہے۔ ارشاد فرمایا: احمد رضا کا انتظار ہے۔ میں نے عرض کیا احمد رضا کون ہیں۔ فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا۔ میں ہندوستان آیا بریلی پہنچا۔ معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور وہی ۲۵ رصفر المظفر کی تاریخ وصال تھی۔ میں نے یہ طویل سفر صرف ان کی ملاقات کے لیے ہی کیا لیکن افسوس کہ ملاقات نہ ہو سکی۔

اس سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مقبولیت بارگاہ رسالت میں معلوم ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو عاشقانِ رسول یوں ہی نوازے جاتے ہیں۔ عبد العزیز عفی عنہ ۸ ر ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ

(ماہنامہ پاسبان الہ آباد کا امام احمد رضا نمبر)

تصانیف باعتبار فن

(۱) علم عقائد (۳۱)
(۲) علم کلام (۱۷)
(۳) علم تجوید (۲)
(۴) علم تفسیر (۶)
(۵) علم اصول حدیث (۲)
(۶) علم حدیث (۱۱)
(۷) علم اصول فقہ (۹)
(۹) علم فرائض (۴)
(۱۰) علم رسم خط قرآن مجید (۱)
(۱۱) علم ادب عربی (۶)
(۱۲) علم لغت (۲)
(۱۳) علم سیر (۳)
(۱۴) علم فضائل (۳۰)
(۱۵) علم مناقب (۱۸)
(۱۶) علم سلوک (۲)
(۱۷) علم اخلاق (۲)
(۱۸) علم تصوف (۳)
(۱۹) علم اذکار (۵)
(۲۰) علم ترغیب وترہیب (۱)
(۲۱) علم تاریخ (۳)
(۲۲) علم مناظرہ (۱۸)
(۲۳) علم تکسیر (۱)
(۲۴) علم الوفاق (۱)

(۲۵) علم توقیت (۶)
(۲۶) علم ہیئت (۳)
(۲۷) علم حساب (۱)
(۲۸) علم ارثماطیقی (۳)
(۲۹) علم ریاضی (۳)
(۳۰) علم ہندسہ (۳)
(۳۱) علم جبر ومقابلہ (۱)
(۳۲) علم زیجات (۱)
(۳۳) علم جفر (۳)
(۳۴) علم نجوم (۱)

تصانیف باعتبار ردّ ومناظرہ

تصانیف:

(۱) ردنصاری (۳)
(۲) ردہنود (۱)
(۳) ردآریہ (۲)
(۴) ردنیچریہ (۷)
(۵) ردقادیانیہ (۶)
(۶) رد روافض (۴)
(۷) ردنواصب (۱)
(۸) ردوہابیہ (۷۶)
(۹) ردغیر مقلدین (۲۶)
(۱۰) ردندوہ (۱۷)
(۱۱) رد اسماعیل دہلوی (۱۰)
(۱۲) ردنانوتوی (۱۲)
(۱۳) ردگنگوہی (۲۵)
(۱۴) ردتھانوی (۹)
(۱۵) ردمولوی نذیر حسین (۶)
(۱۶) ردتفضیلیہ (۷)
(۱۷) ردمتصوفہ (۲)
(۱۸) ردمفسقہ (۷)

بعض تصانیف کا اجمالی تعارف

''فتاویٰ رضویہ کامل'' جو اب تک شائع ہونے والے ایڈیشنوں میں سب سے کامل واکمل سیٹ ہے ہمارے ادارے ''**امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف**'' سے مکمل تحقیق تخریج، ترتیب جدید اور خوبصورت کمپوزنگ کے ساتھ ۲۲ر جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، اسی کی ترتیب کے اعتبار سے پہلے ہر جلد کا نہایت مختصر اور اجمالی تعارف ملاحظہ کریں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱)

سیدنا اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ کی اس جلد میں طہارت کے مسائل کو بیان کیا ہے، اس میں چند مسائل زیر بحث آئے ہیں، یعنی فتویٰ ہمیشہ قول امام پر ہوتا ہے، رخصت کے بعض مقامات کا ذکر، وضو اور غسل کے سینکڑوں مسائل۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۲)

اس جلد میں بھی طہارت ہی کا بیان ہے، اس کے تحت مائے مستعمل کی تعریف، ملاقی اور ملقی کا فرق، پانی دَہ دَردَہ کی مقدار میں کب کہلائے گا، مائے مطلق کسے کہتے ہیں، بچے نے کوئیں یا نل سے پانی بھرا اس کا حکم کیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۳)

اس جلد میں بھی طہارت کا بیان ہے، اس کے تحت تیمم کا بیان ہے اور پوری تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ کن چیزوں سے تیمم جائز اور کن سے نہیں۔ نجاستوں کا بیان ہے اوران سے پاکی حاصل کرنے کے طریقوں پر سیر حاصل

گفتگو کی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۴)

اس جلد میں نماز کا بیان ہے اور اس کے بہت سے شرائط کا تذکرہ ہے، انہی میں وقت اور استقبال قبلہ پر بہت خوب تحقیق پیش کی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۵)

اس جلد میں بھی نماز کا بیان ہے، اور اس کے تحت نماز کے فرائض ودیگر متعلقہ مسائل کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۶)

اس جلد میں بھی نماز کا بیان ہے، خاص طور پر اس میں مسجد کے احکام، اور جمعہ وعیدین کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۷)

اس جلد میں جنائز کا بیان ہے، اس کے تحت کفن کی تفصیل، نماز جنازہ کی دعائیں، نماز جنازہ کی تکرار، غائبانہ نماز جنازہ، اور سماع موتی وغیرہ بہت مسائل پر محققانہ گفتگو ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۸)

اس جلد میں زکاۃ، صوم اور حج کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۹)

یہ پوری جلد نکاح کے مسائل پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۰)

اس جلد میں طلاق، قسم اور حدود وتعزیر کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۱)

یہ جلد سیر کے مسائل پر مشتمل ہے، یعنی ملکی حالات کہ ہندوستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب، خلافت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت، شخصی احوال یعنی کفر وارتداد وغیرہ کے احکام، موالات ومعاملات کی بحثیں، یہ سب کچھ تفصیل سے اس جلد میں موجود ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۲)

اس جلد میں معاملات کی شرکت، وقف کا بیان، اور خرید وفروخت کے مسائل ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۳)

اس میں کفالت، حوالہ، قضاء ودعویٰ، وکالت واقرار، صلح ومضاربت، اور امانت وعاریت کے احکام نہایت تحقیق سے بیان ہوئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۴)

اس جلد میں ہبہ واجارہ، اکراہ وحجر، غصب وشفعہ، قسمت ومضاربت، صید وذبائح، اور اضحیہ وعقیقہ کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۵)

یہ پوری جلد حظر واباحت یعنی اخلاقی مسائل پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۶)

اس میں بھی اخلاقیات موضوع بحث ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۷)

اس میں بقیہ اخلاقیات، مداینات واشربہ، رہن ووصیت، اور میراث وفرائض کے مسائل زیر بحث آئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۸)

یہ جلد عقائد وکلام کے اہم مسائل پر مشتمل ہے اور آپ نے ہر مسئلہ پر نہایت تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۱۹)

اس میں مناقب وفضائل کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۲۰)

یہ جلد رد ومناظرہ پر مشتمل ہے، چنانچہ اس میں فرق

اسماعیلیہ وہابیہ، دیو بندیہ، نیچریہ وغیرہ کا رد ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۲۱)

یہ جلد بھی ردو مناظرہ ہی پر مشتمل ہے، اور اس میں فرقہ روافض وتفضیلیہ کا ردو ابطال ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد ۲۲)

یہ جلد بھی ردو مناظرہ کے تعلق سے ہے، اولاً اس میں قادیانیوں اور فلسفیوں کا رد ہے، اور پھر کچھ مختلف اور منتشر ابواب ہیں جن پر کتاب ختم ہوگئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ کامل ۲۲ رجلدوں کے اس سیٹ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ہر جلد کے شروع میں تمام جلدوں کے رسائل کی فہرست دے دی گئی ہے جس سے بہت آسانی کے ساتھ قارئین تمام جلدوں کے رسائل کسی بھی جلد سے معلوم کر سکتے ہیں۔

بعض رسائل کا تعارف:

۱۔ أجلی الاعلام أن الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام۔ ۱۳۳۴ھ

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی مفتی کو جائز نہیں کہ وہ امام اعظم کے قول کے خلاف فتوے دے، اس لیے صاحبین یا ان میں سے کسی کے قول پر فتویٰ دینے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، پھر بسا اوقات صاحبین میں سے کسی کے قول پر فتویٰ کیوں دیا جاتا ہے؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے سات مقدمے بیان فرمائے ہیں اور خلاصہ کے طور پر آخری بات یہ سامنے آئی کہ جس قول پر فتویٰ ہوتا ہے وہ درحقیقت قول امام ہی ہے، قول صوری نہ سہی قول ضروری تو ضرور ہوتا ہے۔

۲۔ الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل۔

۱۳۲۰ھ

اس رسالہ میں مائے مستعمل کی تعریف اور پھر اس کی وضاحت ہے، فرماتے ہیں:

مائے مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیرِ نَجاستِ حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا، یعنی انسان کے کسی ایسے پارۂ جسم کو مَس کیا جس کی تطہیر وضو یا غُسل سے بالفعل لازم تھی، یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کارِ ثواب تھا، اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی امرِ ثواب کی نیّت سے استعمال کیا، اور یُوں اِسقاطِ واجب تطہیر یا اِقامتِ قربت کر کے عضو سے جُدا ہوا، اگرچہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ روانی میں ہے۔

۳۔ النمیقۃ الأنقی فی فرق الملاقی والملقی۔

۱۳۲۷ھ

اس رسالہ میں اس سوال کا جواب ہے کہ اگر بے وضو یا جنب کا ہاتھ یا اُنگلی یا ناخن وغیرہ لوٹے یا گھڑے میں پڑ جائے تو پانی وضو کے قابل رہتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

مکلّف پر جس عضو کا دھونا کسی نَجاستِ حکمیہ مثلِ حدَث وجنابت وانقطاعِ حیض ونَفاس کے سبب بالفعل واجب ہے، وہ عضو یا اُس کا کوئی حصہ اگرچہ ناخن یا ناخن کا کنارہ آبِ غیرِ کثیر میں (کہ نہ جاری ہے، نہ دَہ دَردَہ) بے ضرورت پڑ جانا پانی کو قابل وضو وغُسل نہیں رکھتا، یعنی پانی مستعمل ہو جاتا ہے، کہ خود پاک ہے اور نَجاستِ حکمیہ سے تطہیر نہیں کر سکتا، اگرچہ نَجاستِ حقیقیہ اس سے دھو سکتے ہیں۔

۴۔ النور والنورق لاسفار الماء المطلق۔

۱۳۳۴ھ

اس رسالہ میں سوال یہ ہے کہ: آبِ مطلق کہ وضو و غسل کے لیے درکار ہے، اُس کی کیا تعریف ہے؟ آبِ مقیّد کسے کہتے ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں: یہ مسئلہ نہایت معرکۃ الآراء ہے، فقیر بتوفیق القدیر اوّل جزئیاتِ منصوصہ ذِکر کرے، (۲) پھر تعریفِ مطلق و مقیّد؛ کہ اَصالۃً ضابطہ جامعہ کلیہ ہے اور دیگر ضوابط کے لیے معیار، (۳) پھر ضوابطِ جزئیہ متون (۴) پھر ضوابطِ کلیہ متاخّرین، (۵) پھر جزئیاتِ جدیدہ کے اَحکام، وما توفیقی الاّ باللہ، علیہ توکّلتُ والیہ أنیب۔

۵. عطاء النبی لافاضۃ أحکام ماء الصبی۔

۱۳۳۴ھ

اس رسالہ میں نابالغ بچے کے بھرے ہوئے پانی کا حکم بیان کیا گیا ہے، یعنی بچے کا بھرا ہوا پانی مملوک بھی ہے اور مباح بھی، تو ایسے پانی کی تین قسمیں ہوئیں: ۱۔ مباح غیر مملوک۔ جیسے دریاؤں اور نہروں کا پانی۔ ۲۔ مملوک غیر مباح۔ جیسے برتنوں کا پانی۔ ۳۔ مباح مملوک۔ جیسے سبیل یا سقایہ کا پانی۔ نابالغ کا بھرا ہوا پانی اگر چہ مباح ہے مگر مملوک بھی ہونے کی بنا پر اس کلا استعمال جائز نہیں۔ اور اسی مسئلے کی تحقیق و تفصیل میں کثیر صورتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۶۔ حسن التعمم لبیان حد التیمم۔

۱۳۳۵ھ

سوال یہ تھا کہ تیمم کی شرعی تعریف کیا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ کرام سے چھ تعریفات منقول ہیں۔ پھر ان سب کو نہایت تفصیل سے بیان کیا اور آخر میں تعریف رضوی کے نام سے ایک جامع و مانع تعریف فرمائی جس کا نام تعریف رضوی رکھا۔

۷۔ الاحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر۔

۱۳۰۳ھ

شاہ جہاں پور میں شکر کا ایک کارخانہ بنام روسر لگایا گیا تھا جس میں جانوروں کی ہڈیاں جلا کر اس کے کوئلوں سے شکر صاف کی جاتی تھی، ان ہڈیوں میں یہ کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا کہ یہ حلال جانوروں کی ہیں یا حرام، اس فیکٹری کی شکر کے بارے میں سوال ہوا کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا اور اس کا حکم بیان کرنے سے پہلے دس ضابطے تحریر فرمائے جن کی روشنی میں حکم مسئلہ کو بیان فرما کر صرف اسی مسئلہ میں نہیں بلکہ سیکڑوں مسائل کی گتھیاں سلجھا دیں اور واضح کر دیا کہ ہماری شریعت نہ اس طرح کے اوہام و خیالات پر بنائے کار رکھتی ہے نہ ان کا اعتبار۔

۸۔ جمان التاج فی بیان الصلاۃ قبل المعراج۔

۱۳۱۶ھ

سوال یہ ہے کہ شب معراج سے قبل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون سی نماز پڑھتے تھے؟ جواب میں فرماتے ہیں:

پیش اَز اِسرا دو وقت یعنی قبل طلوعِ شمس و قبل غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو خلاف ہے، اور اَصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیامِ لیل کی فرضیت ثابت، باقی پر کوئی دلیلِ صریح قائم نہیں، تاہم اس قدر یقیناً معلوم کہ معراج مبارک سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نمازیں پڑھتے، نمازِ شب کی فرضیّت تو خود سورۂ مزمّل شریف سے ثابت، اور اُس کے سوا اَور اوقات میں بھی نماز پڑھنا وارد، عام ازیں کہ

فرض ہو یا نفل۔

۹۔ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین۔

۱۳۱۳ھ

ظہر َین عرَفہ و عشائینِ مُزدَلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا، سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں، یہ رسالہ آپ کی تحقیقات عالیہ کا گنجینہ اور معارف حدیث کا خزینہ ہے۔ دراصل غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے اپنی کتاب "معیار الحق" میں اس مسئلہ جمع بین الصلاتین پر کلام کرتے ہوئے احناف کے مسلک کی اس سلسلہ میں تضعیف و تغلیط کی تھی، اور اپنی حدیث دانی کے زعم فاسد میں علم حدیث سے متعلق ایسے گل کھلائے تھے جن کو علم حدیث کا مبتدی طالب علم بھی نہیں بیان کرسکتا، امام احمد رضا قدس سرہ نے ملاجی کے دعوئ محدثی کی اس میں خوب خبر لی ہے۔

۱۰۔ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین۔

۱۳۰۱ھ

سوال یہ تھا کہ: اذان میں کلمہ اَشھد اَنّ محمداً رسولُ اللہ سُن کر انگوٹھے، چُومنا، آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: حضور پُرنور شفیع یوم النشور صاحب لَولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سُنتے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چُوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز، جس کے جواز پر مقام تبرّع میں دلائلِ کثیرہ قائم، اور خود اگر کوئی دلیلِ خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہونا ہی جواز کے لیے دلیلِ کافی، جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اس کے ذمّہ ہے؛ کہ قائلِ جواز متمسّک باصل ہے، اور متمسّک باصل محتاجِ دلیل نہیں، پھر یہاں تو حدیث و فقہ و ارشادِ علما و عملِ قدیم سلَفِ صلحاء سب کچھ موجود۔

۱۱۔ نہج السلامۃ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ۔ ۱۳۳۳ھ

انگوٹھے چومنے کے سلسلہ میں حضرت مولانا احمد مختار صاحب قادری رضوی صدّیقی میرٹھی نے ۶۲ رجُمادی الآخرۃ ۱۳۳۳ھ کو ایک فتویٰ "فتاویٰ اِمدادیہ" معروف بہ "فتاویٰ اشرفیہ" جلد چہارم سے نقل کر کے بھیجا جس میں سائل نے پوچھا تھا کہ اقامت میں انگوٹھے چومنا جائز ہے یا ناجائز؟ فتاویٰ اشرفیہ میں جواب میں کہا گیا تھا کہ: اوّل تو اذان ہی میں انگوٹھے چُومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے وہ محقّقین کے نزدیک ثابت نہیں، اور اقامت کے بارے میں لکھ دیا کہ: مگر اقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھُوٹی روایت بھی موجود نہیں، پس اِقامت میں انگوٹھے چُومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت و بے اصل ہے، اسی واسطے فقہا نے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا اور مسئلہ کی خوب خوب وضاحت فرمائی۔

۱۲۔ ایذان الاجر فی اذان القبر۔

۱۳۰۷ھ

اس رسالہ میں سوال ہے کہ بعد دفن قبر پر اذان کا کیا حکم ہے؟ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: بعض علمائے دِین نے میّت کو قبر میں اُتارتے وقت اذان کہنے کو سنّت فرمایا، حق یہ ہے کہ اذانِ مذکور فی السّوال کا جواز یقینی ہے، ہرگز شرعِ مطہّر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں، اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا، قائلانِ جواز کے لیے اسی قدر کافی، جو مدّعیِ ممانعت ہو دلائلِ شرعیہ سے اپنا دعویٰ ثابت کرے۔

۱۳۔ کشف العلۃ عن سمت القبلۃ۔

۱۳۲۴ھ

مسلمان دنیا میں جہاں کہیں ہوں نماز ادا کرنے میں قبلہ کی طرف منھ کرنا صحتِ نماز کے لیے شرط ہے، آپ نے اس کتاب میں پوری دنیا کے لیے سمت قبلہ نکالنے کے دس قاعدے خود ایجاد کیے ہیں، یہ قاعدے نہایت تحقیقی اور نہایت آسان ہیں کہ اتنے تحقیقی اور اتنے آسان قاعدے جو پوری دنیا کے لیے محیط ہوں، دنیا میں موجود ہی نہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ خود فرماتے ہیں: الحمدللہ ہمارے یہ دسوں قاعدے تمام زمین زیر و بالا، بحر و بر، سہل و جبل، آبادی و جنگل سب کو محیط ہوئے کہ جس مقام کا عرض وطول معلوم ہو نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے۔ آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلاً کوئی قاعدہ نہیں۔ اور تحقیق ایسی کہ عرض وطول اگر صحیح ہوں اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے اٹھادیے جائیں تو کعبہ معظّمہ کو خاص روبرو پائیں۔ پہلے لوگ امریکہ میں مخالف سمت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اسی کتاب کے قواعد کے ذریعہ وہاں سمت قبلہ درست کی جاسکی ہے۔

۱۴۔ النهی الأكيد عن الصلاة وراء عِدَى التقليد۔

۱۳۰۵ھ

اس رسالہ کا موضوع ہے کہ غیر مقلد کے پیچھے نماز جائز نہیں، اگر کبھی مجبوری میں پڑھ لی گئی ہو تو اس کو دوبارہ پڑھے اگرچہ وقت گزر چکا ہو۔ اس رسالہ کے مقدمہ میں غیر مقلدین کی بدعات وخرافات کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز ان کے مظالم وفتنہ اور ان کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی اور بتایا گیا ہے کہ یہ فرقہ گمراہ اور گمراہ گر ہے، ائمہ وفقہا کا دشمن ہے بلکہ گستاخ رسول بھی ہے اور ان کا شجرۂ نا مسعود محمد ابن عبد الوہاب نجدی سے ملتا ہے۔

۱۵۔ القلادة المرصعة فی نحر الأجوبة الأربعة: ۱۳۱۲ھ

اس رسالہ میں مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی قاسم علی مرادآبادی کے ان فتوی کا رد ہے جو خود آپس میں ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ادائے تہجد کی خاطر قیلولہ اس طرح کرے کہ ظہر کی جماعت فوت ہو جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے، آپ نے جواب میں فرمایا کہ معذور ہے تو اس سے جماعت ساقط ہے، اور یہ کسی کو اپنے ساتھ شامل کر کے اذان و جماعت سے پہلے ہی اپنی جماعت کرلے تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے، کیونکہ بہر حال جماعت اولیٰ تو اس کے لیے افضل ہے۔ لہٰذا تہجد فوت ہونے کے خوف سے جماعت کا ترک جائز نہیں۔ پھر اس شخص کو ایسی تدابیر بتائیں کہ جن پر عمل سے جماعت بھی فوت نہ ہو اور تہجد کی ادائیگی بھی ہو سکے۔

۱۶۔ شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر ۱۳۳۳ .

۱۷۔ أوفى اللمعة فی أذان يوم الجمعة۔ ۱۳۲۰ھ

ان دونوں رسائل میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کے تعلق سے تفصیلات ہیں۔ فرماتے ہیں: ہمارے علمائے کرام نے فتاوی قاضی خاں، وفتاویٰ خلاصہ وفتح القدیر ونظم وشرح نقایہ برجندی و بحر الرائق وفتاویٰ ہندیہ وطحطاعی علی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ یعنی اذان منارے پر یا مسجد کے باہر چاہیے۔ مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔ اس میں جمعہ کی اذان ثانی وغیرہا کی تخصیص نہیں ہے۔

۱۸۔ سرور العيد السعيد فی حل الدعاء بعد صلاة العيد۔ ۱۳۳۹ھ

عیدین کی نماز وخطبہ کے بعد دعا کے سلسلہ میں مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاوی میں لکھا کہ یہ دعا ثابت نہیں۔ آپ نے عیدین کی مناسبت سے اس دعا کے جواز اور مانعین کے دعوے کی غلطیوں کا بیان دوعیدوں کے عنوان سے کیا۔ اور یہ بتایا کہ مولوی عبدالحی صاحب کے فتوے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عیدین کے بعد دعا کرنا جائز نہیں، وہ صرف عدم ثبوت کا دعوی کرتے ہیں حالانکہ یہ دعوی بھی غلط ہے۔ بلکہ خود احادیث سے ثابت کہ عیدین کے بعد دعا ہوتی اور اس دعا کی ترغیب خود حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے یہاں تک ثابت کہ جو عورتیں نماز کے لائق نہ ہوتیں ان کو بھی دعا میں شرکت کے لیے ہدایات دیتے اور وہ عورتیں بھی نمازیوں سے الگ موجود رہتیں اور دعا میں شریک ہوتیں۔

۱۹۔حیاۃ الموات فی بیان سماع الأموات۔۱۳۰۵ھ

یہ رسالہ سماع موتی پر ایک تحقیقی دستاویز ہے، مختلف زاویوں سے آپ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اموات کا سننا حق ہے، مرنے کے بعد روحیں اسی طرح سنتی ہیں جس طرح وہ اپنے جسم کے ساتھ رہ کر سنتی تھیں کہ اصل ادراک تو روح کا خاصہ ہے اور یہ کبھی نہیں مرتی بلکہ قفص عنصری سے نکل کر اس کے سننے اور دیکھنے کی قوت بڑھ جاتی ہے، یہ سب کچھ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

۲۰۔الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین۔ ۱۳۱۶ھ

یہ رسالہ دراصل پہلے رسالہ کا تتمہ وضمیمہ ہے، وہ اس طرح کے منکرین سماع موتی نے اپنے استدلال میں یہ پیش کیا تھا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا، پھر مرنے کے بعد اس سے کلام کیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، جب ایسا ہے تو ثابت ہوا کہ مردے نہیں سنتے، اگر سنتے ہوتے تو قسم ٹوٹ جانا ضروری تھی۔ اس استدلال کو غلط ثابت کرنے کے لیے آپ نے فرمایا کہ معترض اہل سنت کا موقف ہی نہیں جانتا۔ ہمارے ائمہ اس بات کو واضح الفاظ میں بیان کر چکے کہ قسم ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مدار عرف پر ہے، کسی سے کلام کرنا عرف میں اسی صورت میں بولا اور سمجھا جاتا ہے جب سامنے والا اس کی بات کو سمجھتا اور جواب دینے کا اختیار رکھتا ہو۔ لہذا یہ استدلال ہی سرے سے غلط ہے اور منکر غلط فہمی میں مبتلا ہے۔

۲۱۔درء القبح عن درک وقت الصبح۔۱۳۲۶ھ

سائل نے صبح صادق کے بارے میں معلوم کیا تھا کہ کیا شریعت میں اس کا کوئی قاعدہ کلیہ ہے جس کے ذریعہ معلوم کیا جاسکے یا آنکھوں سے دیکھنے پر ہی انحصار ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں نہایت تفصیل و تحقیق سے کام لیا ہے اور بتایا ہے کہ طلوع وغیرہ میں رویت ومشاہدہ ہی اصل ہے۔ پھر بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ جن کا مدار محض رویت ہی پر ہے اور وہ ہلال ہے کہ آج تک اس کا ضابطہ بار بار کی رویت سے بھی نہیں بن سکا۔ اور بعض وہ ہیں کہ ان میں اگر چہ اصل تو رویت و مشاہدہ ہی ہے مگر بار بار کے تجربہ سے ضوابط بنائے گئے اور ان کی روشنی میں اوقات متعین کئے گئے۔ تفصیل کے لئے رسالہ کا مطالعہ کیجیے کہ پڑھ کر خراج تحسین پیش کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

۲۲۔ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار۔
۱۳۱۵ھ

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے اس سے نکاح باطل محض اور زنائے خالص ہے۔ خواہ عورت عقائد کفریہ رکھتی ہو یا مرد، دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے، اس رسالہ میں ان فرقوں

کے بہت سے عقائد کفریہ بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۲۳۔اعلام الأعلام بأن ھندوستان دار الاسلام ۱۳۱۲ھ

ملک اور شہر دونوں دو قسموں میں منقسم ہیں: دار الحرب ۔دار الاسلام۔سوال یہ ہے کہ ہندوستان ان میں سے کیا ہے ؟جواب میں فرمایا: ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ علمائے ثلثہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دار الاسلام ہے ہرگز دار الحرب نہیں کہ دار الاسلام کے دار الحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلام کے احکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں، بحمد اللہ یہ بات یہاں قطعاً موجود نہیں، اہل اسلام جمعہ وعیدین و اذان واقامت ونماز باجماعت وغیرہا شعائر شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے اور وہ دار الحرب قرار دیتے ہیں، مگر تعجب ہے کہ جب دار الحرب ہے تو استطاعت کے باوجود ہجرت کیوں نہیں کرتے کہ دار الحرب سے ہجرت فرض ہے۔لیکن سود کے جواز کے لیے دار الحرب مانتے ہیں۔استغفر اللہ۔

۲۴۔دوام العیش فی الأئمۃ من قریش۔۱۳۳۹ھ

خلافت کمیٹی کے مسلم قائدین اس بات پر اصرار کرتے اور اعلان چھاپتے تھے کہ خلافت شرعیہ کے لیے قرشی ہونا شرط نہیں، آپ نے ان کے اس زعم کو باطل قرار دیتے ہوئے یہ کتاب تصنیف فرمائی اور اولاً تاریخ کی روشنی میں واضح فرما یا کہ کبھی کوئی غیر قرشی خلیفہ نہ ہوا، اس سلسلہ میں آپ نے تاریخی تفصیلات بھی پیش کی ہیں۔پھر احادیث واجماع صحابہ وتابعین سے شرط قرشیت کے روشن ثبوت دیے ہیں۔فصل دوم میں مولوی فرنگی محلی صاحب کے خطبہ صدارت اور فصل سوم میں مسٹر ابوالکلام آزاد کے ہذیانات وتلبیسات کی خدمت گزاری ہے۔

۲۵۔المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ۱۳۳۹ھ

تحریک آزادی کے دور میں مسٹر ابوالکلام آزاد اور ان کے ہمنواؤں نے موالات اور معاملات میں فرق نہ کرتے ہوئے دونوں کو ایک سمجھا اور انگریزوں کے خلاف تحریک میں ان سے معاملات بھی حرام قرار دے کر بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔دوسری طرف مشرکین ہند سے موالات اور اتحاد ووداد کا ایسا نعرہ بلند کیا کہ انقیاد تک نوبت پہنچائی۔آپ نے ایسے پر آشوب دور میں ملت اسلامیہ کی قیادت فرماتے ہوئے پروفیسر حاکم علی لاہور کے سوال کے جواب میں یہ معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی جس میں موالات ومعاملات کا واضح فرق بیان فرمایا اور نہایت مستحکم دلائل سے اپنے موقف کو بیان کیا۔

۲۶۔کتاب المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر۔۱۳۱۱ھ

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ منی آرڈر کی جو فیس ادا کی جاتی ہے وہ سود نہیں، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اس فیس کو سود کہا تھا، آپ نے اس کا رد بلیغ فرمایا اور بالکل واضح انداز میں تحریر فرمایا کہ یہ فیس ہرگز سود نہیں، ڈاکخانہ ایک اجیر مشترک کی دوکان ہے جو اجرت حاصل کرنے کے لیے کھولی گئی ہے، یہ فیس روپے کو متعلق شخص تک پہنچانے اور اس کی واپسی رسیدی لانے کی ہے، جس طرح ڈاک ٹکٹ، لفافہ یا کارڈ وغیرہ خریدے جاتے ہیں تو یہ ان کی قیمت بھی ہے اور لانے لے جانے کی اجرت بھی۔پھر اجارہ وکرایہ کسے کہا جاتا ہے یہی تو ہے۔پھر آپ نے مزید اور وضاحتیں فرمائی ہیں جن سے گنگوہی صاحب کا مبلغ علم آشکارا ہوگیا ہے۔

۲۷۔سبل الأصفیاء فی حکم الذبح للأولیاء۔

۱۳۱۲ھ

سوال یہ ہے کہ اولیائے کرام کے نام سے جو جانور مشہور کر دیے جائیں ان پر وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو تو یہ ذبیحہ قطعاً جائز ہے، اس لیے حلال جانوروں میں ان کی حلت وحرمت کا دارومدار ذبح کرنے والے کی نیت پر ہے۔ اگر وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے تو حلال رہے گا ورنہ حرام، جیسے کسی مسلمان کا جانور کوئی مجوسی ذبح کردے تو حرام قرار دیا جائے گا، اور اگر کسی غیر مسلم کا جانور مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کر دے جائز قرار دیا جائے گا حتی کہ وہ جانور جو غیر مسلم بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں اگر مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کر ڈالے حلال رہے گا اگرچہ نسبت خبیث ہے۔ پھر اولیاء اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور کیوں حرام قرار دیا جاتا ہے۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کا خیال باطل ہے۔

۲۸۔ الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ۔

۱۳۳۷ھ

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ غیر خدا کے لیے سجدۂ تحیت حرام اور سجدۂ عبادت کفر ہے۔ بعض متصوفہ سجدۂ تحیت کے قائل تھے لہٰذا ان کے جواب دیے گئے ہیں اور قرآن و حدیث سے اس مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے فقہ کی کتابوں سے ڈیڑھ سو نصوص پیش کی گئی ہیں، یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کی تحقیق سے متاثر ہو کر غیروں نے آپ کی علمی سطوت کی گواہی دی ہے۔

۲۹۔عطایا القدیر فی حکم التصویر۔

۱۳۳۱ھ

اس رسالہ کا موضوع بحث ذی روح کی تصویر کے حرام ہونے کا حکم ہے، اس کی اصل وجہ تعظیم ہے، کہ تعظیمِ تصویر کے پیش نظر ہی رحمت کے فرشتے نہیں آتے، ورنہ اگر کوئی تصویر کو موضع اہانت میں رکھے تو پھر جواز کا حکم ہے کہ اس کی علت حرمت تشبہ بھی ہے، اور جب موضع اہانت میں ہے تو تشبہ نہ رہا یعنی مشرکین اور بت پرستوں سے مشابہت کی جو صورت تھی وہ اب مفقود ہوگئی۔

۳۰۔تمہید ایمان بآیات قرآن۔ ۱۳۲۶ھ

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ایمان رکھنا لازم ہے، اس کو قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ نے نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔

۳۱۔ثلج الصدر لایمان القدر۔ ۱۳۲۵ھ

یہ رسالہ مسئلہ تقدیر سے متعلق ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عقیدۂ اہل سنت وجماعت یہ ہے کہ انسان نہ پتھر کی طرح مجبور محض ہے اور نہ ہی مکمل طور پر مختار، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک حالت ہے جس کی حقیقت خداوند قدوس کا راز ہے جو عمیق دریا ہے جس میں غور وخوض منع ہے، بس یہ عقیدہ رکھا جائے کہ بے ارادۂ الٰہیہ کچھ نہیں ہوتا بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتا ہے۔

۳۲۔التحبیر بباب التدبیر۔ ۱۳۰۵ھ

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ تقدیر حق ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر محض بے کار ہے۔ بلکہ دنیا عالم اسباب ہے، رب تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے چیزوں اور کاموں کو اسباب ووسائل سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ سبب کے بعد مسبب کا وجود ہوتا ہے، لہٰذا تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار ومشرکین کی خصلت ہے اسی طرح تدبیر کو محض بے کار جاننا کھلی گمراہی اور پاگل پن ہے۔

۳۳۔الھدایۃ المبارکۃ فی خلق الملائکۃ۔ ۱۳۱۲ھ

اس میں فرشتوں کی پیدائش کا بیان ہے کہ روزانہ بے شمار فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔

۳۴۔أنوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ۔

۱۳۰۴ھ

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہنا حق ہے، اس کو شرک و بدعت بتانے والے گمراہ ہیں، اسی طرح یا غوث، یا شیخ عبد القادر اور دیگر اولیائے کرام کو پکارنا بھی جائز بلکہ مستحسن ہے اور مشائخ سلف سے منقول اور ان کا اس پر عمل رہا ہے، انہوں نے اس کی تعلیم دی ہے، ساتھ ہی استمداد و استعانت کا مسئلہ بھی اسی سے حل ہو جاتا ہے کہ بلاشبہ جائز ہے۔

۳۵۔تجلی الیقین بأن نبینا سید المرسلین۔

۱۳۰۵ھ

اس کتاب میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام مخلوق سے افضل اور سید المرسلین ہونے کے سلسلہ میں دس آیتوں اور ایک سو پچیس احادیث سے بے مثال تحقیق فرمائی ہے اور اس عقیدہ کو قطعی ایمانی یقینی اذعانی اور اجماعی بتایا ہے۔

۳۶۔الأمن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء۔ ۱۳۱۱ھ

درود تاج میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دافع البلاء کہا گیا ہے، اس پر وہابیہ کو اعتراض ہے اور وہ شرک قرار دیتے ہیں تو آپ نے اس کتاب میں ساٹھ آیات اور تقریباً تین سو احادیث سے اس کے جواز کو ثابت فرمایا ہے۔

۳۷۔شمول الاسلام لأصول الرسول الکرام۔

۱۳۱۵ھ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین مؤمن موحد تھے یا نہیں۔ اسی طرح آپ کے والدین سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک جو وسائط ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے واضح انداز میں ثابت فرمایا کہ آپ کے ابوین کریمین سے لے کر حضرت آدم تک جو انبیائے کرام ہیں ان کے بارے میں تو کیا سوال باقی وہ واسطے جو نبی نہیں تھے وہ بھی سب کے سب کفر و شرک سے منزہ تھے، آیات و احادیث اس پر گواہ ہیں۔

۳۸۔ صلات الصفا فی نور المصطفیٰ۔

۱۳۱۹ھ

یہ رسالہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کے سلسلہ میں ہے جس میں آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ حضور کا نور ہر مخلوق سے پہلے پیدا ہوا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور سے تمام مخلوق پیدا فرمائی۔

۳۹۔نفی الفیء عمن استنار بنورہ کل شیء۔

۱۲۹۶ھ

اس رسالہ میں آپ نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، ائمہ اعلام اور علمائے کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور پھر اس کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔

۴۰۔الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات أبی الوھابیۃ.

۱۳۱۲ھ

اس کتاب میں وہابیہ کے امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کے اقوال کفریہ اس کی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے نقل فرما کر شمار کرائے ہیں جن کی تعداد ستر ہے۔ آخر

میں فرمایا: بالجملہ ماہ نیم ماہ ومہر نیم روز کی طرح ظاہر وزاہر کہ اس فرقہ متفرقہ یعنی وہابیہ اسماعیلیہ اور اس کے امام نافرجام پر جزماً وقطعاً یقیناً اجماعاً بوجوہ کفر لازم، اور بلاشبہ جماہیر فقہائے کرام واصحاب فتویٰ اکابر واعلام کی تصریحات واضحہ پر یہ سب کے سب مرتد کافر، باجماع ائمہ ان سب پر اپنے تمام کفریات ملعونہ سے بالتصریح توبہ ورجوع اور ازسرنو کلمہ اسلام پڑھنا فرض وواجب، اگرچہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ ومختار ومرضی و مناسب، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

۴۱۔سبحان السبوح عن عیب الکذب المقبوح۔

۱۳۰۷ھ

اس رسالہ کا موضوع باب عقائد کا ایک مسئلہ ''امکان کذب'' ہے، بہت پہلے ابن حزم ظاہری نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنا لڑکا پیدا کر سکتا ہے، کیونکہ وہ اگر ایسا نہ کر سکے تو بندہ کی قدرت خدا سے بڑھ جائے گی کہ بندہ تو ایسا کر سکتا ہے جب کہ خدا مجبور ہے۔ بہت دنوں بعد ابن حزم کا یہی پس خوردہ مولوی اسماعیل دہلوی نے یوں نگلا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے، اگر خدا جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہو تو اس کی قدرت بندوں سے گھٹ جائے گی کہ خدا تو جھوٹ نہیں بول سکتا اور بندہ بول سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت سے بھی اس مسئلہ میں سوال ہوا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی سبوحیت وقدوسیت کے سلسلہ میں ایسا تحقیقی بیان قلم بند فرمایا کہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔آپ نے تمام تر تحقیقات کے ضمن میں ایک اصول ایسا بیان فرمادیا ہے جو سیکڑوں دلائل پر بھاری ہے، فرماتے ہیں: یونہی صفت خلق کا تعلق محال یا واجب سے نہ ہوگا، صرف ممکن سے ہوگا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا کچھ قصور نہیں کہ ان امور سے متعلق نہیں ہوئی، قصور ان امور کا ہی ہے کہ صفت الٰہی کے لائق نہیں۔

اسی طرح جھوٹ اس لائق ہی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بن سکے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفت کا قصور نہیں بلکہ قصور اس جھوٹ کا ہے، لہذا جھوٹ پر قدرت نہ ہونے سے ہرگز یہ لازم نہیں آیا کہ اگر وہ جھوٹ نہ بول سکے تو عاجز ہوگیا۔ عاجز تو جب کہلاتا جب یہ جھوٹ اس کی صفت بننے کی صلاحیت رکھتا۔ لہذا وہابیہ جو یہ مغالطہ دیتے ہیں یہ سراسر ان کا دھوکا ہے۔ اس کتاب میں اعلیٰ حضرت نے اللہ تعالیٰ کے جھوٹ سے پاک ہونے پر دوسو دلائل قائم فرمائے ہیں۔

۴۲۔اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تھامہ۔

۱۲۹۸ھ

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مجلس میلاد پاک میں قیام مستحب و مستحسن ہے کہ اس سے تعظیم رسول کا اظہار ہوتا ہے اور اس میلاد میں سلام کے بارے میں علما ومشائخ کا اتفاق بھی ہے اور عمل بھی، جو اس کو بدعت وناجائز کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے ،آپ نے اس میں ایسے دلائل وشواہد بیان فرمائے ہیں کہ ان کو ملحوظ خاطر رکھ کر منصف مزاج فیصلہ کرے تو بہت سے اختلافی اور نزاعی امور طے ہوجائیں۔

۴۳۔ ردالرَفضۃ ۱۳۲۰ھ

اس رسالہ میں روافض زمانہ کے عقائد واحوال کا تذکرہ اور ان سے متعلق شرعی احکام کا ذکر ہے، اس میں ان کے دو واضح کفر بیان کیے ہیں۔ پہلا کفر تو یہ ہے کہ روافض قرآن کو ناقص بتاتے ہیں۔ ان میں کوئی کہتا ہے کہ کچھ سورتیں امیر المؤمنین عثمان غنی ذوالنورین یا دیگر صحابہ یا اہل سنت رضی اللہ

تعالیٰ عنہم نے گھٹا دیں۔ بہر حال جو قرآن کریم میں تصرف بشری کا دخل مانے یا اس میں احتمال ہی جانے بالا جماع کافر مرتد ہے کہ صراحۃً قرآن کریم کی تکذیب کر رہا ہے۔ دوسرا کفر یہ ہے کہ ان میں کا ہر متنفس سیدنا امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ودیگر ائمہ طاہرین کو حضرات انبیاء ومرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم سے افضل بتاتا ہے۔ اور جو ایسا عقیدہ رکھے باجماع مسلمین کافر بے دین ہے۔

۴۴۔ مطالع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین۔

۱۲۹۷ھ

یہ کتاب حضرات شیخین سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کے موضوع پر تحریر فرمائی ہے۔ دراصل آپ کی یہ کتاب ایک ضخیم اور تفصیلی کتاب کی تلخیص ہے جو آپ نے غالباً ۲۲، ۲۳، سال کی عمر میں نوے اجزا پر لکھی تھی، اس کا نام ہے "منتھی التفصیل لمبحث التفضیل"۔ اس کتاب کی ضخامت کے پیش نظر آپ نے خیال کیا کہ لوگ اس کے مطالعہ سے قاصر رہیں گے لہٰذا اس کو مختصر کیا۔ اصل کتاب تو آج تک دستیاب نہیں ہو سکی لیکن افسوس یہ ہے کہ تلخیص کا بھی ناقص نسخہ ملا جو ہم نے مرتب کر کے اپنی اکیڈمی سے شائع کر دیا ہے۔

۴۵۔ النفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ ۱۳۱۳ھ

جب حدیث صحیح مل جائے اور وہ حنفی مذہب کے کسی مسئلہ کے خلاف ہو تو امام اعظم کا یہ فرمانا کہ وہی میرا مذہب ہے۔ اس قول کا کیا مطلب ہے؟ اس کی وضاحت میں آپ نے محدثین اور فقہا کے درمیان صحت حدیث کا مطلب بیان فرمایا ہے اور پھر قول امام کی صحیح توجیہ بیان فرمائی ہے۔

۴۶۔ قھر الدیان علی مرتد بقادیان۔

۱۳۲۳ھ

۴۷۔ الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی۔

۱۳۲۰ھ

۴۸۔ جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ۔

۱۳۱۶ھ

یہ تینوں رسائل بھی قادیانی کے رد میں لکھے گئے ہیں، البتہ تیسرا رسالہ "جزاء اللہ عدوہ" خاص عقیدہ ختم نبوت پر ایک مبسوط اور مستقل کتاب ہے جس میں سیکڑوں دلائل سے اس عقیدہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

۴۹۔ مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید۔

۱۳۰۴ھ

المنطق الجدید نامی کتاب میں فلاسفہ کے مزعومات و مزخرفات بیان کیے گئے تھے جو سراسر اسلام کے خلاف تھے، ان کے بارے میں آپ سے سوال ہوا تو یہ کتاب تصنیف فرمائی اور دلائل نقلیہ وعقلیہ سے اس کتاب کے ہذیانات و خرافات کو طشت ازبام کیا اور علما وطلبہ کو ہدایت کی کہ بغیر رد و ابطال ہرگز اس طرح کے مزعومات نہ پڑھے جائیں اور نہ پڑھائے جائیں۔

۵۰۔ نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان۔ ۱۳۳۹ھ

۵۱۔ معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین۔ ۱۳۳۸ھ

فلاسفہ قدیم وجدید کی تھیوریاں بیشتر امور میں آپس میں متصادم ہیں۔ قدیم فلاسفہ کہتے تھے کہ افلاک نو ہیں اور یہ حرکت میں ہیں، اور زمین ساکن ہے، جدید تحقیقات والے کہنے لگے آسمان کا کوئی وجود نہیں اور زمین حرکت میں ہے، سیدنا اعلیٰ حضرت نے ان دونوں کے مزعومات کو قرآن و

حدیث کے خلاف بتایا اور اسلامی نظریہ پیش کیا کہ زمین و آسمان دونوں موجود ہیں اور ساکن، شمس و قمر اور دیگر سیارے گردش میں ہیں۔ دونوں رسالے اسی موضوع پر ہیں۔

۵۲۔ فوز مبین در رد حرکت زمین۔

۱۳۳۸ھ

یہ حرکت زمین کے رد میں اعلیٰ حضرت کی عظیم الشان کتاب ہے۔ بعض سائنس دانوں کا نظریہ ہے کہ زمین کی حرکت محوری سے دن و رات کا تبادلہ اور حرکت مداری سے موسم کا تبادلہ ہوتا ہے۔ چونکہ یہ نظریہ آیات قرآنیہ اور بہت سی احادیث کے خلاف ہے، اس لیے ۱۰۵ر دلائل سے اس نظریہ کا ابطال کیا۔

۵۳۔ الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوھاء الفلسفۃ المشئمۃ۔ ۱۳۳۸ھ

فلسفۂ قدیم کے بہت سے نظریات اسلام کے مخالف بلکہ کفریات پر مشتمل ہیں، اور فلسفہ کی کتابیں مدارس میں اس لیے پڑھائی جاتی ہیں کہ طلبہ فلسفہ کی گمراہیوں سے آگاہ رہیں، اور ان کے فریب پر مشتمل دلائل سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اس کتاب میں اعلیٰ حضرت نے فلسفہ کے ان گمراہ کن اور کفریات پر مشتمل نظریات کا نہایت مستحکم دلائل و براہین سے رد بلیغ فرمایا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ فلسفہ قدیم کی ضلالتوں سے نجات دلاتا ہے اور اسلامی عقیدے کو استحکام عطا کرتا ہے۔

۵۴۔ الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ۔

۱۳۲۴ھ

یہ وہ عظیم کتاب ہے جس نے عرب و عجم کے علمائے کرام اور مشائخ عظام کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اس لیے کہ دوسرے حج کے موقع پر ۱۳۲۴ھ میں آپ نے علم غیب کے موضوع پر صرف ۸ر گھنٹے میں کتابوں کی مدد کے بغیر علمائے مکہ مکرمہ کی فرمائش پر اس کتاب کو عربی زبان میں تصنیف فرمایا۔ پھر اس کتاب کو شریف مکہ کے دربار میں پڑھا گیا جس کے نتیجے میں وہابیہ منکرین علم غیب کو حرمین شریفین "زادھما اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً" میں ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا جس کی کسک آج تک وہابیہ محسوس کر رہے ہیں۔ علمائے حرمین اور دیگر علمائے عرب نے اس پر دھوم دھام سے تقریظیں لکھیں جو آج بھی کتاب کی زینت ہیں۔

سیدنا اعلیٰ حضرت نے اس کے بعد ہندوستان واپس تشریف لا کر اس پر قیمتی حواشی تحریر فرمائے، جیسے "الفیوض الملکیۃ" اور "انباء الحی" ان سب کا مجموعہ مع ترجمہ ہماری اکیڈمی سے تحقیق و تخریج اور جدید ترتیب کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

اب تک آپ کی تصانیف سے صرف تین سو (۳۰۰) کے قریب ہی شائع ہو سکی ہیں، بحمدہ تعالیٰ امام احمد رضا اکیڈمی نے اب تک جو تصانیف مل سکیں ان سب کو جدید انداز میں شائع کر دیا ہے، اور پچیس کے قریب عربی کتب پر حواشی بھی شائع کیے ہیں، مختصر یہ کہ رضویات کا مکمل سیٹ ایک سو ساٹھ جلدوں میں شائع ہو گیا ہے۔

استاذِ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی

برادر اوسط اعلیٰ حضرت

استاذِ زمن کی ولادت ۱۲۷۶ھ/۱۹ر اکتوبر ۱۸۵۹ء کو بریلی میں ہوئی۔ جد محترم حضرت مولانا رضا علی خاں نے ولادت کی خبر سن کر فرمایا تھا: یہ میرا بیٹا مست ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی اپنی نعتیہ شاعری سے آپ

خود بھی مست ہوئے اور دوسروں کو بھی مست و بے خود بنا گئے۔

تعلیم و تربیت والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں اور برادر محترم اعلیٰ حضرت سے حاصل کی۔ خاتم الاکابر حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں سے شرف بیعت پایا۔ منظر اسلام قائم شدہ ۱۳۲۲ھ کی بنا میں شامل تھے۔ تاریخی نام منظر اسلام بھی آپ نے ہی تجویز کیا جس سے ۱۳۲۲ کا عدد نکلتا ہے اور آپ ہی پہلے مہتمم قرار پائے۔ مطبع اہل سنت قائم کیا جس میں اعلیٰ حضرت کی ایک سو کے قریب کتابیں طبع ہوئیں۔

ادبی رسالہ ''**گلدستۂ بہارِ بے خزاں**'' اور ہفت روزہ اخبار ''**روز افزوں**'' آپ ہی کی نگرانی میں شائع ہوتے تھے ۔ ۱۳۲۳ھ میں ردقادیانیت کے لیے ایک ماہنامے کا اجرا کیا جس کا نام ''**قہر الدیان علیٰ مرتدٍ بقادیان**'' تھا، اس میں آپ کے بہت احباب معین و مددگار ہوئے۔ اس ماہنامے میں شائع ہونے والے اعلیٰ حضرت کے مضامین بعد میں اسی نام سے شائع ہوئے اور یہ ایک رسالے کی شکل میں آج بھی آپ کی تصانیف میں موجود ہے۔

شعری خدمات میں نعتیہ مجموعہ ''**ذوق نعت**'' اور ''**نگارستان لطافت**'' ہیں۔ مجموعہ غزل ''**ثمر فصاحت**'' اور ''**ساغر پر کیف**'' ہیں۔

آپ اپنے شعری ذوق کے ساتھ فکر انگیز مضامین بھی تحریر فرماتے تھے جو سادگی اور سلاست کے آئینہ دار ہوتے تھے ، آپ اپنی تحریروں میں تصنع اور تکلف سے ہمیشہ دور رہے۔

ان تمام علمی اور فنی مصروفیات کے باوجود اپنے برادر اکبر سیدنا اعلیٰ حضرت کی خدمت اور گھریلو کاموں کی ذمہ داری پورے طور پر مثالی انداز میں نبھاتے تھے۔

صرف ۵۰ر سال کی عمر میں ۲۲ر رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ کو آپ کا وصال پر ملال ہو گیا۔ نماز جنازہ اعلیٰ حضرت نے پڑھائی اور خود قبر میں اتارا۔ سٹی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

تصانیف:

(۱) دین حسن

اس کتاب میں ہنود و نصاریٰ کے اعترافات کا ایسا انتخاب ہے جو مؤمنین کے لیے باعث تقویتِ ایمان اور اسلام کے مخالفین پر ایک حجت ہے۔

(۲) نگارستان لطافت

میلاد مبارک اور معراج شریف کے موضوع پر نہایت ہی ایمان افروز اور روح افزا رسالہ ہے۔

(۳) تزک مرتضوی

افضلیت شیخین پر ہے اور فرقہ تفضیلیہ کا رد ہے۔ ساتھ ہی حضرت علی کے ۱۸ر خصائص بھی آپ نے بیان فرمائے ہیں۔

(۴) آئینہ قیامت

واقعات کربلا کو نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے اور ان کو دلائل سے مزین بھی کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ایک سوال کے جواب میں اس کی صحت کی تصدیق بھی فرمائی ہے۔

(۵) بے موقع فریاد کے مہذب جواب

یہ کتاب پنڈت بشن نارائن کی کتاب ''انگریزوں سے ہندوستانیوں کی فریاد'' کے رد میں لکھی گئی ہے۔

(۶) سوالات حقائق نما بر روس ندوۃ العلما

یہ کتاب تحریک ندوہ کے رد میں بنظر خیر خواہی لکھی گئی ہے اور اس میں ۷۰ر سوالات ہیں جو سیدنا اعلیٰ حضرت نے

خود اہل ندوہ کی خواہش میں تحریر فرمائے تھے۔

(۷) فتاوی القدوۃ لکشف دفین الندوہ

یہ ردّ ندوہ میں فتاویٰ کا مجموعہ ہے جس میں پچاس سے زیادہ مفتیان کرام کے دست خط ہیں اور حواشی میں ندوہ کی کتب روداد سے حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔

(۸) ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ

اس میں ندوہ کے اصلی مقاصد کو واضح کیا گیا ہے اور اس کی روداد سوم کی قلعی کھولی گئی ہے۔

(۹) ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری

ردقادیانی میں یہ کتاب نہایت اہم ہے، مختصر اور اپنی جامعیت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔

(۱۰) اظہار روداد

یہ دارالعلوم منظر اسلام کے پہلے سال کی روداد ہے ،اس میں آٹھ عدد فتاویٰ اور مخیر حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

(۱۱) کوائف اخراجات

یہ منظر اسلام کے دوسرے سال کی روداد ہے اس میں طلبا کی تعداد اور زیر درس کتابوں کی نشان دہی ہے۔

(۱۲) باقیات حسن

یہ کتاب آپ کے مقالات و مضامین، مکاتیب و تقاریظ اور اہم سوالات و اشتہارات کا مجموعہ ہے اور گراں قدر معلومات کا خزانہ ہے۔

(۱۳) ذوق نعت

نعتیہ دیوان جس کے اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔

(۱۴) نگارستان لطافت

یہ بھی نعتوں کا مجموعہ جیسا کہ گزرا۔

(۱۵) ثمر فصاحت

غزلیہ دیوان، آج کل نایاب ہے، اور اسی کے ساتھ آپ کا دوسرا مجموعہ غزل

(۱۶) ساغر پر کیف بھی ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ محمد حامد رضا خانصاحب

خلف اکبر اعلیٰ حضرت

آپ کی ولادت باسعادت شہر بریلی میں ماہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/مئی ۱۸۷۵ء کو ہوئی۔ خاندانی دستور کے مطابق ''محمد'' نام پر عقیقہ ہوا اور یہ ہی آپ کا تاریخی نام بھی ہوگیا، عرفی نام حامد رضا تجویز ہوا، اور لقب حجۃ الاسلام ہے۔ مکمل تعلیم والد ماجد حاصل کی۔

طالب علمی کا زمانہ میں شب و روز مطالعہ و مذاکرہ جاری رہا۔ ۱۹/ سال کی عمر شریف ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۴ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ جب فارغ ہوئے تو والد ماجد امام احمد رضا نے فرمایا: ان جیسا عالم اودھ میں نہیں۔

زہد و تقوی، توکل و استغنا میں امتیازی شان کے مالک اور اخلاق و کردار کے بادشاہ تھے۔ ہندوستان کے اکابر علما کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ نگاہوں نے حجۃ الاسلام سے زیادہ حسین چہرہ نہیں دیکھا۔ آپ پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے، متواضع اور خلیق اور بلند پایہ کردار رکھتے تھے۔

فراغت کے بعد مسلسل ۱۵/ سال ۱۳۲۶ھ تک والد ماجد کی خدمت میں حاضر رہے اور تصنیف و تالیف، فتوی نویسی اور دیگر مضامین عالیہ سے خدمت دین فرمائی۔

جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں دست گاہ کامل حاصل تھی تھے

اور ایک عرصہ تک آپ نے منظر اسلام میں درس دیا، تفسیر و حدیث، فقہ واصول اور کلام و منطق وغیرہا میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، بالخصوص آپ کا درس بیضاوی، شرح عقائد اور شرح چغمینی بہت مشہور تھا۔

نور الکاملین خلاصۃ الواصلین سیدنا حضرت مولانا الشاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ سے آپ کو خلافت و اجازت حاصل تھی، اور پھر آپ کے حکم سے امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی حجۃ الاسلام کو جملہ علوم، اذکار و اشغال، اوراد و اعمال کی اجازت سے نوازا۔ ۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت کے ساتھ حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔

اعلیٰ حضرت نے اس سفر میں ''الدولۃ المکیہ'' تصنیف فرمائی تو آپ اس علمی شاہکار کے منصۂ شہود پر آنے کا ایک اہم سبب بنے۔ پوری کتاب کا مبیضہ آپ ہی نے کیا اور پھر امام احمد رضا کے حکم سے اس پر تمہید قلم برداشتہ تحریر کی جسے امام احمد رضا نے بہت پسند فرمایا۔ پھر بریلی آکر اس کا ترجمہ بھی آپ نے ہی کیا۔ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء اعلیٰ حضرت جبل پور تشریف لے گئے تو آپ ساتھ تھے۔

آپ ۱۷ ر جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۴۳ء بہ عمر ۷۰ سال عین حالت نماز میں دوران تشہد دس بجکر ۳۵ منٹ پر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

تصانیف

(۱) مجموعہ فتاوی بنام (فتاویٰ حجۃ الاسلام)

یہ آپ کے بعض اہم فتاویٰ کا مجموعہ جو امام احمد رضا اکیڈمی سے شائع ہو چکا ہے۔

(۲) الصارم الربانی علی اسراف القادیانی (۱۳۱۵ھ)

اس کتاب میں پانچ مقدمے اور پانچ تنبیہات ذکر کی ہیں اور ان کے ضمن میں قادیانیوں کا رد بلیغ فرمایا ہے۔ یہ رسالہ رد قادیانیت پر ایک اہم دستاویز ہے۔

(۳) اجتناب العمال عن فتاوی الجہال

مولوی نور محمد وہابی نے ''ضروری سوال'' کے نام سے ایک چھ ورقی کتابچہ لکھ کر یہ دعویٰ کیا تھا کہ ''نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھنا فتنہ وفساد اور غلبۂ کفار کے ساتھ خاص ہے۔ اور باقی کسی مصیبت و بلا مثلاً طاعون اور وبا وغیرہ کے وقت جائز نہیں''۔ آپ نے کتب حدیث و اصول حدیث اور فقہ واصول کی کتابوں سے وہابی کا رد فرماتے ہوئے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ہر مصیبت کے وقت قنوت پڑھنا جائز ہے، اس کو فتنہ وفساد اور غلبۂ کفار کے ساتھ خاص کرنا فضول اور ادعائے محض ہے۔

(۴) نعتیہ دیوان: یہ دیوان عربی میں تھا لیکن ضائع ہو گیا۔ اور بعض روایات کے پیش نظر کسی حاسد نے ضائع کر دیا۔

(۵) تمہید اور ترجمہ الدولیۃ المکیۃ

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵

اس کے بارے میں وضاحت گزر چکی۔

(۶) تمہید الاجازت المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ

۱۳۴۰ھ/ ۱۹۰۶ء

(۷) تمہید کفل الفقیہ الفاہم

۱۳۴۰ھ

یہ دونوں تمہیدات بھی آپ نے غالباً حرمین شریفین زادھما اللہ تعالیٰ شرفاً وتعظیماً میں لکھیں۔

(۹) سد الفرار

(۱۰) سلامۃ اللہ لاہل السنۃ من سبیل العناد والفتنۃ

۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳

جمعہ کی اذان ثانی سے متعلق جب علمائے بدایوں اور علمائے رام پور سے بحث ومباحثہ چل رہا تھا یہ دونوں کتابیں اسی زمانے کی ہیں اور اسی قضیے سے متعلق ہیں۔

(۱۱) حاشیہ ملا جلال قلمی

(۱۲) کنز المصلی پر حاشیہ، ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۰۵

(۱۳) اجلی انوار رضا، ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء

حضور مفتی اعظم حضرت علامہ مصطفی رضا خاں

مرجع العلماء والفقہاء سیدی حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفی رضا صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ کی ولادت با سعادت ۔ ۲۲/ ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء بروز جمعہ صبح صادق کے وقت بریلی شریف میں ہوئی۔

پیدائشی نام ''محمد'' عرف ''مصطفی رضا'' ہے۔ مرشد برحق حضرت شاہ ابوالحسین نوری قدس سرہ العزیز نے آل الرحمن ابوالبرکات نام تجویز فرمایا اور چھ ماہ کی عمر میں بریلی شریف تشریف لا کر جملہ سلاسل عالیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور ساتھ ہی امام احمد رضا قدس سرہ کو یہ بشارت عظمیٰ سنائی کہ: یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔

آپ نے جملہ علوم وفنون اپنے والد ماجد، برادر اکبر حجۃ الاسلام، استاذ الاساتذہ علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری، شیخ العلماء علامہ سید بشیر احمد علی گڑھی، شمس العلما علامہ ظہور الحسین فاروقی رامپوری سے حاصل کیے اور ۱۸/ سال کی عمر میں تقریباً چالیس علوم وفنون حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف ہی میں مسند تدریس کو رونق بخشی۔ تقریباً تیس سال تک علم و حکمت کے دریا بہائے، برصغیر پاک وہند کی اکثر درسگاہیں آپ کے تلامذہ ومستفیدین سے مالا مال ہیں۔ پچاس سال سے زیادہ فتویٰ نویسی اس شان سے فرمائی کہ اکابر علما نے بالاتفاق آپ کو مفتی اعظم کے لقب سے یاد کیا۔

آپ نے اس دور پر فتن میں نس بندی کی حرمت کا فتوی صادر فرمایا جبکہ عموماً دینی ادارے خاموش تھے، یا پھر جواز کا فتوی دے چکے تھے۔

۱۳/ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/ ۱۱/ نومبر ۱۹۸۱، بدھ کا دن گزار کر شب میں ۱/ بج کر چالیس منٹ پر ۹۲ سال کی عمر شریف میں وصال فرمایا اور جمعہ کی نماز کے بعد لاکھوں افراد نے نماز جنازہ اسلامیہ کالج کے وسیع میدان میں ادا کی اور امام احمد رضا کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

تصانیف:

آپ کی تصانیف علم وتحقیق کا منارۂ ہدایت ہیں، جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں حق تحقیق ادا فرماتے ہیں، آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) المکرمۃ النبویۃ فی الفتاوی المصطفویہ (فتاوی مصطفویہ)

یہ فتاویٰ ۷/ جلدوں میں مرتب ہو کر امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف سے شائع ہو چکے ہیں۔

(۲) مقتل کذب وکید (۱۳۳۲ھ)

مولوی عبد الغفار صاحب رامپوری نے مسئلہ اذان ثانی کے تعلق سے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا ''حبل اللہ المتین لاعدام آثار المبتدعین'' مگر اس کتاب کا نام دائرہ میں اس طرح لکھا کہ ''حبل اللہ المتین'' اوپر، درمیان میں ''لاعدام'' اور نیچے لائن میں ''آثار المبتدعین'' چونکہ دائرہ میں لکھا جانے

والا نام نیچے سے اوپر کو پڑھا جاتا ہے، لہذا اب یہ نام "آثار المبتدعین لاعدام حبل اللہ المتین" ہو گیا، حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

دائرہ میں جو نام لکھا جاتا ہے اس میں اکثر قاعدہ یہ ہے کہ مہر کی طرح نیچے سے اوپر کو پڑھا جاتا ہے، خصوصاً جب کہ اخیر میں نام الٰہی ہو کہ اس کی تعظیم کے لیے اسے اوپر رکھا جاتا ہے، مولوی صاحب کا طریقہ ہمیں بہت پسند آیا کہ انھوں نے اپنے رسالہ کا نام دائرہ میں رکھا تو اخیر جز کو جس میں نام الٰہی ہے سطر بالا میں لکھا، حسب قاعدہ نیچے سے شروع کیجیے، پہلے "آثار المبتدعین" ہے، پھر "لاعدام حبل اللہ المتین"۔ لہذا اصاف نام "آثار المبتدعین لاعدام حبل اللہ المتین" ہے، اور یہی ان کے لائق تھا۔ ع: آن چہ نصیب است بہم می رسد

لہذا اب مولوی عبد اللہ الغفار صاحب کی اس کتاب کا نام "آثار المبتدعین" ہی مشہور ہو گیا، حضور مفتی اعظم نے یکے بعد دیگرے صرف ایک سال میں یعنی ۱۳۳۲ھ میں پانچ رد لکھے:

(۳) صلیم الدیان لتقطیع حبالۃ الشیطان ۱۳۳۲ھ

(۴) سیف القہار علی العبید الکفار ۱۳۳۲ھ

یہ دونوں کتابیں راقم الحروف کو تلاش بسیار کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکیں۔

(۵) نفی العار عن معایب المولوی عبد الغفار ۱۳۳۲ھ۔ یہ آثار المبتدعین کا تیسرا رد ہے۔

(۶) مقتل کذب و کید ۱۳۳۲ھ۔ اس میں نہایت تفصیل سے جواب دیا گیا۔

(۷) مقتل اکذب و اجہل ۱۳۳۲ھ۔ یہ پانچواں رد ہے۔ ان تینوں تحریروں کا مطالعہ کیجیے اور حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے وفور علم کا مشاہدہ کر کے خراج عقیدت کے گوہر لٹائیے۔

(۸) طرد الشیطان عن سبیل الرحمن۔

اس کا دوسرا نام "عمدۃ البیان فی حرمۃ کو شان" بھی ہے، بلکہ بعض علمائے کرام سے اس کا تیسرا نام "القنابل الذریۃ علی اوثان النجدیہ" بھی منقول ہے۔ یہ کتاب نہایت معرکۃ الآراء ہے، نجدی حکومت نے حجاج کرام کے ساتھ ظالمانہ سلوک روا رکھتے ہوئے حج ٹیکس لگایا جو شرعا درست نہیں، حضور مفتی اعظم جب حج و زیارت کے لیے ۱۳۶۵ھ میں حرمین شریفین زادھما اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً حاضر ہوئے تو آپ سے سوال ہوا، آپ نے خاص مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر اس ٹیکس کے حرام ہونے پر نہایت مدلل فتویٰ فصیح و بلیغ عربی زبان میں تحریر فرمایا جس کو دیکھ کر علمائے حرمین نے فرمایا: "ان ھذا الا الھام" یہ فتویٰ تو الہامی ہے۔

(۹) تنویر الحجۃ لمن یجوز التواء الحجۃ۔

یہ نجدیوں کے مظالم کی وجہ سے حج کے التوا کا فتویٰ ہے، جو سب سے پہلے ۱۳۴۵ھ میں شائع ہوا، اس پر ہندو پاک کے کثیر مفتیان کرام اور علمائے اسلام کی تصدیقات ہیں۔

(۱۰) شفاء العي في جواب سوال بمبئی۔(۱۳۵۴ھ:)

یہ رسالہ تقلید شخصی کے عنوان پر نہایت وقیع اور دلائل سے مزین ہے، غیر مقلدین کے مزعومات کی دھجیاں اڑا کر واضح کیا گیا ہے کہ کسی مجتہد امام کی پیروی لازم و ضروری ہے۔

(۱۱) الرمح الدیاني علی رأس الوسواس الشیطاني۔(۱۳۳۱ھ)

اس رسالہ میں "تفسیر نعمانی" کے مؤلف پر حکم کفر وارتداد ہے، سیدنا اعلیٰ حضرت اور حضرت صدر الشریعہ علیہما الرحمہ کی اس

پر تصدیقات ہیں اور گویا یہ "حسام الحرمین" کا خلاصہ ونچوڑ ہے۔

(۱۲) تصحیح یقین بر ختم نبیین۔:

یہ کتاب قادیانیوں کے رد میں عام فہم انداز میں مختصر رسالہ ہے مگر نہایت جامع۔

(۱۳) علم غیب رسول۔:

یہ علم غیب سے متعلق چند تفصیلی فتاویٰ کا مجموعہ ہے اور غیوب خمسہ پر بھی نہایت واضح انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱۴) وہابیہ کی تقیہ بازی۔:

یہ کتاب بھی چند فتاویٰ کا مجموعہ ہے اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہابیہ کا مذہب تقیہ کرنے میں مثل روافض ہے کہ جب اور جہاں چاہتے ہیں اپنے دھرم کو چھپاتے اور لوگوں کو فریب میں مبتلا کرتے ہیں۔

(۱۵) القول العجیب فی جواز التثویب۔(۱۳۳۹ھ)

یہ رسالہ اذان کے بعد دوبارہ اعلان نماز یعنی صلاۃ وغیرہ پکارنے کے سلسلہ میں ہے، اس میں بھی متعدد فتاویٰ ہیں۔

(۱۶) نمود ظلم مشرکین گاؤزور۔(۱۹۳۰ء)

اس کتاب میں مسلمان کہلانے والے کانگریسیوں کا رد ہے جس میں خلافت اور ترک موالات وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب حضرت نے ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں تحریر فرمائی تھی۔ اس کتاب کے آپ نے دو نام اور بھی رکھے ہیں۔ ایک "موجب رقت کاسہ لیسان کانگریس" اور دوسرا نام "کانگریسی پٹھوؤں کی داستان دل ریش" ان تین ناموں میں پہلے اور تیسرے سے (۱۹۳۰) برآمد ہوتا اور دوسرے سے (۱۳۴۹) اور یہ اس کتاب کا سال تصنیف ہے۔

(۱۷) طرق الہدیٰ والارشادالی احکام الامارۃ والجہاد۔(۱۳۴۱ھ)

اس رسالہ میں جہاد، خلافت، ترک موالات، نان کوآپریشن، اور قربانی گاؤوغیرہ کے متعلق چھ سوالات کے جوابات ہیں۔

(۱۸) سیف الجبار علی کفر زمیں دار۔

یہ کتاب اخبار "زمین دار لاہور" میں شائع ہونے والے چند کفری اشعار کے بارے میں ہے، حضرت نے نہایت تحقیق کے ساتھ ان اشعار کی شرعی حیثیت واضح کی ہے اور حکم کفر لگایا ہے، اس پر ہندو پاک کے بہت سے علمائے کرام اور مفتیان اسلام کے دستخط ہیں۔ اس کا تاریخی نام "القسورۃ علی ادوار الحمر الکفرۃ" (۱۳۴۳ھ) ہے، اور دوسرا لقبی نام "ظفر علی رمۃ کفر" ہے جس سے (۱۹۲۵) کا عدد نکلتا ہے اور یہی اس کا سنہ تصنیف ہے۔

(۱۹) وقعات السنان الی حلق المسماۃ بسط البنان (۱۳۳۰ھ):

یہ کتاب مولوی قاسم نانوتوی دیوبندی کی رسوائے زمانہ کتاب "تحذیر الناس" کا رد ہے اور ساتھ ہی مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کی بدنام زمانہ کتاب "حفظ الایمان" کی صفائی میں لکھی جانے والی کتاب "بسط البنان" کا بھی رد ہے۔

(۲۰) ادخال السنان الی الحنک الحلقی بسط البنان:(۱۳۳۲ھ)

تھانوی نے اپنی صفائی میں "بسط البنان" نامی چار ورقی کتاب لکھی تھی اس کا یہ دوسرا رد ہے۔

(۲۱) نہایۃ السنان: بسط البنان کا تیسرا رد

(۲۲) الموت الأحمر علی کل أنحس أکفر۔(۱۳۳۷ھ)

علمائے دیوبند پر جب حکم کفر وارتداد لگایا گیا تو ہر ممکن کو

شش کر کے انہوں نے اپنے کفر کو دفع کرنے کی کوشش کی مگر جتنی تاویلیں کی گئیں وہ سب الٹی گلے پڑیں اور حکم کفر نہ اٹھا اور نہ کبھی اٹھ سکے گا۔ چنانچہ تھانوی صاحب نے ایک شخص کو طالب تحقیق بنا کر بریلی شریف بھیجا جس نے یہاں سے بہت کچھ تفصیلات حاصل کر کے بذریعہ خط دو شبہے پیش کیے، ایک یہ کہ ''المعتقد'' میں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کے امکان ذاتی ماننے والوں پر حکم کفر نہیں تو نانوتوی صاحب پر کیوں ہے، اور دوسرا یہ کہ اسماعیل دہلوی پر حکم کفر فقہی لگایا جب کہ اس کے توابع نانوتوی، تھانوی، گنگوہی اور انبیٹھوی پر کفر کلامی قطعی کا حکم نافذ کیا، یہ فرق کیوں؟ حضرت نے اس کتاب میں نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے کہ فرق اس لیے ہے اور دیوبندیہ کے اعتراضات لا یعنی و جاہلانہ ہیں۔

(۲۳) اشد العذاب علی عابد الخناس

(۱۳۲۸ھ)

تحذیر الناس کا رد بلیغ

(۲۴) الحجۃ الواہرۃ بوجوب الحجۃ الحاضرۃ۔

(۱۳۴۲ھ)

شریف مکہ کے زمانے میں جب کہ حرمین شریفین زادھما اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً میں امن و امان کا زمانہ تھا، اس وقت بعض لیڈروں نے حج بیت اللہ سے روکنے کی کوشش تھی، اور وجہ یہ بتائی تھی کہ شریف مکہ ظالم ہے اور اس کے ظلم قرامطہ جیسے ہیں، حضرت نے ان تمام الزامات کی تردید فرمائی اور نہایت تحقیق کے ساتھ وہاں کے واقعی حالات سے خبردار کیا اور پھر حج کے فرض ہونے کی وضاحت فرمائی۔

(۲۵) مسائل سماع:

یہ ایک اہم فتویٰ ہے جو قوالی مع مزامیر کے تعلق سے حکم شریعت پر مشتمل ہے۔

(۲۶) وقایۃ أہل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنۃ۔

(۱۳۳۲ھ)

اذان ثانی کے سلسلہ میں سیدنا اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف بیرون مسجد کے سلسلہ میں فقہائے کرام کے اقوال سے ثبوت فراہم کیا تھا، جب بحث آگے بڑھی تو اعلیٰ حضرت نے اپنے دعوی کے ثبوت میں سنن ابوداؤد شریف کی حدیث سے استدلال فرمایا، اس حدیث کو بے اثر اور نا قابل عمل ثابت کرنے کے لیے مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک نیا شوشہ یہ چھوڑا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اپنے ضعف کی وجہ سے قابل استدلال نہیں، وجہ یہ بتائی کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہیں جو کذاب یا متہم بالکذب ہیں۔

تھانوی صاحب کا یہ حملۂ جارحانہ حضور مفتی اعظم سے برداشت نہ ہو سکا، چنانچہ آپ نے قلم اٹھایا اور تھانوی صاحب کے استدلال کی دھجیاں اڑا دیں۔

(۲۷) الٰہی ضرب بر اہل حرب۔ (۱۳۳۲ھ)

اس رسالہ میں تھانوی صاحب کی کچھ مزید خرافات کا جواب ہے اور یہ گویا پہلے رسالہ کا تتمہ ہے۔

(۲۸) النکتۃ علی مراء کلکتہ۔ (۱۳۳۲ھ)

کلکتہ کے بعض علما کے شکوک و شبہات کا اس میں جواب دیا گیا ہے۔

(۲۹) ''کشف ضلال دیوبند''

سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ''الاستمداد علی اجیال الارتداد'' نام سے تین سو ساٹھ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ اردو زبان میں تحریر فرمایا تھا جس میں دیوبندیوں کے عقائد باطلہ کی

نشادہی کی گئی تھی، حضور مفتی اعظم نے اس پر حاشیہ اور شرح تحریر فرمائی۔ اس کا نام "کشف ضلال دیوبند" رکھا۔ چناں چہ ہر سنی کو دیوبندی وہابی مسلک جاننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

یہ وہ اہم کتاب ہے جس کے اشعار بچوں کو حفظ کرانے کی ہدایت کی گئی ہے تا کہ آسانی سے دیوبندی مسلک کو جانا جا سکے ،اور پھر حواشی اور شرح کے ذریعہ تمام معلومات ذہن میں محفوظ ہو جائیں۔

(۳۰) الکاوی فی العاوی و الغاوی (۱۳۳۰ھ)

(۳۱) القشم القاصم للداسم القاسم (۱۳۳۰ھ)

(۳۲) نور الفرقان بین جند الالٰہ و احزاب الشیطان (۱۳۳۰ھ)

(۳۳) الطاری الداری لھفوات عبد الباری (۱۳۳۹ھ)

امام احمد رضا اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے درمیان مراسلت کا مجموعہ

(۳۴) الملفوظ، چار حصے، (۱۳۳۸ھ)

امام احمد رضا قدس سرہ کے ملفوظات

(۳۵) حاشیہ فتاوی رضویہ اول

(۳۶) حاشیہ فتاوی رضویہ پنجم

(۳۷) نور العرفان

(۳۸) داڑھی کا مسئلہ

(۳۹) سلک مراد آباد پر معترضانہ ریمارک

حکیم الاسلام حضرت مولانا حسنین رضا خاں

خلف اصغر استاد زمن

ولادت و تعلیم: آپ کی ولادت ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں محلہ سوداگران میں ہوئی۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے: حکیم الاسلام مولانا حسنین رضا خاں بن استاد زمن مولانا حسن رضا خاں بن رئیس الاتقیا حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں۔ علیہم الرحمہ

ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی، اس کے بعد منظر اسلام میں داخل ہوئے، تعلیم مکمل کرنے بعد رامپور گئے جہاں معقولات کی منتہی کتابیں شرح اشارات محقق طوسی اور شرح اشارات امام رازی جیسی کتابیں پڑھیں۔

اساتذہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری، مفتی ارشاد حسین رامپوری اور مولانا رحم الٰہی منگلوری سر فہرست ہیں۔

مضبوط قوت حافظہ کے مالک تھے، منظر اسلام میں حضور مفتیٔ اعظم کے شریک درس رہے، فراغت کے بعد منظر اسلام میں مسند تدرس کو رونق بخشی۔ حسنی پریس کے نام سے ایک پریس قائم کیا جس کے ذریعہ اعلیٰ حضرت کی بہت سے تصانیف منظر عام پر آئیں۔ آپ اعلیٰ حضرت کے بھتیجے ہونے کے ساتھ داماد بھی تھے۔

اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بسا اوقات حاضر رہتے اور خوب مستفید ہوتے، غربا پروری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی آپ کا شعار تھا۔ سادگی میں زندگی گزار دی۔ ۵ رصفر ۱۴۰۱ھ/ ۱۴ ردسمبر ۱۹۸۰ء بروز اتوار انتقال ہوا۔ خانقاہ رضویہ میں مدفون ہیں۔ آپ نے مندرجہ ذیل تصانیف یادگار چھوڑیں۔

تصانیف:

(۱) مسلمانوں کے اسباب زوال

(۲) سیرت اعلیٰ حضرت

یہ کتاب سیدنا اعلیٰ حضرت کی سیرت پر نہایت عمدہ پیرایہ میں لکھی گئی ہے اور اکثر واقعات مصنف کے چشم دید ہیں۔

مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی

خلف اکبر حجۃ الاسلام

مفسر اعظم ہند علامہ مفتی ابراہیم رضا خاں بریلوی کی ولادت باسعادت ۱۰؍ربیع الآخر ۱۳۲۵ھ میں ہوئی۔ امام احمد رضا نے محمد نام رکھا اور والد گرامی نے ابراہیم رضا نام تجویز فرمایا۔ اعلیٰ حضرت نے پکارنے کیلئے جیلانی میاں رکھا۔ محمد نام پر عقیقہ ہوا۔

دار العلوم منظر اسلام میں مشاہیر علما سے تعلیم حاصل کی اور مشائخ کی موجودگی میں حجۃ الاسلام نے دستار بندی فرمائی اور اپنی نیابت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

۱۳۷۲ھ میں درس وتدریس کا آغاز فرمایا آپ بالخصوص کافیہ، قدوری، شرح جامی، مسلم شریف، مشکوۃ شریف، شفاء شریف، ترمذی شریف کا درس دیا کرتے تھے، عربی میں کمال درجہ کا عبور حاصل تھا، دوران درس عربی زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے، مسلم شریف اور شفا شریف پڑھاتے وقت وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

آپ کا وصال ۱۱؍صفر المظفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۲؍جون ۱۹۶۹ء بروز ہفتہ ہوا۔

اب تک کی دریافت کے مطابق آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں :

تصانیف:

(۱) ترجمہ الدرر السنیہ (تصنیف علامہ زینی دحلان مکی استاذ اعلیٰ حضرت کا اردو ترجمہ)

(۲) تشریح قصیدۂ نعمانیہ (قصیدۂ امام اعظم کا اردو ترجمہ)

(۳) ترجمہ تحفۂ حنفیہ (تصنیف مولانا اشرف علی گلشن آبادی کا ترجمہ)

(۴) ذکر اللہ

(۵) نعمت اللہ

(۶) حجۃ اللہ)

(۷) فضائل درود شریف

(۸) نور الصفا لعبد المصطفیٰ

(۹) تفسیر سورۂ بلد

(۱۰) زیارۃ القبور

(۱۱) معارف القرآن

(۱۲) معارف الحدیث

(۱۳) انتخاب مثنوی

(۱۴) آیات متشابہات

ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں

(خلف اکبر حضرت مفسر اعظم ہند)

پیدائش وتعلیم: ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ کے بڑے شہزادے ہیں، آپ کی ولادت ۱۸؍ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ؍۱۹۳۴ء میں ہوئی۔ آپ کو خانقاہ قادریہ رضویہ حامدیہ کا سجادہ نشین حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے اپنی حیات ہی میں نامزد فرما دیا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے جس وقت آپ

کو اپنے رجسٹرڈ وقف نامہ اور وصیت نامہ میں سجادہ نشین منتخب فرمایا اس وقت آپ کی عمر محض ۴ رسال کی تھی۔ سجادہ نشینی کے انتخاب کے ساتھ حضرت حجۃ الاسلام نے اسی عمر میں حضرت ریحان ملت کو اپنی اجازت و خلافت سے بھی نوازا تھا۔

حضرت حجۃ الاسلام نے مؤرخہ ۳۰ راگست ۱۹۳۸ء کو یہ وقف نامہ اور وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا۔ یہ وقف نامہ مؤرخہ ۲ رستمبر ۱۹۳۸ء کو بریلی تحصیل میں رجسٹرڈ ہوا۔ حضرت جیلانی میاں علیہ الرحمہ، حضرت نعمانی میاں اور حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کی جانشینی سے متعلق اس رجسٹرڈ وصیت نامہ میں جو تصریحات ہیں انہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"انتظامِ تولیتِ خانقاہ شریف: متولی وسجادہ نشین خانقاہ ہمارے بعد ہمارے دونوں فرزند یکے بعد دیگرے، "اکبر" بعدہ "اصغر" اور ان کے بعد ہمارا نبیرہ "ریحان رضا خاں سلمہ" صاحب سجادہ ومتولی ہوگا۔ ہمارے خلفِ اکبر "ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں" کو حضور پُر نور "اعلیٰ حضرت" "قبلہ قدس سرہ نے اپنا "مجاز وماذون" بشرطِ علم فرمایا تھا اور خلف اصغر "حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں" سلمہ کو مجھ مقرِّ اول نے بشرط علم "اجازت وخلافت" دی اور اپنے نبیرہ "ریحان رضا خاں" سلمہ کو بھی "مجاز و ماذون" کیا۔" (رجسٹرڈ حامدی وقف نامہ)

سیدی سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ امام النحو حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ سے بھی آپ نے تحصیل علم فرمائی۔ منظر اسلام سے بھی آپ نے تحصیل علم فرمائی۔ حضرت مفسر اعظم ہند کے حکم پر محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد صاحب قبلہ کی خدمت میں رہ کر آپ نے لائل پور پاکستان میں بھی تعلیم حاصل کی۔

تصانیف: فراغت کے بعد حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کے انتقال فرما جانے کی وجہ سے مرکز اہل سنت، خانقاہ رضویہ، منظر اسلام وغیرہ کی ساری ذمہ داریاں آپ ہی کے کاندھوں پر آگئیں۔ اگر چہ ان تمام ذمہ داریوں کے باوجود آپ باقاعدہ منظر اسلام میں طلبہ کو پڑھاتے ، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی ادارتی ذمہ داریاں بھی سنبھالتے ،فتویٰ نویسی بھی فرماتے لیکن تصنیف وتالیف کے لیے جو پُر سکون ماحول درکار ہوتا ہے وہ آپ کو حاصل نہ ہوسکا۔ جس کی وجہ سے باقاعدہ آپ کی تصانیف تو نہیں ملتیں البتہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت کے شماروں میں شائع شدہ آپ کے کئی مقالات اور مضامین کافی اہمیت کے حامل ہیں اگر ان سب کو مرتب کر دیا جائے تو ایک اچھا خاصا مجموعہ تیار ہوسکتا ہے۔ ان مضامین کے علاوہ ٹی وی، ویڈیو اور جاندار کی تصویروں کے حکم شرعی پر مشتمل آپ کا ایک مختصر رسالہ بھی ملتا ہے جسے آپ نے ایک سوال کے جواب میں فتویٰ کی صورت میں تحریر فرمایا تھا۔ آپ سے سوال ہوا تھا کہ ویڈیو کیسٹ اور ٹیلی ویژن کا شرعی حکم کیا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں تقریباً ۱۲ رصفحات پر مشتمل آپ نے یہ فتویٰ تحریر فرمایا جو بعد میں کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ اس کی ابتداء یوں ہے : "الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب: ٹیلی ویژن اور ویڈیو کو وہ لوگ بھی جائز نہیں سمجھتے جو ان کا شوق رکھتے ہیں الخ۔"

اس فتویٰ اور رسالہ کا اختتام یوں ہوا "نئے نئے احتمالات

نکال کران کے جواز کی صورتیں پیدا کرنا فتنوں کا دروازہ کھولنا اور ابنائے زمانہ کی روش سے غافل ہونے کے مترادف ہے۔"

وصال: حضرت ریحان ملت کا وصال ۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ ۱۲؍رجون ۱۹۸۵ء کو ہوا۔ آپ نے اپنی زندگی میں مرکز اہل سنت کو خوب تقویت عطا فرمائی۔ آپ کی ذات سے مرکز و مسلک کو خوب استحکام حاصل ہوا۔ آپ نے دنیا کے کئی ممالک کے دورے کیئے۔ سلسلہ رضویہ کو بیرون ممالک میں آپ کی ذات سے خوب فروغ حاصل ہوا۔

حضرت ریحان ملت ۱۱؍صفر ۱۳۸۵ھ/ ۱۲جون ۱۹۶۵ء سے ۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ ۸؍رجون ۱۹۸۵ء تک خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ کے سجادہ نشین اور تمام اوقاف کے متولی رہے۔

صدر العلما حضرت علامہ تحسین رضا خاں

نبیرۂ استاد زمن

ولادت و تعلیم: آپ کی ولادت ۱۴؍ شعبان ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۳۰ء میں محلہ سوداگران میں ہوئی۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے: صدر العلما حضرت مولانا تحسین رضا خاں بن حکیم الاسلام مولانا حسنین رضا خاں بن استاد زمن مولانا حسن رضا خاں بن رئیس الاتقیا حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں۔ علیہم الرحمہ

ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں ہوئی، درس نظامی کی تعلیم کے لیے دار العلوم منظر اسلام میں داخل ہوئے۔ پھر دار العلوم مظہر اسلام میں داخلہ لیا۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب کی خصوصی عنایت سے بہرہ مند رہے اور تقسیم ہند کے بعد انہی کی خدمت میں حاضر ہو کر لائلپور (فیصل آباد) پاکستان میں دورۂ حدیث کیا اور طلبہ میں تاج الطلبہ کے لقب سے ممتاز ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں حضور مفتئ اعظم اور صدر الشریعہ سرفہرست ہیں۔ ۲۵؍صفر ۱۳۸۰ھ میں عرس رضوی کی روحانی مجلس کے موقع پر علما و مشائخ کی موجودگی میں حضور مفتئ اعظم نے آپ کو خلافت اور تمام وظائف کی اجازت سے سرفراز فرمایا۔

فراغت کے بعد مظہر اسلام میں مسند تدریس پر فائز ہوئے، ۱۹۷۵ء میں منظر اسلام کی مسند صدارت کو رونق بخشی اور سات سال تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۸۲ء میں جامعہ نوریہ رضویہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ کو یہاں صدارت اور شیخ الحدیث کا منصب سونپا گیا۔ ۲۳؍سال تک ان مناصب کو رونق بخشنے کے بعد ۲۰۰۵ء میں مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا میں شیخ الحدیث کا منصب سنبھالا، چند سال ہی گزرے تھے کہ حادثۂ فاجعہ پیش آ گیا۔ ناگپور سے چندر پور جاتے ہوئے راستہ میں کار پلٹ گئی اور آپ ۱۸؍رجب ۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء کو جاں بحق ہو گئے۔ کانکر ٹولہ پرانا شہر میں مزار پاک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ آپ کی مرقد انور پر تا قیامت رحمت و نور کی بارش فرمائے، آمین

آپ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی اور باقی عمر مبارک درس و تدریس میں بسر فرمائی۔ آپ کی تصنیف کا موضوع "فضائل مدینہ" ہے اور ابھی حال ہی میں آپ کے ذخیرۂ کتب سے دست یاب ہوئی ہے۔

تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری

آپ کی ولادت ۱۴/ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ/ ۲۳/نومبر ۱۹۴۲ء بروز منگل ہوئی۔ آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے: تاج الشریعہ مولانا اختر رضا خاں بن مفسر اعظم مولانا محمد ابراہیم رضا خاں بن حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہم الرحمۃ والرضوان۔ آپ کی والدہ ماجدہ نگار فاطمہ عرف سرکار بیگم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی صاحبزادی ہیں، لہٰذا آپ حضرت کے نواسے ہوئے۔

بسم اللہ خوانی کی تقریب کے بعد آپ کی تعلیم گھر پہ ہی شروع ہوئی، ناظرہ قرآن مجید والدہ ماجدہ سے پڑھا اور ابتدائی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، پھر اسلامیہ انٹر کالج میں داخلہ لیا اور یہاں سے انٹر تک تعلیم کے بعد منظر اسلام میں داخل ہوئے اور نصاب مکمل کر کے جامع ازہر مصر روانہ ہوئے اور تعلیم مکمل کر کے بریلی واپس آئے، فتویٰ نویسی کی مشق سیدی سرکار حضور مفتی اعظم سے کی اور چند سال میں ہی حضرت نے اپنی جانشینی کا شرف بخشا۔

درس وتدریس کے ساتھ تقریباً چالیس سال تک فتویٰ نویسی فرمائی، دنیا کے بیشتر ممالک میں تبلیغی دورے فرمائے، آپ کے مریدین ومتوسلین اور عقیدت مند پوری دنیا میں کروروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ کو بریلی شریف میں انتقال ہوا، لاکھوں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی، محلہ سوداگران میں خانقاہ رضویہ سے متصل ازہری گیسٹ ہاؤس میں تدفین عمل میں آئی۔

تصنیف وترجمہ کا مشغلہ پوری زندگی جاری رہا، پچاس سے زیادہ کتابیں آپ نے علمی یادگار چھوڑیں جو حسب ذیل ہیں:

اردو تصانیف:

۱۔ ہجرت رسول

اس کتاب میں ہجرت مدینہ کی خصوصیت اور مدینہ مکرمہ کی مدینہ مکرمہ پر فضیلت بیان فرمائی ہے۔

۲۔ آثار قیامت

۳۔ ٹائی کا مسئلہ

اس کتاب میں ٹائی کے تعلق سے بیان فرمایا ہے کہ یہ نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے۔

۴۔ حضرت ابراہیم کے والد تارخ یا آزر

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے آبائے کرام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک سب مؤمن تھے، لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی شجرہ میں ہیں وہ آزر نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ بت تراش تھا اور بت پرست مشرک بھی۔ لہٰذا اس کتاب میں آپ نے ثابت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارح تھے آزر نہیں تھا۔

۵۔ ٹی وی اور ویڈیو کا آپریشن مع شرعی حکم

ٹی وہ اور ویڈیو کے استعمال کا مسئلہ ماضی قریب میں خود علمائے اہل سنت کے درمیان مختلف فیہ رہا، آپ نے اس کی تحقیق فرما کر حکم شرعی سے آگاہ کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ ان دونوں کے ذریعہ دینی پروگرام سے متعلق جاندار کی تصاویر نا جائز ہیں۔

۶۔ شرح حدیث نیت

تمام کاموں کا دارومدار نیتوں پر ہے، یہ ایسا مسئلہ ہے جس کو خاص وعام سب جانتے ہی اور یہ حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے اس کے بہت سے گوشے اجاگر کیے ہیں۔

۷۔سنو چپ رہو

۸۔دفاع کنز الایمان (۲ جلد)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ترجمۂ قرآن پر اعتراضات کرنا دیوبندیوں کا شیوہ رہا ہے، اسی روش کو اپناتے ہوئے دیوبندی مولوی امام علی قاسمی رائے پوری نے بھی ایک کتاب "قرآن پر ظلم" کے نام سے لکھی۔آپ نے اس کا نہایت تحقیقی جواب دیا ہے۔

۹۔الحق المبین

۱۰۔تین طلاقوں کا شرعی حکم

چاروں امام اس بات پر متفق ہیں کہ ایک مجلس میں اگر تین طلاقیں دیں تو تین ہی شمار ہوں گی۔غیر مقلدین نے یہ مسئلہ اختراع کیا کہ نہیں بلکہ اس صورت میں صرف ایک ہو گی۔آپ نے اس کی اجمالاً ایسی تحقیق فرمائی ہے کہ غیر مقلدین اس کے جواب سے عاجز ہیں۔

۱۱۔کیا دین کی مہم پوری ہو چکی؟

۱۲۔جشن عید میلاد النبی

۱۳۔سفینۂ بخشش (نعتیہ دیوان)

۱۴۔فضیلت نسب

۱۵۔تصویر کا مسئلہ

اس کتاب میں عکسی تصویر کی حرمت اور متواتر المعنی احدیث سے اس کا اثبات نیز درجنوں کتب فقہیہ سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

۱۶۔اسمائے سورۃ فاتحہ کی وجہ تسمیہ

۱۷۔القول الفائق بحکم الاقتداء بالفاسق

۱۸۔سعودی مظالم کی کہانی اختر رضا کی زبانی

۱۹۔العطایا الرضویہ فی فتاویٰ الازہریہ المعروف ازہر الفتاویٰ (زیر ترتیب ۵ جلد) (دو جلدیں مطبوعہ)

عربی تصانیف:

۱۔الحق المبین

۲۔الصحابۃ نجوم الاھتداء

۳۔شرح حدیث الاخلاص

۴۔نبذۃ حیاۃ الامام احمد رضا

۵۔سد المشارع

۶۔حاشیہ عصیدۃ الشھدہ شرح القصیدۃ

۷۔تعلیقات زاہرہ علی صحیح البخاری

۸۔تحقیق ان ابا سیدنا ابراہیم (تارح) لا (آزر)

۹۔مرآۃ النجدیہ بجواب البریلویہ (۲ جلد)

۱۰۔نہایۃ الزین فی التخفیف عن ابی لھب یوم الاثنین

۱۱۔الفردۃ فی شرح قصیدۃ البردۃ

عربی زبان سے اردو زبان میں اعلیٰ حضرت کی کتابوں کے ترجمے:

۱۔انوار المنان فی توحید القرآن

۲۔المعتقد المنتقد مع المعتمد المستمد

۳۔الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی

تعاریب (یعنی اعلیٰ حضرت کی اردو کتب کا عربی زبان میں ترجمے):

۱۔برکات الامداد لاہل الاستمداد

۲۔فقہ شہنشاہ

۳۔عطایا القدیر فی حکم التصویر

۴۔اہلاک الوہابین علی توہین قبور المسلمین

۵۔تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون

۶۔شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام

۷۔ قوارع القھار علی المجسمۃ الفجار

۸۔ الھاد الکاف فی حکم الضعاف

۹۔ الامن والعلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء

۱۰۔ سبحان السبوح عن عیب کذب المقبوح

۱۱۔ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین

ان مشغولیات کے ساتھ ہی آپ نے فتاویٰ رضویہ جلد اول مع رسائل، نیز دیگر رسائل رضویہ کو عربی زبان کے قالب میں ڈھالا جو آپ کا عظیم کارنامہ ہے جس کی عرب دنیا میں پذیرائی ہوئی جب کہ ابھی فتاویٰ رضویہ جلد اول کی اشاعت باقی ہے۔

اسی طرح آپ نے کچھ عربی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا بھی اور کرایا بھی۔ ان میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف ''الزلال الانقیٰ'' جو عربی زبان کا شاہکار ہے اس کا ترجمہ۔ ''انوار المنان'' کا ترجمہ اور پھر المعتقد کے ساتھ المستند المعتمد کا ترجمہ بھی آپ نے عالمانہ انداز میں فرمایا ہے۔

مندرجہ بالا کسٹھ کتابوں کی فہرست میں سے بعض کا مختصر تعارف اور بعض کے اجمالی بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ کی تصنیفی خدمات نمایاں ہیں۔ اور ان سب پر آپ کے فتاویٰ مستزاد ہیں جو آٹھ یا نو جلدوں میں ازہر الفتاویٰ کے نام سے شائع ہونے والے ہیں جن کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں

(خلف اکبر حضرت مفسر اعظم ہند)

پیدائش و تعلیم: ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ کے بڑے شہزادے ہیں، آپ کی ولادت ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء میں ہوئی۔ آپ کو خانقاہ قادریہ رضویہ حامدیہ کا سجادہ نشین حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے اپنی حیات ہی میں نامزد فرما دیا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے جس وقت آپ کو اپنے رجسٹرڈ وقف نامہ اور وصیت نامہ میں سجادہ نشین منتخب فرمایا اس وقت آپ کی عمر محض ۴/سال کی تھی۔ سجادہ نشینی کے انتخاب کے ساتھ حضرت حجۃ الاسلام نے اسی عمر میں حضرت ریحان ملت کو اپنی اجازت وخلافت سے بھی نوازا تھا۔

حضرت حجۃ الاسلام نے مؤرخہ ۳۰/اگست ۱۹۳۸ء کو یہ وقف نامہ اور وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا۔ یہ وقف نامہ مؤرخہ ۲/ستمبر ۱۹۳۸ء کو بریلی تحصیل میں رجسٹرڈ ہوا۔ حضرت جیلانی میاں علیہ الرحمہ، حضرت نعمانی میاں اور حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کی جانشینی سے متعلق اس رجسٹرڈ وصیت نامہ میں جو تصریحات ہیں انہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

'' انتظام تولیتِ خانقاہ شریف: متولی وسجادہ نشین خانقاہ ہمارے بعد ہمارے دونوں فرزند یکے بعد دیگرے، ''اکبر'' بعدہ ''اصغر'' اور ان کے بعد ہمارا نبیرہ ''ریحان رضا خاں سلمہ'' صاحب سجادہ ومتولی ہوگا۔ ہمارے خلفِ اکبر ''ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں'' کو حضور پُرنور ''اعلیٰ حضرت'' ''قبلہ قدس سرہ نے اپنا 'مجاز وماذون'' بشرطِ علم فرمایا تھا اور خلف اصغر ''حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں'' سلمہ کو مجھ مقرِّ اول نے بشرطِ علم ''اجازت وخلافت'' دی اور اپنے نبیرہ ''ریحان رضا خاں'' سلمہ کو بھی ''مجاز و ماذون'' کیا۔'' (رجسٹرڈ حامدی وقف نامہ)

سیدی سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ امام النحو حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی

علیہ الرحمہ سے بھی آپ نے تحصیل علم فرمائی۔ منظر اسلام سے بھی آپ نے تحصیل علم فرمائی۔ حضرت مفسر اعظم ہند کے حکم پر محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد صاحب قبلہ کی خدمت میں رہ کر آپ نے لائل پور پاکستان میں بھی تعلیم حاصل کی۔

تصانیف: فراغت کے بعد حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کے انتقال فرما جانے کی وجہ سے مرکز اہل سنت، خانقاہ رضویہ، منظر اسلام وغیرہ کی ساری ذمہ داریاں آپ ہی کے کاندھوں پر آگئیں۔ اگرچہ ان تمام ذمہ داریوں کے باوجود آپ باقاعدہ منظر اسلام میں طلبہ کو پڑھاتے، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی ادارتی ذمہ داریاں بھی سنبھالتے، فتویٰ نویسی بھی فرماتے لیکن تصنیف وتالیف کے لیے جو پُرسکون ماحول درکار ہوتا ہے وہ آپ کو حاصل نہ ہو سکا۔ جس کی وجہ سے باقاعدہ آپ کی تصانیف تو نہیں ملتیں البتہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت کے شماروں میں شائع شدہ آپ کے کئی مقالات اور مضامین کافی اہمیت کے حامل ہیں اگر ان سب کو مرتب کر دیا جائے تو ایک اچھا خاصا مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان مضامین کے علاوہ ٹی وی، ویڈیو اور جاندار کی تصویروں کے حکم شرعی پر مشتمل آپ کا ایک مختصر رسالہ بھی ملتا ہے جسے آپ نے ایک سوال کے جواب میں فتویٰ کی صورت میں تحریر فرمایا تھا۔ آپ سے سوال ہوا تھا کہ ویڈیو کیسٹ اور ٹیلی ویژن کا شرعی حکم کیا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں تقریباً ۱۲ر صفحات پر مشتمل آپ نے یہ فتویٰ تحریر فرمایا جو بعد میں کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ اس کی ابتداء یوں ہے: ''**الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب:** ٹیلی ویژن اور ویڈیو کو وہ لوگ بھی جائز نہیں سمجھتے جو ان کا شوق رکھتے ہیں الخ۔''

اس فتویٰ اور رسالہ کا اختتام یوں ہوا ''نئے نئے احتمالات نکال کر ان کے جواز کی صورتیں پیدا کرنا فتنوں کا دروازہ کھولنا اور ابنائے زمانہ کی روش سے غافل ہونے کے مترادف ہے۔''

وصال: حضرت ریحان ملت کا وصال ۱۸ر رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ ۱۲ر جون ۱۹۸۵ء کو ہوا۔ آپ نے اپنی زندگی میں مرکز اہل سنت کو خوب تقویت عطا فرمائی۔ آپ کی ذات سے مرکز ومسلک کو خوب استحکام حاصل ہوا۔ آپ نے دنیا کے کئی ممالک کے دورے کیئے۔ سلسلہ رضویہ کو بیرون ممالک میں آپ کی ذات سے خوب فروغ حاصل ہوا۔

حضرت ریحان ملت ۱۱ر صفر ۱۳۸۵ھ/ ۱۲ جون ۱۹۶۵ء سے ۱۸ر رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ ۸ر جون ۱۹۸۵ء تک خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ کے سجادہ نشین اور تمام اوقاف کے متولی رہے۔

مرکز اہل سنت کی تفسیری خدمات

ڈاکٹر عبد العلیم رضوی: شیخ الحدیث دار العلوم نوری اندور

امام احمد رضا بریلوی کو چونکہ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ پر کامل عبور اور مہارت تامہ حاصل ہے، اس لئے آپ نے جس علمی موضوع پر قلم اٹھایا، تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ پچھلے باب میں آپ کی علوم قرآنیہ میں مہارت اور اصول تفسیر میں ممارست، ہم مثالوں کے ذریعہ واضح کر چکے ہیں۔

اس باب میں (۱) اصلاح عقائد (۲) اصلاح اعمال (۳) معلومات کی فراوانی (۴) دلائل کی کثرت (۵) فقہی نکتہ رسی (۶) تجزیہ نگاری (۷) مجتہدانہ شان استدلال (۸) لغوی تصریحات (۹) سہل زبانی اور (۱۰) عشق رسول کے عنوانات کے تحت ہم، آپ کے تفسیری امتیازات کی مثالیں پیش کریں گے۔

قرآن کریم کا مقصد نزول انسانی برادری کی ہدایت ورہنمائی ہے، خدا کا ارشاد ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۱؎ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا، لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی بات۔ اور فرماتا ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ ۲؎ بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے، جو سب سے سیدھی راہ ہے۔

مگر قرآن کریم کا اپنا انداز ہے، کہیں تو بالکل واضح بیان ہے اور کہیں عام انسانی ذہنوں کو عاجز کر دینے والی نرالی شان، کہیں اجمالی حکم ہے تو کہیں تفصیلی، کہیں مطلق ہے تو کہیں مقید، اس لئے تفسیر کرتے وقت مفسر قرآن پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایک قسم کی تمام آیات مقدسہ پر غور وفکر کرے، یونہی اس موضوع پر موجود احادیث کریمہ اور آثار صحابہ وتابعین کا بھرپور مطالعہ کرے، بالفاظ دیگر مفسر کو چاہئے کہ اصول تفسیر کی پوری پوری رعایت کرے تاکہ قرآن کریم کی صحیح صحیح ترجمانی ہو سکے۔

امام احمد رضا بریلوی چونکہ وسیع المطالعہ اور کثیر العلوم ہیں اور آپ کو اصول تفسیر اور ضروری امور برائے تفسیر پر مکمل عبور حاصل ہے اس لئے آپ کی تفسیر، قرآن واحادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں، ائمۂ مجتہدین، اور علمائے مفسرین ومحدثین کے نظریات کے مطابق وموافق ہوتی ہے۔ اصلاح عقائد کے سلسلے میں چند مثالیں پیش ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اصلاح عقائد:

پہلی مثال:۔ اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی بنایا ہے،

اب آپ کے بعد تا قیامِ قیامت نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، یہ عقیدہ ضروریاتِ دین سے ہے، اس کا منکر یا ادنیٰ شک کرنے والا کافر و مرتد ہے، جو آپ کے بعد کسی کو نبوت ملنی ممکن جانے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ مگر جب وہابیہ کے "قاسم العلوم والخیرات" مولوی قاسم نانوتوی نے لکھا کہ "اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" ۳؎ اور اس طرح اہل سنت کے متفقہ عقیدے کے خلاف ایک نیا خیال ظاہر کیا اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تو امام احمد رضا بریلوی نے اس باطل عقیدے کی تردید کی اور اسلاف کے موقف کو پوری طرح واضح فرمایا۔ اس مضمون کو آپ نے صحیح بخاری، شفاء قاضی عیاض مالکی، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ یتیمۃ الدھر، الاشباہ والنظائر، کتاب الاقتصاد اور شرح الفرائد کی عبارتوں سے مزین، مذہب اہل سنت کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ مثال ملاحظہ فرمائیں۔

خدا فرماتا ہے، مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ ۴؎ محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

حضور پر نور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہ وعلیہم اجمعین کا خاتم یعنی بعثت میں آخر جمیع انبیاء و مرسلین بلا تاویل و بلا تخصیص ہونا ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو یا اس میں ادنیٰ شک و شبہہ کو بھی راہ دے کافر مرتد ملعون ہے، آیہ کریمہ، **ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین** وحدیث متواتر **لا نبی بعدی** ۵؎ سے تمام امت مرحومہ نے سلفاً و خلفاً ہمیشہ یہی معنی سمجھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا تخصیص تمام انبیاء میں آخر نبی ہوئے حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔ فتاویٰ یتیمۃ الدھر والاشباہ والنظائر و فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے **اذالم یعرف الرجل ان محمدا صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اٰخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات** ٦؎۔ جو شخص یہ نہ جانے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انبیاء میں سب سے پچھلے نبی ہیں وہ مسلمان نہیں کہ حضور کا آخر الانبیاء ہونا، ضروریات دین سے ہے۔ شفاء شریف امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہی **کذٰلک (یکفر) من ادعی نبوۃ احد مع نبینا صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم او بعدہ (الی قولہ) فھؤلاء کلھم کفارہ کذبون للنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لانہ اخبر صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم خاتم النبیین ولا نبی بعدہ وا خبر عن اللّٰہ تعالٰی انہ خاتم النبیین وا نہ ارسل کافۃ للناس واجمعت الامۃ علی حمل ان ھذا الکلام علی ظاھرہ وان مفھومہ المراد منہ دون تاویل ولا تخصیص فلا شک فی کفر ھؤلاء الطوائف کلھا قطعا اجماعا وسمعا** ۷؎۔ یعنی جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں خواہ حضور کے بعد کسی کی نبوت کا ادعا کرے کافر ہے (اس قول تک) یہ سب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ خاتم النبیین ہیں اور حضور کے بعد کوئی نبی نہیں اور

اللہ عزوجل نے خبر دی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اوران کی رسالت تمام لوگوں کو عام ہے اور امت نے اجماع کیا ہے کہ یہ آیات واحادیث اپنے ظاہر پر ہیں جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے وہی خدا اور سول کی مراد ہے، نہ ان میں کوئی تاویل ہے، نہ کچھ تخصیص تو جو لوگ اس کا خلاف کریں، اجماع امت وبحکم قرآن وحدیث سب یقیناً کافر ہیں۔

امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی کتاب الاقتصاد میں فرماتے ہیں **ان الامۃ فھمت من ھذا اللفظ انہ افھم عدم نبی بعدہ ابدا وعدم رسول بعدہ ابدا وانہ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص ومن اولہ بتخصیص فکلامہ من انواع الھذیان لا یمنع الحکم بتکفیرہ لانہ مکذب لھذا النص الذی اجمعت الامۃ علی انہ غیر مؤول ولا مخصوص**۔ یعنی تمام امت مرحومہ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا ہے، وہ بتاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا ہے کہ اس میں اصلاً کوئی تاویل یا تخصیص نہیں، تو جو شخص لفظ "**خاتم النبیین**" میں "**النبیین**" کو اپنے عموم واستغراق پر نہ مانے بلکہ اسے کسی تخصیص کی طرف پھیرے اس کی بات مجنون کی بڑ یا سرسامی کی بہک ہے اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ اس نے نص قرآنی کو جھٹلایا جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔

عارف باللہ سیدی علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی شرح الفرائد میں فرماتے ہیں: **تجویز نبی مع نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او بعدہ یستلزم تکذیب القرآن اذ قد نص علی انہ خاتم النبیین واٰخر المرسلین وفی السنۃ انا العاقب لا نبی بعدی واجمعت الامۃ علی ابقاء ھذا الکلام علی ظاھرہ و ھذا احدی المسائل المشھورۃ التی کفرنا بھا الفلاسفۃ لعنھم اللہ تعالیٰ** ۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد کسی کو نبوت ملنی جائز ماننا تکذیب قرآن کو مستلزم ہے کہ قرآن عظیم تصریح فرما چکا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین وآخر المرسلین ہیں اور حدیث میں فرمایا "میں پچھلا نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔ اور تمام امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے یعنی عموم واستغراق بلا تاویل وتخصیص اور یہ ان مشہور مسئلوں سے ہے جن کے سبب ہم اہل اسلام نے کافر کہا فلاسفہ کو، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔۔۔۔۔۔۸۔

بالجملہ آیۂ کریمہ **ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین** مثل حدیث متواتر **لا نبی بعدی** قطعاً عام اور اس میں مراد استغراق تام اور اس میں کسی قسم کی تاویل وتخصیص نہ ہونے پر اجماعِ امت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام، یہ ضروریات دین سے ہے اور ضروریاتِ دین میں کوئی تاویل یا اس کے عموم میں کچھ قال وقیل اصلاً مسموع نہیں۔۹۔

دوسری مثال:۔ عقیدۂ اہلسنت وجماعت کے مطابق حضرات انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اللہ تعالیٰ کی عطاء سے مسلمانوں کی مدد فرماتے ہیں، مگر جب کچھ نو پید گمراہ فرقوں نے اس عقیدۂ اسلامی سے اختلاف کیا تو امام احمد رضا بریلوی نے قرآنی آیات سے ثابت کیا کہ انبیاء

کرام مسلمانوں کے معین ومددگار ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی تفسیر ملاحظہ کریں۔ جس میں آپ نے معالم التنزیل، بخاری شریف، زرقانی شرح مواہب، دارمی، طبرانی اور توریت مقدس کے حوالوں سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ○ ۔١٠ یعنی اے مسلمانو! تمہارا مددگار نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم رکھتے اور زکوٰۃ دیتے اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔

اقول یہاں اللہ اور رسول اور نیک بندوں میں مدد کو منحصر فرمادیا کہ بس یہی مددگار ہیں، تو ضرور یہ مددِ خاص ہے جس پر نیک بندوں کے سوا اور لوگ قادر نہیں ورنہ عام مددگاری کا علاقہ تو ہر مسلمان کے ساتھ ہے۔ قال تعالیٰ **وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ** ۔١١ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ حالانکہ خود ہی دوسری جگہ فرماتا ہے: **مَا لَھُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ وَلِیٍّ** ١٢ اللہ کے سوا کسی کا کوئی مددگار نہیں۔

معالم میں ہے **(مالھم) ای لا ھل السمٰوٰت والارض (من دونہ) ای من دون اللّٰہ (من ولیٍّ) نا صر** ۔١٣ نہیں ہے ان کے لیے یعنی آسمان اور زمین والوں کیلئے اس کے، یعنی سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی ولی یعنی مددگار۔

وہابی نادانو! تمہارے طور پر معاذ اللہ کیسا کھلا شرک ہوا کہ قرآن نے خدا کی خاص صفت امداد کو رسول وصلحاء کے لیے ثابت کیا، جسے قرآن ہی جابجا فرماچکا تھا کہ یہ اللہ کے سوا دوسرے کی صفت نہیں، مگر بحمد اللہ اہل سنت دونوں آیتوں پر ایمان لاتے اور ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ بالذات مددگار ہے، یہ صفت دوسرے کی نہیں، اور رسول واولیاء ،اللہ کے قدرت دینے سے مددگار ہیں، **وللّٰہ الحمد**، اب اتنا اور سمجھ لیجئے مدد کاہے کے لیے ہوتی ہے؟ دفع بلاء کے واسطے۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ کے مقبول بندے بنص قرآن، مسلمانوں کے مددگار ہیں تو قطعاً دافع البلاء بھی ہیں، اور فرق وہی ہے کہ اللہ سبحانہ بالذات دافع البلاء ہے اور انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء بعطائے خدا۔ **والحمد للّٰہ العلی الاعلیٰ**۔

امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دارمی وطبرانی ویعقوب بن سفیٰن حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ توراتِ مقدس میں حضور پرنور دافع البلاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت یوں ہے: **یایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدًا ومبشرًا ونذیرًا وحرزًا للامیین (الیٰ قولہ تعالیٰ) یعفو ویغفر** ۔١٤ اے نبی! ہم نے تجھے بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور بے پڑھوں کے لیے پناہ (الی قولہ تعالیٰ) معاف کرتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے۔

حرز بھی رب العزت جل وعلا کی صفات سے ہے۔ حدیث میں ہے: **یا حرز الضعفاء یا کنز الفقراء**۔ اے ضعیفوں کی پناہ! اے غریبوں کے خزانے۔

علامہ زرقانی شرح مواہب شریف میں فرماتے ہیں: **جعلہ نفسہ حرزًا مبالغۃ لحفظہ لھم فی الدارین**۔ یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پناہ دینے والے ہیں مگر رب تبارک وتعالیٰ نے حضور کو بطور مبالغہ خود پناہ کہا

(جیسے عادل کو عدل یا عالم کو علم کہتے اور اس وصف کی وجہ یہ ہے کہ) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا و آخرت میں اپنی امت کے محافظ و نگہبان ہیں۔ **والحمدللّٰہ رب الغلمین۔** ۱۵۔

تیسری مثال:۔ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قاسم نعمت ہیں، خود فرماتے ہیں **انما انا قاسم واللّٰہ یعطی** ۱۶۔ میں ہی قاسم ہوں اور اللہ دیتا ہے لیکن اس عقیدۂ حقہ کے خلاف ایک باطل نظریہ پیش گیا کہ "جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی چیز کا مختار نہیں" ۱۷۔ تو امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باطل نظریے کی بھرپور تردید فرمائی اور قرآنی آیتوں، بخاری شریف و ترمذی شریف کی حدیثوں اور علامہ علی قاری کی مرقاۃ کے حوالوں سے مزین مذہب اہل سنت کی حمایت و تائید فرمائی ہے۔ اب امام احمد رضا بریلوی کے قلم فیض رقم کے ذریعہ اس عقیدۂ اسلامی کی توضیح و تشریح ملاحظہ کریں۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ ۱۸۔ اور اے محبوب یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی۔

حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا و ابن سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں فرمایا **احب اھلی من قد انعم اللّٰہ علیہ وانعمت علیہ** ۔۱۹ **الترمذی عنہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ** مجھے اپنے گھر والوں میں سب سے پیارا وہ ہے جسے اللہ عزوجل نے نعمت دی اور میں نے نعمت دی۔

مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

لم یکن احد من الصحابۃ الا و قد انعم اللّٰہ علیہ وانعم علیہ رسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الا ان المراد المنصوص علیہ فی الکتاب و ھو قولہ تعالیٰ واذ تقول للذی انعم اللّٰہ علیہ وانعمت علیہ و ھو زید لا خلاف فی ذلک ولا شک الخ ۲۰۔ یعنی صحابہ سب ایسے ہی تھے جنہیں اللہ نے نعمت بخشی اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نعمت بخشی، مگر یہاں مراد وہ ہے جس کی تصریح قرآن عظیم میں ارشاد ہوئی ہے کہ جب فرماتا تھا، تو اس سے جسے اللہ تعالیٰ نے نعمت دی اور اے نبی! تو نے اسے نعمت دی، اور وہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اس میں کسی کا خلاف، نہ اصلاً شک، اور آیت اگرچہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اتری مگر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا مصداق اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ٹھہرایا کہ پسر تابع پدر ہے، **افادہ فی المرقاۃ۔**

اقول نہ صرف صحابہ بلکہ تمام اہل اسلام اولین و آخرین سب ایسے ہی ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے نعمت دی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نعمت دی۔ پاک کردینے سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی جس کا ذکر آیات کریمہ میں سن چکے کہ **یُزَکِّیْھِمْ** ۲۱۔ یہ نبی پاک اور ستھرا کردیتا ہے بلکہ لا واللہ تمام جہان میں کوئی شے ایسی نہیں، جس پر اللہ کا احسان نہ ہو، اللہ کے رسول کا احسان نہ ہو۔

فرماتا ہے: **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔** ۲۲۔ ہم نے نہ بھیجا تمہیں مگر رحمت سارے جہان کیلئے۔

جب وہ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں تو قطعاً سارے جہان پر ان کی نعمت ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اہل کفر و اہل

کفران اگر نہ مانیں تو کیا نقصان ہے
راست خواہی ہزار چشم چناں
کور بہتر کہ آفتاب سیاہ ۲۳؎

(۲) اصلاح اعمال

اس عنوان سے متعلق چند مثالیں پیش ہیں

پہلی مثال:۔ زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم رکن ہے، جس کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے، زکوٰۃ ادانہ کرنے والا گناہ گار مستحق عذاب نار اور منکر کافر ہے۔ قرآن واحادیث کریمہ میں زکوٰۃ نہ دینے پر بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں ۔مگر دور حاضر کا مسلمان، مال ودولت جمع کرنے میں بہت آگے ہے، مگر زکوٰۃ دینے میں بہت پیچھے ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے درج ذیل آیت کریمہ میں بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دار قطنی، مسند امام احمد، طبرانی، ابن خزیمہ، ابن حبان، بزار، ابوالشیخ اور ابویعلیٰ کی بکثرت روایتیں نقل فرمائیں، تاکہ مسلمانوں کو زکوٰۃ کی ترغیب ہو، ان کا احساس بیدار ہو اور خواب غفلت سے بیدار ہوکر اپنی بے عملی سے توبہ کرلیں۔ آیت کریمہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ امام احمد رضا بریلوی اپنی قوم کے تئیں کتنے بے چین و بے قرار نظر آتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ ۲۴؎ اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی، جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں پھر اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔

● حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جس کے پاس سونا یا چاندی ہو اور اس کی زکوٰۃ نہ دے قیامت کے دن اس زروسیم کی تختیاں بنا کر جہنم کی آگ میں تپائیں گے، پھر ان سے اس شخص کی پیشانی اور کروٹ اور پیٹھ پر داغ دیں گے، جب وُہ تختیاں ٹھنڈی ہوجائیں گی پھر انھیں تپا کر داغیں گے قیامت کے دن کہ پچاس ہزار برس کا ہے، یونہی کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب ہوچکے ۲۵؎۔ **اخرجه الشيخان عن ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه**

پھر اس داغ دینے کو بھی نہ سمجھئے کہ کوئی چھکا لگا دیا جائے گا یا پیشانی و پشت و پہلو کی فقط چربی نکل کر بس ہوگی بلکہ اس کا حال بھی حدیث سے سُن لیجئے

● سیّدنا ابُوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ان کے سرِ پستان پر، وُہ جہنم کا گرم پتّھر رکھیں گے کہ سینہ توڑ کر شانہ سے نکل جائے گا اور شانہ کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینہ سے نکلے گا۔ **اخرجه الشيخان عن الاحنف بن قيس** ۲۶؎۔ اور فرمایا میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ پیٹھ توڑ کر کروٹ سے نکلے گا اور گدّی توڑ کر پیشانی سے **رواہ مسلم** ۲۷؎ اور اس کے ساتھ اور بھی ایک کیفیت سن رکھئے۔

● حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کوئی روپیہ دوسرے روپے پر نہ رکھا جائے نہ کوئی اشرفی دوسری

اشرفی سے چُھو جائے گی بلکہ زکوٰۃ نہ دینے والے کا جسم اتنا بڑھا دیا جائے گا کہ لاکھوں کروڑوں جوڑے ہوں تو ہر روپیہ جُدا داغ دے گا۔ **رواہ الطبرانی فی الکبیر**

اے عزیز! کیا خدا اور سول کے فرمان کو یونہی ہنسی ٹھٹھا سمجھتا ہے یا پچاس ہزار برس کی مدّت میں یہ جانکاہ مصیبتیں جھیلنی سہل جانتا ہے، ذرا یہیں کی آگ میں ایک آدھ روپیہ گرم کر کے بدن پر رکھ دیکھ، پھر کہاں یہ خفیف گرمی، کہاں وہ قہر کی آگ، کہاں یہ ایک ہی روپیہ، کہاں وہ ساری عمر کا جوڑا ہوا مال، کہاں یہ لحمہ بھر کی دیر، کہاں وہ ہزاروں برس کی آفت، کہاں یہ ہلکا سا چہکا، کہاں وُہ ہڈیاں توڑ کر وار پار ہونے والا غضب۔ اللہ تعالیٰ مسلمان کو ہدایت بخشے۔ آمین

● مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے گا وہ مال روزِ قیامت گنجے اژدہے کی شکل بنے گا اور اس کے گلے میں طوق ہو کر پڑیگا۔ پھر سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب اللہ سے اس کی تصدیق پڑھی کہ رب عزوجل فرماتا ہے: سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۲۸ جس چیز میں بخل کر رہے ہیں قریب ہے کہ طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالی جائے قیامت کے دن۔ **رواہ ابن ماجة ۲۹ والنسائی ۳۰ وابن خزیمة عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه۔**

● فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وُہ اژدہا منہ کھول کر اس کے پیچھے دوڑے گا، یہ بھاگے گا، اس سے فرمایا جائے گا، لے اپنا وُہ خزانہ کہ چھپا کر رکھا تھا کہ میں اس سے غنی ہُوں۔ جب دیکھے گا کہ اس اژدہا سے کہیں مفر نہیں، ناچار اپنا ہاتھ اس کے مُنہ میں دے دے گا، وہ ایسا چبائے گا جیسے نر اونٹ چباتا ہے۔ **رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنه ۳۱۔**

● فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب وُہ اژدہا اس پر دوڑے گا یہ پُوچھے گا تُو کون ہے؟ کہے گا میں تیرا وُہ بے زکوٰتی مال ہوں جو چھوڑ مرا تھا جب یہ دیکھے گا کہ وُہ پیچھا کیے ہی جاتا ہے ہاتھ اس کے منہ میں دے دے گا وہ چبائے گا، پھر اس کا سارا بدن چبا ڈالے گا۔ **اخرجه البزار والطبرانی وابنا خزیمة وحبان عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنه۔**

● فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وُہ اژدہا اُس کا منہ اپنے پھن میں لے کر کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہُوں۔ **رواہ البخاری ۳۲ والنسائی ۳۳ عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه۔**

● فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقیر ہرگز ننگے بُھوکے ہونے کی تکلیف نہ اُٹھائیں گے مگر اغنیاء کے ہاتھوں، سُن لو ایسے تونگروں سے اللہ تعالیٰ سخت حساب لے گا اور انھیں دردناک عذاب دے گا۔ **رواہ الطبرانی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجهه**

● عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں زکوٰۃ نہ دینے والا ملعون ہے زبانِ پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر۔ **رواہ ابن خزیمة واحمد وابو یعلیٰ وابن حبان**

● مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سُود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس پر گواہی کرنے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور زکوٰۃ نہ دینے والے ان سب کو قیامت کے دن ملعون بتایا۔ رواہ

الاصبهانی۔

● فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن تونگروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھ سے خرابی ہے۔ محتاج عرض کریں گے اے رب ہمارے! انہوں نے ہمارے وُہ حقوق جو تُو نے ہمارے لیے ان پر فرض کیے تھے ظلماً نہ دیے اللہ عزوجل فرمائے گا، مجھے قسم ہے اپنے عزّت وجلال کی کہ تمھیں اپنا قُرب عطا کروں گا اور انھیں دُور رکھوں گا۔ **رواہ الطبرانی وا بو الشیخ عن انس رضی اﷲ تعالیٰ عنه۔**

● حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ لوگ دیکھے جن کے آگے پیچھے غرقی لنگوٹیوں کی طرح کچھ چیتھڑے تھے اور جہنّم کی گرم آگ، پتّھر اور تھوہڑ اور سخت کڑوی جلتی بدبو گھانس چوپایوں کی طرح چرتے پھرتے تھے۔ جبریل امین علیہ الصّلٰوۃ والسلام سے پُوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کی، یہ زکوٰۃ نہ دینے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔ **رواہ البزار عن ابی هریرۃ رضی اﷲ تعالیٰ عنه۔**

● دو عورتیں خدمتِ والا میں سونے کے کنگن پہنے حاضر ہُوئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ان کی زکوٰۃ دوگی؟ عرض کی نہ، فرمایا، کیا چاہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں آگ کے کنگن پہنائے؟ عرض کی، نہ، فرمایا، توزکوٰۃ دو۔ **رواہ الترمذی ۳۴ والدارقطنی واحمد وابوداؤد ۳۵ والنسائی ۳۶ عن عبداﷲ ابن عمر رضی اﷲ تعالیٰ عنهما۔**

● ایک بی بی چاندی کے چھلّے پہنے تھیں، فرمایا، ان کی زکوٰۃ دوگی؟ انہوں نے کچھ انکار سا کیا، فرمایا، تو یہی تجھے جہنّم میں لے جانے کو بہت ہیں **رواہ ابوداود ۳۷ والدار قطنی عن ام المؤمنین رضی اﷲ تعالیٰ عنها۔**

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، زکوٰۃ نہ دینے والا قیامت کے دن دوزخ میں ہوگا۔ **رواہ الطبرانی عن انس رضی اﷲ تعالیٰ عنه۔**

● فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، دوزخ میں سب سے پہلے تین شخص جائیں گے، ان میں ایک وہ تونگر کہ اپنے مال میں اللہ عزوجل کا حق ادا نہیں کرتا۔ **رواہ ابن خزیمه وابن حبان فی صحیحهما عن ابی هریرۃ رضی اﷲ تعالیٰ عنه**

غرض زکوٰۃ نہ دینے کی جانکاہ آفتیں وُہ نہیں جن کی تاب آسکے، نہ دینے والے کو ہزار سال ان سخت عذابوں میں گرفتاری کی امید رکھنا چاہیے کہ ضعیف البنیان انسان کی کیا جان، اگر پہاڑوں پر ڈالی جائیں سُرمہ ہوکر خاک میں مل جائیں، پھر اس سے بڑھ کر احمق کون؟ کہ اپنا مال، جُھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہ قہار کا وُہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے۔ یہ شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے، نادان سمجھتا ہے، نیک کام کر رہا ہوں، اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔

اے عزیز! فرض، خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ ونذرانہ۔ قرض نہ دیجیے اور بالائی بیکار تحفے بھیجیے وُہ کب قابلِ قبول ہوں گے؟ خصوصاً اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہان وجہانیاں سے بے نیاز ہے۔

یوں یقین نہ آئے تو دنیا کے جُھوٹے حاکموں ہی کو آزمالے، کوئی زمین دار مال گزاری تو بند کرلے اور تحفے میں

ڈالیاں بھیجا کرے، دیکھو تو سرکاری مجرم ٹھہرتا ہے یا اس کی ڈالیاں کچھ بہبود کا پھل لاتی ہیں۔

ذرا آدمی اپنے ہی گریبان میں منہ ڈالے، فرض کیجئے آسامیوں سے کسی کھنڈساری کا رس بندھا ہوا ہے جب دینے کا وقت آئے وُہ رس تو ہرگز نہ دیں مگر تحفے میں آم خربوزے بھیجیں، کیا یہ شخص ان آسامیوں سے راضی ہو گا یا آتے ہوئے اس کی نادہندی پر جو آزار انھیں پہنچا سکتا ہے ان آم خربوزے کے بدلے اس سے باز آئے گا؟۔ سبحان اللہ! جب ایک کھنڈساری کے مطالبہ کا یہ حال ہے تو مَالِکُ المُلوک احکم الحاکمین جل و علا کے قرض کا کیا پوچھنا۔ ۳۸ ؎

دوسری مثال : ۔آج کا مسلمان لہو ولعب، گانوں، باجوں اور کھیل تماشوں کا دلدادہ نظر آتا ہے۔ حالانکہ اسلام نے ان سب چیزوں سے باز رہنے کی سخت تاکید فرمائی ہے، لیکن مسلمان کو اس کی پروا نہیں۔ امام احمد رضا بریلوی نے نثر ونظم ہر دو اصناف سخن میں مسلمانوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا ہے، چنانچہ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

۳۸ ؎ امام احمد رضا بریلوی اعز الاکتناہ ،ص ۵ تا ۱۰، المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ، سنہ طبع ندارد

اور اس آیت کریمہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ نے حرمت لہو ولعب پر ابو الصہباء، معالم التنزیل، تفسیرات احمدیہ، عوارف المعارف اور احیاء علوم الدین وغیرہ کتابوں سے دلائل پیش کئے ہیں۔ درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۳۹ ○ ؎ کچھ لوگ کھیل تماشے کی بات خریدتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں، بے سمجھے اور اسے ہنسی بنالیں ایسے لوگوں کے لئے عذاب ہے خوار کرنے والا۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود، عبد اللہ ابن عباس، امام حسن بصری، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، مکحول وغیرہم ائمہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس آیت کریمہ میں ''**لهو الحديث**'' (کھیل کی بات) کی تفسیر ''گانے'' اور ''راگ'' سے فرمائی ہے۔

ابو الصہباء کہتے ہیں، میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا، فرمایا، کھیل کی بات سے مراد، گانا ہے۔ قسم اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تین بار اسی کلام وقسم کو دہراتے رہے۔

بلکہ خود حدیث میں وارد ہے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، **لايحل تعليم المغنيات ولا بيعهن واثمانهن حرام وفى مثل هذا نزلت ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله الحديث** گانے والی عورتوں کو سکھانے اور ان کی خرید وفروخت جائز نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے۔ ایسے ہی کام کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ کچھ لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں تا کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے دور کر دیں یہ حدیث امام بغوی ۴۰ ؎ نے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ۴۱ ؎

اور تفسیر احمدی میں ہے **انها نزلت فى نضر بن الحارث اشترى كتب الاعاجم وكان يحدث بها قريشا وقيل كان يشترى الفتيات المغنيات الخ وانما قلنا تدل على حرمة**

الغناء لان الله تعالٰی قد ذم من یشتغل بلھو الحدیث واوعدہ بالعذاب المھین ولھو الحدیث وان کان ظاھرہ عامافی کل مایلھی عمایعنی الا انہ قد ذکر فی الفتاوی الحمادیہ وکذافی العوارف وغیرہ ان ابن عباس وابن مسعود رضی الله تعالٰی عنھما کانا یحلفان انا قد سمعنا عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم ان المراد بہ التغنی ویوافقہ الروایۃ الثانیۃ من النزول فیکون دلیلا علی حرمتہ اھ وقال الطبری واجمع علماء الامصار علی کراھۃ الغناء والمنع منہ وانما فارق الجماعۃ۔ ۴۲ (ملاجیون رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا)

آیت مذکورہ بالا نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی کہ جس نے اہل عجم کی کتابیں خریدیں اور قریش کو پڑھ کر سناتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ گانے والی لونڈیاں خریدا کرتا تھا۔ اور یہ جو ہم نے کہا کہ آیت مذکورہ گانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جو کھیل کی باتوں میں شغل رکھتے ہیں اور انہیں توہین آمیز عذاب سے ڈرایا اور کھیل کی باتیں اگر چہ بظاہر عام ہیں جو ہر اس چیز کو شامل ہیں جو انسان کو فائدہ بخش کام سے غافل کر دے لیکن فتاویٰ حمادیہ اور اسی طرح عوارف وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس سے گانا بجانا مراد ہے اور شان نزول کی دوسری روایت اس کی موافقت کرتی ہے۔ لہٰذا یہ حرمت غنا پر دلیل ہے اھ۔ اور امام طبری نے فرمایا تمام شہروں کے علمائے کرام کا، گانے کی کراہت اور ممانعت پر اجماع اور اتفاق ہے۔

ابراہیم بن سعد وعبداللہ عنبری جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس عمرو بن قرہ آیا اور اس نے غناء فاحشہ کی رخصت چاہی حضرت نے اجازت نہ دی، علاوہ بریں تمام فقہائے حنفیہ اور صوفیائے کرام نے غنا اور قص وغیرہ سے منع فرمایا ہے۔ مضمرات میں ہے من اباح الغناء یکون فاسقا" جو گانے بجانے کو مباح قرار دے تو وہ فاسق ہے"۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف میں فرماتے ہیں سماع الغناء من الذنوب" گانے سننا گناہ ہے" ۴۳ اور چونکہ غنا اور قص وغیرہ خصوصاً اس زمانہ فتنہ وفساد میں جیسا کہ صوفی لوگ مجلس قائم کر کے کرتے ہیں، عوام وجہال کے لئے سخت مضرت رساں وگمراہی ہے پھر اگر وجد یا رقص میں ستر عورت کھل جائے تو حاضرین جلسہ بجائے نیکی حاصل کرنے کے گنہ گار ہو جائیں گے ۴۴۔

تیسری مثال:۔ ماں باپ کی نافرمانی اور ان کی حق تلفی کرنا دور حاضر کی عام بد عملی ہے۔ تمام مسلم معاشرہ اس میں گرفتار ہے حالانکہ والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے اور" ماں باپ کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی"،" ماں باپ کا نافرمان جنت میں داخل نہیں ہوگا" اور" جو ماں باپ کو ستائے وہ ملعون ہے"، جیسی سخت وعیدیں موجود ہیں، اس کے باوجود مسلم نوجوان ماں باپ کی ایذا رسانی سے باز نہیں آتا۔

کسی نے امام احمد رضا بریلوی سے سوال کیا کہ ایک شخص اپنے ماں باپ پر ظلم کرتا ہے،۔۔۔ تو آپ نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ اور بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن عاصم، طبرانی، حاکم، ابن حبان، اور اصبہانی وغیرہ ائمہ محدثین کی بیان کردہ روایات کی روشنی میں حقوق والدین بیان فرما کر خوابیدہ

مسلم معاشرہ کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں، خدا فرماتا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَّفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْلِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۴۵ ٥ اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا، کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی اور اس کا دودھ چھوڑنا دو برس میں ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے۔ (کنزالایمان)

(والدین کے ساتھ معاذ اللہ ظلم وستم کرنے والا) افسق الفاسقین واخبث مہین و مستحق غضب شدید رب العالمین وعذاب عظیم ونار جحیم ہے۔

حدیث ۱: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **الا انبئکم باکبر الکبائر، الا انبئکم باکبر الکبائر، الا انبئکم باکبر الکبائر** "میں تمہیں نہ بتاؤں کہ سب کبیرہ گناہوں سے سخت تر گناہ کیا ہے، کیا نہ بتادوں کہ سب کبائر سے بدتر کیا ہے، کیا نہ بتادوں کہ سب کبیروں سے شدید تر کیا ہے"؟ صحابہ نے عرض کی ارشاد ہو، فرمایا۔ **الاشراک باللّٰہ وعقوق الوالدین۔ الحدیث** "اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کو ستانا، **رواہ الشیخان** ۴۶ **والترمذی** ۴۷ **عن ابی بکرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ**

حدیث ۲: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ثلثۃ لا یدخلون الجنۃ العاق لوالدیہ والدیوث والرجلۃ من النساء** "تین شخص، جنت میں نہ جائیں گے، ماں باپ کو ستانے والا، دیوث اور مردوں کی وضع بنانے والی عورت" **رواہ النسائی** ۴۸ **والبزار بسندین جیدین والحاکم عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما**

حدیث ۳: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ثلثۃ لا یقبل اللّٰہ عزوجل منہم صرفا ولا عدلا عاق ومنان ومکذب بقدر** "تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ ان کے فرض قبول کرے، نہ نفل۔ ماں باپ کو ایذا دینے والا، صدقہ دے کر فقیر پر احسان رکھنے والا اور تقدیر کا جھٹلانے والا" **رواہ ابن ابی عاصم فی السنۃ بسند حسن عن ابی امامۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ**

حدیث ۴: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: **ملعون من عق والدیہ ملعون من عق والدیہ ملعون من عق والدیہ** "ملعون ہے، جو اپنے والدین کو ستائے، ملعون ہے، جو اپنے والدین کو ستائے، ملعون ہے، جو اپنے والدین کو ستائے" **رواہ الطبرانی والحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ**

حدیث ۵: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لعن اللّٰہ من سبّ والدیہ** "اللہ کی لعنت اس پر جو اپنے ماں باپ کو گالی دے" **رواہ ابن حبان عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما**

حدیث ۶: کہ ایک جوان کو نزع کے وقت کلمہ تلقین کیا، نہ کہہ سکا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تشریف لے گئے فرمایا کہہ **لا الہ الا اللّٰہ** کہا مجھ سے نہیں کہا جاتا، فرمایا کیوں، کہا، وہ شخص اپنی ماں کو ستاتا تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی ماں کو بلا کر فرمایا، یہ تیرا بیٹا ہے؟ عرض کی، ہاں

،فرمایا: **ارأیت لو اججت نار ضخمة فقیل لک ان شفعت له خلیناه والاحرقناه اکنت تشفعین له** ''بھلا سن تو اگر ایک عظیم الشان آگ بھڑکائی جائے اور کوئی تجھ سے کہے کہ تو اس کی شفاعت کرے، جب تو ہم اسے چھوڑتے ہیں، ورنہ جلا دیں گے، کیا اس وقت تو اس کی شفاعت کرے گی۔ عرض کی یا رسول اللہ! جب تو شفاعت کروں گی، فرمایا تو اللہ کو اور مجھے گواہ کر لے کہ تو اس سے راضی ہوگئی، اس نے عرض کی الٰہی! میں تجھے اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوئی۔ اب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ان سے فرمایا، اے لڑکے کہہ **لا اله الا اللّٰه وحده لا شریک له واشهد ان محمدا عبده ورسوله**، جوان نے کلمہ پڑھا اور انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا **الحمد للّٰه الذی انقذه بی من النار** ''شکر اس خدا کا جس نے میرے وسیلہ سے اس کو دوزخ سے بچالیا'' **رواه الطبرانی عن عبد اللّٰه ابن ابی اوفیٰ رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما**

حدیث ۷: عوام بن حوشب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ اجل ائمۂ تبع تابعین سے ہیں ۱۴۸ھ میں انتقال کیا، فرماتے ہیں ''میں ایک محلہ میں گیا، اس کے کنارے پر قبرستان تھا، عصر کے وقت ایک قبر شق ہوئی اور اس میں سے ایک آدمی نکلا، جس کا سر گدھے اور باقی بدن انسان کا، اس نے تین آوازیں گدھے کی طرح کیں، پھر قبر بند ہوگئی۔ ایک بڑھیا بیٹھی کات رہی تھی، ایک عورت نے مجھ سے کہا، ان بڑی بی کو دیکھتے ہو، میں نے کہا اس کا کیا معاملہ ہے؟ کہا، یہ قبر والے کی ماں ہے، وہ شراب پیتا تھا، جب شام کو آتا، ماں نصیحت کرتی کہ اے بیٹے خدا سے ڈر، کب تک اس ناپاک چیز کو پئے گا؟ یہ جواب دیتا کہ تو، تو گدھے کی طرح چلاتی ہے، یہ شخص عصر کے بعد مرا، جب سے ہر روز بعد عصر، اس کی قبر شق ہوتی اور یوں تین آوازیں گدھے کی کر کے پھر بند ہوجاتی ہے۔ **رواه الاصبهانی وغیره**[۴۹]

(اولاد پر ماں باپ کے بہت سے حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی زندگی میں بھی اور بعد موت بھی، یہاں حقوق، بعد موت کا ذکر ہے۔ رضوی)

(۱) سب سے پہلا حق، بعد موت ان کے جنازہ کی تجہیز، غسل و کفن و نماز و دفن ہے۔ اور ان کاموں میں سنن و مستحبات کی رعایت، جس سے ان کے لئے ہر خوبی و برکت و رحمت و وسعت کی امید ہو۔

(۲) ان کے لئے دعاء و استغفار ہمیشہ کرتے رہنا، اس سے کبھی غفلت نہ کرنا۔

(۳) صدقہ و خیرات و اعمال صالحہ کا ثواب انہیں پہنچاتے رہنا، حسب طاقت اس میں کمی نہ کرنا، اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے بھی نماز پڑھنا، اپنے روزوں کے ساتھ ان کے واسطے بھی روزے رکھنا، بلکہ جو نیک کام کرے سب کا ثواب انہیں اور سب مسلمانوں کو بخش دینا۔ ان سب کو ثواب پہنچ جائے گا اور اس کے ثواب میں کمی نہ ہوگی بلکہ بہت ترقیاں پائے گا۔

(۴) ان پر کوئی قرض کسی کا ہو تو اس کے ادا کرنے میں حد درجہ کی جلدی و کوشش کرنا اور اپنے مال سے ان کا قرض ادا ہونے کو دونوں جہان کی سعادت سمجھنا، آپ قدرت نہ ہو تو اور عزیزوں، قریبوں پھر باقی اہل خیر سے اس کی ادا میں

۴۹۔ امام احمد رضا بریلوی، شرح الحقوق لطرح العقوق ص ۲۴ تا ۲۷، مکتبہ کلیمی اہلسنت کانپور، سنہ طبع ندارد

امداد لینا۔

(۵) ان پر کوئی قرض رہ گیا تو بقدر قدرت اس کے ادا میں سعی بجالانا، حج نہ کیا ہو تو خود ان کی طرف سے حج کرنا، یا حج بدل کرانا۔ زکوٰۃ یا عشر کا مطالبہ ان پر رہا تو اسے ادا کرنا، نماز یا روزہ باقی ہو تو اس کا کفارہ دینا وعلی ہذا القیاس ہر طرح ان کی برأت ذمہ میں جدو جہد کرنا۔

(۶) انہوں نے جو وصیت جائزہ شرعیہ کی ہو، حتی الامکان اس کے نفاذ میں سعی کرنا، اگرچہ شرعاً اپنے اوپر لازم نہ ہو، اگرچہ اپنے نفس پر بار ہو، مثلاً وہ نصف جائداد کی وصیت اپنے کسی عزیز، غیر وارث یا اجنبی محض کے لئے کر گئے تو شرعاً تہائی مال سے زیادہ بے اجازت وارثاں نافذ نہیں، مگر اولاد کو مناسب ہے کہ ان کی وصیت مانیں اور ان کی خوشی پوری کرنے کو اپنی خواہش پر مقدم جانیں۔

(۷) ان کی قسم بعد مرگ بھی سچی ہی رکھنا، مثلاً ماں باپ نے قسم کھائی تھی کہ میرا بیٹا فلاں جگہ نہ جائے گا، یا فلاں سے نہ ملے گا، یا فلاں کام کرے گا، تو ان کے بعد یہ خیال نہ کرنا کہ اب تو وہ ہیں نہیں، ان کی قسم کا خیال نہیں بلکہ اس کا ویسا ہی پابند رہنا جیسا ان کی حیات میں رہتا، جب تک کوئی حرج شرعی مانع نہ ہو اور کچھ قسم پر ہی موقوف نہیں، ہر طرح کے امور جائزہ میں بعد مرگ بھی ان کی مرضی کا پابند رہنا۔

(۸) ہر جمعہ کو ان کی زیارت قبر کے لئے جانا، وہاں یٰس شریف پڑھنا ایسی آواز سے کہ وہ سنیں اور اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچانا، راہ میں جب کبھی ان کی قبر آئے بے سلام وفاتحہ نہ گزرنا۔

(۹) ان کے رشتہ داروں کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کئے جانا۔

(۱۰) ان کے دوستوں سے دوستی نباہنا، ہمیشہ ان کا اعزاز واکرام رکھنا۔

(۱۱) کبھی کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر انہیں برا نہ کہلوانا۔

(۱۲) اور سب میں سخت تر وعام تر ومدام تر حق یہ ہے کہ کبھی کوئی گناہ کر کے انہیں قبر میں ایذا نہ پہنچانا، اس کے سب اعمال کی خبر ماں باپ کو پہنچتی ہے۔ نیکیاں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ فرحت سے چمکتا اور دمکتا ہے اور گناہ دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں ان کے قلب پر صدمہ ہوتا ہے ماں باپ کا یہ حق نہیں کہ انہیں قبر میں بھی رنج پہنچائے۔

اللہ غفور رحیم، عزیز کریم جل جلالہ صدقہ اپنے حبیب رؤف ورحیم علیہ وعلیٰ الہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا، ہم سب مسلمانوں کو نیکیوں کی توفیق دے، گناہوں سے بچائے۔ ہمارے اکابر کی قبروں میں ہمیشہ نور وسرور پہنچائے کہ وہ قادر ہے اور ہم عاجز، وہ غنی ہے اور ہم محتاج **حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل ونعم المولیٰ ونعم النصیر** ۵۰۔

عشق رسول

پہلی مثال:۔ **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** o ۲۵۷ اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا

اے عزیز! ایمان، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے مربوط ہے اور آتش جاں سوز جہنم سے نجات انکی الفت پر منوط جو ان سے محبت نہیں رکھتا، واللہ کہ ایمان کی بواس کے مشام (ناک) تک نہ آئی،

وہ خود فرماتے ہیں **لا یؤمن احدکم حتی اکون احب**

الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین ۲۵۸؎
تم میں سے کسی کو ایمان حاصل نہیں ہوتا جب تک میں اس کے ماں باپ اور اولاد، سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشر فضائل و تکثیر مدائح میں مشغول رہتا ہے اور جو بات اس کی خوبی اور تعریف کی سنتا ہے کیسی خوشی اور طیبِ خاطر سے اظہار کرتا ہے، سچی فضیلتوں کا مٹانا اور شام وسحر نفیِ اوصاف کی فکر میں رہنا کام دشمن کا ہے نہ کہ دوست کا۔

جانِ برادر! تُو نے کبھی سُنا ہے کہ جس کو تجھ سے اُلفت صادقہ ہے وہ تیری اچھی بات سن کر چیں بہ جبیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے اور پھر محبوب بھی کیسا، جانِ ایمان وکانِ احسان، جس کے جمالِ جہاں آراء کا نظیر کہیں نہ ملے گا اور خامۂ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا، کیسا محبوب، جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا۔ کیسا محبوب، جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اٹھالیا۔ کیسا محبوب، جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا، تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو ولعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لئے شب و روز گریاں وملول۔

شب، کہ اللہ جل جلالہ، نے آسائش کے لئے بنائی، اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہے، صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے، ہر ایک کا جی اس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے، بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے اور جو محتاج بے نوا ہے اس کے بھی پاؤں دو گز کی کملی میں دراز، ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک داماں، عصمت پناہ اپنی راحت وآسائش کو چھوڑ، خواب وآرام سے منہ موڑ، جبین نیاز آستانہ عزت پر رکھے ہے کہ الٰہی! میری امت سیاہ کار ہے، درگزر فرما، اور انکے تمام جسموں کو آتش دوزخ سے بچا۔

جب وہ جانِ راحت کانِ رافت پیدا ہوا بارگاہ الٰہی میں سجدہ کیا اور **رب ھبلی امتی** فرمایا، جب قبر شریف میں اتارا لب جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا آہستہ آہستہ **امتی امتی** فرماتے تھے۔ قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے، تانبے کی زمین، ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے، باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتہ نہیں، حساب کا دغدغہ، مَلِکِ قہار کا سامنا، عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا، مجرمانِ بے یار دامِ آفت کے گرفتار، جدھر جائیں گے سوا **نفسی نفسی اذھبوا الی غیری** ۲۵۹؎ کچھ جواب نہ پائیں گے، اس وقت یہی محبوبِ غمگسار کام آئے گا، قفل شفاعت اس کے زورِ بازو سے کُھل جائے گا، عمامہ سر اقدس سے اتاریں گے اور سربسجود ہو کر **"یارب امتی"** ۲۶۰؎ فرمائینگے۔

وائے بے انصافی! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جان نثار کرنا اور مدح وستائش ونشر فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب یا یہ کی حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور ان روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے۔

مانا کہ ہمیں احسان شناسی سے حصہ نہ ملا، نہ قلب عشق آشنا ہے کہ حُسن پسند یا احسان دوست، مگر یہ تو وہاں چل سکے جس کا احسان اگر نہ مانئے، اس کی مخالفت کیجئے تو کوئی مُضرت نہ پہنچے اور یہ محبوب تو ایسا ہے کہ بے اِس کی کفش بوسی

کے جہنم سے نجات میسر، نہ دنیا و عقبیٰ میں کہیں ٹھکانا متصور، پھر اگر اس کے حسن و احسان پر والہ و شیدا نہ ہو تو اپنے نفع وضرر کے لحاظ سے عقیدت رکھو۔

اے عزیز! چشم خرد میں سرمۂ انصاف لگا اور گوشِ قبول سے پنبہ انکار نکال، پھر تمام اہلِ اسلام بلکہ ہر مذہب وملت کے عقلاء سے پوچھتا پھر عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے اور غلاموں کو مولیٰ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے، آیا نشرِ فضائل وتکثیرِ مدائح اور ان کی خوبیِ حسن سن کر باغ باغ ہو جانا، جامے میں پھولا نہ سمانا یا رَدِ محاسن، نفیِ کمالات اور ان کے اوصافِ حمیدہ سے بہ انکار وتکذیب پیش آنا، اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ سے کہہ دے کہ نہ وہ دوستی کا مقتضٰی نہ یہ غلامی کے خلاف ہے تو تجھے اختیار ہے ورنہ خدا اور سول سے شرما اور اس حرکت بے جا سے باز آ، یقین جان لے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے مٹائے سے نہ مٹیں گی۔

جانِ برادر! اپنے ایمان پر رحم کر، خدائے قہار وجبار جل جلالہ، سے لڑائی نہ باندھ، وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدائش سے پہلے ازل میں لکھ چکا تھا **ورفعنا لک ذکرک** یعنی ارشاد ہوتا ہے اے محبوب ہمارے! ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا کہ جہاں ہماری یاد ہوگی تمہارا بھی چرچا ہوگا اور ایمان بے تمہاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہوگا،

آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمہارے نام نامی سے گونجیں گے، مؤذن اذانوں اور خطیب خطبوں اور ذاکرین اپنی مجالس اور واعظین اپنے منابر پر ہمارے ذکر کے ساتھ تمہاری یاد کریں گے۔ اشجار واحجار، آہو

وسوسمار ودیگر جاندار واطفال شیر خوار ومعبودان کفار جس طرح ہماری توحید بتائیں گے ویسا ہی بہ زبان فصیح وبیان صحیح تمہارا منشور رسالت پڑھ کر سنائیں گے، چار اکناف عالم میں **لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کا غلغلہ ہوگا، جز اشقیائے ازل ہر ذرہ کلمہ شہادت پڑھتا ہوگا، مسبحانِ ملاء اعلیٰ کو ادھر اپنی تسبیح وتقدیس میں مصروف کروں گا اُدھر تمھارے محمود درودِ مسعود کا حکم دوں گا۔ عرش وکرسی، ہفت اوراق سردہ، قصور جناں، جہاں پر اللہ لکھوں گا۔ **محمد رسول اللّٰہ** بھی تحریر فرماؤں گا، اپنے پیغمبروں اور اولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا کہ ہر وقت تمہارا دم بھریں اور تمہاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور جگر کو ٹھنڈک اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں۔ جو کتاب نازل کروں گا اس میں تمہاری مدح وستائش اور جمال صورت وکمال سیرت ایسی تشریح وتوضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمہاری طرف جھک جائیں اور نادیدہ تمہارے عشق کی شمع ان کے کانوں، سینوں میں بھڑک اٹھے گی۔ ایک عالم اگر تمہارا دشمن ہو کر تمہاری تنقیص شان اور محوِ فضائل میں مشغول ہو تو میں قادر مطلق ہوں، میرے ساتھ کسی کا کیا بس چلے گا۔ آخر اسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صدہا برس سے اپنی کتابوں سے ان کا ذکر نکالتے اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں تو اہل ایمان اس بلند آواز سے ان کی نعت سناتے ہیں کہ سامع اگر انصاف کرے بے ساختہ پکار اٹھے۔ لاکھوں بے دینوں نے ان کے محوِ فضائل پر کمر باندھی، مگر مٹانے والے خود مٹ گئے اور ان کی خوبی روز بروز مترقی رہی، پھر اپنے مقصود سے تو یاس

ونا امیدی کر لینا مناسب ہے ورنہ برب کعبہ ان کا کچھ نقصان نہیں، ہاں آخر ایک دن تو نہیں، تیرا ایمان نہیں۔۲۶۱۔

دوسری مثال:۔ امام احمد رضا بریلوی عشق رسول میں سرمست وسرشار نظر آتے ہیں اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ کا عمل یہ ہے کہ اللہ ورسول کے محبوبوں سے محبت اوران کے دشمنوں سے عداوت رکھتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اسی کی دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۲۶۲۔ تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

اس آیت کریمہ میں صاف فرمادیا کہ جو اللہ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا جس کا صریح مفاد ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا پھر اس حکم کا قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ بیٹے بھائی عزیز سب کو گنایا یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے زعم میں معظم یا کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے اس کی وقعت نہیں مان سکتے۔ ورنہ مسلمان نہ رہو گے۔ مولیٰ سبحنہ وتعالیٰ کا اتنا فرمانا ہی مسلمان کے لئے بس تھا مگر دیکھو وہ تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے اپنی عظیم نعمتوں کا لالچ دلاتا ہے کہ اللہ ورسول کی عظمت کے آگے تم نے کسی کا پاس نہ کیا کسی سے علاقہ نہ رکھا تو تمہیں کیا فائدے حاصل ہوں گے (۱) اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان نقش کردے گا جس میں انشاء اللہ تعالیٰ حسن خاتمہ کی بشارت جلیلہ ہے کہ اللہ کا لکھا نہیں مٹتا (۲) اللہ تعالیٰ روح القدس سے تمہاری مدد فرمائے گا (۳) تمہیں ہیشگی کی جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں (۴) تم خدا کے گروہ کہلاؤ گے خدا والے ہو جاؤ گے (۵) منہ مانگی مرادیں پاؤ گے بلکہ امید وخیال وگمان سے کروروں درجے افزوں (۶) سب سے زیادہ یہ کہ اللہ تم سے راضی ہوگا (۷) یہ کہ فرماتا ہے میں تم سے راضی تم مجھ سے راضی۔ بندے کے لئے اس سے زائد اور کیا نعمت ہوتی کہ اس کا رب اس سے راضی ہو مگر انتہائے بندہ نوازی یہ کہ فرمایا اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ مسلمانو! خدا لگتی کہنا اگر آدمی کرور جانیں رکھتا ہو اور وہ سب کی سب ان عظیم دولتوں پر نثار کردے تو واللہ کہ مفت پائیں پھر زید وعمرو سے علاقہ تعظیم ومحبت یک لخت قطع کردینا کتنی بڑی بات ہے جس پر اللہ تعالیٰ ان بے بہا

نعمتوں کا وعدہ فرمارہا ہے اور اس کا وعدہ یقیناً سچا ہے۔ قرآن عظیم کی عادت کریمہ ہے کہ جو حکم فرماتا ہے جیسا کہ اس کے ماننے والوں کو اپنی نعمتوں کی بشارت دیتا ہے نہ ماننے والوں پر عذابوں کا تازیانہ بھی رکھتا ہے کہ جو پست ہمت نعمتوں کے لالچ میں نہ آئیں سزاؤں کے ڈر سے راہ پائیں وہ عذاب بھی سن لیجیے۔

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۲۶۳ o۔ اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو ان سے رفاقت کریں تو وہی لوگ ستمگار ہیں اور فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (الی قولہ تعالیٰ) تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ o (الی قولہ تعالیٰ) لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۲۶۴ o۔ اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ تم چھپ کر ان سے دوستی کرتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو اور تم میں جو ایسا کرے گا وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا۔ تمہارے رشتے اور تمہارے بچے تمہیں کچھ نفع نہ دیں گے قیامت کے دن۔ اللہ تم میں اور تمہارے پیاروں میں جدائی ڈال دیگا کہ تم میں ایک دوسرے کے کچھ کام نہ آسکے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور فرماتا ہے وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ o ۲۶۵۔ جو تم میں دوستی کرے گا تو بیشک وہ انہیں میں سے ہے بیشک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالموں کو۔ پہلی دو آیتوں میں تو ان سے دوستی کرنے والوں کو ظالم و گمراہ ہی فرمایا تھا اس آیہ کریمہ نے بالکل تصفیہ فرمادیا کہ جو ان سے دوستی رکھے وہ بھی انہیں میں سے ہے انہیں کی طرح کافر ہے ان کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا اور وہ کوڑا بھی یاد رکھئے کہ تم چھپ چھپ کر ان سے میل رکھتے ہو اور میں تمہارے چھپے ظاہر سب کو خوب جانتا ہوں۔ اب وہ رسی بھی سن لیجیے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے باندھے جائیں گے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۲۶۶ o۔ وہ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۲۶۷ o۔ بیشک جو لوگ اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ دنیا و آخرت میں اللہ نے ان کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اللہ عزوجل ایذا سے پاک ہے اسے کون ایذا دے سکتا ہے۔ مگر حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو اپنی ایذا فرمایا۔ ان آیتوں سے اس شخص پر جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدگویوں سے محبت کا برتاؤ کرے سات کوڑے ثابت ہوئے (۱) وہ ظالم ہے (۲) گمراہ

ہے(۳) کافر ہے(۴) اس کے لئے دردناک عذاب ہے (۵) وہ آخرت میں ذلیل وخوار ہوگا(۶) اس نے اللہ واحد قہار کو ایذا دی (۷) اس پر دونوں جہان میں خدا کی لعنت ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔اے مسلمان اے مسلمان اے امتی سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدارا ذرا انصاف کر۔ وہ سات بہتر ہیں جوان لوگوں سے یک لخت ترک علاقہ کردینے پر ملتے ہیں کہ(۱) دل میں ایمان جم جائے (۲) اللہ مددگار ہو(۳) جنت مقام ہو(۴) اللہ والوں میں شمار ہو (۵) مرادیں ملیں (۶) خدا تجھ سے راضی ہو(۷) تو خدا سے راضی ہو۔ یا یہ سات بھلے ہیں جوان لوگوں سے تعلق لگا رہنے پر پڑیں گے کہ ظالم گمراہ کافر جہنمی ہو آخرت میں خوار ہو خدا کو ایذا دے خدا دونوں جہان میں لعنت کرے۔ ہیہات ہیہات کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سات اچھے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ وہ سات چھوڑنے کے ہیں مگر جان برادر! خالی یہ کہہ دینا تو کام نہیں دیتا وہاں تو امتحان کی ٹھہری ہے ابھی آیت سن چکے۔ الٓمّٓo احسب الناس کیا اس بھلاوے میں ہو کہ بس زبان سے کہہ کر چھوٹ جاؤ گے۔ امتحان نہ ہوگا۔

ہاں یہی امتحان کا وقت ہے۔ دیکھو یہ اللہ واحد قہار کی طرف سے تمہاری جانچ ہے دیکھو وہ فرما رہا ہے کہ تمہارے رشتے علاقے قیامت میں کام نہ آئیں گے مجھ سے توڑ کر کس سے جوڑتے ہو دیکھو وہ فرما رہا ہے کہ میں غافل نہیں ہوں میں بے خبر نہیں۔ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں تمہارے اقوال سن رہا ہوں تمہارے دلوں کی حالت سے خبردار ہوں دیکھو بے پروائی نہ کرو پرائے پیچھے اپنی عاقبت نہ بگاڑو، اللہ ورسول کے مقابل ضد سے کام نہ لو، دیکھو وہ تمہیں اپنے سخت عذاب سے ڈراتا ہے اس کے عذاب سے کہیں پناہ نہیں، دیکھو وہ تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے بے اس کی رحمت کے کہیں نباہ نہیں دیکھو اور گناہ تو نرے گناہ ہوتے ہیں جن پر عذاب کا استحقاق ہو مگر ایمان نہیں جاتا عذاب ہو کر خواہ رب کی رحمت یا حبیب کی شفاعت سے بے عذاب ہی چھٹکارا ہوجائے گا یا ہوسکتا ہے مگر یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا مقام ہے ان کی عظمت ان کی محبت مدار ایمان ہے قرآن مجید کی آیتیں سن چکے کہ جو اس معاملہ میں کمی کرے اس پر دونوں جہان میں خدا کی لعنت ہے دیکھو جب ایمان گیا پھر اصلا ابدالآباد تک کبھی کسی طرح ہرگز اصلا عذاب شدید سے رہائی نہ ہوگی گستاخی کرنے والے جن کا تم یہاں کچھ پاس ولحاظ کرو، وہاں وہ اپنی بھگت رہے ہوں گے تمہیں بچانے نہ آئیں گے اور آئیں تو کیا کر سکتے ہیں پھر ایسوں کا لحاظ کر کے اپنی جان کو ہمیشہ ہمیشہ غضب جبار وعذاب نار میں پھنسا دینا کیا عقل کی بات ہے۔

حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم ہند اور سرکار مفسر اعظم ہند کی تفسیری خدمات بھی اپنے آپ میں غیر معمولی اور بے مثال ہے۔ اس سلسلہ مجھے تفصیل سے لکھنا ہے مگر اس مقالہ کی طوالت کے سبب اسے آئندہ کے لئے اٹھا رکھتا ہوں

❁❁❁

مرکز اہل سنت کی حدیثی خدمات

مفتی کوثر امام قادری، مہراج گنج

تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جس زمانے میں عربوں کے یہاں علوم حدیث کا چراغ گل ہونے کے قریب تھا عین اسی زمانے میں برصغیر ہندوپاک میں جگہ جگہ علوم حدیث وروایات کے روشن چراغ انتہائی آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہے تھے، لاہور، آگرہ، احمد آباد، کشمیر، بہار شریف کے محدثین کی تاریخ زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے درس حدیث، شرح حدیث، استلال حدیث تصنیف کتب حدیث گویا مختلف جہتوں سے کلمات مصطفویہ وارشادات نبویہ کی پرخلوص خدمات انجام دیں۔

بعد کے زمانے میں ہر چہار جانب سے یہ علوم حدیث سمٹ کر دہلی میں آغوش میں آ گیا اور یہاں دو خانوادے یعنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان نے علمی میدان کا کمان اپنے ہاتھوں میں لیا، پھر ان دو خانوادے کے مشائخ حدیث کے ذریعہ ہند وبیرون میں علوم حدیث کی خوب اشاعت ہوئی۔ چراغ سے چراغ جلتے گئے اور روشنی پھیلتی گئی۔ مشائخ دہلی کے علمی فیضان کے بدولت متعدد خانوادے وخانقاہیں علوم حدیث کی دولت سے مالا مال ہوئیں ان میں ایک نمایاں خانوادہ امام احمد رضا کا بھی ہے۔

اس خاندان میں علمی تاریخ کا آغاز اعلیٰ حضرت کے حقیقی دادا مولانا رضا علی خاں کے ذریعہ ہوا۔ آپ کی ولادت ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء میں ہوئی۔ آپ نے مولانا خلیل الرحمن مرحوم ومغفور سے دینی علوم وفنون حاصل کیا۔ فقہ وحدیث کی دولت سے مالا مال ہوئے اور ۲۲ سال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔ اس خاندان میں سب سے پہلے آپ ہی علم دین لانے والے ہیں اور آپ ہی نے سب سے پہلے تصنیف وتالیف کا بھی آغاز کیا۔ جمعہ وعیدین کے خطبے عربی زبان میں لکھی اور اپنے شاگرد مولوی محمد حسن علی کو دیا۔ انہوں نے دو اشعار شامل کر کے شائع کر دیا جو آج تک شائع ہو رہا ہے اور مقبول عام وخاص ہے۔

آپ کا وصال ۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ کو ہوا۔ آپ کے بعد جانشینی کا فریضہ انجام دینے والی شخصیت حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ آپ نے اپنے والد گرامی مولانا رضا علی خاں سے علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کی اور مکمل طور پر یہ علمی اسلحہ سے مسلح ہو کر میدان عمل میں آئے۔ آپ جلیل القدر عالم وفاضل، گہری نگاہ رکھنے والے مفکر، بے مثال مصنف اور کامیاب مناظر تھے۔ ہندوستان

میں جید علماء میں آپ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ ۲۵ سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں وہ کتابیں جن میں احادیث رسول سے بھر پور استدلال موجود ہے اور آپ کے خدمات حدیثہ یہ واضح دلیل وثبوت ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) الکلام الاوضع سورہ الم نشرح کی تفسیر دو جلد دیں، (۲) جواہر ایمان، (۳) اصول ارشاد، (۴) احسن الدعا، (۵) اذاقتہ الاثام

آخری تین کتابوں میں آپ کی محدثانہ بصیرت، ناقدانہ کمال اور محققانہ فضیلت ومہارت خوب روشن ہیں۔

حضرت علامہ نقی علی خاں کے بعد اس خاندان کو جس نے اوج ثریا کی بلندی عطا کی اور جس کی ذات کے سبب یہ خاندان مرکزیت کا مقام حاصل کیا وہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ہیں ان کی پوری زندگی خدمت قرآن وحدیث سے عبارت ہے اور ہر گوشہ پر آپ نے توجہ دیا۔ دوسرے خانوادے تو ایک طرح سے معدوم ہو گئے لیکن آپ کی بدولت خاندان رضویہ خدمات حدیث وفقہ کے حوالے سے آج بھی زندہ ہے اور دوسرو کو زندگی فراہم کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اصل محرک کے جانے کے بعد اگر اس کے جانشیں باذوق نہ رہے تو پھر وہی قصہ تمام ہو جاتا ہے اور چلائی ہوئی تحریک سردی کا شکار ہو جاتی ہے لیکن خوبی قسمت کے سبب اچھے جانشیں پیدا ہو گئے تو پھر اس تحریک کا کیا پوچھنا۔ خواہ وہ مذہبی تحریک ہو یا سیاسی، علمی تحریک ہو یا فکری ہر جگہ یہی چیز نظر آتی ہے۔

علامہ نقی علی خاں نے جو تحریک چلائی اور علامہ رضا علی خاں نے جس تحریک کی بنیاد ڈالی تھی اسے پروان چڑھانے والے انتہائی ہمت وشجاعت اور اخلاص کے ساتھ اپنی تحریک کے فروغ کیلئے کوشاں رہے اور ہر جانے والا اپنے بعد کیلئے اچھا جانشیں چھوڑا۔

سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حجتہ الاسلام علامہ حامد رضا خاں مسند نشیں ہوئے۔ منظر اسلام میں ایک عرصہ تک درس حدیث وتفسیر اور فقہ کی انجمن سجائی اور خدمت حدیث کا اہم فریضہ انجام دیا اور تمام تر مشغولیات کے باوجود متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں غالب ترین حصہ فقہ وفتاویٰ، احقاق حق وباطل پر مشتمل ہے لیکن چند کتابیں ایسی بھی ہیں جن میں آپ کی شان محدثانہ کی واضح تصویر اور خدمت حدیث کی پوری جلوہ سامانی نظر آتی ہے۔ مثلاً العارم الربانی علی اسراف القادیانی، آثار المتبد عین لھدم جبل اللہ المتین، وقایہ اہل سنہ۔

آپ کے بعد اس خاندان کے ایک دوسرے عظیم محدث عظیم مفسر عظیم فقہ سے دنیا متعارف ہوئی وہ سرکار مفتی اعظم علامہ مصطفی رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات مبارکہ ہے۔ آپ نے دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔ لیکن چند کتابیں خالص محدثانہ رنگ وڈھنگ کی ہیں جن سے متون حدیث، شروح حدیث، فن جرم ولقدیل، اسماء الرجال پہ آپ کی گرفت کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ عبد النعیم عزیزی رقمطراز ہیں:

مسئلہ اذان ثانی پر علمائے رام پور سے بحث چھڑی اور عالم نوجوانی میں سرکار مفتی اعظم نے ان حضرات کے ابحاث

غلبہ کے جو سدال و مفصل اور مسکت جواب دیئے ہیں اس نے ان ناموران زمانہ کو خاموش کر دیا۔ وقایہ اہل السنۃ، نفی العار اور مقتل کذب و کیف وغیرہ کتابیں مفتی اعظم کے تبحر علمی اور ان کی حدیث دانی کی نہ کٹنے والی گواہیاں ہیں۔

(مفتی اعظم نمبر پیغام رضا ۱۴۱)

قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''حضور مفتی اعظم کو اب تک اپنے وقت کے ایک فقیہ اعظم اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے ایک فقید المثال اور وحید العصر اور امیر کشور افتاء کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن وقایہ اہل سنت کے مطالعہ کے بعد ہر انصاف پسند کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ صرف مفتی اعظم نہیں تھے بلکہ اپنے دور میں فن حدیث کے امام اعظم بھی تھے۔ (ماہانہ مجاز جدید مارچ ۱۹۹۳ء صفحہ ۳۲)

سرکار مفتی اعظم کے بھتیجے اور حجۃ الاسلام کے فرزند فیروز مند حضرات مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں نے بھی علوم تفسیر و حدیث کی خدمات میں زندگی گزاری۔ ۱۹۰۲ء میں حج و زیارت کی سعادت سے فیضیاب ہو کر لوٹے تو اپنے کو دار العلوم منظر اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ ابتداء کافیہ و شرح جامی کا درس دیا پھر کتب حدیث کی طرف توجہ کی۔ مسلم شریف، ترمذی شریف، شفا شریف، مشکوٰۃ شریف کی تدریس بانداز فقیہانہ اور اسلوب محدثانہ، فقہ حنفی کے تناظر میں ہوئی اور طلبہ انشراح صدر کے ساتھ محظوظ ہوئے۔

خانوادہ رضویہ کے بطل جلیل عالم نبیل صدر العلماء ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت علامہ تحسین رضا خاں علیہ الرحمہ ایک عظیم محدث باکمال فقیہہ اور ماہر مدرس کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ آپ کی پوری زندگی خدمت حدیث میں گزری۔ مظہر اسلام بریلی اور منظر اسلام بریلی میں خدمات تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ جامعہ نوریہ میں ۱۹۹۸ء تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے بعدہ جامعۃ الرضا کا قیام عمل میں آیا تو اس عظیم مثالی درس گاہ میں آپ کو شیخ الحدیث کے عہدہ پر متمکن کیا گیا اور وقت آخر تک آپ علوم حدیث و فقہ سے طلباء علوم دینیہ کو سیراب فرماتے رہے

اس خانوادہ کے روشن چشم چراغ حضور تاج الشریعہ امام الہند شیخ العرب والعجم الشاہ مفتی اختر رضا خاں قادری ازہری میں ان کے علمی کارنامے اور بالخصوص علوم حدیث کے فروغ و اشاعت میں آپ کا کردار کس قدر نمایاں ہے محتاج بیان نہیں۔

مختصر یہ کہ اعلیٰ حضرت، سرکار مفتی اعظم، حضور تاج الشریعہ علوم حدیث اور خدمت حدیث کی دنیا میں دور دور تک اپنا ثانی و نظیر نہیں رکھتے جبکہ مکمل افراد خانوادہ خدمت دین کے تصور کے ساتھ جیتے اور مرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض و برکات سے ہم سبھی کو دین دنیا میں مستفیض فرمائے۔ تفصیل کیلئے ناچیز کی کتاب ''ہندوستان میں علوم حدیث کا فروغ'' مطالعہ کریں۔ یہ کوئی مقالہ و مضمون نہیں بلکہ صرف ''حاضری جناب'' کے تحت لکھنے کی جسارت ہے۔ فقط۔

مرکز اہل سنت اور تحریک عشق رسول

مولانا محمد مختار احمد بہیڑوی

انگریز ہندوستان میں تاجر بن کر آئے تھے مگر اپنی عیاریوں اور ریشہ دوانیوں کے ذریعے اس ملک کے حکمراں بن گئے اور یہاں کے باشندوں کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا۔

انگریزوں نے اس ملک کی حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی۔ وہ مسلمانوں کی تاریخ سے بے خبر نہ تھے۔ وہ اس قوم کی شجاعت و جوانمردی اور جرأت ہمت سے اچھی طرح واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ وہ قوم ہے جس نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود قیصر و کسریٰ کی سطوتوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ یورپ اور ایشاء کی تمام عیسائی حکومتیں مل کر اپنی ساری توانائیوں کے ساتھ بار بار اس قوم کو مٹانے کے لیے میدان میں آئیں مگر ہر بار انھیں شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس قوم کے مٹھی بھر مجاہدین نے ہر صلیبی جنگ میں فتح کا پرچم لہرا کر بڑی بڑی عیسائی فوجوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔

باطل پرستوں کے ساتھ اہل اسلام کی معرکہ آرائیوں کی پوری تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد انگریز اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ مسلمانوں کا یہ جوش و جذبہ اور شجاعت و جواں مردی جس کے آگے باطل کی بڑی سے بڑی طاقت سرنگوں ہو کر دم توڑ دیتی ہے ان کے جذبۂ ایمانی کا ثمرہ ہے، اسی جذبۂ ایمانی کی بدولت انھیں ہر میدان میں فتح و کامرانی نصیب ہوئی اور اسی جذبۂ ایمانی کی تاثیر تھی کہ عرب کے ریگستانوں سے اُٹھنے والی مٹھی بھر قوم دنیا کے ایک بڑے حصے کی مالک و حکمراں بن گئی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے انگریزوں کو یہ سبق مل گیا تھا کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کا جذبہ موجزن رہے گا یہ قوم انگریزی حکومت کے لیے خطرہ بنی رہے گی، جب بھی اس کے سینے میں آزادی حاصل کرنے کی تڑپ پیدا ہوگی اس کی فطری شجاعت و جوانمردی بیدار ہو جائے گی اور یہ انجام سے بے پرواہ ہو کر انگریزی حکومت کو خاک میں ملانے کے لیے میدان میں نکل آئے گی۔ اس لیے اس ملک کو اگر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھنا ہے اور قوم مسلم کے خطرے سے مستقل نجات پانا ہے، تو اس کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ اس قوم کے دل سے ایمان کی گنج گراں مایہ کو نکال دیا جائے۔ اور اس کے اس جذبہ کو موت کی نیند سلا دیا جائے۔ جو اسے پہاڑوں کو سرنگوں کرنے کا حوصلہ اور طوفانوں

کے رخ پھیر دینے کی ہمت عطا کرتا ہے۔

ایمان کی بنیاد عشق رسول ﷺ ہے، سرکار دوعالم ﷺ کی سچی محبت کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں کو ایمان سے محروم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ان کے دلوں سے رسول کونین ﷺ کے عشق اور آپ کی محبت کو نکال دیا جائے۔ جب ان کے دل عشق رسول سے خالی ہو جائیں گے تو وہ پھر صرف نام کے مسلمان رہ جائیں گے، حقیقت ایمان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اور پھر ان کے سینہ وہ جذبہ جواں مردی کبھی پیدا نہ ہو سکے گا جو انگریزی سلطنت کے لیے خطرہ پیدا کر سکتا ہے۔

اپنی اسی سوچ کے تحت انگریزوں نے عشق رسول کو اپنا نشانہ بنایا اور مسلمانوں کی اس عظیم ترین دولت کو چھیننے کے لیے پوری طاقت سے مصروف عمل ہو گئے۔ انگریز جانتے تھے کہ اس مقصد کے لیے اگر ہم خود سامنے آکر کام کریں گے تو مسلمانوں کے دلوں میں اپنی نفرت بڑھانے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا، اس لیے انہوں نے اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لیے کچھ ضمیر فروش مولویوں کو خریدا جو اپنے جبہ و دستار اور اپنی نمایشی تقدس کے جال میں بھولے بھالے مسلمانوں کو پھانس کر انہیں جذبۂ عشق مصطفیٰ سے محروم کریں۔ اور انگریزوں کے ناپاک منصوبہ کو تکمیل تک پہنچائیں۔

ان بے ضمیر ایمان فروش مولویوں نے انگریزوں کے اشارے پر ان کے اس مشن کو پورا کرنے کے لیے پہلے ''وہابی تحریک'' پھر ''دیوبندی تحریک'' کی بنیاد رکھی۔ اور انگریزوں کی بھرپور مدد کے سہارے یہ دونوں تحریکیں مختصر سی مدت میں گمراہی کا طوفان بن کر پورے ملک کے افق پر چھا گئیں۔ آپ ان دونوں تحریکوں کے بانیوں اور بعد میں ان سے وابستہ ہونے والے علما کی کتابوں اور ان کی پھیلائی ہوئی تعلیمات کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت آپ کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ ان تحریکوں کا بنیادی نشانہ جذبۂ عشق رسول ہے اور ان کے قلم اور زبان کی ساری توانائیاں اسی شیطان المقصد کے لیے وقف ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں سے مصطفیٰ جانے رحمت ﷺ کی عظمت اور احترام کو مٹا کر انہیں محبت رسول ﷺ کی اس دولت بے بہا سے محروم کر دیا جائے کہ جو ایمان کی بنیاد و اساس ہے۔ ان تحریکوں کو انگریزی حکومت بھرپور مالی امداد دے رہی تھی، ان کے لیے ملک کی فضا کو سازگار بنانے کے لیے حکومتی وسائل کو پوری طرح سے لگا دیا گیا تھا۔ حکومت کے اشارے پر انگریزوں کی غلامی کے نشہ میں ڈوبے ہوئے لوگ پہلے ہی مرحلہ سے ان تحریکوں کے ساتھ چل پڑے تھے، اس لیے یہ تحریکیں بہت جلد زور پکڑ گئیں اور مختصر سی مدت میں پورا متحدہ ہندوستان ان کی لپیٹ میں آگیا۔

علامہ فضل حق خیرآبادی اور علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما اور کچھ دوسرے علمائے اہل سنت نے ان تحریکوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وقت گزرنے کے ساتھ یہ تحریکیں اور شدت اختیار کرتی گئیں، یہاں تک کہ انھوں نے ایسی طوفانی آندھیوں کی شکل اختیار کر لی کہ اسلامیان ہند کے سینوں میں جگمگانے والا چراغ عشق مصطفیٰ ﷺ خطروں کی زد پر آگیا۔

جن علمائے اہل سنت نے ان تحریکوں کے خلاف قلم اُٹھایا تھا ان کے اقدامات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا

جا سکتا۔ مگر ضرورت تھی عشق رسول ﷺ کی ایک ایسی تحریک کی جو ان طوفانوں کے سامنے سد سکندری بن کر انکا راستہ روک سکے۔ برق جلال بن کر ان کے ناپاک منصوبوں کو خاکستر کر دے، افتاب نور بن کر ہر طرف عشق رسول کا اجالا پھیلا دے، شمع ہدایت بن کر ان تحریکوں کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کے اندھیروں کو دامن سمیٹ کر بھاگنے پر مجبور کر دے۔ اور محبت رسول ﷺ کے چراغ کی لو کو تیز سے تیز کر کے دلوں کو اس کی روشنی سے منور و تابناک بنا دے۔

اس عظیم مقصد کے لیے پروردگار عالم نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کو منتخب فرمایا اور ان کے سر پر مجددیت کا تاج سجا کر انہیں عظمت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اور عشق رسول ﷺ کی پاسبانی پر مامور کر دیا۔

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی امامت وقیادت میں مرکز اہل سنت بریلی شریف سے عشق رسول کی ایسی عالمگیر تحریک اُٹھی جس نے وہابی، دیوبندی تحریکوں کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا اور دلوں کو جذبۂ عشق مصطفیٰ ﷺ سے معمور کر دیا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ خود بھی عشق رسول کا پیکر تھے اور زندگی بھر دوسروں کو بھی عشق رسول کا درس دیتے رہے ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق رسول کا جام لٹانے میں گزرا، انہوں نے اپنے اشعار اور تصنیفات کے ذریعے پوری ملت کے سینہ کو عشق رسول کا مدینہ بنا دیا۔ ان کی زندگی کا مشن ہی یہ تھا کہ مسلمان عشق رسول کے جذبہ سے ایسا سرشار ہو جائے کہ وہابی دیوبندی تحریکیں لاکھ کوشش کے باوجود اس کے سر سے اس عشق کا نشہ نہ اُتار سکیں اور نہ اس کے سرمستیوں کو کم کر سکیں۔

امام احمد رضا کے عشق رسول کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں:

''اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا ''لا الٰہ الا اللہ'' اور دوسرے پر لکھا ہوگا ''محمد رسول اللہ''۔''

وہ عشق رسول میں ایسے فنا ہو چکے تھے کہ اپنے محبوب ﷺ ہی کو اپنے دل ونگاہ کا محور بنا لیا تھا اور انہیں کو جانتے تھے اور انہیں کو مانتے تھے۔ ان کے دل میں صرف اسی کے لیے جگہ تھی جو ان کے محبوب سے نسبت رکھے۔ محبوب سے غیریت رکھنے والوں سے انہیں کوئی مطلب نہ تھا اور نہ ان سے کوئی تعلق رکھنا پسند کرتے تھے۔ ان کی نظر میں مسلمان کی حیثیت سے جینے اور مسلمان رہ کر دنیا سے جانے کا معیار یہی کردار عشق تھا۔ وہ اپنے اس نظریۂ عشق کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

امام احمد رضا کی زندگی کا گلشن عشق رسول سے ہی آباد تھا، عشق رسول ہی ان کا محور حیات تھا، عشق رسول کے بغیر ان کے نزدیک زندگی کا کوئی تصور نہ تھا۔ اس لیے ان کے دل کی ہر دھڑکن ہر وقت یہی پکارتی تھی:

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے
بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے

انھوں نے ببانگ دہل اعلان کیا:

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اُٹھائے کیوں

یہ عشق رسول کی جذبہ کی کارفرمائی ہی تھی کہ وہ زندگی

بھر اپنے محبوب کے ہی گن گاتے رہے، انہیں کی عظمت ورفعت کے خطبے پڑھتے رہے اور دوسروں کو بھی یہی درس دیتے رہے:

کیجئے چرچا انہیں کا صبح وشام
جان کافر پر قیامت کیجئے

انھوں کے زندگی کے آخری لمحہ تک عشق مصطفیٰ میں ڈوب کر یہی اعلان کیا:

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

بڑے سے بڑا لالچ بھی انھیں کسی دنیادار کی مدح سرائی پر آمادہ نہ کر سکا۔ ایک بار آپ سے نانپارہ کے نواب کی تعریف وتوصیف میں قصیدہ لکھنے کی درخواست کی گئی اور بڑے نام کا سبز باغ دکھایا گیا۔ مگر آپ کی غیرت عشق کب یہ گوارا کرسکتی تھی کہ اپنے محبوب کی مدح سرائی کی بجائے کسی غیر کی تعریف کے گن گائیں۔ آپ نے اس فرمائش کے جوب میں قصیدہ لکھا، مگر نواب نانپارہ کی تعریف میں نہیں بلکہ اپنے محبوب کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں اور اس کے مقطع میں صاف صاف دوٹوک فرمادیا:

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

جو اپنے محبوب کی محبت میں فنا ہو چکا ہو وہ کسی غیر کی جانب رخ کیسے کرسکتا تھا۔ جو اپنے محبوب کی بارگاہ کا بھکاری ہو وہ کسی اور کے سامنے دامن پھیلانا کس طرح گوارا کرتا۔ پھر محبوب بھی ایسا کریم کہ اس کی شان سخا کا یہ عالم!

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں

اس کی عطائیں بھی ایسی ایسی ہمہ گیر!

لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اسی غیرت عشق کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے اپنے محبوب کے دربار میں اپنے جذبات اس طرح پیش کیے:

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں میں چڑھے دیکھ کے تلوہ تیرا۔

یہ غیرت عشق امام احمد رضا قدس سرہٗ کی زندگی کا سرمایہ اور حاصل حیات تھی اس کے تحفظ کے لیے وہ اپنے محبوب ہی کی بارگاہ میں عریضہ پیش کرتے ہیں:

تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

امام احمد رضا کی تحریرات پڑھتے جائیے آپ کو قدم قدم پر عشق رسول کے ایسے جلوے نظر آئیں گے کہ روح ایمانی جھوم جھوم اُٹھے گی اور آپ بے ساختہ پکار اُٹھیں گے:

ہے مئے عشق رسول اللہ سے مخمور تو
ہو نہ پھر کیونکر خدائے دو جہاں تیرا خلیل

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے سینہ میں عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو جذبۂ بے کراں موجزن تھا اسے پوری امت مسلمہ میں عام کرنا ان کی زندگی کا بنیادی مشن تھا، اس کے لیے انھوں نے اپنی پوری زندگی وقف کردی۔ اور اس عظیم مقصد کے لیے عشق رسول کی وہ تحریک شروع کی جس کا پرچم آج پوری دنیا میں لہراتا نظر آرہا ہے۔

مرکز اہل سنت بریلی شریف سے اٹھنے والی عشق رسول کی

یہ تحریک ایک سیلاب نور بن کر اُٹھی اور وہابی دیوبندی تحریکوں کی پھیلائی ہوئی رسول دشمنی کی ساری گندگی سے مسلم سماج کو پاک کرتی چلی گئی۔ اس تحریک کے بانی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امت مسلمہ کے لیے بنیادی پیغام یہی تھا:

جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا
ایسے پیارے سے محبت کیجئے

کبھی یہی پیغام ان الفاظ میں دہراتے ہیں:

ان کے حسن با ملاحت پر نثار
شیرۂ جاں کی حلاوت کیجئے
ان کے در پہ جیسے ہو مٹ جایئے
ناتوانوں کچھ تو ہمت کیجئے

اپنی مشہور زمانہ کتاب ''تمہید ایمان'' میں کتنے مؤثر انداز میں محبت رسول کا درس دیتے ہیں، ملاحظہ ہو۔ ارشاد فرماتے ہیں:

''تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

قل ان کان آبائو کم۔۔۔۔۔۔الی۔۔۔واللہ لایھدی القوم الفٰسقین۔

اے نبی تم فرمادو کہ اے لوگو! اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمھیں اندیشہ ہے اور تمھاری پسند کے مکان، ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار رکھو، یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب اُتارے اور اللہ تعالیٰ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے دنیا میں جہاں میں کوئی معزز، کوئی عزیز، کوئی مال، کوئی چیز، اللہ ورسول سے زیادہ محبوب ہو وہ بارگاہ الٰہی سے مردود ہے، اللہ اسے اپنی طرف راہ نہ دے گا۔ اسے عذاب الٰہی کے انتظار میں رہنا چاہیے، والعیاذ باللہ تعالیٰ!

تمہارے پیارے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

''لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔'' تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اسے اسکے ماں باپ، اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں، ﷺ۔

یہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم میں انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس نے تو یہ بات صاف فرمادی کہ جو حضور اقدس ﷺ سے زیادہ کسی کو عزیز رکھے، ہرگز مسلمان نہیں۔ مسلمانو کہو! محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام جہان سے زیادہ محبوب رکھنا مدار ایمان و مدار نجات ہوا یا نہیں؟ کہو، ہوا اور ضرور ہوا۔

کبھی محبت رسول ﷺ کا جام اس طرح پلاتے ہیں:

اے عزیز! ایمان رسول رسول اللہ ﷺ کی محبت سے مربوط ہے اور آتش جاں سوز جہنم سے نجات ان کی الفت پر منوط، جو ان سے محبت نہیں رکھتا واللہ کہ ایمان کی بو اس کے مشام تک نہ آئی۔

محبت رسول کی اہمیت بتانے کے بعد امام احمد رضا ایسے پیارے اور اچھوتے انداز میں مسلمانوں کو محبت رسول کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ روح ایمان پر وجد طاری ہوجائے اور سخت سے سخت دل میں بھی عشق رسول کے چشمے ابل پڑیں، وہ فرماتے ہیں:

جان برادر! تو نے کبھی سنا ہے کہ جس شخص کو تجھ سے الفت صادقہ ہے وہ تیری اچھی بات سن کر، چیں بہ جبیں ہو اور اس کے محو کی فکر میں رہے اور پھر محبوب بھی کیسا؟ جان ایمان وکان احسان، جس کے جمال جہاں آرا کی نظیر کہیں نہ ملے گا، خامۂ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا۔ کیسا محبوب؟ جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ کیسا محبوب؟ جس نے اپنے تن پر ایک جہاں کا بار اُٹھایا۔ کیسا محبوب؟ جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا، ترک کر دیا، تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو ولعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لیے گریاں وملول، شب کہ اللہ جل جلالہٗ نے آسائش کے لیے بنائی اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہے، صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے، ہر ایک کا جیو اس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے، بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے اور جو محتاج بے نوا ہے اس کے بھی پاؤں دوگز کی کملی میں دراز، ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں وہ معصوم، بے گناہ، پاک داماں، عصمت پناہ اپنی راحت وآسائش کو چھوڑ کر خواب وآرام سے منہ موڑ کر جبین نیاز آستانہ عزت پر رکھے ہے کہ الٰہی میری امت سیاہ کار ہے درگزر فرما اور ان کے تمام جسموں کو آتش دوزخ سے بچا۔

محبت اور عظمت ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ جب دل میں کسی کی عظمت پیدا ہوتی ہے تو دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور یہی میلان محبت میں تبدیل ہو جاتا ہے، دل سے اگر عظمت نکل جائے تو محبت برقرار رہنے کا سوال ہی نہیں۔

وہابی دیوبندی تحریک کا مشن چونکہ عشق رسول کے چراغ کو بجھانا تھا اور اس تحریک کے علمبردار اس حقیقت کو جانتے تھے کہ اگر دلوں سے عظمت رسول نکل جائے تو مسلمان خود بہ خود ہی عشق رسول سے محروم ہو جائے گا۔ یہ لوگ مسلمانوں سے براہ راست یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اپنے دلوں سے عشق رسول کو مٹا دو۔ ان کے اس طرح کہنے سے عشق رسول تو کیا مٹتا، ان کی حقیقت پوری طرح مسلمانوں کے سامنے بے نقاب ہو جاتی اور ان کی تحریک پہلے ہی مرحلہ پر دم توڑ دیتی۔ اس لیے انہوں نے براہ راست عشق رسول کو نشانہ بنانے کی بجائے عظمت رسول کو اپنا نشانہ بنایا اور قرآن وحدیث کے عطا فرمائے ہوئے وہ عقائد حقہ جو رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کا اظہار کرتے ہیں، جو دور صحابہ سے اہل ایماں کے دلوں میں جاگزیں تھے ان کو مٹانے کے لیے انہوں نے اپنی زبان اور قلم کی ساری توانائیاں لگا دیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثل وبے نظیر ہونا، بہ عطائے الٰہی عالم غیب وعالم ما کان وما یکون ہونا، آپ کے خداداد اختیارات وتصرفات، اللہ کی دی ہوئی بے مثال قدرت وطاقت، آپ کا بہ عطائے رب مالک کونین ہونا، فریادیوں کی فریادیں سننا، مصیبت زدوں کی مدد فرمانا، مانگنے والوں کی جھولیاں بھرنا اور باذن پروردگار قیامت میں عاصیوں کی شفاعت کرنا وغیرہ۔ وہ سارے عقائد حقہ جن سے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا اعلان ہوتا ہے ان کا خاص نشانہ بنے اور انھوں نے ان عقائد کو امت کے دلوں سے نکالنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔ تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، براہین قاطعہ، تحذیر الناس اور حفظ الایمان جیسی

رسوائے زمانہ کتابیں اسی ناپاک مقصد کے لیے لکھی گئیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا مشن عشق رسول کو عام کرنا اور وہابی دیوبندی تحریک کو فنا کے گھاٹ اُتارنا تھا، آپ اپنے اس مشن کے لیے اپنے تمام وسائل کے ساتھ میدان میں آئے اور اپنی پوری زندگی اس کے لیے وقف کر دی۔

وہابی دیوبندی تحریک سے وابستہ علما نے عظمت مصطفیٰ کے خلاف جو کچھ لکھا امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے قلم کی نوک سے اس کی دھجیاں بکھیر دیں اور عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لیے اتنا علمی مواد فراہم کر دیا جو قیامت تک دشمنان عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اہل سنت کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

وہابیوں، دیوبندیوں نے عظمت مصطفیٰ پر مشتمل جن عقائد حقہ کو اپنا نشانہ بنایا تھا امام احمد رضا نے ان کو ثابت کرنے کے لیے دلائل و براھین کے انبار لگا دیئے اور وہابیوں دیوبندیوں کے ہر اعتراض اور ان کی پیش کی ہوئی ہر دلیل کا منھ توڑ جواب دے کر عظمت مصطفیٰ کی ایسی پاسبانی فرمائی کہ ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے اور اہل ایمان کے دلوں میں محبت رسول کے چراغ کی روشنی اور زیادہ بڑھ گئی۔

محبوب کے گستاخوں اور اس کی عظمت کے دشمنوں سے نفرت وعداوت محبت کا لازمی خاصہ اور تقاضا ہے۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی عظمت وعزت کے دشمنوں اور اس کے گستاخوں سے محبت ودوستی تو کیا ان سے ملنا جلنا اور ان کے قریب تک جانا گوارہ نہیں کرتا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے اس لیے اپنے محبوب کے گستاخوں سے زندگی بھر شدید نفرت کرتے رہے اور مسلمانوں کو بھی یہی سبق دیتے رہے۔

کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو، جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد، جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں اصلا تمہارے قلب میں ان کی عظمت، ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے، فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، ان کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر نہ تم اپنے رشتے علاقے، دوستی الفت کا پاس نہ کرو، نہ اس کی مولویت، شیخیت، بزرگی فضیلت کو خاطر میں لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی ہی کی بنا پر تھا جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا۔ (تمہید ایمان، ص ۵)

چند جملوں کے بعد مسلمانوں کے ضمیر کو اس طرح جھنجھوڑتے ہیں۔

مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی وہ ان کے بدگو کی وقعت کر سکے گا؟ اگرچہ اس کا پیر یا استاد یا پدر ہی کیوں نہ ہو، کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہاں سے زیادہ پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت، شدید نفرت نہ کرے گا اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو، اللہ اپنے حال پر رحم کرو۔ (ایضاً)

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن پاک کی آیتیں سنا سنا کر احادیث نبویہ کے حوالے دیدے کر مختلف اسلوب، طرح طرح کے انداز اور دل ودماغ کو جھنجھوڑ دینے والے

الفاظ میں زندگی بھر ایمان والوں کو دشمنان مصطفیٰ سے دور رہنے کا یہ درس دیتے رہے کیونکہ یہی محبت رسول کا تقاضہ بھی ہے اور مدار نجات آخرت بھی۔

محبت دل کے جذبہ کا نام ہے جو آنکھوں سے نظر آنے والی چیز نہیں، مگر اس کا اظہار عاشق کے افعال و کردار سے ہوتا ہے، اہل ایمان میں بہت سے ایسے جائز امور رائج ہیں جو محبت رسول کے جذبہ کے تحت انجام دیے جاتے ہیں اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ شیفتگی ظاہر ہوتی ہے۔ نام مصطفیٰ ﷺ سن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا، ذکر میلاد کی محفل سجانا، محفل کے اختتا پر قیام کرنا، جھوم جھوم کر سلام پڑھنا، نماز کے بعد مدینہ شریف کی طرف منھ کر کے صلاۃ وسلام پیش کرنا جائز طریقے سے عید میلاد النبی منانا، وغیرہ یہ سب عق رسول کے ہی مظاہرے ہیں اور محبت رسول کے جذبات کے تحت ہی مسلمان یہ کام کرتے ہیں۔ وہابیوں دیوبندیوں کا مشن عشق رسول کے جذبہ کو مٹانا ہی تھا انھیں محبت مصطفیٰ کے یہ مظاہرے کیسے برداشت ہو سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے پوری شدت کے ساتھ ان اعمال کی مخالفت کی اور ان پر حرام ،ناجائز اور بدعت کا حکم لگا کر مسلمانوں کو ان کاموں سے دور رکھنے کی کوششوں میں اپنے قلم کی ساری توانائی دی مگر امام احمد رضا عشق رسول کی ایسی تحریک لے کر اُٹھے تھے جس کا مقصد وہابی دیوبندی تحریک کی ہر سازش کو ناکام بنانا اور ہر طرح سے عشق رسول کی حفاظت واشاعت کرنا تھا۔ آپ نے وہابیوں دیوبندیوں کی اس فتنہ گری کے خلاف بھی مورچہ سنبھالا اور دلائل فاسدہ سے تعمیر یے ہوئے ان کے شیطانی قلعہ کو اپنے قلم کی چند ضربوں میں ہی زمین بوس کر دیا۔

وہابی دیوبندی طوفانوں نے عشق رسول پر جس رخ سے بھی حملہ کیا امام احمد رضا نے اس کا بھرپور دفاع کیا اور ہر طرح سے اس متاع بیش بہا کی حفاظت فرمائی۔

آج امت مسلمہ کے دلوں میں عشق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جو چراغ جگ مگ جگ مگ کرتا نظر آ رہا ہے یہ سب فیضان ہے امام احمد رضا کا جنھوں نے بریلی کی سرزمین سے عشق رسول کی وہ تحریک چلائی جس نے دشمنان رسول کی ساری سازشوں، سارے منصوبوں اور سارے اقدامات کو ناکام کر کے دلوں کو عشق رسول سے مخمور کر دیا۔

امام احمد رضا دنیا سے رخصت ہو گئے مگر اپنے شاہزادوں، اور خاندان کے دیگر افراد کو، اپنے تلامذہ وخلفا کو، اپنے منتسبین ومعتقدین کو ایسا جذبہ عطا کر گئے کہ یہ تحریک سب کی زندگی کا مشن بن گئی۔ آج امام احمد رضا کے وصال کو سو برس پورے ہونے جا رہے ہیں خانوادے کی کتنی نسلیں بدل گئیں، مگر اس جذبہ میں کوئی کمی نہ آئی۔ آج بھی مرکز اہل سنت بریلی شریف سے یہ تحریک عشق مصطفیٰ اپنی پوری شدو مد کے ساتھ مسلسل جاری ہے۔ اور ہر دن دنیا میں اس کا دائرہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ مرکز اہل سنت سے تعلق رکھنے والا دنیا میں جہاں بھی ہے اس تحریک کا داعی وعلم بردار ہے۔ وہابی دیوبندی آج بھی عشق رسول کے چراغ کو بجھانے کے لیے امریکی ڈالر اور سعودی ریال کے سہارے اپنی پوری طاقت کے ساتھ مصروف عمل ہیں مگر مرکز اہل سنت بریلی شریف کے دیوانے ہر جگہ ان کی ناپاک کوششوں کو ناکام بنا کر عشق رسول کے پرچم لہرا رہے ہیں۔

مرکز اہلسنت کی تبلیغی خدمات

مولانا محمد احمد رضا قادری مصباحی
استاذ جامعہ اہلسنت ضیاء العلوم، کالپی شریف

اللہ عزوجل نے بندوں کو اپنی رحمت ومغفرت کی طرف دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ (ال عمران ۱۳۳) اور فرمایا: سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ (الحدید ۲۱) اور اسی راہ مغفرت وجنت کو سمجھانے کے لئے اپنے فضل خاص سے انبیاء کرام ورسولان عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ چلایا یہاں تک نبی آخر الزماں ﷺ پر یہ سلسلہ منقطع فرمادیا اور آپ کو حکم فرمایا: یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدہ ۶۵) اور بندوں سے ارشاد فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء ۶۴) چنانچہ ہر امت کے لئے اپنے نبی کی اطاعت واتباع فرض قرار پائی اور ان کے لائے ہوئے دین کی تبلیغ واشاعت زعمائے امت کے لئے عظیم ترین ذمہ داری کہلائی۔

حضور نبی رحمت ختمی مرتبت سید العالمین محمد رسول اللہ ﷺ نے رب کا پیغام کما حقہ اس کے بندوں تک پہنچادیا اور اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے حضور ﷺ کے بعد اب کسی جدید نبی کا آنا محال ہے، چونکہ حضور ﷺ کی رسالت ہر دور کے لئے ہے اور مشیت الٰہی کو قیامت تک اسی شریعت محمدیہ کی بقا منظور ہے اور کل کائنات کی صلاح وفلاح اسی کے دامن رحمت سے وابستہ ہے تو اس پیغام کا ہر دور کے انسانوں کے پاس پہنچنا پہنچانا لازم ٹھہرا۔ لہٰذا حضور سید عالم ﷺ کے ظاہری حیات سے پردہ فرمانے کے بعد امت پر تبلیغ دین کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اللہ رب العالمین نے امت محمدیہ کو پہلے ہی سے اس کا احساس دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۱۰۴) اور ایک مقام پر امت کے ایک طبقے کو فہم دین کی تحریض وتحریک کرتے ہوئے امر تبلیغ کو اس کے لئے بطور کفایہ فرض فرمادیا۔ کما قال: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (توبہ ۱۲۲)

دین متین کے متعدد شعبے ہیں جو میدان جہاد سے لیکر صحن خانقاہی تک مختلف رنگ وروپ میں پھیلے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے توفیق یافتہ بندے ہر دور میں ان شعبہ جات میں زبردست تبلیغی واشاعتی کارنامے انجام دیئے ہیں چانچہ صحابہ پھر تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، مفسرین، محدثین، مورخین، مجاہدین، مجددین، صوفیہ وفقہاء، واعظین وخطباء، مصنفین وادباء نے حتی الامکان جہاد باللسان سے

جہاد بالقلم و جہاد باللسان تک جو عظیم الشان نمونے پیش کئے وہ آج بھی اپنی جگہ فقید المثال ہیں۔

نظام قدرت کے تحت لیل ونہار کی گردشیں جاری ہیں ،زمانہ اپنی فطری رفتار کے ساتھ رواں دواں ہے اور دین فطرت بھی اپنے غیر متبدل اصول وضوابط کے ساتھ نہ صرف عازم سفر ہے بلکہ زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی تمام تر جولانیاں آج بھی اس کے اندر پورے تجمل کے ساتھ موجود ہیں البتہ ہر دور میں نئے فتنے ، نئے تقاضے نئے حالات ضرور جنم لیتے ہیں اور اہل حق کے سامنے نئے مسائل وجدید چیلنجز کھڑے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا مقابلہ نہ کیا جائے تو دین کی اصلی صورت مسخ ہو کر رہ جائے لہٰذا عادت الٰہیہ اسی پر جاری ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس سے اسلام کی تبلیغ وتحفظ کا کام لے لیتا ہے۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔**

اسی تناظر میں اہل حق مرکز اہلسنت بریلی شریف کو بھی دیکھتے ہیں کیونکہ تیرہویں صدی کے اواخر اور چودہویں صدی کے اوائل کا پر آشوب دور اسلامیان ہند کے لئے کیسا قیامت خیز تھا تاریخ کے اوراق بتا دیتے ہیں، تثلیث کے پجاریوں کے اشارے پر ان کے زرخرید اصحاب جبہ ودستار دین کی تعبیر وتشریح میں کیسے کیسے گل کھلا رہے تھے زمانے کو آج بھی یاد ہے، باطل عقائد ونظریات کو تعلیمات امام ربانی اور افکار شاہ ولی اللہ دہلوی کا نام دیکر مسلمانوں کو کیسے گمراہ کیا جا رہا تھا یہ بھی کسی سے مخفی نہیں ،لبادۂ تصوف میں زندیقیت کی کیسی کاشت ہو رہی تھی اس کا علم بھی سب کو ہے، حب صحابہ کے نام پر فروغ خارجیت اور حب اہلبیت کے نام پر فروغ رافضیت کا کیسا تماشا چل رہا تھا اس کا ثبوت بھی موجود ہے، یہودیوں کا پروردہ ابن عبدالوہاب نجدی کے غلیظ عقائد ونظریات کو تقویۃ الایمان کا نام دیکر اسلامی عقائد وافکار پر کیسے شبخون مارا جا رہا تھا یہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں، توحید کے نام پر ناموس رسالت کی کیسی درگت کی جا رہی تھی اس سے بھی کسی کو جرأت انکار نہیں ہو سکتا۔ غرض کی الحادیت، زیدیقیت، خارجیت، ناصبیت ، رافضیت ، وہابیت، دیوبندیت، چکڑالویت، نیچریت، قادیانیت وغیرہ صدہا فتنوں کا خوفناک ازدہا اسلام وسنیت کو اپنا لقمہ تر بنانے کو بے تاب تھا چنانچہ اس ازدہا کی سرکوبی کے لئے اللہ رب العزت نے شہر بریلی شریف کے ایک دیندار نامور اور علمی گھرانے سے اپنے ایک خاص بندے کا انتخاب فرمایا جس کا وجود فتنہ ہائے زمانہ کے مد مقابل اہل اسلام کے حق میں عصائے کلیم ثابت ہوا، دنیا اس عظیم ہستی کو مجدد چہاردہ صدی امام اہلسنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے جان بھی چکی ہے اور مان بھی چکی ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ہمہ جہت خدمات کا محور دو نمایاں باتیں ہیں، پہلی اسلام کے نام پر پھیلائے جا رہے داخلی فتنوں کا سد باب اور دوسری اغیار کے سامنے اسلام کی سنہری تعلیمات کی تبلیغ وتشریح۔ انھیں مقاصد جلیلہ کو سامنے رکھ کر آپ نے مختلف علوم وفنون پر ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف فرمائی اور رفریضۂ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی کی خاطر افراد سازی کا عظیم نمونہ بھی پیش فرمایا، اللہ عزوجل کے یہاں آپ کی ہر ایک سعی مشکور ہوئی اور قبولیت عامہ کا درجہ ملا یہاں تک کہ ملت اسلامیہ کے وہ سرکردہ افراد جن کو مجالس علماء میں فیصل کا درجہ حاصل تھا انھوں نے آپ کی ذات کو اپنا امام اور آپ کے گھر آنگن کو اہلسنت کا مرکز قرار دیدیا یعنی آپ کی شخصیت اعلیٰ

حضرت کہلائی اور آپ کا دیار مرکز اہلسنت کہلایا۔

بیشک آپ کی تصنیفات سے علم وتحقیق کے چشمے جاری ہوئے، برسوں کے لاینحل مسائل ہمیشہ کے لئے حل ہو گئے اور تحقیق وتدقیق کا ایک نیا دور شروع ہوا، اہل علم ودانش جس کے گرویدہ ہو گئے یہاں تک کہ موجودہ ذرائع ابلاغ سے محروم اُس دور میں صرف برصغیر ہند و پاک سے نہیں اکثر بلاد اسلامیہ سے لوگ مسائل دینیہ کی عقدہ کشائی کے لئے بریلی شریف کی طرف رجوع کرنے لگے جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

دین کی اشاعت اور اس کا تحفظ علماء ربانی کے وجود ومساعی سے ہوتا ہے اور ہر عالم ربانی اپنے افکار وخیالات کو کسی ایسی ہستی سے ضرور کشید کرتا ہے جس سے وہ متاثر ہو، اور اس مدعا کو سامنے رکھ کر جب ہم پچھلے سو سال کے اسکرین پر توجہ مرکوز کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ سو فیصد علماء ومشائخ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے اپنا نظریاتی رشتہ جوڑ کر ہی اپنی دینی، ملی، علمی، تبلیغی وغیرہ سرگرمیاں انجام دیتے رہے ہیں اس لئے کہ آپ کی تعلیمات اسلام کی چودہ سو سالہ روایات کا لب لباب ہے جس پر امام کا یہ شعر شاہد ہے کہ۔ انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام ☆ للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا۔

چونکہ دیار اعلیٰ حضرت بریلی شریف اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے ہی مرکز اہلسنت ہے اور رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ لہٰذا آپ کی ذات سے جڑی ہوئی شخصیات کے دینی کارنامے مرکز ہی کے کارنامے شمار ہوتے ہیں اور اس اعتبار سے اگر کسی کو اطمنان چاہئے تو وہ خلفاء وتلامذۂ اعلیٰ حضرت کی خدمات جلیلہ کو دیکھے جو آج بھی اپنی جگہ بے مثال ہیں۔ چنانچہ اس فہرست میں حضرت صدر الشریعہ، حضرت صدر الافاضل، حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتی اعظم ہند، حضرت ملک العلماء، حضرت محدث اعظم ہند، حضرت شیر بیشۂ اہلسنت، حضرت محدث اعظم پاکستان، علامہ ضیاء الدین مدنی، حضرت برہان ملت، علامہ سلیمان اشرف بہاری، علامہ عبد العلیم میرٹھی علیہم الرحمۃ والرضوان سمیت سیکڑوں جلیل القدر علماء وصوفیہ کے اسمائے گرامی دیکھے جا سکتے ہیں اور اگر صرف خانوادے کے افراد ہی کو مدنظر رکھیں تو حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند، مفسر اعظم ہند، استاذ زمن، علامہ تقدس علی خاں، علامہ حسنین رضا خان سے لیکر حضرت صدر العلماء، حضرت امین شریعت اور حضور تاج الشریعہ رحمھم اللہ علیہم اجمعین تک درجنوں علمی ہستیاں قابل ذکر ہیں جن کی تبلیغی واشاعتی تحریکات مرکز اہلسنت بریلی شریف کی خصوصی پہچان ہیں۔

اور اگر تصنیف وتالیف اور قرطاس وقلم کے حوالے سے مرکز اہلسنت کے تبلیغی کارناموں کا جائزہ لیا جائے اور امام اہلسنت کی تصنیفات سے لیکر اب تک ان کے وابستگان محققین علماء کی رشحات قلم کو یکجا کیا جائے تو بخدا دنیا یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جائے گی کہ امام احمد رضا اور آپ کے فیض یافتہ علماء نے علوم وفنون کا شاید ہی کوئی گوشہ تشنہ تکمیل چھوڑا ہو چنانچہ اہلسنت میں فقہ وفتاویٰ، اخلاق وتصوف، مباحث ومناظرہ، ترجمہ وتحشیہ، تفسیر وتاریخ، سیرت وسوانح اور رد وابطال پر پچھے سو سالوں میں بالخصوص اردو زبان میں جس قدر کام ہوا اس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ سو فیصد مرکز اہلسنت بریلی شریف سے ہے۔

سنہ ۱۹۰۴ء میں سرکار سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے دار العلوم منظر اسلام قائم فرمایا اور کچھ ہی دنوں میں اس کا علمی فیضان ایسا عام ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہر چہار جانب سے تشنگان علوم وفنون کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی اور تحصیل علم کے بعد جب اس تعداد کے افراد اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹے تو عالم اسلام کے طول وعرض میں مدارس، مساجد اور تنظیم وتحریک

کا ایک مضبوط نیٹ ورک قائم ہو گیا جس کی لازوال برکتوں نے نہ صرف بدمذہبیت کی باد سموم سے اہلسنت کی مرجھائی ہوئی کھیتی کو از سر نو سرسبز و شاداب کیا بلکہ ہزار ہا کفار و مشرکین کے گھروں میں بھی اسلام کی شمع روشن کر دی۔

۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں فرنگیوں کے خلاف تنہا مسلمانوں کا صف بستہ ہونا ان کے غصے کو کتنا بھڑکایا ہو گا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے قہر و غضب کا پہلا نشانہ علماء حق اور ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی خانقاہوں کو بنایا جو دین و سنیت کے اشاعتی مراکز ہوا کرتی تھیں کتنے ہی خانقاہی مربیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ان کی خانقاہیں ڈھا دی گئیں اس کی صحیح تعداد اللہ ہی جانتا ہے اور وہاں بیٹھ کر دینی جد و جہد کرنے والے جو لوگ بچ گئے تھے وہ بھی جب یکے بعد دیگرے رخصت ہو گئے تو ان کی جگہ عموماً خالی الظرف لوگوں نے لے لی الا ماشاء اللہ، جس بات کو رونا ڈاکٹر اقبال نے کچھ اس انداز سے رویا تھا کہ۔ قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے ☆ خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن۔

اور خانقاہی نظام کے اس دور انحطاط میں مرکز اہلسنت بریلی شریف نے قوم کو دردمند دل رکھنے والے جید علماء عطا کئے جو بحیثیت عالم ہر طرح کی خوبیوں سے مالا مال تھے، بروقت یہی درویش صفت افراد آگے بڑھ کر خانقاہوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے زبردست قربانیاں پیش کی جس کے نتیجے میں خانقاہیں پھر سے صدائے ہو اور قیل و قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منور ہو گئیں یہی وجہ ہے کہ اہل خانقاہ نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کو اپنا جانا اور ان کے دیار پر بہار کو اہلسنت کا مرکز مانا جس کا اعتراف ان خانقاہی شہزادگان کو آج بھی جو عقائد و معمولات اہلسنت میں اپنے اسلاف کے سچے جانشین ہیں۔

ہم سنیوں کی آج ایک پہچان بنام بریلوی بھی ہے اور کسی بھی صحیح العقیدہ شخص کو اپنے آپ کو بریلوی کہلوانے میں کوئی پریشانی نہیں ہے کیوں کہ یہ انتسابی لاحقہ ہم کو دور حاضر کے تمام بدمذہبوں سے ممتاز کر کے شاہراہ ما انا علیہ واصحابی پر گامزن ہونے کی طمانیت و ضمانت فراہم کرتا ہے جس پر اکابر علماء اہلسنت کی تحریری شہادتیں موجود ہیں۔ اور اس لحاظ سے دنیا میں جہاں کہیں بھی ہمارا وجود ہے، ہم بریلوی ہیں اور اس نسبت سے ہمارا مرکز بریلی شریف ہے لہٰذا ہماری تمام تر دینی کاوشیں ہمارے مرکز کی تبلیغی خدمات کا ہی حصہ ہیں۔

مرکز اہلسنت سے جڑے ہوئے افراد نے مدارس قائم کئے، کتابیں لکھیں، علماء و مبلغین کی فوج تیار کی واعظین و خطباء کی ٹیم ریڈی کی، مصنفین مؤلفین، مدرسین، اصحاب فتویٰ و مناظرین اور ائمہ مساجد بنائے، سلاسل طریقت کو فروغ دیا یہاں تک ہر چہار جانب حقانیت کا بول بالا ہو گیا چنانچہ آج ایک صدی گزرنے کے باوجود بھی دین و ملت کے چہرے پر جو تازگی اور ہریالی نظر آ رہی ہے وہ دراصل مرکز اور اس کے وابستگان کی جانفشانی کا نتیجہ ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں مرکز اہلسنت بریلی شریف کی ایک علمی شناخت اور مذہبی حیثیت ہے، یوروپ، امریکہ، ایشیا، افریقہ سمیت دنیا کے تمام براعظم میں بریلوی نسبت سے مالا مال علماء و مبلغین کہیں اجتماعی طور پر تو کہیں انفرادی طور پر تبلیغ و اشاعت کے حوالے سے مصروف عمل ہیں جن کی وجہ سے ہزار ہا بھٹکے ہوئے لوگ رشد و ہدایت کی منزل سے آشنا ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

❀❀❀

مرکز اہل سنت کی ادبی خدمات

از: مولانا ڈاکٹر شفیق اجمل قادری رضوی

اردو زبان وادب کے نشوونما سے متعلق ماہرین لسانیات کے فراہم کردہ مواد، اردو زبان کی اولین تخلیقات اور بزرگان دین کے ملفوظات کی روشنی میں یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اردو زبان کے فروغ اور اس کے نشوونما میں صوفیہ کرام نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ یہ بے لوث اور مخلص لوگ بندگان خدا تک خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے بیتاب تھے۔ وہ لوگوں کے دروازوں ہی پر نہیں ان کے دلوں پر بھی دستک دینا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنا پیغام عوام تک خود ان کی زبان میں پہنچائیں۔ چنانچہ صوفیہ کرام نے خواص کی ادبی زبان کے بجائے عوام میں رائج زبان کو اپنی پیغام رسانی کا وسیلہ اظہار بنایا۔ اور انہیں کی بولی میں تعلیم وتلقین فرمائی۔ صوفیہ کرام جس خطے میں جاتے وہاں کی زبان سیکھ کر اس خطہ کے لوگوں تک انہیں کی زبان میں اپنا پیغام پہنچاتے۔ اس طرح انہوں نے عوامی زبان کے دائرے کو وسیع کیا اور اپنی ضرورت کے مطابق نئے نئے الفاظ استعمال کر کے اس زبان کے ذخیرہ الفاظ میں قابل قدر اضافہ کیا۔ مشہور محقق سید احتشام حسین اپنی کتاب ''اردو ادب کی تنقیدی تاریخ'' میں رقم طراز ہیں:

''اس بارے میں سب سے پہلا نام بابا فرید شکر گنج کا ملتا ہے لسانیات کے علما کئی دوہوں کو جو اُن سے منسوب ہیں ان کا نہیں مانتے لیکن قدیم کتابوں میں ان کے متعدد اقوال اور شعر ملتے ہیں۔ اسی طرح شیخ حمید الدین ناگوری (وفات ۱۲۷۴ء)۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر (وفات ۱۳۲۳ء) امیر خسرو (وفات ۱۳۲۵ء) شیخ سراج الدین (وفات ۱۳۵۶ء) شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (وفات ۱۳۷۰ء) مخدوم اشرف جہانگیر (وفات ۱۳۵۵ء) شیخ عبدالحق ردولوی (متوفی ۱۴۳۳ء) حضرت گیسو دراز (متوفی ۱۴۲۱ء) سید محمد جون پوری (متوفی ۱۵۰۴ء) شیخ بہاء الدین باجن (متوفی ۱۵۰۶ء) شاہ ہاشم علوی (متوفی ۱۶۴۹ء) وغیرہ کے بول اردو میں ہیں جو اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ تیرھویں صدی عیسوی سے فارسی عربی الفاظ

کے میل سے ایک ایسی زبان بن رہی تھی جو عوام کی سمجھ میں آسکتی تھی جس کو صوفی فقیر تبلیغ کے کام میں لاتے تھے۔"[1]

تاریخ اردو کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اردو کے آغاز نیز اس کی ترویج و اشاعت اور اس کے سلسلۂ تدریجی کو قائم رکھنے میں اولیاے کرام اور علما کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے ۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان نے اس قلیل عرصے میں جو ترقی کی ہے وہ اولیاے کرام اور علما کے فیضان ہی کی بدولت ہے۔ غرض کہ ہر دور میں علماے کرام کا اردو ادب کی ترویج و اشاعت میں مکمل تعاون رہا ہے۔ اور انھوں نے حتی الوسع اپنی کاوشوں سے اسے خوب فروغ بخشا۔

بیسویں صدی میں بھی علماے کرام اردو ادب کے مینار ثابت ہوئے اور خاص طور پر علماے اہلسنت نے اس کی بھر پور اشاعت کی۔ امام احمد رضا محدث بریلوی اور ان کے خانوادے نے بھی مختلف نثری و نظمی تصانیف سے اردو ادب کے دامن کو بھر دیا۔ ان بزرگوں کی تصانیف ادبی حیثیت سے مرفوع المقام اور امتیازی صفات کی حامل ہیں۔ خانوادۂ رضویہ کے انھیں نفوس قدسیہ کی ادبی خدمات کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی (۱۸۵۶ء/ ۱۹۲۱ء) بیسویں صدی کے جلیل القدر عالم، عظیم المرتبت مفتی، بلند پایہ مصنف، دیدہ ور سیاستدان، صاحب بصیرت سائنس دان، لائق و فائق نکتہ داں، باکمال شاعر اور ایک صاحب طرز انشا پرداز ادیب تھے۔ انھیں اردو، ہندی ، فارسی اور عربی نظم و نثر پر یکساں عبور تھا۔ بلاشبہ علم و فن میں ان کے معاصرین میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا اور کثرت علوم پر ان کو جو مہارت حاصل تھی اس کی نظیر ان کی عہد میں تو کیا ماضی میں بھی شاذ ہی نظر آتی ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی جیسی نابغۂ روزگار ہستیاں صدیوں بعد منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوتی ہیں۔ ان کی شخصیت جامع علوم و جامع صفات تھی۔ وہ دنیاے اسلام کے ایک فقید المثال محقق اور عدیم المثال فقیہ تھے ان کی ذات علم و فن کا ایک ایسا منارۂ نور تھی جس کی ہر شعاع ظلمتوں میں گھرے ہوئے اور راہِ حق سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے لیے تسکین قلب و جاں تھی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سیکڑوں علوم و فنون پر نہ صرف عبور رکھتے تھے بلکہ انھوں نے ہر علم و فن میں بے شمار کتابیں تحریر فرمائیں۔ ان کتب کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہر موضوع پر ادیبانہ اسلوب نگارش اختیار کرنے پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ ادب و شاعری میں ان کا مقام صفِ اول کے شہ سواروں میں ہوتا ہے ان کی ادبی خدمات سے کسی طرح صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک کہنہ مشق ادیب اور شاعر تھے۔ ان کی نثری خدمات بے شمار تصنیفات و تالیفات پر مشتمل ہیں اور ان میں مذہبی مسائل، فتاوی اور ترجمہ ہی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ فن موضوعات میں علمی زبان کا استعمال ہوتا ہے مگر اس کے باوجود ان کے یہاں ہمیں بے شمار ادبی شہ پارے نظر آتے ہیں۔ وہ ایک کہنہ مشق ادیب اور بے باک قلمکار تھے۔ ان کی تحریروں میں بلا کی سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ ان

میں جگہ جگہ ایسے ادبی شہ پارے نظر آتے ہیں کہ جسے دیکھ کر طبیعت مچل اٹھتی ہے۔ان کا حسین انداز بیان، زبان کی چستگی، برمحل الفاظ کا استعمال، استعارات کی جودت، طرز ادا میں نفاست، جذبات میں خلوص، بیان کی ادائیگی میں مہارت، فکر میں گہرائی، اظہار میں بے ساختگی، خیالوں میں شادابی ان ہی عناصر کے امتزاج سے وہ اپنی تحریروں میں بلا کی رعنائی پیدا کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے دینی مسائل اور علم و ادب کے مختلف شعبوں میں تنقید، طنز و تعریض، گرفت و تعاقب وغیرہ کے امور انجام دیے ہیں۔لہٰذا ان کی تحریروں میں بیان کے زور اور جوش بہت نمایاں ہیں۔ان کے یہاں مناظرانہ اور خطیبانہ انداز بھی ہے۔طنز و نشتریت کی نمکپاشی بھی ہے۔علمی وقار اور متانت کے باوصف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرشاری اور دینی حمیت و غیرت کے جذبوں نے ان کی تحریروں میں جوش و غضب کے ساتھ ساتھ سرمستی و سرشاری بھی بھر دی ہے۔ایک جگہ فرماتے ہیں:

''خدا کی شان قہاری تو دیکھو! پروانوں کی حیاداری تو دیکھو! مسلمانو! آنا سننے کا ماجرا ہے، مشتاقو! دوڑنا مزے کا تماشا ہے، پرانے پرانے الٹے منہ دودھ ڈالتے ہیں، سیانے سیانیادائیں نکالتے ہیں اجتہاد کے دور میں سہا لگ آیا، چچا بھتیجی کا گٹھ جوڑ لایا شبھ گھڑی ہے، شادی رچی ہے مبارک سلامت کی دھوم مچی ہے۔'' ۲

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

''تجلی جمال کے آثار سے لطف و نرمی، راحت و سکون و نشاط و انبساط ہے۔جب یہ قلب عارف پر واقع ہوتی ہے۔دل خود بخود ایسا کھل جاتا ہے جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازہ کلیاں یا بہار کے مینہ سے درختوں کی کنچھیا اور تجلی جلال کے آثار سے قہر و گرمی و خوف تعب، جب اس کا ورود ہوتا ہے قلب بے اختیار مرجھا جاتا ہے بلکہ بدن گھلنے لگتا ہے۔'' ۳

یہ تحریر اس بات کی گواہ ہے کہ آپ کے یہاں سلاست و روانی، شگفتگی اور شستگی کے ساتھ ساتھ شوکت الفاظ ندرت بیان اور عرض و بیان کی تمام خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ اردو ادب کے ساتھ ہی ساتھ امام احمد رضا بریلوی عربی و فارسی زبان کے عظیم شہسوار ہیں۔ جو ادب کی تمام انواع پر مکمل دسترس رکھتے ہیں۔یقیناً امام احمد رضا محدث بریلوی نے اردو نثر کو جو گرانقدر سرمایہ عطا کیا ہے وہ اردو زبان و ادب کے کسی دوسرے شہسوار کے یہاں کم یاب ہے۔مطالب و مفاہم کے اعتبار سے نثر کے تمام اقسام توضیحی، بیانیہ، تاثراتی اور انانیتی نثر ان کے یہاں موجود ہیں ان کے ادبی شہ پارے اردو ادب میں قابل قدر اضافہ ہی نہیں بلکہ اس کا ایک انمول سرمایہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی ایک قادر الکلام فطری شاعر بھی تھے، انہوں نے اردو نعتیہ شاعری کو قابل قدر مقام عطا فرمایا۔امام احمد رضا محدث بریلوی سے پہلے نعت گوئی کی بزم سونی پڑی تھی۔انہوں نے آ کر اس بزم کو زینت بخشی اور نعت

گوئی کو مستقل ایک فن کا مرتبہ دیکر اسے درجہ کمال تک پہنچایا۔ ان کی نعت میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے جس عمدگی اور خوبی کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے اور جس آسانی کے ساتھ اپنے مطالب کو بیان کیا ہے اس کی نظیر متقدمین شعراے اردو کے کلام میں کمیاب ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی کو فن نعت گوئی سے پوری ذہنی مناسبت تھی۔ ان کے یہاں بلند تخیل، مضمون آفرینی، خیال بندی، قدرت زبان اور ذہنی اپج بدرجہ اتم موجود ہے۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے روایتی خیالات و انداز بیان سے قطع نظر کرتے ہوئے نعت کے میدان میں ایک نئی راہ نکالی اور اپنی تخیل کی ندرت اور اپنے بیان کی لطافت سے نعت کو جواب تک ایک مذہبی موضوع تھا، ایک پروقار واہم صنف سخن بنا دیا۔ ان کی نعت اپنے انفرادیت کی بنا پر اردو ادب کا ایک مستقل سرمایہ بن گئی۔ عشق وعقیدت سے لبریز چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ

تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

برق انگشت نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینۂ مہ میں نشانِ سوختہ

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

خم ہوگئی پشت فلک اس طعن زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمار

دندان ولب وزلف ورخ شہ کے فدائی
ہیں در عدن، لعل یمن، مشک ختن، پھول

آسماں خوان، زمیں خوان، زمانہ مہمان
صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے نعت گوئی میں اپنی شہسواری اور ہنر مندی کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ اہلِ علم ان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ آج امام احمد رضا محدث بریلوی تمام جدید نعت گو شعرا کے پیش رو اور امام تصور کیے جاتے ہیں۔ آج کی جدید نعتیہ شاعری میں جو تنوع اور جو شگفتگی پائی جاتی ہے۔ وہ امام احمد رضا محدث بریلوی کی مرہون منت ہے۔ نعت کی تاریخ پر حضرت احمد رضا محدث بریلوی کے اثرات سے متعلق پروفیسر مسعود احمد نقشبندی کا یہ فکر انگیز تبصرہ ملاحظہ ہو:

''امام احمد رضا محدث بریلوی کی نعت گوئی ایک تحریک بن گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے نعت گو شعرا کا ایک قافلہ رواں دواں نظر آنے لگا شعری مجموعوں کا نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے ۔ یہ اس نعرۂ مستانہ کا خواب ہے جو انیسویں صدی عیسوی کی تاریک فضاؤں میں حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے لگایا تھا۔ ڈاکٹر اقبال اسی آواز کی بازگشت

ہیں۔'' ؎

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے فنی نقطۂ نظر سے اردو نعت گوئی کو معراج کمال تک پہنچایا۔ اردو شاعری کی تاریخ ارتقا میں ان کی یہ خدمات یقیناً ناقابل فراموش ہیں.

استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں قادری

استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں کی ولادت ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۵۹ء کو بریلی میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں اپنے وقت کے بلند پایہ عالم دین تھے۔ استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، صاحب طرز ادیب، قادر الکلام شاعر کے ساتھ ہی ساتھ دین محمدی کے جلیل القدر مبلغ اور عظیم الشان رہنما تھے۔ ان کی تحقیقی لیاقت اور علمی صلاحیت ایک مسلم الثبوت حقیقت ہے۔ استاذ زمن نے اپنے والد کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ برادر اکبر امام احمد رضا محدث بریلوی سے کسب علم کیا۔ خاندانی روایات کے مطابق مروجہ علوم اپنے خاندانی بزرگوں سے ہی حاصل کیے اور معقولات و منقولات میں مہارت حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس کے سلسلہ کا آغاز کیا۔

استاذ زمن کو شعر و شاعری کا ذوق قدرتی اور فطرتی طور پر تھا۔ آپ بہت ہی جلد ایک کہنہ مشق استاد کی حیثیت سے چمنستان سخن میں متعارف ہو گئے۔ استاذ زمن نے کچھ عرصہ رامپور میں داغ دہلوی کی شاگردی میں کلام کہے، رامپور سے واپسی پر استاذ زمن کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا اور چند ہی دنوں میں انہیں بریلی کی اقلیم شاعری کا تاجدار مان لیا گیا۔ اور تاحیات آپ شہر بریلی کے مملکت شعر و سخن کے شہنشاہ رہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کی خدمت میں رہ کر ایک بڑی تعداد خود بھی اپنی اپنی جگہ آسمان شعر و سخن کے ماہ و نجوم بن جاتے ہیں۔ آپ نے چند مشہور تلامذہ میں جمیل بریلوی، سید محمود علی عاشق، سید برکت علی نامی، دوارکا پرشاد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

استاذ زمن نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ صحافت کی دنیا ہو کہ غزل گوئی کا میدان، مثنوی نگاری ہو کہ نعت گوئی کی دشوار گزار وادی، استاذ زمن کا قلم ہر مقام میں زبان و بیان کی حلاوت کی ساتھ اپنی جولانی میں کامیاب نظر آتا ہے۔ استاذ زمن کی نثری خدمات و تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ وہ ایک بہترین صاحب طرز و اسلوب نثر نگار ہیں۔ استاذ زمن نے اپنی نثر میں عربی فارسی کے الفاظ بکثرت اس خوبی سے استعمال کیے ہیں کہ ان کی نثر بوجھل، ثقیل اور ادق نہیں بنی بلکہ ان کی نثر میں رنگینی شاعرانہ حد تک ہے، جس نے بیان کو پر زور، بااثر اور معیاری بنا دیا ہے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

> ''اے انجمن والو، ہوشیار، باادب بانصیب، بےادب بےنصیب، دست بستہ ہو کر درود پڑھو۔ یہ وقت وہ ہے کہ آفتاب رسالت باہزاراں جاہ و جلال افق سعادت سے چمکنے والا ہے۔ گل بستان نبوت ساتھ سو رنگینیوں کے کھلا چاہتا ہے، جن و انسان و ملک، وحوش و طیور چشم براہ، گوش بر آواز ہیں۔ انبیائے کرام و مرسلین عظام منتظر کہ کب وہ شمع بزم خلوت رونق انجمن جلوت ہو۔ ملائکہ پرے جمائے دست بستہ فرط

ادب سے سر جھکائے اس نوشاہ کی سلامتی کو

حاضر۔'' ۵

یہ ایک جھلک ہے استاذ زمن کے ادبی شہکار کی جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ فن نثر نگاری کے ایک باکمال ادیب تھے جنھوں نے جدید اردو نثر کو رواج عام اور مقبولیت عطا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے اور ان کا اردو نثر پر عظیم احسان ہے جس کو اہل ادب کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ استاذ زمن نثر نگار ہونے کے ساتھ ہی ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ داغ دہلوی کی شاگردی نے ان کی شاعری میں خوب نکھار پیدا کیا۔ مولانا نے حمد، نعت، غزل، مثنوی، رباعی، قصائد، منقبت غرض کہ ہر صنف شاعری پر طبع آزمائی کی ہے۔

استاذ زمن کا دیوان غزلیات ''ثمر فصاحت'' کے نام سے مطبوع ہے یہ مجموعہ صداقت جذبات اور قلبی واردات کا مرقع، درد وکرب، سوز وگداز کا منبع ہونے کے ساتھ ہی رنگینیِ حیات اور حسن ادب کا شاہکار بھی ہے۔ فکر کی بلندی، احساس کی لطافت، سلاست زبان اور ندرت بیان، شوخی ومعاملہ بندی، نازک خیالی اور ندرت خیالی جیسی بہت ساری خوبیاں آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ استاذ زمن کا یہ غزلیہ مجموعہ ہے، جو آپ نے اپنی حیات میں مرتب فرمایا مگر اس کی اشاعت آپ کی رحلت کے بعد ہوئی، ثمر فصاحت کا مادۂ تاریخ ۱۳۱۹ھ ہے اور استاذ زمن کا وصال ۱۳۲۶ھ میں ہوا۔ ثمر فصاحت میں کل ایک سو نوے (۱۹۰) غزلیں شامل ہیں، آخر میں ایک سہرا ہے جو کہ مولانا نے اپنے برادر اصغر مولانا رضا علی خان کی شادی پر رقم کیا اور پھر کچھ متفرق اشعار کے بعد تاریخی قطعات ہیں۔ ''قند پارسی'' جو کہ مولانا کا فارسی کلام ہے وہ بھی ''ثمر فصاحت'' کے آخر میں ہے۔

استاذ زمن نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی لیکن بہت جلد ہی آپ نے اپنی شاعری کا محور ومرکز مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی ذات گرامی کو بنالیا اور غزل گوئی سے رخ موڑ کر نعت گوئی کی طرف کر لیا۔ عشق مصطفیٰ ﷺ کی دبی ہوئی چنگاری شعلہ جوالہ بن کر ابھر گئی اور آپ بہت جلد ہی نعتیہ شاعری کے میدان کے ایک ایسے عظیم ترین شہشوار بن گئے کہ جلد ہی ''استاذ زمن'' کے لقب سے دنیائے شعر و ادب میں پہچانے جانے لگے۔

''ذوق نعت'' کا تاریخی نام ''صلۂ آخرت'' ہے جس سے ۱۳۲۶ھ کا سال برآمد ہوتا ہے، یہ کتاب آپ کے وصال کے بعد مولانا حکیم حسنین رضا خان کی سعی واہتمام سے طبع ہوا۔ حمد، نعت، مناقب صحابہ واولیا، ذکر شہادت، بیان معراج، نغمۂ رُوح، کشفِ رازِ نجدیت، رُباعیات اور چند تاریخی قطعات پر مشتمل ہے۔ تقریباً تمام حروف تہجی کے ردیف میں استاذ زمن نے کلام فرمایا ہے۔ استاذ زمن کا نعتیہ دیوان ''ذوق نعت'' بہت ساری خوبیوں اور خصوصیات سے سجا سنورا اور تمام تر فنی محاسن سے مزین وآراستہ ہے۔ موضوعات کا تنوع، فکر کی ہمہ گیری، محبت رسول کے پاکیزہ جذبات کی فراوانی کے اثرات اس میں جابجا ملتے ہیں۔ آپ کے کلام میں انداز بیان کی ندرت بھی ہے فکر وتخیل کی بلندی بھی۔ معنی آفرینی، تصوفانہ آہنگ، استعارہ سازی، پیکر تراشی اور طرز ادا کا بانکپن بھی موجود ہے۔ ان کے یہاں جدت طرازی، کلاسکیت کے عنصر، رنگ تغزل کی آمیزش، ایجاز و اختصار اور ترکیب سازی بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔

استاذ زمن کی نعت گوئی ان کی قدرت زبان کے شواہد بھی پیش کرتی ہے بلکہ زبان و بیان کے محاسن کی ان کے ہاں متحیر کن حد تک ارزانی ہے۔ شعری صنعتوں کے استعمال پر تو ان کی استادانہ گرفت ہے۔ شاید ہی ایسی کوئی صنعت ہوگی جس کے حسن استعمال کا نمونہ ان کے کلام میں موجود نہ ہو۔ ان کی شاعری اردو ادب کا اعلیٰ شہکار ہے، نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کھلیں پھول اس پھبن کے کھلیں بخت اس چمن کے
مرے گل پہ صدقے ہوکر جو بہار آئے

فدائے خار ہائے دشت طیبہ پھول جنت کے
یہ وہ کانٹے ہیں جن کو خود جگہ دیں گل رگ جاں میں

چمن کیوں کر نہ مہکیں بلبلیں کیوں کر نہ عاشق ہوں
تمہارا جلوۂ رنگیں بھرا پھولوں نے داماں میں

ترے در کے ہیں بھکاری ملے خیر دم قدم کی
ترا نام سن کے داتا ہم امیدوار آئے

ہیں ید بیضا کے صدقے اے کلیم
پر کہاں ان کی کف پا کا جواب

عجب کیا نہیں گر سراپا کا سایہ
سراپا سراپا ہے سایہ خدا کا

دیواروں کو آئینہ بناتے ہیں وہ جلوے
آئینوں کو جن جلووں نے دیوار بنایا

حسن یوسف کرے زلیخائی
خواب میں دیکھ کر جمال حضور

زمین کے پھول گریباں دریدہ غم عشق
فلک پہ بدر دل افگار تاب حسن ملیح

اگر دو دچراغ بزم شہ چھو جائے کاجل کو
شب قدر تجلی کا ہو سرمہ چشم خوباں میں

بلاشبہ استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی ایک قادر الکلام شاعر اور اچھے انشاء پرداز تھے۔ آپ نے اپنی خدمات سے اردو ادب کے سرمایہ میں گرانقدر اضافہ کیا۔

حضور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قادری

خاندان رضا کی ایک نمایاں شخصیت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں قادری (۱۸۵۷ء/ ۱۹۴۳) ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی ان کے لیے ارشاد فرماتے ہیں: ''انا من حامد و حامد منی'' حضرت حجۃ الاسلام علم وفضل اور زہد و تقویٰ کے وہ درخشندہ آفتاب ہیں جس کی ضیا بار کرنیں ہمارے لیے مینار ہدایت وارشاد ہیں۔ حجۃ الاسلام کی پوری تعلیم والد ماجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی سے ہوئی۔ آپ اپنی علمی جلالت، جودت طبع، قوت استدلال، فقہی مہارت اور جملہ علوم وفنون پر ملکہ کے اعتبار سے اپنے زمانے کے علما پر فائق تھے۔ عربی زبان وادب پر اس قدر عبور تھا کہ پوری جماعت کو آپ کی عربی دانی پر ناز تھا۔ دیگر علوم وفنون کی طرح نعت گوئی بھی والد گرامی سے ورثے میں پائی تھی۔ ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ اور شاکر رضا نوریؔ نے حجۃ الاسلام کے

کلام کو جمع کر کے تحائف بخشش کے نام سے شائع کیا۔

تحائف بخشش کے مطالعہ کے بعد یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حسن تخیل، طرز ادا، رعنائی فکر، الفاظ کی بندش، سحر طرازی اور حسن بیان میں مکمل طور پر آپ اپنے والد محترم کی شعری عظمتوں کے آئینہ دار ہیں۔ کہیں یاد حضور کی لذتیں، کہیں شہر طیبہ کے حسین شام کی لطافتیں، کہیں شہر نور کی صبح مسرت کا ذکر، کہیں عشق رسالت کی چاندنی، کہیں دیار رسول کے باد صبا کی سرمستی، کہیں باطنی گریہ کا درد والم، کہیں فراق طیبہ کا کرب، کہیں محبت رسول کے دل آویز نغموں کی گونج اور کہیں صحرائے مدینہ کے خار کی نازکی۔ الغرض پوری شاعری جمالیاتی عشق اور صوتی حسن سے آراستہ ہے۔

حضور حجۃ الاسلام نے بہت ہی پاکیزہ اور ستھری نکھری ہوئی زبان کا اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔ زبان کی سلاست اور بے ساختگی قابل دید ہے۔ ساتھ ہی مضمون آفرینی کے جلوے بھی حسن ادا کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ نے تشبیہات واستعارات کا استعمال بھی بڑے سلیقے سے کیا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

خدا کہتے نہیں بنتی جدا کہتے نہیں بنتی
خدا پر اس کو چھوڑا ہے وہی جانے کہ کیا تم ہو

عارض نور بار سے بکھری ہوئی ہٹی جو زلف
ایک اندھیری رات میں نکلے مہ تمام دو

ساری بہار کی دلہن ہے میرے پھول کا چمن
گلشن ناز کی پھبن طیبہ کے خار زار میں

ہے عبد کہاں معبود کہاں معراج کی شب ہے راز عیاں
دونوں حجاب نور میں تھے خود رب نے کہا سبحان اللہ

کہیں وہ جلتے بجھاتے ہوں گے کہیں وہ روتے ہنساتے ہوں گے
وہ پائے نازک پہ دوڑنا اور بعید ہر اک مقام ہوگا

چاند سے ان کے چہرے پہ گیسوئے مشک فام دو
دن ہے کھلا ہوا مگر وقت سحر ہے شام دو

تمہارے حسن رنگیں کی جھلک ہے سب حسینوں میں
بہاروں کی بہاروں میں بہار جاں فزا تم ہو

حضور حجۃ الاسلام کو شاعری کی ہر صنف پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ حضور حجۃ الاسلام نے شعر وشاعری کے ساتھ ہی نثری شہ پاروں کے ذریعہ بھی زبان وادب کے دامن کو خوب مالا مال کیا ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام عربی، فارسی اور اردو زبان وادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ نے تینوں زبانوں میں شاعری بھی کی ہے اور انشاء پردازی کے جلوے بھی دکھائے ہیں۔ علم وفن کے لحاظ سے اسلوب میں بھی فرق ہوتا ہے اور مصنف اسی اعتبار سے اسلوب اختیار کرتا ہے۔ فقہ وافتا میں وضاحت واستدلال لازمی ہے یہاں انشاء پردازی سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ البتہ یہ مصنف یا قلمکار کی قلم کاری اور شان ادبیت پر منحصر ہے کہ وہ مسئلے سے ہٹ کر درمیان میں کسی امر کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی شان ادبیت کی بھی جھلک دکھا ہی دیتا ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ آپ کا تحریری اسلوب صاف و سلیس اور ستہ وشگفتہ ہے ان میں جامعیت بھی ہے اور اطناب بھی۔ اور جہاں تفصیل فرمائی ہے دلائل وبراہین کے

موتی بکھیر کر تحقیق کا حق بھی ادا کر دیا ہے۔ رسالہ الصارم الربانی علی اسراف القادیانی میں جہاں حجۃ الاسلام اس بات کا ثبوت پیش فرماتے ہیں کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور باوصف نبوت ورسالت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی وناصر دین ہوکر رہیں گے۔ اسی بحث میں نثری حسن کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''اتنا یقینی ہے کہ وہ مبارک وقت قریب آ پہنچا ہے کہ وہ آفتاب ہدایت وکمال افق رحمت و جمال وقہر وجلال سے طلوع فرما کر اس زمین تیرہ وتار پر تجلی فرمائے اور ایک جھلک میں کفر و بدعت، نصرانیت، یہودیت، نیچریت، قادیانیت، رفض وخروج وغیرہا اقسام ضلالت سب کا سویرا کر دے۔ تمام جہان میں ایک دین اسلام اور دین اسلام میں ایک مذہب اہل سنت باقی سب تہ تیغ واللہ الحجۃ السامیہ! مگر تعین وقت کے آج سے کئے سال کئے ماہ باقی ہیں نہ ہمیں بتائی گئی نہ ہم جان سکتے ہیں جس طرح قیامت آنے پر ہمارا ایمان ہے اور اس کا وقت معلوم نہیں۔'' ۶

مندرجہ بالا اقتباس وضاحت، جامعیت اور نثری حسن کا عمدہ نمونہ ہے۔ حضور حجۃ الاسلام کے علمی وادبی خدمات آج بھی تابندہ ودرخشندہ ہیں۔ آپ نے شاعری بھی کی ہے اور انشاء پردازی کے جلوے بھی دکھائے ہیں۔ آپ نے اعلیٰ حضرت امام احمد محدث بریلوی کی تصانیف الدولۃ المکیۃ، الاجازت المیتنہ، کفل الفقیہ الفاھم وغیرہ نیز دوسرے علما کی تصانیف پر جو تمہیدات وتقریظات فرمائی ہیں اور ان کے جو ترجمے کیے ہیں اس سے آپ کی نثر نگاری کی خوبیوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خاں قادری

حضور مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا خاں قادری ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء میں بریلی شریف کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام ''محمد'' رکھا گیا اور عرفی نام ''مصطفی رضا'' تجویز کیا گیا۔ نوری تخلص تھا اور آپ ''مفتی اعظم ہند'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد جملہ علوم و فنون والد ماجد امام احمد رضا محدث بریلوی کی آغوش تربیت میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، صرف ونحو، تجوید، ادب، فلسفہ، منطق، ریاضی، علم جفر وتکسیر، علم توقیت وغیرہ جملہ علوم معقولات ومنقولات میں آپ یکتائے روزگار تھے۔

علم وفضل، زہد وتقویٰ، حق گوئی وبیباکی، فقاہت و علمیت اور معرفت وکرامت میں اس وقت پوری دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا اہلِ سنت کے لیے مفتی اعظم کی ذات مقدسہ سایۂ رحمت تھی۔ حضور مفتی اعظم ہند جہاں درس نظامی کے ماہر تھے۔ وہیں قراءت وتجوید، ادب وفلسفہ، منطق و ریاضی اور دیگر علوم وفنون میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ علم جفر وتکسیر، علم توقیت اور فن تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ مولانا مصطفی رضا خاں قادری ایک جامع کمالات شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی پوری زندگی ایک تحریک آفریں زندگی تھی۔ آپ ہر جگہ متحرک نظر آتے تھے۔ مختلف علوم و

فنون میں خوبیوں کے ساتھ آپ کو شعر و ادب میں بھی امتیازی مقام حاصل تھا۔

حضور مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا خاں جہاں ایک قادر الکلام شاعر تھے وہیں ایک اچھے انشا پرداز بھی تھے۔ ان کی نثری خدمات کئی درجن تصنیفات پر مشتمل ہیں۔ ان میں مذہبی مسائل اور فتاویٰ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ فنی موضوعات میں علمی زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ان کی کتب کا مطالعہ کرنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہر موضوع پر ادیبانہ اسلوب اختیار کرنے پر کتنی قدرت رکھتے تھے۔ ان کی تحریروں میں بلا کی سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ آپ کی نثری خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رقم طراز ہیں:

"دینی و مذہبی تصنیفات اور فتاویٰ میں لطف انشا اور حسن تحریر پیدا کرنا سخت مشکل کام ہے لیکن چونکہ حضرت مفتی اعظم کے مجموعہ فتاویٰ میں دین و شریعت ہی کے حوالے سے سیاسی، معاشرتی اور ادبی نوعیات کے بھی کچھ مسائل ہیں۔ نیز باطل عقائد و نظریات اور بد مذاہب کے رد و تعاقب پر بھی فتاویٰ شامل ہیں۔ لہٰذا حضرت علیہ الرحمہ نے مسائل اور موضوع کی مناسبت سے اسلوب اختیار کیا ہے اور انہیں کے حوالے سے نثری جمال و جلال کی جلوہ گری بھی موجود ہے۔" ۷

حضور مفتی اعظم ہند نے ہر جگہ فطری انداز بیان اختیار کیا ہے تا کہ ان کی زبان میں "از دل خیزد بر دل ریزد" کی شان باقی رہے لیکن اس احتیاط کے باوجود ان کا اشہب قلم مستی و روانی میں ادب و لطافت کی پھلجھڑیاں چھوڑتا ہوا گزر جاتا ہے۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد کے وصال ۱۳۸۲ھ پر ماہنامہ "نوری کرن" بریلی میں حضور مفتی اعظم ہند کا ایک مضمون شائع ہوا۔ جس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"وہ میرا چاند تھا جو بڑھتا ہی رہا، کبھی نہ گھٹا، جو اپنی گفتار، اپنی رفتار، اپنے کردار سے فتنوں، فسادوں، کفر و گمراہی کی ہر گھٹا کو دفع کرتا رہا۔ کبھی گھٹاؤں میں نہ چھپا کتنی ہی دھولیں اڑیں، کتنا ہی گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا، وہ چمکتا، جگمگاتا ہی رہا، وہ میرے دین کا چاند تھا، دین کا چاند بڑھتا ہی رہتا ہے، آسمان دنیا کے چاند کی طرح بار بار گھٹتا اور اترتا اور اتر کر غائب نہیں ہوتا۔ وہ میرا چاند تھا جس نے ملک میں بہت سے چاند روشن کیے۔" ۸

یہ اقتباس مرقع نگاری کا عمدہ نمونہ ہے جس میں محدث اعظم پاکستان کی تاباں شخصیت کو خوبصورتی کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک لفظ "چاند" سے تحریر کی کیسی حسین چاندی بکھیری ہے، اس تحریر میں جمالیاتی اظہار نمایاں ہے۔ "گفتار، رفتار، کردار" کے ہم قافیہ لفظوں نے صوتی حسن بھی پیدا کیا ہے۔ اس طرح مولانا کی تحریریں ادبی شہ پاروں سے مزین و آراستہ ہیں۔ جسے دیکھنے کے بعد یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ مولانا نے اردو نثر کے باب میں ایک اہم سرمایہ کا اضافہ کیا ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند اپنے دور کے باکمال اور قادر

الکلام شاعر تھے۔ اپنے پیرومرشد ابوالحسین احمد نوری مارہروی کی نسبت سے نوری تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا مجموعۂ کلام "سامان بخشش" کے نام سے موسوم ہے جو کہ ۲ حمد، ۵۳ نعت، ۴ منقبت، ۴ سلام اور ۶ رباعیات پر مشتمل ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند ایک فطری شاعر تھے۔ شاعری انہیں وراثت میں ملی تھی۔ وہ ایسے ماحول کے پروردہ تھے جو علم وادب کا گہوارہ تھا۔ ان کی شاعری اردو شاعری کی تمام تر خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ہے۔ ان کے کلام میں فصاحت وبلاغت، لطافت، دل کشی، سلاست وروانی، نازک خیالی ومعنی آفرینی، ندرت تراکیب واستعارات، محاورات کا برمحل استعمال، شوکت الفاظ سوز وگداز، حقیقت بیانی اور لطیف جذبات واحساسات کی فراوانی وجملہ فنی وشعری خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ سب سے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ ان کے کلام میں شرعی سقم نظر نہیں آتا جیسا کہ خود کہتے ہیں:

گل پائے ثنا سے مہکتے ہوئے یار
سقم شرعی سے ہیں منزہ اشعار

نعت گوئی میں فنی محاسن سے زیادہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر شعر شریعت کی حدود میں رہ کر کہا گیا ہو اور ساتھ ہی ساتھ اشعار شعری وادبی اوصاف ومحاسن کا مرقع ہو تو یہ شاعر کی قادر الکلامی کا واضح ثبوت ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے جب ہم ان کے مجموعہ کلام نیز ان کے اشعار کی تراکیب، زبان وبیان، صنائع وبدائع ردیف وقوافی اور بحروں کا انتخاب "سامان بخشش" کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ اپنے دور کے نعت گو شعرا میں ایک ممتاز مقام پر فائز نظر آتے ہیں، بجا طور پر ان کی قادر الکلامی اور ان کے ماہر زبان وفن ہونے کا بھرپور ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

یہ مہ وخور یہ ستارے چرخ کے فانوس ہیں شمع
روشن ان میں ہے جلوہ ترے رخسار کا

خزانے تم کو دے کے تم کو حق نے
نہ قاسم ہی کہ مالک کر دیا ہے

شب کو شبنم کے مانند رویا کیے
صورت گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

سجدہ کرتا جو مجھے اس کی اجازت ہوتی
کیا کروں اذن مجھے اس کا خدا نے نہ دیا

اس جبہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے
انعام میں ٹیکہ دیا ماہ عجم مہر عرب

شہرہ لب عیسیٰ کا جس بات میں ہے مولا
تم جان مسیحا ہو ٹھوکر سے ادا کرنا

حضور مفتی اعظم ہند کی شاعری میں علم وفن کی جلوہ گری کے ساتھ عشق وعرفان کی جو سرمستی ہے وہ اردو شاعری میں خال خال ہی کہیں نظر آتی ہے۔ ان کی شعری زبان نہایت پاکیزہ شستہ اور کوثر وسلسبیل میں دھلی ہوئی ہے۔ اس میں سادگی بھی ہے اور رنگینی بھی، انہوں نے اپنی شاعری میں اثر انگیزی اور اثر آفرینی پیدا کرنے کے لیے تمام فنی حربوں کو

کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے، بلاشبہ ان کی شاعری نے اردو زبان وادب میں ایک عظیم سرمایہ کا اضافہ کیا ہے۔

حضور مفسر اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں قادری جیلانی میاں

حضور مفسر اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں قادری ایک بہت ہی عظیم اور پاکیزہ شخصیت کا نام ہے، جو حقیقتاً زبان اعلیٰ حضرت تھے۔ وہ اعلیٰ حضرت کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے وارث وامین تھے۔ حضور مفسر اعظم ہند کی ولادت ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۳۲ء کو بریلی شریف میں ہوئی۔ حضرت مفسر اعظم ہند محسن اہل سنت، علم وعمل کے پیکر، عوام وخواص کے مرجع، مظہر اعلیٰ حضرت اور جانشین حجۃ الاسلام تھے۔ والد ماجد کی رحلت کے بعد تاحیات مدرسہ منظر اسلام کے مہتمم رہے اور اس خوش اسلوبی کے ساتھ آپ نے مدرسہ کے انتظام وانصرام کو انجام دیا کہ علمائے کرام یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ایسا نرالا مہتمم میری نگاہوں نے نہیں دیکھا۔ طلبہ پر بہت شفیق تھے، حسن صورت کے ساتھ حسن عمل سے بھی سرفراز تھے۔ آپ علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر اور فضل وکمال کے آئینہ دار تھے۔ علم ومعرفت، زہد وتقویٰ، قناعت وتواضع کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ ساتھ ہی ساتھ شاعری بھی آپ کو ورثے میں ملی تھی۔ آپ کی شاعری کا محرک عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ سرمایہ ہے، وہ جذب وکیف ہے جو آپ کو اپنے اجداد سے حاصل ہوا۔ حضور مفسر اعظم شاعری میں کوثر تخلص فرماتے تھے۔ آپ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی عبدالواحد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں (عارف باللہ) کے زمانہ سے لے کر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے پرپوتے حضرت علامہ الحاج شاہ اختر رضا خاں صاحب (تاج الاسلام) تک ہر ممتاز فرد محقق وفقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ شعر کے صنف نعت گوئی میں استاذ الشعراء نظر آئے گا۔

اس وراثت آبائی میں بھی حضور مفسر اعظم علیہ الرحمۃ کو وافر حصہ ملا تھا۔ آپ نے شعر گوئی میں کسی کو اپنا استاذ نہیں بنایا۔ اور نہ کبھی کسی سے اصلاح لی، لیکن شرعی مشاعروں میں شرکت فرماتے اور راستے میں جتنے شعر کہہ لیتے وہ سنا دیا کرتے تھے۔ بریلی شریف میں سب سے اہم ترین مشاعرہ کی محفل عرس اعلیٰ حضرت میں ہوتی تھی جس میں زبان وبیان کی چاشنی و لطافت کے ساتھ ساتھ شرعی الفاظ ومعنی کی پابندی لازم تھی اور بحمدہ تعالیٰ وہ محفل مشاعرہ اپنی قدیم نہج پر آج تک منعقد ہوتی آرہی ہے۔ حضور حجۃ الاسلام تو اس محفل مشاعرہ کے صدر الصدور ہی ہوتے تھے اور اساتذۂ فن کی موجودگی میں سب سے اہم اور مرصع نعتیں سنایا کرتے تھے۔ حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ کے بعد حضور مفسر اعظم اپنے والد ماجد کی ذمہ داری نبھانے لگے۔ اور حسب روایت آپ بھی اپنے کلام بلاغت نظام سے سامعین کو محظوظ فرماتے۔

لیکن نہ تو آپ نے کبھی اپنے کلام کو کسی بیاض میں نقل فرمایا اور نہ ہی کسی شاگرد یا مرید کو نقل کرنے کا حکم دیا۔ البتہ نجی نشستوں میں کبھی کبھی آپ اپنا کلام یا اعلیٰ حضرت کا دو چار شعر سنا دیتے تھے۔" 9

حضور مفسر اعظم کے اکثر کلام محفوظ نہ رہ سکے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی صاحب علم ان کلام کی بازیافت کر کے ایک مجموعہ کی شکل دے۔ مشہور محقق ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے کافی عرصہ پہلے آپ کے کچھ اشعار جمع کیے تھے۔ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں سادگی، روانی اور جذبات کی ترجمانی ملاحظہ کیجیے:

سوا تیرے یا رب مرا کون ہے
گنہ گار مجھ سا ترا کون ہے
تو مالک ہے معبودِ کون و مکاں
اطاعت میں تیری ہیں دونوں جہاں
سوا تیرے میں عرض کس سے کروں
میں بندہ ہوں تیرا گنہ گار ہوں
مرا مدعا تجھ کو معلوم ہے
کوئی شئے نہیں غیر مفہوم ہے
تو خالق ہے اے میرے پروردگار
نہ کرنا مجھے تو ذلیل و خوار!
گناہوں کے دریا میں ہوں غوطہ زن
لگا دے کنارے مجھے ذوالمنن
مجھے دربدریوں نہ یارب پھرا
بحق رسول اور آل عبا!
کہوں صاف اس دم بفرط خوشی
کہ ہوں بندۂ حق غلام نبی
جب آویں مرے پاس منکر نکیر
ترا رحم ہووے مرے دستگیر
فزوں ہے سر تیغ سے بھی جو راہ
بآسانی اس پر سے گزروں الٰہ
لقب جن کو بخشا ہے تو نے خدا
شفیع الوریٰ احمد مجتبیٰ ﷺ
شفاعت سے ان کی ہمیں شاد کر
بہشت بریں میں پھر آباد کر

حضور مفسر اعظم فن شاعری سے خوب واقف تھے۔ ان کی شاعری صنف شاعری کی تمام خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہے ان کا کلام سہل و سادہ، سلیس، رواں، بامعنی اور فصاحت و بلاغت سے آراستہ ہے۔ ان کی شاعری اردو شاعری کی تمام خوبیوں سے مزین ہے۔ درحقیقت وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ ہمیشہ مختلف موضوعات وعنوانات پر کچھ نہ کچھ لکھتے بھی رہتے تھے۔ آپ کے اکثر مضامین کا تعلق عظمت انبیا، عظمت اولیا، اصلاح عقائد، اصلاح اعمال، رد وہابیت اور امن وامان سے ہوتا تھا۔ آپ کے زیادہ تر مضامین ماہ نامہ اعلیٰ حضرت میں پابندی کے ساتھ شائع ہوتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے درجنوں کتابیں بھی تحریر کیں۔ حضور مفسر اعظم کی تحریروں میں خاندانی روایات کے مطابق ادبی پہلو بھی ہمیں خوب نظر آتا ہے۔

حضور ریحان ملت مولانا ریحان رضا خاں قادری

ریحان ملت حضرت مولانا ریحان رضا خاں قادری

ایک ایسی عظیم شخصیت تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی ہر مقام ہر محاذ پر جماعت اہل سنت کی بے لوث خدمت انجام دی ہے۔ ریحان ملت کی ولادت ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۳۴ء میں بریلی شریف میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد والد ماجد حضور مفسر اعظم کے حکم پر لائل پور محدث اعظم پاکستان کی خدمت میں مسلسل تین سال رہ کر مختلف علوم و فنون پر کتابوں کا درس حاصل کیا۔ حضور مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری سے بیعت وارادت اور اجازت وخلافت کا شرف حاصل ہوا اور حضور حجۃ الاسلام نے بھی آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا۔

حضرت ریحان ملت ایک بہترین خطیب تھے، آپ کی خطابت کافی مشہور تھی۔ افہام و تفہیم کا منفرد انداز تھا۔ سامعین کی نفسیات کو پرکھ کر اپنی بات ان کے دل ودماغ میں اتار دینے کا فن آتا تھا۔ آپ نے درس وتدریس کا فریضہ بھی انجام دیا۔ سیاست میں بھی حصہ لیا، مختلف ممالک کے تبلیغی دورے کیے اور اپنے خاندانی روایت کے مطابق مسلک ومذہب کی تبلیغ واشاعت میں نمایاں خدمات انجام دی۔

ریحان ملت مولانا ریحان رضا خاں قادری ایک بلند پایہ، بلند خیال قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ بڑے بڑے شعرا آپ سے فنی استفادہ کرتے۔ آپ کے دم قدم کی برکتوں سے کتنی ادبی محفلیں آباد تھیں۔ آپ کی شاعری میں خاندانی روایات کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ حضور ریحان ملت نے شاعری کے مختلف اصناف وسخن مثلاً حمد ومناجات، نعت ومنقبت، غزل وغیرہ پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی شاعری میں سلاست، روانی اور جدت طرازی کے ساتھ ہی ساتھ صنائع وبدائع، کا استعمال بھی سلیقے سے نظر آتا ہے۔

حضور ریحان ملت نے عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر نعتیہ اشعار کہے جس سے ان کے اشعار عشق سے لبریز نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

زمیں کیا آسمانوں پر مرے آقا کی سطوت ہے
عطائے رب اکرم سے ہر اک شئے پر حکومت ہے

کبھی میزان پر ہیں اور کبھی ہیں حوض کوثر پر
غم امت میں کتنی مضطرب ان کی شفاعت ہے

نہ کوئی خَلق میں ثانی نہ کوئی خُلق میں ثانی
تری ہر ہر ادا پیارے دلیل بے مثالی ہے

یہ ان کی محبت کا اثر دیکھ رہے ہیں
بس ان کے نظارے ہیں جدھر دیکھ رہے ہیں

مدینے کے خاروں پہ قربان گلشن
انہیں اپنے دل میں اتارے چلا جا

وہ پتھر جس میں اترا نقش تیرے پائے اطہر کا
ہمیں بھی کاش مل جاتا مقدر ایسے پتھر کا

قلب میں جن کے وہ آباد ہیں ایمان کی طرح
خلد میں عشق نبی سے وہ مہکتا ہوگا

ان سنہری جالیوں کا سیہ نظارہ چھوڑ کر
سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر

بلاشبہ حضرت ریحان ملت ایک فطری شاعر تھے۔ قومی وملی خدمات اور تنظیمی مصروفیت کی وجہ سے آپ نے بہت زیادہ کلام نہیں کہے۔ مگر یہ بھی ایک روشن و تابندہ حقیقت ہے کہ جتنا کہا ہے خوب کہا ہے اور بہت خوب کہا ہے۔

تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری

وارث علوم اعلیٰ حضرت جانشین حضور مفتی اعظم، حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری قدس سرہ العزیز کی مقناطیسی شخصیت عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ ہر جہت سے اپنے آبا و اجداد کے حقیقی وارث و امین تھے۔ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنے اسلاف کے عکس جمیل تھے۔ حضور تاج الشریعہ کی شخصیت کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آپ بیک وقت مفکر و مدبر اور محدث و فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم عاشق رسول اور عمدہ نعت گو شاعر بھی ہیں۔ حضور تاج الشریعہ کی ولادت ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء محلہ سوداگران بریلی میں ہوئی۔

حضور تاج الشریعہ کو شعر و شاعری سے پوری ذہنی مناسبت تھی۔ وہ ایک قادر الکلام فطری شاعر تھے۔ شاعری انہیں وراثت میں ملی تھی۔ ان کا مجموعہ کلام ''سفینۂ بخشش'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے۔ حضور تاج الشریعہ کی حیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی کے خزانے میں وہ تمام جواہر پوری آن بان اور تب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔ جو ایک مکمل نعت کہنے کے لیے ضروری ہیں۔ علوم دینی و دنیوی کی گہرائی، فکری و ذہنی صلاحیت، فقیہانہ بصیرت، عالمانہ تبحر اور عشق رسول مقبول ﷺ سبھی کچھ ان کے دامن میں موجود ہے۔ اصناف شعر میں نعت سے زیادہ مقدس، نازک اور دشوار گزار کوئی دوسری صنف نہیں ہے۔ اسی لیے فارسی شاعر عرفی کہتے ہیں، ''نعت لکھنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے'' اس کی وجہ یہ ہے کہ نعت میں ذرا بھی چوک ایمان کو خارج کر دیتی ہے۔ حضور تاج الشریعہ کے دیوان ''سفینۂ بخشش'' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس مشکل اور نازک مرحلے سے گزرتے آتے ہیں اور ذرا بھی کہیں لغزش نہیں ہوتی۔

حضور تاج الشریعہ کی نعتیہ شاعری عشق و وارفتگی کا ایک حسین گلدستہ ہے۔ جو ہماری سیرت و بصیرت میں خوبصورت اضافے کرتی ہے۔ اس میں خلوص کی خوشبو بھی ہے اور عقیدت کی روشنی بھی۔ ایمان کی لذت و حلاوت بھی ہے اور بیان کی نفاست اور پاکیزگی بھی۔ یعنی ایک حیات آفریں اور روح پرور فضا نے ان کی نعتوں کو دلکشی و رعنائی کا مرقع بنا دیا ہے۔ انہوں نے نعتیہ شاعری برائے شاعری نہیں کی ہے بلکہ جذبۂ بے اختیار شوق کے تحت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام عشق و عقیدت سے لبریز ہے۔ دل کشی و رعنائی سے لبریز ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

عطا ہو بیخودی مجھ کو خودی میری ہوا کر دیں
مجھے یوں اپنی الفت میں مرے مولیٰ فنا کر دیں

وجہ نشاط زندگی راحت جاں تم ہی تو ہو
روح رواں زندگی جان جہاں تم ہی تو ہو

اصل شجر میں ہو تم ہی نخل و ثمر میں ہو تم ہی
ان میں عیاں تم ہی تو ہو ان میں نہاں تم ہی تو ہو

رواں ہو سلسبیل عشق سرور میرے سینے میں
نہ ہو پھر نار کا کچھ غم نہ ڈر خورشید محشر کا

کچھ کریں اپنے یار کی باتیں
کچھ دل داغدار کی باتیں

تری جاں بخشی کے صدقے اے مسیحائے زماں
سنگریزوں نے پڑھا کلمہ ترا جان جمال

مصطفائے ذات یکتا آپ ہیں
یک نے جس کو یک بنایا آپ ہیں

لب کوثر ہے میلہ تشنہ کامان محبت کا
وہ ابلا دست ساقی سے وہ ابلا چشمہ شربت کا

اس طرف بھی اک نظر مہر درخشانِ جمال
ہم بھی رکھتے ہیں بہت مدت سے ارمان جمال

فرشتے جس کے زائر ہیں مدینے میں وہ تربت ہے
یہ وہ تربت ہے جس کو عرش اعظم پر فضیلت ہے

داغ فرقت طیبہ قلب مضمحل جاتا
کاش گنبد خضرا دیکھنے کو مل جاتا

ترے دامن کرم میں جسے نیند آ گئی ہے
جو فنا نہ ہوگی ایسی اسے زندگی ملی ہے

حضور تاج الشریعہ کے یہاں نازک خیالی، تخیل کی بلند پروازی، نکتہ آفرینی، ندرت خیال کی کارفرمائی جا بجا دیکھنے کو ملتی ہے۔ ان کا خلوص ان کا جذبۂ صادق، ان کا والہانہ عشق، ان کی عقیدت، ان کا تبحر علم، ان کی روحانی بلندی اور ان کی زبان دانی نے ان کے کلام کو پر کشش بنا دیا ہے۔ انہوں نے رواں بحروں اور آسان ردیفوں میں زبان و بیان کے جو جوہر دکھائے ہیں یقیناً وہ قابل ستائش ہیں۔ حضور تاج الشریعہ کے کلام میں جہاں عشق و عقیدت کی وارفتگی ہے وہیں پیکر تراشی، استعارہ سازی، تشبیہات، اقتباسات، فصاحت و بلاغت، حسن تعلیل، لف و نشر مرتب، لف و نشر غیر مرتب، تجنیس تام، تجنیس ناقص، تلمیحات، اشتقاق وغیرہ اصناف سخن کی جلوہ گری ہے۔ آپ نے نعت کے ضروری لوازم کے استعمال سے مدحت سرکار ﷺ کی انتہائی کامیاب ترین کوشش کی ہے۔ آپ کی بعض نعتوں کو اردو ادب کا اعلیٰ شہکار قرار دیا جا سکتا ہے۔

حضور تاج الشریعہ متعدد علوم و فنون پر نہ صرف عبور رکھتے تھے بلکہ انہوں نے ان علوم و فنون پر درجنوں کتابیں تحریر فرمائیں۔ ان کی تحریروں میں علمیت نے ایک خاص متانت و تمکنت پیدا کر دی ہے۔ حضور تاج الشریعہ کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا، ان کا علم و دانش ہمیں ان کی تحریروں میں بھی نظر آتا ہے۔ ان کتب کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاندانی روایت کے مطابق ہر موضوع پر ادیبانہ اسلوب نگارش اختیار کرنے پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ ان کی تحریروں میں جگہ جگہ ادبی شہ پارے نظر آتے ہیں اور بلا کی سلاست و روانی پائی جاتی ہے۔ حضور

تاج الشریعہ نے دینی مسائل اور علم وادب کے مختلف شعبوں میں تنقید، طنز وتعریض، گرفت وتعاقب وغیرہ کے امور انجام دیے ہیں لہٰذا ان کی تحریروں میں بیان کے زور اور جوش بہت نمایاں ہیں۔ ان کے یہاں مناظرانہ اور خطیبانہ انداز بھی ہے۔ طنز ونشتریت کی نمکپاشی بھی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"آپ نے دوسروں کو تو دل کھول کر گمراہ کیا، قرآن کی غلط تفسیر ومہمل تاویل کرنے اپنی طرف سے عقیدے اور احکام نکالنے کا الزام دیا قطع نظر اس کے کہ یہ الزام ہرگز صحیح نہیں یہاں آپ سے آپ ہی کے امام کی عبارتیں پیش کر کے پوچھنا یہ ہے کہ کیا آپ اور آپ کے امام الطائفہ پر یہ الزام عائد نہیں ہوتے۔" ۱۰؎

یہ شستہ تحریر جس نے مخالفین پر بڑے ہی حسن وخوبی کے ساتھ تنقید کی ہے مگر کہیں بھی ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔ ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"اپنی پردہ پوشی کا کیا خوب انداز ہے عبارت ایسی اختیار کی جو ناظر کو خواہ مخواہ یہ وہم دلائے کہ یہ بیچارے علمائے دیوبند اس الزام سے بری ہیں۔ جی ہاں بے شک توہین رسول تمہارا اور تمہارے اکابر کا شیوہ ہے۔ منجملہ تنقیص شان رسالت کے یہ بھی ہے کہ تمہارے امام الطائفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف صاف بھائی کہا ہے اور جگہ جگہ محبوبان خدا کو تمام انسانوں کے ساتھ عجز ونادانی میں شریک بتا کر اپنا جیسا بشر قرار دیا ہے۔" ۱۱؎

یہ تحریر اس بات کی گواہ ہے کہ آپ کے یہاں سلاست وروانی، شگفتگی اور ستگی کے ساتھ ساتھ شرکت الفاظ، ندرت بیان اور عرض وبیان کی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ حضور تاج الشریعہ کو عربی وفارسی پر بھی کامل عبور حاصل تھا۔ وہ ان زبانوں کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ ان کی تمام تحریر اس بات کی گواہ ہے مگر حضور تاج الشریعہ کا خاص وصف یہ تھا کہ ان زبانوں کے استعمال کے باوجود کہیں پر بھی عبارت ثقیل وبوجھل نہیں معلوم دیتی بلکہ سلاست وروانی کے ساتھ اپنی بات کہہ جاتے ہیں۔

حضور تاج الشریعہ کو نہ صرف تصنیف وتالیف بلکہ ترجمہ نگاری میں بھی ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے امام احمد رضا محدث بریلوی کی متعدد اردو تصانیف کا عربی زبان میں اور عربی تصانیف کا اردو زبان میں ایسا فصیح وبلیغ ترجمہ فرمایا ہے کہ صاحب زبان وبیان بھی ان کی ترجمہ نگاری اور قادر الکلامی کے معترف نظر آتے ہیں۔ آپ کی تحریر چاہے جس بھی موضوع سے تعلق رکھتی ہو بیان کی شائستگی اور لہجے کی شگفتگی سے آراستہ ہوتی ہے۔ آپ کی تحریروں میں نفاست، بلاغت، علمیت، حلاوت، متانت اور سلاست کا حسین امتزاج ہے۔ آپ کی تحریروں سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ فن نثر نگاری کے ایک باکمال ادیب تھے جنہوں نے اردو نثر پر عظیم احسان کیا۔ جس کو اہل ادب کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

خانوادۂ رضا اپنی علمی وجاہت، ملی خدمات اور روحانی عظمت کے سبب پوری دنیا میں اپنی ایک منفرد شناخت کا

حامل ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے پہلے اوران کے بعد تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ خانوادۂ رضا ہر دور میں علم وفضل اور رشد و ہدایت کا گہوارہ رہا ہے۔ خانوادۂ رضا نے کئی علمی دبستان کی بنیادرکھی ہے، یہاں کا دارالافتاء پوری دنیا میں اپنی انفرادی شان کے ساتھ قائم ودائم ہے۔ اہل سنت وجماعت کی ترویج واشاعت، احقاق حق وابطال باطل، فتویٰ نویسی، تصنیف کتب، تدریس وخطابت کے ساتھ ہی ساتھ شعروادب کے میدان میں بھی اس خانوادے نے جو تاریخی کام انجام دیے ہیں اسے اہل ادب کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

حوالہ جات

۱۔ اردوادب کی تنقیدی تاریخ سید احتشام حسین قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی ۲۰۰۴ء ص ۱۹

۲۔ سیف المصطفیٰ امام احمد رضا بریلوی رضا اکیڈمی ممبئی ص ۱۵

۳۔ کشف حقائق واسرار دقائق امام احمد رضا بریلوی رضا اکیڈمی ممبئی ص ۴

۴۔ آئینہ رضویات عبدالستار طاہر کراچی ج سوم ص ۱۳۲

۵۔ رسائل حسن نگارستان لطافت مولانا حسن رضا بریلوی رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۱۲ء ص ۱۰۵

۶۔ حجۃ الاسلام نمبر، رضا بک ریویو، القلم فاؤنڈیشن پٹنہ ۲۰۱۷ء ص ۶۲۹

۷۔ بیسویں صدی میں امام احمد رضا اور دیگر علمائے اہل سنت کی علمی وادبی خدمات شفیق اجمل قادری القلم فاؤنڈیشن پٹنہ ۲۰۱۵ء ص ۳۷۱

۸۔ ایضاً ص ۳۷۱

۹۔ حیات مفسر اعظم مفتی عبدالواجد قادری القرآن اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ ۲۰۰۳ء ص ۲۴۰، ۲۴۱

۱۰۔ دفاع کنز الایمان، تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خاں قادری ازہری، ادارہ سنی دنیا بریلی شریف، ۱۹۸۹ء ص ۵

۱۱۔ ایضاً ص ۴۹

❁❁❁

مرکز اہل سنت کی تدریسی خدمات

مولانا محمد عیسی رضوی: قنوج
الجامعہ الرضویہ مظہر العلوم، گرسہائے گنج، قنوج، یوپی

شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کا خاندان شرف وکمال اور علم وفضل میں ممتاز ونمایاں تھا۔ اس خاندان میں عالم دین بھی پیدا ہوئے اور ولی کامل بھی، وہ ایک خوشحال اور سرمایہ دار خاندان تھا۔ اس میں جاگیرداری بھی تھی اور دینی ودنیاوی قائد ورہنما بھی، گویا کہ خاندان اعلیٰ حضرت میں ایسے باکمال وباشعور افراد پیدا ہوئے جنہوں نے جاگیردارانہ نظام کو سنبھالا اور مسلمانوں کی علمی وروحانی قیادت ورہنمائی بھی فرمائی۔ ہندوستان میں جاگیردارانہ نظام کے خاتمہ سے قبل ہی خاندان اعلیٰ حضرت میں ایسے عالم وفاضل پیدا ہو چکے تھے جنہوں نے تعلیم وتعلم، درس وتدریس اور روحانی تربیت واصلاح کا خوشگوار فریضہ انجام دیا۔ خاص طور پر علمی حیثیت سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے والد گرامی حضرت مولانا مفتی نقی علی خاں صاحب اور ان کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب علیہما الرحمۃ بساط ارض میں مشہور ومعروف اور مرکز خلائق ومرجع علماء ہوئے۔

مولانا رضا علی بریلوی:

قدوۃ الواصلین زبدۃ الکاملین حضرت الشاہ مولانا رضا علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۲۲۴ھ میں ہوئی۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد آپ نے مولوی خلیل الرحمن سے شہر ٹونک میں درسیات کی کتابیں پڑھیں۔ ۲۲ سال کی عمر میں ۱۲۴۵ھ کو سند فراغت حاصل کی۔ علم ومعلومات میں اپنے ہم عصروں پر سبقت وفوقیت لے گئے اور ایک عالی مرتبت وبلند پایہ عالم دین کی حیثیت سے اطراف واکناف میں مشہور زمانہ ہوئے۔ خصوصاً فقہ وفتاویٰ، درس وتدریس اور تصوف وطریقت میں کامل مہارت ودسترس حاصل فرمائی۔ خطابت وتقریر میں بھی عبور حاصل کیا۔ تقریر اس قدر موثر ہوتی کہ سننے والے جھوم جھوم اٹھتے۔ آپ اوصاف حمیدہ اور متعدد محاسن وکمالات سے مزین وآراستہ تھے۔ آپ ہر بڑے چھوٹے کو سلام کرتے اور سلام کرنے میں سبقت وپہل کرتے تھے۔ آپ کے اندر زہد وپرہیزگاری، طہارت وتقویٰ، صبر وقناعت، امانت ودیانت، صداقت وراست بازی، عفت وپارسائی، حلم وبردباری، حسن اخلاق وحسن سلوک، مروت وحمیت، ایثار وقربانی، دینی جوش وجذبہ، ہمت وحوصلہ، تواضع وانکساری، متانت وسنجیدگی، عفو ودرگذر، عدل وانصاف اور ایفائے عہد وغیرہ اوصاف ومحاسن بدرجہ اتم موجود تھے۔ آپ کا شمار رہیل کھنڈ

کے معتمد بزرگوں اور مستند علماء کرام میں ہوا کرتا تھا۔ آپ ایک بلند پایہ عالم دین اور عظیم مصنف تھے۔ ۲/ جمادی الاولی ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔

تاریخی حقائق وشواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب علیہ الرحمہ جہاں ایک باصلاحیت عالم دین تھے وہیں آپ ایک صاحب کرامت بزرگ اور ولی بھی تھے۔ کتب درسیات پر آپ کی نظر عمیق وگہری تھی۔ درس وتدریس کے ساتھ آپ تعلیم وتعلم کے فروغ واستحکام پر زور کلام اور زور بازو صرف کرتے تھے۔ درس وتدریس کیلئے آپ کہیں ملازم یا تنخواہ دار نہیں تھے بلکہ اپنے در دولت پر ہی رہ کر تشنگان علوم نبویہ کو سیراب وشاد کام کرتے اور ان کی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ آپ کا عہد انگریزوں کے تسلط واقتدار کا دور تھا بلکہ جنگ آزادی اور غدر کا زمانہ تھا۔ اس کے باوجود آپ کے دینی وعلمی مشاغل ومعمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ بکثرت مسلمانوں ن اپنا شہر اپنا وطن چھوڑ دیا مگر آپ کوہ استقامت بن کر اپنے گھر پر مقیم رہے اور مسجد میں جا کر پنجگانہ نماز ادا کرتے رہے۔

حضرت مولانا رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ ایک روز مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ادھر سے بعض انگریزوں کا گزر ہوا۔ مسجد کو دیکھ کر انہیں خیال ہوا کہ چلو مسجد کے اندر دیکھیں۔ اگر کوئی ملے گا اسے گرفتار کر کے زدوکوب کریں گے۔ اسی خیال فاسد سے جب انگریزوں نے مسجد میں دیکھا تو انہیں کوئی بھی نظر نہ آیا حالانکہ آپ مسجد ہی میں رونق افروز تھے اور سکون واطمینان کے ساتھ نماز ومناجات میں مشغول ومصروف تھے۔ گویا کہ وہ اندھے ہو گئے ان کی نگاہیں چھین لی گئیں وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔ آپ کی یہ کرامت بہت ہی مشہور ہے۔

''خطب علی'' نامی کتاب جو ہندوستان کے اکثر شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں پھیلی ہوئی ہے جس کے خطبے جمعہ اور عیدین میں پڑھے جاتے ہیں اس کے مصنف علامہ محمد حسن صاحب علمی، حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب کے شاگرد ومرید تھے اور یہ کتاب ان کی نظر سے گزری ہوئی ہے۔ آپ نے اس پر نظر ثانی کی اور اس کی اصلاح فرمائی ہے۔ اس کتاب کے اخیر میں مصنف نے حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب کا نام بڑے آداب والقاب کے ساتھ لکھا ہے جو آج تک اسی انداز میں چھپتا ہے جیسا مصنف نے لکھا تھا۔

حضرت مولانا رضا علی بریلوی نے درس وتدریس اور دیگر فنون علمیہ کی تعلیم وتعلم کے ساتھ مسند افتاء کو بھی زینت بخشی۔ مولانا رضا علی نے تیرہویں صدی ہجری یعنی ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء میں سرزمین بریلی شریف میں افتاء کا آغاز فرمایا اور ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء تک مسلسل فتویٰ نویسی کا خوشگوار فریضہ انجام دیا۔ حضرت مولانا رضا علی علیہ الرحمہ کے علمی کارناموں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ ان کے ہم عصروں میں ان کا ہمسر وہم پایہ کوئی نہ تھا۔

مولانا نقی علی بریلوی:

رئیس الاتقیاء حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادت ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء میں بریلی کے محلہ ذخیرہ میں ہوئی۔ ایام طفولیت کے بعد مولانا نقی علی صاحب نے اپنے والد گرامی حضرت مولانا رضا علی بریلوی علیہ الرحمہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور جملہ علوم وفنون کا درس انہوں نے اپنے والد ماجد سے لیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد منصف افتاء کو سنبھالا۔ بریلی میں دار الافتاء کی بنیاد مولانا رضا علی بریلوی نے ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء میں ڈالی تھی۔ مولانا نقی علیہ

الرحمہ نے اپنے والد ماجد کے مثل مسند افتاء کی ذمہ داری نبھائی اور اخیر عمر تک فتویٰ نویسی کا گرانقدر فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا۔ بلکہ اپنے معاصر علماء وفقہاء پر تعلیم وتعلم، درس وتدریس، فتویٰ نویسی، زہد وپرہیزگاری، صبر وقناعت وغیرہ اوصاف میں سبقت وفوقیت لے گئے۔

مولانا نقی علی بریلوی علیہ الرحمہ کو درس وتدریس کا بے پناہ شوق وجذبہ تھا اس کیلئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ دیگر مشاغل علمیہ کے ساتھ تدریسی امور کی طرف ان کی توجہ زیادہ تھی بلکہ انہماک کی حد تک وہ اس میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے درس اور ان کی علمی مجالس میں طلبہ کے ساتھ علم وفن کے ماہرین بھی موجود ہوتے اور ان سے اپنی علمی پیاس بجھا کر سیرابی حاصل کرتے تھے۔ تشنگان علوم کیلئے انہوں نے اپنے گھر کا دروازہ کھلا رکھا تھا ان کے گھر پر طالبان علوم کا ہجوم واز دہام رہتا۔ وہ ہر ایک کو سیراب وشادکام کرتے تھے۔ کوئی شخص محروم ونامراد نہ لوٹا۔ وہ ہر ایک کو نوازتے۔ ان سے اصحاب تصوف اور صاحبان فکر ونظر نے بھی استفادہ کیا۔ بہت سارے علوم وفنون پر مہارت ودسترس کے ساتھ ان کو تصوف پر بھی عبور حاصل تھا، فن تصوف پر ان کی نظر عمیق وگہری تھی۔ وہ لوگوں کو تعلیم وتعلم کا شوق ورغبت دلاتے، اپنا زیادہ وقت دینیات اور رسمیات کے پڑھانے میں صرف فرماتے۔

مولانا نقی علی بریلوی علم وفن کے بحر بیکراں اور نادر روزگار تھے۔ ان کے علمی وثر ورسوخ کی بنا پر اہل علم ان کی طرف راغب ومتوجہ ہوئے اور وہ مرجع علماء ومرکز انام ہو گئے۔ انہوں نے صرف درسیاست کی تعلیم وتعلم پر اکتفا نہ کیا بلکہ انہوں نے تصنیف وتالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی جس کے نتیجے میں ان کے قلم سے مختلف علوم وفنون پر تقریباً چالیس کتابیں وجود میں آئیں چونکہ انہیں چالیس سے زائد علوم وفنون پر عبور ومہارت حاصل تھی اس لیے انہوں نے جو لکھا حقائق اور معلومات کے اجالے میں لکھا۔ ان کے قلم میں شائستگی، فکر میں درستگی، رائے میں پختگی تھی۔ اسی لیے ان کے اقوال وآراء کو وقت کے جید وجلیل القدر علماء پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

مولانا نقی علی بریلوی علیہ الرحمہ کے شاگرد وتلامذہ کی تعداد کثیر ہے کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تعلیم وتعلم، درس وتدریس اور خلق خدا کے ارشاد وہدایات میں صرف فرمایا۔ ان کے تلامذہ کی کوئی جامع فہرست اگرچہ نظر سے نہیں گزری مگر اندازہ احساس یہ ہے کہ جنہوں نے بھی ان سے باضابطہ درس لیا اور تعلیم حاصل کی وہ زمانے کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔ اہم علم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ وہ علوم وفنون میں بے نظیر یکتا اور درسیات کے ماہر وکامل تھے۔ ان کے چند مشہور زمانہ تلامذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ، (۲) حضرت مولانا حسن رضا بریلوی، برادر اوسط اعلیٰ حضرت، (۳) مولانا محمد رضا خاں بریلوی، برادر خرد اعلیٰ حضرت، (۴) مولانا برکات احمد بریلوی، (۵) مولانا ہدایت رسول نوری لکھنوی ثم رامپوری، (۶) مفتی حافظ بخشش آنولوی، (۷) مولانا حشمت اللہ رضوی، مجسٹریٹ آگرہ۔

طلبہ کے ذوق وشوق اور علم دین کی تشہیر واشاعت کی خاطر مولانا نقی علی بریلوی نے ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء میں ''مصباح التہذیب'' کے نام سے بریلی میں ایک مدرسہ قائم فرمایا۔ شہر کے مسلمانوں نے اس کے قیام وانتظام میں دل

کھول کر حصہ لیا اور اس کے فروغ و ترقی کیلئے کوشاں ہوئے۔

مولانا شہاب الدین صاحب بہرائچی کی تصنیف ''مولانا نقی علی بریلوی'' کے حوالے سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں اس سے مدرسہ مصباح التہذیب کی تاریخ و روداد معلوم ہو جائے گی اور اندازہ ہو جائے گا کہ مولانا نقی علی بریلوی نے مسند بریلی میں بیٹھ کر درسیات کی تعلیم و تدریس کے فروغ و استحکام میں کیسی مستحسن کاوش فرمائی۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

بریلی میں اس وقت کئی مدارس اشاعت علوم میں اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے مگر ان مدارس کی حیثیت صرف مکتب کی تھی، ان مکاتیب سے مسلمانوں کی ضرورت پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی، مسلمانوں کی کوئی مرکزی درسگاہ نہ تھی، درس نظامیہ کے درس کی کوئی معقول جگہ نہ تھی اس لیے مولانا نقی علی بریلوی قدس سرہ نے ایک مدرسہ ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء میں بنام مصباح التہذیب قائم کیا۔ باشندگان پرانا شہر بریلی نے مدرسہ مصباح التہذیب کے قیام میں حصہ لیا۔

مدرسہ مصباح التہذیب کے سب سے پہلے مہتمم مولوی مرزا غلام قادر بیگ تھے جو مولانا نقی علی بریلوی کے رفیق خاص اور امام احمد رضا بریلوی کے ابتدائی کتب کے استاد تھے۔

مدرسہ مصباح التہذیب میں پانچ مدرس درس دیتے تھے جس سے طلبہ کی تعداد اور مدرسہ کی کامیابی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مدرسہ نے یہاں تک ترقی کی کہ اس کی دو شاخیں پرانا شہر بریلی میں قائم ہوئیں۔ باشندگان پرانا شہر بریلی اس کی تعلیمی ترقی میں خاص طور سے دلچسپی لیتے تھے۔ مدرسہ مصباح التہذیب میں مندرجہ ذیل افراد درس دیتے تھے:
(۱) مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی، (۲) مولوی سخاوت حسین، (۳) مولانا سید کلب علی شاہ، (۴) مولوی شجاعت علی، (۵) حافظ احمد حسین، (۶) مولوی حافظ حسیب الحسن۔

مدرسہ مصباح التہذیب بریلی کے قیام کا اصل مقصد کتب درسیہ کی تعلیم دینا تھا۔ مدرسہ کا سارا انتظام مولوی احسن نانوتوی کے ذمہ تھا۔ چونکہ مدرسہ میں وہی سب سے سینئر تھے۔ جب مدرس اول کی جگہ خالی ہوئی تو انہوں نے کئی ماہ تک کسی مدرس کا تقرر نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے اراکین میں اختلافات رونما ہوئے۔ جب مصباح التہذیب کے مہتمم مولانا مرزا غلام قادر بیگ نے مدرسہ کے سارے کاغذات سے حساب کتاب کیا تو مدرسہ کی آمدنی، مصارف سے زیادہ ثابت ہوئی پھر وہ سبکدوش ہو گئے۔ (مولانا نقی علی بریلوی، ص ۷۴۔ ۷۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی ولادت ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء میں محلہ ذخیرہ بریلی شریف میں ہوئی۔ غالباً چار سال کی عمر میں رسم بسم اللہ خوانی ادا کی گئی۔ پھر باضابطہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ بہت ہی کم مدت میں اعلیٰ حضرت نے ابتدائی کتابیں پڑھ لیں۔ یہاں تک کہ آٹھ سال کی ننھی سی عمر میں انہوں نے درس نظامی کی ایک معتبر کتاب "ہدایۃ النحو" کی شرح لکھی۔ اعلیٰ حضرت نے جملہ درسی کتابیں بلکہ علوم منقولہ و معقولہ اپنے والد گرامی حضرت مولانا نقی علی بریلوی سے حاصل کیے۔ بعض کتابیں دوسرے اساتذہ سے بھی پڑھیں مگر اکثر درسی کتابوں کا درس اپنے والد ماجد سے

لیا اور کچھ علوم وفنون کو انہوں نے اپنے زور مطالعہ اور فضل ربانی سے حاصل کیا۔ اس طرح انہوں نے ۵۵ سے زائد علوم وفنون پر مہارت ودسترس حاصل فرمائی۔ اس بات کا ذکر خود امام احمد رضا بریلوی نے کیا ہے اور ان تمام علوم وفنون کی تفصیلات دی ہیں جنہیں انہوں نے اپنے والد گرامی اور دیگر اساتذہ سے حاصل کیے۔ اکیس علوم وفنون وہ ہیں جن کو انہوں نے اپنے والد ماجد سے حاصل کیا اور باقی علوم اپنی فکر خداداد سے حاصل کیے اور ان میں مہارت پیدا کی۔ مختلف علوم وفنون پر مشتمل ان کی صدہا تصانیف موجود یادگار ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے حصول سے فارغ ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر تیرہ سال دس ماہ اور پانچ دن کی تھی، اسی دن ان پر نماز فرض ہوئی۔ اسی دن ان کو مسند افتاء کی ذمہ داری سونپی گئی جسے انہوں نے تقریباً پچاس سال تک اس حسن وخوبی سے انجام دیا کہ نہ کہیں وہ لغزش پا کے شکار ہوئے نہ کہیں ان سے بے اعتدالی ہوئی نہ کہیں ان کے قلم نے ٹھوکر کھائی۔ وہ افراط وتفریط سے محفوظ رہے۔ یہ ان کا طرہ امتیاز ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد تصنیف وتالیف اور فتاویٰ نویسی کے علاوہ چند سالوں تک طلبہ کو پڑھایا کیونکہ شروعات میں انہیں تدریس کا بڑا شوق وجذبہ تھا۔

اعلیٰ حضرت کے تدریسی ذووق وشوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ملک العلماء بحر العلوم حضرت علامہ ظفر الدین صاحب رضوی بہاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں......

اعلیٰ حضرت نے کتب درسیہ سے فراغت کے بعد تدریس وافتاء وتصنیف کی طرف توجہ فرمائی۔ ابتدا میں تدریس کی طرف توجہ بہت زائد تھی۔ بریلی شریف میں کوئی مدرسہ نہ تھا اس لیے فقط اعلیٰ حضرت کی ذات مرجع طلبہ وعلماء تھی۔ جن کو علمی چشمہ سے فیضیاب ہونا ہوتا وہ اعلیٰ حضرت کا قصد کرتے اور کامیابی حاصل کرتے۔ الغرض اعلیٰ حضرت کا ایک زمانہ تدریس وتعلیم کا بڑے زور وشور کا گزرا ہے جس میں دور دور سے طلبہ دوسرے مدرسوں کو چھوڑ کر یہاں حاضر ہوتے اور اس چشمہ علم ونظر سے فیضیاب ہوتے۔ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۱۲۴، جلد اول مطبع مسجد نور الاسلام بولٹن)

پھر طلبہ کی کثرت وہجوم اور افادہ عام کی غرض سے ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء میں منظر اسلام کے نام سے ایک دار العلوم قائم فرمایا اور حضرت مولانا ظفر الدین صاحب بہاری وغیرہ کو بخاری شریف کا درس دے کر اس کا فتتاح فرمایا۔ پھر یہ سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ ہزاروں طلبہ اعلیٰ حضرت سے مستفید ہوئے اور اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ ابتدا میں درس وتدریس کے ساتھ اعلیٰ حضرت خود اس کے مہتمم ومنتظم رہے بعد میں علمی مشاغل اور دینی مصروفیات کی وجہ سے اپنے صاحبزادے محمد حامد رضا خاں صاحب کو دار العلوم منظر اسلام کا مہتمم بنا دیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے کئی سالوں تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ قیام منظر اسلام کے بعد بھی تدریسی امور انجام دیتے رہے۔ اس تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے شاگرد وتلامذہ کی تعداد کثیر ہوگی مگر اعلیٰ حضرت چونکہ کسی کے تنخواہ دار ور کرو معلم نہ تھے اس لیے اہتمام کے ساتھ ان کے تلامذہ کا نام کسی رجسٹر میں نہیں لکھا گیا کہ کوئی فہرست مرتب ہوجاتی نہ اس کی طرف توجہ دی گئی کہ وہ مستقبل میں کام آتی۔

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ کی باضابطہ فہرست نہ ہونے سے متعلق مولانا سید ظفر الدین صاحب فرماتے ہیں...... اعلیٰ حضرت نے چونکہ باضابطہ کسی مدرسہ میں مدرس بن کر نہیں پڑھایا جو رجسٹر داخلہ سے طلبہ کا نام معلوم کیا جائے، یا فارغ التحصیل طلبہ ہی کا نام رجسٹر فارغ التحصیل سے حاصل کیا جا سکے۔ اس لیے حضور کے شاگردوں میں جو مشہور ہوئے اور تصانیف وغیرہ سے دینی خدمت کی ان میں بعض لوگوں کے اسماء گرامی اس جگہ لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت کے شاگردوں میں خصوصیت کے ساتھ فقہ وافتا تصنیفات وتالیفات اور وعظ وتقریر کا رنگ واضح طور پر نمایاں تھا۔

(۱) جناب مولانا مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب محلہ بہاری پور بریلی، (۲) جناب مولانا مولوی سید امیر احمد صاحب محلہ ذخیرہ بریلی، (۳) جناب مولانا مولوی حسن رضا خاں صاحب حسن، برادر اوسط اعلیٰ حضرت، (۴) جناب مولانا مولوی محمد رضا خاں صاحب برادر خورد اعلیٰ حضرت، (۵) جناب مولانا مولوی حامد رضا خاں صاحب حجۃ الاسلام صاحبزادہ اکبر اعلیٰ حضرت، (۶) جناب مولانا مولوی حافظ یقین الدین صاحب محلہ مارک پور بریلی، (۷) جناب مولانا مولوی حافظ سید عبد الکریم صاحب محلہ ذخیرہ بریلی، (۸) جناب مولوی منور حسین صاحب بریلوی، (۹) جناب مولوی حاجی سید نور احمد صاحب چاٹگامی، (۱۰) جناب مولوی واعظ الدین صاحب مصنف دفع زیغ زاغ، (۱۱) جناب مولوی سید عبد الرشید صاحب عظیم آبادی، (۱۲) جناب مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی، (۱۳) جناب مولوی عبد الاحد صاحب سلطان الواعظین پیلی بھیتی (صاحب زادہ حضرت محدث سورتی)، (۱۴) حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرف صاحب کچھوچھوی، (۱۵) حضرت مولانا سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی۔

اس فہرست میں کچھ ایسے تلامذہ کے نام درج ہونے سے رہ گئے جو علم وفضل میں یکتائے روزگار اور اعلیٰ حضرت کے منظور نظر تھے مثلاً (۱) مولانا امجد علی صاحب اعظمی مصنف بہار شریعت، (۲) مولانا محمد عبد العلیم صاحب میرٹھی سیاح یورپ وافریقہ وایشیا، (۳) مولانا محمد ظفر الدین صاحب بہاری مصنف حیات اعلیٰ حضرت، (۴) مولانا محمد برہان الحق صاحب جبلپوری مصنف اکرام امام احمد رضا، (۵) مولانا محمد مصطفی رضا خاں صاحب حضور مفتی اعظم ہند شہزادہ اصغر اعلیٰ حضرت۔

یہ وہ حضرات ہیں جو رتبہ عالم دین، بالغ نظر مدرس، عظیم مبلغ اور بے مثل مصنف ہیں۔ یہ امر بھی مسلم ہے کہ امام احمد رضا بریلوی سے صرف طلبہ ہی مستفید نہیں ہوئے بلکہ وقت کے جلیل القدر علماء نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے۔ ان کے علمی جاہ وجلال کو دیکھ کر بیرونی ممالک سے علماء ان سے حصول علم کیلئے آتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی پر فیض درسگاہ میں ملکی طلبہ وعلماء بھی ہوتے اور غیر ملکی بھی، وہ ہر ایک کو سیراب وشادکام کرتے اور ہر ایک کو متاع علم وفن سے مالامال کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت سے جن غیر ملکی علماء نے استفادہ کیا ان کے نام ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے کچھ اس طرح لکھے ہیں۔ (۱) مولانا احمد دحلان مکی نے علم جفر میں استفادہ کیا، (۲) عبد الرحمن آفندی شامی نے علم جفر میں تلمذ کی خواہش ظاہر کی، (۳) سید حسین مدنی بن سید عبد القادر شامی مدنی بریلی آئے۔ چودہ ماہ قیام کیا اور علم جفر، علم اوفاق اور علم تکسیر حاصل کیے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے

عربی رسالہ "اطائب الاکسیر فی علم التکسیر" انہیں کیلئے تصنیف کیا، (۴) بخارا کے مولانا عبدالغفار بخاری علم جفر سیکھنے بریلی آئے۔ مولانا بخاری کو اعلیٰ حضرت نے آٹھ ماہ تک اس فن کی تعلیم دی۔ الغرض محدث بریلوی سے طلبہ وعلماء سب ہی مستفید ہوئے۔ (محدث بریلوی از ڈاکٹر مسعود احمد)

مولانا حامد رضا خاں بریلوی:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے بعد ان کے بڑے صاحبزادہ حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں صاحب بریلوی نے مرکز اہل سنت دار العلوم منظر اسلام بریلی کے نظم وضبط اور مسند تدریس کو سنبھالا یعنی وہ دار العلوم منظر اسلام کے مہتمم بھی رہے اور شیخ الحدیث بھی۔ اس مدت میں انہوں نے بہت سارے طلبہ کو سیراب اور بندگان خدا کیلئے ارشاد وہدایات کا سامان کیا۔

حضرت علامہ حامد رضا خاں صاحب کی تعلیم وتدریس، فراغت اور منظر اسلام کے اہتمام وغیرہ سے متعلق ڈاکٹر مسعود احمد صاحب رقمطراز ہیں:

علامہ محمد حامد رضا خاں صاحب کی ربیع اول ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں بریلی میں ولادت ہوئی۔ معقولات اور منقولات کی تعلیم محدث بریلوی سے حاصل کی۔ ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۴ء میں ۱۹رسال کی عمر میں درس نظامی سے فارغ ہوئے۔ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی۔ سید شاہ ابوالحسین نوری سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ محدث بریلوی سے ۱۲رسلاسل طریقت میں اجازت حاصل کی۔ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں دار العلوم منظر اسلام بریلی کے مہتمم ہوئے۔ ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۶ء میں اسی دار العلوم کے شیخ الحدیث اور صدر المدرس ہوئے۔ وہ متبحر عالم تھے۔ بہترین معلم، طلبہ پر نہایت ہی شفیق ومہربان، وہ مایہ ناز خطیب بھی تھے۔ انہوں نے ملک گیر دورے کیے۔ وہ شاعر تھے اور تاریخ گوئی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اردو، فارسی، عربی پر یکساں عبور حاصل تھا۔ عربی زبان میں خاص مہارت تھی۔

علامہ محمد حامد رضا خاں نے مختلف مذہبی اور سیاسی تحریکوں کے طوفانوں کا مقابلہ فرمایا۔ مثلاً قادیانی تحریک، تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک شدھی سنگٹھن، تحریک ہجرت، تحریک مسجد شہید گنج وغیرہ وغیرہ۔ ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں انہوں نے الجمیعۃ العالیہ المرکزیہ مراد آباد (بھارت) کے اجلاس میں جو فاضلانہ خطبہ دیا اس سے ان کے بے مثال فکر وتدبر کا اندازہ ہوتا ہے۔

علامہ محمد حامد رضا خاں صاحب نے ۱۷رجمادی الاول ۱۳۶۲ھ/ ۲۳رمئی ۱۹۴۳ء کو بریلی میں وصال فرمایا۔ آپ کے بکثرت خلفاء ومریدین پاک وہند اور بیرونی ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ آپ کے وصال کے بعد بڑے صاحبزادے علامہ محمد ابراہیم رضا خاں علیہ الرحمہ سجادہ نشیں ہوئے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے علامہ محمد ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ سجادہ نشیں ہوئے اور ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ العالی زیب سجادہ ہیں۔ (محدث بریلوی ص ۳۰۔۴۱)

علامہ محمد ابراہیم رضا خاں:

حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں صاحب کے بڑے صاحبزادے اور اعلیٰ امام احمد رضا بریلوی کے پوتے ہیں ان

کی ولادت پر پورے خاندان کے لوگ اور اعلیٰ حضرت بھی بہت مسرور وخوش ہوئے کیونکہ وہ کئی لڑکیوں کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ان کی پیدائش کی خوشی میں اعلیٰ حضرت نے طلبہ منظر اسلام کی دعوت کی اور ان کیلئے پر تکلف ومن پسند کھانے کا اہتمام وانتظام فرمایا۔

مفسر اعظم ہند حضرت علامہ ابراہیم رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کیلئے اعلیٰ حضرت نے یہ نوید بشارت دی تھی کہ ''میرا یہ پوتا میری زبان ہوگا'' وقت کے علماء اور مشائخ نے اس مژدہ اعلیٰ حضرت کا اثر ومظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انہوں نے منظر اسلام میں درس وتدریس کا سلسلہ قائم کیا اور بڑی خوش اسلوبی سے اس کو نبھایا۔اعلیٰ حضرت کے اس جملے کا اثر صرف تدریس ہی کی شکل میں ظاہر نہ ہوا بلکہ تقریر وبیان اور خطابت کی دنیا میں بھی اس کا اثر نظر آیا۔ جس سے وہ مشہور زمانہ اور یکتائے روزگار ہوئے۔مذہب اہل سنت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ واستحکام اور اس کی ترویج واشاعت تک ایسا بے مثل کردار ادا فرمایا جس کی مثال بمشکل ملے گی۔یہی وجہ ہے کہ وہ مفسر اعظم ہند کے لقب سے اس درجہ مشہور ہوئے گویا کہ وہ ان کا علم اور نام ہوگیا۔

انہوں نے منظر اسلام کی آبیاری اور درس وتدریس کے میدان میں کس طرح اور کس انداز میں کیسا نمونہ عمل پیش کیا اس کا اندازہ واحساس آپ کو حضرت علامہ مفتی عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ کی اس تحریر سے ہوگا۔آپ فرماتے ہیں،

منظر اسلام ان کے آباء واجداد کا شجر سدا بہار تھا اس کی آبیاری اور گل وغنچہ وجڑ وپتی وشاخ کے سنوارنے میں زندگی بھر مصروف رہے۔اس راہ میں بڑے صبر آزما مصائب سے آپ کو گزرنا پڑا تھا آنکہ مدرسین کی بروقت تنخواہ کیلئے گھر کے زیورات تک رہن رکھ دیئے جاتے۔یہ تھا وہ ایثار جس نے منظر اسلام کو منظر اسلام بنائے رکھا۔

اگر صرف مکتب کی کرامت ہوتی تو ختم ہوجاتی مگر یہاں فیضان نظر بھی تھا جو ہر دور میں اپنا کام کرتا رہا۔اغیار وحساد کی کارفرمائیاں، اپنوں کی چشم پوشیاں اور لیل ونہار کی تبدیلیاں آپ کے آڑے نہ آسکیں۔آپ کا کاروان علم وعمل شاہراہ رضا پر رواں دواں رہا۔

درس وتدریس میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ مسلم شریف وشفا شریف پڑھاتے ہوئے ان کی شرح پیش نظر ہوتیں اور ایسا معلوم ہوتا کہ صاحب مسلم امام مسلم بن الحجاج قشیری اور صاحب شفا قاضی عیاض کی روحانیت جلوہ گر ہے۔کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ الفاظ سے گزر کر معانی میں پہنچ جاتے اور قال کو چھوڑ کر سراپا حال ہوجاتے۔اپنے اسلاف کی طرح برکۃ المصطفی فی الہند شیخ محقق محدث دہلوی سے خاصا شغف رکھتے۔معتقدات میں ان کی تصانیف ازبر ہوتیں، مسلک کے اثبات میں دلائل کے انبار لگا دیتے، ان کی عبارتیں جھوم جھوم کر پڑھتے یہاں تک کہ ان کے مراد سے بھی استفادہ کرتے۔(حیات مفسر اعظم ہند ص ۱۳)

حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا:

شہزادہ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ محمد مصطفی رضا خاں نوری علیہ الرحمہ نے ابتدائی تعلیم کے بعد درسیات کی تکمیل اپنے والد گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے کی۔اعلیٰ حضرت نے ان کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا اور انہیں بنانے سنوارنے کیلئے خصوصی نگرانی فرمائی جبکہ ان کے مرشد بیعت نے انہیں ایام شیر خوارگی ہی میں اجازت وخلافت

سے نوازا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ بچہ زمانے کا ولی ہوگا۔

حضور مفتی اعظم ہند نے تعلیم سے فراغت کے بعد منظر اسلام میں تدریسی فریضہ انجام دیئے اور جب مسجد بی بی بریلی میں ''دارالعلوم مظہر اسلام'' قائم ہوا تو اس میں بھی انہوں نے درس دیا۔ پھر بعد میں دارالافتاء وغیرہ کی ذمہ داریوں اور کثرت مشاغل کی بنا پر ان کی تدریس کا سلسلہ صرف مخصوص طلبہ تک محدود ہوگیا۔ انہوں نے مسند بریلی اور اعلیٰ حضرت کی نجابت و جانشینی کا فریضہ اس شان سے انجام دیا کہ وہ مرجع علما اور مرکز خلائق ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت کے شہر بریلی مرکزیت کو ان پر فخر و ناز ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند کی ولادت وخلافت، تعلیم و تدریس، اساتذہ و معلم، تلامذہ خلفاء وغیرہ احوال و کوائف سے متعلق ڈاکٹر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

مفتی اعظم ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق بریلی میں پیدا ہوئے۔ ۲۵/جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ کو شاہ ابوالحسین نوری نے زمانہ طفلی میں بیعت فرما کر اجازت و خلافت سے نوازا۔ اصل تعلیم و تربیت تو محدث بریلوی نے فرمائی۔ اساتذہ میں برادر بزرگ علامہ محمد حامد رضا خاں صاحب، علامہ شاہ رحم الٰہی صاحب منگلوری، مولانا بشیر احمد علی گڑھی، علامہ ظہور الحسن نقشبندی فاروقی قابل ذکر ہیں۔ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء بعمر اٹھارہ سال علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہوئے اور ۲۸ سے زیادہ علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ محدث بریلوی نے بہت سے سلاسل میں اجازت مرحمت فرمائی۔ درس نظامی سے فراغت کے بعد ۱۳۲۸ھ سے دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں تدریس کا آغاز فرمایا اور ۱۳۴۷ھ تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر دارالافتاء کی ذمہ داریوں کی وجہ سے مخصوص طلباء تک سلسلہ درس و تدریس محدود گیا۔ مفتی اعظم نے دارالعلوم مظہر اسلام بریلی میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

مفتی اعظم نے فتویٰ نویسی کا فن محدث بریلوی سے سیکھا اور اس میں وہ مہارت پیدا کی کہ مفتی اعظم ہند ہوئے۔ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں بعمر ۱۸ سال فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ آخر تک چلتا رہا۔ مفتی اعظم نے مجموعی طور پر ۷۰ سال فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے فتاویٰ ''فتاویٰ مصطفویہ'' کے نام سے دو جلدوں (اب سات جلدوں) میں چھپ چکے ہیں جس میں صرف دس سال کے فتوے جمع کیے گئے ہیں۔

مفتی اعظم نے ہر کٹھن وقت میں مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ ۱۲۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج لاہور کا سانحہ پیش آیا۔ مفتی اعظم نے انگریزوں اور سکھوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی حمایت کی۔ اس طرح ۱۳۶۵ھ ۱۹۴ء میں آل انڈیا کانفرنس بنارس میں مرکزی کردار ادا کیا۔ ۹۷۔ ۱۳۹۶ھ/ ۷۷۔ ۱۹۷۶ء میں جب ہندوستان میں نسبندی کا اعلان کیا گیا آپ نے بلا خوف و خطر مومنانہ جرأت سے اس کی شدید مخالفت فرمائی۔

مفتی اعظم عالم و عارف، مفتی و فقیہ اور مدبر و مفکر ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ ان کے اشعار میں قدماء کا رنگ جھلکتا ہے۔ ان کا شعری مجموعہ ''سامان بخشش'' بریلی سے شائع ہو چکا ہے۔

مفتی اعظم نے ۱۴/محرم الحرام ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۱ء میں کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے وصال فرمایا۔ ان کی نماز جنازہ میں

دنیا بھر کے ۲۵ لاکھ عقیدت مند شریک ہوئے۔ نماز جنازہ میں اتنا عظیم اجتماع تاریخ میں نہیں ملتا۔ اس سے مفتی اعظم کے حلقہ اثر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مفتی اعظم کے بکثرت خلفاء پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، ماریشش، یورپ، امریکہ اور افریقہ وغیرہ میں ہیں۔

علامہ شاہد علی رضوی نے مفتی اعظم کے منتخب تلامذہ کے ۲۵ نام گنائے ہیں جو سب کے سب متبحر عالم ہوئے۔ افتاء میں منتخب تلامذہ کے ۳۳ نام گنائے ہیں جو اعلیٰ پایہ کے مفتی ہوئے اور مستفدین میں گیارہ علماء کے نام گنائے ہیں۔ علامہ موصوف نے مفتی اعظم کی تصانیف اور شروح میں ۴۵ نام گنائے ہیں۔

آپ کے وصال کے بعد علامہ ابراہیم رضا خاں علیہ الرحمہ کے صاحبزادے محمد اختر رضا خاں صاحب قائم مقام مفتی اعظم ہیں۔ (محدث بریلوی ص ۲۰ تا ۲۳)

علامہ محمد ریحان رضا خاں:

مفسر اعظم ہند حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا عرف جیلانی میاں اور حضور مفتی اعظم ہند کے بعد حضرت علامہ مفتی محمد ریحان رضا خاں عرف ریحان ملت خلف اکبر مفسر اعظم ہند، خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ کے متولی سجادہ نشین اور دار العلوم منظر اسلام کے مہتمم ہوئے۔ اس زمانے میں انہوں نے باضابطہ منظر اسلام میں درس دیا۔ یہ سلسلہ اگرچہ انہوں نے اپنے وصال کے کچھ برسوں قبل ہی موقوف کر دیا تھا مگر کبھی کبھی کچھ مخصوص طلبہ کو رات کے وقت پڑھایا کرتے تھے۔ یہ بات میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے بلکہ بسا اوقات میں (راقم السطور محمد عیسیٰ رضوی قادری) بھی شریک درس ہوا کرتا تھا۔ ان کے پڑھانے کا طریقہ اور انداز افہام و تفہیم کو دیکھ کر دل سے بے ساختہ آواز نکلی تھی کہ واقعی وہ اعلیٰ حضرت کے نبیرہ اور خاندان اعلیٰ حضرت کی علمی شخصیت ہیں۔ انہوں نے اگرچہ اعلیٰ حضرت کا زمانہ حیات نہیں پایا کہ ان سے ظاہر میں استفادہ کرتے مگر میرا دل گواہی دیتا اور وجدان واحساس کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی روحانیت سے انہوں نے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ یہ ان پر اعلیٰ حضرت و حضور مفتی اعظم ہند ہی کا فیضان تھا کہ وہ یورپ وایشیا میں مشہور ہوئے اور اکناف علم میں ان کی باوقار شخصیت کا خطبہ پڑھا گیا۔ ۱۸/رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۳ء میں ان کا وصال ہوا۔

حضرت ریحان ملت کے بعد ان کے فرزند اکبر حضرت علامہ ومولانا سبحان رضا خاں صاحب سبحانی میاں مدظلہ العالی ان کے نائب وجانشیں اور منظر اسلام کے مہتمم ہوئے جو ابھی تک اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ بلکہ منظر اسلام کی تعمیر وترقی میں انہوں نے جس انداز میں کام کیا اور مدت طرازی کی وہ اس کے کسی مہتمم وناظم کے عہد میں نہ ہوا۔ وہ ایک باکمال شخصیت اور حضرت ریحان ملت کی یادگار ہیں۔ انہوں نے اگرچہ منظر اسلام کی درسگاہ میں درس نہیں دیا مگر درس وتدریس اور تعلیمی ترقی کیلئے حسن سلیقہ مندی سے جو انتظام وانصرام کیا وہ قابل رشک وانبساط اور بہترین نمونہ عمل ہے۔ وقت کا دیانت دار مورخ ان کے عہد کو روشن وتابناک ضرور لکھے گا۔

تاج الشریعہ حضور اختر رضا ازہری:

حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ محمد مصطفی رضا خان صاحب نوری علیہ الرحمہ کے وصال پرملال کے بعد

وارث علوم اعلیٰ حضرت تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی الشاہ محمد اختر رضا خاں عرف ازہری میاں فرزند جلیل حضرت مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں صاحب عرف جیلانی میاں ان کے جانشیں و قائم مقام ہوئے۔ انہیں حضور مفتی اعظم ہند کے علم و افتاء کی نیابت و جانشینی ملی۔ دنیا جانتی ہے کہ اس جانشینی کا حق تاج الشریعہ نے اس شان سے ادا کیا کہ وہ علمائے اہلسنت کے معتمد و منظور نظر ہو گئے اور انہیں ملک و بیرونی ممالک میں ایسی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی جس کی مثال آج برصغیر میں نہیں ملتی۔

حضرت تاج الشریعہ کی ولادت ۲۴/ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳/نومبر ۱۹۴۲ء کو محلہ سوداگران بریلی شریف میں ہوئی۔ ان کی ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں ہوئی پھر درجہ اولیٰ سے منظر اسلام میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ کئی سالوں تک منظر اسلام میں تعلیم حاصل کی۔ یہاں پر تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۸۶۳ میں جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے وہاں پر تین سال قیام کیا اور مختلف علوم وفنون میں کمال پیدا کیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۶۶ء میں اول نمبر پر آئے اور جامعۃ الازہر ایوارڈ حاصل کیا۔

تاج الشریعہ کو مختلف علوم وفنون پر مہارت و دسترس حاصل تھی۔ لیکن علم فقہ اور عربی ادب سے ان کو زیادہ شغف و دلچسپی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اردو کی طرح وہ بلا تکلف عربی میں بھی کلام و گفتگو کرتے تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ ازہر مصر میں جب وہ عربی بولتے تو وہاں کے عربی داں لوگ حیرت زدہ رہ جاتے اور کہتے کہ ہندوستانی ہو کر عربی النسل لوگوں سے عربی میں بلا جھجک گفتگو کرتے ہیں اور کچھ تکلیف محسوس نہیں کرتے۔ اس سے ان کی عربی دانی اور زبان عربی پر قدرت و عبور کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

جامعہ ازہر سے ۱۹۶۶ء کے اخیر میں واپس آنے کے بعد منظر اسلام میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ کئی سالوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر نامساعد و ناموافق حالات کی بنا پر وہاں سے سبکدوش ہو گئے۔ مگر اپنے قائم کردہ مرکزی دار الافتاء میں تدریس و افتاء کی مصروفیت جاری و باقی رکھی۔

دنیا جانتی ہے کہ درس و تدریس، فتویٰ نویسی، تصنیف و تالیف، تعریب و ترجمہ وغیرہ علوم وفنون میں فائق و ماہر ہونے کی وجہ سے تاج الشریعہ کو وارث علوم اعلیٰ حضرت کہا گیا اور یہ بالکل بجا و برحق ہے۔ تاج الشریعہ نے جو علمی و دینی خدمات و کارنامے، تصنیف و تالیف، دعوت و اصلاح، ارشاد و ہدایت، تعلیم و تربیت وغیرہ کے فرائض انجام دیئے انہیں دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کے قدم بقدم تھے اور یہ ان پر اعلیٰ حضرت کا خصوصی فیضان تھا۔ اسی لیے بعض علماء نے ان سے بعض کتب کا درس لیا اور ان کے مخصوص تلامذہ میں شامل ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جس نے اعلیٰ حضرت سے روحانی فیضان اور حضور مفتی اعظم ہند سے علمی اکتساب کیا اگر اس سے کوئی شرف تلمذ حاصل کرتا ہے تو وہ اس کیلئے بلاشبہ فخر و ناز کی بات ہے۔

تاج الشریعہ کے مخصوص تلامذہ اور منظر اسلام کے طلبہ میں جو ان کے شاگرد و فیض یافتہ ہوئے سب کو ملا کر ان کے تلامذہ کی تعداد کئی سو تک پہنچتی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ان کے تلامذہ سے زیادہ ان کے خلفاء کی تعداد ہوگی جو دیار ہند و عرب، ایشیا و افریقہ اور یورپ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے مریدین و متوسلین اور معتقدین کی تعداد پانچ کروڑ سے متجاوز ہے۔ عالم اسلام اور خواص و عوام میں ان کی مقبولیت کا اندازہ ان کی نماز جنازہ کی بھیڑ سے لگایا جا سکتا

ہے۔ آنکھوں نے دیکھا کہ انسانوں کا ایک سیلاب تھا جس سے بریلی شہر کا چپہ چپہ بھر گیا۔ شرکاء جنازہ کا اندازہ وتخمینہ سوا کروڑ سے زیادہ لگایا گیا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ روئے زمین میں اتنے لوگ ایک ساتھ کبھی جمع نہیں ہوئے نہ کسی کے جنازے پر اتنے لوگ وقت واحد میں کبھی شریک ہوئے۔ تاریخ کا یہ پہلا واقعہ ہے اور تاج الشریعہ دنیا کے پہلے شخص ہیں جن کی نماز جنازہ میں اتنے لوگوں نے شرکت کی۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ انسانوں کے ساتھ فرشتے اور جنہ بھی شریک ہوئے ہوں گے اور انہوں نے ان کے تابوت کو کاندھا دیا ہوگا۔

تاج الشریعہ کی ذات ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ اب تک ان پر جو کچھ لکھا گیا وہ ان کی زندگی کا ایک پہلو تھا۔ ان کی حیات وخدمات پر اب جو تحقیق ہوگی اور محققین واصحاب قلم لکھیں گے تو وہ کتاب صدرنگ ہوگی وہ ہر پہلو کو محیط وحاوی ہوگی۔ کہنے کو وہ دنیا سے چلے گئے مگر اہل قلم کو مضمون مل گیا، شعراء کو مواد مل گیا۔ مقررین وخطباء کو موضوع مل گیا، وسائل وجرائد کو عنوان مل گیا، اخبارات اور روزناموں کو سرخیاں مل گئیں۔ وہ ایک ذات بابرکات ہیں مگر صد ہزار انجمنوں پر بھاری ہیں۔ اہل علم کو ان پر اشک وانبساط اور فخر ہے وہ فخر ہند بھی ہیں اور فخر ازہر بھی، وہ محفل علماء کی رونق، بزم علم وادب کی زینت اور مجلس صوفیہ کیلئے روشن ودرخشاں چراغ تھے۔ ۶/ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰/جولائی ۲۰۱۸ء بروز جمعہ بوقت مغرب ان کا وصال ہوا۔ بروز یکشنبہ بوقت گیارہ بجے دن ان کی نماز جنازہ اسلامیہ انٹر کالج بریلی کے وسیع وعریض میدان میں ہوئی۔

حاصل گفتگو: مرکز اہل سنت منظر اسلام بریلی شریف ایک دینی ادارہ، علم وفن کا گہوارہ، تعلیم وتعلم کی آماجگاہ، پرفیض درسگاہ، مذہب اہلسنت وجماعت کا ترجمان اور مسلک اعلیٰ حضرت کا ناشر و پاسبان ہے۔ تاریخی حقائق وشواہد یہ بتاتے ہیں کہ منظر اسلام نے جلیل القدر علماء وفقہاء پیدا کیے، عظیم ومحسن معلم ومربی دیئے، منظر اسلام نے فقیہ ومفتی پیدا کیے، وہاں سے مصنفین ومبلغین کی جماعت نکلی، صوفیہ کا گروہ نکلا، درس وتدریس کے ماہرین نکلے، ادباء ونقباء اور شعراء وخطباء پیدا ہوئے، وہاں سے اصلاح فکر واعتقاد کا سامان ملا، مراسم اسلامیہ کی حفاظت وصیانت ہوئی، مسائل شرعیہ کا نفاذ ہوا، وہاں سے فکر کو آگہی شعور کو پختگی، احساس کو تابندگی ملی، عقیدہ وایمان کو تصلب ملا، فرقہائے باطلہ سے اجتناب واحتراز کا درس ملا، عشق وعقیدت کی شمع فروزاں ہوئی، قلوب واذہان کو اجالا ملا، ایقان ووجدان کو روشنی ملی۔

دینی اداروں میں منظر اسلام ایک بے مثل ادارہ ہے یوں ہی انسانی خاندانوں میں خاندان اعلیٰ حضرت بھی ایک بے مثل خاندان ہے۔ دنیا میں ایسا خاندان بہت کم ہوگا جس کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ برسہا برس سے اس میں درس وتدریس اور فتاویٰ نویسی کا سلسلہ جاری وقائم ہے۔ مولانا رضا علی بریلوی سے تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری تک اس خاندان کی تدریس وافتاء کی مدت تقریباً دوسو سال ہوتی ہے۔

حضرت علامہ ابراہیم خوشتر صدیقی صاحب لکھتے ہیں: خاندان رضا کی مدت فتویٰ نویسی کا مندرجہ ذیل جائزہ ایمان اور یقین کی آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔ (۱) مولانا رضا علی خاں کی فتاویٰ نویسی کا آغاز ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء انجام ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء، (۲) مولانا نقی علی خاں بریلوی کی مدت فتویٰ نویسی ۱۲۷۲ھ تا ۱۲۹۷ھ، (۳) اعلیٰ حضرت امام احمد

رضا بریلوی کی فتویٰ نویسی کا آغاز ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء انجام ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء، (۴) حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں کی فتویٰ نویسی کا آغاز ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۵ء انجام ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۲ء، (۵) مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں کی فتویٰ نویسی کا آغاز ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۱۰ء انجام ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء۔

بحمدہ تعالیٰ یہ سلسلہ زریں جس کی مدت ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء تک ۱۶۱ سال ہوتی ہے۔ اب بھی خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ نوریہ بریلی سے مولانا اختر رضا خاں ازہری زہد سجدہ فتویٰ نویسی اور دینی کتب کی تصنیفی خدمات بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ (تذکرہ جمیل ۱۱۲)

تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ نے غالباً ۱۹۶۷ء سے ۲۰۱۸ء تک فتویٰ نویسی فرمائی۔ ان کی مدت فتویٰ نویسی تقریباً پچاس سال ہے۔

میرے خیال میں خاندان اعلیٰ حضرت کے علماء وفضلاء نے جتنی مدت فتویٰ نویسی فرمائی اتنی ہی مدت انہوں نے درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری وباقی رکھا۔

حضرت علامہ ابراہیم خوشتر صدیقی فرماتے ہیں: یہ حقیقت بھی اس خاندان میں باپ دادا سے طرہ امتیاز ہی ہے کہ مولانا محمد رضا علی (م ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء) نے اپنے بیٹے محمد نقی علی خاں کو خود پڑھایا اور بالکل اسی اطرح انہوں نے اپنے فرزندار جمند احمد رضا کو نہ صرف خود پڑھایا بلکہ ایسی تربیت دی کہ شاید باید...... پھر اس سلسلہ زریں کا آغاز تو اس برکوچک (ہندو پاک) میں ۱۷۳۹ء سے ہوتا ہے۔

دنیا میں خاندانوں اور نسلوں کو یہ سعادت بہت کم نصیب ہوتی ہے کہ برسہا برس تک ایک ہی نسل اور ایک ہی خاندان میں علم وفضل جاری رہے اور دس نسلوں کے تسلسل میں اس زنجیر کی کوئی کڑی نہ ٹوٹے۔ سعید اللہ خاں سے کاظم علی خاں اور رضا علی خاں سے امام احمد رضا خاں وابنائے امام احمد رضا محمد حامد رضا خاں، محمد مصطفیٰ رضا خاں ونبیرہ اکبر محمد ابراہیم رضا خاں ونبیرہ اکبر حامد رضا، محمد ریحان رضا خاں تک علم وفضل کا یہ دریا بغیر رکے بہتا رہا اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ ان گلہائے فضل وکمال کے رنگ وبو میں کوئی کمی ہو جاتی۔ یہ نہیں بل کہ ان میں سے ہر فرد اپنے عہد کی تاریخ کے صفحات پر اپنا ایک بہتر نقش چھوڑ گیا۔ (تذکرہ جمیل ص ۱۰۹)

اس کا حاصل یہ ہے کہ

☆ مولانا رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ اپنے عہد کے مشہور ونامور عالم دین اور عارف ربانی تھے۔

☆ مولانا رضا علی سے مولانا نقی علی خاں بریلوی نے درس لیا۔

☆ مولانا نقی علی بریلوی سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے علم حاصل کیا۔

☆ اعلیٰ حضرت سے مولانا حامد رضا خاں صاحب نے پڑھا۔

☆ اعلیٰ حضرت اور مولانا حامد رضا خاں سے مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں نے استفادہ کیا۔

☆ امام احمد رضا بریلوی اور مولانا حامد رضا خاں سے حضور مفتی اعظم ہند نے اکتساب علم وفن کیا۔

☆ حضور مفتی اعظم ہند سے ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں صاحب نے علمی فیض پایا۔

☆ حضور مفتی اعظم ہند اور ریحان ملت سے تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں صاحب ازہری علیہ الرحمہ نے علمی وفنی فیوض وبرکات حاصل کیے۔

دیکھو جس خاندان میں درس وتدریس، تعلیم وتعلم اور

اکتساب واستفادے کا طریقہ اتنا مستحکم اور اس کا سلسلہ اتنا طویل ودراز ہو جو کئی پشتوں تک پھیل جائے تو اس خاندان کے فضل وشرف اور اس کے وقار وعظمت کا مقابلہ کون کرسکتا ہے۔ کم از کم ہندوستان کے طول وعرض میں اس کا جواب وبدل ملنا مشکل ہے۔ **ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔**

میرے دل کی آواز یہ ہے کہ خاندان اعلیٰ حضرت کا ہر فرد روشن چراغ ہے۔ ہر شخص شمع فروزاں ہے، اس خاندان کا ہر عالم علم وفن کا کہکشاں ہے، ہر خورد وکلاں نجوم وکواکب ہیں مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ وہ ہیں جو علم وفضل کے آسمان ہفتم پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔ ان کی شعاع مستنیر اور ضیائے منور سے خاندان کا ہر فرد تابناک اور ہر شخص درخشاں ہو گیا۔

مثال شمع روشن ہے رضا کے گھر کا ہر بچہ
جسے دیکھو وہی شیر رضا معلوم ہوتا ہے

خاندان اعلیٰ حضرت کے علماء کے علاوہ دیگر علماء وفضلاء نے منظر اسلام میں جو تدریسی امور انجام دیئے ہیں ان کی تعداد بھی کثیر ہے۔ جو علماء ومدرسین منظر اسلام کی مسند تدریس کی زینت رہے وہ بھی اپنے اپنے عہد کے جید وجلیل القدر علماء میں تھے ان کا ایک مقام تھا۔ ان میں سے بعض تو علم وفضل اور شہرتوں کے آسمان تھے۔ ان میں مفتی وفقیہ بھی تھے اور مصنف ومبلغ بھی، صحافی واہل قلم بھی تھے اور ماہرین درسیات بھی، مختلف علوم وفنون کے مالک بھی تھے اور نباض وقت بھی۔ اگر نام بنام ان کے عہد کی تاریخ مختصراً بھی لکھی جائے تو مقالہ کافی طویل ہو جائے گا اس لیے کسی اور موقع پر اس کی تکمیل کی جائے گی انشاء اللہ۔

اخیر میں یہ کہہ کر ہم اپنی بات سمیٹ لیں گے کہ خاندان رضا نے مرکزیت کا پورا حق ادا کیا اور منظر اسلام کے توسط وذریعہ سے دنیا بھر میں تعلیم وتعلم، درس وتدریس اور علم وفن کا اجالا پھیلایا۔ ذرا سوچو کہ جس خاندان نے دو سو سال تک مسلمانوں کی علمی ودینی قیادت ورہنمائی فرمائی کیا اس کی مرکزیت کا کوئی حق چھین سکتا ہے؟ منظر اسلام بریلی شریف کو مرکز ہونے کا شرف واعزاز چونکہ خاص طور سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی ذات عالیہ سے ملا ہے اس لیے جب تک اعلیٰ حضرت کا نام دنیا کے پردے پر روشن ودرخشاں رہے گا، زمین میں ان کی تربت رہے گی، منظر اسلام اہلسنت وجماعت کا مرکز رہے گا۔ جب تک ذات اعلیٰ حضرت سے اس کی نسبت باقی رہے گی، اعلیٰ حضرت سے اس کا روحانی رشتہ رہے گا منظر اسلام کو مرکزیت حاصل رہے گی۔ ایسی صورت میں کوئی بھی شخص اس کی مرکزیت کو چیلنج نہیں کرسکتا کیونکہ اس کی بنیاد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے مقدس ہاتھوں نے رکھی تھی جب تک منظر اسلام کے در ودیوار اور اس کی فضاؤں میں ان ہاتھوں کا تقدس وفیض باقی رہے گا منظر اسلام کی مرکزیت سلامت ومحفوظ رہے گی۔

مرکز اہلسنت سلامت رہے
مسلک اعلیٰ حضرت سلامت رہے

❀❀❀

مرکز اہلِ سنت کی صحافتی خدمات

مفتی احمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں، کاشی پور، اتراکھنڈ

عموماً سنی ہوئی بات گوشۂ ذہن سے نکل جاتی ہے البتہ لکھی ہوئی بات آدمی جلدی نہیں بھولتا ہے۔

علاوہ ازیں سنی ہوئی بات میں یک گونہ تردد پایا جاتا ہے آدمی جلدی اس پر اعتبار نہیں کرتا البتہ لکھی ہوئی بات کو ذہن بہت جلد قبول کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے بولنے والے خطیب کو لوگ زیادہ سے زیادہ ایک صدی تک یاد رکھ پاتے ہیں لیکن لکھنے والے قلم کار کو اس کی قلمی خدمات کو صدیوں تک نسلیں یاد رکھتی ہیں۔ اور شاید اسی لیے مذہب و مسلک کی ترویج و اشاعت کا ایک اہم اور باثر پائدار شعبہ صحافت مانا جاتا ہے۔ صحافت خود بہت سے شعبوں میں منقسم ہے۔ اخبارات و جرائد صحافت کے اہم کردار ہیں۔ ہمیں یہاں صحافت کے عنوان پر نہیں لکھنا ہے اہل علم صحافت کے خدوخال سے بخوبی واقف ہیں۔ ہمیں اپنے عنوان کے مطابق بریلی شریف جو اہل سنت و جماعت کا مرکز ہے، کی صحافتی خدمات کے حوالے سے اپنا مطالعہ پیش کرنا ہے۔ ہندوستان کے سنی اداروں نے کافی کچھ صحافتی خدمات انجام دی ہیں جس سے کسی صاحب علم و خرد کو انکار نہیں ہے۔ مگر مرکز اہل سنت بریلی شریف کو ان میں نمایاں حیثیت حاصل ہے اس سے بھی کسی صاحب علم و حلم اور غیر متعصب کو اختلاف نہیں ہوگا۔ بریلی شریف سے جہاں علمی و روحانی خدمات انجام دی گئیں وہیں تبلیغی خدمات بھی۔ بریلی شریف سے مذہبی، مسلکی، مشربی، روحانی، تبلیغی، صحافتی، قومی، ملی، سماجی، سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، ہر جہت پر کام ہوا ہے۔ ہمیں یہاں بریلی شریف کی صحافتی خدمات کا جائزہ لینا ہے اور اس حوالے سے اپنا مطالعہ سپرد قرطاس کرنا ہے۔

بریلی شریف سے خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے زیر اہتمام و زیر سرپرستی و نگرانی نکلنے والے رسائل پر ہم اپنا مطالعہ سپرد قرطاس کرتے ہیں۔

ماہنامہ الرضا:

محرم ۱۳۳۸ھ میں خانقاہ رضویہ سے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کی سرپرستی میں ماہنامہ الرضا جاری ہوا۔ جس کے مدیر امام اہل سنت کے لائق و فائق بھتیجے یعنی اعلیٰ حضرت کے منجھلے بھائی استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں قدس سرہ کے ہونہار صاحبزادے حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ ہوئے۔ مطبع اہل سنت بریلی شریف سے صدر الشریعہ علامہ

حکیم امجد علی علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام ہر ماہ بلا تعیین تاریخ طبع ہو کر شائع ہوتا تھا۔ ہیڈ کوارٹر محلہ سوداگران بریلی شریف تھا۔

رسالہ کے مشمولات علمی، تحقیقی، تاریخی ہر اعتبار سے خوب سے خوب تر ہوتے تھے۔

رسالہ میں عقائد ونظریات، تاریخ وسیر، فضائل ومناقب اور فقہیات پر مشتمل مضامین اور منظومات کے علاوہ خصوصاً امام اہل سنت کے فتاوی، رسائل اور ملفوظات شامل رسالہ ہوتے تھے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت، تاج العلما، استاذ زمن، مفتی اعظم ہند، صدر الافاضل، صدر الشریعہ، ملک العلما، برہان ملت، علامہ حسنین رضا خاں اور دیگر اکابر علماو مشائخ کی مقدس تحریریں رسالہ کی زینت ہوتی تھیں۔

رسالہ کی تاریخ اجرا پر مشتمل پندرہ (۱۵) عربی اشعار کا ایک تاریخی منظوم کلام جو مولانا محمد عبد اللہ سرندہی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا جسے الرضا کے دوسرے شمارے یعنی صفر المظفر ۱۳۳۸ھ میں شامل اشاعت کیا گیا۔ یہاں اس تاریخی کلام کا پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ ارباب ذوق کے لیے پیش ہے ملاحظہ ہو:

واجعلہ ربی رضیاً
۱۳۳۸ھ

ابدربدافی ارضنا و ھی ظلمائ
ام اطلعت من جنة الخلدحورائ
ام انصب فیھا ابحر النومثل ما
صوب من السحب المکللة المائ
ام انشق اطباق السمٰوت فانجلت
جنان فضاء ت من لدنھن اضوائ
بلیٰ طلعت شمس الرضامستنیرة
فضاءت ضواحی ارضناوھی خضرائ
سلام علیک سرمدا ایھا الرضا
سلام علیک دائما وھنائ
ھنیئاً ھنیئاً مرحباً ثم مرحباً
لحضرتک العلیاء ذالک اھدائ
واھلاً و سھلاً قداتیت بشیرنا
بخیرومن نالوہ منک اعزائ
وبشریٰ فبشریٰ ثم بشراک انه
یحبک من ھم للرشاد احبائ
ادام محیاک المضیئی الٰھنا
واولی الذی والوک فی الخیر ماشاوا
ارفقتنا بشریٰ لکم قد اتاکم
مناکم بفضل اللّٰہ فیکم ونعمائ
جریدة دین کل حرف فریدة
بعقدبه اذ دانت خریدة حسنائ
وفیھا بیان الدین اوفیٰ و وضحت
مسائله من حیث یسھل الابدائ
یسمی الرضا نعم الرضا لمشیعھا
من الحسنین المجتبین رضائ
علیکم بھا مذّکرین لتھتدوا
ونحمد من منه الرشاد والآلائ
وفی قولنا و اجعله ربی رضیاً
الدعاء لمنشیھا وارخ وایمائ

(☆) الذی بمعنی الذین مستعمل ہے۔ [ماہنامہ

الرضا، صفر ۱۳۳۸ھ ص ۲]

اس تاریخی منظوم کلام کا اردو ترجمہ مدیر کی طرف سے ملاحظہ ہو:

"(۱) کیا ہماری سرزمین میں ماہ کامل نکلا دراں حالیکہ وہ تاریک تھی یا برآمد ہوئیں فردوس بریں سے حوریں۔

(۲) کیا بہے ہیں اسی سرزمین سے سمندر نور کے جیسے ابر محیط سے پانی بہتا ہے۔

(۳) کیا پھٹ گئے طبق آسمانوں کے پس روشن ہوگئیں جنتیں پس چمکے ان جنتوں سے انوار۔

(۴) کیوں نہیں چمکتا ہوا آفتاب "الرضا" کا طالع ہوا تو روشن ہو گئے ہماری سرسبز وشاداب زمین کے تمام کنارے۔

(۵) تو ہمیشہ سلامت رہے اے الرضا تجھے ہمیشہ سلام وثنا ہو۔

(۶) پیہم مبارکباد تیری بارگاہ عالی کا نذرانہ ہے۔

(۷) تو اہل وسہل میں آیا ہم کو بشارت دیتا ہوا خیر کی اور جنہوں نے تجھ سے بھلائی پائی وہ عزت والے ہیں۔

(۸) تجھے پے در پے بشارت ہو کہ تجھے وہ ہی پسند کرتا ہے جو راستی کو دوست رکھتا ہے۔

(۹) تیری نورانی ذات کو خداوند عالم ہمیشہ قائم رکھے اور تیرے چاہنے والوں کو وہ خیر عطا کرے جس کی وہ خواہش کریں۔

(۱۰) اے رفیقو! تمہیں خوشخبری کہ خدا کے فضل سے تمہاری امید برآئی اور نعمتیں ملیں۔

(۱۱) یہ وہ دینی رسالہ ہے جس کا ہر حرف دریکتا ہے ایسی لڑی میں ہے جس سے پردہ نشین حسینہ کا سنگار کیا گیا۔

(۱۲) اس میں پورا پورا دین مبین کا بیان ہے۔ اور کھول دئے گئے ہیں مسائل دین کے اس طور پر کہ ان کا ظہور آسان ہو گیا۔

(۱۳) اس دینی رسالہ کا الرضا نام رکھا گیا ہے اور الرضا کیا ہی اچھا ہے اس کے شائع کرنے والے کے لیے دونوں برگزیدہ حضرات حسنین سے رضا ہے۔

(۱۴) تم پر اس کا یاد کرنا لازم تا کہ راہ پاؤ اور ہم اس ذات کی حمد وثنا کرتے ہیں جس کی طرف سے راستی اور نعمتیں ہیں۔

(۱۵) اور ہمارے قول "واجعلہ ربی رضیا" میں اس کے لیے دعا ہے اور تاریخ اور اس کے نام کی طرف اشارہ ہے۔

(خاکسار مدیر) [ماہنامہ الرضا، صفر ۱۳۳۸ھ ص ۳]

رسالہ کے سرورق پر رسالہ کے نام کے ساتھ درج ذیل تحریر بھی ہوتی تھی ملاحظہ ہو:

"شریعت نبوی کا حامی، طریقت مصطفوی کا مددگار، اخلاق محمد سکھانے والا، کفر وشرک سے بچانے والا، اصول معاشرت بتانے والا، اسلام کا سچا ہمدرد، مسلمانوں کا بہترین رہنما، تمدنی، اخلاقی، تاریخی مضامین کا دلکش مجموعہ جو بلاتعین تاریخ ووقت اپنے دارالاشاعت بریلی محلہ سوداگران سے بادارت خادم الطلبا محمد حسنین رضا خان شائع ہوتا ہے۔ مطبع اہل سنت وجماعت بریلی میں باہتمام مولوی امجد علی صاحب چھپا۔"

[ماہنامہ الرضا بریلی شریف، محرم الحرام ۱۳۳۸ھ سرورق]

رسالہ کا مقصد مدیر کی طرف سے پشت رسالہ پر ''الرضا کی دلی تمنا'' کے عنوان سے شائع ہوتا تھا ملاحظہ ہو:

''الرضا کی دلی تمنا یہ ہے کہ مسلمان سچے مسلمان بنیں۔ان کے اقوال ان کے افعال قرآن عظیم اور حدیث نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے موافق ہوں۔خداوند عالم کا خوف اور اس کے حبیب لبیب کی سچی محبت ان کے دلوں میں پیدا ہو۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کے صحیح واقعات ان پر پیش کیے جائیں تا کہ وہ اس مقدس ذات کی معاشرت وا پنا رہنما بنائیں۔اولیاے کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے نصائح اور وصایا انہیں یاد دلائے جائیں تا کہ یہ ان کی انمول نصیحتوں اور اعلیٰ ترین وصیتوں کو اپنا دستور العمل ٹھہرائیں۔علم دین کے برکات اور علماے امت کے کارناموں پر انہیں مطلع کیا جائے تا کہ یہ ان کو پتہ چلے کہ اسلاف کرام نے اکتساب علوم و معارف میں کیسی کچھ جدو جہد کی ہے۔امام غزالی اور امام رازی جیسے ہمدان عالم اور مصر و شام جیسی عظیم الشان درسگاہیں دنیا آج تک پیش نہ کر سکی۔اسلاف کرام کا عروج اور ان کی شان وشوکت نہیں دکھائی جائے تا کہ وہ موجودہ تنزل کی پگڈنڈی کو چھوڑ کر ترقی کی شاہراہ پر پڑ جائیں۔

اسلام کی اخلاقی تعلیم سے ان کے کان آشنا کئے جائیں تا کہ کبر و نخوت ان کے دماغ میں نہ رہے۔نفاق سے ان کا سینہ صاف ہو جائے بغض وحسد ان تک راہ نہ پائے۔ریا کے پاس نہ پھٹکیں۔اتحاد و خلوص ہمدردی اور صلۂ رحم ان میں پیدا ہو۔اسلامی اخوت کے قابل قدر رشتہ کو مضبوط کریں۔دین کو دنیا پر قربان نہ کریں۔بلکہ دین ہی کے مبارک سایہ میں دنیاوی ترقیاں حاصل کریں۔اپنے ہر کام میں افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال پر آجائیں۔

زمانہ کی ان بیجا رسموں سے (جو قانون شریعت کے بالکل خلاف ہیں) پرہیز کریں۔چوں کہ دنیا میں قدم رکھنے کے بعد ہر مسلمان کا پہلا فرض یہ ہے کہ اپنے عقائد و اعمال عادات و معاملات کو جادۂ اعتدال پر لے آئے۔لہٰذا پرچہ کی ترتیب میں بھی اس امر کو پیش نظر رکھا گیا ہے یعنی ابتدائی صفحات میں دین مبین کی سچی تعلیم اور پھر مخالفین کے بے جا حملوں کے جوابات دیے جائیں تا کہ مخالفین کے ان بے سود حملوں سے بھولے بھالے مسلمانوں کے عقائد میں کسی طرح کا تزلزل نہ واقع ہو۔اس کے بعد علمی مباحث اور تاریخی حالات بھی زیب و زینت صفحات بنتے رہیں گے۔(خاکسار مدیر)''

ضلع مجسٹریٹ کی طرف سے پرمیشن نہ ملنے کے سبب رسالہ تاریخ کے تعین کے بغیر ہی چھپتا تھا۔جس کی لوگوں کی شکایت تھی۔مدیر رسالہ قارئین کی شکایات کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''معذرت: بعض احباب کو یہ شکایت ہے کہ پرچہ بقید تعین کیوں نہیں چھپتا ان سے مؤدبانہ التماس ہے کہ جو پرچے بقید تعین چھاپے جاتے ہیں ان کے لیے مجسٹریٹ ضلع کی اجازت درکار ہوتی ہے۔چنانچہ الرضا کے متعلق بھی درخواست گزاری جا چکی ہے اجازت ملنے پر ان شاء اللہ العزیز آپ کے حسب منشا پرچہ کی اشاعت ہوگی۔''[ماہنامہ الرضا، صفر ۱۳۳۸ھ ص ۱۰]

البتہ تیسرے ماہ کے پرچہ میں مدیر موصوف نے رسالہ کو مقررہ وقت پر نکالنے کے لیے ضلع مجسٹریٹ کی طرف

سے قانونی طور پر اجازت ملنے کی خبر دیتے ہوئے لکھا ہے:

مژدہ: خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ پرچہ کو مجسٹریٹ ضلع نے موقت الشیوع ہونے کی اجازت دے دی ہے اس مرتبہ اس میں زیادہ انہماک رہا تاخیر معاف فرمائی جائے آئندہ سے ان شاء اللہ کسی خاص وقت کی پابندی کی جائے گی۔ والسلام۔ خاکسار مدیر" [ماہنامہ الرضا، ربیع الاول، ۱۳۳۸ھ ص ۲]

رسالہ کی قیمت تین آنے علاوہ محصول ڈاک رکھی گئی تھی۔ سالانہ دو روپئے مع محصول ڈاک، ششماہی سوا روپیہ، سہ ماہی دس آنہ تھی۔ رسالہ عموماً بتیس صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ بضرورت صفحات کا اضافہ بھی ہو جاتا تھا۔ رسالہ کی اشاعت میں اکثر کچھ نا کچھ تاخیر ہو جاتی تھی جس کے کئی اسباب تھے ان میں سے ایک اہم سبب طباعت تھا مگر سال مکمل ہونے تک رسالہ کی طباعت کی غرض سے "حسنی" مطبع قائم بھی ہو گیا جس سے رسالہ کی بہت سی دقتیں ختم ہو گئیں۔ البتہ کاغذ کی کمی سے رسالہ دو رنگ کے کاغذ میں چھپتا تھا۔ اس کی تفصیل مدیر موصوف نے یوں تحریر فرمائی ہے ملاحظہ کریں:

"ناظرین کرام: آپ کا الرضا دس ماہ کا ہو کر خدا کے فضل و کرم سے گیارہویں مہینے میں قدم رکھتا ہے مگر گلزار مصطفوی کے اس نوخیز پودے کو اس نوعمری میں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلے پرچہ کی اجازت کی دشواریاں، پھر لکھائی چھپائی کے دقتیں اس کے بعد سفید کاغذ کی کمیابی وغیرہ وغیرہ ایسے امور تھے کہ جنہوں نے اس وقت تک پرچہ کو بہت سی خوبیوں سے محروم رکھا۔ خدا نے فضل کیا کہ لکھائی چھپائی کی طرف سے بحمد اللہ قدرے اطمینان ہو گیا ہے وہ یوں کہ مطبع حسنی محض الرضا کی طبع کی غرض سے قائم کر لیا گیا ہے اب پرچہ ان شاء اللہ العزیز اپنے مجوزہ وقت پر حاضر ہوا کرے گا اس وقت تک جس قدر خلاف وقت اشاعت ہوئی وہ محض انہیں دشواریوں کے سبب سے تھی اب صرف کاغذ کی کمیابی محسوس ہو رہی ہے جس کی فکر میں ہوں کاغذ کی کمیابی کا یہ عالم ہے کہ ایک پرچہ کے لیے اچھا سفید کاغذ اتنا نہیں ملتا کہ پورے پرچہ کی ضروریات کو کفایت کرے۔ اسی معذوری کے سبب سے ہر پرچہ میں دو رنگا کاغذ لگانا پڑتا ہے اس کی تصدیق آپ کو ان موجودہ نمبروں سے بھی ہو گی۔" [ماہنامہ الرضا، شوال المکرم، ۱۳۳۸ھ ص ۸]

رسالہ کے ایک سال مکمل ہونے پر مدیر رسالہ نے پرچہ کی قیمت میں اضافہ کر دیا اور فی پرچہ ساڑھے چار آنہ علاوہ محصول ڈاک اور سالانہ دو روپے کے بجائے تین روپے تین آنہ، مع محصول ڈاک، مقرر کر دیا۔ اور اس کی اصل وجہ کاغذ کی گرانی اور کتابت و مطبع کا خرچ زائد ہو جانا تھا۔ مدیر موصوف نے رسالہ کی اشاعت جن جذبات کے زیر اثر اور جن مقاصد کے تحت کی تھی یہ گرانی و مہنگائی اس کے مانع تھی۔ اس دکھ درد اور تکلیف کی تفصیل مدیر موصوف نے کچھ اس طرح سپرد قرطاس کی ہے ملاحظہ ہو:

معزز ناظرین:

آج آپ کے پرچے کو جاری ہوئے پورا ایک سال ہوا۔ میں نے اسے مذہب حق کی اشاعت اور دین متین کی حمایت کی نیت سے جاری کیا ہے۔ میرا اس سے شہرت طلبی یا فقط کسب معاش کا ہرگز ارادہ تھا اور نہ ہے۔ مگر اس کے اجرا کے لیے ابتدائی ایک کافی رقم درکار تھی جبھی اس کا تخمینہ کیا گیا تھا جو تخمینہ اس کی یک سالہ ضرورتوں کو کافی سمجھا گیا تھا اسی کی مناسبت سے اس کی سالانہ قیمت رکھی گئی تھی۔ کاغذ کے نرخ کی نسبت میں صحیح رائے قائم نہیں کرسکتا کہ کیوں بڑھا جو کاغذ اس وقت سات روپیہ رم پر بکثرت مل رہا تھا کچھ روز بعد اس کی قیمت میں اضافہ ہونا شروع ہوا اور سات روپیہ سے چل کر آج تیرہ روپیہ بارہ آنے تک اس کی قیمت پہنچ چکی ہے۔ اور ملتا اس پر بھی نہیں رہی لکھائی چھپائی وہ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ تک ابتدائی نرخ پر رہی مگر شوال ۱۳۳۸ھ میں کاتبوں نے ہڑتال شروع کی اور اس کے دوسرے یا تیسرے جلسے میں ایک نرخ نامہ شائع کردیا جو سابقہ نرخ سے پورا دونا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی پریس مینوں نے پیر پھیلائے اور گزشتہ حبارت کوڈیوڑھا کرا چھوڑا۔ غرض کہ رسالہ کے لیے جتنے ضروری سامان تھے سال گزشتہ کی پچھلی ششماہی ہی میں یکے بعد دیگرے سب گراں ہوگئے۔ چوں کہ وہ درمیان سال تھا مجھے آپ صاحبان سے گزارش کرنے کا موقع نہ تھا۔ خصوصاً جب کہ میں سالانہ قیمت آپ سے پہلے ہی وصول کرچکا تھا۔ اب یہ ابتدائے سال ہے آپ کا پرچہ پورے ایک سال کا ہوکر دوسرے سال میں قدم رکھتا ہے آپ کے پچھلے حقوق سے سبکدوش ہوچکا ہے۔ اب اس کو اپنی سالانہ بقا کے لیے آپ کی گاڑھی کمائی کے کچھ سہام پھر درکار ہیں۔

مگر وہ نہ صرف اس قدر کافی ہوں گے جو سال گزشتہ میں لیے تھے بلکہ اب بجائے دو روپیہ سالانہ کے تین روپے سالانہ علاوہ ایک آنہ فیس منی آرڈر اور دو آنے فیس رجسٹری کے (یکم ستمبر ۱۹۲۰ء سے گورنمنٹ نے بلا رجسٹری شدہ وی وی پی لینا چھوڑ دیا ہے لہٰذا ہر وی پی پر محکمہ ڈاک کی طرف سے دو آنے اور اضافہ ہوگئے جو آپ ہی کے ذمہ رہیں گے۔) اس طرح آپ کو پرچہ کی ایک سال کی خریداری میں اپنی جیب خاص سے تین روپے تین آنے صرف کرنا ہوں گے۔ اور اگر آپ کی خریداری کا آغاز اسی ۱۳۳۹ھ سے ہے تو آپ کو تین جز فوز مبین کے خریدنا ہوں گے جن کی قیمت صرف دو آنہ وصول کی جائے گی۔ ورنہ بغیر اس کے آپ کی کتاب نامکمل رہے گی۔ سال گزشتہ میں الرضا ناوقت پہنچنے سے جو کچھ آپ کو انتظار کی تکلیف گوارا کرنا پڑی اس کی وجہ اگر آپ سنیں گے تو آپ نے جو اس تکلیف سے اثر لیا ہے وہ ان شاء العزیز یقیناً زائل ہوجائے گا۔ ابتدائی رسالہ غیر موقت الشیوع بلا اجازت گورنمنٹ چھپنا شروع ہوا۔ کئی مہینہ کی مسلسل کوششوں کے بعد موقت الشیوع کرنے کی اجازت ملی اس کے بعد شہر میں اسکیم اصطلاحات کا کام شروع ہوگیا جس کی صرف بریلی کے کاتبوں میں سات سو کاپیاں تقسیم کی گئیں۔ اس وقت کتابت کی جن دشواریوں سے مجھے سابقہ پڑا اس کا لطف کچھ میں ہی جانتا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ اسی کام میں پریسوں کی مصروفیت سونے پر سہاگا تھی۔ ان

وجوہ نے مجھے اس پر مجبور کر دیا کہ پرچہ کی غرض ایک پریس کی اپنے نام سے اجازت لوں۔ بنابریں میں نے خدا کا نام لے کے ایک درخواست دے دی اور کچھ دوڑ دھوپ کے بعد اس کی بھی اجازت مل گئی۔ میں بہت پہلے سے جانتا تھا کہ پریس کا کام ایک بڑی دردسری ہے۔

مگر میں نے پرچے کی ضرورتوں کے لحاظ سے اسے بھی برداشت کر لیا۔ درس تدریس کا مجھے ایک زمانہ سے شوق ہے مجھے اپنے اس شوق میں اپنے قدیمی محسن مدرسہ اہل سنت سے بڑی مدد ملتی رہتی ہے اس متبرک دار العلوم نے اپنی ضرورت سے پچھلے دنوں مجھے دو درجے کا مدرس کر دیا تھا جس سے بظاہر بار بڑھنا سمجھا جاتا ہے مگر حقیقتاً میرے شوق کی تکمیل ہوتی تھی اب جب میں نے پرچے کے کاموں میں الجھن دیکھی تو میں ایک درجے کے درس سے ابھی اسی ذی الحجہ ۳۸ھ میں دست کش ہو گیا۔ میں نے جب محض اس پرچہ کو جاری رکھنے کے لیے اپنے شوق کا خون کیا ہے اور پریس کے دردسر کو اپنے سر لیا ہے تو آپ بھی کچھ تکلیف گوارا فرمائیں۔ اور اس کی اشاعت میں سرگرمی دکھائیں۔ آپ کا یا آپ کے احباب کا جو روپیہ اس پرچہ کی خریداری میں صرف ہوا ہے یا ہوگا وہ نہ صرف اس کی خریداری میں صرف ہوا ہے یا ہوگا بلکہ وہ دین کی حمایت اور ملت بیضا کی اشاعت میں صرف ہوا ہے اور ہوگا۔ جو مسلمانوں کی دولت کا بہترین مصرف ہے۔"

[ماہنامہ الرضا، ذی الحجہ، ۱۳۳۸ھ ص ۷، ۸]

رسالہ کب تک جاری رہا اس کی تفصیل فقیر کو نہیں ملی البتہ فقیر کے اندازے کے مطابق لگ بھگ امام اہل سنت کے وصال تک رسالہ جاری رہا۔ فقیر کی لائبریری میں محرم ۱۳۳۸ھ سے ربیع الاول ۱۳۳۹ھ تک کے شمارے موجود ہیں اسی کے مطابق رسالہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ باقی شماروں کی تلاش جاری ہے۔

ماہنامہ قہر الدیان:

بیسوی صدی کے اوئل میں قادیانی فتنہ زوروں پر تھا۔ جس کے سدباب کے لیے ہر طرح کوششیں جاری تھیں۔ انہیں کوششوں میں سے ایک سعی جمیل ماہوار رسالہ "قہر الدیان علی مرتد بقادیان" ہے۔ جو رجب ۱۳۲۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۰۵ء کو برادر اعلیٰ حضرت استاد زمن علامہ حسن رضا خاں علیہ الرحمہ کی زیر ادارت جاری ہوا۔ تاریخی نام "قہر الدیان علی مرتد بقادیان" (۱۳۲۳ھ) رکھا گیا۔

سرورق پر

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ لکھا ہوا ہے۔ ساتھ ہی "یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" مرقوم ہے۔

نیز درج ذیل آیت کریمہ مسطور ہے۔

"ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شیئ"

رسالہ کے نام کے نیچے درج ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے۔

الحمد للہ: مبارک ماہواری رسالہ محمد رسول اللہ خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالف پر قہر الٰہی ڈھانے والا، عیسیٰ مسیح کلمۃ اللہ کے دشمن پر تیغ عذاب چمکانے والا، جھوٹے مسیح مرزا

قادیانی اور اس کے الہام ووحی شیطانی کی بنیاد
گرانے والا، محمدی فتح کے پھریرے اڑاتا،
اسلامی شان کے نشان چمکاتا۔"

اور پھر ادارت کے تحت استاد زمن کا اسم گرامی ثبت ہے۔ اور آخر میں مطبع اہل سنت بریلی شریف سے رسالہ کی طباعت واشاعت کا ذکر ہے۔

اس رسالہ کے اجرا کا سبب کیا بنا استاد زمن کی درج ذیل تحریر سے معلوم کریں:

"اللہ عزوجل اپنے دین کا ناصر، اپنے بندوں کا کفیل، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، رسالہ ماہواری ردّ قادیانی کی ابتدا حکمت الٰہیہ نے اس وقت پر رکھی تھی کہ یہاں دوچار جاہلانِ محض اس کے مرید ہوآئے، مسلمانوں نے حسب حکم شرع شریف اُن سے میل جول ارتباط اسلام کلام اختلاط یک لخت ترک کر دیا۔ دین میں فساد مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والوں نے یہ العذاب الادنی دون العذاب الاکبر چکھا۔

مسلمانوں پر حملے میں اپنی چلتی کوئی گئی نہ کی۔ بس نہ چلا تو متواتر عرضیاں دیں کہ ہمارا پانی بند ہے، ہم پر زندگی تلخ ہے، بیدار مغز حکومت ایسی لغویات کو کب سنتی، ہر بار جواب ملا کہ مذہبی امور میں دست اندازی نہ ہوگی۔ سائلان آپ اپنا انتظام کریں۔ آخر بحکم آنکہ ع

دست بگیر د سر شمشیر تیز

ایک بے قید پرچے روہیل کھنڈ گزٹ میں اشتہار چھاپا کہ عمائد شہر علمائے طرفین سے مناظرہ کرائیں اور وہ بھی اس شرط پر کہ دونوں طرف سے وہ خود ہی منتظم رہیں تو ہمیں اطلاع دیں کہ ہم بھی اپنے مرزائی ملانوں کو بلالیں اور اس میں علمائے اہل سنت کی شان میں کوئی دقیقہ بدزبانی و اکاذیب بہتانی وکلمات شیطانی کا اٹھا نہ رکھا۔ یہ حرکت نہ فقط ان بے علم، بے فہم مرزائیوں بلکہ بعونہ تعالیٰ خود مرزا کے حق میں کالباحث عن حتفه بظلفه (اس کی طرح جو اپنی موت اپنے کھر سے کردیے) سے کم نہ تھی۔

ستست بازو بجہل میفگند
پنجہ بامرد آہنیں چنگال

مگر از انجا کہ

عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ

ع: خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دران باشد

یہ ایک غیبی تحریک خیر ہوگئی جس نے اس ارادہ رسالہ کی سلسلہ جنبانی فرمادی۔ اشتہار کا جواب اشتہاروں میں دیا گیا۔ مناظرہ کے لیے ابکار انکار مرزا قادیانی کو پیغام دیا۔ اس کے ہولناک اقوال ادعائے رسالت ونبوت وافضلیت من الانبیا وغیرہا کفر وضلال کا خاکہ اڑایا۔ گالیوں کے جواب میں گالی سے قطعی احتراز کیا۔ صرف اتنا دکھایا کہ تمہاری گالی آج کی نرالی نہیں، قادیانی تو ہمیشہ سے اللہ ورسول وانبیائے سابقین وائمہ دین سب کو گالیاں سناتا رہا ہے۔ ہر عبارت اس کی کتابوں سے بحوالہ صفحہ مذکور ہوئی۔

مضمون کثیر تھا، متعدد پرچوں میں اشاعت منظور ہوئی۔ ہدایت نوری بجواب اطلاعِ ضروری نام رکھا گیا۔ اس میں دعوتِ مناظرہ، شرائط مناظرہ، طریق مناظرہ، مبادیِ مناظرہ سب کچھ موجود ہے۔ اس مختصر تحریر نے اپنی سلک منیر میں متعدد سلاسل لیے سلسلہ دشنامہائے قادیانی برحضرت

ربانی ورسولانِ رحمانی ومحبوبانِ یزدانی، سلسلہ کفریات و ضلالاتِ قادیانی، سلسلہ تناقضات وتہافتات قادیانی، سلسلہ دجالی وتلبیساتِ قادیانی، سلسلہ جہالات وبطالات قادیانی، سلسلہ تاصیلاتِ سلسلہ سوالات اور واقعی وقتی ضرورات مختلف مضامین پر کلام کی مقتضی ہوتی ہیں۔ اور اس کے اکثر رسائل الٹ پھر کر انہیں ڈھاک کے تین پات کے حامل؛ لہٰذا ہر رسالے کے جداگانہ رد سے انہیں سلاسل کا انتظام احسن و اولیٰ، اب بعونہٖ تعالیٰ اسی ہدایت نوری سے ابتدائے رسالہ ہے اور مولیٰ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے۔

اس کے بعد وقتاً فوقتاً رسائل ومضامین حسب حاجت اندراج گزیں مناسب کہ جو کلام جس سلسلے کے متعلق آتا جائے بہ شمار سلسلہ اسی کی سلک میں انسلاک پائے، جو نیا کلام ان سلاسل سے جدا شروع ہو اس کے لیے تازہ سلسلہ موضوع ہو۔ اعتراضات کے تازیانے جن کا شمار خدا جانے اول تا آخر ایک سلسلے میں منضود اور ہر اعتراض حاشیہ پر تازیانہ یا اس کی علامت، ت، لکھ کر جدا معدود مسلمانوں سے تو بفضلہٖ تعالیٰ یقینی امید مدد وموافقت ہے۔ مرزائی بھی اگر تعصب چھوڑ کر خوفِ خدا وروزِ جزا سامنے رکھ کر دیکھیں تو بعونہٖ تعالیٰ امید ہدایت ہے۔" [قہر الدیان، ص ۱ تا ۳]

رسالہ کے آخری صفحہ پر قواعد وضوابط بھی بیان کیے گئے جنہیں ہم من وعن یہاں نقل کر دیتے ہیں:

(۱) یہ رسالہ باذنہٖ تعالیٰ ہر قمری مہینے میں ایک بار شائع ہوگا۔

(۲) اس کی امداد کے لیے صرف ایک روپیہ سالانہ پیشگی عام اشخاص سے مطلوب ہے۔ محصولی ڈاک بھی اپنے ہی پاس سے دیا جائے گا، اور دو روپے سال سے اعانت فرمانے والے معاون رسالہ پانچ روپے سالانہ عطا فرمانے والے معاون کبیر دس روپے سال سے کرم فرمانے والے حضرات معاون اکبر لکھے جائیں گے۔

(۳) جو صاحب دس حضرات سے سالانہ امداد کی رقم پیشگی بھجوائیں گے وہ خود بلا امداد مالی سال بھر تک رسالہ پائیں گے اور جتنی برس وہ زر امداد آتا رہے گا انہیں بلا شرط امداد ذاتی رسالہ پہنچا کرے گا۔

(۴) فی الحال حجم رسالہ اوراقِ حول کے علاوہ صفحہ رکھا گیا ہے۔ آئندہ اگر برادرانِ دینی دو چند حجم کر دینے کی خواہش فرمائیں گے ہر قسم امداد میں صرف ایک روپیہ سالانہ کا اضافہ ہوگا۔

(۵) اس رسالہ کا مقصد صرف مرزا و مرزائیان کا رد اور ان کے ان ناجائز حملوں کا دفاع ہوگا، جو انہوں نے عقائد اسلام وانبیائے کرام خصوصاً سیدنا عیسیٰ وحضرت مریم وخود حضور سید الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام حتی کہ رب العزۃ ذوالجلال والاکرام پر کیے ہیں۔ دوسرے فرقوں کا رد اس کا موضوع نہیں۔ اس کے لیے بعونہٖ تعالیٰ مبارک رسالہ تحفہ حنفیہ عظیم آباد نیز اہل سنت کی اور کتب کافی ووافی ہیں۔

(۶) یہ رسالہ کہ بطور بیع وشرا شائع ہی نہ ہوا بلکہ اپنے بھائیوں سے محض بہ قصد نصرتِ دین، امدادِ رسالہ واعانت طبع کے لیے وہ رقوم مطلوب ہیں، اور رسالہ بھی اسی نیت اور دین کی حمایت کے لیے انہیں نذر ہے۔ جن صاحبوں کے پاس بلا طلب جائے اوّل پرچہ پر انہیں اطلاع فرما دینی چاہیے کہ امداد منظور ہے یا نہیں، بحالت سکوت قبول امداد متصور ہوگا۔

(۷) اس کا آغاز سال رجب ۱۳۲۳ھ سے ہوا جو حضرات وسط سال میں شرکائے امداد و اعانت ہوں گے؛ حتی الامکان شروع سال سے پرچے ان کی خدمت میں حاضر کیے جائیں گے کہ کلام اپنے سلسلے سے انہیں پہنچے۔

(۸) اہل علم جو مضمون عطا فرمائیں گے بحال معمولی امداد رسالہ ضرور ان کے نام سے درج ہوگا اور بلا امداد اندراج کا اختیار رہے گا؛ مگر بہر حال لازم ہوگا کہ مضمون حدود مقصود رسالہ کے اندر اور مخالفت مذہب و شرع سے باہر ہو، یا ہم اجازت دی جائے کہ جو لفظ یا مضمون ہم ایسا پائیں حذف یا تبدیل کر دیں مضمون صاف لکھا ہوا مع نام و نشان صاحب مضمون ہونا ضرور ہے۔

(۹) مضمونِ طویل متفرق پرچوں میں پورا ہوگا۔ اگر کوئی صاحب دفعۃً اس کی اشاعت چاہیں تو رسالے کے معمولی حجم سے جس قدر بڑھے گا اس کی اجرت بحساب فی جز عطا کرنی ہوگی اور جتنا بشرط گنجائش حجم معمولی کے ضمن میں آسکے گا اس کی کچھ اجرت نہیں۔ جس مہینے میں کوئی مضمون آئے اگر اس کے پرچہ میں گنجائش نہ ہو پرچہ آئندہ سے اندراج پائے گا۔

(۱۰) خط کتابت بصیغہ پیڈ اور جواب طلب امر کے لیے ٹکٹ یا کارڈ جوابی ہو۔

اور آخر میں استاد زمن کی طرف سے یہ لکھا گیا ہے

''تمام مراسلات وارسال زر اس نشان سے ہوں: بریلی روہیل کھنڈ مطبع اہل سنت و جماعت بنام فقیر مشتہر محمد حسن رضا خان قادری برکاتی کان اللہ لہ فی الحاضر والآتی۔ آمین۔''

رسالہ کا فقط پہلا شمارہ ہی دستیاب ہے۔ باقی کی تلاش جاری ہے۔

ہفتہ وار، روز افزوں

بریلی شریف سے ۱۹۰۲ء میں استاد زمن کے زیر نگرانی اور آپ کے تلمیذ رشید سید محمد محمود علی متخلص بہ عاشق بریلوی کے زیر ادارت ایک ہفتہ وار اخبار ''روز افزوں'' جاری ہوا۔ ماہنامہ بہار بے خزاں میں اخبار کی تفصیل اس طرح درج ہے۔ ملاحظہ ہو:

''اخبار ''روز افزوں'' نے ملک میں اپنی روز افزوں ترقی ۱۹۰۲ء سے نہایت مستعدی کے ساتھ حمایت مذہب اور پولیٹکل معاملات پر اپنی آزادانہ ظاہر کر کے بڑا نام پیدا کیا ہے۔ ہم اس کی نسبت ناظرین والاتمکین کی خدمت میں ایسا اخبار دیکھنے کا شوق ہے جو بچوں کا دوست، جھوٹوں کا دشمن، قوم کا خیر خواہ، گورنمنٹ کا مشیر، رعایا کے حقوق کا دستگیر ہو تو شہر بریلی کا مشہور اخبار 'روز افزوں' ہفتہ وار دیکھئے جس میں ہر شخص کی طبیعت کا عمدہ سامان موجود ہے۔ اگر آپ کو فاضلانہ مضامین پڑھنے سے شوق ہے تو ایڈیٹوریل مضامین ملاحظہ فرمائیں اور اگر آپ کو علم دین اور مسائل شرعیہ سے دلچسپی ہے تو مذاکرہ علمیہ سے آپ کی پوری تسکین ہو سکتی ہے اگر آپ خبروں کے شائق ہیں تو عطر مجموعہ اور جام جہاں نما کی سیر کیجئے اگر آپ کو شعر و سخن سے

دل بستگی ہے تو نامی گرامی شعرائے زمانہ کا کلام جو نہایت حسن انتظام سے شائع کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمایئے۔''

[چند شعرائے بریلی، ص ۱۴۴، ۱۴۵]

بریلی کے نامور ادیب ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیبؔ، اخبار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس زمانہ میں یہ اخبار بہت ہی دلچسپ ہوگا۔ کیوں کہ میں ہر شخص کی طبیعت کا عمدہ سامان موجود تھا۔ اس اشتہار سے حسن رضا خاں حسنؔ اور ان کے شاگرد و مہتم اور ایڈیٹر محمود علی عاشق کی ذہانت و وسیع النظری کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ گویا وہ صرف شاعر و عالم دین ہی نہ تھے دنیا کا پختہ تجربہ رکھنے والے ایک صحافی بھی تھے''

[مرجع سابق، ص ۱۴۵]

رسالہ کی بابت یہی تفصیل مل سکی مزید کی تلاش ہے۔

<u>ماہوار، بہارِ بے خزاں</u>

ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق فروری ۱۹۰۲ء بریلی شریف سے استاد زمن کی نگرانی میں مدیر اخبار روز افزوں کی ادارت میں جاری ہوا۔ رسالہ کا نام بابائے شعر و سخن داغ دہلوی نے تجویز کیا۔

رسالہ کے سن اجراء کے تعلق سے محترم احمد خاں آثمؔ بریلوی نے درج ذیل تاریخی شعر لکھا:

لکھی تاریخ آثمؔ نے یہ اس کی
بہت زیبا بہارِ بے خزاں ہے

شعر کے دوسرے مصرعہ سے رسالہ کا سال اجرا یعنی ۱۳۲۰ھ برآمد ہوتا ہے۔

بریلی کے نامور ادیب ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیبؔ، اپنی کتاب ''چند شعرائے بریلی'' میں رسالہ، اور مدیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

بہارِ بے خزاں کا فروری ۱۹۰۳ء میں اجرا ہوا۔ حضور احمد آثم خاں بریلوی نے تاریخ لکھی تھی ؎

لکھی تاریخ آثمؔ نے یہ اس کی
بہت زیبا بہارِ بے خزاں ہے

گلدستہ، کا نام مرزا داغؔ نے عطا فرمایا تھا اور وہ اس کے سرپرست بھی تھے اس کے سرورق پر یہ تحریر موجود ہے ''ہم بہت فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمیں گلدستہ کے لئے یہ مبارک نام جہاں استاد ناظم یار جنگ بلبل ہندوستان عالی جناب حضرت نواب مرزا خاں صاحب داغؔ مدظلہ نے عطا فرمایا تھا۔۔۔۔۔۔ میر محمود علی نام عاشقؔ تخلص تھا۔ بریلی کے باشندے تھے۔ حسنؔ سے تلمذ تھا۔ اور ان کے چہیتے شاگرد تھے۔ ان کے ساتھ حسنؔ کا سلوک اپنے بیٹوں جیسا تھا۔ پیشہ تجارت تھا ان کے والد ٹوپیوں کی دکان رکھتے تھے۔ بہ حیثیت مجموعی مالدار آدمی تھی۔ حسنؔ کے مطبع اہل سنت، روز افزوں اور بہارِ بے خزاں کے متعلق جملہ امور ان سے متعلق تھے، خوش گو شاعر تھے۔ ایک شعر بطور نمونہ یہ ہے:

مزا جینے کا کچھ مل جائے دل کو عشق مژگاں میں
الٰہی ٹوٹ کر رہ جائیں یہ پھانسیں اگر جاں میں

[مرجع سابق، ص ۱۴۴، ۱۴۵]

رسالہ کے تعلق سے مزید تفصیل دستیاب نہیں۔

ماہنامہ، یادگار رضا:

ماہوار رسالہ یادگار رضا، ربیع النور ۱۳۴۵ ہجری مطابق ستمبر ۱۹۲۶ء کو جماعت رضائے مصطفی بریلی شریف سے حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ کی سرپرستی، مفسر اعظم علامہ ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام قاضی احسان الحق نعیمی علیہ الرحمہ کی ادارت میں شروع ہوا۔

رسالہ کے اجرا کی اطلاع دیتے ہوئے اخبار الفقیہ لکھتا ہے:

"اہل سنت کا مذہبی اخلاقی معاشرتی تمدنی تاریخی ماہوار یادگار رضا رسالہ ہر قمری ماہ کی پہلی تاریخ کو ماہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ سے جاری ہو کر دفتر جماعت رضائے مصطفی سے زیر ادارت جناب مولانا قاضی احسان الحق صاحب نعیمی معتمد عمومی جماعت مبارکہ شائع ہوگا۔ حجم دو جز تقطیع ۲۶+۲۰۔ چندہ سالانہ مع محصول ڈاک چار روپے۔ ممبران جماعت سے خاص رعایت۔ جملہ درخواستیں بنام ناظم جماعت مبارکہ آنی چاہئے"

[اخبار الفقیہ، ۲۸ر اگست ۱۹۲۶ء ص ۱۱]

تین ماہ تک رسالہ قاضی احسان الحق نعیمی کے زیر ادارت نکلا اور پھر جمادی الآخریٰ ۱۳۴۵ھ سے مولانا ابوالمعانی محمد ابرار حسن صدیقی تلہری اس کے مدیر ہو گئے۔ اور مولانا ابوالفرح محمد علی حامدی رسالہ کے نائب مدیر مقرر ہوئے۔ مدیر رسالہ مولانا ابوالمعانی نے جب ادارت کی ذمہ داری سنبھالی تو قاضی صاحب کی ادارت اور ان کی خدمات کا ذکر جمیل کرتے ہوئے اپنے مدیر ہونے کی اطلاع کچھ اس تفصیل سے پیش کی۔ ملاحظہ ہو:

ودیعت ادارت اور میں

آسمان بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

مجھ سے پیشتر یادگار رضا کی قلمی خدمات کے لیے محترمی حضرت مولانا قاضی احسان الحق صاحب نعیمی مدظلہ کا انتخاب ہوا تھا۔ بلکہ یادگار رضا کی افتتاح ان کے دست ادارت ہی سے ہوئی۔ قاضی صاحب کے عہد میں یادگار رضا نے اپنی جو حیثیت قائم کی اور انہوں نے یادگار رضا کو جس سطح تک پہنچا دیا اور اپنا دورۂ ادارت جس خوش اسلوبی سے پورا کیا یہ جملہ امور ارباب نظر پر مخفی نہیں۔ میرے نزدیک قاضی صاحب کا یہ کمال ہی قابل تحسین ہے کہ وہ گو یادگار رضا کو اوج کمال تک اس زمانۂ قلیل میں نہ پہنچا سکے مگر یہ بھی کیا کم ہے کہ انہوں نے اس کی فضائے ارتقا کو زوال پذیر نہ ہونے دیا۔ اس حقیقت کا اقرار قرین انصاف ہے کہ قاضی صاحب کو یادگار رضا سے خلوص اور اس کی خدمات کی انجام دہی میں گونہ دلچسپی تھی۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ جلد از جلد یادگار رضا کو معراج ارتقا پر گامزن دیکھتے۔ مگر افسوس کہ ان کی یہ آرزو دائرۂ تمنا سے نکل کر سرگرم عمل نہ ہونے پائی تھی کہ دفعتاً ان کے ذاتی اور خاندانی علائق نیز ان کی علالت نے ان کو مجبور کر دیا۔ ان میں اس ودیعت کی بار برداری کی تاب نہ رہی۔ ادھر تو ان کی مجبوریوں نے ان کو اس اہم اور ضروری خدمت سے بے نیاز کیا۔ اور اُدھر کاتب قضا و قدر نے ان کی حکم معذوری نافذ فرما دیا۔ یہ زمانہ یادگار رضا کے لیے نہایت ہی نازک

اور پر آشوب تھا۔ اور اُس کو خدمات قلمی کی سخت احتیاج۔

بالآخر ارباب حل وعقد نے مجھ کم مایہ اور قلیل البضاعت کو اس گنجینۂ علم وخرد کا کلید بردار بنایا اور ودیعت ادارت میرے سپرد کر دی۔ گو اس تفویض خدمت اور تحویل ودیعت پر مجھ کو اپنی کم بضاعتی اور انہماک تعلمی کا خیال کرتے ہوئے صدائے لبیک لب پر لانے کی جرأت نہ ہوتی تھی مگر میرے وہ خالص جذبات جو دامن یادگار رضا سے وابستہ تھے میری اس معمولی سی رکاوٹ پر مچل گئے میں نے بھی دیکھا اور غور کیا کہ یادگار رضا کو قلمی خدمات کی ضرورت ہے۔ باوجود اس کے کہ میں مدعی خلوص ہوا گر اس وقت میں نے یادگار رضا کی خدمات کے لیے اپنی جبین نیاز کو نہ جھکایا اور ان کو اپنا فرض نہ سمجھ کر ان کی انجام دہی کی خاطر قدم ہمت آگے نہ بڑھایا تو یہ میری انتہائی جبانت اور کم ہمتی ہے۔ بہر حال اس ودیعت کے بار گراں کو میرے ناتواں بازوؤں نے ہمت کے سہارے اٹھالیا۔ اور میں نے اللہ عزوجل کا نام لے کر خدمت ادارت کو قبول کر لیا میں دعا کرتا ہوں کہ رب کریم مجھے ان ناگوار ناہمواریوں سے بچائے کہ جن کی سنگ لاخ روشوں نے میرے ایک مستقل مزاج کو پیشرو کو پسپا کر دیا ہے۔ آمین۔ ابوالمعانی محمد ابرار حسن صدیقی مدیر رسالہ۔“

[یادگار رضا، جمادی الاخریٰ ۱۳۴۵ھ جلد ا نمبر ۴ ص ۳ تا ۵]

رسالہ کے سات نمبر مکمل ہو گئے تو اخبار الفقیہ میں درج ذیل خبر شائع ہوئی جس میں رسالہ کے سرپرست ومدیر ومقام اشاعت کے ذکر کے ساتھ ساتھ رسالہ کی خصوصیات اور مندرجات کا بیان نیز رسالہ کی قیمت کا بھی ذکر کیا گیا۔ ملاحظہ ہو:

”یادگار رضا: اہل سنت کا علمی، مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، تاریخی ماہوار رسالہ زیر ادارت ابوالمعانی محمد ابرار حسن صدیقی تلہری وزیر ہدایت حجۃ الاسلام امام العلما حضرت مولانا مولوی مفتی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب مدظلہم الاقدس، جماعت رضائے مصطفی بریلی سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس وقت تک سات (۷) نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ رسالہ کی نمایاں خصوصیت سنت کی حمایت، مذہب اہل سنت کی نصرت، مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اصلاح ہے۔ رسالہ میں اکابر علمائے اہل سنت ونامور اہل قلم کے نادر اور کیف آگیں مضامین درج ہوتے ہیں۔ رسالہ کے متعدد صفحات گر مذہبیات واخلاقیات کے لیے وقف ہوتے ہیں تو بعض اجزا میں ادبیات کی بھی کافی چاشنی مہیا کی جاتی ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ اہل سنت کا یہ واحد رسالہ اپنی ہر خصوصیات کے اعتبار سے شان ندرت ہے۔ رسالہ کی ندرت اور بے مثالی ایک روشن دلیل یہ ہے کہ رسالہ جماعت رضائے مصطفی بریلی سے (جو اہل اسلام کا مرکز ہے) شائع ہوتا ہے۔ اگر آپ کو ہندوستان کے

اکابر علما اور نامور اہل قلم کے مضامین سے مستفیض ہونا ہے تو یادگار رضا ضرور منگایئے۔
قمیت سالانہ عوام سے تین روپیہ ممبران جماعت سے۔۔۔۔ ملنے کا پتہ:
دفتر جماعت رضائے مصطفی محلہ سوداگران بریلی۔" [الفقیہ، ۲۱/مارچ ۱۹۲۷ء ص ۱۱]
یادگار رضا کے کئی خصوصی نمبر بھی شائع ہوئے جن میں سے عید میلاد نمبر، مومن نمبر اور کانگریس نمبر کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔

عید یادگار رضا کا عید میلاد نمبر:

ماہ ربیع النور شریف ۱۳۴۸ھ میں یادگار رضا کا خاص نمبر عید میلاد کے نام سے شائع ہوا۔
مدیر رسالہ اس خصوصی نمبر کے حوالے سے جرعات کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

"ربیع الاول شریف کا مہینہ جو یادگار رضا کے آغاز کا پہلا مہینہ ہے اسی مبارک مہینہ کی بارہویں تاریخ کو شہنشاہ کونین آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی جان بخش اور روح پرور یاد کو تازہ کرنے کے لیے دنیائے اسلام میں عید میلاد منائی جاتی ہے ہر مسلم کے دل میں جذبات مسرت کا سمندر موجیں مارا کرتا ہے۔ اور ہر اسلامی گھر سے شادیانوں کی مسرور کن آوازیں فضا میں گونجتی ہوئی نظر آیا کرتی ہیں۔ اس مہتم بالشان واقعہ کی یاد تازہ رکھنے اور سرکار مدینہ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ سے دنیائے اسلام کی بصیرت افروزی کے لیے ملک کے اخبارات ورسائل خاص نمبر نکالا کرتے ہیں۔ جنھیں میلاد نمبر رحمۃ للعلمین نمبر وغیرہ وغیرہ عنوانات سے معنون کیا جاتا ہے۔ اس مرتبہ ہماری بھی یہ تمنا تھی کہ ہم بھی اپنے آقا کی ولادت باسعادت اور اپنے مولی کی عید میلاد کی مسرت اور خوشی میں یادگار رضا کا خاص نمبر نکالتے ، جس میں سرکار کی سیرت اور اسوۂ حسنہ کو مسلمانان عالم کے سامنے پیش کیا جاتا۔ مگر افسوس:
اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، یادگار رضا کی مالی واقتصادی حالتوں کی کمزوریوں نے ہماری اس تمنا کو پورا نہ ہونے دیا۔ مجبوراً ہمیں یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اگر خاص نمبر نہ سہی تو کم ازکم اسی خصوصیت کو ملحوظ رکھا جائے کہ اس نمبر میں وہی مضامین نثر و نظم درج کئے جائیں کہ جن کا تعلق تاجدار مدینہ کی سیرت، اسوۂ حسنہ اور اخلاق وخصائل سے ہو۔ اسی خصوصیت کی بنا پر جو مضامین مسلسل چھپ رہے تھے وہ بھی نہیں درج کئے جاسکے۔ ہمیں اس امر کا اقرار ہے کہ یہ نمبر اگرچہ خصوصی نمبر نہیں لیکن اس نمبر کا عید میلاد رسول کے عنوان سے معنون کیا جانا محض حصول برکت کے لیے ہے۔" [یادگار رضا، ربیع الاول ۱۳۴۸ھ

ص ۳، ۴]
نمبر مجموعی اعتبار سے معیاری ہے۔ عمدہ مضامین اور منظومات نمبر کا خاص حصہ ہیں۔

یادر رضا کا، مومن نمبر:

یہ نمبر دراصل مسئلہ کفو کی الجھی گتھی کو سلجھانے اور اہل اسلام کے مابین برادری کے نام پر فتنہ پروری اور معرکہ خیزی کو ختم کرنے کی ایک سعی جمیل اور مبارک کوشش تھی۔

مومن نمبر کے حوالے سے اخبار الفقیہ میں درج ذیل خبر دلچسپی سے تعلق رکھتی ہے پیش ہے ملاحظہ فرمائیں:

''مومن نمبر یادگار رضا کا خاص نمبر ہے۔ مومن نمبر کے مفید اور کارآمد مضامین قابل دید ہیں۔ ان دنوں مسئلہ کفو کی نہایت شدومد کے ساتھ مخالفت کی جارہی ہے۔ شریعت نے اس مسئلہ کو نکاح بیاہ میں جس قدر ضروری اور قابل لحاظ سمجھا اسی قدر اس مسئلہ کو غیر ضروری، بے اصل اور ناقابل اعتبار قرار دیا جارہا ہے۔ سارے مومن بھائی یعنی جامہ باف حضرات سے بعض ناعاقبت اندیش لوگ اس مسئلہ کی مخالفت میں بہت زیادہ حصہ لے رہے ہیں۔ جو فی الحقیقت اس مسئلہ کی نہیں بلکہ شریعت کی مخالفت کررہے ہیں۔ مومن نمبر میں اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملک کے علمائے اسلام نے اس مسئلہ پر زبردست تبصرہ فرمایا ہے۔

اور قابل قدر مضامین تحریر فرمائے ہیں۔ وہ سب مومن نمبر میں شائع کئے گئے ہیں۔ اپنی کفو میں شادی بیاہ کرنے میں حکمتیں اور مصلحتیں ظاہر کی گئی ہیں اور غیر کفو میں جو نکاح کرنے سے برے نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا ثبوت دیا گیا ہے۔ مومن نمبر میں مولوی سید سلیمان صاحب ندوی کے رسالہ کفو کا جس میں انہوں نے اس مسئلہ کو شرعاً بے اصل بتایا ہے۔ زبردست رد ہے۔ پنچائتی اقوام کو اس مسئلہ میں علمائے حقانی کی جانب سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کا تسلی بخش جواب دیا گیا ہے۔ مومن نمبر کا کاغذ، کتابت، طباعت عمدہ ہے۔ اور قیمت رعائتی صرف چھ روپے ہے۔ پتہ جماعت رضائے مصطفی بریلی۔'' [الفقیہ، ۲۱؍فروری ۱۹۲۹ء ص ۱۰]

اخبار کی درج ذیل خبر بھی ملاحظہ ہو:

''مومن نمبر یادگار رضا کا خصوصی نمبر ہے۔ یہ نمبر علمی وفقہی معلومات کا گنجینہ ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی ہر طرح دیدہ وزیب بنانے کی کوشش بلیغ کی گئی ہے۔ مومن نمبر کے اوراق کو اکابر علمائے اسلام کے دلچسپ مفید اور کارآمد مضامین سے مزین کیا گیا ہے۔ مومن نمبر میں مسئلہ کفو پر خصوصیت سے قلم اٹھایا گیا ہے۔ اس میں مسئلہ کفائت پر جس دل نشیں اور دلچسپ پیرایہ وانداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ قابل دید ہے۔

جامہ باف اصحاب میں مسئلہ کفائت کے ضمن میں وغلط فہمیاں شریعت وعلما کی طرف سے پیدا کردی گئی ہیں مومن نمبر میں سب کا بالکلیہ ازالہ کردیا گیا ہے۔ مومن نمبر میں حالات افغانستان پر شرعی نقطۂ نظر سے زبردست تبصرہ

کیا گیا ہے۔ امان اللہ خاں اور بچہ سقہ کا حکم بتایا گیا ہے۔ امان اللہ خاں پر الزام کفر اور بچہ سقہ کی بغاوت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیار ہونے سے پہلے ہی دفتر میں کثرت سے درخواستیں موصول ہو رہی تھیں۔ بفضلہ تعالیٰ اب مومن نمبر تیار ہو گیا خریداری کی درخواستیں جلد آنی چاہیے۔ ضخامت ۱۳۰ صفحات ٹائٹل خوبصورت اور رنگین سائز تیس بائی چالیس۔ کاغذ سفید، چکنا۔ مومن نمبر مفت حاصل کرنے کے لیے یادگار رضا کے خریدار ہو جائیں چندہ سالانہ تین روپے بھیج دیں۔ ایجنٹوں کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ ملنے کا پتہ دفتر جماعت رضائے مصطفی بریلی۔''

[مرجع سابق، ۷/اپریل ۱۹۲۹ء ص ۱۰]

یادگار رضا کا، کانگریس نمبر:

یادگار رضا کے شمارہ بابت رجب وشعبان ۱۳۴۹ھ کو کانگریس نمبر سے معنون کیا گیا۔ اس نمبر کے مندرجات اور خصوصیات اخبار الفقیہ کی درج ذیل تحریر سے معلوم کریں۔:

''شورش حاضرہ نے ہندوستان میں جو تہلکہ مچا دیا ہے۔ اس کا اقتضا تھا کہ مسئلہ کانگریس اور حالات حاضرہ پر ایک مدلل ومفصل بحث کی جائے۔ جس سے ملک وقوم کو اس نازک زمانہ میں کافی فائدہ اٹھانے کا موقع ملے۔ کارکنان یادگار رضا نے اس ضرورت کو محسوس کر کے کانگریس نمبر کو نہایت آب وتاب کے ساتھ شائع کیا۔ الحمد للہ کہ کافی جانکاہی کے بعد کانگریس نمبر چھپ کر تیار ہو گیا۔ کانگریس نمبر میں جس قدر مضامین ہیں وہ حالات حاضرہ ہیں۔ کانگریس نمبر میں قانون شکنی، ولایتی اشیا کا بائیکاٹ، اسکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ، ولایتی کپڑے کی فروخت یا اس کا بائیکاٹ، کھدر کی تحریک، مسلمانوں کو ولائتی کپڑا استعمال کرنا چاہیے یا سودیشی، دکانوں اسکولوں، کالجوں پر۔۔۔ اس شورش میں جو مسلمان مارے جاتے ہیں ان کا حکم؟

کانگریس نمبر میں ان باتوں پر شرعی وعقلی ہر حیثیت سے ایسی جامع مفصل اور غیر جانبدارانہ بحث کی گئی ہے جو اس وقت آپ کی نظر سے نہ گزری ہوگی۔ کانگریس نمبر ایک ایسا نادر اور بیش قیمت مجموعہ ہے جس کی ہر ہر سطر پر اس زمانہ میں نظر ہونا جب کہ ملک حکومت سے آزادی کی جنگ کر رہا ہے۔ ہر مسلمان کے لیے ایک لازمی امر ہے۔ جلد طلب فرمائیے۔ ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا ہوگا۔ قیمت ۸ روپے۔

نوٹ: وہ لوگ یادگار رضا کے اس وقت سے مستقل خریدار ہو جائیں گے انہیں کانگریس نمبر مفت ملے گا۔ اخبارات ورسائل کے ایجنٹوں کو معقول کمیشن ملے گا۔ ملنے کا پتہ: دفتر جماعت رضائے مصطفی بریلی۔

(منیجر یادگار رضا بریلی)

[مرجع سابق، ۱۴/ جنوری ۱۹۳۱ء ص ۱۲]

یقین ہے ان نمبروں کے علاوہ بھی نمبر شائع ہوئے ہوں گے مگر وہ دستیاب نہیں۔ تلاش جاری ہے۔ ابتدا میں رسالہ کی قیمت سالانہ چار روپے رکھی گئی۔ اور پھر عوام وخواص ، امیر وغریب، سب تک بآسانی رسالہ پہنچ سکے، سبھی اس سے مستفید ہو سکیں اس غرض سے جمادی الاخریٰ ۱۳۴۵ھ سے رسالہ کی قیمت تین روپے کر دی گئی۔ اور جب احباب نے مشورہ دیا کہ بہت سے غریب باذوق حضرات اپنی غربت ومفلسی کے سبب رسالہ خریدنے سے قاصر ہیں تو ان کے استفادے کے لیے رسالہ کی قیمت ربیع الاول ۱۳۴۷ھ سے بجائے تین روپے کے دو روپے کر دی گئی۔

اور چوں کہ رسالہ کی طباعت واشاعت جماعت رضائے مصطفی کے زیر اہتمام تھی اس لیے چندہ کی کمی اور رسالہ کے عدم تعاون اور زر سالانہ کم کرنے کی وجہ سے جماعت کا مالی نقصان لازمی تھا۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ اہل خیر حضرات کو اس کی اطلاع دی جائے اور ان سے دینی تعاون کی درخواست کی جائے تاکہ رسالہ بھی جاری رہے اور جماعت کا نقصان بھی نہ ہو۔ اور اس طرح جو بھی توجہ دلاتا اس کی آواز معتبر ومسموع ہونا بھی ضروری تھی اس لیے رسالہ اور جماعت کی خاطر شہزادگان اعلیٰ حضرت یعنی حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہما کی ایک تحریر منیر بعنوان فرمان، رسالہ میں شائع ہوئی جسے ہم یہاں من وعن نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

مبسملا و محمدلا و مصلیا و مسلما

ہمیں یہ معلوم کر کے کہ گزشتہ تین سال میں جماعت مبارکہ کو "رسالہ یادگار رضا" کی بدولت شدید مالی نقصان برداشت کرنا پڑا، سخت افسوس ہوا۔ یہ جماعت مبارکہ کا ایثار اور اس کا اعانت دین کا صادق جذبہ ہے کہ وہ اس قدر شدید مالی نقصان اٹھانے کے بعد انتہائی اولوالعزمی کے ساتھ یادگار رضا کو جاری رکھنے کے لیے تیار ہے۔ ہم یہ ظاہر کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ یادگار رضا کے جاری رکھنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ یہ رسالہ جملہ اہل سنت کا ترجمان ہو کر مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت اور مذہب و مذہبیات کی نشر واشاعت کرتا رہے۔ اور اس کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو عمدہ پیرایہ میں مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جاتا رہے۔ ہمارے خیال میں کوئی مسلمان جماعت مبارکہ کے اس مبارک اور زریں مقصد سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ ہم نے کارکنان یادگار رضا کو اس جانب توجہ دلائی ہے کہ وہ رسالہ کی موجودہ ترتیب کو بدل کر رسالہ کو اس ڈھنگ پر لائیں کہ وہ عورتوں، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کے لیے یکساں مفید ثابت ہو۔ مسلمانوں کے اخلاق اور معاشرت کی اصلاح کی جانب یادگار رضا میں خصوصیت کے

ساتھ لحاظ ضروری اور مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب بھی بوقت ضرورت ہونا لازمی ہے۔

ہم جملہ اہل سنت کو عموماً اور رضوی حضرات کو خصوصاً اس جانب توجہ دلاتے ہیں کہ وہ یادگار رضا کی ہر ممکن اعانت کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس کی اشاعت بڑھانے کی کوشش کریں۔ کیا رضوی حضرات اسے گوارا کریں گے کہ یادگار رضا جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی یادگار ہے وہ بند ہو جائے؟ اگر رضوی چاہتے ہیں کہ حضرت کی یہ یادگار قائم رہے اور اس سے مسلمان دین و دنیا فائدہ حاصل کریں تو ان کا پہلا فرض ہے کہ ہر رضوی رسالہ یادگار رضا اپنے اور اپنے دوست احباب کے نام جاری کرائے اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس کی کافی اشاعت کی کوشش کرے۔ اور یادگار رضا کی ہر ممکن اعانت کو اپنا فرض جانے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ یادگار رضا کو جو ملت حقہ کا سچا حامی و ناصر ہے قائم دائم رکھے اور مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

گدائے آستانہ وخادم سجادہ۔ فقیر حامد رضا قادری غفرلہ۔ فقیر مصطفی رضا قادری عفی عنہ

[یادگار رضا، محرم الحرام، ۱۳۴۸ھ ص ۲]

مختصر یہ کہ رسالہ اپنے دور میں دیگر رسائل و جرائد میں نمایاں و ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اور کیوں نہ رکھتا جب اس کی سرپرستی شہزادگان اعلیٰ حضرت قدس سرہما فرماتے ہوں۔ اور حضور حجۃ الاسلام، حضور مفتی اعظم ہند، تاج العلما، صدر الافاضل، اہل سنت کے مشاہیر علما و مشائخ کی مقدس تحریریں اس کی زینت بنتی ہوں۔

وقت اجرا سے شوال ۱۳۵۰ھ تک کے اکثر شمارے فقیر کے پاس موجود ہیں۔ اس کے بعد رسالہ کی تفصیل فقیر کی نظر سے نہیں گزری۔ تلاش جاری ہے۔

<u>نوری کرن</u>

شعبان ۱۳۷۸ھ مطابق مارچ ۱۹۵۹ء میں بریلی شریف سے نوری کرن ماہوار جاری ہوا۔ صوفی عزیز احمد رضوی بریلوی سرپرست و بانی تھے۔ اور مرتب کتاب شمع شبستان رضا، صوفی مولانا اقبال احمد نوری صاحب ایڈیٹر ہوئے۔

رسالہ میں کئی اہم نمبر شائع ہوئے۔ جنوری، فروری ۱۹۶۱ء کا شمارہ خاص نمبر بنام "خیر البشر" پر مشتمل تھا۔

صفر و ربیع الاول ۱۳۸۱ھ مطابق جولائی، اگست ۱۹۶۱ء کا شمارہ افضل البشر نمبر کی شکل میں شائع ہوا۔ نومبر و دسمبر ۱۹۶۴ء میں مودودی مذہب نمبر شائع ہوا۔ علاوہ ازیں کئی اور نمبرات کا ذکر دستیاب رسائل میں ملا جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

امام احمد رضا نمبر، مفتی اعظم نمبر، محدث اعظم پاکستان

نمبر، تنظیم نمبر۔

حضور مفتی اعظم ہند، برہان ملت، پاسبان ملت، شیر بیشہ اہل سنت، مفتی افضل حسین، فقیہ ملت امجدی ،تاج الشریعہ قدست اسرارھم اور دیگر مشاہیر اہل علم وقلم، مفتیان کرام اور قدآور شخصیات کے مبارک مضامین وفتاوی رسالہ ہیں شائع ہوتے تھے۔

خانقاہ رضویہ اور مشائخ خانقاہ کے معمولات وسرگرمیوں کا تفصیلی ذکر ہوتا تھا۔

جولائی، اگست/۱۹۶۱ء کے شمارہ زیر نظر ہے جس کے حساب سے رسالہ کی قیمت فی پرچہ ۷۵ نئے پیسے ،اور زر رسالانہ ۴/روپے تھی۔ رسالہ شاہی پریس سے طبع ہو کر نوری کرن کے دفتر بازار صندل خاں سے شائع ہوتا تھا۔

رسالہ معیاری، مضامین کا انتخاب عمدہ، اور کتابت وطباعت دیدہ زیب ہوتی تھی۔

فقیر کے پاس جولائی، اگست، ۱۹۶۱ء سے اپریل/۱۹۷۵ تک کے متفرق شمارے موجود ہیں۔ مزید تلاش جاری ہے۔ اندازے کے مطابق رسالہ ۱۹۷۵ء تک ہی جاری رہا۔

اس رسالے سے متعلق پیر سید غلام محی الدین صاحب سلیمانی کشمیری صاحب نے نوری کرن کے حوالے سے زبردست کلام لکھا ہے باذوق قارئین کے لیے ہم اسے یہاں پیش کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

<u>مشعل پر نور ہے نوری کرن</u>

دین حق کا نور ہے نوری کرن
نوریوں کا نور ہے نوری کرن
حق پرست علما ہیں اس کے سرپرست
عدل کا دستور ہے نوری کرن
دین کا اخبار ہے یہ بے ریا
دلربا منظور ہے نوری کرن
دین حق کرتا ہے ظاہر برملا
مشعل پر نور ہے نوری کرن
ناریوں باطل پرستوں پر ہے موت
شعلہ زن مشہور ہے نوری کرن
حق وباطل میں یہی کرتا ہے فرق
حبذا غیور ہے نوری کرن
فرحت قلب سلیمانی ہوا راحت رنجور ہے نوری کرن

[ماہنامہ نوری کرن، جولائی، اگست ۱۹۶۱ ص ۶۹]

<u>ماہنامہ تحفہ رضویہ:</u>

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی سرپرستی اور حضرت حافظ افتخار ولی خاں صاحب پیلی بھیتی کی ادارت میں بریلی شریف سے یہ ماہنامہ اندازے کے مطابق ۱۹۵۵ء میں جاری ہوا۔ لگ بھگ ایک سال درمیان میں بند رہا اور پھر ۱۹۵۷ء کے اواخر میں اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ درمیان رسالہ کے جاری نہ ہونے کے اسباب مدیر رسالہ نے کچھ یوں درج کئے ہیں ملاحظہ کریں:

تحفہ رضویہ کا یہ گیارہواں نمبر ہے جو قریب قریب ڈیڑھ سال کے بعد شائع ہوا ہے ۔اپنی مجبوریاں تحریر کروں تو پرچہ اسی سے پر ہو جائے۔ مختصر یہ کہ آخر نومبر ۵۵ء میں آپ کا مشہور ومعروف رضوی کتب خانہ قائم

کردہ جناب حاجی سید ابو علی صاحب جو تقریباً دو سال سے بند پڑا ہوا تھا فقیر نے اپنے قبضہ میں کیا۔ اور ایک ملازم کے سپرد کر کے زیر مسجد بی بی جی دکان نمبر ۷ رمیں قائم کیا گیا۔ جس کا اعلان فقیر نے اپنے ضمیمہ وفہرست ماہ دسمبر ۵۵ء میں شائع کر دیا تھا۔ فقیر اچانک بیمار پڑ گیا۔ کچھ طبیعت ٹھیک ہوئی اور کبھی کبھی بریلی جا کر سرسری نظر ڈالتا رہا۔ اب میں اپنی شامت اعمال کہوں یا کیا کہوں؟ دکان کا کرایہ اور ملازم کی تنخواہ چڑھتی رہی۔ کتابوں کی فروخت ہوتی رہی لیکن روپیہ کا پتہ نہیں۔
مجبوراً ملازم کو علاحدہ کر کے خود اکتوبر تا دسمبر ۵۶ء تک بریلی میں رہ سب حساب کتاب کرتا رہا۔ ایک سال ایک ماہ تک تقریباً ڈیڑھ ہزار کا نقصان ہوا۔ اس نقصان کا صدمہ ایسا ہوا کہ دوبارہ پھر بیمار ہو گیا۔ تقریباً ۸ رماہ تک طبیعت بہت خراب رہی۔ یہ نقصان کا روپیہ بھی ادا کرنا پڑھ رہا ہے جو اس نقصان کے قرضہ میں اس وقت ـ ـ ـ ـ ـ ادا کرنا ابھی باقی ہیں۔"

[تحفہ رضویہ، جنوری، ۱۹۵۸ء ص ۳]

اس رسالہ کی قدر معیار کو جاننے کے لیے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی درج ذیل تحریر منیر کافی ہوگی۔ ملاحظہ فرمائیں:

"ضروری التماس:

بخدمات جملہ سنی اصحاب خصوصاً رضوی حضرات عزیز سعید برادر دینی ویقینی حافظ افتخار ولی خاں صاحب رضوی سلمہ کو جو جذبۂ خدمت مذہب وملت وحمایت سنت واہل سنت ونکایت بدعت واہل بدعت حاصل ہے، اس سے وہ نہایت قابل مبارکباد لائق ہزار تحسین وآفرین ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں زیادہ سے زیادہ توفیق خدمت دین ومتین حمایت مذہب متین ونکایت مفسدین عطا فرمائے۔ ان کی خدمتوں کو شرف قبول بخشے۔ ان کی خدمات سے اسلام وسنت ومسلمین کو نفع تام دے۔ سنی صاحبان کی بے احساسی دینی ومذہبی رسالوں سے کم رغبتی اور اس نازک ترین دور کی دقتوں کو دیکھتے ہوئے پھر اس دینی رسالہ تحفہ رضویہ کا اجرا بڑی جرات کا کام ہے۔ جو غلبۂ جذبۂ حمایت وسنت ہی کا اثر ہے۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں بہتر سے بہتر جزائے خیر دے۔ اور ہزاراں ہزار برکات دارین سے انہیں مالا مال فرمائے۔
سنی مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اس رسالہ کو ہاتھوں ہاتھ لیں۔ اور برغبت پڑھیں پڑھائیں خود خریدیں اوروں کو اس کی توجہ دلائیں۔ اس کی اشاعت اتنی بڑھائیں کہ ہر مسلمان گھر میں یہ رسالہ پہنچے۔ مسلمان کا ہر ہر فرد بچہ بوڑھا عورت مرد اس کے مضامین

سے بہرہ مند ہو۔ نفع اٹھائے اور اس کے سبب ہر ضرر فتنہ وفساد وشر سے محفوظ رہے۔ علما و روسا و عمائد اہل سنت اس کی سرپرستی فرمائیں۔ حافظ افتخار ولی خاں کے اس تحفۂ رضویہ کو ہر طرح دل چسپ اور دیدہ زیب کر کے سرمایۂ افتخار بنائیں۔ اس خدمت دینی سے رضائے خداوندی رضائے احمدی حاصل فرمائیں۔ فقط۔

فقیر مصطفی رضا غفرلہ [مرجع سابق]

پرچہ کے سرورق پر یہ قطعہ درج ہوتا تھا:

ہے تحفہ تحفۂ ایمان سنت
عیاں ہیں اس سے انوار شریعت
الٰہی یہ رسالہ تا قیامت
رہے جاری بصد عز و کرامت

مجموعی طور رسالہ علمی و تحقیقی مضامین، فتاوی نادرہ اور منظومات پر مشتمل ہوتا تھا۔ رسالہ کی سالانہ قیمت اولاً تین روپیہ رکھی گئی اور دوبارہ اجرا ہونے پر چار روپے کر دی گئی تھی۔

یہ رسالہ غالباً پہلے بریلی اور پھر ۱۹۵۷ء کے اواخر میں پیلی بھیت سے شائع ہوتا تھا۔ بریلی الیکٹرک پریس بریلی، سے چھپ کر شائع ہوتا تھا۔ کب تک جاری رہا اس سلسلے میں کہیں تفصیل نہیں ملی۔

ماہنامہ اعلیٰ حضرت:

جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ مطابق، دسمبر ۱۹۶۰ء کو بریلی شریف خانقاہ رضویہ سے حضور مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں قدس سرہ کی سرپرستی میں رسالہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت جاری ہوا۔ محترم عبد المجید قادری صاحب مدیر مقرر ہوئے۔ ماہنامہ کی اشاعت کے اسباب سے متعلق حضور مفسر اعظم ہند کا درج ذیل تاثر قابل مطالعہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''عرصہ سے ایک ماہنامہ رسالہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی اہل سنت کے پاس نہ رسائل ہیں نہ اخبارات، خصوصاً ہندوستان میں اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر طرف باطل کی سیاہ کالی گھٹائیں چھاتی چلی جارہی ہیں۔ اور اس کا کوئی مداوا نہیں ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں کرنے کی ضروری چیز روزانہ اخبار ماہنامہ رسائل اور مدارس اہل سنت کی بڑے پیمانے پر امداد ہے۔

اس سے بھی زیادہ باہمی تعاون، اعتماد اور کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی مگر جو ہو رہا ہے اور انداز یہ ہے کہ ہوتا رہے گا۔ وہ ہے جمود، تعطل، بے حسی، افراتفری، مخلصوں اور محنت کشوں اور کارکنوں کو تنگ کرنا ان پر بے جا نکتہ چینیاں، گروپ بندیاں اور اس ٹائپ کی اور بہت کچھ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس ضرورت کے پیش نظر یہ رسالہ شائع ہو رہا ہے خدا کرے اس کی اشاعت میں کوئی رکاوٹ نہ پڑے۔ اس عزم پر شائع کیا جارہا ہے۔ بہرحال ضرور شائع ہونا ہے۔ خدا نے

چاہا مستقبل شائع ہوگا۔ یہ رسالہ ایسا ہی چلے گا جیسا دارالعلوم۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت ان شاء اللہ قمر نامہ ہی ہوگا۔ اور یہ ہو کر رہے گا۔"

[ماہنامہ اعلیٰ حضرت، دسمبر ۱۹۶۰ء ص ۲/۳۲، بحوالہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا جشن زریں نمبر۔ ص ۱۳۵]

رسالہ کے پہلے منیجر حافظ انعام اللہ صاحب تسنیمؔ بریلوی نے رسالہ کے اجرا کے موقع پر فارسی منظوم کلام رقم فرمایا جو پہلے شمارے ہی میں شائع ہوا اصحاب ذوق کے لیے پیش ہے ملاحظہ ہو:

چراغ اعلیٰ حضرت جلوہ گر شد
چو مہر و ماہ بر چرخ صحافت
تعالی اللہ از تابانی او
بود روشن دل ہر اہل سنت
بہ کشت نجدیت چوں برق خاطف
چو بارانِ کرم بر اہل سنت
بہ مدحِ مصطفیٰ رطب اللساں ہست
چہ شیریں ہست نامِ اعلیٰ حضرت
بہ زیر سر پرستیٔ براہیم
رخ تاباں نمود ست اعلیٰ حضرت
براہیم آں مفسر آں محدث
کہ چوں او نیست کس در اہل سنت
عرب ہم پیشوائے خویش خوانند
زہے ایں عز و شانِ اعلیٰ حضرت
طفیلِ ساقیٔ تسنیم و کوثر
منم تسنیمؔ مست اعلیٰ حضرت

[ماہنامہ اعلیٰ حضرت، دسمبر ۱۹۶۰ء، بحوالہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا جشن زریں نمبر ص ۳۱۳]

رسالہ کے پہلے مدیر حضرت عبدالمجید قادری صاحب تھے۔ اور پھر اس کے بعد ۱۹۶۴ء میں حضور ریحان ملت علامہ ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ مدیر ہوئے۔ اور آپ کے وصال کے بعد حضرت علامہ سبحان رضا خاں سبحانی میاں دامت معالیھم عہدۂ ادارت پر فائز ہوئے۔ ان حضرات کے علاوہ کئی اصحاب علم و فکر معاون مدیر، کی حیثیت سے رسالہ کی ترویج میں کوشاں رہے۔

۱۹۶۲ء مئی سے ستمبر ۲۰۱۸ء تک مختلف شمارے ہمارے پیش نظر ہیں۔ مئی ۱۹۶۲ء کے شمارہ کے سروق پر جلد کی جگہ قمر اور نمبر کی جگہ طلوع لکھا ہوا۔ اور یہ انداز بالکل منفرد ہے۔ رسالہ کی قیمت چھ آنے اور زر سالانہ چار روپے لکھی ہوئی ہے۔ اور جولائی و اگست ۱۹۶۴ء کے سرورق پر قیمت فی کاپی سات آنے اور سالانہ پانچ روپے لکھی ہے۔ مارچ ۱۹۷۰ء کے سرورق پر فی پرچہ ۶۰ پیسے، اور سالانہ قیمت چھ روپے لکھی ہے۔

رسالہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ رسالے میں علمی تحقیقی، معیاری مضامین ہی شائع ہوئے۔ نامور مشاہیر اصحاب علم و قلم کی علمی و قلمی نوازشات رسالہ کی زینت بنی۔ حضور مفسر اعظم ہند، حضور ریحان ملت، حضور مجاہد ملت، حضور پاسبان ملت، حضور شمس الدین جونپوری، حضور تاج الشریعہ قدس سرھم جیسی قدآور شخصیات کی مبارک تحریریں رسالہ کی زینت رہیں۔

المختصر رسالہ اپنے معرض وجود میں آنے سے

تاہنوز مذہبی و مسلکی ضیا پاشیوں سے قوم کو منور و مشرف کرنے میں مصروف ہے۔

دامن مصطفی:

جنوری ۱۹۸۲ء سے پندرہ روزہ دامن مصطفی بریلی شریف سے جاری ہوا۔ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے حکم پر یہ جاری ہوا جیسا کہ سرورق کی صدر السطور سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔

''بحکم شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت آفتاب شریعت ماہتاب طریقت حضرت علامہ الحاج شاہ محمد مصطفی رضا خاں صاحب غوث عالم مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا''

[دامن مصطفی بریلی، یکم ستمبر ۱۹۸۲ء]

یہ رسالہ نواسۂ حضور مفتی اعظم ہند حضرت خالد ملت علامہ خالد علی خاں علیہما الرحمہ کی سرپرستی اور خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد اعظم علیہ الرحمہ کی ادارت میں ناظم پریس رامپور سے چھپ کر دفتر دامن مصطفی دارالعلوم مظہر اسلام مسجد بی بی بہاری پور بریلی شریف، سے شائع ہوتا تھا۔

رسالہ کی قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے اور سالانہ پندرہ ۱۵روپے رکھی گئی تھی۔

رسالہ سیرت، سوانحات، فتاوی، منظومات اشتہارات وغیرہ مذہبی مضامین پر مشتمل ہوتا تھا۔ مجموعی طور پر رسالہ بہت ہی معیاری ہوتا تھا۔ رسالہ کب تک جاری رہا اس سلسلے میں کچھ تحقیق نہیں۔ البتہ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۶ھ مطابق فروری ۱۹۸۶ء کے ایک رسالہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آگے چل کر یہ رسالہ پندرہ روزہ سے ماہنامہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اور اس کی قیمت فی پرچہ ڈھائی روپے اور سالانہ ۲۵روپے ہو گئی تھی۔

سالنامہ تجلیات رضا:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصانیف اور نادر مخطوطات کی تحقیق، طباعت اور اشاعت کی غرض سے ۲۲/ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ مطابق مارچ ۲۰۰۱ء بروز اتوار اہل سنت کے جلیل القدر علما و مشائخ خصوصاً تحسین ملت حضور علامہ تحسین رضا خاں بریلوی اور بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی قدست اسرارھم کے ہاتھوں امام احمد رضا اکیڈمی کا افتتاح ہوا۔

اور پھر ایک سال بعد یعنی مئی ۲۰۰۲ء میں امام احمد رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام حضرت علامہ مولانا محمد حنیف خاں صاحب رضوی بریلوی دامت معالیھم کی ادارت میں یوم مفتی اعظم ہند کے مبارک موقع پر رضا اکیڈمی کے اغراض و مقاصد، سرگرمیوں کی تفصیل اور اہل سنت خاص کر رضویت کے فروغ کے لیے سالنامہ ''تجلیات رضا'' کا اجرا ہوا۔ جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ تجلیات رضا میں کئی خصوصی نمبر بھی شائع ہوئے۔ فی الحال ہمارے پیش نظر صرف تین خصوصی نمبر ہیں۔

صدر العلماء محدث بریلوی نمبر:

یہ خصوصی نمبر حضور صدر العلما علامہ تحسین رضا خاں رضوی بریلوی قدس سرہ کے عرس چہلم کے موقع پر شائع ہوا۔ حضرت کا وصال ۱۸/رجب المرجب ۱۴۲۸ھ بروز جمعہ ہوا۔ عرس چہلم رمضان المبارک کی آمد کے سبب چار روز قبل ہی منایا گیا۔ لگ بھگ ۲۳، ۲۴ دن میں

۶۴۰ صفحات پر مشتمل نمبر تیار ہوا۔ اکابر علما و مشائخ کے تعزیتی خطوط، تاثرات اور سوانحات پر مشتمل مضامین نمبر کی زینت ہیں۔ نمبر مجموعی طور پر بہت ہی معیاری ہے۔ دیدہ زیب سرورق، عمدہ طباعت اور حسن ترتیب نے نمبر کا وزن مزید بڑھا دیا ہے۔

بحر العلوم نمبر:

بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ کی شخصیت سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ ۷؍ ربیع الآخر، ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۶؍ نومبر ۱۹۲۵ء مبارک پور اعظم گڑھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اور ۱۴؍ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۹؍ نومبر ۲۰۱۲ء شب جمعہ آپ کا وصال ہوا۔ ایک سال کے بعد یعنی ۲۰۱۳ء میں آپ کی مذہبی و مسلکی خدمات اور علمی سرگرمیوں کے حوالے سے تجلیات رضا کا خصوصی شمارہ بعنوان ''بحر العلوم نمبر'' شائع ہوا۔ یہ نمبر بارہ سو (۱۲۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں اکابر علما و مشائخ کے تاثرات، تعزیتی خطوط، بحر العلوم کی علمی و عملی سرگرمیوں اور حیات مبارکہ کے اکثر گوشوں پر اہل قلم کے مضامین شامل ہیں۔ مختصر یہ کہ نمبر بحر العلوم کے تعارف میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ طباعت، ترتیب مضامین، عناوین کا حسن انتخاب خوبصورت سرورق نے کتاب کی زینت میں چار چاند لگا دئے ہیں۔

جہان تاج الشریعہ:

نبیرہ اعلیٰ حضرت حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خان ازہری قادری نور اللہ مرقدہ، ۲۰؍ جولائی ۱۹۴۲ء مطابق ۱۴؍ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ منگل کے دن محلہ سوداگران بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ اور ۶؍ ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰؍ جولائی ۲۰۱۸ء بروز جمعہ بوقت مغرب آپ کا وصال ہوا۔ ۳۰؍ اگست ۲۰۱۸ء بروز جمعرات عرس چہلم کی تقریب عمل میں آئی۔

آپ کے وصال کا غم ابھی بھی تازہ ہے۔ آنکھیں ابھی تک نم ہیں۔ تاج الشریعہ خود میں ایک انجمن تھے۔ ایک ادارہ تھے۔ ایک خاندان تھے۔ ان کے وصال سے اہل سنت پر سکتہ کی کیفیت طاری ہے۔ ہندو پاک بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کے وصال پر رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ تحریری و تقریری اپنے اپنے طور پر لوگوں نے خراج پیش کیا۔ حضرت کے عرس چہلم کے موقع پر حضرت کی سیرت و سوانح پر مشتمل بہت سی کتابیں اور آپ کی علمی و عملی خدمات، مبلغانہ و مجاہدانہ سرگرمیوں، دینی و دنیاوی مصروفیات اور مذہبی و مسلکی کارکردگیوں پر مشتمل بہت سے نمبر شائع ہوئے۔ انھیں میں ایک نمبر تجلیات رضا کا ''جہان تاج الشریعہ'' ہے۔ ۱۳۴۴ صفحات کا یہ ضخیم نمبر تاج الشریعہ کی حیات طیبہ پر دیگر نمبروں، سے نمایاں و منفرد حیثیت کا حامل ہے۔

تاج الشریعہ کے حوالے سے اہل علم و تحقیق کے نزدیک بلاشبہ یہ ایک بڑا ماخذ ہے۔ نمبر میں عالم اسلام کی معروف و معتبر شخصیات، ذمہ داران مدارس، مشائخ خانقاہ، علما و فضلا، دانشوران سیاست، اصحاب قلم، ارباب قوم وملت کے معرکۃ الآرا مضامین، تعزیتی خطوط، دردمندانہ تاثرات اور وصال و بعد وصال تقریبات وغیرہ پر مشتمل اخبارات ہند و بیرون ہند کی خبریں، شامل ہیں۔ المختصر مجموعی

اعتبار سے جہان تاج الشریعہ" ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت سے بہت ہی قیمتی نمبر ہے۔

سنی دنیا:

۱۳رمحرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۱رنومبر ۱۹۸۱ء میں حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا وصال ہوا۔آپ کی یاد میں ایک سال کے بعد حضور تاج الشریعہ قدس سرہ کی سرپرستی اورآپ کے برادر صغیر حضرت منان رضا خاں منانی میاں کی نگرانی میں بریلی شریف سے صفر المظفر ۱۴۰۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۲ء کو ماہوار رسالہ "سنی دنیا" کا اجرا ہوا۔رسالہ کے مدیر مولانا عبدالنعیم عزیزی بلرام پوری مقرر ہوئے۔ان کے بعد مفتی یونس مونس اویسی صاحب اور مولانا عبدالرحیم نشتر فاروقی صاحب بھی مدیر ہوئے۔آخر الذکر تا حال منصب ادارت پر فائز ہیں۔

اور شہزادۂ تاج الشریعہ علامہ عسجد رضا خاں صاحب دام ظلہ نگراں و مدیر اعلیٰ ہیں۔پہلی جلد کا دوسرا شمارہ یعنی ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق جنوری ۱۹۸۳ء اور اس کے بعد سے اب تک کے مختلف سالوں کے متفرق شمارے ہمارے سامنے ہیں۔جن کی روشنی میں یہ تفصیل پیش کی جارہی ہے۔رسالہ دینی، مذہبی، مسلکی، مشربی، علمی، تحقیقی، تمدنی، روحانی اور اصلاحی ہر اعتبار سے قابل مطالعہ ہے۔رسالہ میں عمدہ مضامین کا انتخاب خوب سے خوب تر ہوتا ہے۔اسلامیات، فقہیات، رضویات رسالہ کا خاص حصہ ہیں۔مشاہیر اہل علم وقلم کی نگارشات، اعلیٰ حضرت کی نادر مطبوعات، اور خانوادۂ رضا خاص کر تاج الشریعہ کی مذہبی و مسلکی خدمات و مصروفیات، نگارشات، فتاوی جات کا وافر حصہ رسالہ میں پایا جاتا ہے۔

رسالہ کے اب تک کئی خصوصی نمبر بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔جن میں سے "مولانا حسن بریلوی نمبر" کو زیادہ مقبولیت وشہرت حاصل ہوئی۔علاوہ ازیں صدر العلما نمبر اور ۱۱۷۶ر صفحات پر مشتمل حضور تاج الشریعہ کے حوالے سے خصوصی نمبر بنام "نقوش تاج الشریعہ" جو تاج الشریعہ قدس سرہ کے عرس چہلم کے موقع پر شائع ہوا۔خاص کر قابل ذکر ہے۔مجموعی طور پر سنی رسائل میں سنی دنیا کو انفرادی حیثیت حاصل ہوئی۔عوام کے استفادے کی غرض سے اب یہ رسالہ اردو کے ساتھ ہندی میں بھی شائع ہوتا ہے۔

سہ ماہی امین شریعت:

حضور علامہ سبطین رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی یاد میں آپ کے شہزادے گرامی وقار حضرت علامہ مفتی سلمان رضا خاں صاحب دام ظلہ کی سرپرستی و نگرانی میں مولانا مفتی محمد اشرف رضا خاں صاحب قادری کی ادارت میں بریلی شریف سے جون ۲۰۱۶ء کو علما و مشائخ خاص کر حضور محدث کبیر دامت معالیھم کے دست حق پرست سے سہ ماہی "امین شریعت" کا اجرا ہوا۔رسالہ میں معیاری مضامین، رسالہ کے معیار کا پتہ دیتے ہیں۔مشاہیر اہل قلم کی علمی و تحقیقی نگارشات، رسالہ کا خاص حصہ ہیں۔رسالہ کے اجرا کو دو سال ہوئے اور اس قدر قلیل مدت میں رسالہ کے اب تک دو نمبر منظر عام پر آچکے ہیں۔

امین شریعت نمبر:

۷۰۴ رصفحات پر مشتمل حضور امین شریعت قدس سرہ کی سوانح واحوال زندگی، مذہبی ومسلکی خدمات، اور مبلغانہ ومجاہدانہ سرگرمیوں اور مخلصانہ کارکردگیوں کے حوالے سے ایک ضخیم نمبر بنام ''امین شریعت نمبر'' شائع ہوا جس کی رسم اجرا حضور تاج الشریعہ کے مقدس ہاتھوں عمل میں آئی۔ اس نمبر کے مستند ومعتبر ہونے کے لیے نمبر میں شامل حضور تاج الشریعہ کے دعائیہ کلمات کافی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ عزیز القدر مولانا اشرف رضا قادری زید مجدہ امین شریعت حضرت مولانا سبطین رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات وخدمات پر مشتمل مقالات کا مجموعہ منظر عام پر لا رہے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور انہیں دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ واکرم التسلیم۔'' [امین شریعت نمبر]

تصانیف تاج الشریعہ نمبر:

یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ جس رسالہ کا پہلا نمبر تاج الشریعہ قدس سرہ کے دست حق پرست سے جاری ہوا۔ دوسرا نمبر انہیں کی حالات وخدمات کے حوالے سے شائع ہوا۔ حضور تاج الشریعہ قدس سرہ کے عرس چہلم کے موقع پر سہ ماہی امین شریعت کا ''تصانیف تاج الشریعہ'' شائع ہوا۔ جس کی رسم اجرا حضور محدث کبیر دامت معالیھم کے مبارک ہاتھوں ہوئی۔ یہ نمبر اپنے عنوان کے اعتبار سے جملہ رسائل سے جداگانہ اور انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس میں شامل مقالات ومضامین تاج الشریعہ کی قلمی خدمات پر مشتمل ہیں۔ مختصر یہ کہیہ نمبر علمی وتحقیقی مضامین ومقالات کا بہترین مجموعہ ہے۔ رسالہ کے اردو ایڈیشن کی مقبولیت کے بعد ہندی ایڈیشن بھی منظر عام پر آ گیا ہے۔

الغرض:

مرکز اہل سنت بریلی شریف کی صحافتی خدمات کا یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے، جو سرسری طور پر عجلت کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اگر مرکز کی صحافتی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے تو مجلد کے مجلد تیار ہو جائیں۔ مگر ارباب نظر واصحاب ذوق کے لیے یہ بھی کم نہیں ہے۔ اگر تعصب کی عینک ہٹا کر مذکورہ اوراق پڑھے جائیں تو قاری یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مرکز اہل سنت بریلی شریف صحافتی خدمات کے حوالے سے بھی مرکزیت کا حق رکھتا ہے۔ اللہ پاک اہل سنت کے اس مرکز کو سلامت رکھے۔

آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

❁❁❁

مرکزِ اہل سنت اور سماجی خدمات

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی
صدر مدرس: مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

مرکز......لغوی تشریح

مرکز......اسم مذکر اور اسم ظرف ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مصدر ''رِکزاً'' آتا ہے اس کا باب ''نصر ینصر اور ضرب یضرب'' آتا ہے یعنی ''رَکزَ یَرکُزُ یا رَکزَ یَرکِزُ'' اس کا معنی کسی بھی نوکیلی چیز کو چاہے وہ نیزہ ہو یا اسی کی مانند کوئی اور چیز ہو کو زمین کا گاڑنا......اس معنی کے اعتبار سے ''مرکز'' کا معنی ہوا ''نیزہ وغیر گاڑنے کی جگہ''......یہ زمین اللہ تعالی کی ہے اس کی وسعتوں اور اس کی پہنائیوں کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے......اس وقت سے لے کر اب تک نہ جانے کتنے دانشور آئے اور چلے گئے......سائنس داں آئے اور وہ بھی چلے گئے......ایک سے بڑھ کر ایک ماہر فن آیا اور وہ بھی یہاں سے رخصت ہو گیا مگر ان میں سے کسی نے بھی اس بات کا پتہ نہیں لگایا کہ زمین کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے؟ اور کہاں جا کر ختم ہوتی ہے؟ حالانکہ ایسی بات نہیں کہ اس کی ابتدا اور اس کی انتہا ہی نہ ہو......یہ حقیقت ہے کہ اس کی ابتدا بھی ہے اور اس کی انتہا بھی ہے......یہ اور بات ہے کہ انسانوں میں سے کوئی انسان ہزار کوششوں کے باوجود اب تک کوئی پتہ نہ لگا سکا۔ اور نہ کوئی پتہ لگا سکتا ہے......اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بے پناہ وسعتوں والی یہ زمین انسانوں کے دائرۂ اختیار میں ہے جہاں چاہے رہے اور جہاں چاہے مکان بنائے......زمین کے تمام حصوں پر انسان رہے اور مکان بنائے ایسا ممکن نہیں......ٹھیک اسی طرح انسان جہاں چاہے اپنے نیزے کو گاڑ سکتا ہے یہ تو اس کے بس میں ہے لیکن ہر جگہ گاڑے یہ اس کے اختیار میں نہیں ہے......

مرکز......اصطلاحی تشریح

علم ریاضی کے ماہرین نے اس لفظ ''مرکز'' کو جب اپنی اصطلاح میں لیا......تو اسے عمومیت کے دائرہ سے نکال کر خصوصیت کے معنی میں لیا ہے......اور یہ بات حقیقت ہے کہ لغوی معانی میں عمومیت پائی جاتی ہے اور اصلاحی معانی میں خصوصیت نمایاں ہوتی ہے......ماہرین ریاضی ''مرکز'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> المرکز......دائرہ کا وسطی نقطہ کہ جس سے دائرہ تک جتنے خط نکلیں باہم برابر ہوں......مرکز کی یہ تعریف بالکل صحیح اور جامع مانع دونوں ہے......اس کے علاوہ مشاہدہ بھی اسی پر دلالت

کرتا ہے۔ پڑھنے والے طلباء جب اپنی پرکار سے دائرہ بناتے ہیں تو جس نقطہ کو دائرہ کا محور قرار دیا جاتا ہے اسی کو "مرکز" کہا جاتا ہے اور یہ کہ اسی محور/مرکز سے جس قدر خطوط مستقیمہ دائرہ تک پہونچتے ہیں...... یہ سارے خطوط باہم متساوی ہوا کرتے ہیں ان میں سے کوئی خط نہ چھوٹا ہوتا ہے اور نہ بڑا ہوتا ہے...... بس یہی مرکز کا تعارف ہے اور اس کی حقیقت بھی یہی ہے...... مرکز کی اس تعریف کے علاوہ کوئی اور تعریف سامنے نہیں آئی ہے اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے: مرکز کی جو تعریف اوپر والی سطروں میں کی گئی ہے...... وہ سب کو قابل قبول ہے...... اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے

مرکز کے اوصاف:

جب کوئی کسی "نقطہ" کو "مرکز" بناتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ "مرکز" بنانے والے کو اس سے انسیت ہوتی ہے...... پیار ہوتا ہے کیونکہ اس نے اسی نقطہ کو ترجیحی بنیاد پر منتخب کیا ہے...... اسی لئے وہ محبوب نظر ہوا کرتا ہے...... اور مرکز میں خود اتنی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ میں تنہا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ بہت زیادہ خطوط ہوا کرتے ہیں ...... اور یہ خطوط اسی وقت خطوط کہے جانے کے لائق ہوتے ہیں جب تک ان حطوط کا رشتہ مرکز سے استوار ہوتا ہے ...... اور جیسے ہی اس کا رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے تو وہ "خط مستقیم" نہیں بلکہ منحنی ہو جاتا ہے اور پھر یہ خط کسی کام کا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے یہی وہ خط ہے جو اپنے مرکز سے ٹوٹ چکا ہے...... مرکز بنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں جذب وکشش اس معیار کی ہوتی ہے کہ ہر خط اسی مرکز کی جانب کھینچا چلا جاتا ہے اسے مرکز سے منحرف ہو کر چین نہیں ملتا ہے...... مرکز میں وہ تمام چیزیں پائی جاتی ہیں جو خطوط مستقیمہ کی ضرورتیں ہوتی ہیں یا پھر اس کے تقاضے ہوا کرتے ہیں...... انہیں مرکز کے علاوہ کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے بلکہ ان کی تمام ضرورتیں اسی مرکز سے پوری ہو جاتی ہیں...... زمین بھی ایک "کرۂ وسطی" ہے کہ کرۂ ارضی تمام کروں کے بیچ و بیچ ہے...... پروردگار عالم نے اس کرۂ ارضی کو بے شمار دولتوں سے مالا مال کیا ہے اور سب سے بڑی دولت یہ کہ اسی کرہ میں اس نے محبوب دلآرا کو جلوہ فرما کیا ہے...... اسی کرہ کا وہ حصہ جسے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم ناز سے وابستگی حاصل ہے وہ عرش اعظم سے بھی افضل ہے...... اسی سے انسان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوا کرتی ہیں انسان کی بنیادی ضرورتوں میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں

الف...... رہنے کے لئے مکان

ب...... کھانے اور پینے کے لئے ناج اور پانی

ج...... پہننے کے لئے کپڑے وغیرہ

د...... سانس لینے کے لئے ہوائیں

ان چار چیزوں کے علاوہ جس قدر بھی چیزیں ہیں سب کی سب انسان کی بنیادی ضرورتوں کے ماسوا ہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ انسان ان تمام چیزوں کو زینت کے طور پر استعمال کیا کرتا ہے جو بنیادی ضرورتوں کے علاوہ ہوا کرتا ہے

الف...... رہنے کے لئے مکان

انسان اپنے رہنے کے لئے اگر چہ مکان خود بناتا ہے کہ یہ اس کی اپنی طبعی ضرورت ہے لیکن مکان بنانے کے لئے جن چیزوں کی حاجت ہوتی ہے اس کی فراہمی تو اسی زمین سے ہوا کرتی ہے...... مکان کے لئے جو سب سے ضروری چیز ہے...... وہ زمین ہے کہ مکان زمین پر ہی بنتا ہے...... نہ ہوا پر اس کی تعمیر ہوتی ہے اور پانی پر...... معلوم ہوا...... مرکز بننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مرکز اپنے ماننے والوں کیلئے مکان بھی فراہم کرے...... ایک مکان وہ ہوا کرتا ہے جس سے صرف ضرورت پوری ہوتی ہے کبھی اس کی شکل خیمہ کی ہوتی ہے اور کبھی تمبو بنا کر مکان کا کام لیا جاتا ہے...... دوسرا مکان وہ ہوا کرتا ہے جو کچا ہوتا ہے اس قسم کے مکانوں میں مٹی کا زیادہ استعمال ہوتا ہے...... تیسرا مکان وہ ہوتا ہے جو پکا اور پختہ ہوا کرتا ہے اور چوتھا مکان وہ ہوا کرتا ہے جو عالیشان بلڈنگ کی صورت میں نظر آتا ہے...... غرض یہ کہ مکان کوئی بھی ہو اور کسی بھی شکل کا ہو "مرکز"، یعنی زمین سے چھٹکارہ نہیں...... اسی ارضی کرہ میں ایک وہ حصہ بھی ہے جو پوری کائنات کا "مرکز" ہے یعنی کعبہ مقدسہ...... جس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے...... انسان عبادت کرتا ہے نمازیں پڑھتا ہے مگر اس کا مقصد اللہ تعالی کے لئے پڑھنا ہوا کرتا ہے مگر اس کی بنیادی شرط "خانہ کعبہ" کی جانب رخ کرنا ہے کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوسکتی ہے...... اس سے ثابت ہوتا ہے زمین یعنی مرکز سے کسی کے لئے راہ فرار ممکن نہیں...... زمین کی ضرورت زندگی میں بھی پڑتی ہے اور مرنے کے بعد بھی زمین ہی میں رہنا ہوتا ہے...... اسے صرف زمین کی حیثیت سے نہ دیکھا جائے بلکہ کبھی اسے مرکز کی حیثیت سے بھی دیکھا جائے تب کہیں جا کر کسی "مرکز" کی حیثیت کا اندازہ ہوگا کہ مرکز کیا ہوتا ہے اور ایک انسان کے لئے وہ کس ضرورت تک کام آتا ہے......؟

ب...... کھانے پینے کا ساز و سامان

اللہ تعالی نے جب پوری کائنات کے وسطی حصہ یعنی زمین کو مرکزی حیثیت عطا کر دی تو اس میں اس زمین کے مکینوں کے لئے ان کی ضرورتوں کے مطابق سہولتیں بھی فراہم کر دی ہے...... انسانی کی بنیادی ضرورتوں میں کھانا اور پینا بھی شامل ہے...... کوئی انسان بغیر کھائے پیئے کب تک زندہ رہ سکتا ہے؟ کھانے کے لئے اناج غلے اور دیگر چیزیں بھی اسی زمین سے پیدا کی جاتی ہیں...... جس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے اور سر سے پاؤں تک پسینے میں نہانا پڑتا ہے اس کے بعد ہی ہم کیا بلکہ کوئی بھی انسان اپنے لئے ناج اور غلہ کی فراہمی کر سکتا ہے...... کوئی گھر بیٹھے چاہے مفت میں حاصل ہو جائے ایسا کچھ ممکن نہیں ہے...... اسی طرح پینے کے لئے پانی بھی ہمیں اسی زمین سے ملتا ہے...... اسی لئے زمین کی مرکزی حیثیت کو پہچاننا ضروری ہو جاتا ہے...... مرکز بننے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ انسانی ضرورتوں اور اس کے تقاضوں کی بہ نسبت جن چیزوں کی شدید ضرورتیں ہوا کرتی ہیں اسے فراہم کر دیئے جائیں...... اور زمین میں یہ ساری ضرورتیں پائی جاتی ہیں اسی لئے زمین کو مرکزی حیثیت حاصل ہے......

ج...... پہننے کے کپڑے وغیرہ......

اب وہ دور کہاں؟ جب کہ لوگ ننگے رہا کرتے تھے یا اپنی ستر عورت کے لئے پتوں کا استعمال کیا کرتے تھے...... انسانی شعور بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھ گیا کہ زمانہ نے

بھی کروٹیں لیں اور اس کے تقاضے بھی اس قدر وسیع ہو گئے کہ انسانی شعور کا دامن بھی تنگ پڑ گیا...... نئے نئے لباس اور عمدہ قسم کے ملبوسات نے انسانوں کو اس قدر جھمیلوں میں ڈال دیا ہے کہ ان ضرورتوں کو پورا کرتے کرتے ہمارا شعور مضمحل سا ہوتا جا رہا ہے...... لباس کیسا بھی ہو...... گھٹیا سے گھٹیا یا عمدہ سے عمدہ...... کسی چھوٹے کا لباس ہو یا کسی بڑے کا...... وزیر و امیر کا لباس ہو یا کسی بادشاہ وقت کا لباس ہو...... چوکیدار کا لباس ہو یا کسی بڑے افسر کا لباس ہو...... اس میں بھی زمین کا حصہ ہے زمین سے الگ ہو کر لباس کا کوئی بھی تصور ہو...... نہیں پایا جاتا ہے کہ ان لباسوں کو وہی تیار کرتا ہے جو زمین پر رہتا ہے اور کپڑوں کی بنائی میں جو دھاگے استعمال کئے جاتے ہیں انہیں کون تیار کرتا ہے ؟ اسے بھی تو انسان ہی تیار کرتا ہے...... یہ تمام چیزیں جنہیں میں نے بیان کیا ہے کسی نہ کسی نوع سے ان کا رشتہ بھی اہل زمیں سے جا ملتا ہے......

د...... ہواؤں کی ضرورت......

اب رہی بات ہواؤں کی تو اس بارے میں کیا بتانا؟ ہر انسان اس بارے میں جانتا ہے ایک انسان کے لئے ہوا کس قدر ضروری امر ہے؟ کوئی بھی انسان ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ہے...... ہوا بھی ایک انسان کے لئے ایک بنیادی چیز ہے اور ہوا بھی ہمیں اسی وقت ملا کرتی ہے جب ہم زمین سے قریب رہا کرتے ہیں...... زمین کا کرہ اگرچہ زمین کے کرہ سے اوپر ہوا کرتا ہے اور اس کی حیز بھی اوپر ہی ہوا کرتی ہے لیکن وہ ہوا جو زمین سے متصل ہوا کرتی ہے وہ نہایت ہی صحت بخش ہوا کرتی ہے اس میں آکسیجن پایا جاتا ہے اور یہی ہوا انسانی زندگی کے لئے مفید تر ہوا کرتی ہے...... ہواؤں میں حیات افزا اور فرحت بخش کیفیات کیونکر نمودار ہوا کرتی ہیں؟ اس میں بھی زمین اور اس کے پیڑ پودوں کا عمل دخل رہا کرتا ہے اگر یہ پیڑ پودے نیست و نابود ہو جائیں یا انہیں نیست و نابود کر دیئے جائیں تو یقین مانئے...... یہی ہوائیں انسانی حیات و اقدار کے لئے زہر ہلال بن جائیں گی اور کسی بھی انسان کا جینا دوبھر ہو جائے گا......

ان تمام پہلوؤں کو جنہیں میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں...... ان کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ غور کریں اور اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ کسی کا مرکز بننا کوئی آسان کام نہیں...... اس کی بھی ذمہ داریاں ہوا کرتی ہیں اور سب کی ضرورتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے جو اداس ہوتا ہے ان کے غموں کا مداوا کرنا ہوتا ہے جو زخموں کی ٹیس سے اُح اُح کرتا ہے ان کا بھی علاج کرنا پڑتا ہے...... اور جو محبت سے ملتا ہے اس کے لئے اپنی بانہوں کو پھیلانا پڑتا ہے اور جو تیز نگاہوں سے دیکھتا ہے اسے بھی کرارا جواب دینا پڑتا ہے...... تب کہیں جا کر کسی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوا کرتی ہے...... مرکز تو بہرحال مرکز ہوا کرتا ہے چاہے وہ مادیات کا مرکز ہو یا روحانیات کا مرکز ہو...... علوم و فنون کا مرکز ہو یا فکر و شعور کا مرکز ہو...... ہر قسم کے مراکز کی ذمہ داریاں ایک ہی قسم کے ہوا کرتی ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے...... یہ ایک حقیقت ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ یہ ذمہ داریاں مرکز کے دائرۂ اختیار کے تناسب سے متفاہم ہوا کرتی ہیں...... مادی مرکز کا جو دائرۂ اختیار ہوتا ہے اس کی ذمہ داری اس کے دائرہ تک محدود ہوا کرتی ہیں اور روحانیت کا جو مرکز ہوا

کرتا ہے اس کی ذمہ داریاں بھی اس کے دائرہ تک محدود ہوا کرتی ہیں...... بعینہ علوم وفنون کے مرکز کی ذمہ داریاں بھی اس کے دائرہ کے اعتبار سے متعین ہوا کرتی ہیں......

میرے مقالہ کا عنوان ہے مرکز اہل سنت...... مرکز کیا ہوتا ہے؟ اور اس کی ذمہ داریاں کیا ہوا کرتی ہیں؟ انہیں بھی آپ خوب جانتے ہونگے اس بات کا ہمیں یقین ہے...... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرکز اہل سنت کا دائرہ کیا ہے؟ اس دائرہ کے اعتبار سے مرکز اہل سنت کی کیا کیا ذمہ داریاں ہو سکتی ہیں؟ تو اس بات کو سمجھنے کیلئے ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ اہلسنت کیا ہے اور اس سے کیا مفہوم مراد لیا جاسکتا ہے؟ بس انہیں باتوں کی جانکاری کے لئے ہم اہل سنت کے مفہوم کی وضاحت کرنے جارہے ہیں......

اہل سنت وجماعت:

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ''اہل سنت وجماعت'' ایک اصطلاح ہے اس لئے اس مقام پر اس سے اصطلاحی معنی ہی مراد لیا جائے گا...... نہ کہ لغوی معنی مراد لیا جائے گا...... از روئے لغت ''اہل سنت وجماعت'' کا مطلب ''سنت و جماعت'' والے ہے اور ظاہری بات یہاں سنت سے مراد وہ سنت لی جائے گی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نیز صحابہ کرام کی سنت پاک ہے اور جماعت سے مراد جمہور صحابہ کرام لیا جائے گا...... یہ وہی سنت ہے جس کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ''علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین'' یعنی تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالی عنہم کی سنت کی اتباع لازم وضروری ہے اور صحابہ کرام کے بارے میں آیا ہے ''اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم'' میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی اقتدا کروگے ہدایت پاجاؤگے اور جہاں تک جماعت کی بات ہے اس کے بارے میں بھی حدیث پاک میں ہے ''اتبعوا السواد الاعظم'' کہ سواد اعظم کی اتباع کرو...... ان تینوں احادیث پاک سے ثابت ہوتا ہے رسول کریم صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کی سنتیں وہ ہیں جن کی پیروی کرنے سے کوئی بھی انسان نجات کی راہ پاسکتا ہے اور صحابہ کی جماعت وہ جماعت ہے جس کی اقتدا ہی باعث رحمت وبرکت ہے...... اہل سنت وجماعت کی جو تشریحات کی گئیں وہ از روئے لغت ہے...... اصطلاح میں ''اہل سنت وجماعت سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں عرض ہے...... اہل سنت وجماعت سے مراد وہ افراد عظیم لئے جاتے ہیں جو عقائد میں حضرت ابو المنصور الماتریدی اور حضرت ابو الحسن الاشعری کے پیروکار ہیں کیونکہ عقائد میں یہی دونوں امام تسلیم کئے گئے ہیں...... ان کے مقابلہ میں جن لوگوں نے بھی امامت کا دعوی کیا وہ حضرات مسترد قرار دیئے گئے...... اہل سنت وجماعت ایک ایسی اصطلاح ہے جو معتزلہ کے مقابلہ میں وجود میں آئی ہے...... معتزلہ نے اپنے آپ کو ''اہل حق'' سے تعبیر کیا...... یہ تعبیر بھی عجیب تعبیر ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو ''حق'' تو کہا مگر اس بات کی انہوں نے وضاحت نہیں کی کہ ان کی حق سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے مراد وہ حق ہے جو ان کا خود ایجاد کردہ ہے یا وہ حق مراد ہے جس کا تصور کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پایا جاتا تھا یا

خلفائے اربعہ یا صحابہ کے دور میں پایا جاتا تھا چونکہ جب انہوں حق نے کی تشریح نہیں کی ہے تو نتیجہ کے طور پر وہی حق مراد لیا جائے گا جو ان کا اپنا ایجاد کردہ ہے لھٰذا اس حق کے بارے میں قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس حق میں خیر و فلاح ہے یا نہیں ہے؟ کیونکہ خیر وفلاح اور بہبودی کا جذبہ اسی حق میں پایا جاتا ہے جو رسول کریم کی سنتوں خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی سنتوں کے سہارے ہم تک پہونچتا ہے...... پھر ایک ایسا بھی دور آیا کہ لوگ فکری آوارگی کے شکار ہو گئے اور کسی بھی بڑے کی اتباع اور ان کی تقلید کو برا سمجھا جانے لگا...... حالانکہ بڑوں کی اتباع اور تقلید کو ہر دور میں خیر وفلاح کا ضامن قرار دیا گیا ہے...... یہ اتباع تو انسان کی فطرت میں شامل ہے اور صحیح معنی میں راستہ وہی ہوا کرتا ہے جس پر بہت سے لوگ چلا کرتے ہیں جس راہ پر کچھ لوگ چلیں اور بقیہ لوگ نہ چلیں اسے کون راستہ کہتا ہے؟ ہمیں تو بھائی وہ راستہ چاہیئے جس پر نیک افراد لوگ چلتے ہوں سچے اور صدق وصفا والے چلتے ہوں اسی لئے تو کلام مقدس میں ارشاد ہوا "اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین" ترجمہ:: ہمیں سیدھی راہ چلا ان کی راہ جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کی راہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہ لوگوں کی راہ...... اہل سنت وجماعت ایک ایسی راہ ہے جو سیدھی راہ ہے اور ان لوگوں کی راہ ہے جن پر انعام کیا گیا ہے اور یہ راہ ان لوگوں سے کافی دور ہے جو غضب والے ہیں اس راہ میں کسی بدعتی اور گمراہ لوگوں کی گنجائش نہیں...... اور جو فرقہ باطلہ کی راہ ہے اسی میں فکری آوارگی پائی جاتی ہے اسی راہ میں میں سیدھی راہ گم ہے...... صرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے...... آگے چل کر اسی فکری آوارگی نے وہابیت۔ غیر مقلدیت کا روپ دھار لیا...... اور یہی فکری آوارگی اسلام اور مسلمین کے لئے فتنہ کی صورت میں نمایاں ہوئی...... اسی تشویش ناک صورت میں اہل سنت وجماعت کے علماء ومشائخ نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ لیا: چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہوگی اور جو اس کا انکار کرے گا وہ گمراہ گمراہ گر اور جہنمی ہوگا...... اور اہل سنت وجماعت انہیں چاروں اماموں اور ان کے پیروں کاروں تک محدود رہے گا...... اور جو ان میں سے کسی ایک کی پیروی نہیں کرے گا وہ اپنے آپ کو کچھ بھی کہیں: اہل حق کہیں یا اہل انصاف کہیں یا پھر اہل حدیث یا سلفی کہیں صحیح بات یہ ہے کہ وہ سب کچھ تو ہو سکتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی "اہل سنت وجماعت" نہیں ہو سکتا ہے...... اور نہ ہی ان کے پاس انصاف ہوگا...... کہ اگر ان کے پاس انصاف ودیانت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ہوتا تو وہ سرکش گھوڑوں کی مانند نہ بدکتا...... سواد اعظم ہونے کے لئے افراد کی کثرت ضروری نہیں...... بلکہ اس کے لئے حق پر ہونا ضروری ہوتا ہے......

مرکز اہل سنت کون اور کیسے؟

مرکز کیا ہے؟ اور اس کا مفہوم کیا ہے؟ میں نے اس کی مکمل طور پر وضاحت کر دی ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ مرکز کی کیا کیا ذمہ داریاں ہوا کرتی ہیں؟ اور یہ بھی تشریح کر دی ہے اہل سنت وجماعت سے کیا مراد؟...... ان تشریحات کی جانکاری دیئے جانے کے بعد آپ اس بات کو سمجھ گئے ہونگے کہ "مرکز اہل سنت وجماعت کیا ہے؟ اس کی حقیقت اس کے اوصاف اور

اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ کیا کوئی بھی اپنے آپ کو ''مرکز اہل سنت و جماعت'' کہنے سے ''مرکز اہل سنت ہو جائے گا؟ نہیں اور ہرگز نہیں! چاہے ''مرکز اہل سنت و جماعت'' کہنے والا کوئی فرد ہو یا کوئی جماعت ہو...... ادارہ ہو یا کوئی خانقاہ ہو...... کوئی شخصیت ہو یا کوئی جامع صفات فردیت ہو...... صرف زبانی طور پر کوئی کچھ کہنے سے کچھ بن جاتا تو مجنوں صرف ایک نہ ہوتا بلکہ ہزاروں کی تعداد میں پائے جاتے...... حلوہ کھانا آسان ہوتا ہے لیکن اپنے جسم کے ایک ایک عضو کا پارہ گوشت بطور نذرانہ پیش کرنا مشکل ہوا کرتا ہے...... میں نہیں کہتا کہ آپ کسی کو مرکز اہل سنت کہئے۔ میں کسی کو مرکز اہل سنت و جماعت کہنے سے مطلقاً منع نہیں کرتا کہئے اور ضرور کہئے مگر اس وقت کہئے جب اس کی ذمہ داریوں کو سمجھ لیں اور اس بات سے مکمل طور پر واقفیت حاصل کر لیں کہ ان ذمہ داریوں کو کس نے نبھایا؟ اور کس حد تک نبھایا؟

مرکز اہل سنت کی ذمہ داریاں:

مرکز کے ساتھ ''اہل سنت و جماعت'' کا الحاق اس کے دائرہ کو متعین کر رہا ہے کہ اس کا دائرہ کہاں تک ہے؟ کون اس دائرہ میں داخل ہے اور کون اس کے دائرہ سے باہر ہے...... جب اس اصطلاح کے پس منظر میں غور کرتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس دائرہ سے وہ لوگ باہر ہیں جو باطل فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں چاہے وہ ضروریات دین کا انکار کرتے ہوں یا ضروریات اہل سنت کا انکار کرتے ہوں ان میں سے جس نے ضروریات دین کا انکار کیا وہ تو کافر و مرتد ہے او جنھوں نے ضروریات اہل سنت کا انکار کیا وہ اہل بدعت سے ہے...... یہ دونوں کے دونوں اہل سنت سے خارج ہیں...... اور جو اس دائرہ میں داخل ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرتے ہیں...... مرکز کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ باطل فرقوں سے تعلق رکھنے والوں کو اس کے دائرہ میں داخل نہ ہونے دے اور جو دائرہ کے اندر ہیں انہیں اس دائرہ سے باہر نہ جانے دے

...... میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں ہندوستان میں وہ ذات گرامی کون ہے؟ جنھوں نے کسی غیر کو آنے نہ دیا بلکہ انہیں دور اور بہت دور رکھا...... اور اس قدر دور رکھا کہ انہیں اس دائرہ کے قریب بھی آنے نہ دیا...... ان کے اور اہل سنت کے درمیان ایک ایسی سد سکندری کھینچ دی کہ کس کی مجال جو اس کو پھلانگ سکے...... ان کا قلم قلم نہ تھا بلکہ شمشیر براں...... خنجر خوں خوار...... سیف قاطع...... کسی پر پڑتا تھا تو جسم و جاں اور ذہن و دماغ کو روندتا ہوا نہ جانے کہاں پہنچتا تھا...... جس کے نتیجہ میں جسم بے جاں ہو جاتا تھا اور منھ بے زباں......

کلک رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

شاعرانہ لب و لہجہ میں جو تیور پایا جاتا ہے یہ تیور تو دشمن کے مقابلہ میں اپنایا جاتا ہے...... یہ دائرہ اہل سنت و جماعت میں گھسنے والے اسلام و سنیت کے دشمنوں کے لئے ہے...... اس میں جلال فاروقی پایا جاتا ہے۔ اور حضرت علی کی شان شجاعت نمایاں ہوتی ہے...... فرقہ باطلہ کے مقابلے میں اس طرح کا تیور دکھانا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ ''اعلی حضرت فاضل بریلوی'' نے ''اہل سنت و جماعت'' کی

حفاظت وصیانت کے لئے کیا کچھ نہ کیا ہے...... جس طرح یہ تیور شاعری کی زبان میں استعمال کیا گیا اسی طرح کا تیور آپ کے رسالوں، کتابوں اور فتاوی رضویہ اس کے علاوہ اور فتاوی میں بھی دیکھا جا سکتا ہے...... اس بارے میں اس سے اور زیادہ کیا کہا جاسکتا ہے...... یہی وہ ذمہ داری ہے جسے ''امام احمد رضا فاضل بریلوی'' بحسن وخوبی انجام دی ہے اور جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں جو اس دائرہ کے اندر براجمان ہیں چاہے وہ حنفی مسلک کے ماننے والے ہوں۔ چاہے وہ شافعی مسلک کے پیروکار ہوں یا مسلک مالکی پر چلنے والے یا کہ وہ امام احمد بن حنبل کے نقوش قدم کی اتباع کرنے والے ہوں تو ان کے لب ولہجہ میں بڑی نرمی حلاوت اور شیریں بیانی سی آجاتی ہے اور نہایت ہی محبت بھرے اسلوب میں انہیں مخاطب کرتے ہیں اور ان کی فہمائش میں اس قدر درد بھرا انداز بیاں اختیار کیا جاتا ہے کہ اس سے دل تو دل ہے پتھر بھی موم ہو جاتا ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں

سُونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والے جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تونے نیند نکالی ہے

حضرات! دیکھا آپ نے کہ امام اہلسنت نے کس طرح اہل سنت کے ماننے والوں کی حفاظت کی ہے...... اہل سنت و جماعت سے باہر لوگوں کو اس طرح للکارا جس طرح کوئی میدان جنگ میں اپنے دشمنوں کو للکارتا ہے اور جو اپنے ہیں انہیں ان سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے...... یہ مرکز کی ذمہ داری کا احساس بھی ہے اور اس کو نبھانے کا خوبصورت انداز بھی ہے...... جہاں اس طرح کا ماحول ہوا کرتا ہے وہ مرکز بھی بنتا ہے اور مرکز کے تعلق سے جو ذمہ داری بنتی ہے اسے پورا بھی کرتا ہے...... ایسی ہی شخصیت کو مرکز اہل سنت ہونا چاہئے...... اب تک کی تحریر سے میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ امام اہل سنت سرکار اعلی حضرت کے علاوہ کوئی دوسری ذات ایسی نہیں ہے جو مرکزی ذمہ داریوں کو ادا کر سکے...... اس لئے میں امام احمد رضا کو ہی ''مرکز اہل سنت وجماعت'' تصور کرتا ہوں...... اصل میں آپ کی ذات ہی مرکز ہے چونکہ آپ بریلی شریف کے رہنے والے ہیں اس لئے مجازی طور پر بریلی شریف کو بھی ''مرکز اہل سنت'' کہا جاتا ہے...... آپ کے وصال کو سو سال ہو چکے ہیں باوجود اس کے اس کی مرکزی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا...... اس کی وجہ یہ ہے کہ مرکز کی ذمہ داری کو جس طرح اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ادا کیا ہے...... ٹھیک اسی انداز میں ان کے شہزادگان حضور حجۃ الاسلام اور سرکار مفتی اعظم ہند نے ان ذمہ داریوں کو پورا کیا ہے...... مفسر اعظم ہند نے بھی اس مشن کو جاری رکھا...... اور ریحان ملت نے بھی اس کو نبھانے کی پوری پوری کوشش فرمائی ہے...... جہاں تک حضور تاج الشریعہ کی بات ہے ان کے بارے میں کیا کہنا؟ ان کا کردار و عمل اور ان کی سوچ اور فکری انداز تو ''مرکز اہلسنت بریلی شریف'' کے ارد گرد پہرا دیا کرتا تھا اس بارے میں کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ان کی حیات پاک کا یہ زاویہ چمکتے چاند وسورج کی مانند روشن وتابناک ہے اور لوگوں نے اسے اپنے ماتھے کی آنکھ سے دیکھ لیا ہے...... حالانکہ انہیں جو دور ملا وہ دور مخالفتوں کا دور تھا...... اندھیروں کا دور

تھا اور فکری آوارگی کا دور تھا...... سب نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ الگ بنالی تھا اور لوگ نہ جانے کتنی ٹکڑیوں میں بٹ چکے تھے اور اہلسنت وجماعت کا شیرازہ اس قدر بکھر چکا تھا کہ اس کا شمار کرنا بھی مشکل ہورہا تھا...... اس دور میں چھوٹے بھی اس قدر بڑے ہوچکے تھے اور ان کی عادتیں اس قدر بگڑ چکی تھیں کہ بڑے بھی ایسے چھوٹوں سے احتراز کرنے لگے تھے باوجود ان مخالفتوں کے ''حضور تاج الشریعہ'' نے اپنی خاموشی سے مرکزی حیثیت کے سنوارنے میں جٹے ہوئے تھے...... اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے اور اس کا فضل عظیم ہے کہ مخالفتوں اور نئے نئے فتنوں کا طوفان بلا خیز اب تھم چکا ہے...... ان مخالفتوں کے تھم جانے کے باوجود ہمیں اپنی نیند نہیں نکالنی چاہئے کہ نہ جانے یہ تھمے ہوئے فتنے کب بیدار ہوجائے یا پھر کوئی اور خطرناک صورت حال جنم لے لے...... اس لئے ہم سب کو اس تعلق سے نہایت ہی چوکنا رہنا چاہئے اور ہر وقت کمربستہ رہیں تو یہ اور بھی زیادہ اچھا ہے......

سماج ومعاشرہ اور اس کے مفاہیم:

سماج ہو یا معاشرہ ہو...... ان دونوں کے مفاہیم میں کافی وسعت اور کشادگی پائی جاتی ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ سماج یا معاشرہ کسی ایک فرد سے نہیں بنتا ہے بلکہ یہ دونوں بہت سے افراد سے مل کر بنتے ہیں...... سماج ومعاشرہ میں شامل افراد کتنے ہوں؟ اس کی کوئی تعداد متعین نہیں...... اس کی شروعات گھر کے اندر سے ہوتی ہے اور گھر کے باہر یہ دونوں بہت دور تک چلے جاتے ہیں...... مگر اس بات پر ضرور توجہ دی جائے کہ سماج اور معاشرہ کسی نہ کسی دائرہ میں رہکر ہی تیار ہوئے کرتا ہے اور دائرہ سے باہر ہونے کی صورت میں فکری بے راہ روی آجاتی ہے ذہن کی آوارگی کھل کر سامنے آجاتی ہے...... سماج میں کوئی اکائی نہیں ہوتی ہے یہ ٹوٹتا بھی ہے اور بنتا بھی ہے ...... بگڑتا بھی ہے اور سنورتا بھی ہے اس میں اچھائی بھی ہوتی ہے اور برائی بھی ہوا کرتی ہے...... یہی وہ سماج ہے جس میں کوئی کسی سے جلتا بھی ہے اور کوئی کسی سے محبت بھی کرتا ہے ...... کوئی ظلم وجفا کی کہانی دہراتا ہے اور اسی سماج میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو شبنمی پھوار بن کر برستے بھی ہیں...... باوجود اس کے۔ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ سماج میں روکھے پن اور سوکھے پن جیسی کوئی کیفیت نہیں پائی جاتی ہے ...... اچھے اور برے ہونے میں یہ حکمت مضمر ہے کہ اس کے ذریعہ اچھوں کو بھی پرکھا جاتا ہے اور بروں کا بھی امتحان لیا جاتا ہے اور ٹھیک انہیں دونوں کے بیچ سے انصاف ودیانت کی ایک ہلکی سی لکیر نمودار ہوتی ہے جو اچھوں کو انعام دیتی ہے اور بروں کو اس کے کئے کی سزا دی جاتی ہے...... اسی ہلکی سی لکیر کی سالمیت اور اس کے فروغ وارتقاء کے لئے کوشش کرنا ''مرکز'' کا کام ہوا کرتا ہے...... مرکز اہلسنت نے اس کام کو کہاں تک انجام دیا ہے اور اس نے کیا کیا کوششیں کی ہیں؟ اسی بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے...... سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا کی ذات گرامی اسی انصاف ودیانت کی علامت ہے انہوں نے ہر کسی کے ساتھ انصاف سے کام لیا ہے...... نہ انہوں نے اپنوں کی بیجا حمایت کی ہے اور نہ ہی ظالموں کو اس کے ظلم سے زیادہ سزا دی ہے...... ان کے یہاں نہ افراط ہے اور نہ تفریط ہے بلکہ ان کا قلم اعتدالی کیفیت کا ترجمان ہوا کرتا ہے...... اس بات سے وہ بھی واقف ہیں جو ان کی ذات و

شخصیت کے تعلق سے منفی سوچ رکھتے ہیں اور وہ ارباب علم و فن جانتے ہیں جنہوں نے ان کے مے خانہ محبت سے ارغوانی بادہ عرفاں سے جام و مینا پی پی کر مست و مدہوش ہے...... ایسے بڑوں کی بارگاہ میں، میں کیا بیان کروں؟ مجھے آپ سے مخاطب ہونے کا سلیقہ نہیں آتا......

مرکز اہل سنت اور سماجی عناصر:

سماج کا دائرہ وسیع ہوا کرتا ہے اور کہاں تک وسیع ہوتا ہے اس بارے میں کوئی کچھ نہیں بتا سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے عناصر مادی کیفت سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ مادی کیفیت سے ماورا ہوا کرتے ہیں...... اس کے عناصر ارد گرد علاقوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور دور دراز شہروں اور ملکوں میں بھی...... امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خدمت با برکت میں نہ جانے کہاں کہاں سے سوال آتے؟ اور کتنے کتنے دور سے آتے؟ اہل علم حضرات سے یہ بات پوشیدہ نہیں جس نے جو پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا زندگی کے جس شعبہ سے متعلق پوچھا آپ نے اس کا تسلی بخش جواب عنایت فرمادیا...... کیا کوئی ایسا سوال ہے؟ جو آپ کی خدمت میں کہیں سے آیا ہو اور آپ نے اس کا جواب نہ دیا ہو۔ میرے خیال میں ایسا کوئی سوال ہی نہیں ہے...... بس یہی تو مرکز کی علامت ونشانی ہے جو سب کی ضرورتوں کا پاس و لحاظ کرتا ہے اور سب کی تشنہ لبی کا مداوا کرتا ہے...... فتاوی رضویہ کو اٹھا کر دیکھ لیجئے اس میں جس قدر بھی سوالات پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر ایک سوال کا تعلق زندگی کے کسی نہ کسی شعبہ سے ضرور ہے۔ انہیں شعبہ حیات میں سے کچھ کا ذکر کیا جارہا ہے الف...... عقائد و ایمانیات...... ب...... غسل و وضو اور طہارات کے مسائل...... ج...... عبادات میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مسائل...... د...... نکاح، طلاق، مہر اور جہیز وغیرہ...... ر...... معاشرت اور آداب معاشرت ...... س...... خرید و فروخت کے مسائل و جزئیات ...... ش...... سود اور جائز معاملات کے بارے میں تصریحات کثیرہ...... ص...... اجارہ و عاریت اور وقف و ہبہ کے مسائل ...... ع...... وصیت و میراث اور تقسیم ترکہ وغیرہ......

یہ وہ شعبہ جات ہیں جو انسانی حیات و معاشرت اور اس کی سماجی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں...... یہ وہ آئینہ حیات ہے جس میں افراد نسل انسانی کی زندگی اور ان کے مختلف شعبوں کی پوری جھلک دیکھی جا سکتی ہے...... ''اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی'' نے ان عنوانات کے تحت جو باتیں کہی ہیں اور جو حقائق و بصائر پیش کئے ہیں...... اس قدر مفید معنی خیز اور صحت بخش ہیں کہ ان پر چل کر کوئی بھی انسان اپنے آپ کو سنوار سکتا ہے اور خود اپنی حیات اور دوسروں کی زندگی کو فرد و سماج معاشرہ اور شہر و ملک کے لئے مفید نیز بین الاقوامی طور پر اپنے آپ کو امن و سکوں کا ترجمان بنا کر پیش کر سکتا ہے اور غیروں کی محفلوں میں جا کر صلح و آشتی کا پیغام دے سکتا ہے...... مگر افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ سماجیات کے ماہرین نے جب کبھی سماج و معاشرہ کی تشریح کی ہے یا اس کے تعارف میں تقریریں کی ہیں یا تحریروں کو پیش کیا ہے تو انہوں نے صرف فلاسفر کے نظریات اور تجربات کو پیش کیا ہے اور انہیں کے حوالے سے انہیں جو کہنا تھا کہا ہے حالانکہ انہوں نے وہی باتیں کہی ہیں جن کے بارے میں ہمارے علمائے کرام اور بزرگوں نے بہت پہلے وضاحت کردی ہے...... نہ معلوم جدید علوم وفنون کے دلدادگان

کے دلوں میں کیا کدورت ہوتی ہے؟ کہ چمکتے چاند اور دمکتے ستاروں کو دیکھتے ہیں ان سے استفادہ بھی کرتے ہیں اپنے ذہن ودماغ کو روشن وتابناک بھی کرتے ہیں مگر ان کا نام نہیں لیتے اور نہ ان کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں...... امام احمد فاضل بریلوی کے فتاوے...... تحریرات میں سماجی عناصر جس واضح انداز میں پائے جاتے ہیں اگر ان پر غور کیا جائے اور ان کے مضمرات کی اک اک پرت کھولکر دیکھ لی جائے تو ارباب فکر سماج ومعاشرہ کے تعلق سے غیروں کی تحریرات کو پڑھنا چھوڑ دیں گے...... کیا کیا جائے کہ عصبیت اور تنگ نظری نے کسی کو کہیں کا نہیں رکھا ہے...... اور امام احمد رضا جیسی عظیم شخصیت کا نام لینے سے کچھ اس طرح خوف کھاتے ہیں کہ کہیں ان کا نام لینے سے ان کا وقار داؤ پر نہ لگ جائے......

سماج ومعاشرہ کا اک انوکھا تصور:

جب ہم ''امام احمد رضا فاضل بریلوی'' کے مجموعہ فتاوی جلد دہم الف اور ب کی لمبی فہرست پر سرسری نظر ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے سماجی مسائل کے حل کرنے میں کس قدر باریکی سے کام لیا ہے؟ جس شرح و بسط کے ساتھ آپ نے سماج ومعاشرہ کی خدمات انجام دی ہیں شاید ہی اس طرح کی خدمات کسی اور کے یہاں پائی جاتی ہوں؟ ان کے سماجی اور معاشرتی خدمات کن زاویوں میں پائی جاتی ہیں؟ ملاحظہ فرمائیں اور پھر غور کریں

(۱)...... اعتقادیات:۔...... ایمان، کفر، شرک، جرم، گناہ اور توبہ وشرک وغیرہ...... کسی بھی سماج میں ''اعتقادیات'' کو بڑی اہمیت دی گئی ہے کیونکہ سماج کا ہر ایک فرد کسی نہ کسی مذہب سے جڑا ہوتا ہے اور جڑا رہنا بھی چاہئے...... اس لئے کہ مذہبی تصور ہی سماج کو بہتر بنا سکتا ہے۔ اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا سکتا ہے۔ جہاں مذہبی تصور نہیں ہوتا ہے ایسے سماج اور معاشرہ میں رہنے والوں کے ذہنوں اور دلوں میں کدورت پائی جاتی ہے۔ بے راہ روی ان کی فطرت میں شامل ہو جاتی ہے اور پھر وہی کام کیا جاتا ہے جس میں ان کا اپنا ذاتی مفاد ہوتا ہے...... دوسرے کا مفاد کیا ہے؟ اس طرف کوئی کسی طرح کی توجہ نہیں دیتا ہے۔ اسی لئے دور حاضر کا سماج بگڑا ہوا سماج ہے...... ایسے سماج کی اصلاح کے لئے مذہبی تصور پر زور دیا جائے بلکہ اس پر عمل کرنے کی زبردست تلقین فرمائی جائے...... اگر کوئی جرم کرتا ہے تو واجبی طور پر اسے سزا دی جائے۔ اور جو بے گناہ ہیں انہیں کسی طرح کی دشواریوں میں نہ ڈالا جائے مگر آج کیا ہو رہا ہے سب کو معلوم ہے جس سماج میں اس قسم کے واقعات پیش آئیں وہ سماج کیسا ہوگا؟ سب پر روشن ہے!

(۲)...... شرب و طعام:۔...... ولیمہ، ضیافت مہمانی اور مہمان نوازی:۔ ہم بہت ہی پہلے بتا چکے ہیں کھانا اور پینا انسان کی ضروریات میں داخل ہے...... یہ وہ ضروریات ہیں جن کے بغیر انسانی حیات خطرۂ عظیم میں پڑ سکتی ہے...... کیا کھانا چاہئے اور کیا نہیں کھانا چاہیئے کیا پینا چاہیئے اور کیا نہیں پینا چاہیئے: ان تمام پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے...... کسی سماج میں مہمان کی حیثیت کیا ہوا کرتی ہے اور اس کی مہمان نوازی میں کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے...... یہ تمام باتیں سماج سے تعلق رکھتی ہیں ان پر غور کرنا اور ضروری ہدایات کا جاری کرنا خالص سماجی خدمات کے زمرے میں آتا ہے...... امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس جہت سے

بھی سماج کی خدمات انجام دی ہیں اور احسن طریقہ سے انجام دی ہیں۔ جسے اس بارے میں کسی طرح کا شک و تردد ہو تو وہ فتاوی رضویہ جلد دہم اٹھا کر مطالعہ کر لے اور دیکھ لے کہ سماجی خدمات کیا ہوا کرتی ہیں...... دور ہی کھڑے رہنے سے آپ کو کیا جانکاری ہوگی۔ نزدیک آ کر دیکھئے......

(۳)...... ظروف و زیور:۔ انگوٹھی۔ سونے چاندی اور پیتل تانبے کے استعمال کے بارے میں حکم شرع:۔ اس باب کا تعلق فردیت سے ہے اور سماجیت سے بھی اور انسانی معاشرتی زندگی میں اس کا کیا عمل دخل ہے؟ اس بات کو سبھی جانتے ہیں...... سماج کا پہلا نمائندہ فرد ہوتا ہے اس کے بعد گھر کا ماحول ہوا کرتا ہے پھر اس کے بعد خاندان کی بات آتی ہے اسی سماج میں اہل محلہ بھی شامل ہوتے ہیں اور شہر کے رہنے والے افراد بھی اور ملکی پیمانے پر بھی سماج کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہر جگہ برتنوں کی ضرورت پڑتی ہے...... شادی بیاہ کے پروگراموں میں بھی اس کی اشد ضرورت پڑا کرتی ہے...... ان تفصیلات کے ذریعہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ظروف، زیور اور اسی طرح کے دوسرے سامان بھی سماج کے معاملات میں کافی اہمیت رکھتے ہیں...... اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اس بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں...... ان ساری چیزوں کا مطالعہ بھی سماجیات میں شامل ہے...... اور اگر کوئی اس بات سے انکار کرتا ہے تو انہیں چاہیئے کہ ''فسانہ عجائب'' کا مطالعہ کرے جس میں ظروف اور برتنوں کے ذریعہ اس دور کے سماجی تقاضوں کو بتانے کی کوشش کی گئی ہے...... بہر حال اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ظروف اور برتن بھی اپنے دور کے سماج کی نمائندگی کرتے ہیں...... اور اگر منطقی طور پر ان برتنوں پر غور کیا جائے تو اسے بھی انسانی ضرورت میں شامل کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس شمولیت کی حیثیت خصوصی نہ ہو کر عمومیت بن کر رہ جائے گی......

(۴)...... لباس:۔ عمامہ، ٹوپی، جوتا وغیرہ کے بیان میں:۔ لباس کیا ہے؟ سماجی، معاشرتی اور تہذیبی عمل کا ایک حصہ ہے...... میں نے اسے ''سماجی عمل'' کا ایک حصہ کیوں قرار دیا؟ شاید اس کی کوئی نہ کوئی وجہ آپ کے ذہن میں پہلے سے موجود ہو...... اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی وجہ موجود نہیں تو میں اس بارے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ لباس کا معاملہ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ اس بارے میں نظریہ کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی ہے...... بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک اچھا خاصا انسان جو علم و ادراک میں بھرپور ہو...... فکر و شعور اور دیگر تمام خوبیوں کا پیکر ہو...... حسن و کشش میں ایسا باکمال ہو کہ اس کا کوئی جواب نہ ہو...... شیریں گفتار ہو غرض کہ جس قدر خوبیاں ہیں سب ان میں پائی جائیں...... اور زبردست علمی، فنی اور تہذیبی نظریئے بھی رکھتا ہو...... باوجود ان خوبیوں کے اگر وہ عریانی حالت میں کسی سے گفتگو کرے تو کوئی بھی انسان اس سے بات کرنے کو تیار نہیں...... اس لئے کہ اس کے جسم پر کسی طرح کا لباس نہیں اگرچہ ان کی شخصیت میں بہت ساری خوبیاں پائی جاتی ہوں...... معلوم ہوا کہ انسان کو ایک معمولی قسم کے لباسوں نے اسے کیا دیا؟ اور کیسے دیا ہے...... کتنا دیا اور کیوں دیا......؟ اسی لئے میں کہتا ہوں...... سماج کے لئے لباس کتنا ضروری ہے اسے سمجھ کر ہی چلنا چاہیئے...... ٹوپی عمامہ اور دوسرے قسم کے لباس میں بڑی جان ہوتی ہے

جوتے، چپل اور موزے وغیرہ بھی لباس میں آتے ہیں کبھی کبھی اس کی بھی ضرورت پڑتی ہے...... اس بناء پر میں نے لباس کو زبردست حیثیت دی اور اسے نہایت خوبصورت انداز سے تعبیر کیا ہے...... لباس ہے تو سب کچھ ہے اور جس کے پاس لباس نہیں گویا اس کے پاس کچھ نہیں......

(۵)...... دیکھنا چھونا:۔ پردہ، حجاب اور دیوثی کے مسائل :۔ سماج صرف مردوں سے نہیں بنتا ہے اور نہ ہی صرف لڑکوں سے بنتا ہے سماج کے دو کارآمد پہیوں میں سے ایک پہیئے کا نام عورت، لڑکیاں ہیں ان کا بھی سماج میں اتنا ہی رول ہوتا ہے جتنا ایک مرد کا ہوا کرتا ہے سماج و معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں عورت کا بھی اُتنا ہی رول رہا ہے جتنا کہ ایک مرد کا رول رہا کرتا ہے...... سماجی اعتبار سے عورتیں گھر کی زینت ہوا کرتی ہیں...... بچوں کی تربیت جس احسن طریقہ سے عورتیں کر لیتی ہیں مرد نہیں کر سکتا...... اس لئے عورتوں کو پردہ میں رہنا چاہئے...... پردہ ان کا زیور ہوا کرتا ہے کسی بھی عورت کو بے محرم مردوں کے سامنے آنا سخت منع ہے...... اب رہی بات دیوث کی تو دیوث اس مرد کو کہا جاتا ہے جو اپنی بیویوں کے بے پردہ نکلنے پر راضی ہو۔ ایسے مردوں کو بھی اس سماج میں برا تصور کیا جاتا ہے...... غیر محرم عورتوں کو دیکھنا اور اس کے بدن کے کسی حصہ کو چھونا سخت منع ہے...... اس طرح کی باتیں دور حاضر کے سماج میں کہاں پائی جاتی ہیں...... بازاروں، میلوں اور ٹھیلوں میں عورتیں نہایت ہی بے پردگی کے ساتھ نکلتی ہیں اور ان کے ساتھ میں ان کے شوہر بھی ہوا کرتے ہیں...... یہ وہ مسائل ہیں جو سماج کے لئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں...... ان پر قدغن لگنا چاہیئے اور عورتوں کو بے پردہ بازاروں میں جانے سے منع کرنا چاہیئے مگر افسوس اس بات پر ہے دور حاضر میں اسے معیوب نہیں جانا جاتا ہے بلکہ اسے فیشن کے طور پر اپنایا جاتا ہے...... اعلی حضرت فاضل بریلوی اس طرح کے سماج میں شفافیت لانا چاہتے ہیں جیسا کہ ان کے فتاوی کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے...... اس بات میں یقینی طور پر سچائی پائی جاتی ہے کہ اعلی حضرت کے یہاں نہ صرف سماج کا تصور پایا جاتا ہے بلکہ آپ نے اس میں خیر و فلاح لانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے جس کام کو انہوں نے ادھورا چھوڑا تھا اسے تکمیل تک لے جانے میں آپ کے خاندان کی عظیم شخصیتوں نے کوشش کی ہے جو سب پر عیاں ہے...... اور جہاں تک ہمارے علمائے کرام کی بات ہے تو اس بات کو دو دو چار کی حیثیت جانتے ہیں اور اسے تسلیم بھی کرتے ہیں......

(٦)...... سلام و کلام :۔ مصافحہ، معانقہ بوسہ، دست بوسی اور پاؤں بوسی کے تعلق سے احکام شرع:۔ سلام و کلام...... مصافحہ، معانقہ اور دست بوسی کو ہلکے میں نہ لیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے دلوں میں محبت اور ذہنوں میں شفافیت نمایاں ہوتی ہے...... یہ ساری چیزیں ایک دوسرے کی نفسیات...... عادات اطوار اور تعظیم و مروت کے جذبوں کو بیدار کرتی ہیں...... والدین کا کیا مرتبہ ہوا کرتا ہے؟ اساتذہ اور معلمین کس بلند مرتبے پر فائز ہیں، ان باتوں کو کون بتاتا ہے؟ اگر انہیں جاننا ہی ہو تو اعلی حضرت کے فتاوی اور رسائل کا مطالعہ کر لیں...... بات بالکل صاف ہے کہ انہوں نے جس شد و مد کے ساتھ سماجی خدمات کو انجام دیا ہے ہم اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتے...... اور نہ ہی آنے والے زمانہ

میں کوئی فراموش کرنے کی جرأت کرسکتا ہے

(۷)......:۔ داڑھی، ختنہ، حلق وحجامت، مونچھ، سر کے بالوں اور ناخن ترشوانے کے بارے میں...... ان میں کچھ وہ ہیں جو فطرت سے متعلق ہیں جہاں تک داڑھی کا مسئلہ ہے اسے تو ''شعار اسلام'' کہا گیا ہے شعار اسلام ہونے کا مطلب یہی ہے کہ داڑھی اسلامی سماج کا ایک اٹوٹ حصہ ہے اور کسی کے چہرہ پر داڑھی کے ہونے سے جو چمک نمودار ہوتی ہے اس کا ایک مشت ہونا ضروری ہوا کرتا ہے ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والے نہ ادھر ہیں اور نہ اُدھر ہیں اس لئے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں...... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے داڑھی کے اوپر ایک رسالہ ہی تحریر فرمادی ہے ...... جہاں اس تحقیقی کاوش کو علمی اور فنی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے وہیں اسے سماجی حیثیت سے بھی دیکھا جائے......

(۸)...... زینت کے مسائل :۔ سرمہ، مسی، خضاب، مسواک مہندی، سنگار وغیرہ...... زینت مردوں کے لئے حرام ہے اور عورتوں کے لئے شرعی حد تک جائز ومباح ہے ...... کون سی زینت جائز ہے اور کون سی ناجائز ہے...... ان ساری باتوں کا ذکر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی کتابوں اور ان کے رسالوں میں پایا جاتا ہے...... جب عورت کو سماج کے ایک کردار کے روپ میں دیکھا جاتا ہے تو ظاہر ہے عورتوں کے تعلق سے جتنی باتیں پائی جاتی ہیں انہیں بھی سماج میں شمار کیا جاسکتا ہے ...... اسی طرح زینت اور اس کے ساز وسامان کو رسم ورواج کے طور پر دیکھا جاتا ہے...... رسم ورواج کہاں پائے جاتے ہیں ؟ سماج میں یا سماج سے باہر؟ اگر سماج میں پائے جاتے ہیں تو زینت اور اس کے متعلقہ ساز وسامان کو کس خانہ میں رکھا جاسکتا ہے؟ یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے!

(۹)...... کسب واقتصادیات :۔ خرید وفروخت ۔ اجرت و رشوت ۔ سود ۔ پیشہ صنعت وحرفت ۔ دین نذرانہ ۔ بیمہ ۔ ترکہ ومیراث ۔ غصب اور ذرائع آمدنی: حلال وحرام ...... علم وتعلیم :۔ علماء تلامذہ، تلامذات، مفتی وافتاء کتابت اور دیگر علوم وفنون کے بارے میں...... دور حاضر میں انسان مالدار بننے کے لئے کیا کیا نہیں کرتا ہے؟ چوری، ڈکیتی اور پھروتی جیسے خطرناک مسائل کو آمدنی کے ذرائع کے طور پر دیکھا جاتا ہے...... روپے پیسے سے ایسی محبت کس کام کی؟ جو انسان کو حرام کاموں میں گرفتار کردے...... ہاں کمائی کے جو ذرائع جائز وطیب ہیں انہیں اپنانے میں کوئی حرج نہیں ...... یہ رہنمائی خالص سماجی رہنمائی ہے اور اعلیٰ حضرت بریلوی نے اس کے بارے میں رہنمائی کرکے سماج کی بہترین خدمت کو انجام دی ہے

(۱۰) لہو ولعب :۔ راگ، مزامیر، موسیقی، قوالی، رقص وسرود، وجد وتواجد مزاح، کھیل کود اور دوسرے قسم کے تماشے وغیرہ کی تفصیلات...... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باب میں جن چیزوں کا ذکر کیا وہ ساری چیزیں دور حاضر کے سماج میں عناصر کی حیثیت رکھتی ہیں اور عناصر میں بھی انہیں نمایاں عنصر کی حیثیت رکھتی ہیں...... ہمارے سماج و معاشرہ کا کوئی گھر ایسا نہیں ہے جس میں ناچ گانے نہ ہوتے ہوں خواہ ٹی وی کی اسکرین پر دیکھے جائیں یا کہیں اور دیکھے جائیں...... بہر حال اس کا بہت زیادہ رواج ہوچکا ہے ...... بچے، نوجوان، بوڑھے...... اور دوسری جانب لڑکیاں عورتیں اور بوڑھیائیں وغیرہ بہت زیادہ شوق سے دیکھتی ہیں

......اور جب کبھی موقع ملتا ہے ہمارے گھر کی عورتیں بھی ناچنے سے نہیں چوکتی ہیں...... ایسا سماج جس میں ناچ گانوں کی بہتات ہو...... ایسا سماج کیسا ہوگا اس بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے اسے تو ہم لوگ ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہے...... یہ سماج کہاں کہاں جائے گا اس بارے میں کچھ کیا کہا جاسکتا...... اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اسی قسم کے سماج کی اصلاح فرمائی ہے اور اس کے لئے حدود متعین کر چکے ہیں......

(۱۱)...... امر بالمعروف، نہی عن المنکر:

۔یہ ایک ایسا باب ہے، جو سماج و معاشرہ کو خیر کی جانب لے جاتا ہے اور اس میں فلاح و بہبودی کو نمایاں کرتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس سماج میں یہ باب نہیں ہوتا ہے اور کوئی نیکیوں کو بڑھاوا نہیں دیتا یا برائیوں کی بیجا حمایت کرتا ہے وہ سماج کھوکھلا ہوتا ہے اور اس کے نظریات و تجربات میں کسی قسم کی کشش نہیں ہوتی ہے دور حاضر میں کسی سماج میں "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" پر توجہ مبذول نہیں کی جارہی ہے اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ سماج ٹوٹ چکا ہے اور سماج کے افراد نہایت ہی شرمناک امور کے انجام دینے میں مشغول ہیں...... اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اس پر خاص طور سے توجہ فرمائی ہے آپ نے اچھائیوں کو فروغ دینے میں زبردست کوششیں کی ہیں اور برائیوں کو پنپنے نہیں دیا ہے...... یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں، رسالوں اور تصنیفات سے سماج کا جو تصور ابھر کر آتا ہے "ماشاءاللہ" اس کا کہنا ہی کیا ہے۔اس میں تو بڑی کشش پائی جاتی ہے......

(۱۲)......مرض و تداوی :۔ سماج کوئی بھی ہو "مرض و تداوی" سے خالی نہیں ہوتا ہے اس میں کوئی بیمار ہوتا ہے اور کوئی اس بیماری کا علاج بھی کرتا ہے...... کون علاج کرے ؟ کون سی دوائیں استعمال کی جائیں؟ علاج کرنے کا جذبہ کیا ہونا چاہئے؟ انہیں ساری باتوں پر اعلی حضرت فاضل بریلوی نے توجہ دی ہے مگر افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ دور حاضر میں خیر و فلاح پر مبنی اس پیشہ طبابت کو تجارت کا پیش خیمہ بنا لیا گیا ہے اس دور میں کسی بھی مرض کا علاج کرنا بڑا مشکل مسئلہ بنتا جارہا ہے اس بارے میں اعلی حضرت کے جو ارشادات ہیں ان پر عمل کرنے کی شدید ضرورت ہے ......افراد نسل انسانی، تنظیمیں اور حکومتی اداروں کو بھی اس بارے میں سوچنا چاہئے...... کہ کس طرح علاج و معالجہ میں شفافیت لائی جائے اور اس کے لئے کون سی تدبیر عمل میں لائی جائے تا کہ مریض اور اس کے تیماردار نظام علاج پر اپنے اعتماد کو بحال کر سکیں۔

اب تک جو باتیں پیش کی گئیں...... ان میں صرف مرکز اہلسنت کے تعلق سے سماجی خدمات کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے...... اگر تفصیل سے انکا تذکرہ کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں اس کے لئے ایک دفتر عظیم چاہیئے...... اور اگر اسے فنی تناظر میں لایا جائے تو اسے ایک فن کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور میں نے جہاں تک مطالعہ کیا ہے تو اس مطالعہ کے درمیان میں نے محسوس کیا کہ ماہرین سماجیات نے بھی اسے صرف ایک مضمون کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے اب تک کسی نے اسے فن کی حیثیت سے دیکھا نہیں ہے...... میرے پاس ڈاکٹر سلامت اللہ کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے جس کا نام انہوں نے "تعلیم فلسفہ اور سماج" رکھا ہے جب میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو مجھے مایوسی حاصل ہوئی کہ انہوں نے سماج کے تعلق سے کچھ نہیں بھی لکھا اور اس کے تعلق سے جو بھی

انہوں نے وضاحت کی ہے وہ صرف برائے نام ہے ......انگریزوں کے زیر اثر جو تبدیلیاں واقع ہوئیں ہماری زندگی میں...... ہمارے سماج...... اور ہمارے معاشرہ میں...... ان تبدیلیوں کو انہوں نے سراہا ہے مگر وہ سماج جو ہندوستان میں غیر متزلزل اصولوں کی بنیاد پر قائم تھا انہوں نے اس سماج کو فرسودہ اور جمودی سماج قرار دے دیا ...... کہنے کو ڈاکٹر صاحب دانشور کہے جاتے ہیں مگر ان کی سوچ اس قدر گھٹیا ہے کہ بس مت پوچھیئے...... سماج کا جو صحیح تصور ہے اس کی طرف ان کا ذہن جاتا ہی نہیں ہے...... خیر مجھے اس وقت کسی کے نظریہ اور سوچ پر تنقید کرنا ہمارا مقصد نہیں بلکہ اس بات پر غور کرنا ہے کہ دنیا میں امام احمد رضا جیسا کوئی سماجی ماہر اور سماجی محقق نظر آتا نہیں...... غیروں کی آنکھوں سے دیکھا تو کیا دیکھا...... اصل میں دیکھنا وہ ہوتا ہے جسے انسان اپنی آنکھوں سے دیکھے...... اور اپنے دماغ سے غور کرے اور پھر اپنی قوت فیصلہ کو کام میں لائے مگر جدید علوم وفنون کے شیدائیوں نے ایسا نہیں کیا...... ہاں انہوں نے سماج اور معاشرہ کی تشکیل میں تیر مارا تو ایسا کہ اسلامی سماج کی دھجیاں بکھیر دیں اور اسلامی سماج کے متوازن ایک نئے سماج کی بنیاد رکھ دی...... اور اس نئے سماج کے بنیادی عناصر میں انہوں نے بد اخلاقی ۔ بے مروتی ۔ بے پردگی ۔ بغیر کسی حجاب و پردہ کے سر عام جانے کی کی اجازت دے دی اور غیر محرم مردوں کے بیچ آنے جانے کی اجازت دیدی ...... مخلوط تعلیم و تربیت پر کوشش و زور کو سماج میں شامل کر دیا اس کے علاوہ انہوں نے دوسروں کے مفاد پر اپنے مفاد کو ترجیح دے دی وغیرہ وغیرہ...... یہی وہ نیا سماج ہے جس میں

عورتوں کو آزادی کے نام پر ان کے اختیارات میں ایسی توسیع کر دی گئی کہ حد سے کہیں زیادہ ہوگئی اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسے سماج کی اصلاح کی جائے اور اس میں تجدید کی جائے یہ کام بھی ''مرکز اہل سنت و جماعت'' سے کی گئی ......اس بات کا یقینی طور پر خیال رکھا جائے کہ سماج افراد و رجال پر مشتمل ہوا کرتا ہے اس میں جہاں مرد شامل ہیں وہیں عورتیں بچے بوڑھے بھی شامل ہیں...... آپ انہیں افراد کی تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں: مفید ۔ مستفید ۔ منفرد

مفید...... وہ جو دوسروں کو فائدہ پہونچائے

مستفید...... وہ کہ خود دوسروں سے فائدہ اٹھائے

منفرد...... وہ کہ دوسروں سے فائدہ لینے کی اسے اجازت نہ ہو اور نہ دوسروں کو فائدہ پہونچا سکتا ہو......

مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے اور منفرد کو جائز بلکہ واجب ہے'' (ملفوظات ۳/۷۳)

افراد سماج کا تجزیہ کرنا بعینہ سماج کا تجزیہ کرنا ہے ۔ دور حاضر میں کون سا ایسا ماہر سماج ہے جس نے اس انداز میں سماج اور افراد سماج کا تجزیہ کیا ہو؟ جہاں تک میں نے اب تک سماجی مضامین کا مطالعہ کیا ہے ان میں سے کسی مضمون میں اس طرح کا تجزیہ میری نظر سے نہیں گزرا ہے یہ سرکار اعلی حضرت کا انفرادی کمال ہے یا پھر ان کے بزرگوں کا کمال ہے...... اس تقسیم کی بنیاد پر ہی دیکھا جائے کہ سماج میں اس طرح کے کتنے لوگ پائے جاتے ہیں جو کسی اور کو

فائدہ دے سکتے ہیں اور کسی دوسرے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور جو منفرد قسم کے لوگ ہیں ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ گوشہ تنہائی میں چلے جائیں......اسی فائدہ دینے اور کسی سے فائدہ اٹھانے پر ہی سماج بنتا ہے اور معاشرہ کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اور جس کے اندر نہ فائدہ دینے کی صلاحیت ہو اور نہ کسی سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہو اس کا سماج میں کیا کام؟ اور معاشرہ سے ان کا کیا تعلق؟ اس لئے اسے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ کسی گوشہ میں جا کر بیٹھ جائیں اس کے لئے صرف اجازت ہی نہیں بلکہ ان پر ایسا کرنا واجب قرار دیا گیا ہے......

سماج تو بہر حال سماج ہے اس کے سارے افراد نہ ایک جیسے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ایک جیسے صرف برے ہو سکتے ہیں اور نہ ایک جیسے سب کے سب اچھے ہو سکتے ہیں ...... ہاں! اتنا تو ضرور ہوتا ہے کچھ اچھے ہوتے ہیں اور کچھ برے ہوتے ہیں۔ بروں سے بھی گناہوں کا صدور ہوا کرتا ہے اور اچھوں سے بھی ان کا صدور ممکن ہو سکتا ہے۔ گناہ جس سے بھی سرزد ہو اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے جب چاہے صدق دل سے توبہ کرلے اور اپنے کئے گناہوں سے عفو و تلافی کرلے جو اچھے اور صاف دلی سے توبہ کرتا ہے اللہ تبارک وتعالی اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" یعنی جو گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے تو اس کے سارے کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں......اعلی حضرت فاضل بریلوی بھی اسی سماجی زندگی کے ایک عظیم شخصیت کے مالک ہیں ......ان کی زبان میں ایسی تاثیر فرما دی کہ آپ جو کچھ بھی فرماتے یا لوگوں کو نصیحت فرماتے براہ راست ان کے دماغ پر اثر انداز ہوتا اور پھر دل کی کیفیت میں ایک انقلاب سا بیدار کر دیتا اور وہ گنہگار انسان توبہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا جیسا کے درج ذیل اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے

"ان کی زبان فیض ترجمان سے بہت سے بے علموں اور فاسقوں کو بھی صلاح وفلاح کی زندگی نصیب ہوئی ایک بار قریباً چونتیس دن جبل پور میں قیام فرمایا تھا بے شمار مسلمانوں نے اپنے علانیہ اور خفیہ گناہوں سے ان کے دست پاک پر توبہ کی ......اور زبان کی تاثیر یہ تھی کہ سیدھی سادی باتوں سے لوگوں کے دل امنڈ آتے تھے نہ جانے مدتوں کے کتنے جھگڑے ان کی دو دو باتوں سے طے ہو گئے اور جو مسلمان باہمی نزاع و آویزش جیسے عظیم گناہ کے مرتکب ہوتے چلے آرہے تھے چشم زدن میں یک جان و دل ہو گئے......جبل پور کا واقعہ ہے دو بھائیوں میں باہمی نزاع تھی چند کلمات کے بعد فرمایا: آپ دونوں صاحبوں میں جو سبقت ملنے میں کرے گا۔ جنت کی طرف سبقت کرے گا۔ یہ فرمانا تھا کہ دونوں کے قلوب پر ایک برقی اثر ہوا اور بے تابانہ ایک دوسرے کے قدموں پر گر پڑے آپس میں نہایت صاف دلی کے ساتھ لپٹ گئے جوش محبت کی یہ حالت ہوئی کہ اگر حاضرین میں سے سنبھال نہ لیتے تو دونوں حضرات اس معانقہ قلبی میں گر پڑتے......خود بریلی میں آئے دن

اعلیٰ حضرت کے ہاتھوں پر توبہ کرنے والوں کا کوئی شمار نہیں''(امام احمد رضا اور تصوف ص ۷۸)

سماج کیا ہے؟

ایک فرد کا دوسرے سے اور دوسرے کا تیسرے سے اور تیسرے کا کسی چوتھے سے جڑ جانے کا نام ہے گویا یہ ایک ایسی زنجیر ہے جس میں ایک کڑی دوسری کڑی سے جڑتی چلی جاتی ہے...... دلوں میں من مٹاؤ ہوا کرتا ہے اور ذہنوں میں خرافتیں بھی پیدا ہوتی ہیں اسی لئے باہمی نزاع کی صورتیں نمایاں ہوتی رہتی ہیں......اور پھر اسی سماج میں کوئی ایسا بھی فرد ہوتا ہے جو نزاعی صورتوں کا ازالہ کرتا ہے ......حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے سماج کی اس خدمت کو بھی نہایت ہی زوردار انداز میں انجام دیا ہے......

''شہر احمد آباد کے مسلمانوں میں ایک بار باہمی نزاع پڑی ......لوگوں نے امام احمد رضا کی خدمت میں لکھا۔ کہ یہاں ایک جھگڑا پڑا ہوا ہے......ایک مسجد مدت سے بن گئی اور ایک مسجد اب بن رہی ہے ہر دو جانب کے فتوے نکلے ہیں مذکور دو فتوے آپ کی خدمت اقدس میں روانہ ہیں بعور ملاحظہ فرما کر جو حکم صحیح ہو روانہ کریں......آپ کی حق تحریر آنے سے ان شاء اللہ العزیز شر مٹ جائے ایسی امید ہے......دونوں فتوؤں کو ملاحظہ فرمانے مسجد ضرار کی حقیقت بتانے اور دیگر احکام شرعیہ واضح فرمانے کے بعد آخر میں رقم طراز ہیں

(امام احمد رضا اور تصوف ص ۸۱)

فقیر بحمدہ تعالیٰ تمام سنی بھائیوں سے خدمت گاری کا شرف حاصل ہے......لہٰذا دونوں فریق سے دست بستہ عرض ہے کہ رنجش جانے دیں انما المومنون اخوۃ پر نظر فرما کر گلے مل لیں۔فریق اول کو اپنی نیت معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے زائد اس کی نسبت جانتا ہے......اگر واقع میں مسجد انہوں نے محض براہ نفسانیت بقصد اضرار مسجد سابق بنائی ہے تو ضرور وہ مسجد ضرار ہے اسے دور کریں اور تائب ہوں......مگر فریق دوم کو ہرگز حلال نہیں کہ مسلمانوں پر اتنی سخت بدگمانی کر کے معاذ اللہ مسجد ڈھانا چاہیں اور ایسے بے معنی نام کے فتوؤں کی آڑ لیں جو اس سے زیادہ اور کیا ظلم کریں گے کہ مسجد گرانے کا حکم دیتے اور حاکم وقت کو بربادی خانہ خدا پر ابھارتے ہیں ۔والعیاذ باللہ رب العلمین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم......فقیر اپنے اس خط کی نقل فریق اول کو بھی بھیجے گا کہ میں نے دونوں کی خدمت میں دست بستہ عرض کی ہے اور اصلاح کی توفیق دینے والا خدا ہے والسلام علی جمیع اخواننا اہل السنۃ والجماعۃ۔فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ......۱۰رشعبان المعظم یوم الاحد ۱۳۲۹ھ

(فتاوی رضویہ ۶/ ۴۱۲)

اس خط پر غور کریں اور اس کے رموز و اشارات پر گہری نظر ڈالیں ......وقت کا ایک زبردست امام......اہل سنت و جماعت کا ایک عظیم مقتدا......عالم اسلام کا ایک عظیم محقق ......سب سے بڑا دانشور اور مفکر......ان کی بلندی کا یہ عالم

کہ اوج ثریا بھی زیر نگیں...... شہرت و بزرگی کا یہ کرشمہ کہ بڑا سا بڑا ان کے قدموں پر نثار اور جب سماجی خدمت کی بات آئی اور دو فریقوں کے مابین اصلاح کا مسئلہ درپیش آیا...... تو دونوں فریق سے دست بستہ عرض گزار ہو گئے...... کیا سماج میں ایسا کوئی فرد دکھائی دیتا ہے جو سماج کے لئے اتنی بڑی قربانی پیش کر دے اور عوام کے سامنے اپنی مقبولیت و شہرت کو بالائے طاق رکھ دے؟ کرسی حاصل کرنا آسان ہے کسی منصب اور عہدہ پر براجمان ہو جانا بھی آسان ہے مگر کسی کا دل جیتنا بہت مشکل ہے...... دور حاضر میں کوئی وارڈ ممبر ہوتا ہے کوئی چیر مین ہوتا ہے شہر کی سطح پر بھی ممبر اور چیر مین ہوا کرتے ہیں...... صوبائی سطح پر ایم ایل اے اور ملکی پیمانے پر کوئی ایم پی ہوا کرتا ہے...... ان سب کے حالات کسی سے پوشیدہ نہیں یہ سب کچھ ہو سکتے ہیں مگر سماجی خدمتگار نہیں...... کیونکہ یہ لوگ عوام کے دلوں میں نہیں ہوتے ہیں اور جو عوام و خواص کے دلوں میں ہوا کرتا ہے اسی کو سماجی خدمت کا بیڑا اٹھانا پڑتا ہے یہ سارے امور جنہیں ہم سماجی خدمات سے تعبیر کرتے ہیں ہمارے علمائے کرام اور مشائخ عظام ہی انجام دیا کرتے ہیں

مرکز اہل سنت بریلی شریف کی سماجی خدمت کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے...... اعلی حضرت کے پہلے ہی سے سماجی خدمات انجام دیئے جا رہے ہیں اور اعلی حضرت کے بعد بھی سماجی خدمات انجام دیئے گئے...... خانوادۂ رضا کے ایک ایک فرد پر اس بارے میں مقالہ تحریر کیا جا سکتا ہے مگر افسوس کہ وقت کی تنگی ہے اس بارے میں سر دست اس سے زیادہ نہیں لکھا جا سکتا ہے...... مسلک اعلی حضرت صرف علمی فنی اور فکری شعوری تحقیقات کا نام نہیں ہے بلکہ سماجی خدمات کا بھی یہ ایک مجموعہ ہے یہ اور بات ہے اس کا مطالعہ کرنے کے لئے اپنے نہج اور نظریہ میں رد و بدل کرنا ہوگا اس کے بعد ہی مسلک اعلی حضرت سے سماجی خدمات کے اقتباسات اخذ کئے جا سکتے ہیں...... زہے نصیب کہ حضرت مولانا گلزار میاں صاحب قبلہ نے اس موضوع پر لکھنے کا حکم صادر فرمایا اگر میری ان تحریرات کو حضرت والا قبول فرمالیں تو زہے قسمت...... میں دعاؤں کی درخواست لئے حاضر ہوں کرم فرمادیں۔...... اللہ تعالی آپکو سلامت رکھے اور آپ کے طفیل ہم سب کو سلامت رکھے آمین بجاہ سید المرسلین......

❀❀❀

مرکز اہل سنت اور ردعیسائیت

ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد مظہری

جب کسی قوم سے محبت ہوتی ہے، اس کی ہر چیز سے محبت ہوتی ہے۔ اس کے مذہب سے محبت، اس کی معاشرت سے محبت، اس کی حکومت سے محبت، اس کی عدالت سے محبت، اس کی تعلیم سے محبت، اس کے نظام تعلیم سے محبت، اس کی تہذیب وتمدن سے محبت، اس کے افکار وخیالات سے محبت، اس کے پروردوں سے محبت، اس کے مقلدوں سے محبت، اس کے مددگاروں سے محبت، اس کے چاہنے والوں سے محبت، اس کی شکل وصورت سے محبت۔

کہا جاتا ہے کہ امام احمد رضا انگریز کو چاہتے تھے، اس سے محبت کرتے تھے۔ اس کے اشاروں پر چلتے تھے۔ مگر شواہد کو کھنگالا گیا اور حقائق کا مشاہدہ کیا گیا تو اس چاہت اور محبت کا دور دور پتہ نہ ملا۔ ہاں جس نے الزام لگایا اس کا دامن داغدار نظر آیا اور جس پر الزام لگایا وہ بے داغ نظر آیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حیرت کو حیرت ہے!۔ ہر پہلو سے دیکھا انگریزوں کے ساتھ دوستی ومحبت کی جھلک تک نظر نہ آئی۔

آیئے حقائق کے چہروں سے پردہ اٹھائیں، آپ بھی دیکھیں اور ہم بھی دیکھیں...... ان شکوک وشبہات کا ازالہ کریں جو عرصہ دراز سے دل ودماغ میں پرورش پا کر راسخ ہو چکے اور بدظنی وبدگمانی کے ان تاریک غاروں میں لے گئے جہاں ہماری آنکھوں سے بصارت گم ہوگئی اور ہمارے دلوں سے بصیرت۔

(۱) **معاشرت و مذہب**: معاشرتی لحاظ سے نصاریٰ کی عورتوں سے شادی بیاہ اور ان کے ذبیحہ کو اسلام میں حلال قرار دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ایک ایسے عالم سے جو انگریزوں کا دل سے خیر خواہ ہو یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے اس حکم کو انگریزوں کیلئے ضرور جائز قرار دیتا لیکن شواہد سے جو حقیقت ثابت ہو رہی ہے وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

امام احمد رضا کے عہد شباب میں جبکہ آپ کی عمر ۲۴ سال کی ہوگی ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۰ء میں بدایوں کے ایک مستفتی مرزا علی بیگ نے ایک استفتاء پیش کیا جس میں مندرجہ ذیل تین سوالات ہیں:

۱۔ پہلا سوال ہندوستان کے دارالحرب یا دارالاسلام ہونے سے متعلق ہے۔

۲۔ دوسرا سوال یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہے کہ وہ کتابی ہیں یا مشرک۔

۳۔ تیسرا سوال روافض و متبدعین کے بارے میں ہے کہ وہ مرتد ہیں یا نہیں۔

پہلے سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ ہندوستان دار الاسلام ہے کیونکہ دار الحرب وہ ہے جہاں شریعت اسلام کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور ہندوستان میں یہ صورت نہیں اس لیے یہ دار الاسلام ہے۔ یہ فتویٰ خالصۃً فقہی ہے سیاسی نہیں کیونکہ اس جواب میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ادنیٰ گمان ہو سکے کہ یہ انگریزوں کو خوش کرنے کیلئے لکھا ہے حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ لوگ بھی انگریزوں کے دل سے وفادار تھے جو بعد میں اس کے مقابل آئے۔ ہمارے اس خیال کی توثیق دوسرے سوال کے جواب سے ہوتی ہے جو آگے آتا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں بعض علماء و امراء ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر یہ چاہتے تھے کہ سود کے جواز کی صورت نکل آئے کیونکہ دار الحرب میں حربی سے سود لینا جائز ہے۔ جواب میں امام احمد رضا نے ایسے لوگوں کا تعاقب کیا ہے اور لکھا ہے کہ دار الحرب قرار دے کر سود لینے کو تو تیار ہیں مگر ہجرت کو تیار نہیں جو بصورت دار الحرب واجب ہے۔ گویا جواب کا اصل محرک سود کے عدم جواز کیلئے شرعی بنیاد فراہم کرنا ہے نہ کہ کسی کو خوش کرنا۔ مولانا اشرف علی تھانوی بھی اس مسئلے میں امام احمد رضا کے ہم نوا تھے۔

دوسرے سوال کے جواب میں امام احمد رضا نے جو کچھ فرمایا وہ قابل توجہ ہے۔ اس سے سارے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: نصاریٰ باعتبار حقیقت لغویہ...... بلاشبہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث و نبوت ہیں، اسی طرح وہ یہود جو الوہیت و ابنیت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں: مگر کلام اس میں ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے کتب آسمانی کا اجلال فرما کر جن یہود و نصاریٰ کے احکام کو احکام مشرکین سے جدا کیا اور ان کا نام اہل کتاب رکھا اور ان کے نساء و ذبائح کو حلال و مباح ٹھہرایا۔ آیا نصاریٰ زمانہ بھی کہ الوہیت عبداللہ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کے علی الاعلان تصریں اور وہ یہود جو مثل بعض طوائف ماضیہ، الوہیت بندۂ خدا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہیں، انہیں میں داخل اور اس تفرقہ کے مستحق ہیں یا ان پر شرعاً یہی احکام مشرکین جاری ہوں گے اور ان کے نساء سے تزوج اور ذبائح کا تناول ناروا ہوگا۔

یہ سوال اٹھانے کے بعد امام احمد رضا نے علماء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ بعض نے ایسے نصاریٰ و یہود کو کتابیوں میں شامل کیا ہے اور ان پر احکام مشرکین کے اجراء سے منع کیا ہے اور بعض نے ان کو مشرکین میں شمار کیا ہے اور ان پر احکام مشرکین جاری کیے ہیں۔ اگر امام احمد رضا انگریزوں کے ذرہ برابر بھی خیر خواہ ہوتے تو وہ یقیناً اختلاف علماء سے فائدہ اٹھاتے، انگریزوں کو کتابیوں میں شامل کرتے اور ان پر احکام مشرکین جاری نہ کرتے لیکن نہیں انہوں نے حد درجہ تقویٰ و احتیاط سے کام لیتے ہوئے اس وقت اپنا یہ فیصلہ صادر فرمایا جبکہ انگریزوں کے خلاف رائے دینا سخت خطرناک تھا۔ انہوں نے احکام شرع کے اجراء و نفاذ میں کبھی

اپنے اور بیگانے کی پرواہ نہ کی اور ہمیشہ شریعت ہی کا پاس ولحاظ رکھا اور یہی ایک حق گو مفتی کا طرہ امتیاز ہے۔ امام احمد رضا نے انگریزوں کے بارے میں اپنا یہ فیصلہ صادر فرمایا۔

تاہم جب علماء کا اختلاف ہے اور اس قول پر فتویٰ بھی منقول ہو چکا تو احتیاط اس میں ہے کہ نصاریٰ کے نساء وذبائح سے احتراز کرے اور اگر آج کل بعض یہود بھی ایسے پائے جاتے ہوں جو عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابنیت مانیں تو ان کے زن وذبیحہ سے بھی بچنا لازم جانیں کہ ایسی جگہ میں اختلاف ائمہ میں پڑنا محتاط آدمی کا کام نہیں۔ اگر فی الواقع یہود ونصاریٰ کتابی ہی ہوئے تاہم ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کے تناول میں ہمارے لیے کوئی نفع نہیں، نہ شرعاً ہم پر لازم کیا گیا، نہ بحمد اللہ ہمیں اس کی ضرورت بلکہ برتقدیر کتابیت بھی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بے ضرورت احتراز چاہئے۔ اور اگر انہیں علماء کا مذہب حق ہوا اور یہ لوگ بوجہ اپنے اعتقادوں کے عند اللہ مشرک ٹھہرے تو پھر نکاح زنائے محض ہوگا اور ذبیحہ حرام مطلق والعیاذ باللہ! تو عاقل کا کام نہیں کہ ایسا فعل اختیار کرے جس کی ایک جانب نامحمود ہو اور دوسری جانب حرام قطعی۔

ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ امام احمد رضا ابتدا ہی سے یہودیوں اور عیسائیوں سے ترک موالات کے قائل تھے اور اس معاملے میں جذباتیت سے زیادہ حقیقت پسندانہ نظریہ رکھتے تھے۔ اختلاف تھا تو یہ اور اصرار تھا تو یہ کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کیا جائے اور اس کے نتیجے میں مشرکین ہند سے دوستی نہ کی جائے۔

امام احمد رضا نے عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے افکار وخیالات میں مداخلت اور قرآن وحدیث پر اعتراضات کو کبھی برداشت نہیں کیا بلکہ بروقت اس کا تعاقب کیا چنانچہ ایک عیسائی پادری نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید میں تو یہ ہے کہ زچہ کے پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ لڑکی ہے یا لڑکا، حالانکہ ہم نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس سے یہ راز سربستہ معلوم ہوتا ہے۔ پادری مذکور کا یہ اعتراض ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں قاضی عبدالوحید نے ایک استفتاء کی صورت میں پٹنہ سے ارسال کیا اور جواب کیلئے تعجیل کی درخواست کی۔ پادری کی باتوں سے ایک مسلمان کے ایمان میں شک وشبہ پیدا ہو گیا تھا اور اندیشہ تھا کہ کہیں وہ مرتد نہ ہو جائے۔ امام احمد رضا نے اس استفتاء کے جواب میں مندرجہ ذیل عنوان سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔

"الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام" ۱۳۱۵/ ۱۸۹۷ء

اس رسالہ میں امام احمد رضا نے مسئلے کے ہر پہلو پر بڑی شافی بحث فرمائی ہے اور قاہرانہ دلائل پیش کیے ہیں اور آخر میں ویسائیوں کے بے سروپا عقائد پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سبحان اللہ! اللہ کہاں، رب السموات والارض...... عالم الغیب والشہادہ...... سبحانہ وتعالیٰ...... اور کہاں...... کوئی بے تمیز، لونگا، ہیولیٰ، ہنقہ، ناپاک، ناشائستہ، کھڑے ہو کر موتنے والا

ببیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی؟

خدارا انصار...... وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے کودن، ایک اور تین میں فرق نہ جانیں...... ایک خدا کے

تین مانیں...... پھر ان تین کو ایک ہی جانیں...... بے مثل، بے کفو کیلئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں، اس کی پاک بندی، ستھری، کنواری، پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں، پھر خاوند کی حیات، خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہو، اسے دوسرے کا گائیں...... خدا اور خدا کا بیٹا ٹھہرا کر، ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں، ادھر آپ اس کے خون کے پیاسے، بوٹیوں کے بھوکے، روٹی کو اس کا گوشت بنا کر، دردر چبائیں، شراب ناپاک کو، اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں...... دنیا یوں گزری...... ادھر موت کے بعد کفارے کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بھجوائیں...... لعنتی کہیں معلوم بنائیں...... اے سبحان اللہ! اچھا خدا، جسے سولی دی جائے...... عجب خدا، جسے دوزخ جلائے...... طرفہ خدا جس پر لعنت آئے، جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے...... اے سبحان اللہ!...... باپ کی خدائی اور بیٹے کی سولی...... باپ خدا، بیٹا کس کھیت کی مولی؟ باپ کے جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ...... سرکشوں کی چھٹی، بے گناہ پر آگ...... امتی، ناجی...... رسول ملعون...... معبود پر لعنت، بندے ماموں...... تف تف!...... وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں...... اس کے گوشت پر دانت رکھیں...... اف اف! وہ گندے جو انبیاء ورسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں...... سخت، فحش، بیہودہ کلام گڑھیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں...... زہ زہ بندگی!...... خہ خہ تعظیم! یہ تہذیب!...... قہ قہ تعلیم...... پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

اللہ اللہ!...... یہ قوم...... یہ قوم! سراسر لوم...... یہ لوگ...... یہ لوگ جنہیں عقل سے لاگ...... جنہیں جنوں کا روگ...... یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں؟

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جس سے محبت ہوتی ہے اس کا اس طرح ذکر نہیں کیا جاتا، اس پر اس طرح نہیں برسا جاتا، اس کے عقائد وافکار کی اس طرح دھجیاں نہیں اڑائی جاتیں، اس پر اس طرح ملامت ونفریں نہیں کی جاتی!

قوم پرست مسلمان علماء ودانشوروں کو کفار مشرکین ہند سے تعلق خاطر تھا تو انہوں نے اپنی کتابوں میں اپنے مسلمان مخالفین کے مقابلے میں کفار ومشرکین کا ذکر عزت واحترام بلکہ عقیدت سے کیا ہے، تاریخ وسیاست ہند پر ان کی تصانیف میں ایسے بہت سے نظائر مل جائیں گے مگر امام احمد رضا نے اپنی کسی تصنیف میں کسی غیر مسلم کا ذکر عزت واحترام سے نہیں کیا۔

امام احمد رضا شریعت اسلامیہ کے خلاف انگریز تو انگریز، انگریزی حکومت کی بھی بات ماننے کو تیار نہ تھے، چنانچہ مسجد کانپور کا واقعہ اس حقیقت پر گواہ ہے۔

۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار، کانپور کی مسجد کا ایک حصہ مسجد کے پاس سے سڑک نکالتے وقت جب حکومت نے سڑک میں دبالیا تو اس پر مسلمانوں کی طرف سے سخت احتجاج ہوا حتیٰ کہ گولی چلی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے آخر کار ۱۶/اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، راجہ صاحب محمود آباد اور سر رضا علی وغیرہ شامل تھے، لیفٹیننٹ گورنر سے ملا اور پھر ۱۴/اکتوبر

۱۹۱۳ء کو ان حضرات نے مسلمان قوم کی طرف سے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کرلی، جن میں ایک شرط یہ تھی: چونکہ مسجد کی سطح زمین سے کئی فٹ بلند ہے اس لیے جس جگہ غسل خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کرلیے جائیں گے لیکن نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے تا کہ راہ رواس پر سے گزر سکیں۔

اس معاہدے کے سلسلے میں جب مولوی محمد سلامت اللہ صاحب (نائب منصرم مجلس موید الاسلام) نے ۳۰/ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء کو فرنگی محل (لکھنؤ) سے ایک استفتاء بھیجا۔ امام احمد رضا کی طرف سے جواب استفتاء میں چند امور کی وضاحت طلب کی گئی تا کہ کوئی بات ڈھکی چھپی نہ رہے، تحقیق وتفتیش کے بعد فتویٰ صادر کیا گیا، اس میں نہ انگریزی حکومت کی رعایت کی اور نہ اپنے دوست مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی۔ امام احمد رضا انگریز کو تو خاطر میں نہ لاتے تھے البتہ دوست کا پاس خاطر ضروری تھا مگر اس کی پرواہ کیے بغیر فیصلہ نافذ فرمایا...... خود تحریر فرماتے ہیں:

میں نے ایک مدت تک تعویق کی، اخبارات منگا کر دیکھے کہ نظر بواقعات اس کارروائی کی، کوئی صحیح تاویل پیدا ہو سکے مگر افسوس کہ جتنا خوض وتفتیش سے کام لیا اس کی شناعت ہی بڑھتی گئی، ناچار جواب خلاف احباب دینا پڑا کہ اظہار حق لازم تھا۔ عالم مذکور (عبد الباری) سے مراسم قدیم حفظ حرمت اسلام ورفع غلط فہمی عوام پر بحمد اللہ تعالیٰ غالب نہ آسکتے تھے۔

چونکہ یہ شرط مسئلہ اسلامی ''وقف بالعوض یا بلا عوض قابل انتقال نہیں'' کے خلاف تھی اس لیے امام احمد رضا نے نہ انگریز لیفٹینٹ گورنر کی پرواہ کی اور نہ وائسرائے ہند کی اور نہ اپنے دوست مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی۔

تعلیم وتہذیب

امام احمد رضا انگریزی اور انگریزی تعلیم کو ملت اسلامیہ کیلئے مذہبی نقطہ نظر سے غیر مفید سمجھتے تھے اور انگریزی نظام تعلیم سے متنفر تھے۔ چنانچہ تحریک ترک موالات (۱۹۲۱ء) کے زمانے میں کفار ومشرکین ہند سے وداد واتحاد کی، خلاف جور سالہ تحریر فرمایا اس میں انگریزی نظام تعلیم پر بھی سخت تنقید کی ہے، کہتے ہیں:

انگریزی اور بے سود تضیع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دینا دنیا میں بھی نہیں پڑتا جو صرف اس لیے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے ایں وآں مہملات میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو وہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا ہے؟

یہ وہی رسالہ ہے جس کیلئے مخالفین کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انگریزوں کے ایماء پر لکھا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو انگریزی اور انگریزی تعلیم پر یوں تنقید نہ کی جاتی اور یہ تلخ کلمات نہ کہے جاتے۔ ان کلمات کی قدر وقیمت کا اسی کو اندازہ ہو سکتا ہے جس نے دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ گذشتہ ایک صدی میں انگریزی اور انگریزی تعلیم کے مثبت اور منفی اثرات کا تقابلی جائزہ لیا ہو...... آج بھی ہم ان تنقیدات سے روشنی حاصل کر سکتے ہیں...... ہمارا نصاب تعلیم ہم کو نہ مسلمان بناتا ہے اور نہ سچا محب وطن...... جو طالب علم صحیح معنوں میں مسلمان اور باعمل ہیں اس میں ان کے

خاندانی ماحول کا دخل ہے نصاب کا نہیں......اسلامی نقطہ نظر سے ہمہ گیر تبدیلی کی ضرورت ہے تا کہ طلبہ یہ جانیں کہ

☆ ہم کیا ہیں؟

☆ ہمارا دین کیا ہے؟

انہیں دو سوالات کے جواب میں ہماری قومی تعمیر کا راز مضمر ہے۔

امام احمد رضا کی زندگی میں بریلی سے الرضا کے نام سے ایک ماہنامہ جاری ہوا جس کے مدیر امام احمد رضا کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خان تھے، اس ماہنامے کے ایک شمارے میں بھی انگریزی تعلیم اور انگریزی نظام تعلیم پر بے لاگ تنقید کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

علیٰ ہذا انگریزی درسگاہیں، خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، کالج و یونیورسٹیاں ہو یا تحصیلی اور پرائمری مدارس و مکاتب مشرقی زبان کی درسگاہیں ہوں، خواہ مغربی زبان کی، وہ جس مقصد کیلئے جاری کی گئی ہیں اس کے سوا دوسرا مقصد ان سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ وہ مسلمان کو مسلمان بنانے، اسلامی زندگی کی حفاظت کرنے، اسلامی عادات و خصائل کو رواج دینے، دینداری کے خوگر اور عادی بنانے کے کام نہیں آسکتیں۔ ان کے پڑھے ہوئے طلبہ، اسلامی عقائد، اسلامی محبت و مودت، اسلامی اخوت و اتحاد، اسلامی طرز معاملت و معاشرت کا نمونہ نہیں ہو سکتے۔ غرض اسلامی حیثیت سے یہ مسلمانوں کیلئے کوئی کارآمد چیز نہیں ہیں۔

انگریزی نظام تعلیم کا کیسا دل لگتا تجزیہ کیا ہے! آج جبکہ انگریزی نظام تعلیم کے نتائج ہمارے سامنے ہیں، اس تنقیدی جائزے کی ایک ایک بات دل میں اترتی جاتی ہے، یہ تنقید کوئی ایسا ماہنامہ نہیں کرسکتا جس کا سرپرست انگریزوں کا خیر خواہ ہو۔

نہ صرف انگریزی نظام تعلیم بلکہ انگریزی تہذیب و تمدن سے بھی امام احمد رضا کو دلی نفرت تھی چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام، اشد حرام اور انہیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی، قریب بحرام، واجب الاعادہ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گنہگار، مستحق عذا......والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔

یہی وجہ ہے کہ جب ندوۃ العلماء کے اجلاس میں انگریزی وضع قطع کے لوگ شریک ہوئے تو امام احمد رضا نے طنزاً یہ شعر ارشاد فرمایا

وان تبغو من التقویٰ لباسا
فھذا کوط و بطلون جدید

ترجمہ: اگر تمہیں پرہیزگاری کا لباس درکار ہو تو یہ نئے نئے کوٹ پتلون ہیں۔

امام احمد رضا کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں نے اپنے خطبہ صدارت (مرادآباد ۱۹۲۵ء) میں انگریزی تہذیب و تمدن پر جو بے لاگ تنقید کی ہے وہ بھی قابل مطالعہ اور لائق توجہ ہے۔ آپ نے آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ

مراد آباد (۲۰ تا ۲۳ شعبان ۱۳۴۳ھ/مطابق ۱۹/مارچ ۱۹۲۵ء) کے خطبہ صدارت میں ارشاد فرمایا:

ہمارے ملک کے بعض وہ اصحاب جنہیں علوم سے بہرہ نہ تھا اور دل میں مسلمانوں کی رہنمائی کا شوق رکھتے تھے، نصاریٰ سے ان کے تعلقات گہرے تھے، جب انہوں نے مسلمانوں کے تمدن کی طرف نظر کی تو اپنے پاس وہ اسلامی تعلیم کا کوئی سرمایہ نہ رکھتے تھے۔ نہ علماء سے صحبت واستفادہ کا موقع انہیں حاصل ہوا تھا، نصرانیوں کی صحبت میں زندگی گزاری تھی، ان کی خو بو طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی، مسلمانوں کو اسی سانچے میں ڈھالنے اور نصاریٰ کے تمدن میں رنگنے کے درپے ہو گئے حتیٰ کہ جو نوجوان ان کے ہاتھ آئے، ان کی زندگی کا طرز انہوں نے نصاریٰ کے مطابق کرایا۔ مسلمانوں کو نصرانی تمدن کیا فائدہ دیتا۔ تباہی و بربادی کی رفتار روز افزوں ترقی کرنے لگی اور ان نئے پیشواؤں نے نے اس کو محسوس بھی کرلیا مگر دین سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس طریق زندگی میں تبدیلی کرنے سے تو مجبور تھے بناچار اپنے سکھائے ہوئے تمدن کو مفید بنانے کیلئے انہوں نے اسلام سے مخالفت شروع کردی اور مسلمانوں سے اسلامی عادات چھڑانے اور نصاریٰ کے رنگ میں رنگنے کے درپے ہو گئے اور ایک حد تک مسلمانوں پر یہ زہریلا اثر ہوا۔

مولانا حامد رضا خاں نے پاک وہند میں مسلمانوں کے اندر انگریزی تہذیب وتمدن کے اثرات کا جو تجزیہ کیا ہے وہ حقیقت پسندانہ ہے۔ اس میں شک نہیں جو طبقہ انگریزی تہذیب وتمدن سے مرعوب ومتاثر ہوا اس طبقے نے اپنی تہذیب وتمدن سے نفرت کی اور نفرت سکھائی حتیٰ کہ چہرے داڑھیوں سے محروم ہو گئے...... اور بدن اسلامی لباس سے ...... سروں سے ٹوپیاں غائب ہوگئیں، عورتوں کے برقعے تو اترے ہی تھے، دوپٹے بھی اتر گئے۔ گھروں میں فرش وفروش عنقا ہو گئے اور جہاں کہیں صوفوں کے نیچے دیکھے گئے، پیروں تلے روندے گئے، کسی قوم کو اپنی تہذیب اس طرح خوشی خوشی روندتے نہ دیکھا ہوگا...... کمرہ ملاقات سے کتابیں نکال دی گئیں اور مجسمے سجائے گئے۔ جس بت خانے کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھایا تھا اب وہ گھر گھر دیکھے جانے لگے، دل ودماغ عربی وفارسی سے بیگانہ ہو کر ماضی سے کٹ گئے، افسوس نئے جہان کی تلاش میں اپنا جہاں کھو دیا۔ یہ سب کچھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ سب مطمئن رہے اور مطمئن ہیں۔ جب تک بے قرار نہ ہوں گے قرار نہیں ملے گا۔ جب تک بے چین نہ ہوں گے، چین نہیں ملے گا۔

الزامات واسباب الزامات

مندرجہ بالا شواہد وحقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نہ صرف یہ کہ انگریزوں کے خیر خواہ نہ تھے بلکہ ان کو انگریز کی حکومت وعدالت، تہذیب ومعاشرت، تعلیم ونظام تعلیم، افکار وخیالات، شکل وصورت غرض ہر بات سے نفرت تھی، نفرت کا اندازہ ان کے اس حزم واحتیاط سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب انگریزوں سے ساز باز کے متعلق مخالفین کے قول کو نقل کرتے ہیں تو یوں فرماتے ہیں:

''اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھئے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں، یہ تو معاذ اللہ نصاریٰ سے طے ہوئے ہیں۔''

تو آخر وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر ان کو انگریز نواز اور انگریزوں کا خیر خواہ کہا گیا؟ راقم کے نزدیک اس کے اسباب

مذہبی بھی تھے اور سیاسی بھی۔

امام احمد رضا کا اپنے مخالفین سے بحث ومناظرہ کا سلسلہ تو کافی عرصہ سے چل رہا تھا جس سے ان کے مخالفین کافی چراغ پا تھے، مگر یہ سب کچھ مذہبی سطح پر تھا۔ مخالفین نے سیاسی سطح پر امام احمد رضا کی تنقیدات کا بدلہ لینا چاہا اور اس میں ان کو ایک حد تک کامیابی ہوئی، مخالفانہ پروپیگنڈے نے نصف صدی تک امام احمد رضا کو اہل علم سے پوشیدہ رکھا لیکن بالآخر یہ طلسم ٹوٹا اور حقائق سامنے آئے۔

تحریک خلافت ۱۹۱۹ء میں شروع ہوئی، برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کے ہاتھوں سلطان عبدالحمید کی سلطنت ترکیہ کو جو خطرہ لاحق تھا اس کے پیش نظر یہ تحریک سلطنت ترکیہ کی حمایت میں چلائی گئی۔ بظاہر یہ مذہبی تحریک تھی مگر اس کے اسباب خالص سیاسی تھے مسٹر گاندھی اور ہندوؤں کی شرکت اس حقیقت کی غماز ہے، دراصل تحریک کے پردے میں ہندو، ہندوستان کی مطلق آزادی کی جدوجہد کر رہے تھے، اس راز سے بعض سادہ لوح مسلمان بے خبر تھے۔ امام احمد رضا نہ اس سیاسی دورنگی کے قائل تھے اور نہ وہ سیاسی مصالح کی خاطر مذہب کو قربان کرنے کیلئے آمادہ۔ تحریک کے خامیوں نے مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ کرنے کیلئے ایک چال چلی اور وہ یہ کہ سلطان ترکی کو خلفیہ قرار دیا اور سلطنت ترکیہ کو خلافت ترکیہ...... شریعت اسلامیہ میں خلیفہ اسلام اور بادشاہ اسلام، سلطنت اور خلافت کیلئے احکام جدا جدا ہیں۔ خلیفہ اور خلافت کی حفاظت فرض ہے اور سلطان وسلطنت کی حفاظت واعانت حسب استطاعت واجب۔ یہی وہ فرق تھا جس نے امام احمد رضا کو اس تحریک سے الگ رکھا۔ امام احمد رضا، عبدالحمید کو سلطان ترکی سمجھتے تھے، خلیفہ ماننے کیلئے تیار نہ تھے۔ البتہ اس کی اعانت کو حسب استطاعت واجب جانتے تھے۔

بعد کے واقعات نے بتایا کہ خود اہل ترکی سلطان عبدالحمید کو بادشاہ ہی تصور کرتے تھے اور ان کی حکومت کو سلطنت، اسی لیے انگریزوں نے تو نہیں خود ترکیہ کے مصطفی کمال پاشا نے سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے ملک بدر کر دیا اور تمام سیاست داں ہکا بکارہ گئے، شرمندگی مٹانے کیلئے انہیں کو مبارکباد کے تار بھیجنے لگے حالانکہ انہوں نے وہ کام کیا جس کی توقع انگریز سے کی جارہی تھی۔

تحریک خلافت سے امام احمد رضا کی علیحدگی کو خوب ہوا دی گئی اور اب تک دی جاتی ہے حالانکہ حقائق بالکل برعکس ہیں۔ اس ہوا دینے میں قابل ذکر سیاست دانوں کا ہاتھ ہے، چنانچہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو بریلی میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس ہوا، اس سلسلے میں ابوالکلام آزاد نے امام احمد رضا کو ۱۳/رجب ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا جو ڈپلومیسی سے خالی نہیں مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخالفین نے امام احمد رضا کے شرعی مسلک کو، سیاست میں گھسیٹ کر ان کو بدنام کیا ہے۔ ابوالکلام لکھتے ہیں:

مسئلہ تحفظ وصیانت خلافت اسلامیہ، ترک موالات اور اعانت اعدائے محاربین اسلام وغیرہ مسائل حاضرہ کی نسبت جناب کے اختلافات مشہور ہے۔

جس کو تاریخ کا علم نہیں وہ ان کلمات سے گمراہ ہوسکتا ہے مگر باخبر لوگ جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کو نہ سلطنت ترکی کی مدد اعانت سے انکار تھا بلکہ ان کی جماعت رضائے مصطفی نے

خود اس کیلئے کوشش کی۔ اور نہ وہ اسلام کے دشمنوں کے خیر خواہ تھے۔

مگر شہرت یہ دی گئی کہ تحریک خلافت سے اس لیے علیحدہ ہیں کہ اندرون خانہ انگریزوں سے ساز باز کر رکھی ہے، سیاسی تحریکوں کے جوش جنوں میں عقل کا کہاں گزر؟ سب کو یقین آ گیا اور مخالفین کا یہ حربہ کامیاب رہا تا آں کہ حیات، خود شارح حیات بن کر سامنے نہ آ گئی اور خوب تا خوب عمل کی گرہ کو کھول کر نہ رکھ دیا۔ امام احمد رضا تحریک خلافت میں مخالفین کے طرز عمل اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''معلوم تھا کہ کر تو کچھ نہیں سکتے، نہ خود نہ وہ، خالی چیخ و پکار کا نام حمایت رکھنا ہے، اہل عقل و دیں اول تو غوغائے بے ثمر کو خود ہی عبث جان کر صرف توجہ الی اللہ پر قانع رہیں گر اگر شاید شرکت چاہیں تو انہیں مذہب اہلسنت ہر شئے سے زیادہ عزیز ہے۔ مذہب ہی ان کے نزدیک چیز ہے۔ لہٰذا ایسے لفظ کی چلاہٹ ڈالو جو خلاف مذہب اہل سنت ہو کہ وہ شریک ہوتے ہوں تو نہ ہوں اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھئے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں یہ تو معاذ اللہ نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں تاکہ عوام بھڑکیں اور دیوبندیت و وہابیت کے پنجے جمیں۔

جس طرح تحریک خلافت میں امام احمد رضا کو اصولی اختلاف تھا اسی طرح تحریک ترک موالات سے (جو ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے شروع کی) اصولی اختلاف تھا۔ غیر منقسم ہندوستان میں ہمیشہ ہندو اکثریت میں رہے اور اس میں مسلمان سلاطین کی عظیم الشان، رواداری کا پورا پورا عمل دخل ہے۔ لیکن مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے۔ بالعموم خطرات اقلیت کو اکثریت سے ہوتے ہیں نہ کہ اکثریت کو اقلیت سے، تو بنیادی طور پر مسلمانوں کو انگریزوں سے زیادہ ہندوؤں سے خطرات تھے اور اس کے نظائر و شواہد سامنے آ چکے تھے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں اگرچہ اقتدار مسلمانوں کے پاس تھا مگر ہندو اپنی سیاسی حکمت عملی سے اقتدار میں اس طرح دخیل ہو گئے کہ خود اسلام خطرے میں پڑ گیا، جن حضرات کی تاریخ پر گہری نظر ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔

قوم پرست مسلمانوں اور جمعیۃ العلماء ہند کے اکابرین کا طرز عمل اس تاریخی پس منظر سے بالکل بیگانہ نظر آتا ہے۔ انہوں نے غیر منقسم ہندوستان کے طویل اسلامی ماضی کے تجربات و مشاہدات اور اپنی آنکھوں دیکھے خونچکاں واقعات سے قطع نظر کر کے مشرکوں کے آگے دوستی و محبت کا ہاتھ بڑھایا حتیٰ کہ ان کو اپنا قائد اور رہنما تسلیم کر لیا۔ امام احمد رضا کو اس سیاسی طرز عمل سے سخت اختلاف تھا جس نے خود مذہب پر ضرب کاری لگائی تھی۔ اگر غیروں سے بے جا دوستی و محبت کا دم نہ بھرا جاتا اور مسلمان صرف آزادی کیلئے جدوجہد کرتے تو یقیناً امام احمد رضا کو اپنا ہم نوا پاتے چنانچہ تحریک پاکستان میں جس میں ایک ہندو بھی شریک نہ تھا، امام احمد رضا کے خلفاء تلامذہ اور معتقدین نے بھرپور حصہ لیا، ان کا نقطہ نظر سیاسی سے زیادہ اسلامی تھا۔ امام احمد رضا

اس کیلئے ہرگز تیار نہ تھے کہ انگریزوں کی غلامی کے جوتے کو اتار کر مشرکوں کے طوق غلامی کو گلے میں ڈالا جائے اور اقتدار ان کے ہاتھ میں سونپ کر ان کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنا دیا جائے۔ قوم پرست مسلمانوں کو مشرکین کے اخلاص نیت پر یقین تھا لیکن امام احمد رضا کو ان کی نیتوں کا حال معلوم تھا۔ چنانچہ بعد کے حقائق وشواہد سے امام احمد رضا کے اندیشوں کی تصدیق ہوتی ہے۔

حال ہی میں السٹریٹیڈ ویکلی میں مسز اندرا گاندھی کی غیر مطبوعہ کتاب مائی ٹروتھ سے چند اقتباسات شائع ہوتے ہیں جس کو روزنامہ جنگ (کراچی) نے نقل کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قوم پرست ہندوؤں کے دل، قوم پرست مسلمانوں کیلئے کتنے تنگ تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستان میں مسلمان اقتدار میں آئیں۔ سنئے مسز اندرا گاندھی راز درون خانہ کو طشت ازبام کرتی ہیں:

''جب ڈاکٹر ذاکر حسین کو بھارت کے صدر کے عہدہ کیلئے ہمارا امیدوار نامزد کیا گیا تو ہمارے بہت سے لوگوں کو کسی مسلمان کے صدر مملکت بننے کا خیال پسند نہیں آیا۔ میں نے پارلیمنٹ کے ارکان، صوبائی اسمبلیوں کے ارکان اور دوسرے بہت سے حضرات سے اس بارے میں تبادلہ خیال کیا تھا اور ان سب کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین میں سوائے اس کے کوئی خرابی نہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔

اس اقتباس سے واضح ہو گیا کہ امام احمد رضا کے اندیشے صحیح تھے۔

دراصل جو لوگ امام احمد رضا پر انگریز نوازی کا الزام لگاتے ہیں وہ قوم پرستانہ سیاست پر یقین رکھتے ہیں اور ایک قومی نظریہ کے حامی ہیں۔ ان کے نزدیک بدیسی مشرکین ونصاریٰ سے دیسی مشرکین وکفار کا اقتدار بہتر ہے مگر اسلام کی نظر میں دیسی بدیسی کی کوئی تمیز نہیں۔ اقتدار خواہ بدیسی مشرکین کا ہو یا دیسی مشرکین کا اسلام کی نظر میں ایک ہے۔ امام احمد رضا نے قوم پرستانہ ذہنیت کے خلاف جہاد کر کے اسلام کی آفاقیت کا پرچار کیا اور مسلمانوں کو بیدار کیا، ان میں دینی حمیت پیدا کی۔ انہوں نے بتا دیا کہ حکومت ہو تو اسلام کی ہو ورنہ اسلام کی نظر میں دیسی بدیسی برابر ہیں بلکہ وہ مشرکین بدتر ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی بنا پر قتل کیا اور قتل وعام جاری رکھا۔

بہرکیف تحریک ترک موالات میں امام احمد رضا کی مخالفت کی بڑی دھوم دھام تھی۔ مشہور نومسلم مترجم قرآن محمد مارماڈیوک پکتھال (صدر سندھ خلافت کانفرنس) نے تحریک ترک موالات کے زمانے میں جولائی ۱۹۲۱ء میں کراچی کے ایک اجلاس میں فرمایا:

> ''مجھے معلوم ہے ایسے حضرات بھی ہیں جو
> ہندوؤں کی قیادت کو مسلمانوں کیلئے غلط
> تصور کرتے ہیں۔''

امام احمد رضا نے اپنی بہت سی تحریروں میں تحریک ترک موالات سے علیحدگی کے اسباب کا ذکر کیا ہے اور اس تحریک کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ رسالہ قابل ذکر ہے۔

المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة (ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء)

اس رسالے میں ایک جگہ سرسید احمد خاں کی انگریز

نوازیوں اور ترک موالات کے حامیوں کا ہندو نوازیوں کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

مگر للہ انصاف وہ غلامی ادھوری تھی۔ سید احمد خاں نے کسی پادری نصرانی کو امور دین میں صراحۃً اپنا نام و پیشوا نہ لکھا تھا، آیات واحادیث کی تمام عمر کو چرچ یا صلیب پر نثار کرنا نہ کہا تھا، کسی پادری کو مساجد میں مسلمانوں کا واعظ وہادی نہ بنایا تھا، نصرانیت کی رضا کو خدا کی رضا یا کسی پادری کو نبی بالقوہ نہ بنایا تھا اور اب مشرکین کی پوری غلامی ہو رہی ہے، ان کے ساتھ یہ سب کچھ اور ان سے بہت زیادہ کیا جا رہا ہے۔

مسلمانوں پر مسٹر گاندھی کی سیاست کا کچھ ایسا جادو چلا کہ نہ صرف گاندھی کی قیادت بلکہ ان کی ولایت کیلئے راہ ہموار کی جانے لگی چنانچہ اس سلسلے میں محمد مارماڈیوک پکتھال کے مندرجہ ذیل خیالات دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے، ۱۹۲۱ء میں اجلاس کراچی میں انہوں نے فرمایا:

"لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہندو ولی جو زیادہ بلند سطح پر ہو، ایک ایسے گنہ گار مسلمان سے بہتر قائد ہے جو پست سطح پر ہو کیونکہ بلند سطح کیلئے صرف ایک قانون ہے۔ مسلمان، ہندو، عیسائی، یہودی وغیرہ سب کیلئے ایک ہے۔ یہ قانون الٰہی ہے جو قرآن شریف میں نازل ہوا۔

غالباً پکتھال کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے ان الذین امنوا والذین ھادو...... ولاھم یحزنون...... ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر، ترجمان القرآن کی جلد اول میں اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

"انسان کا تعلق خواہ کسی دین و مذہب سے کیوں نہ ہوا گر وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے تو نجات اخروی کا مستحق ہے۔"

مسٹر گاندھی کو اس تفسیر سے بڑی تقویت ملی اور خوشی ہوئی کیونکہ وہ اس تفسیر کے مطابق خود کو نجات اخروی کا مستحق سمجھتے تھے، چنانچہ انہوں نے تفسیر کے اس حصے کا گجراتی میں ترجمہ کرا کے شائع کیا اور تقسیم کرایا۔ یہ انکشاف خود مسٹر گاندھی نے جامعہ ملیہ، دہلی کے ایک اجلاس میں کیا۔

امام احمد رضا اس قسم کے اتحاد کے مخالف تھے جس نے خود مسلمان عالموں کے ہاتھوں ایک کافر و مشرک کو ولی کامل بنا کر ملت اسلامیہ کے سامنے پیش کیا اور خود علماء نے ان کی قیادت کو دل و جان سے تسلیم کیا۔ بلکہ اپنے قلم سے اوراق تاریخ میں فخریہ ان کے احوال لکھے۔

یہی وہ داغ موالات تھے جس کو امام احمد رضا نے اجاگر کیا۔ اس کا بدلہ علمی سطح پر تو نہ لیا گیا، سیاسی سطح پر لیا گیا اور منصوبہ یہ بنایا گیا کہ انگریز پرستی کا الزام لگا کر امام احمد رضا کے خلاف ایسا ہنگامہ برپا کیا جائے کہ اپنا داغ دھلے یا نہ دھلے اس غل شور میں دب تو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر جب ہنگامے سرد ہوئے اور سکھوں کا دور دورہ ہوا تو حق و باطل الگ الگ نظر آنے لگا۔ سب کو ہمیشہ کیلئے تاریکی میں نہیں رکھا جا سکتا، ایسی کوششیں بالآخر رائیگاں جاتی ہیں اور ندامت و شرمساری کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

امام احمد رضا پر تحریک ترک موالات کے دوران جو الزامات لگاتے وہ ماہنامہ السواد الاعظم نے نقل کیے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ نینی تال میں لیفٹیننٹ گورنر سے ملاقات۔

۲۔ گورنمنٹ کی خوشی کیلئے اس کے حسب منشاء فتویٰ لکھا۔

۳۔ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں۔

مرکز اہل سنت کی سائنسی خدمات

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

امام احمد رضا خاں سنی محمدی حنفی قادری رکاتی محدث بریلوی قدس سرہ کی شخصیت آیت ذیل کی تفسیر اور مظہر تھی:

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنہار لایت لاولی الباب۔ الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار (آل عمران)

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے، جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں، اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا، پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

(ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن از امام احمد رضا محدث بریلوی)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے ساری زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد اور عبادت کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر و فکر ان چاروں طریقوں سے کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی ۱۹۱ رویں آیت کریمہ میں بیان کیا ہے۔ یہ چار طریقے مندرجہ ذیل ہیں:

......آپ نماز کی ادائیگی کے وقت اپنے رب کا ذکر کھڑے ہو کر کرتے۔

......آپ جب دارالافتا میں قیام فرماتے تو اس وقت تمام فتاویٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرماتے اور بغیر تدبر وفکر کے فتویٰ نویسی ممکن نہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ فتویٰ نویسی کے وقت آپ کسی کتاب کو کھول کر نہیں دیکھتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذہن میں تمام کتاب کے متن کو محفوظ فرما دیا تھا۔

......جب آپ روزانہ صرف دو گھنٹے آرام اور سونے کی خاطر اپنے بستر پر لیٹتے تو اس وقت بھی آیات قرآنی کا ورد اور درود شریف کا ورد کرتے ہوئے سونے کی کوشش کرتے۔ بستر پر آپ داہنی کروٹ لیٹتے، دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے عین سنت کے مطابق رکھتے اور بقیہ جسم کو اس طرح سمیٹتے کہ دور سے یا اوپر سے دیکھنے والے اسم "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا عکس محسوس کرتا گویا وہ جاگتے، سوتے، اپنے خالق ومالک کی عبادت اور ذکر میں ہمہ وقت مشغول رہتے۔

آپ کا قلم جب فتویٰ نویسی سے فارغ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جو غور وفکر سے سامنے آتیں اور قلب پر اس کی

تجلیات محسوس ہوتیں ان کو قلمبند کر لیتے یعنی غور وفکر کے بعد قانون فطرت اور کرشمہ قدرت کو مختلف علوم اور فنون کے عنوانات کے تحت عربی، فارسی اور اردو زبان کے مقالات اور تصنیفات کی شکل میں محفوظ فرمالیتے۔ الغرض آپ کے اس چوتھے طریقہ عبادت اور وظیفہ ذکر وفکر کے باعث بے شمار سائنسی تصنیفات منصۂ شہود پر آئیں ان ہی میں علم صوتیات سے متعلق بھی ایک معرکۃ الآراء تصنیف "الکشف شافیا حکم فونو جرافیا" بھی ہے جو ۱۳۲۸ھ/۱۹۰۹ء میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمائی۔ اس تصنیف میں فقہی جزئیات کے علاوہ علم صوتیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حیران کن امر یہ ہے کہ آج سے ایک صدی قبل یہ مسلمان سائنسدان بریلی شریف کی سرزمین فتاویٰ نویسی کے علاوہ وہ سب کچھ جانتا تھا جو کسی زمانے کے ایک ماہر علم صوتیات جان سکتا ہے۔ یہ فقیہ اسلام صرف علوم دینی ہی نہ جانتا تھا بلکہ دیگر تمام سائنسی علوم کی طرح وہ علم صوتیات کے علم سے بھی مکمل باخبر تھا اور اس پر مکمل دسترس رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آواز کی لہریں کیا ہوتی ہیں؟ یہ آواز کی لہریں ہمیں کیونکر سنائی دیتی ہیں؟ یہ کچھ دور جا کر کیوں ختم ہو جاتی ہیں؟ یہ تیز ہوا میں کیونکر تیز چلتی ہیں؟ کیوں، کب اور کیسے ان آواز کی لہروں کی رفتار کم ہو جاتی ہے؟ ان لہروں کو کون سے عناصر دور تک لے جاتے ہیں یعنی آواز دور تک کیسے پہنچتی ہے؟ فضا میں لہریں کیونکر محفوظ ہو جاتی ہیں اور ان کو کس طرح ریکارڈ کیا جاتا ہے؟ ساتھ ہی فضا میں ان لہروں میں محفوظ الفاظ سے متعلق احادیث کی روشنی میں ایک نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اچھے الفاظ کی لہریں قیامت تک اس شخص کیلئے مغفرت کی دعائیں کرتی رہیں گی۔ چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

واقع میں تمام الفاظ جملہ اصوات بجائے خود محفوظ ہیں۔ وہ بھی اسم مخلوقہ سے ایک امت۔ ہیں کہ اپنے رب جل وعلا کی تسبیح کرتے ہیں، کلمات ایمان تسبیح رحمان کے ساتھ اپنے قائل کیلئے استغفار بھی کرتے ہیں اور کلمات کفر تسبیح الٰہی کے ساتھ اپنے قائل پر لعنت کما صرح بہ امام اہل الحقائق سیدی الشیخ الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والشیخ العارف باللہ تعالیٰ سیدی الامام عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ الربانی۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، حصہ دوم، ص ۱۴، مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کو اللہ تبارک نے سورہ النحل کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا بھی جامع بنایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون، النمل

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں (کنز الایمان)

قرآن کریم کے حروف کے حافظ کو حافظ القرآن کہا جاتا ہے جو کہ ہر زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں دنیا میں رہیں گے۔ قرآنی حروف اور الفاظ کی حقانیت، معنویت اور مقصدیت جاننے والے کو قرآن نے "اہل الذکر" قرار دیا ہے۔ ان اہل الذکر کی بہت ساری اقسام بیان کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً

پہلی قسم: وہ لوگ یا حضرات جو ایک مخصوص شعبہ علم کے کچھ حصے کو جانتے ہیں، اس کے علاوہ دیگر علوم کو نہیں جانتے مثلاً ایک نیورو سرجن دماغ کے علاوہ کسی اور اعضاء کا آپریشن نہیں کرسکتا اور دینی علوم سے نابلد ہوتا ہے۔

دوسری قسم: بعض حضرات ایک مخصوص علم پر بھرپور دسترس رکھتے ہیں مگر دیگر علوم کو وہ سرسری جانتے ہیں۔ مثلاً علم کیمیا کا

بھر پور ماہر ہے، مگر بایولوجیکل سائنس وہ نہیں جانتا اور علوم دینی سے بالکل غافل۔

تیسری قسم: چند مختلف علوم میں اچھی دسترس رکھتے ہیں۔

چوتھی قسم: دینی علوم سے بعض میں دسترس ہوتی ہے اور دنیاوی علوم سے بالکل ناواقفیت۔

پانچویں قسم: اکثر دینی علوم پر دسترس مگر دنیاوی علوم سے زیادہ تر ناواقفیت۔

چھٹی قسم: اکثر دینی علوم پر دسترس اور چند دنیاوی علوم سے بھی اچھی آگاہی۔

اس طرح کئی اقسام کی جاسکتی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق ''اہل الذکر'' میں شمار کیا جاسکتا ہے اور لوگ اپنی حاجت روائی کیلئے مخصوص لوگوں کے پاس جا کر اپنے مسائل کا حل حاصل کر سکتے ہیں مگر ایسے اشخاص دنیا میں کم ملتے ہیں جو اس آیت کریمہ کی مکمل اور جامع تفسیر بن جائیں۔ ایسی خصوصیات بے شک ہر زمانہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل رہیں کہ ہر نبی اپنے زمانے اور وقت میں اہل الذکر ہوتا کہ اس زمانے کے جو لوگ جس قسم کی معلومات چاہتے وہ نبی ان کو اللہ کی دی ہوئی توفیق اور عطا سے اس کو دیتا۔ ہر زمانے میں نبی کو امتیوں کے مقابلے میں مکمل علم اور اس زمانے کے تمام علوم کا حامل بنایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نبی الانبیاء علیہ السلام کو کل کائنات کا علم اس لیے عطا ہوا کہ آپ کل کائنات کے نبی تھے اور ہیں لہٰذا جس نے جو سوال کیا نبی کریم ﷺ نے اس کا کامل جواب عطا فرمایا۔ ان علوم کی تصدیق قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت ربانی سے ہوتی ہے:

وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما (سورہ النساء)

(اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے)

نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت کا سلسلہ قیامت تک رہے گا۔ اگرچہ آپ ظاہری طور پر پردہ فرما کر دوسرے عالم یا عالم برزخ کو رونق بخش رہے ہیں اس لیے دنیا میں قیامت تک علمائے ربانیین آپ کے ظاہری نمائندہ خاص اور آپ کے نائب کی حیثیت سے ''اہل الذکر'' کے منصب کو پورا کرتے رہیں گے جو درحقیقت آپ کے ہی فیض وکرم سے اس منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین کو جن کو خود حضور ﷺ نے بنی اسرائیل کے مثل انبیاء قرار دیا ہے۔ اپنے اپنے زمانے کے تمام علوم وفنون میں یکتائے روزگار بناتا ہے تاکہ جب کوئی امتی کسی بھی علم وفن پر ان سے سوال کرے تو وہ اس سوال کا اطمینان بخش جواب دیں ورنہ قرآن کریم کی تعلیمات پر حرف آئے گا کہ یہ قرآن فلاں علم کی تعلیم نہیں دیتے یا یہ قرآن فلاح علم کی طرف رہنمائی نہیں کرتا جبکہ اسی قرآن کا ارشاد ہے،

کتب انزلنه الیك مبرك لید برو آیته ولیتذ کر اولو الباب (سورہ ص)

(یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقلمند نصیحت مانیں)

دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے

ان فی ذلک لایت لقوم یتفکرون۔ الرعد

بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو۔

ایسی عبقری شخصیت، نائب رسول اور ''**فسئلوا اهل الذکر**'' کی جامع تفسیر امام احمد رضا محدث بریلوی کی شکل

میں ملتی ہے جنہوں نے مسلسل ۵۵ سال اس زمانے کے تمام ہی تمام علوم وفنون کے سوالات کے جوابات اس علم کی اصطلاحات کے ساتھ اور بھرپور دلائل کے ساتھ دیئے۔

اسلام کے ۱۴ سو طویل دورانیہ میں امام احمد رضا جیسے مسلم مدبر و مفکر ہر زمانے میں موجود رہے ہیں جنہوں نے ہمیشہ قرآن اور احادیث کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے شمار نشانیوں سے لوگوں کو آگاہ رکھا اور ان اہل اسلام کے فرزندوں نے اسی قرآن وحدیث نبوی میں غور وفکر کرتے ہوئے ہر زمانے میں لوگوں کی رہنمائی کی ہے۔ امام احمد رضا پچھلی صدیوں کے ایک ایسے ہی نامور مفکر و مدبر ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ علم نافع کے جوہر دکھائے اور ہر علم وفن میں مستند تحریر قلمبند تحریر فرمائی جس کی مثال برصغیر پاک وہند میں ناپید ہے۔ برصغیر میں علوم دینیہ کے بے شمار علماء ہر زمانے میں موجود رہے مگر اکثریت علوم دنیاوی میں دسترس نہ رکھتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو دونوں علوم پر کامل دسترس دی تھی۔

راقم یہاں نہ تو امام احمد رضا کے ۷۰ سے زائد علوم وفنون کی فہرست پیش کر رہا ہے اور نہ ہی ان کی سیکڑوں کتابوں اور رسائل کی فہرست قلم بند کر رہا ہے کہ پڑھنے والے کو یہ گمان ہونے لگے کہ لکھنے والا تعریف وتوصیف میں بہت زیادہ غلو سے کام لے رہا ہے لیکن راقم شوق مطالعہ رکھنے والوں کو اس بات کی دعوت فکر ضرور دے گا کہ وہ امام احمد رضا کے فتاویٰ رضویہ جو ۱۲ مجلدات پر مشتمل ہے اور معہ ترجمہ وتخریج ۲۸ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اس کی کسی ایک ہی جلد کا مطالعہ ضرور کریں تو قاری کو راقم کے دعوے کی صداقت کا اعتراف ہو جائے گا۔ احقر یقین سے یہ بات کہہ رہا ہے کہ مطالعہ کرنے والا فتاویٰ رضویہ کی جلد میں ان گنت علوم کی فہرست مرتب کرتا چلا جائے گا اور وہ پھر خود اس حقیقت تک پہنچ جائے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام احمد رضا کو دینی علوم پر دسترس کے ساتھ ساتھ تمام دنیاوی علوم وفنون پر بھی کامل دسترس عطا کی تھی۔

مسلمان سائنسدانوں کی فہرست بہت لمبی ہے۔ لیکن امام احمد رضا خاں محدث بریلوی ایک منفرد سائنسدان ہیں۔ وہ جب بھی کسی دنیاوی/ سائنسی علوم پر بحث کرتے ہیں تو اس بحث کے شروع یا آخر میں یا جہاں مناسب سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان اور یقین کا اظہار بھی ضرور کرتے ہیں اور وہ قاری کو اس بات کی طرف ضرور توجہ دلاتے ہیں کہ نظام فطرت (سائنسی قانون) ایک طرف اور اللہ کی قدرت ایک طرف اور وہ ہی مقدم کہ وہ خالق کل اور مالک حقیقی ہے۔ اگرچہ کائنات کا سارا سسٹم ایک فطرت کے تحت رواں دواں ہے اور عموماً اپنی فطرت کے مطابق چلتا بھی رہے گا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہر آن اس سسٹم پر فوقیت رکھتی ہے اور ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضہ ہے کہ اس کی قدرت پر ایمان ضرور رکھے۔ یہاں مختصراً امام احمد رضا کی دنیاوی علوم پر ایک بحث کا حصہ ملاحظہ کیجئے جس میں ایک طرف قانون فطرت بتا رہے ہیں تو دوسری طرف اللہ کی قدرت کی فوقیت کو ظاہر کر رہے ہیں اور یقیناً ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

امام احمد رضا فتاویٰ رضویہ جلد اول میں ایک مقام پر پانی کی رنگت پر بحث کرتے ہوئے آبی بخارات (Water Vapors) کے اجزاء کے متعلق بتاتے ہیں کہ یہ اجزاء کیونکہ بادلوں (Clouds) کی صورت میں نظر آتے ہیں اور برف کے اجزاء اگرچہ پانی کے اجزاء سے باریک ہیں مگر کیونکہ برف اوپر سے نیچے گرتی ہے؟ بحث ملاحظہ کیجئے:

''شرح مواقف میں علوم بالحس کی بحث میں موجود ہے کہ برف شفاف اجزاء (Transparent Particles) کا مرکب ہے۔ اس کا کوئی رنگ نہیں بلکہ وہ پانی کے باریک اجزاء (Fine Particles) ہیں۔ پانی کے رنگ کی نفی میں یہ عبارت ظاہر ہے۔ اگر تو کہے تو ہوسکتا ہے کہ اجزاء کے باریک ہونے کی وجہ سے رنگ ظاہر نہ ہوتا تو (اقول) میں کہتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں، کیونکہ آپ دیکھتے ہیں کہ بادل کے بخارات میں رنگ ظاہر ہوتا ہے اور یہ رنگ پانی کے اجزاء کا رنگ ہے۔ حالانکہ یہ اجزاء برف کے اجزاء سے بھی زیادہ باریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ برف اوپر سے گرتی ہے اور بخارات اوپر کو اٹھتے ہیں اور باریک ذرہ اگر علیحدہ ہو تو وہ نظر نہیں آتا تو اس کا رنگ کیسے نظر آئے گا اور چھوٹے اجزاء جب جمع ہوں تو نظر آتے ہیں تو ان کا رنگ بھی نظر آئے گا۔ (فتاویٰ رضویہ۔ جدید ایڈیشن، جلد سوم، ص ۲۳۶، مطبوعہ لاہور) (فتاویٰ رضویہ، اصل جلد اول، ص ۵۴۷، مطبوعہ کراچی)

آگے چل کر مزید تفصیل میں جاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر تو کہے کہ جسم کیسے دکھائی دیتا ہے جبکہ اجزاء تو نظر نہیں آتے تو اولاً میں کہتا ہوں کہ نگاہ انسانی فطری طور پر انتہائی باریک چیز کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے جبکہ وہ چیز منفرد (Single Particle) ہو لیکن اگر اس چیز کے ساتھ اس کی متعدد امثال مجتمع ہوں تو وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ جیسے سفید بیل کی جلد ہر سوئی کے سر کے برابر سیاہ نقطہ (Fine Black Spot) دکھائی نہیں دیتا لیکن اگر متعدد سیاہ نقطے مجتمع ہوں تو نظر آنے لگتا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جدید ایڈیشن، جلد دوم، ص ۱۷۳، مطبوعہ لاہور)

اس انتہائی تفصیلی بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں قدرت خداوندی پر اپنے ایمان وایقان کا اظہار فرماتے ہیں:

''دلیل فلاسفہ کے مذہب کے مطابق اگر مان لیں فبہا و گرنہ ہماری دلیل ایمان یہ ہے کہ نگاہیں اور تمام چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارادے کے تابع ہیں اگر وہ چاہے تو ایک اندھا تاریک رات میں سیاہ چیونٹی کی آنکھ کو دیکھ سکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو دن کی روشنی میں فلک بوس پہاڑ سے نیلگوں آسمان کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ چونکہ اس نے چاہا کہ اجزاء انفرادی طور پر نظر نہ آئیں اور جب مجتمع ہوں تو نظر آنے لگیں لہٰذا جیسا اس نے چاہا ویسا ہی واقعہ ہوا۔''

(فتاویٰ رضویہ، جدید ایڈیشن، جلد دوم، ص ۱۷۵، مطبوعہ لاہور)

امام احمد رضا کی علم صوتیات پر دسترس کو ڈیرہ غازی خاں کے اسکالر اور رضا اسلامک سنٹر کے ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد مالک نے تفصیل سے جائزہ لیا اور ایک کتاب ''امام احمد رضا اور علم صوتیات'' کے نام سے ترتیب دی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے جدید ٹیلی کمیونی کیشن سسٹم کو امام احمد رضا کے بتائے ہوئے قوانین سے تقابل کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں امام احمد رضا کی علم صوتیات پر مکمل گرفت ثابت کی ہے۔ مثلاً امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایک صدی قبل ۱۳۲۸ھ/۱۹۰۹ء میں اپنے رسالے ''الکشف شافیہ حکم

فونوجرافیا'' میں اپنے مشاہدات کی بناپر فکرانگیز تحقیق پیش کی۔

''عالم اسباب میں حدوث آواز کا سبب عادی یا قــرع (Strikes/Collides) وقلع (Seprate) ہے اور اس کے سننے کا وہ تموج کوجدد (Renwed undualation) وقرع تاہوائے جوف (کان) سمع ہے۔ متحرک اول کے قرع سے ملامجاور میں جو شکل وکیفیت مخصوصہ بنی تھی کہ شکل حرفی ہوئی تو وہی الفاظ وکلمات تھے ورنہ اور قسم کی آواز کے ساتھ قرع نے بوجہ لطافت اس مجاور کو جنبش (حرکت) بھی دی اس کی جنبش نے اپنے متصل (Next) کو قرع کیا اور وہی پٹھا (Harmonic motion ware) کہ اس میں بنا تھا اس میں اتر گیا، یونہی وہی آواز کی کاپیاں ہوتی چلی گئیں۔ اگرچہ جتنا فصل (Distance) بڑھتا اور وسائط زیادہ ہوتے جاتے ہیں تموج (ware undualation) وقرع (Next Strike) میں ضعف آتا جاتا ہے اور ٹھپکا پلکا پڑتا ہے، والہٰذا دور کی آواز کم سنائی دیتی ہے اور حروف سمجھ میں نہیں آتے یہاں تک کہ ایک حد (Limit) پر تموج (Wave) ختم ہوجاتی ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۰، حصہ دوم، ص ۱۳، مطبوعہ کراچی)

جناب ڈاکٹر مالک رقمطراز ہیں کہ ایشین مسلم سائنسدان اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۰ برس قبل اپنے تجربات ومشاہدات کی بناپر فکرانگیز تحقیق پیش کرکے عالم اسلام میں سبقت حاصل کرلی (بحیثیت مسلم سائنسدان) اور یہ تحقیق آج کل DHM(Damped Harmonic Motion) کہلاتی ہے۔ مذکورہ بالا فکرانگیز تحقیق کی تشریح انگریزی بان میں یوں کی جاسکتی ہے۔

"Sound waves travel in the medium in as fashion that a sound source produce sound. The energy is taken by a molecule to molecule and it exhibits simple Harmonic Motion. These Molecules strike/collids with othe molecules. The second molecule now collides with 3rd molecule or this process of collision carries on. Finally the molecule receives the energy released by the sourse of sound and transmits this enrgy to the sound detector which may be human ear in case of damped normonic motion. actually the amplitude of the occillation gradually decreases to zero, with the passage of time, as a ersult of friction force. This motion is said to be dramped motion by friction and is called Damped Hormonic Motion".

(امام احمد رضا اور علم صوتیات، ص ۲۴، مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز علم کو دوسروں تک منتقل کرنے کیلئے اتنے مخلص تھے کہ سائل سوال اگر تفصیل سے نہیں بھی کرتا یا سائل کے سوال میں اس علم کی تحقیق مدنظر نہ بھی ہوتی مگر امام احمد رضا اس سائل کے جواب میں آنے والے زمانہ کے تشنہ لوگوں کی پیاس کا بندوبست فرما دیتے اور یہ بھی ثابت کردیتے کہ کسی بھی سوال کا جواب سو فیصد اس وقت ہی صحیح ہوسکتا ہے جب اس علم کو مفتی جانتا ہو۔ اگر مفتی اس علم کی گہرائی اور گیرائی سے واقف نہیں تو وہ سرسری جواب تو دے سکتا ہے مگر غلطی کا احتمال رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کو ہر علم کی فہم عطا کی تھی لہٰذا اللہ کی

اس عطا کا دوبارہا مظاہرہ قلم کے ذریعہ فرماتے ہیں۔

مثلاً اگر مفتیان کرام سے یہ سوال کیا جائے کہ تیمم کیلئے کیا شرائط ہیں تو سب کا متفقہ جواب ہوگا کہ پتھر، مٹی، باک، پھر وہ پتھروں کو گنوادیں گے کہ یہ پتھر ہے ان پتھروں سے تیمم ممکن ہے اور جو پتھر نہیں ان سے تیمم بھی نہیں ہے اور جب ایسا کوئی مسئلہ سامنے آیا کہ کوئی شے پتھر ہے یا نہیں تو عمومی فیصلہ دیا جائے گا کہ اگر وہ نسل پتھر سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے تیمم جائز ہے ورنہ نہیں۔ مگر یہ جواب کوئی بھی نہ دے گا وہ پتھر کیوں ہے اور کیوں نہیں۔ ہاں وہ ہی مفتی جواب دے سکے گا جس کو پتھر بننے کے تمام عمل معلوم ہوں گے۔ امام احمد رضا ان ہی مفتیوں میں شامل ہیں جو پتھر کے بننے کے عمل سے بھی واقف ہیں چنانچہ مرجان یا مونگا جیسے Coral بھی کہا جاتا ہے امام احمد رضا نے طویل تحقیق کے بعد اس کو چٹان میں شامل کیا ہے۔ وہ اپنے رسالہ ''المطر السعید علی بنت جنس الصعید'' میں ایک جگہ محشی رملی کے جواز کا موقف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مرجان/مونگا دوسرے پتھروں کی طرح ایک پتھر ہے جو سمندر میں درختوں کی طرح بڑھتا ہے اس لیے عامہ کتب میں جواز پر جزم ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ، جدید ایڈیشن، جلد ۳، ص ۶۸۶، مطبوعہ لاہور)

آگے مزید اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقول! اصحاب احجار (ماہر حجریات) نے اس کے حجر (پتھر) ہونے کی تصریح کی اور اسے حجر شجری (Treelikesstone) کہا نہ کہ شجر حجر (Stone like tree)۔'' (ایضاً)

آگے چل کر جامع ابن بیطار کے حوالے سے ارسطو کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بسند (شاخ دار مونگا) ارمرجان (بغیر شاخ کا مونگا) ایک ہی مرجان کو کہتے ہیں۔ فرق یہ کہ مرجان اصل ہے اور بسند فرع مرجان میں تخلخل (Rings) اور سوراخ (Cavity) ہوتے ہیں اور بسند درخت کی ڈالیوں کی طرح پھیلتا اور بڑھتا ہے اور ڈالیوں کی طرح اس میں شاخیں بھی نکلتی ہیں۔'' (ایضاً)

امام احمد رضا مرجان کو پتھر کی قسم ہی سمجھتے ہیں اور اس کو سمندری چٹان کا حصہ قرار دیتے ہوئے جنس زمین قرار دیتے ہیں اور تیمم کو اس سے جائز سمجھتے ہیں چنانچہ آپ کا حکم شرعی ہے:

''لا جرم اس سے جواز تیمم میں شک نہیں''

(فتاویٰ رضویہ، جلد سوم ص ۶۸۸، مطبوعہ لاہور)

اسی طرح جب ایک سائل نے ریاست رامپور محلہ چاہ شور سے ۱۲/رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ میں سوال کیا کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

''فونوگراف سے قرآن مجید سننا اور اس میں قرآن شریف کا بھرنا اور اس کام کی نوکری کر کے یا اجرت لے کر یا ویسے ہی اپنی تلاوت کا اس میں بھروانا جائز ہے یا نہیں اور اشعار حمد ونعت کے بارے میں کیا حکم ہے اور عورت کے ناچ گانے یا مزامیر کی آواز اس سے سننا بھی ایسا ہی حرام ہے جس طرح اس سے باہر سننا یا کیا۔ بینوا توجروا''

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۰، حصہ دوم، ص ۱۱، مطبوعہ کراچی)

(فتاویٰ رضویہ، جدید ایڈیشن، جلد ۲۳، ص ۴۱۱، مطبوعہ لاہور)

امام احمد رضا ایک مفتی کی حیثیت سے اس کا چار لائنوں میں بھی جواز یا عدم جواز کا فتویٰ دے دیتے لیکن آپ نے علم

صوتیات کے ماہر کی حیثیت سے اس بات کا جائزہ لیا کہ آواز کی حقیقت کیا ہے اور یہ کس طرح فضا میں سفر کرتی ہے اور کانوں تک پہنچتی ہے وغیرہ وغیرہ چنانچہ اس کا جواب رسالہ کی صورت میں دیا۔ اس جواب کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے:

''یہاں ہمیں دو باتیں بیان کرنی ہیں ایک یہ کہ فونو گراف (Gramophone) سے جو آواز آتی ہے وہ بعینہ (Same) اس آواز کنندہ کی ہوتی ہے جس کی صوت (آواز) اس میں بھری ہے۔ قاری ہو، خواہ متکلم، خواہ آلہ طرب وغیرہا۔ دوسرے یہ کہ بذریعہ تلاوت جو اس میں ودیعت ہوا پھر بتحریک آلہ (Instrument) جو اس سے ادا ہوگا سنا یا جائے گا حقیقتاً قرآن عظیم ہی ہے۔ اب ہم ان دو دعووں کو دو مقدموں میں روشن کریں گے۔ وباللہ توفیق۔

مقدمہ اولیٰ کا بیان ان امور کی تحقیق چاہتا ہے:

۱) آواز کیا چیز ہے؟ ۲) کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ ۳) کیونکر سننے میں آتی ہے؟ ۴) اپنے ذریعہ حدوث کے بعد بھی باقی رہتی ہے یا اس کے ختم ہوتے ہی فنا ہو جاتی ہے؟ ۵) کان سے باہر بھی موجود ہے یا کان ہی میں پیدا ہوتی ہے؟ ۶) آواز کنندہ کی طرف اس کی اضافت کیسی ہے وہ اس کی صفت ہے یا کسی چیز کی؟ ۷) اس کی موت کے بعد باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰، حصہ دوم، ص ۱۱)

مقدمہ اولیٰ پر مندرجہ بالا عنوانات کے تحت اپنے طویل سائنٹفک دلائل کے بعد آخر میں جو نتیجہ اخذ کیا وہ ملاحظہ کیجئے:

''بالجملہ شک نہیں طبلہ، سارنگی، ڈھولک، ستار یا ناچ یا عورت کا گانا یا فحش گیت وغیرہ وغیرہ جن آوازوں کا فونو سے باہر سننا حرام ہے بلاشبہ ان کا فونو سے سننا بھی حرام ہے نہ یہ کہ اسے محض تصویر و حکایت قرار دے کر حکم اصل سے جدا کر دیجئے۔ یہ محض باطل و بے معنی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۰، حصہ دوم، ص ۱۸)

امام احمد رضا نے علم صوتیات کی روشنی میں کس طرح خود قائم کردہ سات سوالوں کا جواب دیا ہے اس کیلئے امام احمد رضا کا رسالہ الکشف شافیہ ضرور ملاحظہ کیجئے اور امام احمد رضا کے اس رسالے کو سمجھنے کیلئے ڈاکٹر مالک کی کتاب ''امام احمد رضا اور علم صوتیات'' کا مطالعہ امام احمد رضا کے رسالے کو اور آسان کر دے گا کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے تمام عربی مصطلحات کا انگریزی ترجمہ کر دیا ہے اس لیے دور حاضر کے سائنسدان بھی بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔

مرکز اہل سنت اور رد قادیانیت

علامہ عبدالحکیم شرف قادری: لاہور

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین!

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) چودھویں صدی کے وہ عظیم عالم اور دنیائے اسلام کے نامور مفتی اور محدث ہیں جنہوں نے اپنی تمام زندگی عقائد اسلامیہ کا پہرہ دیتے ہوئے گزاری، ان کا قلم اس دور کے تمام اعتقادی فتنوں کا محاسبہ کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ اسلام کی عزت وحرمت اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام وناموس کے مقابل کسی بڑے سے بڑے صاحب جبہ و دستار کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کے بے لاگ فتووں اور غیرت ایمانی میں ڈوبی ہوئی تنقیدوں کو بعض طبقے شدت سے تعبیر کرتے ہیں لیکن انصاف پسند حضرات جب معاملے کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں ان کے فیصلوں کی تصدیق کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

مرزائیت موجودہ صدی میں اسلام کے خلاف وہ خوفناک سازش ہے جو ملت اسلامیہ کیلئے کینسر کی حیثیت رکھتی ہے، امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مرزائیت کے خلاف علمی اور قلمی جہاد کیا بلکہ مرزائیت نوازوں کے خلاف بھی شمشیر بے نیام ثابت ہوئے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار اور گمراہ فرقے سچے خدا کو نہیں مانتے اور جس خدا کا ذکر کرتے ہیں وہ ان کا خود ساختہ خدا ہے، مرزائیوں کے خود ساختہ خدا کے کیا اوصاف ہیں؟ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

”قادیانی ایسے کو خدا کہتا ہے:

جس نے چار سو جھوٹوں کو اپنا نبی کہا، ان سے جھوٹی پیشن گوئیاں کہلوائیں۔

جس نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ایسے کو عظیم الشان رسول بنایا جس کی نبوت پر اصلا دلیل نہیں بلکہ اس کی نفی نبوت پر دلیل قائم جو (خاک بدہن ملعوناں) ولد الزنا تھا۔

☆ جس کی تین دادیاں، نانیاں زناکار کسبیاں، ایسے کو (خدا مانتا ہے)

☆ جس نے ایک بڑھئی کے بیٹے کو محض جھوٹ کہہ دیا کہ ہم نے بن باپ کے بنایا اور اس پر فخر کی ڈینگ ماری کہ یہ ہماری قدرت کی کیسی کھلی نشانی ہے؟

☆ ایسے کو (خدا مانتا ہے)

☆ جس نے ایک بدچلن عیاش کو اپنا نبی کیا۔

☆جس نے ایک یہودی فتنہ گر کو اپنا رسول کر کے بھیجا۔

☆جس کے پہلے فتنہ نے دنیا کو تباہ کر دیا۔

☆ایسے کو (خدا مانتا ہے) جو اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو ایک بار دنیا میں لا کر دوبارہ لانے سے عاجز ہے۔

☆وہ جس نے ایک شعبدہ باز کی مسمریزم والی مکروہ حرکات، قابل نفرت حرکات، جھوٹی بے ثباتی کو اپنی آیات بینات بتایا۔

☆ایسے کو (خدا مانتا ہے) جس نے اپنا سب سے پیارا بروزی خاتم النبیین دوبارہ قادیان میں بھیجا، مگر اپنی جھوٹ، فریب، تمسخر ٹھٹھول کی چالوں سے اس کے ساتھ بھی نہ چوکا، اس سے کہہ دیا:

تیری جورو کے اس حمل سے بیٹا ہوگا جو انبیاء کا چاند ہوگا، بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت لیں گے، بروزی بے چارہ اس کے دھوکے میں آ کر اسے اشتہاروں میں چھاپ بیٹھا، اسے تو یوں ملک بھر میں جھوٹا بننے کی ذلت و رسوائی اوڑھنے کیلئے یہ جل دیا اور جھٹ پٹ میں الٹی یہ کل پھرا دی، بیٹی بنا دی، بروزی بے چارہ کو اپنی غلط فہمی کا اقرار چھاپنا پڑا اور اب دوسرے پیٹ کا منتظر رہا۔

اب کی یہ مسخرگی کہ بیٹا دے کر امید دلائی اور ڈھائی برس کے بچے ہی کا دم نکال دیا، نہ نبیوں کا چاند بننے دیا، نہ بادشاہوں کو اس کے کپڑوں سے برکت لینے دی۔

غرض کہ اپنے چہیتے بروزی کا کذاب ہونا خوب اچھالا اور اس پر مزید یہ کہ عرش پر بیٹھا اس کی تعریفیں گا رہا ہے۔

مرزائے قادیانی کی جھوٹی نبوت کو محمدی بیگم کی وجہ سے سخت دھچکا لگا، بقول مرزائے قادیانی اسے الہام ہوا کہ اپنی رشتے کی بہن احمدی بیگم کی بیٹی محمدی بیگم سے نکاح کا پیغام بھیجو، مرزا نے جھٹ پیغام بھیج دیا اور تشہیر بھی کر دی کہ میرا نکاح محمدی بیگم سے ہو کر رہے گا، اس کی بدقسمتی کہ پیغام نکاح رد کر دیا گیا، منت سماجت بھی کی مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، مرزا صاحب دھمکیوں پر اتر آئے کہ اگر محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا تو اڑھائی سال میں اس کا باپ مر جائے گا اور تین سال میں اس کا شوہر ہلاک ہو جائے گا یا اس کے برعکس ہوگا۔

ان سب کوششوں کا نتیجہ کیا نکلا؟ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سنئے!

> ''اب قادیانی کے ساختہ خدا کو اور شرارت سوجھی، چٹ بروزی (مرزا) کو وحی پھنکا دی کہ زوجنا کھا محمدی (بیگم) سے ہم نے تیرا نکاح کر دیا، اب کیا تھا بروزی جی ایمان لے آئے کہ اب محمدی (بیگم) کہاں جا سکتی ہے؟ یوں جل دے کر بروزی مرزا کے منہ سے اسے اپنی منکوحہ چھپوا دیا تاکہ وہ حد بھر ذلت جو ایک چمار بھی گوارا نہ کرے کہ اس کی جوری اور اس کے جیتے جی دوسرے کی بغل میں، یہ مرتے وقت بروزی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہوا اور رہتی دن یا تک بیچارے کی فضیحت و خواری و بے عزتی و کذابی کا ملک میں ڈنکا ہوا۔

ادھر تو عابد و معبود کی یہ وحی بازی ہوئی، ادھر سلطان محمد آیا اور نہ عابد کی چلنے دی اور نہ

معبود کی، بروزی جی کی آسمانی جورو سے بیاہ کر، ساتھ لے، یہ جا وہ جا، چلتا بنا، ڈھائی تین برس پر موت کا وعدہ تھا، وہ بھی جھوٹا گیا، الٹے بروزی جی زمین کے نیچے چل بسے وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔

یہ ہے قادیانی اور اس کا ساختہ خدا، کیا وہ جانتا تھا یا اب اس کے پیرو جانتے ہیں؟ **حاشﷲ رب العرش عمایصفون۔**

مرزائیوں کے احکام: امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ

☆ قادیانی مرتد منافق ہیں...... مرتد منافق وہ شخص ہے جو کلمہ اسلام پڑھتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا ہے یا ضروریات دین میں سے کسی شے کا منکر ہے۔

☆ قادیانی کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔

☆ قادیانی کو زکوٰۃ دینا حرام ہے اور اگر ان کو دے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

☆ قادیانی مرتد ہے، اس کا ذبیحہ محض نجس و مردار، حرام قطعی ہے۔

☆ مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب قادیانی کو مظلوم سمجھنے والا اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم و ناحق سمجھنے والا اسلام سے خارج ہے۔

۱۳۳۶ھ میں ایک استفتاء آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح مرزائی سے کردیا ہے حالانکہ اسے علم ہے کہ تمام علماء اسلام فتویٰ دے چکے ہیں کہ مرزائی کافر و ملحد ہیں، اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

''اگر ثابت ہو کہ وہ (لڑکی کا باپ) مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہے اس بنا پر یہ تقریب کی تو خود کافر و مرتد ہے، علمائے حرمین و شریفین نے قادیانی کی نسبت بالاتفاق فرمایا: **من شک فی عذابہ وکفرہ فقدکفر،** '' جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے۔

اس صورت میں فرض قطعی ہے کہ تمام مسلمان موت حیات کے سب علاقے اس سے قطع کردیں۔

☆ بیمار پڑے پوچھنے کو جانا حرام

☆ مرجائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام

☆ اسے مسلمانوں کی گورستان میں دفن کرنا حرام

☆ اس کی قبر پر جانا حرام

۱۳۳۵ھ میں محمد عبدالواحد خاں، مسلم ممبئ اسلام پورہ نے سوال کیا کہ قادیانیوں سے کس پیرائے میں بحث کی جائے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''سب میں بھاری ذریعہ اس کے رد کا اول اول کلمات کفر پر گرفت ہے، جو اس کی تصانیف میں برساتی حشرات الارض کی طرح اہلے گہلے پھر رہے ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہینیں، عیسیٰ علیہ السلام کو گالیاں، ان کی ماں طیبہ طاہرہ پر طعن اور یہ کہنا کہ یہودی کے جو اعتراض عیسیٰ اور ان کی ماں

پر ہیں ان کا جواب نہیں (اس کے علاوہ متعدد کفر گنوائے)

دوسرا بھاری ذریعہ ان خبیث پیشن گوئیوں کا جھوٹا پڑنا جن میں بہت چمکتے روشن حرفوں سے لکھنے کے قابل دو واقعے ہیں:

ا۔لڑکے کی پیدائش کی خبر نشر کی لیکن لڑکی پیدا ہوئی۔

۲۔محمدی بیگم سے نکاح کی پیشن گوئی کی لیکن وہ بھی جھوٹی ہوئی۔

غرض اس کے کفر حد و شمار سے باہر ہیں، کہاں تک گنے جائیں؟ اور اس کے ہوا خواہ ان باتوں کو ٹالتے ہیں اور بحث کریں تو کاہے میں؟ کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتقال فرمایا، مع جسم اٹھائے گئے یا صرف روح؟ مہدی و عیسیٰ ایک ہیں یا متعدد؟ یہ ان کی عیاری ہوتی ہے، ان کفروں کے سامنے ان مباحث کا کیا ذکر؟''

۱۳۳۹ھ میں ڈیرہ غازی خان سے عبدالغفور صاحب نے استفتاء بھیجا کہ ایک قادیانی کہتا ہے کہ ابن ماجہ شریف کی حدیث کے مطابق ہر صدی کے بعد مجدد ضرور آئے گا، لاہوری پارٹی کا موقف یہ ہے کہ مرزا وقت کا مجدد ہے، اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے تحریر فرمایا:

مجدد کا کم از کم مسلمان ہونا تو ضرور ہے، اور قادیانی کافر و مرتد تھا، ایسا کہ تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا کہ جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر، لیڈر بننے والوں کی ایک ناپاک پارٹی قائم ہوئی جو گاندھی مشرک کو رہبر، دین کا امام پیشوا مانتے ہیں، گاندھی پیشوا ہو سکتا ہے نہ مجدد۔''

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۳۲۰ھ میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف لطیف ''المعتقد المنتقد'' پر قلم برداشتہ حاشیہ لکھا، اپنے دور کے مبتدعین نو پیدا فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے مرزائے قادیانی کے متعدد کفر گنوائے اور آخر میں فرمایا، ''اس کے علاوہ اس کے بہت سے ملعون کفر ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کے اور دوسرے تمام دجالوں کے شر سے محفوظ رکھے۔

۱۳۲۴ھ میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حرمین شریفین کے علماء اہل سنت کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا، جس میں چند فرقوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ تھا، ان میں سرفہرست مرزائیوں کا ذکر تھا، اس کے جواب میں حرمین شریفین کے علماء نے مرزائیوں اور مرزائی نوازوں کو کافر قرار دیا۔

اس کے علاوہ انہوں نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور رد مرزائیت میں مستقل رسائل بھی لکھے۔

ا۔**جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ**: اس رسالہ مبارکہ میں عقیدہ ختم نبوت پر ایک سو بیس حدیثیں اور منکرین کی تکفیر پر جلیل القدر ائمہ کی تیس تصریحات پیش کیں۔

۲۔**المبین ختم النبیین**: اس رسالہ میں بیان فرمایا کہ خاتم النبیین میں الف لام استغراق کیلئے ہے، یعنی ہمارے آقا و مولا ﷺ تمام انبیائے کرام کے خاتم ہیں، جو شخص اس استغراق کو نہیں مانتا اسے کافر کہنے کی ممانعت نہیں ہے، اس نے نص قرآنی کو جھٹلایا ہے، جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔

۳۔ قہر الدیان علی مرتد بقادیان: اس میں جھوٹے مسیح، مرزائے قادیانی کے شیطانی الہاموں کا رد کر کے عظمت اسلام کو اجاگر کیا ہے۔

۴۔ السوء والعقاب علی المسیح الکذاب: ۱۳۲۰ھ میں امرتسر سے ایک سوال آیا کہ ایک مسلمان اگر مرزائی ہو جائے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ میں دس وجہ سے مرزائے قادیانی کا کفر بیان کر کے متعدد فتاویٰ کے حوالے سے یہ حکم تحریر فرمایا؛

''یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام بعینہ مرتدین کے احکام ہیں...... شوہر کے کفر کرتے ہی عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے۔''

۵۔ الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی: یہ امام احمد رضا بریلوی کی آخری تصنیف ہے جو آپ نے وفات سے چند دن پہلے تحریر فرمائی۔

آپ کے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی'' تحریر فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ تفصیل سے بیان کیا اور مرزا کے مثیل مسیح ہونے کا زبردست رد کیا۔ یہ رسالہ سہارنپور سے آنے والے سوال کے جواب میں لکھا گیا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس رسالے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بحمد اللہ! اس شہر (سہارنپور) میں مرزا کا فتنہ نہ آیا اور اللہ عز وجل قادر ہے کہ کبھی نہ لائے۔

ردمرزائیت میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتووں کو ہر موافق ومخالف نے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے، پروفیسر خالد شبیر احمد، فیصل آباد، دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے باوجود انہوں نے اپنی تالیف ''تاریخ محاسبہ قادیانیت'' میں ردمرزائیت سے متعلق امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ بڑے اہتمام سے نقل کیا اور فتوے سے پہلے اپنے تاثرات یوں قلم بند کیے:

> ''اس فتویٰ سے جہاں مولانا کے کمال علم کا احساس ہوتا ہے وہاں مرزا غلام احمد کے کفر کے بارے میں ایسے دلائل بھی سامنے آتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی ذی شعور مرزا صاحب کے اسلام اور اس کے مسلمان ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مزید لکھتے ہیں:

> ''ذیل کا فتویٰ بھی آپ کی علمی استطاعت، فقہی دانش وبصیرت کا ایک تاریخی شاہکار ہے، جس میں آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر کو خود ان کے دعاوی کی روشنی میں نہایت مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے، یہ فتویٰ مسلمانوں کا وہ علمی وتحقیقی خزینہ ہے جس پر مسلمان جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔

بعض غیر ذمہ دار افراد نے محض مخالفت برائے مخالفت کے نقطہ نظر سے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں بے سروپا باتیں منسوب کر کے غیر حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا اور یہاں تک لکھ دیا: مرزا غلام قادر بیگ جو

انہیں (امام احمد رضا بریلوی کو) پڑھایا کرتے تھے، نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔

امام احمد رضا بریلوی کے ابتدائی استاذ اور مرزائے قادیانی کے بھائی کا نام ایک ہے، جس کی بنا پر یہ مغالطہ دیا گیا حالانکہ یہ دونوں الگ الگ شخص ہیں۔

حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بڑے بھائی مرزا مطیع بیگ کے پوتے مرزا عبد الوحید بیگ (بریلی) نے اپنے مقالہ میں اس الزام تراشی کا مسکت جواب دیا ہے، ان کا بیان ہے کہ:

مرزا غلام قادر بیگ لکھنؤ کے محلہ جھوائی ٹولہ میں یکم محرم ۲۵ جولائی ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء کو پیدا ہوئے، ان کے والد لکھنؤ سے بریلی منتقل ہو گئے تھے، ہمارا خاندان نسلاً ایرانی یا ترکستانی مغل نہیں ہے، مرزا اور بیگ کے خطابات اعزاز شاہانہ مغلیہ کے عطا کردہ ہیں، مرزا غلام قادر بیگ طبابت کرتے تھے اور دینی تعلیم بلا معاوضہ دیا کرتے تھے، دوسرے طالب علم آپ کے مطب پر پڑھنے آتے، لیکن آپ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے مکان پر ہی درس دیتے تھے، پھر ایک وقت آیا کہ انہوں نے اصرار کر کے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہدایہ کا درس لیا اور فخر سے فرمایا کرتے تھے: ''میں علم و فضل کے شہنشاہ کا شاگرد ہوں، ان شاء اللہ! بروز قیامت میں بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگردوں کی مبارک صف میں شامل ہوں گا۔''

حضرت مرزا غلام قادر بیگ کا انتقال بریلی شریف میں یکم محرم، ۱۸/ اکتوبر ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا۔ محلہ باقر گنج میں واقع حسین باغ میں دفن کیے گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

جناب مرزا عبد الوحید بیگ (بریلی) لکھتے ہیں:

''ہمارے خاندان کا کبھی بھی کسی قسم کا کوئی واسطہ و تعلق مرزا غلام احمد قادیانی کذاب سے نہیں رہا، اس لیے یہ کہنا کہ حضرت مولانا غلام قادر بیگ صاحب رحمہ اللہ علیہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کے بھائی تھے، انتہائی لغو، بے بنیاد اور کذب صریح ہے۔

❀❀❀

مرکز اہل سنت کی سیاسی خدمات

مولانا شہاب الدین رضوی: بریلی شریف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے ۱۹۲۰ء میں ایک تنظیم بنام جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی میں قائم فرمائی جس کے ذریعہ مسلمانوں کی ملی، شخصی، سماجی اور سیاسی رہنمائی کی گئی۔

جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی متعدد شاخیں تھیں جو الگ الگ ناموں سے جانی پہچانی جاتی تھیں، ناموں کے علیحدہ کرنے میں ایک سیاسی حکمت عملی ہے۔ میرے خیال میں وہ یہ ہے کہ اگر حکومت وقت نے اس تنظیم پر اور اس کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردے تو دوسری شاخیں جو دوسرے ناموں سے جانی جاتی ہیں ان میں ممنوعہ تنظیم کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ جس تنظیم و جماعت پر پابندی لگتی ہے، اس کے ہیڈ آفس اور تمام تر شاخوں کے دفاتر کو سیل کردیا جاتا ہے مگر ممنوعہ تنظیم کا کام اگر دوسرے نام کی تنظیمیں کررہی ہیں تو اس میں حکومت دخل اندازی نہیں کرتی ہے اور ان سرگرمیوں کو اہمیت بھی نہیں دیتی ہے، مگر ممنوعہ تنظیم کے اغراض و مقاصد پورے ہوتے رہتے ہیں۔ غالباً یہی حکمت جماعت رضائے مصطفیٰ کے پیش نظر رہی ہو، ویسے اس کی متعدد وجہیں ہوسکتی ہیں۔ جماعت انصار الاسلام بریلی، دراصل جماعت رضائے مصطفیٰ کی ایک اہم سیاسی ذیلی تنظیم تھی چونکہ جماعت رضائے مصطفیٰ مذہب میں رہ کر سیاسی حالات کو مذہب کی طرف موڑنا چاہتی تھی، سرپرست اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سیاست سے دور رہ کر سیاست کو سدھارنا چاہتے تھے، اس لیے سیاسی نقطۂ نظر کی وجہ سے جماعت انصار الاسلام بریلی کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی تاسیس کس سن میں ہوئی غالباً ۱۳۳۹ھ میں جماعت انصار الاسلام معرض وجود میں آئی۔ اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ر شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ کو جماعت انصار الاسلام کا پہلا جلسہ ہوا۔ اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ ۱۳۳۹ھ میں اس کی بنیاد پڑی ہو۔

اغراض و مقاصد: جماعت انصار الاسلام بریلی کے اغراض و مقاصد بالکل صاف تھے۔ ان سے اہل اسلام کا فائدہ وابستہ تھا اور ان کا مذہبی تشخص بھی برقرار رہتا تھا۔ وہ مقاصد حسب ذیل ہیں:

☆ حفاظت مقامات مقدسہ، وسلطنت اسلامیہ اور مظلومین ترکی کی ہمدردی میں جائز و مفید کوشش کرنا اور

ناجائز ونامفید راہوں سے مسلمانوں کو بچانا،

☆اسلام ومسلمین کو بیرونی دشمنان دین کے حملوں سے بچانے کی حتی الوسع جائز تدابیر کرنا اور بالخصوص دشمنان اندرونی کے حملوں سے بچانا،

☆مسلمانوں کو ان کی اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی مفاد کی طرف رہنمائی کرنا اور ان میں حقیقی وخالص پابندی احکام شرعی کی راہ بتانا،

تین روزہ کانفرنس: جماعت انصار الاسلام بریلی کے سرپرست بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی تھے۔ ان کی قیادت اور ان کا روحانی فیض اس جماعت کو حاصل تھا اور دوسری طرف کل ہند جماعت رضائے مصطفی اس کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ جماعت انصار الاسلام کے ناظم اعلیٰ مولانا حسنین رضا ایڈیٹر ماہنامہ الرضا بریلی تھے، یہ خود ایک جید عالم دین، فقیہ ومدبر، سیاست کے پیچ وتاب سے خوب واقف تھے، حق بات کہنے اور حق کو قبول کرنے میں کبھی بھی نہیں جھجکتے تھے، ان کا مدمقابل کتنا ہی چرب زبان اور طلسماتی ہو، کتنا ہی سیاسی گھاگ اور داؤں پیچ سے واقف ہو مگر مولانا حسنین رضا خاں کے آگے ذرا دیر بھی نہیں ٹک سکتا تھا۔ وہ اپنے موقف کی وضاحت بڑے اچھے انداز سے اور بے باکی کے ساتھ کرتے تھے۔ وہ امام احمد رضا کے برادر زادہ تھے اور استاذ زمن مولانا حسن بریلوی کے فرزند ارجمند تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بوقت وصال احمد رضا قدس سرہ نے اپنا وصیت نامہ مولانا حسنین رضا بریلوی سے لکھوایا حالانکہ امام احمد رضا کے صاحبزادگان موجود تھے۔

جماعت انصار الاسلام بریلی کی تین روزہ کانفرنس کی تفصیلات سے پہلے آپ اسے مضمون پر نظر ڈالیں جس کو اراکین جماعت انصار الاسلام نے ''اجیبو داعی اللہ'' کے عنوان سے پریس کو بھیجا تھا جو درحقیقت ہونے والی کانفرنس کا اعلان ہے...... پڑھئے:

مسلمانو! اسلام وہ اسلام کہ کن کن عظیم اذیتوں کی برداشت سے حضور انور افضل الصلوٰۃ والثناء نے اس کا باغ لگایا، صحابہ کرام واہل بیت عظام علیہم الرضوان نے اپنے مبارک خونوں سے اسے سینچا آج وہ کیسے کیسے شدائد ومصائب نہ صرف بیرونی بلکہ اندرونی ہر قسم کی بلاؤں میں گھرا ہے۔ حفاظت اسلام وسلطنت اسلام، واماکن اسلام، وعقائد اسلام واحکام اسلام میں باذنہ تعالیٰ ممکن وناقف جائز تدابیر پر غور کرنے، اور توکلا علی المولیٰ سبحانہ وتعالیٰ انہیں عمل میں لانے کیلئے علماء اہل سنت وجماعت نے، جماعت انصار الاسلام بتوفیقہ تعالیٰ قائم کی جس کا پہلا اجلاس ۲۲، ۲۳، ۲۴ رشعبان المعظم ۱۳۳۹ھ میں قرار پایا ہے۔ مشاہیر علماء ومشائخ کرام تشریف لائیں گے۔ برادران اہل سنت سے دست بستہ التماس ہے کہ ضرور شریک جلسہ ہوں۔ خاندان سنت کو شاکر وممنون فرمائیں۔ (منجانب جماعت انصار الاسلام محلہ

سوداگران بریلی)

جماعت انصار الاسلام کی تین روزہ کانفرنس ۲۲، ۲۳، ۲۴؍شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ بمقام مسجد نومحلہ بریلی میں بہت آب وتاب اور شان وشوکت کے عظیم اجتماعوں کے ساتھ منعقد ہوتی رہی۔ اس کانفرنس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مقامات مقدسہ اور سلطنت اسلامیہ ترکیہ کی حمایت وحفاظت کی جائے۔

یہ کانفرنس منعقد کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی...... اس کی وجہ یہ ہوئی کہ چندہ خور لیڈروں اور خلافت کمیٹی نے جابجا یہ مشہور کردیا کہ ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ہماری مخالفت کرتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ ہم لوگ مقامات مقدسہ کی حفاظت اور سلطنت ترکیہ اسلامیہ کی بحالی کیلئے جدوجہد کررہے ہیں...... اس کا اثر یہ ہوا کہ عوام نے یہ سمجھ لیا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سلطنت اسلامیہ کے مخالف ہیں اور خلافت کمیٹی اور لیڈروں کا مقصد بھی یہی تھا کہ عوامی سطح پر یہ باور کرایا جائے، مگر یہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت رضائے مصطفی اور جماعت انصار الاسلام کے سربراہ اعلیٰ کو فتح نصیب کی۔ ان کی پیش گوئیاں بالفعل صحیح ثابت ہوئیں، انہوں نے جنگ سے قبل جو کچھ کہا وہ جنگ کے دور میں سچ ثابت ہوگیا۔

تین روزہ کانفرنس کا لوگوں نے بائیکاٹ کیا اور لیڈروں نے جگہ جگہ مخالفت کرنا شروع کردی اور مسلمانوں کو طرح طرح سے بہکانے لگے۔ اس کا حال خود ناظم جماعت انصار الاسلام کے قلم سے سنئے...... لکھتے ہیں:

مخالف ہواؤں کی بادصرصر طوفانی تموج کے ساتھ، اس نوبادۂ امید کو از بیخ برکندہ کرنے میں اپنی پوری جدوجہد اور کامل طاقت صرف کرتی رہی اور ہمدردی اسلام کے مدعیوں نے اس جلسہ کو ناکام بنانے کیلئے اپنی ہر قسم کی طاقتیں صرف کردیں، اشتہارات وخبارات میں اس جلسہ کو بدنام کیا گیا اور گورنمنٹ کا جلسہ بتا کر مسلمانوں کو اس جلسہ کی طرف سے بدنام کرنے میں خوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ جماعتیں اس کام پر مامور تھیں کہ وہ گشت کرکے دھوپوں اور لوؤں میں پھر کر مسلمانوں کو جلسہ سے روکیں اور علماء ومشائخ کے پاس ممانعت کے خفیہ خطوط بھیجے گئے مگر حق کی آواز بلند ہوکر رہی اور باطل کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں۔ پھر بھی اہل عناد نے اپنے مساعی کی تیز رفتاری کو سست کرنا گوارا نہ کیا۔

جماعت انصار الاسلام بریلی کی تین روزہ کانفرنس کو ناکام کرنے کیلئے طرح طرح کے حربے استعمال کیے گئے مگر خدا جس کو رکھے اسے کون...... ایک بنیادی بات ہے کہ جس کی مخالفت ہوتی ہے اتنی ہی اس کی تشہیر بھی ہوتی ہے۔ اس کانفرنس کی اتنی تشہیر نہیں کی گئی تھی جتنی تشہیر مخالفین نے کردی، جو لوگ نہیں جانتے تھے انہوں نے سمجھا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جس کیلئے یہ لوگ زور دے کر ممانعت کر رہے ہیں۔ پھر آدمی وہیں سے ایک ذہن بنالیتا ہے کہ آیا اس جلسہ میں کیا ہوگا؟ اس میں ضرور جانا ہے، دیکھیں کہ کون لوگ آرہے ہیں؟ اور کیا کیا باتیں ہوں گی؟ انہی ساری باتوں نے

کانفرنس کو کامیاب کر دیا اور مخالفین نے یہاں تک مخالفت کرنا نہیں چھوڑی کہ:

جلسہ کے اوقات میں راستوں پر ایسے لوگ مقرر کر دیئے گئے جو آنے والوں کو کبھی یہ بتاتے تھے کہ جلسہ ملتوی ہو گیا ہے اور کبھی یہ کہ اپنے مقام سے منتقل ہو گیا، کبھی یہ کہ باہر سے علماء نہیں آئے، جلسہ پھر اور تاریخوں میں ہوگا......

یصدون عن سبیل اللہ و ینعون بھاعوجاً

مخالفین کانفرنس کے سارے ہتھکنڈے بیکار ہو گئے، ان باتوں سے مسلمانوں میں جذبہ بیدار ہو گیا اور دوسری طرف سے کوئی بات نہیں بالکل خاموشی تھی، کانفرنس کی کامیابی پر مولانا حسنین رضا بریلوی لکھتے ہیں:

لیکن مسلمانوں میں جو شوق بیدار ہو چکا تھا، اس نے تمنا کے بڑھتے قدم کیلئے ان افواہوں اور غلط خبروں کو سہارا اور زنجیر پا نہ ہونے دیا۔ اول وقت سے ہزار ہا آدمی کا مجمع مسجد نو محلہ میں محو اشتیاق ہو کر پہنچا، الحمد للہ یہ اس جلسہ کی کامیابی کی پہلی منزل تھی ورنہ جلسہ کی دعوت پر اس قدر زور نہ دیا گیا تھا، جس قدر اس کو روکنے اور غلط خبروں سے بدنام کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں...... سمجھ میں نہیں آتا تھا اس جلسہ کی مخالفت کیوں کی جاتی تھی؟ اور اپنے دل سے تراش تراش کر کیوں جھوٹے اتہام لگائے جاتے تھے؟ حالانکہ اس کانفرنس کا مقصد سب کو معلوم تھا۔ مولانا حسنین رضا بریلوی کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے مخالفت کانفرنس کے سلسلہ میں کیا ہے:

اس جلسہ کے مخالفین باطن میں سلطنت اسلامیہ سے مخالفت رکھتے ہیں، ورنہ جو مجلس محض ترکوں کی امداد اور ہمدردی اور بلاد اسلامیہ کی صیانت وحفاظت کیلئے وضع کی گئی ہو اور جس کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہ ہو اور اس کے طریقہ عمل پر نکتہ چینی کا وقت بھی نہ آیا ہو، پہلے ہی سے اس کا مخالف ہو بیٹھنا اور ایسی جانکاہ کوشش کرنا اور افترا اور اس زور سے اس مجلس کو ناکام بنانے کے درپے ہو جانا۔ اگر سلطنت اسلامیہ مخالفت کی وجہ سے نہیں ہے تو کیوں ہے؟

جماعت انصار الاسلام کا یہ عمل کہ اس نے ان مخالفین کیلئے کوئی کارروائی نہیں کی اور نہ ان سے باز پرس کی، یہ قابل تقلید نمونہ ہے۔ آج جو کوئی شخص ہماری مجلس کو ناکام بنانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ اس کو مزا چکھا دیں اور کیفر کردار تک پہنچا دیں۔ جماعت انصار الاسلام نے اپنے کام پر نظر رکھی اور اخلاص وہمدردی اسلام کیلئے کام کرتی رہی۔ یہ قدم لائق تقلید وستائش ہے۔

اب تین روزہ کانفرنس کی روداد ملاحظہ فرمائیں۔ اس کانفرنس میں امید سے زیادہ مجمع تھا اور ہندوستان کے مشہور فاضل کرام ومشائخ عظام شرکت کیلئے رونق افروز ہوئے تھے۔ اسماء گرامی یہ ہیں...... مولانا شاہ سید مہدی حسن قادری سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، مولانا شاہ سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی مارہروی، مولانا محمد عبید اللہ صدر المدرسین کانپور، مولانا سید محمد آصف رضوی کانپور، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری پروفیسر دینیات علی گڑھ کالج علی گڑھ، مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، مولانا محمد عمر نعیمی ایڈیٹر السواد الاعظم مراد آباد، مولانا شہد الدین مرادآبادی، مولانا محمد یعقوب رضوی

بلاس پوری، مولانا غلام محی الدین راندیر، مولانا خلیل الرحمن بنارسی، مولانا ظفر الدین رضوی، بہار شریف، مولانا شاہ دیدار علی رضوی الوری، مفتی آگرہ، مولانا محمد عبد الاحد سلطان الواعظین پیلی بھیتی، مولانا حکیم خلیل الرحمن صدر مدرس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت، مولانا غلام احمد شوق مراد آبادی۔

پہلے روز ساڑھے آٹھ بجے شب کے محلہ سوداگران سے علماء اسلام کا جلوس روانہ ہوا، سادگی کے انداز اور ذکر الٰہی کے ساتھ اس مقدس جماعت کی روانگی دلوں پر عجیب اثر پیدا کر رہی تھی، یہ حضرات جلسہ گاہ میں پہنچے۔ جماعت انصار الاسلام کی مجلس استقبالیہ نے خیر مقدم کیا اور کارکنان جماعت انصار الاسلام کے پرجوش نعرہ تکبیر سے علماء و مشائخ کا مقدس قافلہ رونق اسٹیج ہوا۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی نے مولانا شاہ سید محمد میاں مارہروی کی صدارت کی تحریک فرمائی، سب نے تائید کی۔

نعت و حمد کے بعد صدر کانفرنس مولانا مارہروی نے اپنے خطبہ میں مسائل حاضرہ اور مصائب دائرہ نظر ڈالتے ہوئے وقت کی نزاکت اور مسلمانوں کی حالت پر تبصرہ فرمایا۔ ان کے مستقبل کو کامیاب بنانے، مصائب نازلہ سے چھٹکارا پانے، بلاد اسلامیہ کو پنجہ اغیار سے چھڑانے، سلطنت اسلامیہ کی اعانت و حمایت اور اس کی تدبیروں کی طرف توجہ دلائی، مولانا مارہروی کی محققانہ اور مدلل تقریر سامعین نے ہمہ گوش ہو کر سنی، تقریباً دو گھنٹہ قوم سے خطاب فرمایا۔

پھر صدر کانفرنس کی اجازت سے ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی بہاری نے مسئلہ ترک موالات پر محققانہ تقریر فرمائی اور ثابت کیا کہ ترک موالات انسان کا فطری وطبعی خاصہ ہے۔ اگر اس کے احساسات غلط نہیں ہو گئے ہیں تو وہ نقصان رساں سے طبعاً احتراز کرے گا۔ اس مسئلہ کو شواہد و دلائل سے خوب ذہن نشین کرایا اور بتایا کہ ”جملہ کفار و مشرکین سے ترک موالات شرعاً فرض اور مسلمانوں پر لازم ہے۔“ اس تقریر کے ضمن میں مولانا بہاری نے ایسی ایسی دل پذیر باتیں فرمائیں کہ مجمع پھڑک اٹھا۔

بعدہٗ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے مختصر تقریر فرمائی اور بتایا کہ ترک موالات کا مسئلہ کسی ایک مجلس میں تمام نہیں ہو سکتا۔ کفار سے ترک موالات فرض اور ضروری ہے اور مسلمانوں کے حق میں نہایت نافع، ان کی عزت و وقار کا محافظ، حریت و آزادی، اور علو برتری کا آلہ ہے۔ لیکن یہ شریعت کا دوامی حکم ہے جس کیلئے مسلمان ہمیشہ سے مامور ہیں۔ ترک آج مصیبت میں ہیں، دشمن انہیں صفحہ ہستی سے مٹا ڈالنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ سلطنت ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی ہے، مخالف قوتیں دم بدم کام کر رہی ہیں، ایسی حالت میں جلد سے جلد کوئی امداد و اعانت پہنچی ضروری ہے نہ کہ ٹال مٹول کرنے کا وقت۔ مولانا مراد آبادی کی تقریر پر پہلے روز کی کانفرنس ختم ہو گئی۔

دوسرے روز کا جلسہ اپنی شان کے ساتھ شروع ہوا۔ تلاوت شریف اور نعت پاک کے بعد مولانا قاضی اشہد الدین مراد آبادی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بہت خوبی کے ساتھ بیان کیے۔ مولانا کے بعد ناظم جماعت انصار الاسلام مولانا حسنین رضا بریلوی نے مختصر سی تقریر کرتے ہوئے جماعت انصار الاسلام بریلی کے اغراض و مقاصد پیش کیے (جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں)

صدر کانفرس کی اجازت سے مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے تقریر فرمائی۔ آپ کی تقریر میں دریا کی روانی تھی اور واقعات کا سلسلہ تھا۔ عجب دل پذیر باتیں تھیں۔ مولانا سلیمان اشرف نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمان احکام شریعت پر پورے طور پر کار بند رہیں۔ یہی ان کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر کے ساتھ یہ تجویز پیش کی کہ علماء اہل سنت اور مسلمانان بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر جزیرۃ العرب سے اٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے معاف رکھے۔ تقریر کے اخیر میں مولانا نے ہندو مسلم اتحاد کے برے نتائج کی طرف توجہ دلائی۔

مولانا سید دیدار علی رضوی الوری کو وقت دیا گیا۔ مولانا نے **ان اللہ لایغیر مابقوم** پر نہایت نفیس وجلیل تقریر فرمائی اور یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں کی ہر تباہی ان کے افعال کا ثمرہ ہے، اپنی اصلاح کرو اور شریعت مطہرہ کے حدود سے قدم باہر نہ رکھو۔ مولانا کی تقریر بڑی موثر تھی۔ آپ کے بعد مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے مختصر سی تقریر فرمائی پھر جلسہ ختم ہوگیا۔

تیسرے دن کی کانفرنس اپنی تمام تر جلوہ بارکرنوں کے ساتھ شروع ہوئی۔ آغاز میں رام پور، مرادآباد اور بریلی کے نعت خواں حضرات نے نعت شریف پڑھی۔ صدر کانفرنس کی اجازت سے مولانا محمد عمر نعیمی نے نہایت فصیح وبلیغ تقریر فرمائی اور مسلمانوں کو نماز با جماعت کی پابندی کی ہدایت کی۔ مولانا نعیمی کا لب ولہجہ بہت موثر تھا۔ حاضرین مولانا نعیمی کی خوش بیانی سے محظوظ ہوئے۔

دس بجے شب مولانا نعیم الدین مرادآبادی رونق انجمن ہوئے۔ انہوں نے اپنی مبسوط تقریر میں ثابت کیا کہ مسلمانوں کو شریعت مطہرہ کے احکام کے سامنے سر اطاعت جھکانا چاہئے اور ہر طرح کے دشمنوں سے احتراز کرنا اور کسی کافر ومشرک سے ایمن نہ ہونا لازم ہے۔ مولانا مرادآبادی نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان ہوشیار ہوں، جائز طور پر سلطنت اسلامیہ کی اعانت وحمایت اور اسلام و مسلمین کی حفاظت کیلئے علماء اسلام نے یہ جماعت انصار الاسلام قائم کی ہے۔ انشاء اللہ یہ جماعت ہندوستان میں کام کرے گی۔ مولانا مرادآبادی نے علماء اسلام کی طرف سے جو تجاویز پاس کیں ان کو مجمع عام میں سنایا، سب نے تائید کی۔

کانفرنس میں پاس شدہ تجاویز: جماعت انصار الاسلام کی تین روزہ کانفرنس میں جو تجاویز پاس ہوئیں وہ فائدہ عوام کیلئے درج کی جاتی ہیں:

(۱) علماء اہل سنت اور مسلمانان بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر عرب سے اٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے معاف رکھے۔

(۲) یہ جلسہ گورنمنٹ سے زبردست مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مظلومین سمرنا وغیرہ کی مالی اعانت وارسال زر کے قابل اطمینان ذرائع ہمارے لیے بہم پہنچائے۔

(۳) یہ جلسہ ترک وعرب میں اتحاد پیدا کرنے کیلئے ایک وفد بھیجنا تجویز کرتا ہے کہ ان مطالبات کیلئے گورنمنٹ کے پاس وفد بھیجا جائے۔

(۴) یہ جلسہ مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ ترغیب

دیتا ہے کہ اپنے تمام مقدمات جن کو آپس میں طے کرنے کے مجاز ہیں، مطابق شرع شریف فیصل کریں اور کچہریوں کی مقدمہ بازی سے کہ فریقین کی تباہ کن ہوتی ہے، بچیں۔

(۵) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ گورنمنٹ جو قانون ایسا بنائے جس سے کسی اسلامی مسئلہ کو ضرر پہنچے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو، اس کی ضرور ترمیم چاہی جائے اور اس کی جائز کوشش انتہا تک پہنچائی جائے۔

(۶) یہ جلسہ اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو خاص اپنی تجارت بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے اور اس کے ذرائع کی توسیع اور حتی الامکان ان صورتوں کے بہم پہنچانے پر توجہ دلاتا ہے، جس سے مسلمان کبھی کسی غیر مسلم تجارت کے محتاج نہ رہیں۔

(۷) یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلامی بینک کھولنے پر توجہ دلاتا ہے تاکہ مسلمان غیر مسلموں کی دست برد سے بچیں۔

(۸) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ تجار اور رؤسا سے ایک اسلامی خزانہ قائم کرنے کی تحریک کی جائے جس میں ماہ بماہ یا سال بسال کچھ رقم جمع ہوتی رہے کہ وہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی تجارت کی توسیع کی ضرورتوں اور نیز اعانت سلطنت اسلامیہ ضرورت اسلام کام آئے۔

(۹) یہ جلسہ مسلمانوں کو علم دین و مذہب اہل سنت و جماعت مطابق عقائد علماء حرمین شریفین کی اشاعت پر نہایت تاکید سے توجہ دلاتا ہے۔

مندرجہ بالا تجاویز آج سے نصف صدی قبل پاس ہوئی تھیں مگر ان علماء حق کے سیاسی تدبر اور بصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ تجاویز آج بھی سود مند ہیں، جیسی کل تھیں ویسی آج ہیں۔ اگر ملت اسلامیہ نے ان فارمولوں پر عمل کیا ہوتا تو مسلمانوں کی معاشی و اقتصادی حالت بہت بلند ہوتی ہے مگر ان تدابیر پر غور نہیں کیا گیا۔ اب مسلمان خود بخود محسوس کرتا ہے کہ ہماری معیشت تباہ ہوگئی، ہماری اقتصادی حالت بہت خستہ ہے۔ یہ تجاویز بہت مختصر ہیں مگر ان میں معنوی اعتبار سے بڑا ذخیرہ مضمر ہے۔ یہ تجاویز آج بھی اپنی افادیت کو اجاگر کررہی ہیں، ان کی اہمیت روز بروز بڑھتی جائے گی اور مسلمان عمل نہ کرکے کف افسوس کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا۔ ہر طرف مسلمانوں پر حملہ ہورہا ہے دنیا کی مشنریاں مسلمانوں کو اور اسلام کو نیست ونابود کرنے پر تلی ہوئی ہیں اور مسلمان خواب غفلت کی نیند میں مستی سے سو رہا ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی حالت دردناک ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ جاگ جائیں اور اپنے گرے ہوئے وقار اور مجروح عزائم کو سنبھالیں۔ اگر اس افتادہ زمانہ میں مسلمانوں نے آنکھیں نہیں کھولیں تو آئندہ مسلمانوں پر خدا جانے کیا گزرے؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ان تدابیر کو ۱۹۱۲ء میں پیش کیا تھا جو تدبیر فلاح ونجات واصلاح کے نام سے متعدد بار شائع ہوئیں۔ جماعت انصار الاسلام نے ان تدابیر کا حیاء کیا۔ کئی سال بعد جب امریکی ماہرین نے ان تدابیر کو اپنے ملک میں پیش کیا تو وہاں کے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لے کر عملی جامہ پہنادیا۔ آج امریکہ برطانیہ ودیگر یورپی ملکوں کو دیکھئے مالی، اقتصادی اور معاشی حالت سب سے بہتر ہے۔ حالانکہ ان تدابیر کو پیش کرنے میں امام احمد رضا کو اولیت حاصل ہے۔ مذکورہ تدابیر کی تقلید کرنے والوں کو نوبل انعام کا مستحق قرار دیا گیا جبکہ اس انعام کے مستحق حقیقی امام موصوف تھے۔

مرکز اہل سنت اور جماعت رضائے مصطفی

مولانا شہاب الدین رضوی: بریلی شریف

۱۹۲۰ء میں ہندوستان مخالفین اسلام کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ اسلام اور اہل اسلام کو نیست و نابود کرنے والی تحریکیں بڑے زور وشور سے چل رہی تھیں۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی بھی تنظیمیں تھیں، ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں کی کوئی تحریک نہ ہو۔ مسلم قیادت کے حامی اور داعی علماء اور لیڈروں کی کمی نہ تھی، جیسے آج مسلم قیادت کا فقدان ہے، ایسی ہی صورت اس زمانہ میں تھی۔ اور جو مسلم قائدین تھے تو وہ ہندوؤں کے فرماں بردار تھے، انہیں اسلام اور مسلمانوں سے کوئی ہمدردی و تعلق نہ تھا۔ تنظیموں کی لاشیں اپنے سربراہوں کے کندھوں پر چل رہی تھیں اور کچھ تنظیمیں سسک سسک کر دم توڑ چکی تھیں، مطلق العنانی دیکھ کر مخالفین اسلام نے حملے تیز کر دیئے اور مسلم علماء انگریز سامراج کے ایجنٹ بن بیٹھے، نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کے نام پر مسلمانوں سے پیسہ وصول کیا جاتا تھا، پھر وہی پیسہ مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوتا۔

ایسی کسمپرسی کے دور میں امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی شخصیت کو رہا نہ گیا چونکہ وہ خود بھی احیاء سنت کی تحریک تھے، قرآن وسنت اور سلف صالحین کی طریقوں پر سختی سے قائم تھے اور مسلمانوں کو اسی پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اسلام پر مر مٹنے کیلئے تیار رہتے تھے۔ ایسے مسلم لیڈروں کے سخت مخالف تھے جو مسلمان ہو کر غیروں کے ہاتھوں میں بکے ہوئے ہوں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء کو "جماعت رضائے مصطفی" کے نام سے ایک کل ہند تحریک کی بنیاد ڈالی۔ اس پر آشوب دور کی ایک جھلک ان الفاظ میں پڑھئے جس نے امام احمد رضا قدس سرہ کو جماعت رضائے مصطفی کی تاسیس پر مجبور کر دیا تھا۔

حضرت سید ایوب علی رضوی نائب ناظم جماعت رضائے مصطفی بریلی رقمطراز ہیں:

"آہ اسلام!...... وہ اسلام کہ کن نوبتوں، تکلیفوں کی برداشت سے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا باغ لگایا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے مقدس خونوں سے اسے سینچا...... آج کن کن مصائب میں مبتلا ہے، آج اس میں باغبانوں کا لباس پہن کر ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جو باغ اسلام کے پھولوں کو پاؤں تلے مسلنا چاہتے ہیں۔ اس کے غنچوں کو پامال کرنا

ان کی دلی تمنا ہے، اسکے خوش نما نونہالان چمن سرو و شمشاد کو بیخ و کن سے کھاڑ کر پھینکنا ان کی دلی خواہش۔ کیا ایسے وقت میں مسلمانوں پر فرض نہیں کہ ان بیخ کنا نان اسلام کی بیخ کنی میں جان توڑ کوشش کریں۔ ہائے! اسلام اس وقت فریادی ہے، وہ فریاد کر رہا ہے۔ ہائے! اس کی فریاد کو سننے والے دنیا میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس زمانہ پر فتن میں اہل سنت نے اس فریاد کو سنا اور اس کی حمایت کیلئے جماعت مبارکہ رضائے مصطفی علیہ الصلوٰۃ والثناء قائم کی، اہل جماعت نے حمایت اسلام میں نمایاں حصہ لیا، مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد و نصرت سے جو اس مقدس جماعت کے مقابل آیا منہ کے بل اوندھا گرا۔

اغراض ومقاصد: جماعت رضائے مصطفی بریلی کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے۔

(۱) حتی الوسع مخالفین کے حملوں کی تقریراً وتحریراً ہر طرح مدافعت کرنا اور ان کے افتراؤں بہتانوں کی جن سے وہ سادہ لوح مسلمانوں کو علماء اہل سنت سے بدعقیدہ کرتے ہیں، پردہ دری کرنا۔

(۲) وہ مضامین وکتب جو سنت وجماعت اور اعداء دین کے حملوں کی مدافعت میں ہوں، بالخصوص حضور پر نور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیف قدسیہ شائع کرنا۔

(۳) تمام اہل سنت خصوصاً حلقہ بگوشان سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں باہم اتفاق واتحاد اور محبت و وداد قائم کرنا۔

شرائط داخلہ: (۱) جماعت رضائے مصطفی بریلی کا رکن وہی ہوگا جو مستقیم متصلب سنی صحیح العقیدہ ہو۔

(۲) جو رکن ہوگا اسے صلاح وسعادت، تہذیب ومتانت کی صورت بننا ہوگا۔

(۳) جو چندہ ماہانہ اپنی عالی ہمت سے مقرر فرمائے گا، وہ ماہ بماہ ادا کرنا ہوگا۔

مجلس شورہ: جماعت رضائے مصطفی بریلی کے اغراض ومقاصد اور شرائط داخلہ جان لینے کے بعد اب ارکان مجلس شوریٰ کے اسماء گرامی پیش کیے جا رہے ہیں۔ جماعت کے منصوبہ کو تیار کرنے اور خطوط متعین کرنے میں مجلس شوریٰ کا اہم رول ہوتا ہے۔ مجلس شوریٰ میں وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو صائب الرائے سمجھا جاتا ہو۔ جو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد سے کھیلنا نہ چاہتے ہوں بلکہ ان کی فلاح وبہبود پر ہر وقت نظر رکھتے ہوں۔ جماعت کے اصولوں کے خلاف ان کا کوئی قدم نہ اٹھے۔

(۱) مولانا ہدایت یار خاں نوری رضوی، (۲) جناب محمد شفیع الدین خاں رضوی، (۳) سید ضمیر الحسن رضوی الجیلانی، (۴) مولانا سید ایوب علی رضوی، (۵) مولانا محمد جمیل الرحمن قادری رضوی، (۶) مولانا نواب وحید احمد خاں رضوی ایڈوکیٹ، (۷) نواب حمید یار خاں رضوی، (۸) نواب سعید احمد خاں رضوی، (۹) جناب فدا یار خاں رضوی، (۱۰) جناب بابو فیاض حسین رضوی، (۱۱) جناب سید قناعت علی رضوی۔

مذکورہ شخصیات میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے اور کچھ وہ لوگ ہیں جو اعلیٰ حضرت کے خاص معتقدوں میں سے

تھے۔ شہر بریلی میں چار نہایت دولت منداور معزز شہر جن کو نواب کہا جاتا تھا اور وہ اپنے اثرات شہر پر اچھے خاصے رکھتے تھے۔ امام احمد رضا کے خاص مریدوں میں تھے۔ اعلیٰ حضرت سے تعلق خاطر ہونے کی وجہ سے اوران کے شہر پر اچھے اثرات ہونے کی وجہ سے جماعت رضائے مصطفی کیلئے ان کی نمائندگی حاصل کی گئی۔ شہر کے معزز خاندان اور شخصیات جب جماعت میں شامل ہوئے تو ان کے زیر اثر ممبر شپ قبول کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

اسماء گرامی عہدیداران: (۱) مولانا منشی نواب ہدایت یار خاں نوری رضوی، صدر وخازن، (۲) محمد شفیع الدین رضوی، نائب صدر، (۳) سید ضمیر الحسن رضوی الجیلانی، ناظم جماعت، (۴) مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی، نائب ناظم، (۵) مداح الحبیب مولانا محمد جمیل الرحمن خاں قادری رضوی، واعظ ومبلغ جماعت، (۶) مناظر اعظم مولانا حشمت علی خاں لکھنوی رضوی، مناظر جماعت، (۷) سید قناعت علی رضوی، امین دفتر جماعت، (۸) حمید یار خاں رضوی، افسر عاملین جماعت، (۹) نواب منشی فدایار خاں رضوی، نائب افسر عاملین جماعت، (۱۰) مولانا نواب وحید احمد خاں رضوی ایڈووکیٹ، ناظر جماعت، (۱۱) منشی شوکت علی رضوی، نائب ناظر جماعت، (۱۲) منشی منظور حسین رضوی، محصل جماعت، (۱۳) جناب محمد بخش، چپراسی دفتر جماعت۔

اسماء گرامی عہدیداران جماعت عاملین:

جماعت رضائے مصطفی بریلی کے ''شعبہ عاملین'' کا اضافہ دوسرے سال یعنی ۱۳۴۰ھ میں ہوا چونکہ سال اول ۱۳۳۹ھ کی روداد میں اس شعبہ کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ (۱) منشی حمید یار خاں قادری رضوی، افسر اعلیٰ، (۲) نواب فدایار خاں قادری رضوی، نائب افسر اعلیٰ، (۳) جناب حشمت اللہ قادری رضوی، امیر کپتان، (۴) سید فدا علی رضوی قادری، رئیس کپتان، (۵) شیخ حمید اللہ قادری رضوی، کپتان، (۶) پچاس حضرات مریدین اعلیٰ حضرت، عاملین جماعت۔

سرپرست خاص: جماعت رضائے مصطفی بریلی کے بانی سرپرست اعلیٰ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ تھے، وہ جب تک حیات رہے اس مرکزی محمدی فوج اسلامی کی سرپرستی فرماتے رہے۔ امام احمد رضا بریلوی کے انتقال کے بعد حجۃ الاسلام مولانا مفتی حامد رضا بریلوی نے جماعت مبارکہ کی سرپرستی قبول فرمائی۔ وہ جب تک حیات رہے اس کے بال وپر سنوارنے اور ترقی کی منزلوں تک پہنچانے میں لگے رہے۔ آپ کے بعد تاجدار اہل سنت مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفی رضا نوری بریلوی نے سرپرستی وقیادت فرمائی۔ حضور مفتی اعظم کے دور میں جماعت رضائے مصطفی کو سخت سے سخت تر مراحل کا سامنا کرنا پڑا۔

سرپرست عمومی: مندرجہ ذیل شخصیات، علماء کرام اور مشائخ عظام نے حتی الوسع جماعت کی سرپرستی قبول کرتے ہوئے تعاون کا ہاتھ بڑھائے رکھا۔

(۱) حضرت مولانا شاہ سید اسماعیل حسن میاں برکاتی، سجادہ نشیں سرکار مارہرہ مطہر، (۲) تاج العلماء مولانا سید محمد میاں قادری، سرکار کلاں مارہرہ مطہرہ، (۳) مولانا مفتی شاہ عبدالاسلام محمد عبدالسلام رضوی جبل پوری، (۴) صدر الشریعہ مولانا مفتی محمد امجد علی رضوی اعظمی، (۵) صدر الافاضل مولانا حکیم سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، (۶) ملک

العلماء مولانا محمد ظفر الدین رضوی بہاری، (۷) صدر العلماء مولانا رحم الٰہی منگلوری، (۸) حضرت مولانا محمود جان رضوی جام جودھ پوری، (۹) استاذ العلماء مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ایڈیٹر ماہنامہ الرضا بریلی، (۱۰) برہان ملت مفتی برہان الحق رضوی جبل پوری، (۱۱) حضرت مولانا امام الدین کوٹلی لوہاران پنجاب، (۱۲) حضرت مولانا سید محمد آصف رضوی قادری کانپوری، (۱۳) مولانا محمد عرفان علی رضوی بیسلپوری، (۱۴) مولانا قاضی ابوالکمال محمد اشہد الدین مراد آبادی، (۱۵) صدر الواعظین مولانا سید غلام محی الدین راندیری، (۱۶) قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین احمد القادری مہاجر مدنی، (۱۷) مولانا مولوی ابوذر سنبھلی، (۱۸) مولانا قاضی محمد قاسم سیال کوٹی، (۱۹) مولانا غلام رسول بہاولپوری، کراچی، (۲۰) مولانا احمد حسین خاں رامپوری، مقیم اجمیر مقدس، (۲۱) مولانا سید محمد حسن عرب عرف مولوی پنجاجی، مقیم جے پور، (۲۲) مولانا غلام چشتی، چندوسی ضلع مراد آباد، (۲۳) مولانا احمد حسن خاں نجیب آبادی، (۲۴) حاجی مفتی جلال الدین لاہوری۔

مذکورہ بالا حضرات میں وہ شخصیات بھی ہیں جو اپنے عہد کے جید عالم، فقیہ النفس مفتی، نکتہ رس مدبر، اثر انگیز مناظر و واعظ اور سیاسی بصیرت کے حامل تھے۔

مخصوص عمائدین جماعت: مندرجہ ذیل حضرات وہ اراکین و عمائدین جماعت رضائے مصطفی ہیں جن کے متعلق یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ وہ جماعت رضائے مصطفی کے اہم ستون تھے۔ ان حضرات نے ایثار اور خلوص کے ساتھ ہر وقت جماعت کا تعاون کیا۔ کبھی کبھی مالی بحران کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا کہ اب جماعت دم توڑنے لگی مگر ان ہی باحوصلہ اور مخیر لوگوں کے تعاون مالی سے جماعت دوبارہ زندہ ہو جاتی تھی۔ جماعت مبارکہ کے یہ مخصوص عمائدین تھے۔

(۱) عبدالستار اسماعیل رضوی کاٹھیاواڑی، مقیم رنگون، (۲) شیخ امام علی رضوی، ممبئی، (۳) حاجی عبدالجبار، جے پور، (۴) حاجی ابو یوسف رضوی، ممبئی، (۵) عثمان عبدالغنی ساکن رنگون، (۶) آدم جی یعقوب، ساکن رنگون، (۷) مولانا پیر فدا حسین شاہ خلف الرشید امیر ملت پیر جماعت علی شاہ علی پوری، (۸) مولانا چودھری عبدالحمید خاں، رئیس اعظم سہاور، (۹) ہاشم جمعہ، ساکن سردار گڑھ کاٹھیاواڑ، (۱۰) ابوبکر طیب جام جوت پوری، (۱۱) سلیمان شکرانی جام جوت پوری، (۱۲) حاجی موسیٰ سلیمان، جام جوت پوری، (۱۳) حاجی عبدالشکور جمال گونڈل کاٹھیاواڑ، (۱۴) محمد یوسف اسحاق، گونڈلوی، (۱۵) علی محمد بن حاجی محمد اسحاق جام جوت پوری، (۱۶) سلیمان عبداللطیف، کاٹھیاواڑ، (۱۷) ہاشم جمال، گونڈل، (۱۸) آدم احمد، جام جوت پور۔

مندرجہ ذیل نام دوسرے سال کے اضافہ میں آئے:

(۱۹) مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی (محدث اعظم ہند)، (۲۰) شیخ معز الدین، رئیس اعظم ابراہیم پور ضلع بھاگلپور، (۲۱) شیخ منشی محمد شریف عالم، رئیس ابراہیم پور ضلع بھاگلپور، (۲۲) محمد عبدالہادی وارد حلا رانچی، (۲۳) محمد عبدالعزیز، فتح پور ضلع بھاگلپور، (۲۴) شیخ نذیر حسین اگر پور، ضلع بھاگلپور، (۲۵) شیخ ابوالحسین، حسین اگر پور، ضلع بھاگلپور، (۲۶) شیخ احمد حسین بلاری ضلع مراد آباد، (۲۷)

ابوالفضل جان محمد رضوی، ہوڑہ، (۲۸) عبدالحکیم ساکن ہوڑہ، (۲۹) عبدالکریم باری پدا (ریاست میوربھنج)

ذیل کے نام چوتھے سال یعنی ۱۳۴۱ھ میں زیادہ ہوئے: (۳۰) سلیمان شکرانی، جام جوت پوری، (۳۱) حاجی عیسیٰ خاں محمد قادری رضوی، دھوراجی، (۳۲) کتھری احمد ابن عیسیٰ کاٹھیاواڑی واردحال ممبئی، (۳۳) حاجی عبدالرحمن ماڑواڑی مقیم کلکتہ، (۳۴) مولانا عبدالعزیز خاں کلکتہ، (۳۵) مولانا احمد خاں رضوی کلکتہ، (۳۶) شیخ امام علی رضوی مالک ہوٹل اسکریم بمبئی، (۳۷) حاجی عبدالغفور ممبئی، (۳۸) حاجی عبدالجبار رضوی جے پور، (۳۹) نظام الدین فیض اللہ سورتی، (۴۰) خان بہادر محمد اصغر علی خاں، رئیس شہر کہنہ بریلی، (۴۱) سلیمان عبداللطیف رضوی کھاٹھیاواڑی، مقیم کولمبو (سلون)، (۴۲) تصدق حسین قادری رضوی واردحال کوہ ڈلہوزی، (۴۳) مولانا ابورشید محمد عبدالعزیز لاہور، (۴۴) منشی عبدالہادی آوارا ضلع مان بھوم، (۴۵) حاجی یوسف علی خاں نجیب آبادی، (۴۶) مولانا احمد حسن خاں رضوی نجیب آبادی، (۴۷) نبیہ احمد خاں رضوی ہیڈ سرویر منمانڈ۔

ضروری وضاحت: راقم السطور کے پیش نظر ماخذ میں جماعت رضائے مصطفی کی روداد سال سوم موجود نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس روداد میں اور بھی اسماء ہوں اور عملہ مجلس شورہ، ارکاین، سرپرست اور عمائدین میں کمی بیشی بھی بعید از قیاس نہیں۔ اس لیے حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا شخصیات ہی اس میں شامل ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ سال چہارم کی روداد ہمارے سامنے ہے، مگر اس کے بعد کی روداد میں تلاش بسیار کے باوجود فراہم نہ ہوسکیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ بعد کی روداؤں سے یہ پتہ چل سکتا تھا کہ کہاں تک عملہ میں اضافہ ہوا؟؟

شعبہ جات: جماعت رضائے مصطفی بریلی میں کئی شعبہ تھے۔ ابتداً صرف اشاعت کتب کا شعبہ تھا۔ مگر دو سال کے بعد اور کئی شعبہ قائم ہو گئے اور ہر شعبہ کا ایک عملہ متعین کر دیا گیا تا کہ ہر شعبہ کا کام اپنے اپنے وقت پر بآسانی ہوتا رہے اور کام کی رفتار تیز تر ہوتی رہے۔ جماعت رضائے مصطفی کے درج ذیل شعبے تھے۔ (۱) شعبہ اشاعت کتب، (۲) شعبہ تبلیغ وارشاد، (۳) شعبہ صحافت، (۴) شعبہ سیاست، (۵) شعبہ دارالافتاء۔

شعبہ اشاعت کتب: جیسا کہ آپ نے جماعت رضائے مصطفی کے اغراض ومقاصد کا مطالعہ کیا ہے کہ جماعت کا ایک اہم مقصد ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ودیگر علماء اہل سنت کی کتابوں کو شائع کرنا۔ ''شعبہ اشاعت کتب'' کی خدمات اچھی خاصی ہیں۔ اس شعبہ کے تحت تقریباً ۵۰۰ کتابیں شائع ہوئیں اور وقتاً فوقتاً پوسٹر اور اشتہارات بھی شائع ہوتے رہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصانیف کی تبیض بھی بہت دشوار تھی۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جو آپ کے قلم وتحریر اور خط کو خوب پہچانتا ہو۔ اس کام کیلئے حافظ یقین الدین بریلوی کو مترین کیا گیا اور صرف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصانیف کو شائع کرنے کی غرض سے مولانا حسنین رضا بریلوی نے محلہ سوداگران بریلی میں حسنی پریس اپنے والد استاذ زمن مولانا حسن بریلوی کے نام سے قائم کیا۔ کتابت کے بعد تصحیح کا

مرحلہ ہوتا ہے۔ مولانا حسنین رضا خاں بریلوی کو ہی یہ ذمہ داری بھی سونپی گئی کہ وہ طباعت کا کام انجام دلانے کے ساتھ ساتھ پروف ریڈنگ کا بھی کام کریں گے۔ مولانا حسنین رضا بریلوی نے حسنی پریس سے کثیر تعداد میں کتابیں شائع کیں۔ مولانا اعجاز ولی خاں بریلوی نے بھی اشاعت کتب میں حصہ لیا اور جماعت کا کچھ بار اپنے سروں پر لیا۔ پوسٹر وغیرہ انہیں کے اہتمام سے شائع ہوتے۔ شعبہ اشاعت کتب کی تفصیل آئندہ کے صفحات پر ملاحظہ کریں۔

شعبہ تبلیغ وارشاد: جماعت رضائے مصطفی بریلی کا دوسرا اہم شعبہ ''تبلیغ وارشاد'' تھا۔ اس شعبہ کے ذریعہ دیگر شہروں اور دیہاتوں میں علماء ومقررین روانہ کیے جاتے تھے اور باطل فرقوں کے رد کیلئے مناظر بھی بھیجے جاتے تھے۔ ائمہ مساجد کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔ رمضان کے مہینہ میں حفاظ کی تقرری بھی ہوتی تھی۔ ''شعبہ تبلیغ وارشاد'' میں خصوصیت کے ساتھ یہ لوگ شامل تھے۔ (۱) مناظر اعظم ہند مولانا حشمت علی خاں رضوی لکھنوی، (۲) ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی بہاری، (۳) شیر بیشہ اہل سنت مولانا ہدایت رسول نوری رامپوری، (۴) مداح الحبیب مولانا جمیل الرحمن خاں رضوی بریلوی، (۵) مولانا قطب الدین برہمچاری معروف پردیسی مولانا۔

شعبہ تبلیغ وارشاد کی جدوجہد سے نہ جانے کتنے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا، وہابی اور غیر مقلد افراد نے توبہ کی اور اہل سنت سواد اعظم میں داخل ہوئے۔

شعبہ صحافت: جماعت رضائے مصطفی کا تیسرا شعبہ ''صحافت'' تھا۔ اس شعبہ کے ذریعہ ہندوستان بھر میں جماعت رضائے مصطفی کے کارناموں اور سرگرمیوں کو نشر کیا جاتا تھا۔ اور جماعت رضائے مصطفی کے خلاف لکھے گئے مراسلوں، مضامین اور خبروں کا رد لکھا جاتا تھا۔ جماعت کے حامی کئی ایسے اخبار تھے جو اس کی سرگرمیوں کو سراہتے تھے اور اپنے موقر اخبار میں نمایاں جگہ دیتے تھے، مثلاً ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور، ہفت روزہ الفقیہ امرتسر، ہمدم لکھنؤ، روہلکھنڈ گزٹ بریلی، روزنامہ سیاست لاہور، روزنامہ روزانہ اخبار بریلی اور اس وقت کچھ ایسے مجلّات بھی تھے جو ماہ بماہ نکلتے تھے وہ بھی جماعت کی سرگرمیوں کو چھاپنے میں فخر محسوس کرتے تھے جیسے ماہنامہ تحفہ حنفیہ پٹنہ، ماہنامہ آفتاب اسلام احمد آباد، ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد وغیرہ۔

کچھ دنوں کے بعد جماعت رضائے مصطفی نے اپنا ایک ترجمان بنام ''ماہنامہ یادگار رضا بریلی'' جاری کیا، جو کافی عرصہ تک جماعت کی خدمات اور نظریات سے عوام کو آگاہ کرتا رہا، جماعت رضائے مصطفی کی صحافتی میدان میں خدمات اور ت عاقبات کی تفصیل دوسرے مقام پر مناسب جگہ پر دے دی گئی ہے۔ ''شعبہ صحافت'' میں ادیب شہیر مولانا ابرار حسن حامدی صدیقی تلہری، مولانا سید حبیب احمد مدنی محسنی، مولانا نواب حمید احمد خاں بریلوی ایم ایل اے جی اور مولانا حسنین رضا خاں بریلوی، مولانا محمد احمد خاں شاہجہانپوری اور مولانا مفتی علی حامدی آنولوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

شعبہ سیاست: اس شعبہ کے ذریعہ ہندوستان میں اٹھنے والی نئی نئی تحریکات کا تعاقب ہوتا تھا۔ اور یہ تعاقب ایسی تحریکات کا کیا جاتا تھا جو سیاست کے نام پر مذہب میں

داخل ہوکر اسلام کی بیخ کنی کرتی تھیں۔ اس شعبہ نے ہندوستان کی سیاست کے میدان میں قدم نہیں رکھا، ہاں یہ ضرور ہے کہ سیاسی تحریکات کا بانع رد کیا۔ مثلاً خلافت کمیٹی، تحریک ترک موالات، تحریک گاؤکشی، ہندو مسلم اتحاد اور تحریک آزادی وغیرہ۔

جماعت رضائے مصطفی کا یہ مقصد ہر گز نہ تھا کہ سیاسی اکھاڑے میں آکر اپنا پرچم لہرایا جائے بلکہ یہ نظریہ تھا کہ سیاست کے ذریعہ اسلام پر حملہ نہ کیا جائے اور مسلمانوں کا استحصال نہ ہو، وہ کام انجام پذیر ہوں جو اسلام اور اہل اسلام کیلئے سودمند ہے۔ جماعت رضائے مصطفی نے جن سیاسی لیڈروں کا رد کیا ان میں مسٹر گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مسٹر محمد علی جناح اور مولانا عبدالماجد بدایونی قابل ذکر ہیں۔

ہندوستانی سیاست پر مذکورہ لیڈر چھائے ہوئے تھے، ان کا رد کرنا گویا کہ شیر کے منہ میں پنجہ ڈالنا ہے۔ مگر جماعت رضائے مصطفی کے ''شعبہ سیاست'' نے اس کی پرواہ کبھی بھی نہ کیا اور اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ ہمیشہ انجام دیا۔

شعبہ دار الافتاء: بریلی کی شان افتاء عرصہ دراز سے معروف تھی، یہاں پر مولانا رضا علی خاں (جد امجد امام احمد رضا) کے دور سے آج تک فتویٰ نویسی کی خدمت چلی آرہی ہے۔ جماعت رضائے مصطفی کا یہ چوتھا شعبہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس رضوی دار الافتاء سے برصغیر ہی نہیں بلکہ دیگر براعظموں تک فتاویٰ جایا کرتے تھے۔ ایک عام شخص سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تک شریعت کے معاملے میں رضوی دار الافتاء کے دروازے کھٹکھٹاتا تھا۔

جماعت رضائے مصطفی نے اس شعبہ افتاء میں ماہر مفتیان کرام کی تقرری کی تھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شاگردوں میں مفتی نواب مرزا بریلوی، مولانا مفتی سلطان احمد خاں بریلوی، مفتی محمد رضا خاں بریلوی، مفتی عبدالرشید بہاری، مولانا ابرار حسن صدیقی تلہری، مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، مفتی محمد علی حامدی، فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ جماعت رضائے مصطفی بریلی کے شعبہ رضوی دار الافتاء کے فتاویٰ چشمہ دار الافتاء بریلی کے نام سے مستقل ایک زمانہ تک ہفت روزہ دبدبہ سکندری رامپور میں چھپتے رہے۔ ماہنامہ تحفہ حنفیہ پٹنہ میں بھی فتاویٰ شائع ہوتے تھے۔ ان فتاویٰ پر اکثر اعلیٰ حضرت یا حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا کی تصدیق ہوا کرتی تھی۔

بعض اخبارات میں یہ دیکھنے کو ملا کہ قارئین اخبار ایک عام سوال شائع کرا دیتے اور جواب کیلئے عام مفتیان کرام کی اجازت ہوتی مگر کوئی مفتی قلم نہ اٹھاتا بالآخر وہ قاری لکھتا کہ ''جماعت رضائے مصطفی'' بریلی کے مفتیان کرام سے امید ہے کہ وہ شافی وکافی جواب عنایت کریں گے۔ جماعت رضائے مصطفی کے شعبہ رضوی دار الافتاء سے جاری شدہ فتاویٰ کی تعداد لاکھوں کے قریب ہوگی۔ سب محفوظ نہ رہ سکے، ہاں جو فتاویٰ اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئے وہ آج بھی محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ سارا ذخیرہ جلد از جلد منظر عام پر آجائے اور عامہ مسلمین اس سے استفادہ کرسکیں۔ (آمین)۔

جماعت رضائے مصطفی کو صدمہ: اس تحریک کے بانی اور سرپرست اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ

تھے، جماعت رضائے مصطفی کو قائم ہوئے دو سال کا بھی عرصہ نہ گذرا تھا کہ وہ اپنے بانی و مربی اور سرپرست سے محروم ہوگئی۔ امام احمد رضا کا وصال ۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ راکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہوا۔ جماعت کیلئے یہ صدمہ بہت ہی عظیم تھا، وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ تحریک اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہ ہوسکی تھی۔ اس عظیم سانحہ کو ''آپ اپنی کہانی خود جماعت کی زبانی'' روداد سال دوم میں تفصیل سے لکھا گیا ہے جو اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہے:

حضرات کرام اہل سنت! میں ایک نوخیز جماعت ہوں، مجھے اس خاکدان عالم میں قدم رکھے پورے دو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ میرے سر سے میرے سرپرست کا مقدس سایہ بظاہر اٹھ گیا۔ کون سرپرست؟ وہ جن سے دین کو نصرت ملی، اسلام کو قوت پہنچی، ہاں اور ہاں وہ جن کے دم قدم سے اہل سنت آج اہل سنت ہیں۔ وہ جس نے سنت کی حمایت اور اہل فتن کے فتنوں کی نکایت کی، ہاں ہاں وہ جس کے نیزۂ قلم کے حضور ہر مخالف کا سر جھکا، کون تھا جو اس کے سامنے آسکا؟ جس کی ہیبت نے عالم پر سکہ بٹھا لیا، جس کی صولت نے دنیا بھر کو گھیر لیا، وہ کون؟ وہ اللہ کا ولی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عاشق، حضور کا نائب صادق، جس کا فیض ہندوستان ہی میں نہ رہا، عرب تک پہنچا۔ حرمین طیبین کے اجلہ اعلام و اکابر کرام نے جس سے شرف بیعت حاصل کیا، جسے استاذ مانا، یکتا امام مانا، اپنا سردار کہا، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، مجدد دین وملت عظیم البرکت جلیل المنزلت سمو المکانۃ والمکان مولائی وملجائی معاذی وملاذی مولانا احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وادخلہ دار الجنان۔

اتنی کم سنی میں یہ حادثہ جانکاہ پیش آنا سخت مصیبت عظمیٰ ہے اور وہ بھی ایسے نازک وقت جبکہ ہر چہار طرف سے اس پر کالی کالی گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ شدید مخالفت کی تیز وتند ہوائیں اسے جڑ سے ہلا رہی ہیں، خود اسلام کے نام لیوا، اسے جڑ سے کھود رہے ہیں۔ اس کے پھولوں، اس کی کلیوں، اس کے نونہالوں کو پامال کر رہے ہیں، ایسی حالت میں یہ واقعہ فاجعہ ہونا، کیا کچھ داہیہ کبریٰ ہے۔ مجھے نوشگفتہ غنچے کے ملیامیٹ کرنے کیلئے ایک ہی تیز جھونکا کافی تھا۔ میرا وجود کب کا معدوم ہوگیا ہوگا۔ مگر قربان جایئے اس حافظ حقیقی اور دین متین کے حامی کے، کہ وہ انبیاء اور ان کے صدقے سے اولیاء علماء کو قبور میں زندہ رکھتا ہے۔

پھر جماعت رضائے مصطفی بریلی کی سرپرستی امام احمد رضا کے شہزادہ اکبر حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں اور مفتی اعظم تاجدار اہل سنت مولانا مصطفی رضا نوری نے قبول فرمائی اور تاحین حیات دونوں شخصیتیں اس تحریک کی سرپرستی فرماتی رہیں۔ مخالف کا تو ایک سیلاب تھا چونکہ امام احمد رضا تن تنہا کئی محاذوں پر لڑ رہے تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہر محاذ پر کامیابی آپ کے قدم چومتی نظر آتی۔ بلا خوف لومتہ لائم کے مقابلہ کرتے رہے، قلمی جہاد کبھی بھی نہیں رک سکا۔ مخالفین نے دیکھا کہ اب تو وہ دنیا سے چلے گئے، میدان خالی ہے، خلای میدان سے دور کرنے کیلئے اب کوئی دوسرا سر نہیں اٹھ سکتا، اگر کسی نے سر ابھارا تو وہیں اس کا سر کچل دیا جائے گا۔ جماعت رضائے مصطفی اپنے بام عروج پر پہنچ چکی تھی۔ کافی شہرہ تھا، مگر بانی و سرپرست کے انتقال سے دوچار ہونا لازمی امر تھا۔ جناب سید ایوب علی رضوی لکھتے ہیں:

اگرچہ بظاہر میرے سر سے ان کا سایہ اٹھ گیا تھا، مگر در حقیقت اعلیٰ حضرت نوراللہ مرقدہ کے برکات وفیوض ومکارم میرے شامل حال رہے۔ طاہر کا سامان یہ ہوگیا کہ ان کے صاحبزدگان والاشان حضرت مولانا مولی حاجی قاری مفتی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب قبلہ اور حضرت مولانا مولوی آل الرحمن محمد مصطفی رضا خاں صاحب قادری برکاتی نوری، نیز حضور (اعلیٰ حضرت) کے تلامذہ وخلفاء، نیز علماء عظام نے اپنا دست شفقت میرے سر پر رکھا، تبھی تو حضور پرنور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اعداء دین نے بزعم خود خالی میدان پا کر کیا کیا ناپاک حملے، شدید نرغے نہ کیے مگر میرا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ کوئی دقیقہ بیخ کنی کا اٹھا نہ رکھا، مگر بفضلہٖ تعالیٰ جو مقابل آیا، اوندھے منہ گرا، سنبھل بھی نہ سکا، سیدھا اپنے مقر پہنچا۔

جماعت رضائے مصطفی کی مجاہدین کی عظیم الشان کامیابی: محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے خلیفہ وتلمیذ تھے۔ آپ جماعت کی پامردی واستقلال علاقہ ارتداد میں دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ مولانا سید محمد کچھوچھوی نے ایک تفصیلی مضمون لکھ کر مجاہدین اسلام اراکین جماعت رضائے مصطفی کو خراج تحسین پیش کیا اور دوسرے لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلائی۔ مولانا کا مضمون من وعن پیش خدمت ہے:

"قدرت کے خزینۂ فضل وکرم میں جہاں جمال ورحمت کے بے بہا زوجواہر ہیں وہیں اس کے خزانہ بے نیازی میں جلال وہیبت کے انمول موتی ہیں۔ حقیقت شناس طبیعتیں اور حق بیں نگاہیں جمال ہو یا جلال دونوں کو ایک ہی سرکار کا عطیہ باور کرتی ہیں۔ دنیا ایسے بہادروں سے خالی نہیں ہے جو بے نیازی کے تیروں کو دل وجگر میں جگہ دیتے ہیں، اور مظاہر جلال وہیبت کو بے مانگے کی دولت سمجھتے ہیں۔ اہل دنیا کو اس کا اقرار ہے، کہ کوئی اپنے لیے رحمت کے سوا کچھ نہ طلب کرے گا، لیکن اسلامی تاریخ اور وہاں صرف اسلامی تاریخ ہی وہ ہے جس کے زریں اوراق میں ہم کو عاشقان بلا کی ایک طویل فہرست ملتی ہے۔ ہاں ہاں جو یہ جانتے مانتے ہیں کہ ہر چہ از دوست رسید نیکوست وہ بلاؤں کو بھی اسی شوق اور خوشی سے لیتے ہیں، جیسے ہم

عطاؤں کو۔

اللہ اللہ، مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو محب ومحبوب خدا ہیں، وہ محبوب ہیں، اس لیے ان کی جنبش لب پر عالم کا فیصلہ رکھ دیا گیا ہے اور ان کے جلالی تیور میں دنیا کا انقلاب مضمر ہے۔ وہ وہ ہیں جن کی رضا خداوندی رضا ٹھہری ہے اور وہ محب ہیں اس لیے کہ جو حضور پر مصائب آئے انہیں برداشت کرنا صرف حضور ہی کا کام تھا، بات یہ ہے کہ جس کا جتنا مرتبہ زائد ہے اس پر اس کے مرتبہ کے لائق بلا کی شدت ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ ابتلاء انبیاء کرام پر، پھر اصفیاء وصالحین پر، پھر اوروں پر ہوتا ہے۔ خود حدیث کا ارشاد ہے:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علیٰ حسب دینہ فان کان فی دینہ صلبا اشتد بلاوۃ وان کان فی دینہ رقۃ ابتلی علی قدر دینہ فما ینزخ البلاء بما العبد حتی یترکہ یمشی علی الارض وماعلیہ خطیئۃ

ایک حدیث میں فرمایا: **اشد الناس بلاء فی الدنیا نبی اوصفی**

ایک حدیث میں ارشاد ہوا: **اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الصالحون لقد کان احدھم یبتلی بالقفر حتی مایجد الاالعبادیجوبھا فیلبسھا ویبتلی بالقمل حتی یقتلہ ولا حد منھم کان اشد فرحا بالبلاء ومن احدکم بالعطاء۔**

چونکہ حضور سید عالم سید الانبیاء وسید المحبین ہیں، اس لیے حضور پر جو شدت ابتلاء ہے وہ کسی پر نہیں۔ کیا حضور ہی وہ نہیں ہیں جنہوں نے کفار مکہ وغیرہا سے انواع انواع کی تکلیفیں اٹھائیں، اذیتیں پائیں، مصیبتیں برداشت فرمائیں، اقسام اقسام کے مظالم وستم اٹھائے، کبھی حضور پر پتھروں کا مینھ برسا گیا وغیرہ...... کیا صحابہ کرام کی جاں فروشیاں صرف حق پرستی کو جرم قرار دے کر کفار ومشرکین کی ان پر تعدیاں بڑے بڑے جہاں، مصائب پر ان حضرات کی مسرتیں اور خوشیاں اس بلا پسندی کے نکتہ بدیعہ کی جلوہ آرائیاں نہیں؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میدان کربلا میں کون سا گھرانا مع عذرات کے محصور تھا۔ لاریب کہ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک پر درد آہ آسمان وزمین کی دھجیاں اڑانے اور اشقیا کی جماعت کو فنا کرنے کیلئے کافی تھی، مگر یہ بلا پسندی تھی کہ محمدی گھرانے کا سرسبز وشاداب باغ، خزان شقاوت کے ہاتھوں برباد ہوتا نظر آتا ہے اور امام کی نگاہ تک نہیں بدلتی۔

خلافت صدیقیہ میں وہ دن بھی کیسا دن تھا، جبکہ بعض بے ایمان کلمہ گویوں نے ادائے زکوٰۃ سے انکار کر دیا تھا اور شام وفلسطین سے ہٹ کر خود دار الخلافہ مدینہ طیبہ میدان جہاد ہو گیا تھا۔ دشواری یہ تھی کہ ان مرتدین کی تعزیر وتہدید پر ابھی مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوتا تھا، مگر صدیقیت سے مصفی اور افضلیت سے مجلی تلواریں نیام سے باہر ہو گئیں اور آخر عزم مصمم اور حق پرستی کی قوت نے اسلامی جھنڈے کے نیچے سارے مسلمانوں کو جمع کر دیا۔ چنانچہ مجاہدین کے ایک ہی حملہ نے مرتدین کو ملیامیٹ کر دیا۔

جہاں اچھوں نے ہمیشہ کفر وکفار کو مکھی اور مچھر برابر نہ سمجھا، وہاں ان کی روشن علامت یہ بھی ہے کہ جو اپنے کہلائے جاتے ہیں وہی مار آستین یا غفلت شعار نکلتے ہیں جس پر تاریخ اسلام کی ایک ایک سطر کی شہادت موجود ہے اور اگر تم زندہ شہادت کے طالب ہو تو آؤ ہندوستان کی وسیع آبادی کا چکر

لگاؤ اور اس اسلامی عسکر کی تلاش کرو، جس کی کفر و کفار پر شدت اور مرتدین و مشرکین سے نفرت ضرب المثل بن گئی ہے۔ نادان ہے وہ جو اس قدر عرض کرنے پر بھی جماعت رضائے مصطفی بریلی کے سوا دوسری جمعیت کا تو ہم بھی کرے جس کا مشہور اور زبان زرسنگ بنیاد کفر و مرتدین سے جہاد شدید ہے۔ جمعیتوں کو بنتے بگڑتے تو ہم روز دیکھا کرتے ہیں اور کمیٹیوں کے نت نرالے ڈھانچے بنانا ہندوستان کا روزمرہ ہو گیا ہے مگر چوبیس گھنٹہ کی مسافت حیات طے کرنے پر ان میں پراگندگی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور پھر اس کے بعد طلوع آفتاب ان کی موت پر ہوتا ہے۔ مگر یہ جماعت رضائے مصطفی جس کے بازو کے زور پر زندہ ہے، شیخ الاسلام والمسلمین امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روحانیت مقدسہ کی طاقت ہے۔ حضور ہی نے دست حق پرست سے اس کا بنیادی پتھر نصب فرمایا تھا اور حضور ہی کے روبرو مجاہدوں نے کفر وارتداد کی مخالفت کرنے کا عزم کیا تھا۔ جس وقت جماعت رضائے مصطفی کی ابتدائی تنظیم ہو رہی تھی، نہ ملکانہ علاقہ ارتداد تھا نہ ہندوستان کے کسی حصہ میں اس فتنہ مشرکین کا بظاہر امکان تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت کی نورانی فراست آنے والے دنوں کا مشاہدہ کر رہی تھی اور حضور کو شاید معلوم تھا کہ عنقریب سارا ہندوستان عرصہ جہاد ہوگا اور اس کیلئے اسلامی لشکر کی ترتیب لابدی ہے چنانچہ حملہ مشرکین کیلئے جماعت کا جہاد ان مرتدین ہی سے ہوتا رہا، جن کے فتنہ کا شکار ہندوستان ایک مدت سے ہو رہا تھا اور جنہوں نے کفر بکنے کیلئے ان مسائل کو حیلہ بنا رکھا تھا، جن کی گردن کشی زمانہ نبوت کے بعد ہی صدیقی تلوار نے کر دی تھی۔ اسی زمانہ میں جماعت مبارکہ کی کفر و کفار پر شدت کا چرچہ ہونے لگا تھا، اور اعداء کی زبانوں سے بھی جماعت کی عظمت اسلامیہ کا اعتراف کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آیا اور وہاں مسلمانان ہند کیلئے امتحان کا وہ نازک وقت آ گیا جبکہ شرک لنگوٹی پیپل کے درخت سے اتری، یا گائے کے پیٹ سے نکل پڑی اور سماجی اساڑھ کے اثر سے کیڑے مکوڑے حشرات الارض کی طرح پھیلے، ہر طرف سے مشرکین نے غریب مسلمانوں پر دھاوا کر دیا، اور ان کے ایمان وعقیدہ پر بیک وقت ایسا ڈاکہ مارا کہ صرف ملکانہ کے لاکھوں مسلمان ہمیشہ کیلئے دولت نجات سے بے مایہ کیے جانے لگے۔

یہ خبر ہندوستان میں بجلی کی طرح پھیل گئی اور کوئی چھوٹا بڑا ایسا نہ رہا، جو اس واقعہ سے بے خبر رہا ہو اور اس خبر نے ہندوستانی کلمہ گویوں کی ہزاروں تقسیمیں کر دیں۔ کوئی تو سن کر ایسا چپ رہا کہ گویا سنا ہی نہیں، یہ شراب غفلت کے متوالوں کا درجہ ہے۔ کسی نے سن کر کہا کہ یہ ہندو مسلم اتحاد پر حکومت کا خفیہ حملہ ہے، یہ مشرکین کے تنخواہ داروں کا درجہ ہے، کسی نے کہا کہ یہ مسلمانوں کی محض شرارت ہے اور اگر مشرکین کی طرف سے ایسا ہوتا تو ہم ان کو مزہ چکھا دیتے، یہ ان ریزولیوشن پاس کرنے والوں کا درجہ ہے جو گھر بیٹھے بیٹھے سمندر پار کی جنگ میں خیالی سپاہی بنے ہوئے ہیں اور عالم خواب میں تاج و تخت کا روزانہ الٹ پلٹ کرتے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ سن لیا کہ گھر کے باہر اسلام پر حملہ ہو رہا ہے، تو اپنی خیریت منانے کے سوا کچھ زبان سے نہیں نکلتا، بلکہ اگر کوئی زخم ان کے بھی اتفاقی لگ گیا تو خدا کرے جھوٹ ہو، کہتے جاتے اور خون پونچھتے جاتے ہیں۔

بڑا پکا مسلمان وہ ہے جو اس خبر کو سن کر بے چین ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہائے خلافت صدیقیہ کا زمانہ ختم ہو چکا ورنہ فتنہ

ارتداد کا بت توڑ کر رکھ دیا جاتا۔ افسوس کہ ان مسلمان نام لکھنے والوں کی کفر پسندی اور شرک دوستی کا بڑا بر انتیجہ ظاہر ہوا، ہیہات کہ کام کرنے والوں کا اسلامی ہند میں فقدان ہے۔ یہ بدقسمت ہندوستان میں کھرے مسلمانوں کا درجہ ہے۔ بہر حال یہ سارے درجات زبانی جمع خرچ تک کے ہیں اور میدان عمل کا درجہ جو اسلام کا حقیقی مقتضا ہے، ہندوستان بھر میں مفقود ہے۔ چنانچہ اس خبر نے اسلامی ہند میں مایوسی کی چادر سی ڈال دی تھی کہ دوسری اطلاع رحمت الٰہی کا یہ مژدہ سناتی ہے کہ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جمعیت اور اسکر اسلامی کا مقدمۃ الجیش اور اسلامی علم وعمل کی اشوہ حسنہ یعنی ''جماعت رضائے مصطفی بریلی'' نے اس خبر سے متاثر ہوکر زبانی تعلیوں اور دکھاوے کی پر جوش لسانیوں سے علیحدہ رہ کر میدان جہاد میں قدم رکھ دیا اور طے کرلیا کہ ہندوستان کا یہ فتنہ ارتداد کچل کر اسلامی جھنڈے کو بلند سے بلند تر کر دیا جائیگا۔

جس وقت یہ جماعت گھروں کو چھوڑ کر نکلی تھی، اور میدان جہاد کی طرف کوچ کر رہی تھی، اس وقت مدعیان اسلام نے اس کی خدمت عظمیہ کی داد میں لعن وطعن کے تیر برسائے تھے۔ اور اگر جماعت کا عزم مصمم اس کیلئے سپر نہ ہوتا تو شرک پسند بہادروں نے اس کی مزاحمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اب تم ملکانہ کا میدان جنگ دیکھو، ایک طرف مشرکین ہند کی صف ہے، جس میں سامان رسد، کثرت افواج، تجربہ کار جنرل، ملک پر ملک، پختہ خندقیں اور پرانی سرنگیں، غرض ہر قسم کی جنگی قوت ہے۔ دوسری طرف تنہا اور ہاں بالکل تنہا ''جماعت رضائے مصطفی بریلی'' کی صف ہے، جس میں مالی ناداری، قلت افراد، ایسی جنگ کا پہلا سابقہ، بے سروسامانی، مدعیان اسلام کی طرف سے معاندانہ رکاوٹ اور ہر طرح کی ظاہری کمزوری ہے۔ مگر آفریں ہے، جماعت رضائے مصطفی کی پامردی واستقلال پر کہ خدائے قدوس پر اعتماد کر کے اسلام کیلئے سینہ سپر ہوگئی اور حقانیت وصداقت کی خداداد قوت سے مشرکین کے بڑھتے ہوئے حوصلہ کو روک دیا یعنی اس جنگ عظیم اور ''مہابھارت'' کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ ملکانہ میں صرف جماعت رضائے مصطفی کا اقتدار ہے اور فوج اعداء پسپا ہو کر مفرورین کی طویل فہرست چھوڑ گئی ہے اور بڑے بڑے مڈھ اس جماعت کا لوہا مان چکے ہیں۔

میں کہہ چکا ہوں کہ جماعت کیلئے ایسی جنگ کا پہلا سابقہ تھا، یہ بالکل ایک نا قابل انکار حقیقت ہے، میدان جہاد کے سفر سے پہلے سپاہیوں کی خوراک کا مسئلہ ہے مگر جماعت کے عملی جوش نے اس پر بالکل نظر نہ کی، اور فاقہ کشی پر تیار ہو کر لخت دل وخون جگر کے کھانے پینے کو کافی سمجھا اور واقعی ۱۳۴۱ھ کے آخر تک اس نے فاقہ کشی کر دکھایا، اسی صبر وفاقہ کی روحانی قوت تھی جس نے دشمن کو پسپا کر دیا۔

مجھے ان ایام جنگ میں جماعت کے جنگی دفتر میں حاضری کا شرف بھی حاصل ہو چکا ہے، نیز جماعت کے حسابات مطبوعہ میرے پاس موجود ہیں، اور میں نے اس کی ناقدانہ سیر کی ہے جس کے نتیجہ میں نکتہ چین اور خونخوار خونیں آنکھیں آنسوؤں کے ساتھ واپس آئیں۔ ہم ممبران جماعت سے واقفیت رکھتے ہیں اور ان کے عیش وآرام کا بارہا مشاہدہ کیا ہے، اب ہم ان کو ملکانہ میں وسیع دستر خوان کی جگہ کسی درخت کے نیچے فرش زمین پر بیٹھا کئی قوتوں کے بعد چنے چباتے بھی دیکھے ہیں، تو ہماری آنکھوں سے آنسو کی جگہ خون ٹپک پڑتا ہے، لیکن فاقہ کشی کرنا، پیاس کے شدائد کو برداشت کرنا، ایک مدت کیلئے ہے کہ جس کے بعد معتبریت

عاجز ہو جاتی ہے۔ مسلمانو صرف دو دن بھوکے پیاسے رہو، اور پھر سوچو کہ اسلامی فوج تقریباً دو برس تک بھوکی پیاسی لڑی اور بتاؤ کہ تم لشکر اسلام کا اس سے زیادہ کیا امتحان لینا چاہتے ہو، میں اس چند گنتی کے زبیوں کو ہرگز فوجی سامان رسد نہ کہوں گا جس کو بین الاقوامی قانون کی بنا پر صرف کیا جاتا تو معمولی سرحدی چھیڑ چھاڑ میں صبح کا ناشتہ بلکہ صرف چائے تیار نہ ہو سکتی اور جس کی آمد کا دروازہ چند مہینے کے بعد ایک حد تک بالکل مسدود ہو گیا۔ ابھی ۱۳۴۱ھ کا دور تھا کہ اسلامی لشکر کیلئے علاقہ ارتداد میدان ابتلا ہو گیا۔ مسلمانوں نے دانہ پانی گویا اس پر بند کر دیا، خانگی بہادروں نے اس کے عروج سے عمل حسنہ شروع کر دیا۔ چندہ ہضم کر کے ڈکار نہ لینے والوں نے اپنا جال بھی پھیلا دیا اور شہرت پسندوں نے ایک ایک شخص کی علیحدہ علیحدہ جمعیت قائم کر کے اپنے خیالی کارناموں سے اخبار کو بھر دیا اور اس طرح جماعت رضائے مصطفی بریلی جس نے مشرکین ہند کے دانت کھٹے کر دیئے تھے ایک عظیم ابتلا میں مبتلا ہو گئی۔

میں نے عرصہ ہوا ایک منطقی استدلال ان حملہ آوروں کا سنا تھا، یہ نئے نام کے رنگروٹ جماعت رضائے مصطفی بریلی کی فاتح اور کارکن فوج کو دبانے کے لئے ''اسلامی اتحاد'' کا مغالطہ پھیلاتے رہے اور ان کو معمولی انسانیت اس فیصلہ پر نہ لاسکی کہ تفریق وتشت کی بنیاد اس نے ڈالی جس نے سب سے پہلے اسلامی فوج جماعت رضائے مصطفی کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہونا پسند نہ کیا، ملکانہ کے علاقہ میں پہلا قدم جماعت رضائے مصطفی کا پہنچا اور اتحاد اسلامی کی دعوت اس کے شان قدم کی پیروی کیلئے تھی چنانچہ اشرفی جھنڈا اور حضرت سید جماعت علی شاہ صاحب کی افواج نے اس شاہراہ عمل کی تقلید میں جماعت مبارکہ کی تکثیر سواد میں حصہ لیا۔ یہ ہے اتحاد اسلامی نہ یہ کہ کسی رئیس یا مولوی کی عزت افزائی میں مشرکین کے مقابلہ کا نام کر کے عساکر اسلامیہ کی پامالی کا فرض ادا کیا جائے اور مشرکین کی نمک خواری کا ثبوت دے کر اس کو ''اتحاد اسلامی'' قرار دیا جائے۔

بہر حال جماعت کی مشکلات کا مقدمہ مشرکین کی مساعی، اور ان کی کثرت اور دولت نہ تھی، بلکہ مدعیان اسلام کے کرتوت نے اس کا افتتاح کیا تھا جس کا نتیجہ جو ہونا چاہئے وہ ہوا، یعنی جو فوج مشرکین منہ پھیر چکی تھی، وہ پلٹ پڑی اور ۱۳۴۲ھ میں مشرکین کا حملہ پہلے سے زیادہ زور وشور سے ہوا اور میدان جنگ کا نقشہ ہو گیا۔ مثلاً مشرقی جانب سے مشرکین کا ٹڈی دل آرہا ہے اور مغربی محاذ پر جماعت رضائے مصطفی بریلی مع اپنے شرکاء کار مجاہدین کے صف باندھے ہے اور شمال وجنوب کی طرف بھی کچھ شور وغل ہے اور ان کی نگاہیں مشرکین کی طرف ہیں اور ان کا نعرہ ''دشمن کو مارو'' اور ''اسلامی اتحاد'' ہے۔ مگر ان کے قہر وغضب کا تیر لشکر اسلامی ہی پر گرتا ہے۔ یہ لوگ ''دشمن'' اسلامی فوج کو کہتے ہیں اور ''اسلامی اتحاد'' سے ان کا مطلب مشرک دوستی ہے۔ عساکر اسلامیہ ان کی زد پر ہیں اور انہوں نے مشرک فوج کے پہنچنے سے پہلے اسلامی فوج کی تباہی کا ارادہ کیا ہے تاکہ ان کے استاد اور دوستوں کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔

اس نقشہ جنگ پر نظر کیجئے تو جماعت رضائے مصطفی اگر میدان جنگ چھوڑ دے تو ہرگز اس پر الزام نہیں آسکتا۔ ایک سال سے زیادہ ان دشواریوں کا مقابلہ کرنا اس کو رضائے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاصل کرنے کو کافی ہے۔ مگر طالبین رضائے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلند حوصلوں کو دیکھ کر

شدید محاصرہ اعداء اور غیر معمولی بھوک پیاس کے باوجود سر بکف میدان میں کھڑے ہیں اور کرب وبلا کی ایک ایک ساعت کو بے مانگے کی دولت سمجھ رہے ہیں اور یہی عظیم الشان کامیابی ہے لیکن اگر اسی نقشہ جنگ پر قیامت قائم ہو جائے اور مالک ومولیٰ ہر ایک کی جزا وسزا کا استحقاق الم نشرح فرمائے تو بتاؤ وہ کون ہے جس کی گویائی گونگی ہو جائے گی اور لمبی لمبی زبان کترلی جائے گی، تم اس کے جواب میں مشرکین ہند کا نام نہ لو کہ ان کے استحقاق عذاب کو ان کا شرف کافی سے زیادہ حجت پہلے سے موجود ہے۔ تم ان پر فریب نام کے اتحادیو کو نہ کہو، کہ جنہوں نے اپنے علم وعمل کی زنگیوں سے آج سے برسوں پہلے جنت اپنے اوپر حرام کرلی ہے۔ ہاں جلال الٰہی سے ہم مسلمانوں، سنی بھائیوں عقائد حقہ والوں، سلف صالحین کے مقلدوں، اولیاء کرام کے نیاز مندوں کو ڈرنا چاہئے کہ جنت جن کی مہمانی کیلئے بنی ہے اور وہ ایک گلاس پانی اور ایک مٹھی اناج کو اس نعمت الٰہیہ پر بڑھا رہے ہیں۔

بھائیو آیئے...... ایک ماتم خانہ برپا کریں، اس میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی روداد پڑھیں اور کروڑہا مسلمانان ہند سے جن کا نام اس میں نہ پائیں اس کا مرثیہ پڑھیں، پھر ان کا غم منائیں جن کا نام پہلے تھا مگر اب اس لیے خارج ہوا کہ وہ ذلیل سے ذلیل مدد سے عملاً ہٹ گئے، اور پھر مسلمانان ہند کی قوت اسلام کا مرثیہ پڑھیں، اپنی بدبختی پر روئیں اور اتنا روئیں کہ آنسو رو کنے سے پہلے روح کو رخصت کردیں، آؤ اسلام پر مرمٹیں، جان دے دیں، نثار ہو جائیں، خود مٹ جائیں مگر اسلام کو مٹنے سے بچائیں، خود بھوکے پیاسے رہیں اور اسلامی لشکر جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کو تازہ دم رکھیں اور پھر پتھر کے بندوں کو کاٹ کر رکھ دیں، اس کے سوا اور کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔

۱۳۳۹ھ میں مسئلہ خلافت زور شور سے چل رہا تھا، مسٹر گاندھی نے نام نہاد مسلم قائدین مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ کو ساتھ میں لے کر تحریک خلافت چلائی جس کا مقصد ترکی سلطنت اسلامیہ کی حمایت بتایا گیا۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، ان کا ہرگز ہرگز مقصد یہ نہ تھا بلکہ ان کا مقصد مسلمانوں کے ذہنوں کو ہموار کر کے سیاسی اقتدار کو سنبھالنا اور مسلمانوں سے چندہ جمع کرنا تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس تحریک کا تعاقب کیا اور مسلمانوں کو ان کے چھپے عزائم سے آگاہ فرمایا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی نے امام احمد رضا بریلوی کے افکار ونظریات کو چھاپ کر عوام کے سامنے پیش کیا اور اس ضمن میں امام احمد رضا پر لگائے گئے الزامات کا جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی نے منہ توڑ جواب دیا۔

چنانچہ ایسا ہوا کہ جس نے نام نہاد خلافت تحریک کا رد کیا تو اس کے خلاف دوسرے روپ میں پوسٹر اور اشتہار شائع کیے گئے اور خلافت کی آڑ میں دین حق کے حامیوں پر حملے کیے جاتے رہے۔ مراد آباد میں ''کالا کافر پکا وہابی'' کے عنوان سے ایک اشتہار کثیر تعداد میں شائع کیا گیا پھر ایک رسالہ کی صورت میں ''گالی نامہ'' چھاپا گیا اور مختلف اضلاع میں تقسیم کیا گیا اس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ پر رکیک حملے اور ان کی شان میں حد سے زیادہ سب وشتم کیا گیا۔ اس اشتہار کا مختصر جواب مولانا عمر نعیمی مدیر ماہنامہ اسواد الاعظم مراد آباد نے اس طرح تحریر فرمایا ہے:

اعلیٰ حضرت موصوف مدظلہ (علیہ الرحمۃ) ملک کے وہ مایہ فخر اور سرمایہ ناز عالم ہیں جن کی

بدولت ملک کی عزت ہے، آپ کا دار الافتاء مدت ہائے مدیدہ سے ممالک وبلدان اور عالم کے گوشہ گوشہ کا مرجع ہے۔ عرب، مصر، مراکش، طرابلس، افریقہ وغیرہا تمام ممالک سے آپ کی خدمت میں استفسار پہنچتے ہیں اور ہر مقام کے اہل علم آپ کے جوجود قلم اور فیض علم سے متمتع اور مستفیض ہیں۔ آپ کے تمام اوقات بفضلہٖ تعالیٰ دین کی خدمت میں صرف ہوتے ہیں۔ آپ کی تحقیقات انیقہ نے علوم اسلامیہ کا احیاء فرمایا، اُن کے قلم نے دشمنان اسلام کی تمام مخالف اسلام کوششیں ملیامیٹ کر ڈالیں۔ انہیں میں وہابیہ بھی ہے جس کے سربستہ راز آں ممدوح نے طشت از بام کر دیئے اور ان کا کوئی حیلہ کوئی حملہ اسلام پر چلنے نہ دیا۔ اس اشتہار میں اعلیٰ حضرت کو سلطنت اسلامیہ کا مخالف ظاہر کیا گیا ہے۔ کس قدر عجیب وغریب ہے کہ دین اسلام کا حامی، اور شریعت حقہ، کا ایک امام تو سلطنت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کا مخالف ہو؟ اور وہابیہ جن کے نزدیک ساری دنیا مشرک ہے، ہر عرس میں شریک ہونے والا، سب مشرک وبدعتی ہیں۔ وہابیہ کے نزدیک مسلمان ہی کون ہے جس کی وہ اعانت کریں، ترک کیا ان کے نزدیک مشرک نہیں۔ وہابیہ نے تو حرم شریف کی بے حرمتی کی، حجر اسود کو توڑا، کیا یہی اپنے دل میں کعبہ کا درد رکھتے ہیں، وہ قوم جس کا پیشوا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کو صنم اکبر کہتا تھا، کیا حرمین طیبین کی خیر خواہ ہوسکتی ہے؟ مگر دنیا کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے خلافت، خلافت کہا جاتا ہے۔

اس گندے اشتہار میں یہ بھی مشہور کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا گورنمنٹ کے آدمی ہیں۔'' بعض اتنے جری ہو کر کہتے تھے کہ ہم نے اپنی آنکھ سے انگریزی دفاتر میں حضرت کا نام درج دیکھا ہے اور قبض الوصول میں وصول تنخواہ کے دستخط ثبت ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے علمی جلال، ان کی مجددانہ فقیہانہ صلاحیت اہل علم کے دلوں میں گھر کر چکی تھی۔ اس شہرہ کو دیکھتے ہوئے الزامات کے ذخیرہ سے جب کچھ میسر نہ ہوا تو یہ حربہ استعمال ہونے لگا، اور اس کو طرح طرح سے استعمال کیا۔ حالانکہ ان کی تصانیف شاہد ہیں کہ وہ انگریزوں کے سخت ترین مخالف تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے خدام اور جماعت رضائے مصطفی نے ساڑھے چھ ہزار روپیہ انعام کا اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ اعلیٰ حضرت نے گورنمنٹ سے ایک پیسہ بھی لیا ہے تو اس کو ساڑھے چھ ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا لیکن آج تک کوئی یہ انعام حاصل کرنے کیلئے تیار نہ ہوا، اور حیرت یہ کہ اب تک وہی راگ گائے جاتے ہیں۔ در حقیقت علماء کو بدنام کر کے عوام کو ان کی طرف سے برگشتہ کرنا، ان کا مقصد ہے اور اسی میں ان کی کامیابی بھی ہے۔

خلافت کمیٹی الگ الگ انداز سے امام پر الزامات لگانے لگی اور جب اشتہار کتابچہ شائع ہوا تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اپنا ایک بیان تحریر فرمایا اور مسلمانوں کو اپنے نقطہ نظر سے آگاہ کیا جس کو ۱۸/ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ بروز یک شنبہ (واقع جلسہ مسجد بی بی جی بریلی) کو ہزاروں مسلمانوں

کے مجمع میں پڑھ کر سنایا گیا۔ مضمون یہ ہے

مبسلا و حامدا و مصلیا و مسلما

حضرت اہل سنت و جماعت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

فقیر بوجہ علالت حاضر نہ ہوسکا، میری تین تحریریں کہ شائع ہوچکی ہیں اور ان میں سے دو کی اشاعت کو آٹھ آٹھ برس کو چکے، حاضر کی جاتی ہیں۔ وہ آپ حضرات کے سامنے پڑھی جائیں گی، ان کو بہ نظر خود استماع فرمایئے، وہی میری رائے کی ترجمان ہیں۔ میں حضرات مقررین سے بھی درخواست کرتا ہوں بلکہ ان کے تمام بیان میری انہیں تحریرات کے دائرے میں رہیں، اگر انہیں اس کا لحاظ رہا بہتر ورنہ ان تحریروں کے دائرے سے باہر جو کچھ وہ فرمائیں وہ ان کی ذاتی رائے ہوگی، وہ فقیر کی آواز نہیں:

میں اعلان کے ساتھ کہہ چکا ہوں اور کہتا ہوں کہ سلطنت اسلام نہ سلطنت بلکہ ہر جماعت اسلام نہ جماعت بلکہ ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کون سا مسلمان ہوگا کہ اماکن مقدسہ کی حفاظت نہ چاہے گا مگر دونوں کا لحاظ لازم ہے اور ان کا ترک عقل و نقل دونوں سے خروج۔ اول: یہ کہ ہر فرض ہمیشہ بقدر قوت سرمایہ استطاعت ہے، قرآن عظیم جابجا شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ وسعت سے زائد کسی کو حکم نہیں دیتا، ایسی تحریکیں کہ قدرت سے باہر ہیں اور ان کا نتیجہ یہاں کے مسلمانوں کی تباہی ہے، اسلام و مسلمین کی خیر خواہی نہیں صریح بدخواہی ہے۔

دوم: اسلام کی تائید کبھی اللہ و رسول جل وعلیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیٹھ دے کر نہیں ہوسکتی، مشرکین سے اتحاد و وداد، ان سے استعانت و استمداد، ان سے موافقت و انتقاد، جس کی ہوا چل رہی ہے قطعاً حرام و بیخ کن اسلام ہے اور اس کے سبب دین پر سخت آفت، وہابیہ دیوبندیہ کی مداخلت ہے۔ انہوں نے جوش بے معنی دیکھ کر موقع پایا، اس میں (مطلب کو) شریک ہولئے، کل تک جوان کو کافر و بددین جانتے تھے ان سے مل کر متحد ہوگئے، ان کی رنگینیں، ان کی صدارتیں، ان کی تنظیمیں ہونے لگیں، اس سے سلطنت اسلامی یا اماکن مقدسہ کو فائدہ پہنچنا تو معلوم نہ وہابیہ کو اس سے غرض۔ وہ تمام اہل سنت کو مشرک جانتے ہیں، سلطان اور تمام ترکوں کو کیا مسلمان جانیں گے، وہ اماکن مقدسہ کو مشرکستان سمجھتے ہیں، کیا ان کی حفاظت چاہیں گے؟ یہ تو سب زعم باطل ہے۔ ہاں وہابیت کے پنجے جمتے جاتے ہیں اور یہ دین کی سخت بربادی ہے۔ آنکھ کھولو اور دوست دشمن کی تمیز کرو، دنیوی معاملت مطابق احکام شریعت ہر کافر و غیر مرتد سے جائز ہے اور موالات اصلاً کسی سے جائز نہیں۔ یہاں اس کا عکس ہورہا ہے۔ آٹھ برس ہوئے جب اس جنگ کا نام و گمان بھی نہ تھا، فقیر نے فلاح مسلمین کی چار تدبیریں شائع کی تھیں۔ امید کہ اس پر غور فرما کر ان کے اجرا میں سعی کریں۔ وباللہ التوفیق والسلام (فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مذکورہ بیان کو جماعت رضائے مصطفی بریلی نے اپنے پلیٹ فارم سے اخبارات ورسائل کے ذریعہ شائع کیا اور امام احمد رضا کے نظریات سے لوگوں کو متعارف کرایا، اس سلسلہ میں جماعت مبارکہ نے امام احمد رضا کے ایما پر تحریک خلافت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جس کی تفصیل ''تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

❁❁❁

مرکز اہل سنت اور شُدِّھی تحریک کا انسداد

مولانا محمد اسلم رضا قادری اشفاقی
رکن سنی تبلیغی جماعت باسنی، ناگور شریف

شُدِّھی تحریک کیوں قائم کی گئی اور اس کے عزائم ومقاصد کیا تھے؟ اس تعلق سے ایک مشہور ہندو صحافی شرما امرائے نے لکھا ہے:

''آریہ سماج میں بیداری پیدا ہوئی، سوامی شردھانند نے آگرہ میں ''بھارتی شدھی سبھا'' کی بنیاد ڈال دی ہے کہ جن کا مقصد ان نیم ہندو اور نیم مسلمان لوگوں کو جو ہندو دھرم میں آنے کے لئے تلملا رہے ہیں شدھ کیا جائے۔ کام شروع ہے اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوؤں کے سب فرقے بڑے جوش سے اس کام میں مشغول ہیں، یہ بہت ہی نیک آثار ہیں۔ مگر میں ''شدھی سبھا'' کے کارکنوں سے اپیل کروں گا کہ وہ اس بات کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ ملکانہ راجپوتوں، گوجروں اور جاٹوں میں اول تو پر چار کی ضرورت نہیں، وہ خود ہندو دھرم کو جانتے ہیں۔ اگر بالفرض پرچار کی ضرورت پڑے تو آریہ سماج کو اپنے اصول بالائے طاق رکھ کر صرف سناتن دھرم کا ہی پرچار کرنا چاہئے کیوں کہ اب ہمارا فرض ان کو ہندو بنانا ہے نہ کہ آریہ سماجی''

[روزنامہ روزانہ ہندو اخبار لاہور بابت ۹، ۱۱، اپریل ۱۹۲۳ء بحوالہ تاریخ جماعت رضائے مصطفی، ص: ۲۰۵، رضا اکیڈمی ممبئی 1995]

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے حق میں آریہ سماج کے عزائم ومقاصد بڑے ہی خطرناک اور دہشت انگیز تھے۔ جگ ظاہر ہے کہ جب پورے ہندوستان کو کسی بڑے فتنہ میں دھونسنا ہے تو اس کے لئے روپیوں کی برسات بھی کرنی پڑے گی تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس فتنہ کا شکار بنایا جا سکے، آریہ سماج نے شُدِّھی سنگھٹن کے پیغام کو پھیلانے کے لئے بے دریغ روپیوں کو بانٹا اور جو اس سنگھٹن میں شریک ہوا اسے بھی مالا مال کر دیا، تاریخ کے صفحات آج بھی اس بات کی گواہی دے رہے ہیں۔ مولانا سید ایوب علی رضوی لکھتے ہیں:

''وہ (آریہ) ان لوگوں (مسلم راجپوتوں) کو کثیر روپیہ بھی دیتے ہیں، کبھی کبھی خوش لباس عورتوں کو بھی سامنے لاتے ہیں، بڑے

بڑے طبقہ کے دولت مند ہندو، والیانِ ریاست تک پنچایت میں شریک ہوتے ہیں، اوران سے کہتے ہیں کہ تم ہندو ہو جاؤ، ہم تمہارے ہاتھ کا کھائیں گے، تمہیں بیٹیاں دیں گے، تمہارے قرضے ادا کریں گے، اور ہندو نہ ہونے کی شکل میں گاؤں کا پٹواری بھی ناراض ہے، اسٹیشن کے بابو صاحب بھی برہم ہیں، کوئی سیدھے منھ بات نہیں کرتا ہے۔ ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم ہندو تھے تمہیں بادشاہانِ اسلام نے جبراً مسلمان کیا ہے، مسلمان بت پرست ہیں، اور معاذ اللہ خانۂ کعبہ میں بت رکھا ہوا ہے، مسلمان اس کی عبادت کرتے ہیں، اور اسی قسم کے صدہا بے سروپا بہتان باندھتے ہیں، جھوٹے قصے، شاہانِ اسلام کی توہین، اسلام پر غلط اور بے جا حملے مسلمانوں کی نسبت جھوٹے قصے ناگری چھاپ چھاپ کر ”ٹریکٹ“ اور رسالے گاؤں میں تقسیم کرتے ہیں“

[تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، ص:۲۰۶]

جو دھرم روپیوں اور عورتوں کی عصمت دری کے ساتھ پھیلایا جا رہا ہو اس کی گندی اور باطل باتیں کب چھپ سکتی تھیں، آپ نے ابھی ملاحظہ کیا کہ لوگوں کو شدھ (پاک) کرنے والے کس طرح پاپ (ناپاکی، گناہ) کو پھیلانے کا کام انجام دے رہے تھے اور من میں بڑے خوش ہیں کہ ہم دھرم گروہ ہیں، دھرم کو پھیلانے والے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے دھرم میں گندگی پھیلانے کو ہی دھرم کی خدمت سمجھا جاتا ہے؟ تو ایسے دھرم پر صد بار لعنت ہو جس کی ابتدا گندی حرکتوں سے شروع ہوتی ہے اور انتہا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہو گی؟؟

ان باتوں کو آج سو سال کا زمانہ گزر چکا ہے مگر اسلام دشمن عناصر آج بھی اسی سازش میں ملوث ہیں کہ روپے پیسے کا لالچ دے کر لوگوں کو دین اسلام سے ورغلا رہے ہیں۔ آج بھی ہندو واہنی اور بجرنگ دَل کے ایجنڈ گاؤں گاؤں جا کر لوگوں سے اپنی ظالمانہ روش کو چھپانے کے لئے کچھ ایسی حرکتیں کر رہے ہیں۔ جس کی تازہ مثال اتر پردیش میرٹھ باغبت کے بدرکھا گاؤں کی ہے جہاں کے مسلمان انصاف چاہنے کے لئے جب ان لوگوں کے پاس جاتے ہیں تو ان غریب مسلمانوں کو مال و دولت کا لالچ دے کر مذہب تبدیل کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اس کے بعد تمہیں انصاف مل جائے گا، ایک ایک شخص کو دو دو لاکھ روپئے اور ایک ایک مکان دے کر ان کے دین کا سودا کیا جاتا ہے، پھر بھی رقیہ اپنے شوہر سے کہتی ہے تم جو چاہو کرو میں تو اسلام پر قائم ہوں، میں نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا ہے“

[روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی، ۷، اکتوبر ۲۰۱۸ء، ص:۱]

مسلمانوں کو مرتد بنانے کا یہ سارا کاروبار ۱۹۲۳ء میں کھلے بندوں انجام دیا جا رہا تھا، روزانہ اخباروں کی سرخیوں میں جلی خبریں شائع کی جاتی تھیں، کہ فلاں جگہ اتنے مسلمان شدھ کئے گئے، اتنے مسلمانوں نے دین اسلام چھوڑ دیا، اس قسم کی خبریں ضرور دلوں کو گھائل کرنے والی تھیں، علمائے اہل سنت بالخصوص تاج دار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند علامہ الشاہ

مفتی محمد مصطفی رضا نوری علیہ الرحمہ ان خبروں کو سن کر بے چین ہو جاتے ہیں، فوراً جماعت رضائے مصطفی کے پلیٹ فارم سے ۸، جمادی الاخریٰ ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء کو علما و عوام اہل سنت کا ایک ہنگامی اجلاس بریلی شریف میں بلایا جاتا ہے۔ جس میں حجۃ الاسلام، صدر الافاضل، شیر بیشۂ اہل سنت، مولانا رحم الٰہی منگلوری، مولانا حکیم غلام احمد سنبھلی، مولانا عبد العزیز فتحپوری وغیرہم نے جمع ہو کر شدھی تحریک کے بڑھتے ہوئے باطل و فاسد نظریات کے انسداد و اختتام کے لئے لائحۂ عمل تیار کیا اور ساڑھے چار لاکھ مسلمانوں کو فتنۂ ارتداد سے بچانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا علیہ الرحمہ نے وفد کی کامیابی اور اسلام کی ترقی کے لئے دعا فرمائی۔

اس طرح مرکز اہل سنت بریلی شریف سے شدھی تحریک کے خاتمہ کا منصوبہ بنایا جاتا ہے اور شہزادگانِ وفیض یافتگانِ اعلیٰ حضرت کفن بردوش ہو کر مسلم راجپوتوں کے ایمان و عقیدے کے تحفظ کے واسطے گاؤں گاؤں، شہر شہر جا کر ان کو مرتد و بے دین ہونے سے بچاتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے شدھی سنگھٹن کے فتنے سے مقابلے کرنے کے لئے اپنا سارا عیش و آرام ترک کر دیا اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ایمان کی فکر میں شب و روز کبھی پیدل کبھی گاڑیوں سے جا کر ان کو دین کا صحیح پیغام سنایا، ان کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا، طہارت، نماز، روزہ وغیرہ کی تعلیم دی، جو شہزادہ کبھی ننگے پاؤں گھر سے نہ نکلا وہ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کی خاطر آج جنگلوں، بیابانوں، صحراؤں سے گزر رہا ہے ساتھ میں دیوانوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ ہے۔ موسم کیسا بھی ہو اس کی فکر نہیں ہے، فکر ہے تو صرف اپنے مسلمان بھائیوں کے دین و ایمان کی فکر ہے اور بس!

شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام علامہ الشاہ مفتی محمد حامد رضا قادری علیہ الرحمہ شدھی تحریک کی خباثتوں، رذیل حرکتوں اور علمائے اہل سنت کے بے لوث خلوص کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں: موجودہ زمانہ میں ہمسایہ قوم نے مسلم آزاری کی جو پیہم کوششیں جاری کر رکھی ہیں ان میں شدھی کا فتنہ سب سے اہم ہے۔ شدھی مسلمانوں کو مرتد کرنے اور معاذ اللہ مشرک بنانے کا نام ہے۔ جس کے لئے ہندو دو برس سے سالہا سال کی منظم کوششوں اور تیاریوں کے بعد پوری قوت کے ساتھ ٹوٹ پڑے ہیں، ہر طبقہ کے ہندو اس سعی میں سرگرم ہیں، ہندو والیانِ ریاست اور راجگان ان کی سبھاؤں میں شرکت کرتے ہیں، مدتوں کی پُر اطمینان کوششوں سے وہ ہندوستان بھر میں، ہر گاؤں میں سبھائیں قائم ہیں، کثیر التعداد مناظر، جا بجا مسلمانوں کو چھیڑنا، پریشان کرنا، جاہلوں دیہاتیوں کو بہکانا، بزرگان دین کی شان میں گالیاں دینا، گستاخیاں کرنا، اسلام کی توہین کے ٹریکٹ چھاپنا اور ان میں حضرت پروردگار عالم تک کو گالیاں دینا یہ ان کا شیوہ ہے۔ طمع اور دباؤ سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یہی ان کے دین کی تبلیغ کا ذریعہ ہے، بہت سے نادار اور جاہل ان کے دامِ فریب میں پھنس کر ایمان کھو بیٹھے۔

ان حالات پر نظر کرتے ہوئے تبلیغ و حفاظتِ اسلام کا مسئلہ اور بھی اہم ہو جاتا ہے، اب تک تو شدھی کی کوششیں راجپوتانہ ہی میں تھی لیکن اب انہوں نے اپنا میدانِ عمل وسیع کر دیا ہے اور پورے ہندوستان میں جہاں موقع ملتا ہے ہاتھ مارتے ہیں۔ قومیں کی قومیں ان کی دستبرد میں تباہ ہو رہی

ہیں، مسلمانوں کی مذہبی انجمنیں ہر جگہ نہیں ہیں، جو ہیں ان میں کوئی رابطہ نہیں، جس زمین کو خالی دیکھا وہاں آریہ دوڑ پڑے، جب تک علمائے اسلام کو کسی حصۂ ملک سے بلائے تب تک کتنے غریب شکار ہو چکتے ہیں۔ راجپوتانہ میں ہمیں تجربہ ہو چکا ہے کہ آریوں کے زر، زور، طمع اور دباؤ کی تمام قوتیں اسلامی فضلا کی دعوتِ حق کے مقابل بیکار ہو جاتی ہیں اور حقانیت کی جذبِ قوی کی تاثیر کو اس قسم کے جادو کم نہیں کر سکتے جو جاہل ناداروں کے سامنے ہزار ہا روپیہ پیش کیا جاتا تھا اور انہیں مرتد ہو جانے پر بہت ولولہ انگیز مژدے سنائے جاتے تھے۔ نوجوانوں کے جذبات مشتعل کرنے والے مناظرے سے تسخیر کرنے کی کوششیں ہوتی تھیں اور وہ ان دلفریبیوں پر وارفتہ ہو جاتے تھے، جوانی کا جنون انہیں اندھا کر دیتا تھا اور ان کی عقل سرشار مخمور کی طرح نکمی ہو جاتی تھی۔ وہاں ہمارے پاس اسلامی زُہد اور بزرگوں کے ذکر کے سوا کوئی نسخہ نہ تھا، جو ایسے مریض پر کارگر ہوتا ہے۔ مگر یہ نسخہ ایسا بے خطا اثر کرتا تھا کہ دیہاتی نوجوان اپنی سرمستی سے ہوش میں آ کر دل لبھا دینے والی صورت کی چاہت اور مال و منال کے لالچ دونوں کو نفس۔۔۔ ٹھوکر مار کر طاعتِ الٰہی کے لئے کمربستہ ہو جاتا تھا، غریب محتاج لوگوں۔۔۔ جوانوں کا خوبصورتی کے بتوں کو لات مار دینا اور فقر۔۔۔۔ عبادت کو شوق کے ساتھ اختیار کرنا، موسم گرما میں روزے رکھنا، نمازیں پڑھنا اور پچھلی رات سے اٹھ کر یادِ خدا کرنا اور اس سے لطف اٹھانا، اسلام کی حقانیت کی زبردست تاثیر تھی جس نے دشمنوں کی تمام تدبیریں اور جملہ سامان بیکار کر دیئے۔ اب ان کے پاس روپیہ ہے لیکن وہ ان روپیہ کو ہاتھ لگانا گناہ سمجھتا ہے، ان کے ساتھ خوش لباس خوبرو ہیں مگر وہ ان کی طرف نظر کرنے سے نفرت کرتا ہے، صیادوں کے حوصلے پست ہو گئے قریب کے زمانہ کا ایک تذکرہ ہے۔

توکل علی اللہ کی اعلیٰ مثال: ایک بوڑھا صدر تبلیغ میں آیا کہنے لگا: آریہ ہم سے شدھی ہونے کو کہتے ہیں اور روپیہ بھی دیتے ہیں اور ہمارے مقدمات میں پیروی کرنے کا بھی وعدہ کرتے ہیں، اگر تم ان سے زیادہ ہمدردی کرو تو ہم آریوں کو نکال دیں نہیں تو شدھی ہو جائیں۔ دفتر نے اس کو محبت سے بٹھایا اور کہا: کہ مسلمان کا تو عقیدہ یہ ہے کہ کوئی قوم کسی شخص کے افلاس و مصیبت کو دور نہیں کر سکتی، دینے سے خدا اور رسول کے بھلا ہوتا ہے، ہم ان کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہیں چاہتے۔ مسلمان اللہ کے بندے ہیں اللہ نے انہیں عزت دی ہے ان کی غیرت کا تقاضہ ہے کہ چاہے بھوک سے دم نکل جائے، چاہے کنبہ مر جائے، مگر وہ منگتا نہ بنیں، لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے نہ پھریں، بادشاہ کا غلام چاہے بھوکا مرے مانگنا گوارا نہیں کرتا، تو اللہ کا بندہ کیا اللہ کے دشمن کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا کرے گا؟ اس قسم کی باتیں سن کر یک لخت اس بوڑھے کے خیالات بدل گئے اور جوش میں کھڑے ہو کر کہنے لگا: مولوی صاحب! اب ہم کسی کے پاس نہ جائیں گے اور اپنے خدا ہی سے فریاد کریں گے تم نے ہمیں ٹھیک راستہ بتا دیا اور اس نے اپنی زبان سے بہت شکر گزاری کی، اور الحمد للہ! کہ اسلامی عقیدے پر مستقل ہو گیا"

[خطبۂ صدارت آل انڈیا سنی کانفرنس، مراد آباد (منعقدہ: ۱۹۲۵ء)، ص: ۱۷ تا ۱۹، مطبوعہ کراچی ۲۰۱۵ء]

اسلام کا نورانی قافلہ میرٹھ میں: اسلام کے وفاداروں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عاشقوں کا پہلا وفد بتاریخ ۹، جمادی الاخری ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۷، جنوری

۱۹۲۳ء بروز شنبہ صبح ۶ بجے جنکشن اسٹیشن بریلی سے جماعت رضائے مصطفی کی قیادت میں روانہ ہوا۔ اس وفد اسلام کی قیادت مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا نوری کرر ہے تھے۔ دس جید علمائے کرام پر مشتمل یہ وفد بریلی سے چل کر میرٹھ کے علاقہ میں پہونچا، وفد اسلام جماعت رضائے مصطفی کو رخصت کرنے کے لئے سیکڑوں مسلمان علی الصبح اسٹیشن پر موجود تھے اور دل سے دعائیں دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کامیابی نصیب فرمائے''۔ میرٹھ میں اسلامی وفد کا شان دار استقبال ہوا، بغیر آرام کئے میرٹھ کے تقریباً ۱۰ گاؤں کا تبلیغی دورہ کیا گیا، جہاں مسلمان اچھی حالت میں تھے، مسجدیں بھی آباد ہیں اور دین کے متعلق لوگ جانتے بھی ہیں، حجۃ الاسلام بریلی شریف میں فکر مند تھے کہ وفد کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے تو مفتی اعظم ہند نے بایں الفاظ اطلاع دی: آج کئی روز کے بعد آپ کو خط لکھ رہا ہوں، جانتا ہوں کہ آپ کو لمحہ لمحہ وفد کی اطلاع کا شدید انتظار ہوگا، لیکن عذر خواہی کے لئے حالتِ سفر اور مقصد کی اہمیت بس ہے، الحمد للہ! ہمارا وفد راجپوت مسلمانوں کی مذہبی حمایت وحفاظت کی غرض سے ضلع میرٹھ پہنچ گیا اور اب وہاں دورہ کررہا ہے مزید کیفیت سے بعد میں اطلاع دی جائے گی''

[تاریخ جماعت رضائے مصطفی، ص: ۲۱۳، ملخصاً]

اسلام کا نورانی قافلہ آگرہ میں: میرٹھ اور بلند شہر کے تبلیغی دوروں کے بعد وفد اسلام آگرہ پہونچا، کیوں کہ فتنۂ ارتداد کے وقت آریوں نے آگرہ کو اپنا ہیڈ کواٹر بنا رکھا تھا، زیادہ تر راجپوت اسی ضلع کے دیہات وقصبات میں آباد بھی تھے، اسی سبب سے حضور مفتی اعظم اور آپ کے رفقاء نے آگرہ کا رخ کیا تاکہ جلد از جلد ان کا مقابلہ کیا جاسکے جو مسلمانوں کو شدھ کرنے چلے ہیں اور دین اسلام کے نور کو مٹانے کے درپے ہوئے ہیں۔ جب یہ قافلہ آگرہ پہونچا تو وہاں کے مسلمانوں نے علمائے اہل سنت کا شاندار استقبال کیا۔ جماعت رضائے مصطفی کے ایک قریبی اور معتمد اپنا عینی مشاہدہ بیان کرتے ہیں: وفد اسلام دورہ کرتا ہوا آگرہ پہونچا، یہاں کے مفتی شہر حضرت مولانا مولوی سید محمد دیدار علی صاحب اور ان کے فرزند ارجمند جناب مولانا مولوی مفتی سید احمد صاحب نے اس وفد کا کمال احترام کیا اور اس کی اعانت میں بہت سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے رہے۔ ان کی محنتوں اور مخلصانہ کوششوں سے وفد کو ابتدائی حالت میں بڑی تقویت ملی، انہیں کے اثر سے شہر کے باشندوں نے وفد کے ساتھ بہت ہمدردی کی، جن میں جناب حاجی ولی اللہ خاں صاحب اور جناب منشی وارث علی خاں صاحب اور جناب منشی کریم بخش صاحب خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ حاجی صاحب نے عرصے تک وفد کو اپنے مکان میں مقیم رکھا اور دیہات میں سراسیمہ پھرا کیے، اور اب تک یہ اصحاب وفد کی ہر طرح کی اعانت قلبی اخلاص کے ساتھ فرمارہے ہیں''

[تاریخ جماعت رضائے مصطفی، ص: ۲۱۷]

مولانا شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں: آگرہ آریہ سماجیوں کا مرکز تھا، آریہ تبلیغی مشن یہیں سے جاری تھا، آریہ نومسلم راجپوتوں کی نسل کو اپنے مذہب کی طرف کھینچتے تھے، اور اس میں زبردست طاقتیں صرف کررہے تھے، ان کے جلسوں میں والیانِ ریاست، اور بڑے بڑے دولت مند شریک ہوتے اور بڑی سرگرمیوں کے ساتھ عمل کی

تیاریاں کرتے تھے، شدھی تحریک کی رفتار بڑھانے اور لٹریچر تقسیم کرنے کے لئے انہوں نے ”بلونت راجپوت ہائی اسکول، آگرہ“ میں ۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۲۳ء کو ایک پروگرام بھی رکھا“ [مرجع سابق، ص: ۲۱۹]

یہ دل فگار اور دردناک داستان پڑھئے اور قربان جائیے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی استقامت و عزیمت پر، کہ اس مرد خدا نے کس طرح لوگوں کا ایمان و عقیدہ بچا کر آریہ سماج کے ناپاک وسیاہ کرتوتوں کو خاک میں ملادیا ہے۔ ایک چشم دید مؤرخ لکھتے ہیں: علاقۂ ارتداد میں نومسلموں کی حالتیں دیکھ کر ہمارے مبلغین وفد کو وہ صدمے ہوئے کہ روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں، نام پوچھئے تو بھوپ سنگھ، روپ سنگھ، ولی سنگھ، ہندوانی نام، شکل دیکھئے تو داڑھی ندارد، دھوتی بندھی ہے، سر پر بالشت بھر کی چٹیا ہے، دروازوں پر رام رام لکھا ہے، لٹیا تھال کھانے پینے کے برتن ہیں، چوکا دیکھ کر کھانا پکایا جاتا ہے مسلمانوں سے چھوت مانتے ہیں، اپنے برتن انہیں چھونے نہیں دیتے، ان کے برتنوں کو ہاتھ نہیں لگاتے، وحشت کا یہ عالم کہ پاس بیٹھنے اور بات سننے کو تیار نہیں، مبلغین وفد اسلام جب ان کے گاؤں میں پہنچتے ہیں تو ان پر کیچڑ پھینکتے ہیں، کتے دوڑاتے ہیں، دور دور سے ہنسی اور تمسخر اُڑاتے ہیں، گاؤں میں آریوں کے اغوا سے یہ انتظام کر دیا جاتا ہے کہ مبلغین اسلام کو آٹا، دال، نمک، مرچ کوئی چیز میسر نہ آنے پائے“

[مرجع سابق، ص: ۲۱۷۔۲۱۸]

ان حالات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آریہ سماج کے فتنہ پرور کس طرح منظم طریقے سے مسلمانوں کے دلوں سے دولتِ ایمان چھیننا اور نکالنا چاہتے تھے، ایسے وقت میں اگر شہزادۂ اعلیٰ حضرت اور تلامذہ وخلفائے اعلیٰ حضرت بیدار مغزی اور دینی جذبہ کا اظہار نہ فرماتے تو نہ جانے آج اہل اسلام کا کیا حال ہوتا؟؟ ان غریب مسلمانوں کا دین وایمان بچانے والی یہ جماعت رضائے مصطفی ہی ہے جو بے سروسامانی کے عالم میں بھی گاؤں گاؤں، شہر شہر جا کر ان کے ایمان کا تحفظ کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے پیارے رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر کرم سے اسلام کا یہ وفد ہر جگہ سے کامیاب لوٹا اور لاکھوں لوگوں کا دین وایمان لٹنے سے بچ گیا۔

کام میں جب خلوص ہوتا ہے تو کامیابی ضرور قدم چومتی ہے، آریہ سماج، اللہ کے ان مخلص بندوں کے سامنے خائب و خاسر ہوا اور لاکھوں لوگوں کا ایمان برباد ہونے سے محفوظ ہو گیا، رب قدیر نے وہ سرفرازی وسرخروئی عطا فرمائی کہ خوش دلی سے لوگوں نے چوٹیاں کٹوائیں، نام بدلوائے، علمائے کرام کی زبانی قرآن سنا، میلاد شریف پڑھوائی، طہارت ونماز کے مسائل سیکھے، دیہات وقصبات میں نمازیوں کی کثرت دیکھ کر اسلام کی شوکت نظر آنے لگی، یہ سب کیا تھا ہمارے مخلص بزرگوں کی نظر کیمیا اثر کا صدقہ تھا کہ برسوں کے بھٹکے ہوئے لوگ دین کے ان غازیوں کے چہروں پر اسلام کی حقانیت محسوس کرتے چلے گئے اور دامن اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ میں شدھی سنگھٹن والوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کہاں ہیں تمہارے وہ جنتر منتر پڑھنے والے یوگی اور جوگی جو جادوگری، اور مال ودولت کا لالچ دے کر مسلمانوں کا دین وایمان چھین رہے تھے، یہاں

دیکھو نہ کوئی زور ہے نہ زبردستی، لوگ صرف چہروں کی رنگت میں حق کا اُجالا پا کر کلمہ پڑھ رہے ہیں، توبہ کر رہے ہیں، دین اسلام کی پُرنور تعلیم ان کے دلوں میں گھر کرتی چلی جا رہی ہے، یہ بھی یاد رکھیں کہ خدائی نصرت و حمایت صرف دین اسلام کو حاصل ہے۔

سلطان پورہ کے بابو محمد شاب خاں کا دینی جذبہ:

اے یوگیوں! اے جوگیوں! تمہارے بجرنگیوں اور آریہ سماجیوں کی پھیلائی ہوئی گمراہیت کا جواب ہمارے علما و مشائخ نے ڈرانے، لالچ دینے، سے نہیں دیا بلکہ انہوں نے نیم مسلمانوں کے سامنے اسلامی اخلاق کا ایسا مظاہرہ کیا کہ وہ خود بخود ہی اسلام کو اچھی طرح سمجھ گئے اور تمہارے کرتوتوں کا جواب انہوں نے اپنے کردار و عمل سے پیش کر دیا، تم نے تو روپے دے کر ان کا دین و ایمان لوٹا تھا، مگر یہ دیکھئے سلطان پورہ ضلع آگرہ کا واقعہ ہے جہاں کے چشم دید گواہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ خود ہیں، وہ بیان کرتے ہیں: ہمارا وفد اسلام موضع سلطان پورہ، جو آگرہ سے متصل ہے پہونچا اور وہاں کے راجپوتوں سے ملاقات کی، یہ لوگ شائستہ، تعلیم یافتہ اور قابل ہیں، اسلامی ہمدردی و حمیت رکھتے ہیں، ہم نے اپنا دردِ دل کہا اور ان سے استدعا کی کہ آپ ہمارے وفد میں شامل ہو کر اپنے رشتہ داروں اور برادروں کی دستگیری کے لئے چلئے، اللہ کا شکر ہے کہ ان میں سے بعض صاحبوں نے وعدہ کیا، ان شاء اللہ کل ہمارا وفد کھڑوالی جائے گا" [مرجع سابق، ص:۲۲۲]

جماعت رضائے مصطفی بریلی کے نائب ناظم مولانا سید ایوب علی رضوی بیان کرتے ہیں: جناب بابو محمد شاب خاں صاحب اپنی کافی جماعت لے کر دیہات میں دورے کیا کرتے تھے، (مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ان کا ایک الگ وفد تشکیل دے دیا تھا) وہ اپنے برادرانہ تعلقات، اور ذاتی وجاہت و اثر سے وفد کو بڑی امداد پہنچاتے رہے، اگر کہیں ناکامی کی صورت نظر آتی تو شب میں روتے اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کیا کرتے، فضلِ الٰہی سے صبح کو نقشہ بدل جاتا تھا، اس وفد کی نقل و حرکت نے سرزمینِ ارتداد میں ایک جنبش پیدا کر دی اور جہاں یہ وفد پہنچتا قرب و جوار کے دیہات کے کثیر التعداد مسلم راجپوت اس سے آملتے، اور اسلامی محبت کی آغوش میں آ کر دو بچھڑے ہوئے بھائیوں کی طرح نہایت شوق سے بغل گیر ہوتے" [مرجع سابق، ص:۲۲۴]

سلطان پورہ کے مسلمانوں میں جناب محمد شاب خاں، رمضان خاں، عبدالحمید خاں، بابو عنایت اللہ خاں، ماسٹر عبدالغفور خاں، مرزا محبوب علی بیگ، عبدالمجید خاں قابل ذکر ہیں جو ہر وقت وفد اسلام کے ساتھ رہے، کئی گاؤں اور علاقوں کا تبلیغی دورہ کیا۔ شیر بیشۂ اہل سنت علامہ حشمت علی خاں رضوی لکھنوی علیہ الرحمہ، شاب خاں کے متعلق بیان

کرتے ہیں: آپ کا دردِ اسلام اور مذہبی حمیت یہ ہے کہ آپ ہم غریبوں کے ساتھ اسٹیشن سے پیادہ چلے، علما کی وہ تعظیم کی جو ایک مخلص عقیدت مند کو کرنی چاہئے آپ کے قابلِ قدر مخلصانہ جذبات سے وفدِ اسلام کو اپنے مقصد میں بڑی کامیابی ملی، اور آپ کے اثر سے ہم کو اپنے مقاصد میں بہت کچھ فائدہ پہنچا" [مرجع سابق، ص:۲۲۶، حاشیہ]

سلطان پورہ سے قریب ایک گاؤں کھڑوائی پڑتا ہے یہاں کی حالت بھی افسوسناک تھی لیکن اسلامی وفد کی تعلیم و تربیت سے بہت جلد وہاں کے حالات خوشگوار ہو گئے۔ شیر بیشۂ اہل سنت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: موضع کھڑوائی کے مسلم بے خبر راجپوتوں کو جمع کر کے وفدِ اسلام نے ان کو اسلام کی تعلیمات بتائیں اور تقریریں کیں، وفدِ اسلام کی مؤثر اور جادو بھری تقریر نے ان لوگوں کے باطل اعتقادات، جو ان کے دلوں میں رسوخ واستحکام سے جمے ہوئے تھے، متزلزل کر ڈالے، ان کے شبہات دور کئے ان کے سارے اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے اور ان کو بتایا کہ تم لوگ اسلام کے دشمن کے پنجے میں آگئے ہو، سچا مذہب صرف اسلام ہے باقی سب باطل ہیں۔ ان راجپوت سنگ دلوں نے نماز پڑھنے کا اقرار کیا یہ وفدِ اسلام کی بہت بڑی کامیابی تھی، مسلم راجپوتوں کو داڑھیاں بڑھانے، چوٹیاں کٹوانے، نام بدلوانے پر بھی نیم راضی کر لیا اسلامی کشش نے ان کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ایک مسلم راجپوت نواب علی خاں تھا اس کے سر پر چوٹی تھی جسے مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے خود قینچی سے کاٹا اور اسے تجدید ایمان کروایا، دوسرا شخص جس کا نام برہما تھا مفتی اعظم ہند نے اس کی بھی چوٹی کاٹی اور اس کا نام رحمت علی خان رکھا" [مرجع سابق، ص:۲۲۸]

نورانی قافلہ آگرہ کی شاہی جامع مسجد میں: آگرہ ہی آریہ سماج والوں کا ہیڈ کوارٹر تھا یہیں سے فتنۂ ارتداد کی آگ بھڑکائی جاتی تھی، اسی وجہ سے وفدِ اسلام نے آگرہ کو اپنا مرکزِ اسلام بنایا اور وفود کی شکل میں تبلیغی دورے یہیں سے دیہات وقصبات میں بھیجے جاتے تھے۔ ۲۴، فروری ۱۹۲۳ء کو جمعہ کے دن اسلامی وفد آگرہ کی شاہی جامع مسجد میں پہونچا، شاہی جامع مسجد کے امام وخطیب مولانا ضیاء الاسلام نے وفدِ اسلام کے ساتھ ہمدردی کا اظہار فرمایا اور تبلیغی مشن میں شامل ہو گئے۔ صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے دین اسلام کی حقانیت کے متعلق خطاب فرمایا۔ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ہمارا وفد جامع مسجد پہونچا جہاں مسلمانوں کا بڑا مجمع تھا، نماز جمعہ کے بعد ہمارے وفد کے بہترین رکن حضرت مولانا المحترم مولوی محمد نعیم الدین صاحب زیدت برکاتہٗ نے اسلام کی شان وشوکت اور موجودہ حالت پر دل گداز تقریر فرمائی، اللہ کے فضل سے مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا، اور مسلمانوں کے دل اسلامی جوش سے لہریں مار رہے تھے۔ اس موقع پر مولانا نے داڑھیاں منڈوانے، اور کبائر میں مبتلا ہونے سے توبہ کروائی، مسجد کا وسیع صحن توبہ کے نعروں سے گونج اٹھا"

[مرجع سابق، ص:۲۲۳]

خاص آگرہ کو مرکز بنا کر یہاں سے وفدِ اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، ایک میں مولانا رحم الٰہی منگلوری، مولانا حشمت علی رضوی لکھنوی، مولانا شفاء الرحمن مظفر پوری تھے، جب کہ دوسرے میں بقیہ حضرات شامل

تھے۔ پھر مختلف گاؤں میں وفود بھیجے گئے جن کے نام اس طرح ہیں۔ کھتینا، نوبستہ، فتحپورہ، موضع رائے بھا، موضع سیکچہ وغیرہم۔ موضع کھتینا میں مسلم راجپوتوں کے مشورے سے ''انجمن مسلم راجپوت'' کی بتاریخ ۲۳، جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ بنیاد ڈالی گئی۔

موضع نوبستہ میں وفد اسلام کو بڑی کامیابی ملی، ایک بڑے مجمع نے توبہ کی، ان کی دینی تعلیم کا انتظام کیا گیا، نماز و طہارت کے ضروری مسائل سکھائے گئے، عورتوں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا اور یہ بھی اہتمام کیا گیا کہ روزانہ فجر یا عشا کی نماز کے بعد مسجد کے امام صاحب دینیات کی تعلیم دیں۔ پھر تو لوگ روزانہ دفتر جماعت رضائے مصطفی میں مسائل و احکام دریافت کرنے آنے لگے۔

موضع فتحپورہ کے کامیاب دورے کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد الوری لکھتے ہیں: بحمد اللہ! ہمارا وفد راجپوت علاقوں میں سرگرم سعی ہے، اشاعت تبلیغ کی اہم مصروفیتوں میں اتنا وقت نہیں مل سکا کہ حالات کی اطلاع دی جاسکتی، اس لئے آج ایک عرصہ کے بعد اطلاع دی جارہی ہے، حالات ایسے اضطراب انگیز ہیں کہ کوئی وقت فرصت واطمینان کا نہیں ملتا، جہاں کام کیا جاتا ہے وہاں کے مہمات شبانہ روز کی مصروفیت چاہتے ہیں، مزید برآں ہر طرف دم بدم وحشت انگیز خبریں پہونچی ہیں، اور آریہ لیکچرار جا بجا پھر رہے ہیں انہوں نے یہاں کے راجپوتوں میں ایک عجیب خلفشار پیدا کر دیا ہے۔

موضع فتحپورہ شہر آگرہ سے کافی دور کے فاصلے پر واقع ہے، فتحپورہ کی حالت بڑی نازک تھی، جب یہ اطلاع ملی کہ موضع فتحپورہ کو تحریک شدھی نے گھیر لیا ہے، فوراً ایک وفد تشکیل کر کے وہاں بھیج دیا گیا، وفد اسلام جماعت رضائے مصطفی کے پہونچنے پر شدھی آریوں میں کھلبلی مچ گئی، فتحپورہ کے کچھ مسلمانوں کو جمع کر کے اسلام کی حقانیت وصداقت کا ایک مختصر سا بیان دیا، پھر تو راجپوتوں کی کشش وفد اسلام کی طرف ہوگئی، وفد اسلام کے رکن اور مناظر مولانا غلام قطب الدین برہمچاری، جو آریہ اور ہندو مذہب سے کافی واقفیت رکھتے تھے اور سنسکرت زبان پر عبور تھا اور راجپوتوں کی زبان معمولی روزمرہ کی بولی جانتے تھے، انہوں نے انہی کی زبان میں سمجھایا اس کا فتحپورہ کے لوگوں پر بڑا اچھا اثر ہوا، ان کے طبائع بہت جلد مانوس ہو گئے'' [مرجع سابق، ص:۲۳۹]

موضع سیکچہ اور موضع رائے بھیا کے حالات کے متعلق مولانا ابوالبرکات سید احمد الوری بیان فرماتے ہیں: الحمد للہ! عجیب منظر تھا کہ جب مسجد میں خدا کے بندے اس کی یاد کے طریقے سیکھ رہے تھے اور ان کو نماز تلقین کی جارہی تھی، اسی سلسلہ میں موضع اکرن کا ایک نوجوان شخص جس نے اول شرماتے ہوئے لہجہ میں انکار کیا لیکن آخر میں وہ بھی ہمارے ساتھ اتنا مانوس ہوا کہ اس نے خود اپنی چوٹی کاٹی غسل کیا اور نماز پڑھی وہ واپسی پر ہمارے ساتھ آیا اور نہایت شوق سے نماز سیکھتا رہا اس کو ہندی رسم خط کی نماز کی کتاب دی گئی، اللہ تعالیٰ ان صاحبوں کو ملت حقہ پر قائم رکھے'' [مرجع سابق، ص:۲۴۱]

ضلع متھرا کے تبلیغی دورے اور ان کے اثرات: آریہ سماج اپنی پوری توانائی کے ساتھ سرگرم عمل تھا، چاہتا تھا کہ مسلمان مرتد ہو کر دین اسلام کو چھوڑ دیں، لیکن خداوند قدوس

نے مٹھی بھر اپنے مخلص بندوں کے ذریعہ لاکھوں لوگوں کو مرتد و بے دین ہونے سے بچالیا۔ جس کی کچھ تفصیلات آپ نے ملاحظہ کی ہیں، اب آپ کے سامنے ضلع متھرا کے حالات پیش کئے جاتے ہیں، ضلع متھرا کے اِن موضعات کے تبلیغی دورے کئے گئے۔ بڑاولی، بندرابن، گورا، نوح گاؤں، موضع سمیری، موضع اوندی، موضع پچھیلا تھوک، موضع اسپار، موضع آنور۔

مولانا شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں: وفد اسلام جماعت رضائے مصطفی نے ضلع آگرہ کو اپنی ذیلی تنظیموں کے حوالے کرتے ہوئے ضلع متھرا کا رخ کیا، متھرا کے قرب وجوار اور دیگر مواضع میں آریوں نے شدھی کا کام برابر جاری رکھا تھا، یہاں بھی ویسی حالت تھی جیسی کہ آپ نے ضلع آگرہ اور قصبات کے حالات پڑھے۔ ۱۰، شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ ضلع متھرا کے ایک گاؤں بڑاولی جو تحصیل جھاتا میں لگتا ہے وہاں وفد اسلام پہونچا تھا۔

مولانا سید ایوب علی رضوی بیان کرتے ہیں: ہمارے مبلغین نے جا بجا دیہات اور علاقۂ انتداد میں آریوں سے ان کے مذہب کی حقانیت کا مطالبہ کیا، جس کا بفضلہٖ تعالیٰ یہ اثر ہوا کہ نادان راجپوتوں کی بھولی جماعتیں سر اٹھا کر منتظرانہ دیکھنے لگیں، کہ کون حق پر ہے؟ کون باطل پر؟ اور جب آریوں نے مناظرے سے اعراض اور پہلو تہی کی یا بعض مقامات پر ان سے مباحثے ہوئے اور تابِ جواب نہ لا سکے۔ تو سبھائیں کی سبھائیں اور مجلسیں کی مجلسیں صدہا آدمیوں کی جماعتیں جو مرتد ہونے کے لئے تیار تھیں، پیچھے ہٹ گئیں اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ پنڈت جی! اگر آپ میں سچائی ہوتی تو آپ کچھ مولوی صاحب کے سامنے جم سکتے۔ اس طرح فضلِ الٰہی سے ہزار ہا ہزار اشخاص ارتداد سے محفوظ رہے'' [مرجع سابق، ص: ۲۵۱]

ایک ضعیف العمر کی استقامت: وفد اسلام کے دورے کے دوران پچھیلا گاؤں میں ایک ضعیف العمر راجپوت کی استقامت اس وقت سامنے آئے جب وفد اسلام کی نصیحت بھری تقریریں ہو رہی تھیں۔ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ضعیف العمر راجپوت گھنشام خاں ہے اس کا دل درد سے بھر آیا اور ہمارے وفد کی تقریریں سن کر روتا جاتا تھا اور کہتا تھا: کہ اگر خدا نہ کرے تمام گاؤں آریہ یا ہندو ہو جائے تو بھی میں اپنے دین پر قائم رہوں گا اور اسلام ہی پر مروں گا، چاہے یہ لوگ مجھے کتنی ہی تکلیف پہونچائیں، چاہے مجھے گاؤں ہی چھوڑنا پڑے، اس ضعیف کی ہمت جواں تھی اور استقامت قابلِ تعریف'' [مرجع سابق، ص: ۲۵۴]

صدر الافاضل کا شردھانند کو مناظرہ کا چیلنج: حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے شدھی تحریک کے انسداد میں زبردست کردار ادا کیا۔ فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ساتھ جن علما و مشائخ نے پورا پورا حق ادا کیا ان میں صدر الافاضل کا نام نمایاں ہے۔ آپ بریلی سے آگرہ، آگرہ سے متھرا ہر جگہ مفتی اعظم ہند کے ساتھ ساتھ رہے، کسی جگہ بھی الگ نہ ہوئے۔ آپ نے شردھانند کو مناظرہ کا چیلنج بھی دیا لیکن وہ کب قبول کرنے والا تھا، بلکہ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ جہاں جہاں صدر الافاضل نے اسے چیلنج مناظرہ دیا وہاں سے وہ دُم دبا کر بھاگتا ہوا نظر آیا۔ کئی جگہوں پر آپ نے اس کا پیچھا بھی

کیا لیکن اس نے، ہر جگہ راہِ فرار اختیار کی، کسی جگہ بھی وہ آپ کے سامنے نہ آسکا۔ جب اسے خبر ملتی کہ فلاں گاؤں میں مولانا مرادآبادی آئے ہوئے ہیں تو وہ اپنا پروگرام منسوخ کر دیتا تھا، اس کا زبردست یہ فائدہ ہوا کہ ہزاروں لوگ جو مرتد ہونے کا ارادہ رکھتے تھے وہ اچھی طرح جان گئے کہ آریہ مذہب باطل ہے اور اسلام مذہب ہی حق ہے۔

حق و باطل کا فیصلہ آگ کرے گی: مولانا شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں: وفد اسلام جماعت رضائے مصطفی کے مناظر و مبلغ، مناظر اعظم مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، مولانا مصطفی رضا بریلوی کے ساتھ تبلیغی دوروں پر موضع آنور تحصیل گوہردھن ضلع متھرا پہنچے، آنور پہنچنے کے لئے وفد پاپیادہ سمبری پہنچا اور سمبری سے سواری پر آنور کے لئے روانہ ہوئے، کچھ دور پیدل چلنا پڑا۔ پہنچنے پر یہ معلوم ہوا کہ آج اور کل شدھی سبھا ہونے والی ہے اور اس میں کچھ مسلم راجپوت اشدھی ہوں گے۔ موضع آنور میں آریہ نے اپنا پنجہ جما کر اثر ڈال لیا تھا، یہاں تک کہ راجپوت ان کے دامِ تزویر میں آچکے تھے، اور آریہ کا جادو یہاں تک اثر کر گیا تھا کہ وہ مسلم راجپوت وفد اسلام کی صورت سے نفرت کرتے تھے۔ دس آریہ موجود تھے اور اپنے خیالات کی تشہیر سے تمام گاؤں والوں کو مرتد ہونے پر آمادہ کر لیا تھا۔ وفد اسلام کے علما سے ان آریوں نے بے روئی سے یہ کہا: کہ آپ کا سمجھانا بیکار ہے‘‘۔۔۔ وفد اسلام نے نفسیات کو سمجھتے ہوئے یہ جان لیا کہ ان سے کوئی چیز یہ باتیں کہلا رہی ہے۔ اس لئے وفد اسلام بددِل نہ ہوا، بلکہ یہ کہا: کہ ہم اپنے بھائیوں سے صرف ملنا چاہتے ہیں، وفد اسلام نے ان سے نہایت تواضع وانکساری، ملاطفت و نرمی کے ساتھ چند باتیں سن لینے کی استدعا کی۔۔۔ بقول حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ: جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ ہماری تقریر سننے پر کچھ تو رُکتے ہوئے آمادہ ہو گئے، مگر تقریر شروع ہو جانے کے بعد ان کے قلوب میں گرویدگی پیدا ہو گئی۔ اور انھوں نے ہمارے وفد کی تعلیم سے اثر لینا شروع کیا۔ آریوں کی کوشش اس میں مانع نہ ہوئی‘‘

وفد اسلام جماعت رضائے مصطفی کے قیام کے دوران دوسرے دن پنڈت شردھانند ریاست بھرت پور کی گاڑی پر بہت شان وشوکت کے ساتھ پہونچا، ان کو آنے کے بعد معلوم ہوا کہ وفد اسلام بھی پہونچا ہوا ہے۔ شردھانند کے ساتھ میں آریہ اور سکھ بندوقیں، تلواریں اور لاٹھیاں لئے موجود تھے، اس خطرناک مہم اور موہوم فضا میں بھی مولانا حشمت علی لکھنوی نے شردھانند سے مناظرہ کا چیلنج کر دیا، ان کا چیلنج کرنا تھا کہ تمام اسلحہ حرکت میں آگئے، مگر کسی کی ذراسی جرأت وہمت نہ ہوسکی کہ وفد اسلام کے مختصر سے قافلے پر حملہ کر دے، وفد اسلام اس وقت اللہ کی حفاظت میں تھا، اور فرشتے اس کی نگہبانی کر رہے تھے۔ مولانا حشمت علی کے چیلنج مناظرہ پر شردھانند نے انکار کر دیا۔ اس وقت مولانا لکھنوی جذباتِ اسلامی میں نہ سما سکے اور اسلامی جوش نے یہ کہلوا دیا۔ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مولانا کے اسلامی جوش کی یہ کیفیت ہوئی کہ انھوں نے ایک شخص کی معرفت یہ پیغام بھیجا کہ ایک گڈھا کھدوا کر اس میں آگ جلوائی جائے اور ہم اور آپ ہاتھ میں ہاتھ لے کر اس آگ میں کود پڑیں، تو دنیا حق و باطل اور صادق وکاذب کا فرق دیکھ لے گی، اور ان شاء اللہ العزیز حق ظاہر ہو جائے گا، پنڈت جی نے اس سے بھی انکار کر دیا، لیکن موضع کے راجپوتوں نے اس سے بہت بڑا اثر لیا حتیٰ کہ سب آریہ سے محفوظ ہو گئے‘‘

[تاریخ جماعت رضائے مصطفی، ص: ۲۵۴، ۲۵۵]

اس طرح اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا قدس سرہٗ کے

پروردہ و فیض یافتہ مفتی اعظم ہند، صدر الافاضل، شیر بیشۂ اہل سنت علیہم الرحمہ نے آریوں کے ناپاک عزائم خاک میں ملا کر رکھ دیئے اور لاکھوں مسلمانوں کا دین وایمان بچالیا، لاکھوں دلوں میں عشق مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چمک پیدا کردی، دین اسلام کی نورانی تعلیم سے ان کے ظاہر و باطن کو روشن کردیا، ظلمت کدۂ کفر وشرک کو ایمان کی نورانیت سے جگمگادیا، درحقیقت یہ نورانی قافلہ جدھر نکل جاتا اسلام کا اُجالا پھیل جاتا اور دشمنانِ اسلام خائب وخاسر ہوکر رہ جاتے، اللہ تعالیٰ نے مرکز اہل سنت بریلی شریف کے ان علما ومشائخ وسادات کو باطنی کمالات کے ساتھ حسنِ ظاہری سے بھی خوب نوازا تھا کہ ان کے چہرے ہی حقانیت کی بہت بڑی دلیل تھے۔

دس ضلعوں میں آریوں نے اپنے پاؤں پھیلا رکھے تھے لیکن یہ اللہ کے نیک ومخلص بندے بغیر کسی لاؤلشکر کے تن تنہا میدان ارتداد میں کود گئے، اور جگہ جگہ ان ناپاکوں سے مقابلے کئے، مدارس ومکاتب کا بھی انتظام کیا، مبلغین ومدرسین بھی بھیجے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اپنی نصرت وحمایت سے نوازا۔ قصبہ نوح کے حالات میں لکھا ہے کہ وہاں کے لوگوں نے وفد اسلام کی تعلیم وتربیت سے اتنا اثر لیا کہ وہاں کے راجپوتوں نے اپنے مقامی تھانہ میں یہ رپٹ درج کرادی: ہم مسلمان ہیں، مسلمان ہی رہنا چاہتے ہیں، آریہ اکثر ہمیں بہکاتے ہیں اور دین اسلام کی توہین کرتے ہیں، ہمیں اندیشہ ہے کہ آریوں کے سبب سے فساد نہ ہوجائے، اس لئے گورنمنٹ اس کا معقول انتظام کردے“ [تاریخ جماعت رضائے مصطفی، ص:۲۶۰]

مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں: امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال:۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء) کی قائم کردہ تنظیم ”جماعت رضائے مصطفی“، (تشکیل:۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء) اور علمائے اہل سنت نے شُدّھی تحریک کے مقابلے میں بڑا ہی گراں قدر واہم کردار ادا کیا۔ صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضوی، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری برکاتی بریلوی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا قادری بریلوی، مولانا مختار احمد صدیقی میرٹھی، مولانا ابوالبرکات سید احمد الوری ثم لاہوری، شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی لکھنوی وغیرہم کی خدمات اور شُدّھی مخالف تبلیغی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔

شُدّھی تحریک کے زہریلے جراثیم اور خطرناک مفاسد کے ازالہ کے سلسلے میں ملکانہ یعنی آگرہ ومتھرہ وبھرت پور والور وغیرہ میں جماعت رضائے مصطفی بریلی کی مساعی جمیلہ کو حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسمٰعیل حسن عرف شاہ جی میاں قادری برکاتی مارہروی (وصال:۱۳۴۷ھ) کی خصوصی سرپرستی کے علاوہ اس وقت (۱۹۲۳ء) کی دو عظیم المرتبت شخصیتوں اور مقبول عوام وخواص بزرگوں (۱) امیر ملت سید جماعت علی شاہ، محدث علی پوری سیالکوٹی (وصال:۱۳۷۰ھ ۱۹۵۱ء) اور شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (وصال:۱۳۵۵ھ ۱۹۳۶ء) کی مکمل روحانی وعملی تائید وحمایت اور سرپرستی حاصل تھی، جن کے وفود اور مبلغین نے جماعت رضائے مصطفی بریلی کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ملکانہ راجپوتوں کے علاقوں میں قریہ قریہ گھوم کر اور اپنی جان جوکھم میں ڈال کر ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو ارتداد سے محفوظ رکھا اور ہزاروں وہ مسلمان جو ارتداد کو شکار ہو چکے تھے، انھیں دوبارہ کلمہ پڑھا مشرف باسلام کیا۔

علمائے بدایوں میں مولانا عبدالماجد قادری بدایونی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور عبدالصمد مقتدری بدایونی تحریک ارتداد کے خلاف میدانِ عمل میں سرگرم رہے اور تحفظ ودفاع اسلام کی

مخلصانہ خدمت انجام دی'' [علمائے اہل سنت کی بصیرت وقیادت ص:۳۳۰، ۳۳۱، مجلس فکر رضا لدھیانہ پنجاب ۲۰۱۲]

المختصر شدھی تحریک کے انسداد میں مفتی اعظم ہند کا خون جگر، حجۃ الاسلام کی حکمتِ عملی، صدر الافاضل کی سحر انگیر خطابت، محدث اعظم ہند کی نکتہ آفرینی، شیر بیشۂ اہل سنت کی متکلمانہ گفتگو، پیر سید جماعت علی شاہ کی نکات بیانی، صدر الشریعہ کی حکمت وبصیرت، سید شاہ علی حسین اشرفی کا حسن بے نظیر، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا سید دیدار علی الوری، مولانا رحم الٰہی، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا عبد الصمد بدایونی، مولانا شفاء الرحمٰن مظفر پوری، مولانا ابو البرکات سید احمد الوری، مولانا قطب الدین برہمچاری، مولانا سیف الرحمٰن رکن انجمن نعمانیہ لاہوری، مولانا عبد الرحمٰن لاہوری، قاضی محمد احسان الحق نعیمی، مولانا وحید الدین احراری غازی پوری، مولانا مولوی چودھری عبد الحمید خاں وغیرہم علما ومشائخ کی زبردست تبلیغی ودعوتی خدماتِ جلیلہ کے علاوہ علاقائی وصوبائی اہل ثروت حضرات کی بے لوث قربانیاں بھی شامل ہیں جنہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

موجودہ حالات کے تناظر میں آج پھر کسی مفتی اعظم ہند کی ملت اسلامیہ کو سخت ضرورت ہے جو سنگین حالات میں اہل سنت وجماعت کے قافلے کو ایک ساتھ لے کر چلنے کا جذبہ رکھتا ہو، بلاشبہ یہ علمائے بریلی ہی کا جگر تھا جو بے خوف وخطر میدان ارتداد میں کود کر اسلام کی پاسبانی کر گئے اور اللہ کے اس پیارے دین کی حفاظت فرما کر لاکھوں انسانوں کو دین پر مر مٹنے کا جذبہ عطا فرمایا، جس کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ کی۔ اللہ تعالیٰ مرکز اہل سنت بریلی شریف کی مرکزیت کو صد اسلامت رکھے اور وہاں سے مجددِ اعظم، اعلیٰ حضرت سیدنا الشاہ امام احمد رضا قادری برکاتی محدِّث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی علمی ودینی امانتوں کے امین جلوہ ہوگر اہل سنت وجماعت کی ترجمانی وپاسبانی کرتے رہیں جس طرح امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت سے لے کر حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ تک کی گئی۔

❀❀❀

باب چہارم

مرکز اہل سنت کے تربیت یافتہ علما و مشائخ

استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی قدس سرہ

ڈاکٹر مفتی امجد رضا امجد
قاضی شریعت مرکزی ادارۂ شرعیہ، بہار، پٹنہ

ہندوستان کے ادبی، علمی اور ثقافتی افق پر بہت سے نجوم وکواکب مہر درخشاں بن کر چمکے جن کی تابناک کرنوں نے علم وادب کے ہر گوشے کو منور کیا اور جن کی ہستیاں اور عبقری شخصیتیں علم وادب اور ثقافت کی آج بھی زندہ جاوید علامت ہیں۔

حضرت استاذ زمن علیہ الرحمہ بھی اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، صاحب طرز ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ نے ادبی اور مذہبی دونوں خدمات انجام دیں لیکن مذہبی خدمات زیادہ غالب رہیں جس کے باعث آپ کی ادبی شخصیت دب کر رہ گئی۔ بحیثیت ادیب آپ نے زبان وبیان اور علم وادب کی جو نثری خدمات انجام دی ہیں وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

آج کی دنیا استاذ زمن حضرت حسن بریلوی کو صرف ایک کہنہ مشق اور ماہر فن شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک جید عالم بھی تھے۔ ان کی تحقیقی صلاحیت عالمانہ وقار اور ناقدانہ بصیرت بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ مگر اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ ان کی شخصیت پر پردہ خفا کی اتنی دبیز چادر پڑ گئی ہے جس کی نقاب کشائی اہل علم کیلئے ایک چیلنج ہے۔ حالانکہ انہوں نے اپنی حیات ظاہری میں زبان وادب اور قوم وملت کیلئے عظیم قربانیاں دی ہیں۔ تاحین حیات کبھی بھی اپنے قلم اور اپنی زبان کو زنگ آلود نہ ہونے دیا اور نہ کبھی ان کے ذہن وفکر اور فہم وتدبر پر جمود طاری ہوا۔

مسلسل تگ ودو، دوڑ دھوپ اور مشین کی طرح محنت ومشقت کے بعد حضرت استاذ زمن کے بعض تحقیقی مقالے، تنقیدی مضامین، ادبی آرٹیکلس اور تصنیفی جواہر پارے مختلف مقامات سے حاصل کر سکا۔ مگر بیشتر کتابیں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قبلہ قادری رفاقتی کی ذاتی لائبریری سے دستیاب ہوئیں اور موصوف نے بہ خوشی اپنی کتابیں مطالعہ کیلئے عنایت کیں۔ (علیہ الرحمہ)

آپ کی جملہ تصانیف کا علم تو نہ ہو سکا مگر جناب نظیر لدھیانوی صاحب کی کتاب ''شعر حسن'' مطبوعہ لاہور کی تقدیم میں حضرت میر احمد چشتی نے استاذ زمن کی تصنیفات کی اس طرح وضاحت کی ہے۔

تزک مرتضوی، نگارستان، لطافت، بے موقع فریاد کا مہذب جواب، آئینہ قیامت، دین حسن، وسائل بخشش مثنوی ذوق نعت، ثمر فصاحت، قند فارسی کلام، صمصام حسن، بردابر فتن، ندوہ کی روداد سوم کا نتیجہ۔

مگر مجھے حضرت مفتی محمود صاحب کی ذاتی لائبریری میں

ایک اور کتاب بنام ''سوالات حق نما'' دستیاب ہوئی اور علامہ ڈاکٹر حسن رضا خاں پی ایچ ڈی پٹنہ کی مایہ ناز تصنیف ''فقیہ اسلام'' میں ایک اور کتاب ''ساغر پر کیف'' کا تذکرہ ملا جس سے اس امکان کو تقویت ملتی ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی تصنیفات ہیں جس سے لوگ واقف نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے بعض حضرات نے ایک ہی کتاب کو دو نام سے شمار کر دیا ہو۔ مگر مجھے چونکہ ان کی جملہ تصنیفات دستیاب نہیں ہوسکیں اس لیے یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔

اب جستہ جستہ استاذ زمن کی بعض کتابوں اور ادبی مضامین کے اقتباسات ملاحظہ کریں۔ بعض بعض جگہ میں نے بڑے طویل اقتباسات نقل کر دیئے ہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کی تحریریں مدفون خزینہ سے کم نہیں جس کا حصول یقینا نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ چند اقتباسات کے ذریعہ اگر ہم اس دفینہ کا پتہ لگا لیتے ہیں تو پھر اس کا حصول جذبہ صادق کیلئے یقینا آسان ہو جائے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے مضامین میں جملوں کا ارتباط اس حد تک ہے کہ اس کو درمیان سے قطع کرنا گویا اس کی افادیت واہمیت کو مجروح کرنا ہے۔ جب ان کے کسی اقتباسات سے ان کی نظریات کا سراغ ہی نہ مل سکے تو پھر کاغذ سیاہ کرنے سے فائدہ ہی کیا؟ میں نے نقل اقتباسات میں اس امر کا بہر حال خیال رکھا ہے کہ قائین ان کے نظریات سے آگاہ ہو جائیں۔

استاذ زمن کا عربی خطبہ: استاذ زمن نے خدمت دین متین اور احقاق مذہب حقہ کیلئے بہت سارے جتن کیے۔ ہزار ہا مشکلات درپیش آئیں۔ مگر تمام مشکلات ومصائب کا ہنستے کھیلتے مقابلہ کیا۔ آپ کا ذہن اور آپ کی فہم وتدبر ہمیشہ انہی صالح اور پاکیزہ مشن کے فروغ کیلئے کوشاں رہتی۔ ان ہی صالح جذبات کے تحت آپ نے ایک ماہنامہ رسالہ ''قہر الدیان'' کا بھی اجراء کیا تھا جس کا پہلا شمارہ جو ''ہدایت نوری'' کے نام سے موسوم ہے آپ کی اسی ذہنیت کی مشیر اور اسی تحریک کی آئینہ دار ہے۔

آپ نے اس رسالہ میں ایک عربی خطبہ لکھا ہے جس کے مطالعہ سے عربی ادب پر آپ کی گرفت اور صلاحیت وقابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ زبان بہت سلیس اور سہل استعمال ہوئی ہے مگر وہ درحقیقت معنویت اور ادبیت کا سرچشمہ ہے۔ جس میں برائت استہلال کی ندرت اپنے جوبن پر نظر آتی ہے۔ تراکیب الفاظ جملوں کا ارتباط اور پھر مقفی عبارتوں کی تزئین کاری نے اسے عربی کا نادر نمونہ بنا دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

الحمدلله وکفی، و سمع الله لمن دعا، لیس وراء الله منتھیٰ، اربی لطیف لمن یشاء صلوات العلی الاعلیٰ وتسلیماته المنزه علی الانتھا وبرکاته التی تدمی وتمنی علیٰ خاتم النبیین جمیعا فمن تذباء بعده تاما او ناقصا فقد کفر وغویٰ الله اکبر علیٰ من عات وعتا ومرد وعصیٰ وفی ھوة ھواه ھویٰ۔ اللھم اجرنا من ان نذل ونخزیٰ او نزل ونشقیٰ۔ ربنا انصرنا بنصرک علیٰ من طغیٰ وبغیٰ و ضل واضل عن سبیل الاھتدا وصل علی المولیٰ واله و صحبه ابدا ابدا واشھد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له احدا صمدا وان محمدا عبده ورسوله بالحق ودین الھدیٰ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وعلیٰ اله وصحبه دائما سرمدا۔/3.

ماہنامہ قہر الدیان اور استاذ زمن کا اداریہ:

ماہنامہ قہر الدیان جس کے خود آپ ہی مدیر تھے۔ ایسے وقت میں جاری ہوا جب کہ قادیانیت اور مرزائیت اپنے بال و پر پھیلا رہی تھی اور اس کے مکروہ وگھنونے افکار ونظریات ہندوستان کے طول وعرض میں پھیل رہے تھے۔ یقیناً آپ کا یہ جرأت مندانہ اقدام حالات ومقتضیات کے عین مطابق تھا۔

قہر الدیان کا پہلا شمارہ میری نظروں کے سامنے ہے جس کا اداریہ بھی ان رنگ وروغن سے ملمع ہے جو اس کی اشاعت کے محرکات ہیں

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد
مہلتے بایست تاخوں شیر شد

اللہ عزوجل اپنے دین کا ناصر اپنے بندوں کا کفیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ رسالہ ماہواری رد قادیانی کی ابتدا حکمت الٰہیہ نے اس وقت رکھی تھی کہ یہاں تو چار جاہلان محض اس کے مرید آتے۔ مسلمانوں نے حسب حکم شرع شریف ان کے میل جول، ارتباط سلام وکلام میں اختلاف یکلخت ترک کر دیا۔ دین میں فساد مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والوں نے یہ العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر چکھا۔ مسلمانوں پر حملے میں اپنی چلتی کوئی گئی نہ کی۔ بس نہ چلا تو متواتر عرضیاں دیں کہ ہمارا پانی بند ہے۔ ہم پر زندگی تلخ ہے۔ بیدار مغز حکومت ایسی لغویات کو کب سنتی ہر بار جواب ملا کہ مذہبی امور میں دست اندازی نہ ہوگی۔ سامان آپ اپنا انتظام کر لیں۔ آخر بحکم آنکہ

دست بگیر و سر شمشیر تیز

ایک بے قید پرچے روہیل کھنڈ گزٹ میں اشتہار چھپایا کہ عمائد شہر اگر علماء سے مناظرہ کرائیں اور وہ بھی اس شرط پر کہ دونوں طرف سے خود ہی منتظم رہیں تو ہمیں اطلاع دیں کہ ہم بھی اپنے مرزائی ملاؤں کو بلا لیں اور اس میں علماء اہل سنت کی شان میں کوئی دقیقہ بدزبانی واکاذیب وبہتانی وکلمات شیطانی کا اٹھا نہ رکھا۔ یہ حرکت نہ فقط ان بے علم بے فہم مرزائیوں بلکہ بعونہ تعالیٰ خود مرزا کے حق میں کالباعث عن حتفہ بظلفہ سے کم نہ تھی:

سست بازو بجہل می فگند
پنجہ بامرد آہنیں چنگاں
مگر از انجا کہ عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم
خدا شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد

یہ ایک غیبی تحریک خیر ہوگئی جس نے اس ارادہ رسالہ کی سلسلہ جنبانی فرمادی۔ اشتہار کا جواب اشتہاروں میں دیا گیا۔ مناظرہ کیلئے اسکار افکار مرزا قادیانی کو پیام دیا اس کے ہولناک اقوال، ادعائے رسالت وثبوت وافضلیت من الانبیاء وغیرہا کفر وضلال کا خاکہ اڑایا۔ گالیوں کے جواب میں گالیوں سے قطعاً احتراز کیا۔ صرف اتنا دکھایا کہ تمہاری گالی آج کی نرالی نہیں قادیانی تو ہمیشہ سے اللہ ورسول انبیاء سابقین وائمہ دین سب کو گالیاں سنا رہا ہے۔ ہر عبارت اس کی کتابوں سے بحوالہ صفحہ مذکور ہوئی۔ مضمون کثیر تھا متعدد پرچوں میں اشاعت منظور ہوئی۔ ''ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری'' نام رکھا گیا۔ اس میں دعوت مناظرہ، شرائط مناظرہ، طریق مناظرہ، مبادی مناظرہ سب کچھ موجود ہیں۔

اس مختصر تحریر نے اپنی مسلک نیز متعدد سلاسل لیے۔

سلسلہ دسنام ہائے قادیانی بر حضرت ربانی ورسولان رحمانی ومحبوب یزدانی سلسلہ کفریات وضلالات قادیانی، سلسلہ

تناقضات وتہافتات قادیانی، سلسلہ دجالی وتلبیسات قادیانی، سلسلہ جہالت وبطالات قادیانی، سلسلہ تاصلیات سلسلہ سوالات۔ اور واقعی وقتی ضرورات مختلف مضامین پر کلام متقضی ہوتی ہے اور اس کے اکثر رسائل الٹ پھیر کر انہیں ڈھاک تین پاٹ کی حامل۔ لہٰذا ہر رسالہ کے جداگانہ رد سے انہیں سلاسل کا انتظام احسن واولیٰ ہے۔

اب بعونہ تعالیٰ اسی ''ہدایت نوری'' سے ابتدائے رسالا ہے اور مولیٰ تعالیٰ رحم فرمانے والا ہے۔

ندوہ کی روداد سوم اور استاد زمن کی تنقید

تنقید: اردو ادب میں نقد ونظر کا بڑا اہم مقام ہے۔ مگر یہ کام ایک متبحر اور علم دوست شخصیت کا ہے چونکہ یہ ایک الگ فن ہے جو سبھوں کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ ایک باریک بیں، نازک خیال، نکتہ رس اور نکتہ داں شخصیت ہی کا حصہ ہے۔

بعض نقاد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی تخریب میں نمایاں پہلو ہوتا ہے اور وہ اردو کی تعمیر اور خدمت کے بجائے ذاتی مخاصمت پر پوری قوت صرف کردیتے ہیں۔ مگر آیئے استاد زمن کی تنقید کا بھی مطالعہ کریں جن کے ہر جملے میں تعمیری تنقیدی کی جھلک نمایاں ہے اور ہر ہر سطر میں علم کا بحر ناپید اکنار موجزن ہے۔ ''ندوہ کی مختصر روداد سوم'' جو غالباً ۱۳۱۴ھ میں شائع ہوئی تھی آپ نے اس کے بعض جملے پر بڑے حسن اور موثر انداز میں تنقید کی ہے۔ جس کی ایک جھلک ہم قارئین کی نذر کررہے ہیں۔

قولہ: یہی وہ تعلیم ہے جس کی اشاعت ندوہ چاہتی ہے۔

اقول: کچھ حیا بھی ہے کیا معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہی تعلیم تھی کہ رافضیوں کی تعظیم کرو، وہابیوں کے غلام بنو، نیچریوں کی لوسہ لیسی کرو، انہیں سب کو دینی پیشوا بنا کر مسند واعظ پر جلوہ دو، ان کے کفریات وضلالات پر سکوت محض کرو بلکہ تحسین کر کے خود چھاپو، اشاعتیں دو، ان کا رد قطعاً حرام کردو، سنیوں سے عداوت، سنیوں پر تبرا اپنا دینی تمغہ جانو، خدارا انصاف کیا یہی تعلیم محمدی ہے۔ ماشاء اللہ ان کی تعلیم پاک بالکل اس کے خلاف ہے۔ ولکن المنافقین لایعلمون

قولہ: ندوہ کی پکار کوئی معمولی پکار نہیں۔

اقول: یہ سچ ہے ایک پہلے ہوئی تھی جس کا اثر اجتماع اخراب تھا۔ دوسرے تیرہ سو برس کے بعد اب ہوئی جس کا اثر مذاہب ناصواب ہے مگر انشاء اللہ تعالیٰ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔

قولہ: علماء ربانیین کی پکار ہے۔

اقول: ضرور غیر مقلد، نیچری، رافضی اور وہابی اگر علماء ربانیین نہ ہوں گے تو کیا اہل سنت ہوں گے۔

قولہ: ندوہ نے نعرہ کیا اور ہر طرف سے لبیک کی صدائیں آنے لگیں۔

اقول: کیا اخراب سے بھی زیادہ

قولہ: جلسے کا اعلان ہوا اور عالم میں ہلچل پڑ گئیں۔

اقول: اور ہلچل بی کیسی تزول منہ الجبال

قولہ: اہل اسلام کے طبقہ میں جوش پھیل گیا۔

اقول: سچ ہے مگر اہل باطل میں یوں کہ یمیلون علیکم میلۃ واحدۃ سب مل کر ایک ساتھ اہل حق پر نرغہ کریں اور اہل حق میں یونکہ الذین قالو الھم الناس ان الناس قد جمع لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

قولہ: الحق یعلو ولا یعلیٰ

اقول: ضرور حق ہے جب تو اہل سنت کے ستر سوالات اوران کے بعد بے شمار ارشادات کا جواب ندوہ بھر کی پارٹی سے آج تک نہ ہوسکا اور قیامت تک نہ ہوسکے گا۔

قولہ: جس وقت ندوہ نے اپنا قدم بریلی میں رکھا مخالفت کا اثر کافور ہونے لگا جیسے آفتاب کے آگے ظلمت۔

اقول: آپ نے بھی کیا پامال مثال دی یوں کہئے جیسے حضرت تاج الفحول، محب الرسول مدظلہ العالی کے مقابلے سے مسجد جامع میں صدر ندوہ آپ کے ساتھ ایک شہادت بھی نہیں اور ہمارے صدق پر ہزاروں مسلمانوں کی شہادتیں موجود۔ سرگزشت و ماجرائے ندوہ میں امر چہار دہم ملاحظہ ہو شرم شرم شرم۔

قولہ: ندوۃ العلماء ایک اجنبی نام لفظ ہے جس کو اکثروں نے آج ہی سنا ہوگا۔

اقول: ندوہ تو پرانا لفظ ہے تیرہ سو برس سے سنتے آئے۔ ہاں ندوۃ الکفر تھا۔ علماء کا قائم مقام ہونا ضرور نیا ہے کہ اس سے پہلے نہ سنا۔

قولہ: بعض حضرات کو اغراض ندوہ پر شبہے ہوئے ہیں لیکن وہ شبہے بالکل غلط ہیں۔ ندوہ کا مقصد نہ شیعہ سنی نہ مقلد وغیر مقلد کو ایک بنانا ہے نہ کوئی دوسرا مذہب معجون مرکب ایجاد کرنا ہے۔

اقول: بریلی کے سنی بھی عجیب حضرات ہیں۔ دند مچا رکھا ہے کہ ہمارے ایک سوال کا بھی جواب ندوی علماء سے نہ ہو سکا۔ آئیں اور تمام دینی مذہبی کتابوں دفتروں کا بس ایک حاکمانہ جملہ سے (لیکن وہ شبہے بالکل غلط ہیں) مسکت جواب لیں۔ چلئے قصہ تمام ہوا۔

حضرات آپ کہتے ہیں کہ ندوہ کا مقصد سنی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد کو ایک بنانا وغیرہ نہیں ہے۔ ندوہ کا ارشاد ہے کہ سب بانٹ کر کھاؤ، شیر وشکر ہوکر رہو ورنہ ایمان ندارد، نماز بے کار، روزہ اکارت، یہ الفاظ یہ کلمات یہ جملے یہ اعلانات ندویوں کی کتابوں رودادوں میں چھپے ہیں چھپے نہیں۔

قولہ: نیچریت اور الحادیت ترقی پارہے ہیں چاہے مولوی شبلی صاحب برا مانیں۔

اقول: جزاک اللہ عمر بھر میں یہ ایک کہی ہے کیونکہ مولوی شبلی صاحب کچھ بچے تو نہ ہوئے ہوں گے۔ غیرت ہو تو ندوہ بھر کو ڈوب جانا چاہئے۔

استاذ زمن کی اردو ادب کی چند جھلکیاں: آپ کی حق پسندی اور احقاق حق کی زندہ وجاوید مثال آپ کی ایک کتاب ''ندوہ کا تیجہ'' بھی ہے۔ آپ نے اس تصنیف میں بے خوف وخطر یہ بات ثابت کردی ہے کہ ندوہ کا اصل مقصد کیا ہے اور اس ندوۂ آکیرہ کا دار الندوہ سے کتنا علاقہ ہے۔ بانیان ندوہ اپنے آپ کو حنفی اور اہل سنت سے تعبیر کرتے تھے۔ مگر استاذ زمن کی اس تصنیف سے ان کی پوری قلعی کھل گئی۔

''ندوہ کا تیجہ'' کے ص ۸ پر آپ نے ظہور اسلام سے پہلے کے حالات کو نہایت ہی شستہ الفاظ جدت تراکیب اور مقفیٰ عبارتوں کے ساتھ بڑے حسین پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ ذیل کا اقتباس اسی حقیقت کا ترجمان ہے۔

''اسلام کے ظہور سراپا نور سے پہلے کفر کی تاریک گھٹا زمانہ پر چھائی ہوئی تھی۔ سچے خدا کی مخلوق جھوٹے خدا کے فدائی تھے۔ جہالت کا زور، بے دینی کا شور، بات بات پر قتال،

فضولیات پر جدال، غضب فساد، قیامت عناد، شب و روز جھگڑے، آئے دن بکھیڑے، دو میں لڑائی، ہزاروں کی صفائی، جنگ محبوب، صلح معیوب، انسان جاموں میں سے تلوار نیاموں میں، صلح پر لڑائی، لڑائی پر صفائی، مذہب خراب، مشرب شراب، زنانے میل، قمار بائیں ہاتھ کا کھیل، انانیت کا جوش، نفسانیت کا خروش، صراط مستقیم ویران منزل حق سنسان، مخالف ہوا زور پر، جاں گزار تلاطم شور پر، مریض جاں بلب، چارہ فرما اب نہ تب، میٹھی نیند سونے والے منی تانے سو رہے تھے، خفتہ بختوں کے نصیب اپنی تقدیر کو رو رہے تھے...... کہ دفعتاً ہوا کا رخ پھرا، خزاں کا عمل اٹھا، فصل بہار کا سکہ بیٹھا، رات تک پژمردگی کا دور تھا، صبح ہوتے ہی کچھ اور تھا۔ نور کی گھٹائیں چھائیں، ٹھنڈی ہوائیں آئیں۔ رحمت کے بادل گھرے، افسردہ خاطروں کے دن پھرے، کلیاں چٹکنے لگیں۔ گلیاں مہکنے لگیں کیوں نہ ہو کہ تہامہ کے مطلع حرم کے افق فاراں کے چوٹیوں سے آفتاب ہاشمی نے طلو فرمایا......"

کتاب مذکورہ کا ابتدائی حصہ بھی اسی رنگ و آہنگ میں ڈھلا ہوا ہے مگر وہاں ان کے قلم کی جولانیت مرکز کائنات کے حضور سجود و نیاز لٹاتی ہوئی نظر آتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے عشق کا بانکپن سلک تحریر میں پرو دیا گیا ہو...... آپ فرماتے ہیں،

حمد و نعت کچھ ایسے پیارے اور دلچسپ کام ہے جس کا انصرام بشری طاقت بلکہ ملکی قوت سے بھی باہر۔ پھر بھی جسے دیکھئے وہ اپنی تحریروں اپنی تقریروں کے عنوان کو انہی سے عزت دینے میں سعی کرتا ہے۔ لہٰذا تبر کا میں بھی اس مبارک دولت سے حصہ لینا اور سرنامہ کو اس نام سے عزت دینا چاہتا ہوں۔

خا، خدا ہے، محمد مصطفی ہے جل شانہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اولیٰ کے سجود کو سر نیاز موجود، خاتم پر بے شمار سلام، بے نہایت درور، وہ ایسا خدا ہے جس کے ہاتھ میں ایسے کی جان ہے۔ یہ ایسا محبوب ہے کہ جس کے اختیار میں سارا جہان ہے جس طرح اللہ محمد کے وصل میں فصل نہیں اسی طرح حمو نعت میں فراق کو دخل نہیں جو مسلمان حمد لکھے گا نعت نہ چھوڑے گا۔ کعبہ جائے مدینہ سے منہ نہ موڑے گا، جہاں اللہ ہے وہاں محمد رسول اللہ ہے۔ جہاں محمد رسول اللہ ہے وہاں اللہ ہی اللہ ہے فرش سے عرش تک دھوم ہے۔ ذرہ ذرہ کو معلوم ہے۔ وہ خدائے برتر، یہ ہمارا پیغمبر، نہ اس کا کوئی مثل نہ اس کا کوئی ہمسر۔ محبین محبوب کے نام کو درد دل کا تعویذ بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ درد و دل سے پاک ہے۔ اس نے اپنے محبوب کے نام سے اپنے فرشتوں کی آنکھوں کے سینوں، مسلمانوں کے دلوں، عرش و کرسی بلکہ تمام مقدس مقاموں کو زینت بخشی۔

ملائکہ کی محفل میں جائیے تو انہیں کا چرچا، حوروں کی انجمن میں دیکھئے تو انہیں کا غلغلہ۔ پیارے محبوب کی دونوں جہان میں دہائی پھر رہی ہے۔ ایک خدائی ہے کہ ان کے قدموں پر گر رہی ہے۔ حل سے حرم تک عرب سے عجم تک، مختلف زبانوں پر ان کی یاد جاری، شرق سے غرب تک جنوب سے شمال تک ان کی یادگاری۔ زبان والے تو زبان والے بے زبانوں میں بھی انہی کی پکار ہے۔ غرض خدا کی خدائی ہے ان پر نثار ہے۔

حضرت سلیمان نے شیر دیکھا ان کا نام لیا کتے کی طرح دم ہلاتا حفاظت کو ساتھ ہو لیا۔ اونٹ محنت سے عاجز آیا ان کے آستانہ پر فریاد لایا۔ پانی کی مچھلیاں انہی کی یاد میں موجیں کر

رہی ہیں۔ ہوا کی چڑیاں ان ہی کی محبت کا دم بھر رہی ہیں۔ شام کے بسیرا لینے والے انہیں کا کھاتے ہیں، صبح کے چہچہانے والے انہیں کا گاتے ہیں،

جس کا کھاتے ہیں انہیں کا گاتے ہیں

یہ تو ذی روح ہیں اپنے مالک کو جانتے ہیں آقائے نعمت کو پہچانتے ہیں۔ ستون حنانہ ایک خشک لکڑی تھی۔ دل نہ زبان نفس نہ جان۔ حضور نے منبر نو ساختہ پر خطبہ فرمایا، فراق محبوب نے ایسے خون رلایا۔ جس طرح دودھ پیتا بچہ ماں سے چھوٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روتا جان کھوتا ہو۔ یہی حالت اس چوب خشک پر طاری تھی۔ فریاد و بکاہ برابر جاری تھی۔ یہاں تک کہ اس دلوں کے چین، جانوں کے آرام نے اسے سینہ مبارک سے لگایا، تسکین پائی قرار آیا۔ خدا جانے وہ تسلی بخش ادا تھی یا کوئی تسکین وہ قرار، جس نے اس رونے والے کو دفعتہ خاموش کردیا، دل بے قرار میں صبر کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔

اس محبوب کے واسطے آسمان سے رحمت برستی ہے۔ زمین سے امداد اگتی ہے۔ سنگریزے باتیں کرتے ہیں، پیڑ سجدے میں قدموں پر سر دھرتے ہیں، قربان جاؤں کیا پیارا محبوب ہے۔

چاند شق ہو پیڑ بولیں جانور سجدہ کریں
بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہے

استاد زمن اور ندوۃ العلمائے ستر سوالات:

آپ کی ایک تالیف ''سوالات حق نما بروس ندوۃ العلماء'' ہے جو انکشاف حق اور انکشاف باطل کے اصول پر مرتب کی گئی ہے۔ اس کی تالیف کے محرکات کیا ہیں۔ علماء ندوہ سے ستر سوالات کیوں کیے گئے اور ان سوالات کو پردہ خفا سے منظر عام پر کیوں لایا گیا۔ استاد زمن نے خود ان محرکات اور بنیادی وجوہات کو بیان کیا ہے۔ سوالات کئی صفحات میں ہیں جس کا بیان یہاں مناسب نہیں، ہاں ان کا ابتدائیہ پیش خدمت ہے۔ جس کا مطالعہ یقینا آپ کے افادہ کا ضامن ہوگا۔

''اللہ اکبر! اس زمانہ پر آشوب میں کہ بلائے مذہبی محیط وبائے آزادی عالمگیر ہے ندوۃ العلماء سے زیادہ کیا چیز خوشی کی ہوتی کہ علماء اہل سنت کو قوت متفقہ سے دفع فتن اور تائید سنن کی طرف انتباہ ہوا۔ امید تھی کہ اب خدا چاہے تو اہل حق کی دینی حالت روبراہ ہو۔ مگر مطالعہ کتب ندوہ نے بعض زوائد فاسدہ اور مفاسد زائدہ سے بتایا کہ نیرنگ زمانہ و مخالفت مذہب بے گانہ نے اسے بھی سیر در بوزینہ کر دکھایا۔ مضامین و تحریرات، میں بہت باتیں صریح مخالف و مضہ مذہب اہلسنت درج ہوتیں۔ دعویٰ اتحاد و اتفاق کی وسعتیں دائرہ بندی سنت و جماعت سے بے حد پار نکل گئیں۔ از انجا کہ خیر خواہی مسلمین ہر مسلمان پر لازم۔

روداد ندوہ حصہ اول میں ۱۵۷ میں خود منصفانہ ارشاد ہوا ہے کہ ''اس کی اصلاح ہر مسلمان پر فرض، جو غلطی ہو زبانی یا تحریراً اطلاع دیں، بممنون نے قبول ہوگی عذر پیش...... ندوہ کی کارروائیوں پر مذہبی راہ پر جو شکوک و خدشات ظاہر ہوئے محض خالصاً لوجہ اللہ بحکم خیر خواہی دین و خود باجازت واستدعائے ندوہ پیرایہ سوالات میں حاضر کیے گئے۔ جو شخص کچھ بھی علم رکھتا اور عقائد و مسائل اہل سنت سے واقف ہوگا ان سوالات کو کتب ندوہ سے ملاتے ہی ان میں مذہب اہلسنت سے جدائیوں کا وقوع اس پر صاف منکشف ہوگا۔

۲۸ / شعبان ۱۳۱۳ھ کو بصیغہ رجسٹری اراکین ندوہ میں حاضر کیے گئے۔ ۳۰ شعبان کا لکھا ہوا جواب ۲ / رمضان

المبارک کو آیا کہ آپ نے یہ زحمت ناحق اٹھائی۔ یہ امور تحریروں سے حل نہیں ہوسکتے اس واسطے جواب کی ضرورت نہیں۔ ۵ر رمضان المبارک کو پھر ایک عریضہ مفصلہ مرسل ہوا اور اس میں رب العزت جل وعلا کا نام پاک اور حق اسلام وحق عظیم ساحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ سلم یاد دلا کر التماس کیا کہ سوالات وکتب ندوہ ملا کر ملاحظہ ہوں...... دیکھئے تو مذہب سنت سے کس قدر صریح بیگانگیاں ہوئیں...... پھر بنظر تخفیف سوالات کو ۷۰ سے صرف ۸ پر مقصود کر کے قرآن عظیم کی دو آیتیں اخفاعلم اور کتمان شہادت کی تحریم میں تلاوت کیں۔اس بار ظن غالب تھا کہ ضرور پاسخ راسخ عطا ہوگا۔

۱۱ر رمضان المبارک کا عنایت نامہ ۱۲ر کو آیا اور وہی سکوت کی خبر لایا۔ بارے بحمد اللہ پھر بھی چند مفید وکارآمد باتو ں نے شگاف خامہ سے جلوہ دکھایا۔

اول: اشاروں اشاروں میں بعض تحریرات ندوہ کا غلط ہونا قبول فرمالیتا۔

دوم: تسلیم فرمایا کہ یہ باتیں جو ہم کررہے ہیں شرعاً حرام وممنوع ہیں۔

سوم: صاف صاف اقرار فرمایا کہ ہم نے ان کی کارروائیوں میں تقیہ کیا ہے۔

چہارم: مان لیا کہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی کا یہ ارشاد بہت بجا ہے کہ بدمذہبوں کی صحبت کافروں کی صحبت سے زیادہ مضر وفتنہ زاد ہے۔

مسئلہ حب وبغض اور استاذ زمن کا نظریہ: الحمد اللہ والبغض للہ بھی بڑی نعمت ہے مگر وہ ماحول اور وہ فضا جو ابن الوقتی، موقع شناسی، مطلب پرستی اور خود پسندی سے متاثر ہو اس ماحول میں عظمت کردار کا مظاہرہ اور حب وبغض میں رضائے الٰہی کا جذبہ گرانمایہ کا اظہار ایک ناقابل قبول حقیقت ہے تاہم دنیا ایسے مردان پاکباز اور وسیع الظرف انسانوں سے کبھی خالی نہیں رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ ایسے افراد انگلیوں پر گنے جانے کے مترادف ہیں......

استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی بھی حب وبغض میں للّٰہیت کے پیکر تھے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جو آپ کی نثری یادگاروں سے ظاہر وباہر ہے۔

انہوں نے ''سوالات حق نما'' میں ''مسئلہ حب وبغض پر ضروری کلام'' کی سرخی کے ساتھ اس موضوع پر نفیس گفتگو کی ہے جو قابل قبول بھی ہے اور لائق عمل بھی۔ یہ اقتباس ذرا طویل پیرایہ میں ہے مگر آپ اس کی طوالت سے مرعوب ہونے کے بجائے اسے پڑھ کر دیکھیں ان کے فکری اور ادبی مضمون میں خلوص وللّٰہیت کا عنصر صاف طور پر نظر آجائے گا۔

''اے شجر بشر کی بے شمار شاخو آخر تم ایک اصل ایک زمین ایک پانی ایک ہوا سے ہو۔ ایک باپ کے بیٹے ایک ماں کی اولاد، آپس میں حقیقی بھائی۔

دراصل خلقت یک جوہر یک

تم سب میں وہی اتحاد کا دور تھا جو سگے بھائیوں میں ہوتا۔ پھر تم میں شقاق وخلاف نے کدھر سے راہ پائی۔ مجانین تو بحث سے خارج ہیں جن کی الفت یا نفرت کسی کیلئے سبب درکار نہیں، میں تم عقلاء سے پوچھتا ہوں کہ جب تم ایسا عظیم رشتہ یکجہتی قائم ہے تو تمہارا باہم بلاوجہ خلاف یعنی چہ ہاں وجوہ ضرور ہیں اور زر زمین ومال وملک وجاہ وعرض وغیرہ بہت موفور ہیں مگر ان سب میں نازک تر، سب سے سخت تر تخالف مذہبی کہ چیز جتنی

زیادہ عزیز اسی قدر اس کے باعث نزع قوی۔ ہر پابند مذہب کو اگرچہ کیسا ہی باطل پر ہو مذہب سے زیادہ کوئی شئے پیاری نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں بہت سے لوگ مال وجاہ میں درگزر کر جاتے ہیں چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ صلح پر آتے ہیں مگر اہل مذہب، مذہب کا کوئی حصہ نہیں چھوڑتے ترک درکنار بعض پر مصالحت کی گنجائش نہیں رکھتے تو مخالف مذہب قدرتی طور پر اعلیٰ ذریعہ بغض ومنافرت ہے جس کا مٹا دینا اٹھا دینا خارج از طوق بشریت ہے تو ایسے امر میں کوشش فضول، علت تخالف جب تک باقی تخلف معلول کیونکر معقول

چند سطور بعد:

کوئی نزع مٹا کر فریقین میں سچا اتحاد قائم کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک فریق، دوسرے فریق کا قول تسلیم کرے یا دونوں اپنے بعض قول سے گزر کر

کسی متوسط حد پر راضی ہو جائے یا مابہ النزار سے غرض ہے نہ رہے کہ وجہ تنافس وتنافر، باعث تدابر وتہاجر ہو...... اور جب فریقین متنازعہ فیہ سے غرض بھی نہ چھوڑیں اور اپنے دعووں سے تنزل بھی نہ کریں تو ارتفاع نزاع وقطع انقطاع ہرگز معقول نہیں۔ دنیوی نزاعوں میں یہ سب صورتیں میسر...... ایک زمین پر زید وعمر کا تنازع ہے۔ ان میں ایک مان لے کہ واقعی یہ دوسرے کی ہے، یا نصف نصف پر تصفیہ کرلیں یا ایک یا دونوں چھوڑ کر چلتے ہوں کہ بلا سے کوئی لے ہم باز آئے۔ مذہبی نزر میں ایسی کون سی صورت حضرات کے عالی خیالات میں ہے کیا سنی معاذ اللہ! مذہب چھوڑ کر وہابی، رافضی، ناصبی ہو جائیں یا یہ امید کہ باقی سب فرقے اپنے مذہب سے تائب ہو کر مذہب حق پر ایمان لے آئیں۔ یا یہ کچھ حصہ چھوڑ دیں کچھ پارہ مذہب سے وہ منہ موڑ لیں۔ آدھوں آدھ پر فیصلہ ٹھہرائیں یا جھگڑے کے گھر بکھیڑے کے مکان، خلاف کی جڑ، نزاع کی کان یعنی دین ومذہب کو آگ لگائیں۔ خاصے دہرئے پوے آزاد بے لجام ومہار ممنون الحاد ہو کر یکرنگی والحاد کے رنگ رچائیں یعنی،

وہ سر ہی ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہوں ساماں کا

بار قیباں جدل فزوں می شد
یار را کشہ از جدل وستیم

اگلی تینوں صورتیں ہونے سے رہیں اور ندوہ کے خود اقرارات ہیں کہ وہ مقصود نہیں ہاں شکل اخیر منظور ہو تو کوشش ٹھیک ہے۔ آزادی وامی کی ہوا چل رہی ہے قومی ہمدردی ہزاروں درد کے ساماں بدل رہے ہیں۔ امراء سے چل کر غرباء تک آئی جہلا سے ابل کر علماء پر چڑھائی دین پر قیام آگ پر صبر ہے۔ قائم علی الدین کالقابض علی الجمر ہے۔ خلط ملط، اتحاد واتفاق کو اس وقت سے بہتر کیا پاؤ گے، گھل مل جاؤ، سب ایک ہو جاؤ، ہوا دار سڑکوں پر بگھیاں اڑاؤ، گوشہ عافیت میں گھٹ کر رہ جاؤ گے اور اگر یہی منظور نہیں تو جان برادر یہ کیوں کر بنے، مختلف گروہ مذہب نہ چھوڑیں، پھر مذہبی حیثیت سے ایک ہو جائیں یا ناشدنیم ذہبی حیثیت عقائد کی مخالفت جب تک باقی تنافر باقی تنافر باقی تو وہی ناچاقی ہے۔

تردید بن کما تضدینی خدا
وھل تجمع السیفان ویحک فی غمل

یہ ظاہری وفاق، باطنی شقاق، کھلا نفاق اور نام اتفاق کچھ دن چلا بھی تو اس گھال میل کے نتائج دیکھئے وہ شرمناک، واقعی ہولناک حادثے جنہیں مٹانے کے بہانے، یہ اتفاق کے

ولولے، اتحاد کے وسوسے آخر کیوں ہیں۔ تخالف مذہب سے جب مذہب باقی تو الگ رہنے پر ایک ہوتے ہیں مخلط ہونے پر دس رکھے ہیں۔ آخر تحریرات ندوہ میں خود اقرار ہے کہ طبائع سے اس کا زوال نہ ہوگا تو آگ بارود میں جدائی ہی بہتر کہ دور رہنے پر اشتعال نہ ہوگا۔

دیکھئے دو مذہبوں کے رسمی میلے جب ایک زمانہ میں آتے ہیں تو اپن اپرایا، حاکم رعایا سب پر وہ ان فکر میں گزر جاتے ہیں۔ شریف بے چارے گردش کے مارے اپنی عزت کی خیر مناتے ہیں۔ زید نے آگ سلگائی بارود بنائی ہر ایک کی جگہ جدا ٹھہرائی۔ عاقل تو سمجھے کہ سبب کیا ہے غافل حیران کہ عجب کیا ہے...... اے آگ اے بارود! تم دونوں کا خدا ایک نبی ایک ہر شئے حضور پرنور کے دائرہ رسالت میں آئی ہے۔ مالک ایک مکان ایک کہ زید کے گھر زید کے ہاتھ پر خالق سے نعمت وجود پائی۔ پھر تم دونوں میں سواختلاف طبع ہو جب اتنا اتحاد ہے ایک ہی رہو۔ اب عقلاء سے داد انصاف طلب کہ وہ جدائی جس کی تاکید حدیث میں آئی جیسے دین میں نافع بھی کہ صحبت خلاف سے تاثیر نہ ہو یوں ہی دنیا میں نافع کہ اشتعال بے محل سے تضرر نہ ہو بخلاف اس دعویٰ اتفاق کے کہ دین و دنیا دونوں کا زیاں۔ وہاں مذہب پر اندیشہ، یہاں امن وامان کا دشمن جاں اور واقعی مخالف شرع سے شر ہی پیدا۔ شرع سے بڑھ کر کون مصلحت کا داتا، اس اتفاق واتحاد میں بھلائی ہوتی تو شرع میں کیوں تاکید جدائی ہوتی۔ ہاں یہ اتفاق دین میں مضل دنیا میں امن وعافیت کا مخل اور وہ بغض شرعی بروجہ شرعی دین کا راعی امن کا داعی صلاح وفلاح دارین میں ساعی۔ مولیٰ تعالیٰ شرع مطہر پر استقامت بخشے عافیت دے سلامت بخشے۔ فتن ومحن کی ہوا سے بچائے۔

آئینہ قیامت کی تحقیقی معیار پر اعلیٰ حضرت کی توثیق: استاد زمن حضرت حسن بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک مایہ ناز اور محققانہ تصنیف ''آئینہ قیامت'' بھی ہے جس میں آپ نے واقعات کربلا کو دلائل وبراہین کے ساتھ نہایت ہی موثر اور دلکش انداز میں بیان فرمایا ہے جس کے ذریعہ قارئین پر واقعات کربلا کی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ کسی صاحب نے حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ محرم کی مجالس میں جو مرثیہ خوانی وغیرہ ہوتی ہے سننا چاہئے یا نہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کی کتاب جو عربی میں ہے وہ یا حسن میاں مرحوم میرے بھائی کی کتاب ''آئینہ قیامت'' میں صحیح روایات ہیں انہیں سننا چاہئے۔ (الملفوظ حصہ دوم ص ۱۰۰)

امام اہل سنت کے اس ارشاد سے آئینہ قیامت کے تحقیقی معیار اور اس کی صحت واقعات پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ آیئے اب اخر میں ''آئینہ قیامت'' کا بھی ایک اقتباس ملاحظہ کریں جس کی ایک ایک سطر میں شہیدان کربلا سے جذبہ عشق کی قندیلیں روشن ہیں۔ آپ فرماتے ہیں،

''حسن وعشق کے باہمی تعلقات سے جو آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ اصل دوست جسے چاہنے والے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں بغیر مصیبتیں اٹھائے اور بلائیں جھیلے حاصل نہیں ہوتا۔ دل میں نشتر چبھو کر توڑ دیئے اور کلیجے میں چھریاں مار کر چھوڑ دیئے ہیں اور پھر تاکید ہوتی ہے کہ اف کی تو

عاشقوں کے دفتر سے نام کاٹ دیا جائے گا۔ غرض پہلے ہر طرح اطمینان کر لیتے ہیں اور امتحان فرما لیتے ہیں جب کہیں چلمن سے ایک جھلک دکھانے کی نوبت آتی ہے اور یہ امتحان کچھ حسینان زمانہ ہی کا دستور نہیں۔ حسن ازل کی دلکش تجلیوں دلچسپ جلووں کا بھی معمول ہے فرمایا جاتا ہے **ولنبلونکم بشيئی من الخوف الجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات**، اور ضرور ہم تمہارا امتحان لیں گے کچھ خوف کچھ بھوک اور مال گھٹا کر اور جانوں اور پھلوں سے...... جب ان کڑیوں کو جھیل لیا جاتا ہے اور ان تکلیفوں کو برداشت کر لیا جاتا ہے تو پھر کیا پوچھنا سراپا جمال ترستی ہوئی آنکھوں کے سامنے اٹھا دیا جاتا ہے اور مدت کے بے قرار دل کو راحت وآرام کا پتلا بنا دیا جاتا ہے۔

اسی بنیاد پر تو امام مظلوم کو وطن سے چھڑا کر پردیسی بنا کر لائے ہیں اور آج صبح سے ہمراہیوں، رفیقوں بلکہ گود کے پالوں کو ایک ایک کر کے جدا کر لیا گیا ہے۔ کلیجے کے ٹکڑے خون میں نہائے ہوئے آنکھوں کے سامنے پڑے ہیں۔ کہاں ہیں وہ ملائکہ جو حضرت انسان کی پیدائش پر چون و چرا کرتے تھے۔ اپنی جانمازوں اور تسبیح وتقدیس کے مصلوں سے اٹھ کر آج کربلا کے میدان کی سیر کریں۔ اور انی اعلم مالا تعلمون کی شاندار تفصیل حیرت کی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائیں۔"

حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا بریلوی قدس سرہ

مولانا مفتی محمد انور علی رضوی
استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

ولادت باسعادت:

حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں کی ولادت مبارکہ ماہ ربیع الاول شریف ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء محلہ سوداگران بریلی شریف میں ہوئی۔ امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے آپ کا نام حدیث شریف کے مطابق محمد رکھا۔

محمد کے نام پر عقیقہ ہوا عرف حامد رضا رکھا گیا اس طرح پورا نام محمد حامد رضا ہوا، لفظ محمد کے اعداد ۹۲ ہیں اور اس لحاظ سے عقیقہ کا یہ نام حجۃ الاسلام کا تاریخی نام بن جاتا ہے اس لیے کہ ۱۲۹۲ھ آپ کی سن ولادت بھی ہے۔

حجۃ الاسلام آپ کا خطاب ہے، شیخ الانام اور جمال الاولیاء کے القاب سے بھی آپ کو یاد کیا گیا۔

تعلیم وتربیت:

حضرت حجۃ الاسلام نے تمام کتابیں اپنے نابغۂ روزگار والا ماجد امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ سے پڑھیں اور اپنے معاصرین میں یہ امتیاز پایا کہ ۱۹ سال کی عمر ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۴ء میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

طالب علمی کے زمانے میں میں شب وروز مطالعہ اور مذکرہ پر زور دیا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ پڑھنے کے زمانے ہی میں آپ نے درسیات کی امہات کتب جیسے خیالی، توضیح، تلویح، ہدایہ آخرین، بیضاوی، صحیح بخاری پر حواشی لکھ کر اپنے والا ماجد حضور اعلیٰ حضرت کے زمانۂ تعلیم کی یاد تازہ کر دی اور خود امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے، قال الولد الاعز، لکھ کر اپنے متعلم فاضل صاحبزادے کی تحسین فرمائی۔ فراغت کے بعد ہی سے اپنے والا ماجد حضور اعلیٰ حضرت کی خدمت وصحبت میں تعلیمی مراحل سے گزرتے رہے۔ انہیں مبارک سالوں میں آپ نے مضامین بھی لکھے، استفتاء کے جوابات بھی دیئے اور باقاعدہ تصنیف وتالیف کا کام بھی انجام دیا۔

درس وتدریس:

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں نے اپنے والد ماجد کی زندگی ہی سے طلبہ کو پڑھانا شروع کیا اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں نے آپ کے تلامذہ کو سند فراغت سے نوازا، انہیں تلمذ سے بہرہ مند فرمایا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے پڑھانے کا سلسلہ کبھی جزوی اور کبھی کلی طور پر جاری رکھا۔

محدث جامعہ رضویہ منظر اسلام حضرت علامہ مولانا رحم الٰہی منگلوری کے ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۶ء میں بریلی شریف سے

میرٹھ چلے جانے کے بعد مدرسہ رضویہ منظر اسلام میں نہ صرف حدیث بلکہ معقول و منقول کے اعلیٰ درجات کی کتابیں بھی آپ نے ایسی پڑھائیں کہ پڑھنے والوں کی تعداد درجہ میں کثیر سے کثیر تر ہوگئی۔ بعد درس جب بھی موقع ملا آپ نے حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ سے استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جب علم توقیت موجدانہ انداز میں پڑھانا شروع کیا تو حجۃ الاسلام بھی مولانا ظفر الدین بہار اور مولانا حکیم سید شاہ عزیز غوث بریلوی وغیرہم کے ساتھ شریک درس رہے۔

تلامذۂ کرام:

حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفےٰ رضا صاحب بریلوی، علامہ حسنین رضا خاں بریلوی، علامہ تقدس علی خاں بریلوی، ، مفتی اعجاز ول خاں بریلوی، علامہ سردار احمد لائل پوری، علامہ مولانا ابراہیم رضا خاں بریلوی، مفتی رفاقت حسین مظفر پوری، علامہ غلام جیلانی اعظمی، مفتی ابرار حسین تلہری، علامہ عبد الغور ہزاروی، مولانا سید وزارت رسول بنارسی، مولانا عبد الکریم تاجی ناگپوری، علامہ ریحان رضا بریلوی، علامہ غلام آسی بلیاوی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

عقد مسنون:

علامہ مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمہ کی شہزادی عالی وقار امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی سگی بہن حضرت حجاب بیگم صاحبہ کی نیک سیرت شہزادی اور علم و ہنر سے آراستہ حضرت کنز عائشہ صاحبہ سے عالم بے بدل حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کا نکاح حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے پڑھایا۔

اولاد و امجاد:

حضرت حجۃ الاسلام کے دو صاحبزادے تھے۔(۱) مفسر اعظم علامہ مولانا محمد ابراہیم رضا خاں (۲) حضرت علامہ مولانا حماد رضا خاں۔

بیعت و خلافت:

حضور حجۃ الاسلام کو بیعت و خلافت کا شرف نور العارفین حضرت شاہ سید ابو الحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل ہے اور حضرت نوری میاں یہ کے حکم سے حضور اعلیٰ حضرت نے بھی آپ کو تمام سلاسل کی جس قدر خود ان کو اجازت تھی اجازت عطا فرمائی اور تمام علوم و فنون اوراد و اعمال اور اذکار و اشال کا مجاز و ماذون کیا۔ اور طریقت و معرفت کے جن تیرہ سلاسل میں آپ کو اجازت و خلافت حاصل ہوئی وہ یہ ہیں۔ قادریہ برکاتیہ جدیدہ، قادریہ آبائیہ قدیمہ، قادریہ اہدایہ، قادریہ رزاقیہ، قادریہ منوریہ، چشتیہ نظامیہ قدیمہ، چشتیہ جدیدہ، سہروردیہ قدیمہ، سہروردیہ جدیدہ، نقشبندیہ علائیہ صدیقیہ، نقشبندیہ علائیہ علویہ۔

خلفائے کرام:

آپ کے خلفائ کی حقدار تقریباً ۳۰ ہیں چند مشاہر خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی، علامہ حبیب الرحمٰن صاحب اڑیسہ، مفتی محمد رفاقت حسین مظفر پوری، مفتی محمد اجمل سنبھل، مفتی اعجاز ولی خاں بریلوی، علامہ سردار احمد صاحب لائل پوری، علامہ ابو الحسنات محمد احمد لاہوری، علامہ حشمت علی خاں لکھنوی ثم پیلی بھیتی، علامہ عبد المصطفےٰ اعظمی، مولانا محمد احسان علی صاحب مظفر پوری، علامہ تقدس علی خاں بریلوی، علامہ ریحان رضا خاں بریلوی، مفتی ظفر علی نعمانی، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حج وزیارت:

حضرت حجۃ الاسلام اپنی عمر کے ۳۱ ویں سال ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں اپنی والدہ محترمہ اور عم محترم علامہ مفتی محمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی معیت میں حج وزیارت کے لیے روانہ ہوئے اس سفر مبارک میں امام احمد رضا قدس سرہٗ بریلی سے جھانسی تک ساتھ رہے جھانسی ے س رخصتی کے وقت دل نے انگڑائی لی کہ کاش دیار مصطفےٰ جان رحمت میں میری بھی حاضری ہوتی، یہی اضطراب سبب قرار بن گیا تا آنکہ حج وزیارت کا ارادہ فرمالیا بمبئی سے جدہ تک مراحل بخیر وخوبی آسان ہوگئے۔ یوں تو ممبئی سے کمہ معظّمہ تک حضرت حجۃ الاسلام کے شب وروز امام احمد رضا کی معیت وخدمت میں ہی گزرے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی موجودگی میں ایک مکی عالم نبیل محافظ کتب حرم مولانا سید محمد اسماعیل سے رفی قبل زوال کے عدم جواز پر حضرت حجۃ الاسلام نے فصیح عربی میں گفتگوا حق ادا کیا۔

اور الودسرا لابیہ کا شاندار مظاہرہ پہلی بار حرم مکہ میں کیا حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے ارشادات کے مطابق، کاپیاں ہوچکیں، تمہید کے لیے جگہ باقی ہے کاپی نویس کو مضمون جلد دینا ہے اس کی تمہید فوراً لکھ دی جائے کہ جگہ خالی نہ رہے۔ لہٰذا حضور حجۃ الاسلام نے اسی وقت اس کی تمہید لکھ کر حاضر کردی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے اسے پسند فرمایا اور رسالہ الدولۃ المکیہ، میں اندراج کا اذن فرمایا۔ کسی کتاب کا ترجمہ اور اس کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا آسن نہیں اور وہ بھی امام احمد رضا قدس رسرہٗ کی شہرہ آفاق نادر روزگار تاریخی عربی تصنیف الدولۃ الکیہ، کا رواں اور بامحاورہ اردو ترجمہ کسی عام آدمی کا کام نہ تھا۔ اس کے لیے بھی مصنف برحق کے جانشین برحق حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے توجہ کی اور ایسا شاہکار ترجمہ کیا کہ اس پر اصل کتاب کا گمان ہونے لگا۔ پھر یہ طرہ امتیاز بھی فاضل مترجم کو حاصل رہا کہ نثر کا ترجمہ نثر میں اور نظم کا ترجمہ نظم میں کیا۔ حج بیت اللہ کی سعادت مندی اور بارگاہ رسالت میں حاضری سے بہرہ مند ہوئے، علماء حرمین کے سامنے، اپنے علم وفضل کا لوہا منوالیا اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت ہوئے کے فخر کو بلند وبالا رکھا۔

تاریخ گوئی:

تاریخ گوئی بہت ہی مشکل فن ہے اس فن میں بھی حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کو اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں کی نیابت حاصل تھی۔ الفاظ ومعنیٰ پر استحضار کا یہ عالم تھا کہ ادھر الفاظ مسموع ہوئے اور ادھر اعداد امنے آگئے اس کا مظاہرہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں بلا تکلف ہوا، کتابوں کے نام ہو یا اشعار، جملے ہوں یا واقعات ہر مقام پر بامعنیٰ برمحل کتاب اور واقعات کے عنوان کے مطابق آپ برجستہ تاریخ گوئی فنی مہارت پہ شاہد ہے۔

آپ نے ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء میں مرز غلام قادیانی کے ادعائے کاذب متعلق سوال پر ایک مبسوط جواب تحریر فرمایا اور اسے تاریخی نام، الصارم الربانی علی اسراف القادیانی، سے موسوم کیا اس وقت آپ کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ جب مسجد جنکشن بریلی تیار ہوئی اس کی سن تاریخ کے لیے بعض احباب کے اصرار پر عربی میں فی البدیہہ مندرجہ ذیل تاریخی قطعہ مرحمت فرمایا، قلت تحسین ربی الاعلیٰ مسجد اسس علیٰ تقویٰ (۱۳۲۸ھ) حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ جن اذکار واشغال اور

وضائف سے اہل سلسلہ قادریہ رضویہ کو افادہ فرماتے رہے حضرت حجۃ الاسلام نے اس درمکنون اور سرمخزون کو الوظیفۃ الکریمہ، (۱۳۳۸ھ) تاریخی نام سے شائع فرمایا۔ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے وصال تواریخ الوفاۃ، کے تاریخی عنوان سے مندرجہ ذیل تواریخ ارشاد فرمائیں۔

نور اللہ ضریح۔ ۱۳۴۰ھ
شیخ الاسلام والمسلمین۔ ۱۳۴۰ھ
امام ہداہ السنۃ الحاج احمد رضا۔ ۱۳۴۰ھ
الھاو البریلوی القادری البرکاتی۔ ۱۳۴۰ھ
رضی اللہ الحوز عنہ۔ ۱۳۴۰ھ
راح شیخ الکل فی کل۔ ۱۳۴۰ھ
مولوی معنوی قرآن زبانت ماوری ۱۳۴۰ھ
ھم اولیائی تحت قبائی لایعرفھم۔ ۱۳۴۰ھ

فتویٰ نویسی:

حضرت حجۃ الاسلام نے اپنے والد ماجد حضور اعلیٰ حضرت کی حیات میں ۱۸۹۵ء سے فتویٰ نویسی کا آغاز کر دیا تھا اور پوری عمر آپ نے اس عظیم الشان دینی خدمت کو انجام دیا۔ اگر حجۃ الاسلام کے ضائع نہ ہوجاتے تو وہ ہزاروں صفحات پر مشتمل ہوئے اور فتاویٰ حامدیہ، کی کئی جلدیں تیار ہوجاتیں۔ آپ کے فتاویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جبسر کار اعلیٰ حضرت نے مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں ایک رسالہ السوولاعقاب علی المسیح الکذاب، تحریر فرمایا یا تو اس میں آپ کے فتاویٰ کا اس طرح ذکر کیا۔ پہلے اس ادعائے کاذب کی نسبت سہارنپور سے سوال آیا تھا، جس کا مبسوط جوابولداعز فاضل نوجوان مولوی محمد حامد رضا خاں حفظہ اللہ تعالیٰ نے لکھا اور بنام تاریخی الصارم الربانی علی اسراف القادیانی ۱۳۱۵ھ موسوم کیا۔

مظہر اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ کو اپنے اس فرزند دلبند سے بڑی محبت تھی اور وہ ان پر بڑا ناز بھی کرتے تھے اور کیوں نہ ہوا ایسا لائق وفائق، عالم وفاضل حجۃ الاسلام ہر لحاظ سے اپنے والا ماجد کے جانشین اور وارث وامین تھے ان کی ہ تحریک اور ان کے ہر کام میں معاون ومددگار، ان کے ہمدم وہمراز، قدم قدم پر ان کے ساتھی اور پیروکار، ان کے دست راست اور وکیل تھے۔ تصدیقات حسام الحرمین اور الدولۃ المکیہ سے لیکر وہابیوں دیوبندوں اور ندیوں کے رد اور ان کی سرکوبی نیز بدایونی اور فرنگی محلیوں کے تعاقبتک ہر موڑ پر اپنے والد ماجد کا ساتھ دیا۔

حضور اعلیٰ حضرت پوکھریرا (جواب ضلع سیتامڑی بہار ہے اس وقت ضلع مظفر پور میں تھا) کے ایک جلسہ کے لیے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب محبی نے دعوت دی مصروفیت کی وجہ سے اعلیٰ حضرت نے حجۃ الاسلام کو اپنی جگہ پر وہاں ایک مکتوب نامہ کے ساتھ روانہ کردیا جس میں یہ تحریر فرمایا۔

اگرچہ میں اپنی مصروفیت کی بنا پر حاضری سے معذور ہوں مگر حامد رضا کو بھیج رہا ہوں یہ میرے قائم مقام ہیں ان کو حامد رضا نہیں احمد رضا ہی کہا جائے۔ اور کیوں نہ ہو انہیں کہیے تو حضور اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

حامد منی انا من حامد
حمد سے حمد کماتے یہ ہیں

یعنی حامد مجھ سے اور میں حامد سے ہوں۔

اعلیٰ حضرت کا اس طرح فرمانا ایک طرف تو اپنے فرزند اکبر سے ان کی از حد محبت اور ان پر بے انتہا ناز کا غماز ہے یہی اس میں اعلیٰ حضرت کی ایک کرامت بھی پوشیدہ ہے اعلیٰ حضرت کو معلوم تھا کہ ان کا خاندانی سلسلہ ان کے بڑے بیٹے حامد رضا خاں سے ہی چلے گا۔

اعلیٰ حضرت نے حجۃ الاسلام کو اپنا ولیٔ عہد اور جانشیں مقرر کیا اور اپنی نماز جنازہ پڑھانے کی انہیں کے لیے وصیت فرمائی، اعلیٰ حضرت نے اپنے وصال سے ایک دن قبل اپنے پاس مرید ہونے کے لیے آنے والوں کو حجۃ الاسلام سے بیعت کی ہدایت ان الفاظ میں فرمائی:

"ان کی بیعت میری بیعت ہے، ان کا ہاتھ میرا ہاتھ، ان کا مرید میرا مرید، ان سے بیعت کرو۔"

زبان وادب پر مہارت:

حجۃ الاسلام کی زبان دانی کی فصاحت وبلاغت نثر نگاری وشاعری خصوصاً عربی زبان وادب پر عبور اور مہارت کی تعریف علمائے عرب نے بھی کی ہے۔ ۱۳۴۲ھ میں حجۃ الاسلام کے حج وزیارت کے موقع پر عرب کے معروف عربی داں حضرت شیخ سید حسن دباغ اور سید محمد مالکی ترکی نے آپ کی عربی دانی اور قابلیت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس طرح اعتراف کیا ہے:

"ہم نے ہندوستان کے اکناف واطراف میں حجۃ الاسلام جیسا فصیح وبلیغ دوسرا نہیں دیکھا جسے عربی زبان میں اتنا عبور حاصل ہو۔"

بلاشبہ عرب کے بڑے بڑے علماء حجۃ الاسلام کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ان کی عربی دانی ان کی گفتگو اور تحریر سب کچھ اہل عرب جیسی بلکہ ان سے بہتر ہے۔

علمی وتبلیغی عظیم کارنامے:

حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ ایک بلند پایہ خطیب، مایۂ ناز ادیب اور یگانۂ روزگار عالم وفاضل تھے۔ دین متین کی تبلیغ واشاعت، ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت، قوم کی فلاح وبہبود ان کی زندگی کے اصل مقاصد تھے اور یہی سچ ہے کہ غلبۂ اسلام کی خاطر زندہ رہے اور سفر آخرت فرمایا تو پرچم اسلام بلند کر کے اس دنیا سے سرخرو وکامران ہو کر گئے۔

اپنی صدی کے مجدد ان کے والد محترم سیدنا اعلیٰ حضرت نے خود ان کی علمی ودینی خدمات کو سراہا ہے، ان پر ناز کیا ہے۔ حجۃ الاسلام مسلک حقہ اہل سنت وجماعت کی ترویج واشاعت کی خاطر برصغیر کے مختلف شہروں اور قصبوں کے دورے فرمائے ہیں۔

گستاخان رسول وہابیہ سے مناظرہ کیے ہیں، سیاست دانوں کے دام فریب سے مسلمانوں کو نکالا ہے، شدھی تحریک کی پسپائی کے لیے جی توڑ کر کوشش کی ہے اور ہر جہت سے باطل اور باطل پرستوں کا رد اور انسداد کیا ہے۔

مناظرۂ لاہور:

مذہب اسلام کے منتشر شیرازہ کو جمع کرنے کی خاطر ۱۵ شوال المکرم ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء میں لاہور میں جماعت اہل سنت اور دیوبندی جماعت کے سربرآوردہ لوگوں کی ایک میٹنگ رکھی گئی جو بعد میں مناظرہ میں تبدیل ہوگئی۔ دونوں طرف کے ذمہ داروں کی یہ خواہش تھی کہ گفتگو کے ذریعے مسئلہ طے ہوجائے اور حق واضح ہونے پر حق کو تسلیم کرتے

ہوئے دونوں ایک ہو جائیں لہٰذا دیوبندی مکتبۂ فکر کی طرف سے مولوی اشرف علی تھانوی کا انتخاب ہوا اور جماعت اہل سنت کی طرف سے حضرت حجۃ الاسلام کا۔ آپ بریلی شریف سے لاہور تشریف لے گئے مگر ادھر سے تھانوی نہیں پہنچا اس موقع پر حجۃ الاسلام نے جو خطبہ دیا وہ بے مثال خطبہ تھا اور سننے والے بڑے بڑے علما و فضلا ان کی فصاحت و بلاغت اور علم و فضل کی جلوہ سامانیاں دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

حسن صورت:

حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ بہت ہی حسین و جمیل اور وجیہ و شکیل تھے۔ جانے کتنے غیر مسلم حتیٰ کہ عیسائی پادری بھی آپ کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کا چہرہ ہی برہان تھا اور آپ کی صورت و سیرت ہر اعتبار اور ہر ادا سے اسلام کی حجۃ، حقانیت کی دلیل اور سچائی کے برہان تھے۔ کئی بد مذہب اور مرتدین صرف آپ کے چہرۂ زیبا ہی کو دیکھ کر تائب ہوئے۔

حضور حجۃ الاسلام اپنے تلامذہ اور خلفا میں محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد صاحب گرداس پوری سے زیادہ محبت فرماتے تھے۔

حضرت علامہ سردار احمد صاحب جو میٹرک کر چکے تھے اور پٹواری کی ملازمت بھی اختیار کر لی تھی انہوں نے جب مناظرۂ لاہور کے موقع پر حجۃ الاسلام کے چہرۂ زیبا کو دیکھا تو ان پر فریفتہ ہو گئے۔ آپ ہر روز ان کے رخ انور کی زیارت کے لیے جلسہ گاہ میں حاضر ہو جاتے اور یک لخت حضور حجۃ الاسلام ہی کو دیکھتے رہتے۔

حضور حجۃ الاسلام کی استفسار پر انہوں نے ان کے ساتھ بریلی شریف چلنے کی تمنا ظاہر کی۔ تو حجۃ الاسلام بکمال شفقت اپنے ہمراہ بریلی شریف لائے اور برسوں اپنی صحبت و خدمت میں رکھ کر ایسی تعلیم و تربیت فرمائی کہ آپ ایک معمولی پٹواری سے محدث اعظم بن کر افق عالم پر چھا گئے۔

محدث اعظم پاکستان نے دارُ العلوم منظر اسلام اور دارُ العلوم مظہر اسلام میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان تشریف لے گئے اور لائل پور میں ایک مدرسہ "مظہر اسلام" قائم فرمایا۔ اور تادم آخری وہیں دین متین کی خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کا مزار مبارک لائل پور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حسن سیرت:

جس طرح حجۃ الاسلام کا چہرہ خوبصورت تھا اسی طرح ان کا دل بھی حسین تھا۔ وہ ہر اعتبار سے حسین تھے۔ صورت و سیرت، اخلاق و کردار، گفتار و رفتار، علم و فضل، زہد و تقویٰ سب میں بے مثال تھے۔ حجۃ الاسلام بلند پایہ کردار اور پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے۔ متواضع اور خلیق، مہربان اور رحیم و کریم تھے۔ اپنے ہوں یا بیگانے سبھی ان کے حسن صورت و سیرت اور حسن اخلاق کے معترف تھے۔ البتہ وہ دشمنان دین و سنیت اور گستاخان خدا و رسول کے لیے برہنہ شمشیر تھے اور غلامان مصطفیٰ کے لیے شاخ گل کی مانند لچکدار اور نرم خو تھے۔

کشف و کرامت:

حضور حجۃ الاسلام کے علمی و تبلیغی کارنامے دین میں آپ کی استقامت، حق گوئی و بے باکی ہی کیا کسی کرامت سے کم ہے؟ آپ نائب رسول اکرم، شریعت میں نائب امام اعظم، اور طریقت میں غوث اعظم اور اپنے وقت کے حجۃ الاسلام

تھے۔ اکثر و بیشتر کرامتیں آپ سے صادر ہوئیں۔

وصال مبارک:

حجۃ الاسلام اپنے وصال سے ایک سال قبل ہی اپنی رحلت کے حالات وکوائف بیان فرمانے لگے تھے۔ آپ اپنے وصال کی کیفیت بیان کرتے اور فرمایا کرتے تھے: زبان سرکار کے درود وسلام اور ذکر میں مشغول ہوگی، روح قرب وصال کے چھلکتے ہوئے کیف وسرور کے جام سے محظوظ ہوگی۔

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۹۴۳ء دوران نماز عشاء عالم تشہد میں آپ کا وصال ہوا۔

نماز جنازہ آپ کے تلمیذ ارشد محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار صاحب لائل پوری نے پڑھائی۔

مزار پرانوار:

حضور حجۃ الاسلام کا مزار مقدس روضۂ اعلیٰ حضرت کے مغرب جانب "گنبد رضا" میں واقع ہے اور زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ آپ کا عرس ہر سال ۱۷ جمادی الاولیٰ کو "عرس حامدی" کے نام سے منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر جامعہ رضویہ منظر اسلام کے طلبا کی دستار بندی بھی کی جاتی ہے۔

یادگاریں:

خانقاہ اعلیٰ حضرت آپ کی یادگاروں میں سے مخصوص یادگار ہے۔ آپ نے اس کی تعمیر کرائی۔ آپ کی تصانیف وتبرکات بھی آپ کی یادگار ہیں۔ بیشتر تبرکات علامہ سردار احمد صاحب کے مدرسہ مظہر اسلام لائل پور پاکستان میں محفوظ ہیں۔

شاعر خوش کلام بلبل باغ مدینہ جناب فیروز راحت صاحب کلکتوی کے ذریعے یہ جان کر بے حد مسرت وشادمانی ہوئی کہ خانقاہ مسولی شریف کے زیب سجادہ گل گلزار سیادت حضرت علامہ شاہ سید گلزار میاں صاحب واسطی قبلہ زیدت مکارمہم نے اپنی خانقاہ عالیہ کی جانب سے اپنے مشائخ کی روایات پر عمل پیرا ہوکر مشائخ عظام کی عظمتوں کو اجاگر کرنے کے لیے قدم اُٹھایا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ صاحب سجادہ کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور صاحب سجادہ کو بہتر اجر عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

ملک العلما علامہ سید ظفر الدین بہاری قدس سرہ

مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی (بنگلور)

آپ ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ ۱۹ر اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد ملک عبدالرزاق اشرفی علیہ الرحمہ پابند شریعت سیدھے سادھے بزرگ تھے، اور اپنی سادگی کی بدولت اعزاز واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے، حضرت شاہ چاند بیٹھوی ولد شاہ غلام رسول علیہ الرحمہ سے سلسلہ اشرفیہ میں بیعت تھے اور اوراد مشائخ کے عامل، فارسی خاصی جانتے تھے اور عربی کی بھی ابتدائی تعلیم تھی، کاشتکاری گزر بسر تھی، اس لیے ملازمت سے دست کش رہے، ۱۳۱۲ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے، آپ کی نسبت شیخ مبارک کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوئی جو شاہ چاند بیٹھوی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھیں۔ ان کے بطن پاک سے صرف ایک صاحبزادے ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری پیدا ہوئے، باقی صاحبزادیاں تھیں۔ ملک العلماء کی والدہ ماجدہ کو سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے خاص عقیدت تھی، وہ ہر سال گیارہویں شریف بہت اہتمام سے کرتیں۔ اسی کی برکت ہے کہ آپ کا وصال ۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ کو ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہا۔

تعلیم ولیاقت: اسلامی طرز کے مطابق جب ملک العلماء چار سال چار ماہ چار دن کے ہوئے تو رسم بسملہ خوانی کی گئی، یہ بہت اچھی اسلامی رسم تھی جس کی برکتیں پوری زندگی کے ساتھ رہتی ہیں۔ حضرت ملک العلماء کی بسملہ خوانی شاہ چاند بیٹھوی علیہ الرحمہ نے ادا فرمائی جس کی برکت اس صورت میں ظاہر ہوئی کہ دنیا نے آپ کو ملک العلماء کی صورت میں دیکھا۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد منشی عبدالرزاق نے دی، قرآن کریم اور اردو فارسی کی کتابیں گھر پر ہی حافظ مخدوم اشرف، مولی کبیر الدین، مولوی عبداللطیف نے پڑھائی۔ ۱۳۱۲ھ میں اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ تشریف لے گئے جہاں مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں تفسیر جلالین، میر زاہد وغیرہ متوسطات تک تعلیم حاصل کی۔ اس ادارے میں بیشتر عربی کتابیں مولوی محمد ابراہیم مولوی سے پڑھیں جو حاذب طبیب بھی تھے۔

عظیم آباد (پٹنہ) عرصہ دراز سے تہذیب وثقافت، ادب اور علم کا نمائندہ رہا ہے، یہاں بخشی محلہ کے اندر ۱۳۱۸ھ میں مدرسہ حنفیہ قائم ہوا جسے قاضی عبدالودود (م ۱۹۸۴ء) کے والد ماجد حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی (م ۱۳۲۶ھ) نے قائم کیا تھا (حضرت قاضی عبدالوحید علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت سے

خاص عقیدت تھی، جناب حضور شاہ امین فردوسی کے مرید خاص تھے، پٹنہ میں رندندوہ پر مشتمل اہل سنت کی عظیم کانفرنس (۱۳۱۸ھ) آپ نے ہی کرائی تھی جس میں اعلیٰ حضرت بھی تشریف لے گئے تھے اور وہیں اکابر علماء نے اعلیٰ حضرت کو ''مجدد'' کا خطاب دیا۔ اس وقت نصف تصانیف رضا اپنے خرچ سے طبع کرائیں، آپ ہی کی تحریک پر اعلیٰ حضرت المعتقد المنتقد کا حاشیہ المعتمد المستند تحریر فرمایا۔ اعلیٰ حضرت نے قاضی صاحب کی نماز جنازہ بھی پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ حیات اعلیٰ حضرت، ص:۵۶) اور اس مدرسہ کیلئے جید علماء اہل سنت کی خدمات حاصل کی۔ ان میں محدث سورتی شاہ وصی احمد پیلی بھیتی ہندوستان گیر شہرت رکھتے تھے۔

ملک العلماء نے حضرت کی آمد کو غنیمت جانتے ہوئے درس حدیث کیلئے ۲۵ رجمادی الآخریٰ ۱۳۲۰ھ کو اس ادارے میں داخلہ لیا اور محدث سورتی علیہ الرحمہ سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملا جلال پڑھی، محدث سورتی نے اپنی علالت کے سبب شعبان میں پیلی بھیت واپس ہوئے تو ملک العلماء نے بھی اپنے ہم درس حکیم ابوالحسن کے ہمراہ کانپور کا رخ کیا۔ یہاں امداد العلوم میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے مرید اور مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد مولانا قاضی عبدالرزاق کانپوری (م ۱۹۴۶ء) سے خصوصی درس لیا۔ احسن المدارس میں علامہ احمد حسن کانپوری (م ۳ر صفر ۱۳۲۲ھ) سے منطق کی کتابیں پڑھیں اور مولانا عبید اللہ پنجابی (م جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ) سے ہدایہ آخرین مکمل کی۔ پھر محدث سورتی کی کوشش اور کشش انہیں پیلی بھیت لے گئی جہاں محدث صاحب کے مدرسہ دار الحدیث میں حدیث کی منتہی کتابیں پڑھیں۔

پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی پہنچے اور مصباح التہذیب نامی مدرسہ میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے، جو سنی بن کر تعلیم دے رہے تھے، دوران درس جب مولوی یٰسین کی دیوبندیت آشکارا ہوئی تو امام اہلت سنت اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے تفسیر وحدیث، فقہ وتصوف کی منتہی کتابیں اور بعض نادر علوم کا درس لینا چاہا لیکن اعلیٰ حضرت ہمہ دم افتا اور تصنیف میں مصروف رہتے، اس لئے آپ کے پاس درس گاہی مصروفیات کیلئے وقت کہاں تھا، کہتے ہیں دل کی لگن اپنی راہیں خود نکال لیتی ہے۔ ملک العلماء دھن کے پکے تھے۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے درس گاہی فیض کو دوبارہ جاری کرنا چاہا جس کیلئے بصد اصرار دار العلوم منظر اسلام کے قیام کی راہیں ہموار کیں۔ اعلیٰ حضرت کے منجھلے بھائی استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں (م ۱۳۲۶ھ) بڑے شہزادے حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں (۱۳۶۲ھ) مولانا حکیم محمد امیر اللہ بریلوی رحمۃ اللہ علیہم سے ملاقاتیں کیں اور اپنا عندیہ ظاہر فرمایا۔ ان حضرات نے ملک العلماء کے مبارک خیال کی تائید فرمائی اور اس مشن کیلئے ہمہ دم مستعد ہوئے۔

بالآخر اعلیٰ حضرت نے اس ادارے کے قیام اور سرپرستی کی ذمہ داری قبول فرمائی اور منظر اسلام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں قائم ہوا، جس کے پہلے ناظم حضرت علامہ حسن رضا خاں علیہ الرحمہ اور اولین طلبا ملک العلما حضرت ظفر الدین قادری رضوی اور مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی ہوئے۔ انہیں دو طالب علموں سے اس ادارے کا افتتاح ہوا۔ ایک سال کے

اندر اندر اس ادارے نے جید اساتذہ اور ٹھوس علمی صلاحیت رکھنے والے علماء کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔ ان میں مولانا حکیم سید امیر اللہ بریلوی، مولانا حامد حسن رام پوری تلمیذ خاص مولانا ارشاد حسین رام پوری (م ۱۳۳۴ھ) منظر اسلام کے نامور اساتذہ ہوئے۔ جن سے ملک العلماء نے مسلم الثبوت، صحیح مسلم شریف اور دیگر درسیاتی کتب کی تکمیل فرمائی۔ ۱۳۲۲ھ سے ۱۳۲۵ھ تک آپ کا تعلیمی سفر جاری رہا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ملک العلماء کو بخاری شریف کا درس دیا، افتاء نویسی کے اسرار سکھائے، ریاضی، ہیئت، توقیت، جفر اور تکسیر جیسے پیچیدہ علوم کی تعلیم دی، رسالہ اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، شرح چغمنی پڑھائی اور فن تصوف میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس دیا، ۱۳۲۵ھ کا تعلیمی سال مکمل ہونے کے بعد ماہ شعبان کے اخیر میں ملک العلماء کو ان کے رفقائے درس کے ساتھ دستار فضیلت سے نوازا گیا، اس تاریخی جلسہ کے خصوصی مہمان تھے درگاہ شیخ العالم مخدوم عبد الحق رودولوی قدس سرہ کے سجادہ نشیں مخدوم شاہ التفاق احمد رودولوی علیہ الرحمہ جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی ایما پر ملک العلماء کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور تدریس وافتا کی سند عطا فرمائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اسی سال ملک العلماء کو سلاسل قادریہ رضویہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور ملک العلماء اور فاضل بہار کا ممتاز لقب بخشا۔

درس وتدریس: فراغت کے بعد اعلیٰ حضرت کی خدمت میں تقریباً چار سال مزید رہے۔ دار العلوم منظر اسلام میں تدریسی ذمہ داریاں نبھائیں۔ اعلیٰ حضرت کی سرپرستی میں فتاویٰ لکھے اور بوقت ضرورت مناظرے بھی کیے، خاص ذمہ داری یہ تھی کہ منظر اسلام کے انتظام وانصرام میں بھی ہاتھ بٹائیں اور ہر سال کے اوقات صلاۃ وصوم کی تخریج کریں۔ یہاں آپ کی تدریس سے تلامذہ کی اچھی تعداد نے فائدہ اٹھایا، شوال ۱۳۲۸ھ میں اعلیٰ حضرت کے حکم سے انجمن نعمانیہ ہند لاہور تشریف لے گئے، ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر اعلیٰ حضرت نے انہیں خطیب اور مفتی کی حیثیت سے شملہ بھیجا، اگلے سال ۱۳۳۰ھ میں مولانا عبد الوہاب الہٰ آبادی کا قائم کردہ جدید ادارہ مدرسہ حنفیہ آرہ بہار میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے، یہ عہدہ بھی اعلیٰ حضرت کے حکم سے قبول فرمایا۔ اس ادارے کو سنبھالا دینے کے بعد ڈسٹرکٹ سیشن جج سید نور الہدیٰ ولد شمس الہدیٰ کے قائم کردہ ادارے مدرسہ شمس الہدیٰ میں مدرس اول کی حیثیت سے طلب کیے گئے، آپ نے یہاں چار سال تک تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا۔ ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں سید شاہ ملیح الدین سجادہ نشیں خانقاہ کبیریہ سہسرام کی درخواست پر مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام تشریف لے گئے۔ حضرت یہاں مدرس اول کی حیثیت سے ۱۳۳۸ھ کے اوائل تک تدریسی خدمت انجام دی، یہیں آپ کے شہزادے پروفیسر مختار الدین احمد اور صاحبزادی ربیع خاتون کی ولادت ہوئی، یہاں کے رفقاء ادارہ میں مولانا سید ابو الحسن خوشدل سہسرامی (۱۹۳۵ء) مولانا نجم الدین سہسرامی، مولانا رحم الٰہی مظفر نگری (۱۳۶۳ھ) مولانا سید موسیٰ رضا کاکوی (م ۱۹۵۲ء) مولانا فرخند علی مدرس خانقاہ کبیریہ کے اسمائے گرامی

خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ حکومت بہار کے حوالے ہو گیا، حکومت کے زیر نگرانی انتظامات کی تجدید ہوئی، اور نئی تقرریاں عمل میں آئیں، اس وقت بھی ملک العلماء کو سنٹر مدرس کی حیثیت سے منتخب کیا گیا، حضرت نے ۱۳۳۸ھ میں یہ منصب سنبھالا اور اسے خوبیٔ تدبیر سے نبھایا۔ آپ ۳۰/ ۳۲ سال تک اس ادارے سے وابستہ رہے اور ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ملک العلماء اطمینان کے ساتھ تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے، مگر دولت کدہ پر بعض حضرات بھی ان دنوں حصول علم کیلئے حاضر ہوتے، یوں تدریس کا سلسلہ بھی ضمنی طور پر جاری رہا، بارگاہ عشق متین گھاٹ کے سجادہ نشیں شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں کی فرمائش پر ۲۱/ شوال ۱۳۷۱ھ کو ملک العلماء نے کٹیہار (بہار) میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی محنت وکوشش سے اسے بہت فروغ دیا۔ منصب صدارت کو خود رونق بخشی، تدریس کیلئے اچھے اساتذہ مدعو کیے، حضرت ملک العلماء تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ہدایہ آخرین، مناظرہ رسیدیہ کا درس دیتے۔ فتویٰ نویسی، تصنیف اور وعظ کی مصروفیات علاحدہ تھیں۔ اس ادارے کو کٹیہار اور مضافات میں دین علم سے منسلک کیا اور قابل قدر علماء پیدا کیے، اپنے وصال سے دو سال پہلے ۱۳۸۰ھ میں حضرت ظفر منزل تشریف لے آئے اور خود کو تصنیف وافتاء اور ذکر الٰہی کیلئے خاص کر لیا۔ البتہ درس قرآن اور وعظ کا سلسلہ اب بھی جاری رہا۔

تلامذہ کرام: ☆ سید شاہ احسن الہدیٰ خانقاہ شاکریہ پنڈ شریف ضلع مونگیر (بہار) ☆ سید شاہ فرید الحق عمادی سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی، ☆ سید شاہ عاشق حسین شمسی، سجادہ نشیں خانقاہ درگاہ شاہ ارزاں شاہ گنج، پٹنہ ☆ علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی (م ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء) نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور ☆ شمس العلماء مفتی نظام الدین بلیاوی ثم الہ آبادی (م ۱۹۹۴ء) ☆ مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی (م ۲۰۰۲ء) ☆ مولانا محمود رفاقتی مظفر پوری ☆ خواجہ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین پورنوی (م ۱۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ/ ۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۳ء) ☆ مولانا شہاب الدین اشرفی ☆ مولانا ربد الرشید رشیدی پورنوی ☆ مولانا شفیق احمد سہسرامی مرحوم۔

بیعت وخلافت: حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ نے اپنے آپ کو حلقہ بگوشان اعلیٰ حضرت میں یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ میں شامل کیا اور حسب تعلیم وظائف واعمال قادریہ رضویہ میں مشغول رہنے لگے۔ ۱۳۲۵ھ میں بزمانہ عرس سراپا قدس سرکار مارہرہ سید آل رسول مارہروی قدس سرہ دستار خلافت سے مشرف ہوئے اور بیعت وارشاد کی اجازت عطا فرمائی۔

سیدی اعلیٰ حضرت نے اپنے پچاس خلفاء کی فہرست میں ۲۴ واں نمبر پر آپ کا ذکر خیر اس طرح کیا ہے "جناب مولوی ظفیر الدین بہاری، پروفیسر مدرسہ عربیہ خانقاہ سہسرام، عالم، فاضل، کامل، مفتی، مصنف، مدرس، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت، ملقت از جانب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ بہ ولدی الاعز" (مرتب)

ذوق مطالعہ: ذوق مطالعہ ہی فنی صلاحیتوں کو جلا بخشتا

ہے اور فکری حسن کو نکھارتا ہے۔ ملک العلماء کو قدرت نے یہ ذوق بہت ہی فیاضی کے ساتھ عطا کیا تھا، آپ کو طالب علمی کے زمانے میں کتب بینی کا شوق تھا، جو رفتہ رفتہ عشق کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

''انہیں کتابیں جمع کرنے کا شوق طالب علمی کے زمانے سے تھا، ایک مجلد میں ''فہرست کتب علوم فقیر ظفر الدین احمد مورخہ ۱۰ر رجب المرجب ۱۳۲۳ھ'' کے عنوان کے تحت کتابوں کے نام درج کیے ہیں اس وقت بریلی میں ان کے پاس ۹۸ کتب و رسائل تھے۔''

ملک العلماء خود ہی مطالعہ سے شغف نہ رکھتے تھے بلکہ طلباء کو بھی مطالعہ اور کتابیں خریدنے کی ترغیب دیتے۔ یہاں بھی مولانا شہاب الدین اشرفی صاحب کا مشاہداتی بیان پیش کرتا ہوں، کیونکہ یہ ان کی آنکھوں دیکھی ہے۔

''ضعف، پیری اور علمی تبحر کے باوجود حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کے مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ ضرورت کی تکمیل کے بعد وقت ضائع نہ فرماتے، مختلف علوم و فنون کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔ قیلولہ کے وقت عموماً اخبار و رسائل کا مطالعہ کرتے۔ جب میں یا اور کوئی طالب علم خدمت کیلئے جاتا تو ان سے علمی گفتگو یا واقعات بیان فرماتے اور ان پر اپنا ناصحانہ تبصرہ فرماتے۔ طلباء کو کتابوں اور اہم رسالوں کا مطالعہ کی ترغیب دیتے، خصوصاً امام احمد رضا قدس سرہ کے رسائل کے مطالعہ کی تاکید فرماتے، ''الاشباہ والنظائر'' کے فوائد کا ذکر فرماتے ہوئے مجھے اس کے مطالعہ کی خصوصی ترغیب دی، کتابوں کی خریدنے کی نصیحت فرماتے تھے کہ علماء کے ہتھیار ہیں، نیز فرماتے جب بھی سنی علمائے کرام کی کوئی تصنیف منظر عام پر آجائے تو اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ اس کے حاصل کرنے میں صرف کرو، انہیں کی ترغیب کا اثر تھا کہ وہاں کے مختلف باذوق طلباء کچھ نہ کچھ کتابیں ضرور خریدتے۔ میں نے بھی بفضلہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ کتابیں دوران طالب علمی میں خریدلیں جن میں شرح جامی کی معروف شرح ''محرم آفندی'' بھی شامل ہے۔''

تصنیفات و تالیفات: حضرت ملک العلماء نے کثیر تعداد میں مختلف علوم و فنون پر کتابیں تصنیف کی ہیں، ان میں سے چند کے اسماء حسب ذیل ہیں: (۱) شرح کتاب الشفا (۲) جامع الرضوی، (۳) التعلیق علی القدوری، (۴) ظفر الدین الجید، (۵) گنجینہ مناظرہ کلکتہ (۶) جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (۷) حیات اعلیٰ حضرت چار جلدیں (۸) سد الفرار (۹) وافیہ، (۱۰) عافیہ (۱۱) تذہیب، (۱۲) الجواہر والیواقیت، (۱۳) اطیب الاکسیر (۱۴) ندوۃ العلماء (۱۵) سرور القلوب۔

افتاء: ملک العلماء ۱۳۲۱ھ میں بریلی پہنچے اور ۱۳۲۲ھ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ درسیات کے ساتھ مشق افتاء بھی شروع ہوئی، پہلا فتویٰ لکھ کر جب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا تو حسن اتفاق کہ بالکل صحیح نکلا، اعلیٰ حضرت خوش ہوئے، دعائیں دیں اور انعام سے بھی نوازا۔ ملک العلماء فخریہ انداز میں اس نوازش کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جامع حالات فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ ۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کیلئے پیش کیا۔ حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لیے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، والد ماجد قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرنی کھانے کیلئے ایک روپیہ عنایت فرمایا تھا، آج آپ نے جو فتویٰ لکھا، یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاء اللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لیے اسی اتباع میں ایک روپیہ آپ کو شیرنی کھانے کیلئے دیتا ہوں۔ غایت مسرت کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی اور میں کچھ نہ بول سکا، اس لیے کہ فتویٰ پیش کرتے وقت میں خیال کررہا تھا کہ خدا جانے جواب صحیح لکھا ہے کہ غلط۔ مگر خدا کے فضل سے وہ جواب صحیح نکلا اور بالکل صحیح نکلا، اور پھر اس انعام پر اور وہ بھی ان الفاظ کریمانہ سے کہ میرے والد ماجد نے اول فتویٰ صحیح پر انعام دیا تھا۔ اس لیے میں بھی اول فتویٰ صحیح پر انعام دیتا ہوں، حق یہ ہے کہ ایک خادم کی وہ عزت افزائی ہے جس کی حد نہیں اور اس کے بعد اس پر ہمیشہ برقرار رکھا، میرے پاس چالیس سے زیادہ مکاتیب ہیں جو وقتاً فوقتاً بریلی شریف امضاء فرمائے۔ اس میں برابر ولدی الاعز مولانا مولوی ظفر الدین جعلہ اللّٰہ تعالیٰ کا سمہ ظفر الدین سے شروع کیا فرمایا۔ فتویٰ شریف جلد اول میں میرا نام انہیں لفظوں سے تحریر فرمایا۔''

افتاء کا سلسلہ پوری زندگی چلتا رہا حتیٰ کہ وصال کے دن بھی وراثت کے متعلق ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

''زندگی کے آخری دن صبح دریاپور کی مسجد جاکر حسب معمول انہوں نے قرآن پاک کا درس دیا اور اسی شام کو چار خط لکھے، والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ دو خطوط کے بارے میں تو یاد نہیں، تیسرا خط تمہارے نام تھا اور چوتھا خط بہت طویل تھا جو وراثت کے ایک پیچیدہ مسئلہ کے بارے میں تھا''، احقر نے ممکنہ وسائل سے حضرت ملک العلماء کے جتنے فتاویٰ اور فقہی رسائل دستیاب ہو سکتے تھے انہیں کتابی صورت دے دی۔ یہ فتاویٰ ملک العلماء ۵۱۲ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

مناظرہ: ملک العلماء نے غیر مقلدین، دیوبندیوں، آریوں اور پادریوں سے کئی ایک کامیاب مناظرہ کیے ہیں۔ کئی مناظرہ میں اعلیٰ حضرت کے حکم سے تشریف لے گئے اور کئی جگہ انہیں خود طلب کیا گیا، رنگون (برما) رام پور، بریلی، کلکتہ، میوات اور راندیر کے مناظروں کا تحریری صورت میں تذکرہ ملتا ہے، کئی تحریریں بھی منظراتی انداز کی ہیں جن میں

مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ میں جدلیاتی علم شباب پر ہے۔ کلکتہ کے مناظرے کی روداد " گنجینۂ مناظرہ " (۱۴۴۳ھ) کے نام سے چھپ چکی ہے، رام پور کے مناظرے کی تفصیل کشف الستور عن مناظرہ رام پور (۱۴۴۳ھ) میں موجود ہے۔ ظفر الدین الجید میں تھانوی کا گھیراؤ ہے اور ظفر الدین الطیب میں غیر مقلدیت کے فتنے کو لگام دی گئی ہے۔

۱۳۳۵ھ میں میوات میں دیو بندیوں کے خلاف مناظرہ کیلئے مولانا صوفی رکن الدین صاحب الوری نے مولانا احمد حسین خاں صاحب رام پوری مقیم درگاہ معلیٰ اجمیر شریف اندرون حجرہ نواب رام پور کو کسی عالم مناظر کو لینے کیلئے بریلی شریف بھیجا، سیدنا اعلیٰ حضرت نے بحیثیت عالم مناظر حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کو بھیجا، اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی، جب بخیر وخوبی بریلی شریف پہنچ کر سیدنا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کو مناظرہ کی روداد سنائی گئی تو اعلیٰ حضرت نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور روداد مناظرہ کا نام " یکے نجدیہ کا چپ مناظرہ " رکھا اور حضرت استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں صاحب نے اس کا تاریخی نام " شکست سفاہت " رکھا۔

۱۳۳۴ھ میں کلکتہ میں خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ محمد لعل خان رضوی مدراسی علیہ الرحمہ کی درخواست پر اعلیٰ حضرت نے حضرت ملک العلماء علامہ ظفر الدین رضوی بہاری علیہ الرحمہ کو کلکتہ روانہ کیا، چلتے وقت سیدنا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے حضرت ملک العلماء کو دس دس کے دو نوٹ یعنی ۲۰/روپے عنایت فرمائے اور اپنی دعاؤں کے ساتھ الوداع کہا۔ حضرت ملک العلماء فرماتے ہیں: میرے پہنچنے کی خبر ملتے ہی سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا، کس میں مناظرہ کا دم ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دعا کا اثر ہے

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے بہت کچھیاتے یہ ہیں

شکل نورانی: گندمی رنگ، دراز قد، کشادہ چہرہ، جسم توانا، بھرا بھرا کشادہ پیشانی، آنکھیں بڑی بڑی، ریش مبارک گھنی اور خوبصورت، ہاتھ دراز اور چوڑے، آواز بلند اور باترع تھی، مزاج میں شوکت تھی لیکن تواضع، جبروت تھا لیکن سادہ، رعب تھا لیکن شفیقانہ۔

امام احمد رضا سے شیفتگی: اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ملک العلماء کو ہمیشہ اپنی خصوصی نوازش کا مستحق سمجھا، اس لیے ملک العلماء کے دل میں بھی اعلیٰ حضرت سے والہانہ وابستگی کے جذبات تھے، شفقت واکرام کے یہ سلسلے ادبیات سے لے کر معاملات تک تھے۔ تصنیف، تدریس، خطابت، مناظرہ، خانگی معاملات، حتیٰ کہ اوراد میں بھی ملک العلماء اعلیٰ حضرت کی پیروی اپنے لیے لازم سمجھتے تھے، اعلیٰ حضرت کے حضور بالکل چوقلم دردست کاتب تھے۔ اپنی پسند ناپسند کا کوئی دخل نہ تھا، ہر کام اعلیٰ حضرت کے مشورے اور حکم سے ہوتا، اعلیٰ حضرت نے جہاں تدریس کیلئے متعین کیا وہاں تشریف لے گئے۔ جہاں سے طلب کیا وہاں سے حاضر ہوئے، ۱۳۲۹ھ تک بریلی شریف ہی میں رہے، اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے حکم سے ہی شملہ تشریف لے گئے، بریلی واپسی ہوئی تو پھر اعلیٰ حضرت نے آرہ بھیجا، متعدد جگہ مناظرہ کیلئے روانہ کیا، پٹنہ اور سہسرام کے دوران قیام مراسلات کا

سلسلہ قائم رہا جن میں کتابوں کی تصحیح، متعدد کتب کے حوالوں کی تخریج، ہیئت وتوقیت کے نقشہ جات تیار کرنے کا حکم ہوتا اور ملک العلماء خوشی خوشی ساری ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہوکر ان احکام کی تعمیل کو اولین ترجیح دیتے، اس سلسلہ میں کبھی کبھی سہسرام سے پٹنہ خدا بخش لائبریری کا سفر کرنا پڑتا اور وہاں قیام کر کے مطلوبہ کتابوں کی عبارتیں تلاش کی جاتیں۔ ملک العلماء نے حسن ادب خاص پایا تھا اور بارگاہ رضا سے شیفتگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، اس لیے دربار رضا کی ہر شئے سے والہانہ انس تھا۔

معمولات شب وروز: فجر سے پہلے بیدار ہوکر نماز فجر کی تیاریوں میں مصروف ہوجاتے، سنت پڑھ کر وظائف میں مصروف رہتے، پھر نماز فجر باجماعت پڑھ کر مختصر وظائف ادا کر کے کبھی صباحی سیر پر نکل جاتے، ساتھ ہی ذکر الٰہی کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور مصلیٰ پر ہی بیٹھے بیٹھے مصروف عبادت رہتے، پھر ناشتہ سے فراغت کے بعد تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوجاتا، مدرسہ میں درس کے اوقات میں مسلسل پانچ گھنٹہ درس دیتے، صرف ظہر کی نماز، ظہرانے اور قیلولہ کا وقفہ ہوتا، اس وقفہ میں اخبارات اور رسائل مطالعہ ہوتا، پھر درس میں مصروف ہوجاتے، عصر کے بعد اکابر علماء اہل سنت کی طرح علمی نشست ہوتی اور زبانی افادات کے سلسلے جاری رہتے، مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد مطالعہ میں مصروف ہوجاتے، عشائیہ کے بعد بھی مطالعہ ہوتا، تصنیفی معاملات ہوتے یا وعظ اور سیرت کے جلسوں میں تشریف لے جاتے، آخر کے دنوں میں جب آپ جامعہ لطیفیہ سے سبکدوش ہوکر ظفر منزل پٹنہ میں مقیم تھے، درسی مصروفیت کم تھی لیکن گھر پر تدریس کا سلسلہ جاری رہا، شاہ احسن الہدیٰ، شاہ فرید الحق عمادی، شاہ سید عاشق حسین ارزاں شاہی حضرت کے گھر آ کر درس لیتے رہے، عوامی سطح پر آپ نے درس قرآن حکم کا سلسلہ جاری رہا، ہر ایک شنبہ صبح ۱۰ر بجے دریاپور کی مسجد میں تشریف لے جاتے اور قرآن حکیم کی تفسیر بیان فرماتے۔ ہاں! معمول کے شب وروز میں کبھی کبھی سفر کا معاملہ ضرور خلل ڈالتا، چاہے وہ سفر کسی دینی مقصد کیلئے ہو یا وعظ وتقریر کیلئے۔

وصال مبارک: تقریباً اسی (۸۰) سال کی عمر میں ۱۹ر جمادی الآخریٰ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو اتوار کا دن گزار کر پیر کی رات میں وقت متعین آ پہنچا اور آپ نہایت سکون کے ساتھ اسم جلالت اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے رب حقیقی سے جا ملے، پیر کے دن فردوسی شطاری سلسلہ کے بزرگ حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشیں خانقاہ اسلام پور پٹنہ (م ۱۹۶۷ء) نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، جو آپ کے مذکورہ سلاسل میں مرشد اجازت بھی تھے، درگاہ شاہ ارزاں (م ۱۰۲۸ھ) کے جوار میں محلہ شاہ گنج قبرستان میں گنجینۂ سعادت کو سپرد خاک کیا گیا۔

(جہان ملک العلماء۔ ص: ۳۸۶ تا ۴۱۶، تلخیص: مرتب)

❀❀❀

صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ

مولانا غلام مصطفی نعیمی، مدیر سہ ماہی سواد اعظم دہلی

gmnaimi@gmail.com

شہر مرادآباد ہندوستان کے سب سے بڑے صوبے اتر پردیش کے مغرب میں دریائے رام گنگا کے کنارے آباد ہے۔ اس شہر میں علم وفن کے بڑے بڑے عظیم فنکار پیدا ہوئے کبھی اس شہر کو "جگر مرادآبادی" کے نام سے جانا گیا تو کبھی مولانا کفایت علی کافیؔ نے اس "شہر مراد" کو عروج دلایا تو کبھی مولانا منصور علی صاحب نے اسے شہرت دلائی۔ اسی شہر میں ۲۱، صفر المظفر ۱۳۰۰ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۸۳ء پیر کے روز شہر کے ایک نامور شاعر اور مشہور فارسی داں مولانا سید محمد معین الدین نزہتؔ کے یہاں ایک ہونہار بچہ پیدا ہوا تاریخی نام "غلام مصطفی" رکھا گیا اس بچے نے آگے چل کر مرادآباد کو اتنی شہرت دلائی کہ جو شہر کبھی جگر کی غزل گوئی کیلئے جانا جاتا تھا یا جسے حضرت مولانا کفایت علی کافیؔ کے مجاہدانہ عزائم اور ان کے نعتیہ کلام کیلئے یاد کیا جاتا تھا اسی شہر کو "غلام مصطفی" نامی اس سعادت مند بچے نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی کبھی اپنے علم حدیث سے رفعت دلائی، کبھی علم تفسیر کے جلووں سے دنیا کو روشناس کرایا، تو کہیں "احقاق حق" فرما کر پنڈتوں آریوں کو لاجواب وساکت کر کے مرادآباد کو تاریخ ہند میں ایک نمایاں مقام دلایا جس کی وجہ سے آپ کو امام المفسرین، عمدۃ المتکلمین، استاذ العلماء، اور امام الہند کہہ کر پکارا گیا جب کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی بارگاہ سے "صدر الافاضل" کا خطاب پایا

تعلیمی سفر:

امام الہند حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے محض آٹھ سال کی چھوٹی سی عمر میں قرآن مقدس حفظ کیا اور فارسی کی تعلیم والد ماجد حضرت مولانا سید معین الدین نزہت علیہ الرحمہ کے پاس ہوئی جو فارسی کے نامور ادیبوں میں شمار کئے جاتے تھے اور مرادآباد کے اہل علم کے درمیان ایک نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ اردو فارسی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد حضرت صدر الافاضل نے مولانا شاہ فضل احمد امروہوی علیہ الرحمہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور ملا حسن تک سبھی درسی کتابیں آپ کی ہی درسگاہ میں پڑھیں اس کے بعد استاذ العلماء حضرت علامہ شاہ گل محمد قادری کابلی علیہ الرحمہ کی درسگاہ میں دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ اور ایک سال فتویٰ نویسی کی مشق کرنے کے بعد ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں مدرسہ امدادیہ ڈپٹی گنج مرادآباد سے دستار فضیلت حاصل کی اس حسین و یادگار موقع پر آپ والد محترم مولانا معین

الدین نزہت نے یہ تاریخی اشعار کہے

ہے میرے پسر کو طلبہ پر وہ فضیلت :
سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت
نزہت نعیم الدین کو یہ کہہ کے سنادے :
دستار فضیلت کی ہے تاریخ فضیلت

(۱۳۲۰ھ)

[حیات صدر الافاضل لاہور صفحہ ۱۰]

بیعت وارادت:

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے سوچا کہ اب کسی مرد کامل کے دامن کرم سے وابستہ ہوجانا چاہئے۔ یہ سوچ کر آپ نے پیلی بھیت کا سفر اختیار فرمایا۔ جہاں حضرت شاہ جی محمد شیر میاں صاحب علیہ الرحمہ جلوہ فرما تھے۔ آپ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے آپ کی بڑی پذیرائی فرمائی۔ ابھی آپ خاموش ہی تھے کہ دفعتاً خود ہی شاہ صاحب نے فرمایا "میاں مرادآباد میں مولانا گل محمد صاحب بڑی اچھی صورت ہیں میں مرادآباد جاتا ہوں تو ان کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا ہوں۔ آپ جس ارادے سے یہاں آئے ہیں آپ کا وہ حصہ مرادآباد میں ہی ہے۔ صدر الافاضل مرادآباد واپس آئے اور اپنے استاذ محترم شاہ گل محمد قادری کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ استاذ محترم نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا "شاہ جی میاں کے یہاں ہو آئے اچھا پرسوں جمعہ ہے نماز فجر کے بعد آئیے آپ کا جو حصہ ہے وہ عطا کیا جائیگا۔ تین روز کے بعد جمعہ کے دن بعد نماز فجر حضرت مولانا شاہ گل محمد قادری علیہ الرحمہ نے سلسلہ قادریہ میں بیعت فرمایا اور آپ کا جو حصہ تھا وہ آپ کو عطا کیا۔ بعض سوانح نگاروں نے صدر الافاضل کو شیخ المشائخ حضور اشرفی میاں علیہ الرحمہ کا مرید بتایا ہے وہ غلط ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

صدر الافاضل کا منظر عام پر آنا:

جس وقت مولوی اشرفعلی تھانوی نے ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں اپنی رسوائے زمانہ کتاب حفظ الایمان شائع کی تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ صدر الافاضل عنفوان شباب کی منزل میں تھے۔ تازہ تازہ علم دین کی بہاروں سے آشنا ہوئے تھے۔ قویٰ مضبوط، حوصلے بلند، نگاہ آفاقی، فکر ستھری، سوچ نکھری اور علمی اٹھان اوج ثریا کی جانب گامزن تھی۔ اسی زمانے میں ریاست رامپور کی سرزمین پر حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری علیہ الرحمہ نے عقائد اہل سنت کی حمایت اور وہابیت کی بیخ کنی کے لیے ایک معرکۃ الآرا کتاب "اعلام الاذکیاء" تحریر فرمائی تھی، اس کتاب کے منصۂ شہود پر آتے ہی ایوان وہابیت میں زلزلہ طاری ہوگیا، اور عوام اہل سنت پر ظاہر ہوگیا کہ حنفیت کی آڑ میں اسماعیلی فکر کو بڑھاوا دے کر ابن عبدالوہاب نجدی کے گمراہ نظریات کی راہ ہموار کی جارہی ہے۔ اس لیے علمائے دیوبند نے اپنی خفت مٹانے اور عوام کی نگاہ میں اپنی عزت کو بچانے کے لیے رامپور کے ہی ایک دیوبندی عالم مولوی واحد نور کو آگے بڑھایا اور شاہ صاحب کی کتاب کی تردید میں 'اعلائے کلمۃ الحق' نامی کتاب لکھی گئی اور بزعم خود 'اعلام الاذکیاء' کا رد کیا گیا، حالانکہ شاہ صاحب کی جلالت علمی کے سامنے وہ کتاب کہیں نہیں ٹھہرتی مگر چند بے سروپا سوالات قائم کر کے عوام پر یہ دھونس جمائی کہ دیکھو ہم نے شاہ سلامت اللہ صاحب کا علمی رد کر دیا۔ حافظ واحد نور کی کتاب جب حضرت صدر الافاضل کے مطالعہ میں آئی تو آپ

نے کوئی خاص توجہ نہیں دی مگر مرادآباد کی ایک مشہور شخصیت، محب اعلیٰ حضرت، الحاج ملاّ اشرف شاذلی صاحب نے اس کے رد کا اصرار کیا۔ حاجی صاحب ویسے تو زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے البتہ مطالعہ اچھا خاصہ وسیع تھا، بزرگوں کے بڑے عاشق تھے، اہل علم سے محبت ان کی گھٹی میں تھی۔ خود صدرالافاضل سے گہرے تعلقات اس بات کی غمازی کرتے ہیں۔ کہاں صدرالافاضل عمر کی ۲۰، ویں بہار میں تھے اور کہاں حاجی صاحب ایک پختہ عمر کے سن رسیدہ شخص، مگر حاجی صاحب فضیلت علم کی وجہ سے صدرالافاضل سے بہت محبت فرماتے تھے۔ حاجی صاحب کے بارے میں صدرالافاضل کے عزیز شاگرد تاج العلما مفتی محمد عمر نعیمی (مدیر اعلیٰ السواد الاعظم مرادآباد) تحریر فرماتے ہیں:

> ''حاجی صاحب کو ان کے پیر کی دعا سے ایسی قوت حافظہ حاصل تھی کہ وہابیہ اور اہل سنت کی تمام [مناظرانہ] کتابیں حفظ تھیں، بے پڑھے لکھے آدمی تھے مگر مناظروں میں حاضر ہوتے، مناظر کو بتاتے رہتے کہ فلاں مضمون فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر ہے، وہ صفحات نکالتے تو موجود ہوتا۔ اس طرح تمام کتب مناظرہ انہیں ازبر تھیں، بڑے مقدس بزرگ تھے''۔ (حیات صدرالافاضل نمبر، سواد اعظم لاہور، ص ۷۔)

انہوں نے صدرالافاضل سے کافی اصرار کیا کہ آپ ضرور اس کتاب کا رد فرمائیں کہ وہابیہ شور کرتے ہیں کہ ہم نے شاہ سلامت اللہ صاحب کی کتاب کا رد کر دیا اور کوئی سنی عالم ہمارا جواب نہیں دے پا رہا ہے۔ حاجی صاحب کے پیہم اصرار پر آپ نے حافظ واحد نور کی 'اعلائے کلمۃ الحق' کے رد میں یہ بلند پایہ کتاب 'الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ' تحریر فرمائی۔

باوجود اس کے کہ یہ کتاب صدرالافاضل کی پہلی تصنیف اور نوعمری کی کاوش ہے مگر! علم وتحقیق کی دنیا میں اس کتاب کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، اپنے ہوں یا بیگانے سب نے اس کے طرز تحریر، زورِ استدلال، حوالہ جات کی کثرت اور اس کے ہمہ گیر اثرات کا اعتراف کیا۔ علم غیب مصطفی پر برصغیر ہندوستان میں اتنے مدلل ومفصل انداز میں لکھی جانے والی چند اہم کتابوں میں سے یہ ایک نمایاں تصنیف ہے۔ جس نے سرکارِ مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کے علم پاک پر سوال اٹھانے والوں کو عاجز وساکت کر دیا۔

اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں صدرالافاضل نے کس قدر مشقتیں برداشت کیں، اور کس طرح یہ بلند پایہ کتاب منظر عام پر آئی اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے مخدوم ملت حضرت مفتی غلام معین الدین نعیمی (مدیر اعلی سوادِ اعظم، لاہور) یوں رقم طراز ہیں:

> ''اس وقت چونکہ آپ کے پاس کوئی جامع کتب خانہ نہ تھا جس میں ہر ایک قسم کی کتابیں موجود ہوتیں، لامحالہ آپ نے رامپور اسٹیٹ کے کتب خانہ کی طرف رجوع کیا، مسلسل جا جا کر رامپور کے کتب خانہ سے حوالہ جات دیکھ کر آتے اور مرادآباد میں کتاب لکھتے، جب آپ کی عمر شریف بیس ۲۰ سال کی ہوئی تو وہ کتاب بھی مکمل ہو

گئی جو علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر (صدر الافاضل کی) سب سے پہلی اور جامع کتاب ہے جس کا نام 'الکلمۃ العلیاء لاعلاء علم المصطفیٰ' ہے۔ (حیات صدر الافاضل، ص ۴۶۔)

مذکورہ اقتباس کی روشنی میں آپ اندازہ لگائیں کہ کتاب کتنے سخت حالات میں تحریر کی گئی۔ جو لوگ قلم و قرطاس سے وابستہ ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک مصنف کے لئے کتابوں کی فراہمی اور یکسوئی سب سے ضروری ہوتی ہے۔ مگر صدر الافاضل کے یہاں ان دونوں ہی چیزوں کا فقدان تھا، نہ کتابیں ہی میسر تھیں اور نہ ہی یکسوئی کی دولت۔ رامپور کا فاصلہ بھی مراد آباد سے کوئی کم نہیں ہے، آج جب کہ دونوں شہروں کی آبادی میں حد درجہ اضافہ ہو چکا ہے اور دونوں شہر اپنی حدود اربعہ سے بہت آگے نکل چکے ہیں تب بھی رامپور شہر کے لیے مراد آباد سے قریب 30 کلو میٹر کی دوری طے کرنا پڑتی ہے، حالانکہ آج آمد و رفت کے ذرائع بہت زیادہ بڑھ چکے ہیں اور آج کسی بھی وقت آپ آسانی سے رامپور پہنچ سکتے ہیں، مگر! جب ایک صدی پہلے کے بارے میں سوچا جاتا ہے تو صدر الافاضل کی بے لوث قربانیاں، دین متین کے لیے ان کی سخت جدو جہد، باغیان مصطفیٰ کو کیفر کردار تک پہنچانے کی ان کی تڑپ اور عقیدہ اسلام کی حفاظت کے لیے اپنے وقت و مال کی پرواہ نہ کرنے کا منظر نگاہوں کے سامنے گھومتا ہے تو بے اختیار اس امام الہند کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے جس نے قوم مسلم کے عقائد کی حفاظت کے لیے اسلاف کی یادوں کو زندہ کر دیا، کہ جب ہمارے بزرگ ایک ایک روایت کے لیے میلوں میل کا سفر طے کرتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح صدر الافاضل نے ایک ایک روایت کے لیے نہ جانے کتنی مرتبہ مراد آباد سے رامپور کا سفر کیا۔ لیکن ان کی یہ محنت شاقہ رائگاں نہ گئی اور جاتی بھی کیسے! کہ یہ ساری تگ و دو عظمت احمد مختار کے لیے تھی اور بارگاہ رسول سے عاشقوں کو ہمیشہ ہی ان کے خلوص پر انعام و اکرام سے نوازا جاتا رہا ہے۔ اس کتاب کو بھی بارگاہ رسول سے مقبولیت کا پروانہ ملا اور یہ کتاب پیارے مصطفیٰ کے علم شریف کے بیان میں ایک اٹل دستاویز کی صورت اختیار کر گئی۔

جب یہ کتاب مکمل ہوئی اور حاجی اشرف صاحب نے اس کو سنا تو جذبہ حبّ رسول کی بنا پر خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، اور عاشق جب مسرور ہوتے ہیں تو ان کا عالم الگ ہی ہوتا ہے۔ حاجی صاحب نے اس کتاب کے مشمولات کو سماعت کر کے بطور انعام اپنے ہاتھ سے پیتل کا ایک پاندان اور دو اگالدان بنا کر پیش کئے۔ جنہیں یادگار کے طور پر محفوظ رکھا گیا ہے اور آستانہ نعیمیہ میں آج بھی یہ چیزیں محفوظ ہیں۔ پیتل سازی میں مہارت کا عالم یہ ہے کہ ابھی تک ان برتنوں کی قلعی بھی خراب نہیں ہوئی ہے۔ فقیر کا خیال یہ ہے کہ برتنوں کی قلعی خراب نہ ہونے کے پیچھے صنعت گری بھی ایک وجہ ہو سکتی ہے مگر اصل کمال صنعت گری کا نہیں بلکہ اس جذبہ صادق کا ہے جو حاجی صاحب کے سینے میں عشق رسول بن کر ضوفگن تھا۔ اور ایک بار عشق صادق کا رنگ چڑھ جائے تو دل تو دل ہے برتنوں تک سے رنگ نہیں اترتا۔ ع

چڑھ جائے رنگِ عشق تو اترے ہے پھر کہاں
رنگِ الفت ہے یہ رنگِ دیوار نہیں ہے

بارگاہ اعلیٰ حضرت میں اس کتاب کی حاضری:

جب یہ کتاب مستطاب مکمل ہوگئی تو حاجی اشرف صاحب اس کتاب کو لیکر مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔اس کی پوری منظر کشی مفتی غلام معین الدین نعیمی یوں فرماتے ہیں:

''حاجی صاحب نے اعلیٰ حضرت کی خدمت اقدس میں کتاب پیش کی۔اعلیٰ حضرت نے اس کو ملاحظہ کر کے فرمایا: ماشاء اللہ بڑی عمدہ، نفیس کتاب ہے، یہ نو عمری اور اتنے احسن دلائل کے ساتھ اتنی بلند پایہ کتاب مصنف کے ہونہار ہونے پر دال ہے''۔

(حیات صدر الافاضل، ص ۴۷)

اس کتاب کے بارے میں امام اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی شہادت کے بعد کسی اور علمی شہادت کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس وقت تک علم غیب مصطفی پر 'الکلمۃ العلیاء ایک نمایاں اور اہم کتاب تھی بعد میں سفر حج کے موقع پر اعلیٰ حضرت کے قلم حق سے 'الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیۃ نام کتاب منصۂ شہود پر آئی جو منکرین علم غیب کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔آج بھی یہ دونوں کتابیں اپنے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔فرقہ وہابیہ آج تک ان لاجواب کتابوں کا جواب لانے سے قاصر ہے۔اور صبح قیامت تک وہابیہ کی تمام ذریت بھی اس کا جواب نہیں لاسکتی۔

اس طرح بارگاہ اعلیٰ حضرت میں صدر الافاضل کا چرچا تو پہنچ گیا لیکن ابھی تک بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔جلد ہی ایک ایسا موقع بھی آیا کہ تاریخ کی ان دو عظیم شخصیتوں کی ملاقات ہوئی، اور ملاقات بھی ایک ایسے جذبہ دینی کے سبب ہوئی جس کی آج بڑی ضرورت ہے۔بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی نے اعلیٰ حضرت اور صدر الافاضل کی ملاقات کی جو روداد قلم بند فرمائی ہے ہم اسے یہاں من وعن نقل کرتے ہیں:

تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے:

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ عنہ کی کتابوں کے مطالعہ سے آپ [صدر الافاضل] کے دل میں ان کی غائبانہ محبت وعقیدت پیدا ہو چکی تھی مگر ابھی ملاقات کا کوئی موقع فراہم نہ ہوا تھا۔اس کی تقریب یہ ہوئی کہ جودھپور کے ادریس نامی وہابی نے مرادآباد کے اخبار نظام الملک میں اعلیٰ حضرت کے خلاف ایک مضمون شائع کیا، جو سب وشتم اور لغویات سے بھرا ہوا تھا آپ نے اسے ملاحظہ فرمایا تو بقول حضرت مولانا محمد عمر صاحب نعیمی کے صدر الافاضل کو بخار چڑھ آیا اسی رات اس کے رد میں مضمون تیار کیا اور صبح نفس نفیس خود اخبار کے دفتر جا کر اخبار کے ایڈیٹر سے اس کی اشاعت کے لئے کہا وہ آپ کا جواب شائع کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔آپ نے فرمایا تم میرا مضمون چھاپو، اس سے سنی بھی تمہارے پرچے کے خریدار ہو جائیں گے، پھر جودھپوری اگر میرے مضمون کا رد لکھے اس کو بھی چھاپو، پھر میرا جواب الجواب بھی شائع کرو، اس طرح تمہارے پرچے کی خریداری ایک دم بڑھ جائے گی، یہ کاروباری لائن اس کے سمجھ میں آگئی اور اس نے اس سلسلہ کے کئی

مضامین شائع کئے۔

مختلف جگہ سے اعلیٰ حضرت معتقدین نے ان کے پاس یہ خط لکھا کہ نظام الملک میں آپ کے جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ آپ ہمیں بھیج دیجئے ۔آپ کو حیرت تو ہوئی کہ میں نے کچھ شائع نہیں کرایا ہے پھر بھی آپ نے مرادآباد کے ایک شاذلی بزرگ الحاج محمد اشرف کو جو آپ کی خدمت میں آتے جاتے رہتے تھے لکھ بھیجا کہ نظام الملک کے ایک ماہ کے پرچے فراہم کر کے ساتھ لائیں۔

وہ پرچے جب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پہونچے تو آپ نے صدرالافاضل کے مضمون کا زور بیان، اس کی صاف ستھری زبان، حسن ترتیب، اور قوت استدلال ملاحظہ فرمایا۔ بے حد خوش ہوئے اور پوچھا یہ مولانا نعیم الدین صاحب کون بزرگ ہیں۔ حاجی صاحب نے عرض کی۔ یہ مرادآباد کے ہی ایک نوجوان فاضل اور اعلیٰ قابلیت کے سنی عالم ہیں۔آپ نے ملاقات کی خواہش ظاہر فرمائی۔ حاجی صاحب نے اپنے ساتھ لے جا کر ملاقات کرائی۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کا بڑا اعزاز واکرام فرمایا۔ پھر تو ہر مہینہ آپ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے تھے۔اس طرح علم ودانش کے ایک پرشور دریائے عظیم کو معارف الٰہیہ کے ایک بحر ذخار کی آغوش راحت نصیب ہوئی، چنانچہ صدرالافاضل فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سے ایسے علوم عطا فرمائے تھے جن سے آج دنیا کے ہاتھ خالی ہیں مجھے اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ میں ان کی وسعت معلومات، دقت نظر، علو مضامین، بلندی تحقیق، جودت کلام کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں''۔ (مفتی عبدالمنان اعظمی: المیزان امام احمد رضا نمبر، ص ۱۸۸)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت سے صدرالافاضل کا رشتہ اس قدر مضبوط ہوا کہ زندگی بھر قائم رہا، خود صدرالافاضل فرماتے ہیں ''میرا معمول تھا کہ اعلیٰ حضرت کے آستانے کے لیے کبھی میرا بستر کھلا ہی نہیں، میں لازمی ہر پیر اور جمعرات کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں جاتا تھا''۔

مذکورہ اقتباس کو پڑھ کر سطح ذہن پر اصاغر نوازی، علم دوستی اور اعتراف صلاحیت کے خوب صورت مناظر دکھائی دیتے ہیں، یہاں ہم چند اہم نکات بھی قارئین کی نگاہوں کے سامنے رکھتے ہیں:

☆اعلیٰ حضرت (پیدائش ۱۲۷۲ھ) صدرالافاضل (پیدائش ۱۳۰۰ھ) سے 28 سال بڑے تھے۔

☆جس وقت صدرالافاضل کی پہلی ملاقات ہوئی اس وقت آپ اکیس سال کے ابھرتے ہوئے نوجوان تھے۔

☆اس نوعمری میں آپ کے قلم کی کاٹ، زور بیان، حسن ترتیب، ستھری زبان اور قوت استدلال کا عالم تھا کہ لوگوں نے اسے اعلیٰ حضرت کی تحریر سمجھا۔

☆صدرالافاضل کے مضامین کا ایسا معیاری ہونا کہ لوگ اعلیٰ حضرت کی تحریر سمجھ بیٹھیں، یقیناً یہ صدرالافاضل کے خداداد علم پر بڑی شہادت ہے۔

☆جس وقت صدرالافاضل کے مضامین کو دیکھ کر اعلیٰ نے

آپ کو بلوا بھیجا اس وقت تک اعلیٰ حضرت دو سو سے زائد کتابیں تصنیف فرما چکے تھے، اور آپ کے علم و فضل کا شہرہ عام ہو چکا تھا۔ لیکن پھر بھی ایک نوعمر عالم دین کے اٹھتے ہوئے علمی شباب اور فکری اٹھان کو دیکھ کر بلوا دینا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیشان "رحم اصاغر" پر عمل ہے اور آپ کی اصاغر نوازی کی خوب صورت مثال ہے۔ موجودہ وقت میں ایسی مثالیں عنقا ہو چکی ہیں۔

☆ اعلیٰ حضرت کے خلاف ادریس نامی وہابی کی تحریر پڑھ کر صدر الافاضل کو بخار آ جاتا ہے۔ حالانکہ اس وقت تک اعلیٰ حضرت سے آپ کی کوئی شناسائی نہیں تھی اور نہ ہی کسی طرح کا کوئی تعلق تھا لیکن ایسی بے لوث محبت کہ شدت الفت کے باعث بخار آ گیا، یہ یقیناً صدر الافاضل کی شدید اسلامی محبت اور جذبہ اخوت کا روشن و بین ثبوت ہے۔ حالانکہ "المعاصرۃ وجہ المغایرۃ" کا مقولہ بڑا مشہور ہے لیکن جہاں جذبات اسلامی ہوں، فکر خالص ہو وہاں اپنی جماعت کے سرخیل عالم سے ایسا ہی عشق ہونا چاہیے جیسا صدر الافاضل کے عمل سے ظاہر ہوا۔

☆ بخار کے باوجود صدر الافاضل رات میں ہی اس وہابی کا رد بھی تحریر فرماتے ہیں، یعنی کسی مصیبت کو دیکھ کر بستر پکڑ لینا بھی کار دانشمندی نہیں ہے بلکہ اس مصیبت کو دفع کرنا اصل کمال ہے جیسا کہ صدر الافاضل نے شدت بخار کے باوجود بلا تاخیر اس وہابی کا رد تحریر کیا۔

☆ اخبار کے ایڈیٹر کے مضمون کی اشاعت سے انکار پر جس حسن تکلم کے ساتھ اسے اشاعت پر آمادہ کیا یہ صدر الافاضل کی زمانہ شناسی اور مردم شناسی کی ایک بے حد چمکدار، روشن مثال اور کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم کا شاندار مظاہرہ ہے۔

☆ بعدہ جب ان مضامین صدر الافاضل کو اعلیٰ حضرت نے ملاحظہ فرمایا تو پوچھا "یہ مولانا نعیم الدین کون بزرگ ہیں۔" یہاں اعلیٰ کے اس قول "مولانا نعیم الدین کون بزرگ ہیں" کے دو معانی ہو سکتے ہیں:

1۔ صدر الافاضل کا معیار تحریر واقعی اتنا اعلیٰ تھا کہ کسی بزرگ کا ہی ہو سکتا تھا۔ ایک نوجوان سے ایسی معیاری تحریر کی امید نہیں ہوتی۔

2۔ یا پھر امام احمد رضا اپنے ممدوحین کو یہ بتا رہے ہیں کہ صاحب تحریر ایک بزرگ ہیں۔ اس لئے جب ملنے آئیں تو ان کی نوعمری کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا۔

اور فقیر کے فہم ناقص کے مطابق دوسرا معنی زیادہ قرین قیاس ہے کیوں کہ بعد میں زمانے نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت جیسی عبقری شخصیت نے صدر الافاضل کو اپنی بارگاہ میں وہ "مقام خاص" دیا جو ان کے کسی شاگرد، خلیفہ اور قریبی کو نہ ملا۔ یہی وہ مقام خاص تھا کہ اعلیٰ حضرت نہایت اہم معاملات میں صدر الافاضل سے مشاورت فرمایا کرتے اور اہم مقامات پر اپنا نائب بنایا کرتے تھے اور کسی "بزرگ کا نائب بزرگ" ہی ہوتا ہے۔

☆ جب صدر الافاضل کا رشتہ اعلیٰ حضرت سے جڑ گیا اور اس علم و فن کے اس بحر ذخار سے استفادہ کا موقع ملا تو صدر الافاضل نے آپ کی علمیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا:

"مجھے اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ میں ان کی وسعت معلومات، دقت نظر، علو مضامین، بلندی تحقیق، جودت کلام کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں"۔ اب جس شخصیت کے علم کی تعریف

کرنے سے صدر الافاضل جیسے استاذ العلما، سلطان المفسرین اور مدبر زمانہ خود کو قاصر سمجھیں ان کے علم پر اگر آج کا کوئی گرا پڑا شخص انگشت نمائی کرے تو اس کی حالت پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ ع

علم رضا تو عشق نبی کا انعام ہے

حیات وخدمات کے چند زریں کارنامے:

یوں تو امام الہند حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ اتنی متنوع اور مختلف الجہات عنوانات کی حامل ہے کہ اس مختصر سے مضمون میں ان کی خدمات کا کما حقہ احاطہ کر پانا بڑا مشکل امر ہے اس لیے چند اہم کارناموں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

تفسیر خزائن العرفان:

حضرت صدر الافاضل کی حیات مبارکہ کا یہ سب سے عظیم اور زریں کارنامہ ہے اور یہ حاشیہ نما تفسیر معتبر و معتمد تفاسیر کا نچوڑ ہے جسے آپ نے امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کے شاہکار ترجمہ قرآن ''کنز الایمان'' پر رقم فرمایا ہے۔ تفسیر کیا ہے؟ علوم و معارف کا گنج گرانمایہ ہے، جس میں آپ نے رب تعالیٰ کی عظمت و شان کو باقی رکھتے ہوئے محبت رسول علیہ السلام کے گل بوٹے کھلائے ہیں جس سے ہم عصر علما کی تحریر کردہ تفسیریں خالی تھیں کیوں کہ ان کے لکھنے والے علما ہی آداب الوہیت اور مقام رسالت سے ناواقف تھے اس لیے ان کی تفسیریں قبولیت عام کا درجہ حاصل نہ کر سکیں۔

''کوزے میں سمندر کو سمونا'' اس مثال کو اگر ماتھے کی آنکھوں سے دیکھنا ہو تو تفسیر خزائن العرفان کو دیکھ لیا جائے جس میں آپ نے شان نزول، متخرجہ احکام، احادیث طیبہ، احکام شرعیہ کے ساتھ ساتھ تصوف و معرفت کی گل افشانیاں بھی کی ہیں اور اپنے ادیبانہ طرز بیان سے تفسیر جیسے خشک موضوع کو بھی خوش رنگ اور پرکشش بنائے رکھا ہے۔ ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

اُمّی کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے ''بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے'' کیا ہے اس پر حاشیہ لکھتے ہوئے صدر الافاضل فرماتے ہیں ''امی کا ترجمہ حضرت مترجم قدس سرہ نے (بے پڑھے) فرمایا ہے یہ ترجمہ بالکل حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کے مطابق ہے اور یقیناً اُمّی ہونا آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ دنیا میں کسی سے پڑھا نہیں اور کتاب وہ لائے جس میں اولین و آخرین اور غیبوں کے علوم ہیں [خازن]

خاکی و براوج عرش منزل: اُمی و کتاب خانہ دروں
اُمی و دقیقہ دان عالم : بے سایہ و سائبان عالم

قرآن وحدیث اور فقہ وتصوف کے ساتھ آپ نے دیگر مذاہب کی کتابوں کے حوالجات بھی نقل فرمائے ہیں جو آپ کی دقت نظر اور علمی گہرائی و گیرائی کی شہادت دیتے ہیں بطور نمونہ یہ مثالیں ملاحظہ کریں

سورہ اعراف کی ایک آیت ہے الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدو نہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل (سورہ اعراف آیت ۱۵۷) وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ (کنز الایمان)

اس آیت پر تفسیری حاشیہ لکھتے ہوئے صدر الافاضل فرماتے ہیں ''کتب الٰہیہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت

وصفت سے بھری ہوئی تھیں اہل کتاب ہر قرن میں اپنی کتابوں میں تراش خراش کرتے رہے اوران کی بڑی کوشش اس پر مسلط رہی کہ حضور کا ذکر اپنی کتابوں میں نام کو نہ چھوڑیں توریت وانجیل وغیرہ ان کے ہاتھوں میں تھیں اس لیے ان میں انہیں کچھ دشواری نہ تھی لیکن ہزاروں تبدیلیوں کے باوجود بھی موجودہ زمانے کی بائبل میں حضو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نشان باقی رہ گیا" اس کے بعد آپ نے برٹش اینڈ فارن سوسائٹی ۱۹۳۱ء کی چھپی یوحنا کی انجیل باب ۱۴، کی ایک آیت نقل فرمائی جس میں لکھا ہے "اور میں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (انجیل ۱۶\۱۴، خزائن العرفان ص ۷ ۲۴)

اسی باب کی ۲۹ ویں اور ۳۰، ویں آیت میں ہے کہ "اور میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تا کہ جب (ان کا ظہور) ہو جائے تو تم یقین کرو اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔" (انجیل، ۲۹\۱۴، ۳۰)

اس پر حاشیہ لکھتے ہوئے صدر الافاضل رقم طراز ہیں:

"کیسی صاف بشارت ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو حضور کی ولادت کا کیسا منتظر بنایا اور شوق دلایا ہے۔ اور دنیا کا سردار خاص سید عالم کا ترجمہ ہے اور یہ فرمانا کہ مجھ میں اس کا کچھ نہیں حضور کی عظمت کا اظہار اور اس کے حضور اپنا کمال ادب وانکسار ہے۔

اسی انجیل کی ۱۳، ویں آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا صاف بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت سے فرماتے ہیں "لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔ (انجیل ۱۳\۱۴)

اس اقتباس پر صدر الافاضل کا یہ حاشیہ درج ہے "اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر دین الٰہی کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ سچائی کی راہ یعنی دین حق کو مکمل کردیں گے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور یہ کلمے کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا جو سنے گا وہی ہے گا خاص:

ماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی کا ترجمہ ہے اور یہ جملہ کہ تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیبی علوم تعلیم فرمائیں گے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا **یعلمکم مالم تکونو تعلمون** (البقرہ آیت ۱۵۱) **وماھو علی الغیب بضنین** (التکویر آیت ۲۴)

قرآن کریم میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں بڑے بڑے صاحبان جبہ و دستار بھی اپنی دستار سلامت نہ رکھ سکے اور لفظوں کے پھیر میں پھنس کر آداب الوہیت اور شان رسالت کو فراموش کر بیٹھے مگر حضرت صدر الافاضل نے ایسے مقامات پر اتنا عمدہ پیرایہ بیان اختیار کیا ہے کہ نفس مسئلہ بھی بیان ہو گیا اور شان الوہیت ورسالت بھی برقرار رہی۔ انہیں مقامات میں سے ایک لفظ "مکر" ہے جس کا مختلف مقامات پر اللہ عزوجل کیلئے استعمال ہوا ہے۔ لفظوں کو دیکھ کر ترجمہ وتفسیر کرنے والے نادانوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے "فریب" جیسے گھنونے لفظ کو منسوب کر دیا۔ مگر اسی مقام پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی احتیاط فی الشرع اور آداب الوہیت کا نمونہ دیکھئے کہ آپ نے کافروں کیلئے تو مکر کا ترجمہ مکر ہی کیا جس کے معنی فریب اور دھوکہ ہوتے ہیں لیکن جہاں مکر کا استعمال اللہ کیلئے ہوا ہے

وہاں اس کا ترجمہ خفیہ تدبیر کیا ہے۔ مگر ترجمے میں یہ وضاحت نہیں ہو پاتی کہ کب مکر کے معنی فریب اور کب اس کے معنی خفیہ تدبیر ہونگے۔ اس کی وضاحت صدر الافاضل اس طرح فرماتے ہیں ''لفظ مکر لغت عربی میں ستر یعنی پوشیدگی کے معنیٰ میں ہے اس لئے خفیہ تدبیر کو بھی مکر کہتے ہیں اور وہ تدبیر کسی اچھے مقصد کیلئے ہو تو محمود اور کسی قبیح غرض کیلئے ہو تو مذموم ہوتی ہے۔ مگر اردو زبان میں یہ لفظ فریب کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اس لئے ہرگز شان الٰہی میں نہ کہا جائیگا اور چونکہ یہ (لفظ مکر) عربی میں بھی بمعنیٰ خدع (فریب) کے معروف ہو گیا ہے اس لئے عربی میں بھی شان الٰہی میں اس کا اطلاق جائز نہیں۔ آیت میں جہاں (اللہ تعالیٰ کیلئے) وارد ہوا ہے خفیہ تدبیر کے معنیٰ میں ہے۔

مسائل خزائن العرفان:

قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے بہت سارے مسائل بھی درج فرمائے ہیں جن میں زیادہ تر آپ نے خود مستنبط فرمائے ہیں۔ مکمل مسائل کی تعداد ۵۱۶ ہے جو ۲۱، ابواب پر مشتمل ہیں جو باب العقائد سے لیکر باب الحظر والاباحہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں صرف عقائد کے متعلق ہی ۶۴ مسائل ہیں اس کے علاوہ قرأت کے متعلق ۳۰، نکاح کے متعلق ۲۹، فضیلت علم کے متعلق ۲۷، طلاق کے متعلق ۲۲، فضائل انبیاء پر ۱۵، جبکہ حظر واباحت کے باب میں ۴۸، موضوعات کے تحت مسائل تحریر فرمائے ہیں۔ اسی وسعت نظری، استحضار علمی اور جامعیت کی بنا پر تفسیر خزائن العرفان اردو تفاسیر میں آج بھی اپنی مثال آپ ہے۔ استاذ العرب والعجم حضرت عطاء محمد صاحب گولڑوی فرماتے ہیں ''حضرت صدر الافاضل حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے ایسی تفسیر لکھی کہ پڑھنے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ ترجمہ احسن ہے یا تفسیر اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں احسن ہیں۔ (مقدمہ بر مسائل خزائن العرفان۔ مرتب مولانا نور محمد نعیمی القادری)

جامعہ نعیمیہ مرادآباد:

حضرت صدر الافاضل کی زریں خدمات میں جامعہ نعیمیہ کا قیام بھی ایک نمایاں مقام رکھتا ہے جس کے فیوض و برکات سے آج ایک جہان مستفیض و مستنیر ہے۔ جامعہ نعیمیہ ۱۳۲۸ھ میں قائم کیا گیا۔ (حیات صدر الافاضل لاہور) قیام جامعہ کی وجہ یہ تھی کہ مرادآباد میں وہابیوں کا ایک قدیم ومشہور ادارہ جامعہ قاسمیہ شاہی پہلے ہی سے موجود تھا اور اس کے بغل میں ہی موجود مدرسہ امدادیہ جہاں سے آپ نے دورۂ حدیث مکمل کیا تھا وہ بھی وہابیوں کے نرغے میں آچکا تھا اور وہابی اس پر اپنے فریب کے ذریعے قابض ہو چکے تھے اس طرح پورے شہر میں اہل سنت کا کوئی معیاری ادارہ نہیں رہ گیا تھا اس لئے آپ نے اپنے رفقاء سے ایک ادارے کیلئے مشورہ فرمایا اور کہا کہ ایک ایسا ادارہ ہونا چاہئے جہاں معقولات ومنقولات کی معیاری تعلیم کا نظم ہو اور عقائد اہل سنت کے دفاع کیلئے ماہرین کی ٹیم بھی تیار ہو۔ مشورے کے بعد ایک انجمن بنائی گئی جس کا صدر حکیم حافظ نواب حامی الدین مرادآبادی کو بنایا گیا اور ناظم ومہتمم آپ مقرر ہوئے اسی انجمن کے تحت ''مدرسہ اہل سنت وجماعت'' قائم کیا گیا۔ ۱۳۵۲ھ میں اس اس مدرسے کا نام بدل کر جامعہ نعیمیہ کر دیا گیا۔ (حیات صدر الافاضل لاہور صفحہ ۲۶۳)

جس وقت اس مدرسہ کو قائم کیا گیا اس وقت صدر الافاضل کی عمر ۲۸ برس کی تھی اور یہ عمر جوانی کا سب سے اہم پڑاؤ ہوتا ہے اس عمر میں انسان گھر مکان، دولت و

جائداد، عیش وآرام اور زندگی کو بہتر بنانے والے اسباب کی تلاش میں رہتا ہے مگر اس امام الہند کے جذبے کو سلام! کہ جس نے ابھرتی ہوئی جوانی میں عیش وطرب کے سامان نہیں تلاشے بلکہ اہل اسلام کے ایمان وعقیدے کے تحفظ کی خاطر اپنے چین وسکون کو تج کر ملت اسلامیہ کی آبیاری فرمائی۔

اپنے قیام کے روز اول سے ہی اس مدرسے نے حیرت انگیز ترقی کی اور صدرالافاضل کی سرپرستی میں اس ادارے نے کتنی تیزی سے مدارج ترقی کو طے کیا اس کا اندازہ اس رپورٹ سے لگایئے جو ماہنامہ السواد الاعظم کے شمارہ ذوقعدہ ۱۳۴۷ھ میں شائع ہوئی ہے مضمون نگار لکھتے ہیں ''ہندوستان میں چند مدرسے بڑے مدرسے کہلانے کے مستحق ہیں ان میں سے ایک ہمارا مدرسہ ہے جس کا نام مدرسہ اہل سنت وجماعت مرادآباد ہے میں اجمال کے ساتھ اس مدرسہ کا ایک مختصر تذکرہ کر دینا چاہتا ہوں ۱۳۲۹ھ سے زیر سرپرستی حضرت صدرالافاضل استاذ العلماء حضرت مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم جاری ہے اس قلیل عرصے میں باوجود نہایت بے سامانی وکم مائیگی کے اس اس نے جو کام کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے اب تک ۱۳۰/طلبہ اس مدرسے سے فارغ التحصیل ہو چکے ہیں جو ملک کے مختلف مقامات میں درس وافتاء ومناظرہ کی قابل قدر خدمتیں انجام دے رہے ہیں اور ان کی ذات سے دنیا متنفع ہے ملت بیضا کی حمایت اور حق کی نشرواشاعت میں شب وروز مصروف ہیں ان کے مساعی کی بدولت جہالت کی تاریکی رفع ہو رہی ہے اور علم کی روشنی پھیلتی جاتی ہے ملک میں پچاس کے قریب اس مدرسے سے ملحق ہیں جن کی تعلیم کا نظم ونسق، نصاب کی تجویز، کام کی نگرانی، مدرسین کا عزل ونصب اس مدرسے کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ جو مدارس امداد کے محتاج ہیں ان کو مالی امدادیں بھی دی جاتی ہیں

(ماہنامہ السواد الاعظم مرادآباد شمارہ ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ)

اس دور ہوشربا میں محض ۱۸ سال کی قلیل مدت میں ۱۳۰، طلبہ کا فضیلت وتخصص سے فراغت حاصل کرنا یقینا ارباب مدارس کی جاں فشانیوں کا ثمرہ اور حضرت صدرالافاضل کی بہترین قیادت کا نتیجہ تھا ورنہ اپنے قیام کے ابتدائی دور میں ہر ادارہ مختلف پریشانیوں سے جوجھتا رہتا ہے اگر پریشانیوں سے پار بھی پالے تو تسلسل کے ساتھ درس نظامی و دورۂ حدیث کی تعلیم کا مکمل نظم بنائے رکھنا اگر عجوبہ نہیں تو حیرت انگیز ضرور ہے وہ بھی اس دور میں جب کہ مسلمانان ہند اپنی تاریخ کے انتہائی سخت ترین دور سے گزر رہے تھے ایک طرف سات سمندر پار سے آیا ہوا دشمن انگریز تھا تو دوسری طرف مشرکین ہند اہل اسلام کو مرتد وملحد بنانے کیلئے ہر حربہ استعمال کر رہے تھے۔ یہاں پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ جامعہ نعیمیہ (مدرسہ اہل سنت وجماعت) کا محل وقوع غیر مسلم آبادی کے ٹھیک بیچ میں تھا اور دور دور تک مسلم آبادی نظر نہیں آتی تھی۔ اب تو خیر سے اچھی خاصی مسلم آبادی جامعہ کے آس پاس ہو گئی ہے اور فیضان صدرالافاضل سے یہاں اسلامی ماحول و تہذیب کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ مگر اس وقت سخت ماحول میں طلبہ کا وہاں رہنا، تعلیم کا جاری رکھنا، اور ساتھ میں ملک کے پچاس ۵۰، کے قریب مدرسوں کا جامعہ سے الحاق کرانا یقینا تعجب کی بات ہے جبکہ آج ایک ایسا ادارہ جہاں درس نظامی کی مکمل تعلیم ہو اسے چلانا ٹیڑھی کھیر ہے مگر صدرالافاضل کی وسیع النظر قیادت کو دیکھئے کہ نہ صرف جامعہ کو چلایا بلکہ پچاس شاخوں کے نصاب، مدرسین کا تقرر ونگرانی سب کچھ اپنی ذمہ داری میں لیکر بحسن وخوبی اس کارواں کو آگے بڑھایا اور یہ

درس دیا کہ صحیح معنیٰ میں قائد وہی ہوتا ہے جس کی سوچ و فکر آفاقی ہو اور جو چیلینجز کا مقابلہ خود آگے بڑھ کر کرنا جانتا ہو اسی دلیرانہ قیادت کا نتیجہ تھا کہ جامعہ اپنی عمر کے محض ۱۸ ویں سال میں اس قدر خود کفیل ہو چکا تھا کہ اپنی شاخوں کے علاوہ دیگر مدارس کی امداد کے قابل ہو چکا تھا۔ اور یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی جس سے آج کے بہت بڑے بڑے مدارس بھی محروم نظر آتے ہیں۔

طلباء جامعہ نعیمیہ:

کہاوت مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل، عمارت اپنے معمار اور استاذ اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت صدرالافاضل نے اپنی درسگاہ سے ایسے ایسے لعل و گہر پیدا کئے ہیں جن پر ہر استاذ فخر محسوس کرے۔ اور فخر کیوں نہ ہو کہ جب ایک مالی ننھے سے پودے کی دیکھ بھال کرتا ہے، ہر مضر چیز سے اس کو محفوظ رکھتا ہے۔ دھوپ کی سختی سہتے ہوئے اسے تراشتا ہے۔ تیز و تند ہواؤں سے بچا کر اسے پروان چڑھاتا ہے۔ اتنی محنت و مشقت کے بعد جب یہ پودا بڑا ہو کر تناور درخت کی شکل میں ابھرتا ہے تو مالی کو کس قدر خوشی کا احساس ہوتا ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا بڑا مشکل ہے۔

حضرت صدرالافاضل نے بھی اپنے چمن جامعہ نعیمیہ میں کچھ پودوں کو، پروان چڑھایا بعد میں یہی پودے ایسے خوشنما اور مضبوط درختوں کی شکل میں ظاہر ہوئے جن کے

سائے میں بیٹھ کر آج بھی ملت اسلامیہ سکون محسوس کرتی ہے اور جن کی عطر بیزی سے آج بھی پوری جماعت اہل سنت مشام جاں ہے۔

اب ایک نظر جامعہ نعیمیہ کے ان گلوں کی فہرست پر ڈالتے چلیں جنہیں صدرالافاضل نے پروان چڑھایا ہے ۔جو آسمان علم پر ثریا ستاروں کی مانند چمکتے ہیں۔

(۱) تاج العلما مفتی محمد عمر نعیمی مدیر ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد، سابق مہتمم جامعہ نعیمیہ مراد آباد، و بانی جامعہ نعیمیہ کراچی پاکستان۔

(۲) حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی، صاحب تفسیر نعیمی۔

"(۳) شہزادۂ صدرلافاضل، صدرالعلما مولانا سید ظفر الدین نعیمی۔

(۴) شہزادۂ صدرالافاضل رہنمائے ملت مولانا سید اختصاص الدین نعیمی۔

(۵) امام النحو حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی شارح بخاری و کتب درس نظامیہ۔

(۶) مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب رئیس اعظم اڑیسہ، بانی آل انڈیا تبلیغ سیرت۔

(۷) حضرت علامہ پیر کرم شاہ ازہری، چیف جسٹس آف پاکستان۔

(۸) امین شریعت حضرت مفتی رفاقت حسین صاحب، مفتی اعظم کانپور۔

(۹) شمس العلما حضرت مولانا شمس الدین صاحب رضوی جونپوری مصنف قانون شریعت۔

(۱۰) استاذ العلما حضرت مفتی حبیب اللہ صاحب نعیمی، سابق شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد۔

(۱۱) مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد حسین صاحب نعیمی سنبھلی بانی جامعہ نعیمیہ لاہور پاکستان۔

(۱۲) مفکر ملت حضرت مفتی غلام معین الدین صاحب نعیمی مراد آبادی، مدیر ہفت روزہ سواد اعظم لاہور پاکستان۔

(۱۳) حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مرادآبادی بانی جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ۔
(۱۴) ماہر علم توقیت حضرت مفتی محمد نذیر الاکرم صاحب نعیمی ،بانی مدرسہ اکرم العلوم لال مسجد مرادآباد۔
(۱۵) امام المعقولات حضرت علامہ محمد سلیمان صاحب بھاگل پور بہار۔
(۱۶) مجاہد دوراں حضرت علامہ مظفر حسین صاحب کچھوچھوی
(۱۷) نائب صدرالافاضل حضرت مولانا سید نورالصفا نعیمی بنگلہ دیش۔
(۱۸) حضرت علامہ سید ابوالحسنات قادری، صاحب تفسیر الحسنات لاہور۔
(۱۹) حضرت علامہ سید ابوالبرکات احمد قادری، ناظم انجمن حزب الاحناب لاہور۔
(۲۰) حضرت مولانا سید مختار اشرف المعروف سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ۔

یہ سب حضرت صدرالافاضل کے چمن کے وہ پھول ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے آپ میں مہکتا ہوا چمن ہے۔ جن سے نہ جانے کتنے گلشن مہکے اور مہکتے رہیں گے ع کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے۔

تحریک شدھی کا تعاقب:

انگریزی دور حکومت مسلمانان ہند کیلئے نہایت ہی تکلیف دہ دور گزرا ہے۔ جس میں ایک طرف انگریز مسلمانوں کی عسکری قوت کو توڑنے کیلئے جی توڑ کوششیں کر رہے تھے۔ تو دوسری طرف شدت پسند بت پرست اہل ایمان کو مٹانے کیلئے تن من دھن سے جٹے ہوئے تھے۔ غیور اور دانشمند مسلم قائدین دونوں دشمنوں سے بیک وقت نبرد آزما تھے۔ مگر کچھ جاہ پرست قائدین ایسے میں ہندو مسلم اتحاد کا راگ الاپ رہے تھے اور اپنی اس راگنی کو مضبوطی دینے کیلئے ان ناعاقبت اندیش لیڈروں نے جامع مسجد دہلی کے منبر پر ایک ہندو پنڈت سوامی شردھانند کو بٹھا کر خطاب تک کرایا۔ جو اسلامی تاریخ کا ایک شرمناک واقعہ تھا کہ خانہ خدا میں ایک بت پرست کو غیر معمولی عزت سے نوازا گیا اور مسجد کی حرمت کو پامال کرایا گیا۔

اسی پنڈت شردھانند نے کچھ ہی دنوں کے بعد اپنا اصلی رنگ دکھایا۔ اپنی گندی فطرت کا ثبوت دیتے ہوئے اس بد زبان نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریفہ پر رکیک حملہ کرتے ہوئے "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھ کر ان بے غیرت مسلمانوں کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا۔ جنہوں نے اس دریدہ دہن کو مسجد کے منبر پر بٹھایا تھا۔

اس گستاخ نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اہل اسلام کا ایمان چھیننے اور انہیں مرتد بنانے کی خاطر شدھی تحریک کی زمام اپنے ہاتھ میں سنبھالی اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنا ڈالا۔ یہ روح فرسا خبر جب اکابرین اہل سنت کو پہنچی تو سبھی بے چین و بے قرار ہو اٹھے۔ اس فتنہ عظیمہ کے سدباب کی خاطر ۸، جمادی الاخری ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۶، جنوری ۱۹۲۳ء کو بروز جمعہ بریلی شریف میں جماعت رضائے مصطفی کے زیر اہتمام ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں اکابرین اہل سنت نے ایک لائحہ عمل بنایا۔ اسی تاریخ کو بعد نماز مغرب مسجد بی بی جی میں عوامی اجلاس ہوا۔ حضرت صدرالافاضل کا رقت آمیز خطاب ہوا۔ آپ نے اسلام کی حقانیت پر ایسی گفتگو فرمائی کہ سبھی کے دل مچل اٹھے۔ اس کے بعد آپ نے راجپوت مسلمانوں کا ایمان بچانے کی خاطر ایک وفد ان علاقوں میں بھیجنے اور بھٹکے

ہوئے لوگوں کو راہ پر لانے اور ان کی دینی خدمت کرنے کا ذکر کیا۔ جس پر وہاں موجود سبھی لوگوں نے آمادگی کا اظہار کیا۔
(دبدبہ سکندری، مجریہ ۵، فروری ۱۹۲۳ء صفحہ ۵)

اگلے روز ایک وفد ان علاقوں میں جانے کیلئے تیار ہوا جہاں شدھی تحریک کی وجہ سے مسلمان کا ایمان داؤں پر لگا ہوا تھا۔ کل دس افراد پر مشتمل اس وفد میں حضرت صدر الافاضل اور حضور مفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ جیسی عبقری شخصیات شامل تھیں۔ ریلوے اسٹیشن پر ان مجاہدین اسلام کو وداع کرنے کیلئے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا علیہ الرحمہ خود بنفس نفیس موجود تھے۔ اسلام کے ان جاں نثاروں کو روانہ کرتے وقت آپ کی آنکھیں اشک بار اور لبوں پر اس وفد کی کامیابی کیلئے دعائیں تھیں۔ حاضرین میں بھی سبھی کی آنکھیں نم تھیں۔ برستی آنکھوں کے ساتھ سب نے غازیان اسلام کے قافلے روانہ کیا۔

تحریک شدھی کے سد باب کی خاطر حضرت صدر الافاضل نے بڑی کاوشیں فرمائیں۔ سب سے پہلے آپ کا آگرہ کی شاہی مسجد میں خطاب ہوا جس میں آپ نے مسلمانوں سے داڑھی منڈانے اور کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے سے توبہ کرائی۔ وہاں موجود سبھی لوگوں نے توبہ کی اور آئندہ ایسے گناہوں سے دور رہنے کا عزم مصمم بھی کیا۔ آپ کی اس تقریر کے بارے میں حضور مفتی اعظم ہند نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا تھا۔ جس کی رپورٹ رامپور سے شائع ہونے والے اخبار دبدبہ سکندری مجریہ ۱۹، فروری ۱۹۲۳ء کو شائع ہوئی تھی۔

تحریک شدھی کے مٹانے کی خاطر آپ نے فیروز پور پنجاب، ضلع آرہ بہار، کھتینہ آگرہ، کھڑوائی علیگڑھ، مین پوری، ایٹہ، اٹاوہ اور بدایوں وغیرہ کے مضافات میں لگاتار سفر فرمائے اور مرتد ہو چکے مسلمانوں کو پھر سے اسلام قبول کرایا اور آریہ سماجیوں کے فریب کا پردہ چاک کیا۔

تحریک شدھی کے سد باب میں آپ کے شاگردوں نے بھی نمایاں خدمات انجام دیں خاص طور پر حضرت مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری علیہ الرحمہ نے تحریک شدھی کا زور توڑنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

شردھانند کو چیلنج مناظرہ:

فتنہ ارتداد کو مٹانے کیلئے آپ نے ضروری سمجھا کہ فتنہ کی جڑ کو ہی کاٹ دیا جائے۔ سوامی شردھانند اس پورے فتنہ کا سب سے بڑا سرپرست تھا۔ اس لئے آپ نے تحریک شدھی کے قائد پنڈت شردھانند کو سیدھے للکارتے ہوئے چیلنج مناظرہ دیا کہ وہ اپنے مذہب کے حق ہونے پر براہ راست مقابلہ کرے اور ثابت کرے کہ اس کا دھرم سچا اور اس کی کتاب وید کتاب الٰہی ہے۔ آپ نے فرمایا "بتاکید کہا جاتا ہے کہ پنڈت شردھانند اپنی پوری طاقت جمع کر کے سامنے آئیں اور ہندوؤں کے بڑے سے بڑے رشی مہاتما کو اپنی اعانت کیلئے بلالیں تاکہ کمزوری ظاہر ہونے پر اس عذر کا موقع نہ رہے کہ اگر فلاں شخص ہوتا تو شاید کچھ ہماری بگڑی بنا سکتا۔ مگر کہے دیتا ہوں کہ ویدک دھرم میں اتنا دم ہی نہیں ہے کہ پنڈت اور سارے مہاتما مل کر وید کے کتاب الٰہی ہونے کا ثبوت دے سکیں۔ ع پھرتے ہو کیا تیغ باندھے اے حسینو! ناز سے : سامنے مردوں کے آجاؤ امتحاں ہو جائیگا۔ (دبدبہ سکندری مجریہ ۳۰، جولائی ۱۹۲۳ء صفحہ ۶)

آپ اور دیگر علما اہل سنت کی کاوشوں کی بدولت لاکھوں

مسلمانوں کا ایمان محفوظ ہوا اور ہزاروں کافروں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی قائدانہ سرگرمیوں کے باعث یہ سخت ترین فتنہ اپنی موت مرگیا۔

جامعہ نعیمیہ کا روشن وقابل تقلید پہلو:

مدارس اسلامیہ قوم کی شہ رگ ہیں، دین کے قلعے اور مضبوط پناہ گاہیں ہیں، علماء دین قوم کے محافظ و پاسبان اور ان کے قومی وملی حقوق کے نگران وامین ہیں۔ سوئے اتفاق! کہ آجکل مدارس اسلامیہ خصوصاً مدارس اہل سنت کا امدادی و رفاہی دائرہ قریب قریب ختم ہی ہو چکا ہے الا ماشاء اللہ۔ سماج میں سرگرم رول نبھانا، سلگتے مسائل میں رہبری کرنا، حساس و نازک ایشوز (issues) پر کھلا موقف اختیار کرکے ملت کو سہی راہ دکھانا جیسی خوبیاں اب عنقا ہیں مگر ماضی قریب میں ایسا نہیں تھا بطور تمثیل حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے ادارے جامعہ نعیمیہ کا روشن وقابل تقلید اور قائدانہ کردار دیکھنے کیلئے ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد کا یہ اقتباس پڑھئے

''مسلمانوں کی دینی و مذہبی ضروریات میں مدرسہ کافی اعانت کرتا ہے۔۔۔ ہندو مسلم تنازعات میں مدرسے کی جانب سے مسلمانوں کی حمایت وحفاظت کی تدابیر کی جاتی ہیں آریوں نے ''مسلمانوں کی زندگی'' نامی جو کتاب لکھی تھی جس میں مسلمانوں پر بہت دل آزار حملے کئے گئے تھے اس کے خلاف مقدمے میں مدرسے کی طرف سے پیروی کی گئی۔۔۔ حضرت مولانا مولوی محمد عمر صاحب نعیمی مہتمم مدرسہ خود کچہری میں موجود رہے۔ (ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد شمارہ ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ ص ۱۷)

ذرا یہ اقتباس بھی غور سے پڑھیں ''مسٹر فلیمن (flamen) انگریز کے اوپر قرآن پاک کی توہین کا دعویٰ ہوا تو مقدمہ کی تمام پیروکاری اسی مدرسے کی طرف سے کی گئی۔ (ماہنامہ السواد الاعظم شمارہ ذوقعدہ ۱۳۴۷ھ)

آج کل ہمارے وطن عزیز ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات کا عفریت اپنے خونی پنجے گاڑے ہوئے ہے جس کی وجہ سے ملک کے طول وعرض میں فساد رونما ہورہے ہیں اہل اسلام کی جان ومال عزت وآبرو سب نشانے پر ہے کہیں بھی فساد ہو مسلمان ہی تختہ ستم بنتے ہیں اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ ایسے مواقع پر قوم مسلم کے محافظ و پاسبان اور قائدین ملت کے دیدار کو آنکھیں ترس جاتی ہیں مگر وہ نہ جانے اپنے رخ جاناں کو لیکر کس چلمن کی اوٹ میں چلے جاتے ہیں کہ نظر ہی نہیں آتے اور غیروں کو یہ تشہیر کرنے کا موقع ملتا ہے کہ ملت کی فلاح وبہبود اور غم خواری سے اس جماعت کا کوئی لینا دینا نہیں ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے ماضی قریب کے ہمارے علماء کس قدر حساس وفعال تھے یہ جاننے کیلئے یہ اقتباس پڑھئے اور اکابرین اہل سنت وجامعہ نعیمیہ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس فکر کو عام کرنے کی کوشش کیجئے

''آجکل ہیبرڑے (ضلع امروہہ) دل دہلا دینے والے مظالم کا جو سنگین مقدمہ چل رہا ہے اور جس میں ۴۲، ملزم ہیں اس کی پیروی مسلمانوں کی طرف سے یہی مدرسہ کررہا ہے اور منشی شوکت حسین صاحب کو مدرسہ نے خاص اسی کام پر معمور کردیا ہے اس مدرسے کی طرف سے مظلومین ہیبرڑے کو ان کی بربادی کے وقت مالی اعانتیں بھی پہنچائی گئیں اور جس وقت ان کے پاس کھانے پینے اور بدن ڈھکنے تک کیلئے کوئی سامان نہ رہا تھا اس وقت انہیں امدادیں پہنچائی گئیں۔ راجپوتانہ میں جب ارتداد کا سیلاب امڑا تو اس وقت میدان میں سب سے پہلے آنے والا یہی مدرسہ اور اس کے سرپرست وطلبہ تھے جنہوں

نے اپنی سرگرم مساعی سے میدان ارتداد میں آریوں کی کوشش کو ناکام کر دیا اور ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اسی مدرسے کی سرگرمیوں نے ملک کی دوسری جماعتوں کو ابھارا اور انہیں میدان عمل میں لا کر خدمت اسلام کیلئے کھڑا کر دیا۔ (ماہنامہ السواد الاعظم شمارہ ذوقعدہ ۱۳۴۷ھ)

لمحہ فکریہ: ۱۸، سال کی تھوڑی سی مدت میں جامعہ نعیمیہ عروج کی وہ منزلیں طے کر لی تھیں جہاں آج بھی مدارس اہل سنت کا گزر نہیں ہو سکا ہے۔ درج ذیل نکات کو پڑھ کر اندازہ لگائیں کہ جامعہ نعیمیہ کیسا ادارہ تھا:

☆ تعلیم درس نظامی کا مکمل نظم مع فضیلت و تخصص۔

☆ تعلیم کے ساتھ تربیت کا عمدہ نظم۔ آج مدارس میں اس چیز کی بڑی سخت ضرورت ہے۔

☆ پچاس اداروں کی مکمل ذمہ داری۔

☆ توہین رسالت کے مجرمین کے خلاف قانونی سیل قائم کرنا۔

☆ قدرتی آفات سے نپٹنے اور حاجت مند مسلمانوں کی مدد کے لئے ادارے میں ایک شعبہ مقرر کرنا۔

☆ مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لئے علیحدہ اسٹاف رکھنا۔

☆ مہتمم ادارہ (تاج العلما مفتی محمد عمر نعیمی) کا خود کچہری جا کر مقدمات کو دیکھنا۔

یہ سب وہ اوصاف جمیلہ ہیں جن میں اولیات کا سہرا جامعہ نعیمیہ اور بانی جامعہ حضرت صدر الافاضل کے سر پر بندھتا ہے اور اس سے ہمارے اکابر کی دور اندیشی و دور بینی کا پتا بھی چلتا ہے۔ مگر افسوس! آج یہ دور اندیشی نہ جانے کہاں روپوش ہو گئی ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود ہمارے مدارس و قائدین اس سے محروم نظر آتے ہیں۔

بستیوں کی بستیاں جلتی جاتی ہیں مگر اسی فیصد کا دعویٰ کرنے والے نظر نہیں آتے نظر آتے ہیں تو وہ لوگ جنہیں ہم دس یا پندرہ فیصد سے زیادہ ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ مگر ان لوگوں نے ہمارے اکابر کے طور طریقوں کو دیکھ کر اور ان پر عمل کر کے اس منصب پر قبضہ کر لیا جو کبھی ہمارے بزرگوں کا ہوا کرتا تھا۔ انہوں نے اپنے مدارس کو اس نہج پر ڈالا جس پر ہمارے مدارس نہ صرف گامزن تھے بلکہ اس راہ کے قائد تھے۔ اسی نہج پر چل کر آج ان کے اداروں کا ملک کے صف اول کے مدارس میں شمار ہوتا ہے اور ہمارے مدارس اپنے تابناک ماضی کی پرچھائیں بن کر رہ گئے ہیں۔

آج ملت ان اساتذہ کی راہ دیکھ رہی ہے جنہوں نے شدھی تحریک کے فتنہ ارتداد کو مٹا کر رکھ دیا تھا، قوم کو انتظار ہے ان مشائخ کا جو قوم کا ایمان بچانے کی خاطر خانقاہوں کو چھوڑ آئے تھے، ملت باٹ جوہ رہی ہے ان طلبہ کی جنہوں اپنی حرارت ایمانی سے باطل کے ہر فتنے کو سرد کر دیا تھا، زمانے کو تلاش ہے جامعہ نعیمیہ جیسے اداروں کی جہاں ایسے طلبہ و اساتذہ موجود ہوں جو نہ صرف اندرون ادارہ بلکہ بیرون ادارہ بھی قیادت کا حق ادا کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں آج ملت اسلامیہ پھر صدر الافاضل جیسے مدبر زمانہ کی تلاش میں ہے۔ ع

ملت کو آج پھر ہے ضرورت نعیم کی

❀❀❀

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی قدس سرہ

حضرت علامہ عبد المصطفی اعظمی

چودھویں صدی کے ان ناموران اسلام وسلاطین ملت میں آپ کا شمار ہے جنہوں نے اپنے علم وفضل کی روحانی طاقتوں سے امت مسلمہ کی پشت پناہی اور سفینہ اسلام کی ناخدائی کی۔ جو افق ہند پر رشد وہدایت کا آفتاب عالم تاب بن کر چمکے اور اپنے فیوض وبرکات کی روشنی سے نہ صرف سرزمین ہند بلکہ تمام دنیائے اسلام کو منور کر دیا اور جن کی رحلت کے بعد تمام دنیائے اسلام نے محسوس کیا کہ واقعی موت العالم موت العالم آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت ہے۔

علم وفضل کا یہ آفتاب عالمتاب تقریباً ۱۲۹۹ھ میں قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ کے ایک مشہور علمی ومذہبی خاندان میں طلوع ہوا۔ قصبہ گھوسی وہی تاریخی اور مردم خیز جگہ ہے جہاں قدیم راجگاں ہند کے بعض آثار اور ان کا قلعہ کوٹ کے نام سے اب بھی موجود ہے۔ مولانا غلام نقشبند یہیں کے رہنے والے تھے۔ جو لکھنؤ میں قیام کے باعث لکھنوی مشہور ہو گئے۔ اس سرزمین کو اور بھی بہت سے اعیان ملت کے مولد بننے کا فخر حاصل ہے جو یہیں کی خاک میں آسودہ ہیں۔

آپ کے والد ماجد مولانا حکیم جمال الدین صاحب ایک جلیل القدر عالم اور اپنے زمانہ کے بے مثال طبیب حاذق تھے معقول ومنقول میں حضرت مولانا ابو الحسنات عبد الحئی صاحب فرنگی محلی کے شاگرد رشید اور فن طب میں حاذق الملک حکیم عبد العلی صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ کے ارشد تلامذہ سے تھے۔

والدین نے اپنے علمی ومذہبی ذوق کے بموجب مولود مسعود کا نام محمد امجد علی رکھا۔ لیکن بعد کو اکابر ملت نے آپ کو ''صدر الشریعہ' یا صدر صاحب کا لقب دیا اور آخر الذکر کو تو ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ پرانا نام تقریباً غائب ہی ہو گیا۔

تعلیم وتربیت: بچپن ہی سے آپ میں آثار کمال پائے جاتے تھے۔ فطرتاً ذہن ثاقب وطبیعت وقادر میں ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ حافظہ بھی نہایت قوی تھا۔ اپنے بچپنے کی اکثر باتیں سنایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ کافیہ حفظ کرنے کا خیال پیدا ہوا تو پوری کتاب ایک ہی دن میں یاد ہو گئی بالکل ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد مولوی خدا بخش صاحب مرحوم سے حاصل کی جو اپنے زمانے کے ایک متدین عالم اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مولوی الٰہی بخش صاحب ساکن کوپاگنج تلمیذ مولانا تراب علی صاحب لکھنوی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے جو ان دنوں گھوسی کے مدرسہ ناصر العلوم میں مدرس تھے۔ اس کے علاوہ

اور بھی چند اساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا۔ لیکن درحقیقت آپ کی تعلیم وتربیت کا حقیقی سلسلہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب آپ استاذ الاساتذہ خاتم المحققین مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رامپوری کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب جونپور:

حضرت استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رامپوری ان دنوں مدرسہ حنفیہ امام بخش جونپور میں صدر مدرس تھے اور جونپوری تشنگان علوم وفنون کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ بڑے بڑے ذی استعداد طلبہ ومتبحر اساتذہ دور دور سے آکر آپ کے حلقہ درس میں شامل ہو رہے تھے۔ حضرت استاد الاساتذہ اپنے ایک مخصوص طرز تدریس کے موجد وخاتم تھے۔ عمدۃ الحکماء والمتکلمین علامہ فضل حق خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ منطق وفلسفہ اور اصول فقہ وکلام کی تعلیم ان کا خاص حصہ تھا۔ خصوصاً شفا افق المبین شرح تجرید مع حواشی جدیدہ وقدیمہ، زواہد ثلثہ مع حواشی بحر العلوم کی تعلیم میں تو وہ تمام ہندوستان میں فرد مانے جاتے تھے۔

جونپور کا تعلیمی سفر: ۲ر شوال ۱۳۱۴ھ کو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحصیل علوم کی غرض سے جونپور روانہ ہوئے۔ اس وقت اعظم گڑھ کے ضلع میں ریل گاڑی نہیں تھی اور دوسری سواریوں کا بھی معقول انتظام نہ ہو سکا لیکن علم دین کی پیاس نے اس نوجوان مسافر کو گھوسی سے اعظم گڑھ تک پیدل سفر کرنے پر مجبور کر دیا۔ اعظم گڑھ سے جونپور اونٹ گاڑی پر پہنچے اور اپنے برادر عم زاد مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم کے پاس قیام کیا۔ جو وہاں پہلے سے بسلسلہ تعلیم مقیم تھے۔ مولانا ہادی حسن صاحب مدرس دوم اور مولانا محمد صدیق کی خدمت میں چند دنوں تعلیم حاصل کی لیکن حضرت استاذ الاساتذہ کی نکتہ شناس نگاہوں نے اس گوہر نایاب اور گدڑی کے لعل کی فطری صلاحیتوں کو بہت جلد بھانپ لیا اور خلاف عادت شرح تہذیب وقطبی ہی سے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو اپنے حلقہ درس میں شامل کر لیا اور خصوصی توجہ مبذول فرمانے لگے۔ حضرت مولانا سلیمان اشرف صاحب بہاری مرحوم (پروفیسر دینیات علی گڑھ یونیورسٹی) کا بیان ہے کہ حضرت استاذ الاساتذہ یوں تو تمام طلبہ پر عنایت فرماتے تھے لیکن تین اشخاص مولانا محمد صدیق، مولانا محمد امجد علی، سلیمان اشرف پر خاص الخاص نظر کرم تھی۔ چاہتے تھے کہ جو کچھ میرے سینے میں ہے نکال کر ان تینوں کو بخش دوں۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو مدرسہ حنفیہ کے تمام طلبہ میں ایک خصوصی امتیاز بھی حاصل تھا کہ بلاحسن وغیرہ متوسطات کتب کے بہت سے اسباق حضرت استاذ الاساتذہ نے آپ کے سپرد فرما دیئے تھے۔

حضرت محدث سورتی کے حلقہ درس میں: جون پور میں علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کے بعد حضرت استاذ الاساتذہ نے آپ کو پیلی بھیت حافظ الحدیث مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا اور تعارفی خط ان الفاظ میں تحریر فرمایا کہ ”کہ میں اپنا ایک مخصوص عزیز طالب علم آپ کے پاس بھیجتا ہوں، اس کی تعلیم وغیرہ میں آپ پوری توجہ فرمائیں۔“

حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ ورع وتقویٰ میں بایزید وقت علوم فنون میں علامہ العصر، خصوصاً فن حدیث ورجال میں امام زماں اور اپنے دور کے حافظ الحدیث تھے۔ بخاری شریف

کے تمام نسخے زبانی یاد تھے صحاح ستہ کی اکثر کتب پر آپ کے بے نظر شروح وحواشی مطبوعہ وغیر مطبوعہ اب بھی موجود ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ جب پیلی بھیت پہنچ کر اسباق میں شریک ہوئے تو حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ آپ کی استعداد علمی وتعلیمی شغف کو دیکھ کر گرویدہ ہو گئے۔ بعض مرتبہ فرماتے تھے کہ مجھ کو ساری عمر میں ایک ہی طالب علم ملا ہے جو محنتی بھی ہے اور سمجھدار بھی اور علم سے شوق اور دلچسپی بھی رکھتا ہے۔

دن رات درس کا سلسلہ جاری رہتا۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ چودہ مہینہ پیلی بھیت میں قیام رہا لیکن ایک دن بھی چھٹی نہیں ملی۔ جمعہ کے دن بھی سبق ہوتا۔ بلکہ سفر میں بھی اسباق جاری رہتے تھے۔ پیلی بھیت میں صحاح ستہ، موطا امام محمد، کتاب الآثار، شرح معانی الآثار، مسند امام اعظم وغیرہ کتب حدیث اور بعض دوسری کتابیں بالاستیعاب قراۃ وسماعاً پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے اور وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی اور تین ماہ مکان پر قیام فرمایا۔

مسند تدریس پر: قاضی عبد الرحید صاحب مرحوم رئیس پٹنہ کے زیر اہتمام مدرسہ اہل سنت پٹنہ صوبہ بہار کی ایک ممتاز درسگاہ تھی۔ یہاں پہلے مولانا عبد العزیز صاحب منطقی امیٹھوی جو حضرت علامہ خیر آبادی علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید تھے۔ مدرس اول رہ چکے تھے اس کے بعد خود حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ یہاں برسوں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے چکے تھے۔ قاضی صاحب موصوف کی طلب پر حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ نے مدرسہ اہلسنت کی صدارت کیلئے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا انتخاب فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی جگہ جہاں پہلے ایسی ایسی مقتدس ہستیاں اپنے علم وفضل کا جوہر دکھا چکی ہوں ایک بالکل نئے فارغ التحصیل شخص کا تقرر کتنا اہم کام تھا۔ مگر استاد کا حکم واجب التعمیل تھا۔ چارو ناچار اس عہدہ کو قبول کرنا ہی پڑا۔ مکان سے روانہ ہو کر سب سے پہلے جونپور بغرض تحصیل اجازت حضرت استاذ الاساتذہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور اپنی دعائیں شامل حال کیں۔

پٹنہ پہنچ کر قاضی عبد الوحید صاحب مرحوم کے مہمان ہوئے۔ پہلی بار جب درسگاہ میں تشریف لے گئے تو قاضی صاحب مرحوم جو خود بھی ایک متبحر عالم تھے علماء وسامعین کے ایک جم غفیر کے ساتھ تعلیم گاہ میں امتحاناً آن موجود ہوئے اور سب سے پہلی کتاب جو درس کیلئے پیش کی گئی ہدایہ جلد ثالث تھی۔ طلبہ بھی نہایت ذکی فہم اور ٹھوس استعداد کے مالک تھے۔ ظاہر ہے کہ نئی جگہ، مغلق کتاب پھر متبحر علماء وسامعین کی موجودگی، اس شخص کیلئے جو آج پہلے دن ذمہ دارانہ حیثیت سے مسند تدریس پر بیٹھا ہو۔ کس قدر پریشان کن مقام تھا لیکن حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کا انتخاب کوئی معنی رکھتا تھا۔ اور حقیقت تو یہ تھی کہ قدرت نے حضرت صدر الشریعہ کو اسی منصب کیلئے پیدا ہی فرمایا تھا۔ جس پر وہ آج بٹھائے گئے تھے پہلے ہی سبق میں تفہیم مطالب وکشف مغلقات سے حقائق ومعارف کے ایسے دریا بہا دیئے کہ تشنگان علوم سیراب ہو گئے اور علماء وسامعین دنگ رہ گئے۔ چنانچہ قاضی صاحب مرحوم نے آپ کی علمی وجاہت وانتظامی صلاحیت پر اعتماد واطمینان فرما کر مدرسہ کے تعلیمی امور کے سیاہ وسفید کس آپ کو مالک بنا دیا۔

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ سے پہلی ملاقات: کچھ زمانہ کے بعد قاضی عبد الوحید صاحب مرحوم بانی

مدرسہ اہلسنت علیل ہو گئے۔قاضی صاحب مرحوم ایک نہایت دیندار و دین پرور رئیس تھے اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ حافظ قرآن علوم عقلیہ ونقلیہ میں مولانا عبد العزیز صاحب منطقی امیٹھوی کے شاگرد رشید اور انگریزی میں بی اے تھے، ان کے والد انہیں بیرسٹری کے امتحان کیلئے لندن بھیجنا چاہتے تھے لیکن قاضی صاحب مرحوم کے دین پروری کے مقدس جذبات نے یورپ کے ملحدانہ گندے ماحول کو سخت ناپسند کیا اور آپ نے اس سفر سے صاف انکار فرمادیا اور تاحین حیات حمایت حق وخدمت دین ہی کو آپ نے اپنا شعار بنایا۔ ان کی دینداری و دین پروری ہی کی مقبولیت وکشش تھی جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز محدث سورتی علیہ الرحمہ کو باوجود کثرت مشاغل دینیہ کے قاضی صاحب مرحوم کی عیادت کیلئے کشاں کشاں روہیلکھنڈ سے پٹنہ تک لائی چنانچہ ان دونوں بزرگوں ہی کی موجودگی میں قاضی صاحب مرحوم نے وفات پائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے نماز جنازہ پڑھائی اور محدث سورتی علیہ الرحمہ نے قبر میں اتارا اور ایک مشہور بزرگ کے آستانہ کے قریب مدفن کی جگہ ملی۔ اسی موقع پر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو پہلی بار اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی نظر کیمیا اثر پہلی ہی نگاہ میں اپنا کام کر گئی اور دینی وروحانی مودت ومحبت کے اس شجر کی جس کا تناور و بار آور ہونا ازل سے مقدس تھا۔ داغ بیل پڑ گئی ایک کشش پیدا ہوئی اور بے اختیار حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا قلب مائل ہو گیا اور اپنے استاذ محترم حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے مشورہ سے سلسلہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے حلقہ بگوش بن گئے۔

استاد محترم کی رحلت اور تدریس سے استعفاء: قاضی صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد مدرسہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچا جن کو علم دین سے بالکل تعلق نہ تھا قرآن سے ایسا معلوم ہوا کہ خدمت دین کو مقصود اصلی ہے اب یہاں ممکن نہیں۔ کبیدہ خاطر و دل برداشتہ تھے ہی شعبان ۱۳۲۶ھ جون پور سے حضرت استاذ الاساتذہ کی علالت کا خط پہنچا۔ پٹنہ سے براہ راست جون پور پہنچے حضرت استاذ الاساتذہ شدید فالج میں مبتلا تھے۔ زبان بند ہو چکی تھی لیکن دماغی حالت درست تھی مولانا سلیمان اشرف مرحوم حاضر خدمت تھے عرض کیا کہ ''مولانا امجد علی آ گئے'' حضرت استاذ الاساتذہ نے آنکھیں کھول دیں اور پہچان لیا۔ اشارہ سے سلام کا جواب عنایت فرمایا اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعائیں فرماتے رہے۔ حضرت صدر الشریعہ ۲۹ ؍شعبان تک جونپور میں حاضر خدمت رہے۔ اس کے بعد مولانا سلیمان اشرف مرحوم سے یہ کہہ کر وطن روانہ ہوئے کہ اگر مزاج قدس میں کوئی تغیر رونما ہو تو بذریعہ تار مجھے اطلاع دیجئے گا۔ عجیب اتفاق کہ جس دن حضرت صدر الشریعہ وطن پہنچے اس کے دوسرے دن یکم رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ کو حضرت استاذ الاساتذہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت صدر الشریعہ کے قلب مبارک پر استاذ محترم کی رحلت کا نہایت گہرا اثر پڑا اور آخری وقت میں حاضر خدمت نہ رہنے کا تو انہیں تمام عمر افسوس رہا۔ مکان پہنچتے ہی حضرت صدر الشریعہ نے مدرسہ اہل سنت کو اپنا استعفاء بھیج دیا اور مطالعہ کتب کو مشغلہ بنا کر رمضان المبارک میں مکان ہی پر مقیم رہے۔

علم طب کی تحصیل: پٹنہ میں مغرب زدہ لوگوں

کے برے برتاؤ سے متاثر ہو کر ملازمت کی چپقلش سے بیزار ہو چکے تھے۔ معاش کیلئے کسی مناسب مشغلہ کی جستجو تھی۔ والد محترم کی نصیحت یاد آئی کہ میراث پدر خوری علم پدر آموز۔ خیال آیا کہ کیوں نہ علم طب کی تحصیل کر کے خاندانی پیشہ طبابت ہی کو مشغلہ بنائیں۔ چنانچہ شوال ۱۳۲۶ھ میں لکھنؤ جا کر دو سال میں علم طب کی تحصیل و تکمیل کے بعد وطن واپس ہوئے اور مطب شروع کر دیا۔ خاندانی پیشہ اور خداداد قابلیت کی بنا پر مطب نہایت کامیابی کے ساتھ چل پڑا۔

تفریحی سفر اور بریلی کی حاضری: ذریعہ معاش سے مطمئن ہو کر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ میں آپ بغرض سیر و تفریح لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہاں سے پیلی بھیت پھر بریلی بھی حاضر ہوئے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کو جب معلوم ہوا کہ تدریس چھوڑ کر مطب میں مشغول ہو گئے ہیں تو انہیں انتہائی قلق ہوا۔ بریلی جاتے وقت انہوں نے ایک خط اس مضمون کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی خدمت میں تحریر فرمادیا تھا کہ جس طرح ممکن ہو آپ اس شخص (صدر الشریعہ) کو خدمت دین و علم کی طرف متوجہ کیجئے جب آستانہ اقدس پر حاضری ہوئی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نہایت الطاف کریمانہ سے پیش آئے اور ارشاد فرمایا کہ آپ یہاں قیام کیجئے اور جب تک میں نہ کہوں واپس نہ جائیے اور دل بستگی کے لیے کچھ معمولی سے کام تحریر وغیرہ کے سپرد فرما دیئے۔ تقریباً دو ماہ بریلی میں قیام رہا اور اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ کی صحبت میں علمی استفادہ اور دینی مذاکرہ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ رمضان المبارک قریب آ گیا۔ وطن کی اجازت طلب کی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ جائیے لیکن جب کبھی میں بلاؤں تو فوراً چلے آئیے گا وطن پہنچ کر پھر مطب و معالجہ کا سلسلہ جاری کر دیا۔

دوسرا تفریحی سفر اور بریلی میں قیام: وطن میں مطب اگرچہ بہت کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ بچپن سے اہل علم کی صحبت اور علمی مشغلوں کے خوگر ہو چکے تھے۔ طبی مشغلہ کا ماحول چنداں پسند نہیں آیا۔ چند ماہ کے بعد پھر سیر و تفریح کیلئے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ پھر پٹنہ میں حضرت صدر الشریعہ کے سینے میں جس مبارک شجر کی اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے تخم ریزی فرمائی تھی۔ بریلی کے دو ماہ کے قیام نے اسے کافی تناور بنا دیا تھا۔ طرفین سے محبت و کشش بڑھ رہی تھیں۔ بریلی سے خط آ گیا کہ آپ فوراً چلے آئیے چنانچہ آپ لکھنؤ سے بریلی حاضر ہو گئے۔ اس مرتبہ انجمن اہل سنت کی نظامت اور اس کے پریس کے اہتمام کے علاوہ مدرسہ کا کچھ تعلیمی کام بھی سپرد کیا گیا گویا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے بریلی میں آپ کے مستقل قیام کا انتظام فرمادیا۔

والد مرحوم کی وفات: بریلی کے قیام کو کچھ ہی زمانہ گزرا تھا کہ مکان سے تار پہنچا کہ والد صاحب کو طاعون ہو گیا ہے فوراً آئیے والدہ ماجدہ کا سایہ تو ابتدا تعلیم ہی سے اٹھ چکا تھا۔ اب والد ماجد کے اس مہلک مرض میں مبتلا ہونے کی خبر سن کر سخت مضطرب اور بے چین ہوئے اور پہلی ٹرین سے روانہ ہو کر وطن پہنچے دیکھا تو والد مرحوم شدید طاعونی بخار میں مبتلا تھے اور ان میں ایک بہت بڑی گلٹی نکلی والد مرحوم کے حکم سے گلٹی کا آپریشن کیا گیا ہڑ کی مقدار میں نہایت سخت بالکل خام گلٹی نکلی اس کے بعد سرسام ہو گیا لیکن بعد میں سرسامی کیفیت دور ہو گئی اور سب بچوں کو پاس بلا کر ایک وصیت نامہ بھی لکھوا دیا۔ بعد مغرب

سب بچوں کے علاوہ مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم بھی حاضر خدمت تھے فرمایا "صدیق دیکھواب داہنے ہاتھ کی نبض ساقط ہوگئی"، دیکھا تو واقعی ساقط ہوچکی تھی پھر فرمایا کہ اب بائیں ہاتھ کی بھی ساقط ہوچکی اچھا اب مجھے لٹادو چنانچہ جونہی لٹایا گیا کلمہ طیبہ زبان سے نکلا اور روح پرواز کرگئی۔ ۱۰/صفر ۱۳۴۰ھ کو آپ کی وفات ہوئی اور خداندانی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

اہل وعیال کے ساتھ بریلی میں مستقل انتظام: والد مرحوم کے انتقال کے بعد اہل وعیال کی ذمہ داریوں کا بار آپ کے سر آن پڑا چنانچہ مکان وجائیداد وغیرہ کی تقسیم کے بعد آپ کے اہل وعیال کے ساتھ محلہ بہاری پور بریلی میں مستقل سکونت اختیار فرمائی اور اطمینان کے ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی خدمت میں اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں مصروف ہوگئے۔

بریلی کی مصروفیات: بریلی میں دو مستقل کام تھے ایک مدرسہ کی تعلیم کہ یہ خود ایک پورا کام ہے دوسرے پریس کا کام یعنی کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح کتابوں کی روانگی خطوط کے جواب آمد وخرچ کے حساب سارے کام تنہا انجام دیا کرتے تھے۔ان کاموں کے علاوہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے بعض مسودات کا مبیضہ کرنا فتووں کی نقل کرنا اوران کی خدمت میں فتویٰ لکھنا یہ کام بھی مستقل طور پر انجام دیتے تھے۔ پھر شہر وبیرون جات کے اکثر تبلیغی جلسوں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔

کاموں کی تقسیم اوقات یوں تھی کہ بعد نماز فجر ضروری وظائف وتلاوت قرآن پاک کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پریس کا کام انجام دیتے پھر فوراً مدرسہ جا کر اخیر وقت مدرسہ تک تعلیم دیتے۔دوپہر کے کھانے کے بعد مستقلاً دو تین بجے تک پھر پریس کا کام انجام دیتے نماز ظہر کے بعد عصر تک پھر مدرسہ میں تعلیم دیتے بعد نماز عصر مغرب تک اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں نشست فرماتے۔بعد مغرب عشاء تک اور عشا کے بعد سے بارہ بجے شب تک اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں فتویٰ نویسی کا کام انجام دیتے۔اس کے بعد مکان واپس ہوتے اور بہار شریعت کی کچھ سطوف تحریر فرما کر تقریباً دو بجے شب میں آرام فرماتے۔اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے اخیر زمانہ حیات تک یعنی کم وبیش دس برس تک روزمرہ کا یہی معمول را۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اس محنت شاقہ وعزم واستقلال سے اس دور کے اکابر علماء حیران تھے۔حضرت ننھے میاں صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ مولانا امجد علی کام کی مشین ہیں لیکن ایسی مشین جو کبھی فیل نہ ہو۔

❁❁❁

مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفی رضا خاں بریلوی قدس سرہ

مفتی سید شاہ علی رضوی رامپوری

ولادت: حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا خاں بریلوی نوری بن امام احمد رضا خاں بریلوی بن امام العلماء علامہ نقی علی خاں بریلوی علیہم الرضوان کی ولادت مبارکہ ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ ۷/جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق امام احمد رضا کے حقیقی برادر علامہ حسن رضا خاں حسن بریلوی قدس سرہ کے دولت کدہ واقع محلہ رضا نگر سوداگران شہر بریلی شریف میں ہوئی۔

اسم گرامی: حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا پیدائشی اور اصلی نام محمد ہے، اسی اسم پاک پر آپ کا عقیقہ ہوا، غیبی نام آل رحمن ہے، پیرومرشد نے آپ کا نام ابوالبرکات محی الدین جیلانی تجویز کیا اور والد گرامی امام احمد رضا نے عرفی نام مصطفی رضا رکھا، فن شاعری میں آپ اپنا تخلص نوری فرماتے تھے، عرفی نام اس قدر مشہور ہوا کہ خاص و عام میں آپ کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ولادت کی خوشخبری: ۲۲/ذوالحجہ کی شب میں تقریباً نصف رات امام احمد رضا قدس سرہ اور سید المشائخ حضرت نوری میاں قدس سرہ کے درمیان علمی مذاکرات رہے، پھر دونوں اپنی اپنی قیام گاہ پر آرام فرما ہوئے، اسی شب عالم خواب میں دونوں بزرگوں کو حضرت مفتی اعظم کی ولادت کی نوید دی گئی اور نومولود کا نام آل رحمن بتایا گیا، فجر کی نماز کے بعد دونوں بزرگ مسجد پہنچے تو بچے کی ولادت کی مبارکباد دی، فجر کی نماز کے بعد حضرت شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''آپ اس بچے کے ولی ہیں۔۔۔۔اگر اجازت ہو تو میں نومولود کو داخل سلسلہ کرلوں''۔

امام احمد رضا نے عرض کیا:

''حضور وہ غلام زادہ ہے۔۔۔اسے داخل سلسلہ فرما لیا جائے''

سرکاری نوری دادا علیہ الرحمہ نے مصلی پر ہی بیٹھے بیٹھے امام احمد رضا کے نور نظر لخت جگر کو داخل سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ فرمالیا اور امام احمد رضا کو اپنا جبہ اور عمامہ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا'' یہ میری امانت آپ کے سپرد ہے۔ جب وہ بچہ اس امانت کا متحمل ہو جائے تو اسے دے دیں۔ مجھے خواب میں اس کا نام ''آل رحمن'' بتایا گیا ہے لہٰذا نومولود کا نام ''آل رحمن'' رکھئے، وہ بڑا ہی فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے، میں پہلی فرصت میں بریلی حاضر ہو کر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کروں گا''۔

تعلیم و تربیت: حضرت مفتی اعظم ہند علیہ ال رحمہ نے اپنے بڑے بھائی جان حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا

خاں علیہ الرحمہ سے ناظرہ قرآن کی تکمیل صرف تین سال میں کی۔ حضرت امام احمد رضا نے استاذ الاساتذہ علامہ رحم الٰہی منگلوری اور علامہ بشیر احمد علی بڑھی سے فرمایا کہ "مصطفی رضا کو آج سے آپ دونوں پڑھائیں گے۔"

حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں بعمر ۱۸/سال خداداد ذہانت، ذوق مطالعہ، لگن ومحنت کے نتیجے میں جملہ علوم وفنون پر عبور حاصل کر کے مرکز اہل سنت دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے تکمیل وفراغت پائی۔

قوت حافظہ: حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی تعلیم کا جب باقاعدہ آغاز ہوا تو آپ کی ذہنت وفطانت اور زیرکی ودانائی کا سب کو اعتراف کرنا پڑا، ہر سبق صرف ایک بار پڑھ کر یاد کرلیا کرتے، ایک مرتبہ طالب علم نے آپ سے پوچھا "آپ کی یادداشت اتنی اچھی کیوں ہے کہ کبھی بھولتے ہی نہیں؟ آپ حافظہ کو تقویت پہنچانے کیلئے کیا کھاتے ہیں؟" حضرت مفتی اعظم نے جواب میں ارشاد فرمایا "حافظہ غذا سے نہیں عطا سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر حافظہ غذا سے تقویت پاتا تو کوئی بھی صاحب ثروت غبی نہیں ہوتا، بارگاہ علیم سے وابستگی پیدا کرو، وہیں سے سب کچھ ملتا ہے۔"

اساتذہ کرام: امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۳۴۰ھ) حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں بریلوی (۱۳۶۲ھ) علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری (۱۳۶۱ھ) علامہ سید شاہ بشیر احمد علی گڑھی (م) علامہ ظہر الحسین رام پوری (۱۳۴۲ھ)

علوم وفنون: برصغیر میں معقول ومنقول علوم وفنون کی جتنی مشہور اسناد ہیں ان میں سے سلسلہ تمذ بریلوی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ہر فن اور ہر علم کی سند عالی ہے۔

حضرت مفتی اعظم کو تقریباً ۳۸/علوم وفنون پر کمال حاصل تھا۔ اس طرح حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ خیر آبادی، دہلوی اور بریلوی سلاسل تلمذ کی بدولت علوم وعرفان کے وارث وامین بنے۔ مزید برآں والد گرامی سیدنا امام احمد رضا نے ان پچیس (۲۵) سلاسل اولیاء، سلاسل قرآن اور سلاسل حدیث کی اجازت عطا فرمائی جو النور والبہا میں درج ہیں۔ نیز ان تمام سلاسل رجویہ کی اجازت عطا فرمائی جو "الاجازت المتینہ اور فتاویٰ رضویہ" میں درج ہیں۔

درس وتدریس: حضرت مفتی اعظم باقاعدہ درس نظامی کے جملہ علوم وفنون سے فراغت کے بعد ۱۳۲۸ھ میں جامعہ منظر اسلام میں مسند تدریس کو زینت بخشی اور باضابطہ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت مفتی اعظم نے کتنی مدت تک مسند تدریس کو زینت بخشی، اس کی کوئی صراحت حضرت مفتی اعظم کے تذکروں اور سوانحی مضامین میں نہیں ملتی۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء سے ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء تک جامعہ رضویہ منظر اسلام میں مسند تدریس کو زینت بخشی۔ پھر جامعہ رضویہ مظہر اسلام کے قیام کے بعد مظہر اسلام میں بھی مسند تدریس پر جلوہ فرما ہوئے۔

درسی تلامذہ کرام: علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی، علامہ سردار احمد رجوی لائلپوری، مولانا اعجاز ولی خان رضوی بریلوی، علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی، علامہ حاجی مبین الدین رضوی امروہوی، علامہ تحسین رضا خاں بریلوی، مفتی شریف الحق امجدی گھوسوی، علامہ ریحان رضا خان بریلوی، تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان بریلوی، علامہ ضیاء المصطفی امجدی گھوسوی، علامہ غلام جیلانی اعظمی، علامہ قاضی عبدالرحیم بستوی، علامہ ابراہیم خوشتر صدیقی، علامہ سید شاہد علی

رامپوری وغیرہ۔

افتا کے تلامذہ: مفتی سید افضل حسین رضوی مونگیری، علامہ ابوالبرکات سید احمد لاہوری، مفتی محمد احمد جہانگیر اعظمی، مفتی عبدالمنان اعظمی، مفتی رجب علی نانپاروی، علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی وغیرہ۔

مستفدین: برہان ملت علامہ شاہ برہان الحق عبدالباقی جبلپوری، صدر العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی، قاضی شمس العلماء علامہ مفتی شمس الدین جونپوری، حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی، امین شریعت مفتی رفاقت حسین مظفر پوری، سید العلماء علامہ سید مصطفی مارہروی، استاذ العلماء علامہ عبدالرؤف حامدی بلیاوی وغیرہ۔

عقد مسنون: سیدنا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے برادر اصغر عمدۃ الفقہاء حضرت علامہ مفتی محمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ (م ۱۹۳۸ء) جنہیں اہل خانہ محبت سے ''ننھے میاں'' کہہ کر پکارتے تھے، کی صاحبزادی عالی وقار سے حضور مفتی اعظم علامہ مصطفی رضا خاں نوری کا سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے نکاح پڑھایا (مرتب)

بیعت و خلافت: حضرت مفتی اعظم کی ولادت کی خبر لتے ہی شاہ ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے سیدنا امام احمد رضا کی اجازت سے داخل سلسلہ فرمایا۔ ۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۱۱ھ میں حضرت سید شاہ ابوالحسین نوری قدس سرہ بریلی شریف تشریف لائے اس وقت سرکار مفتی اعظم کی عمر شریف چھ ماہ تین یوم کی تھی، سیدنا تاجدار مارہرہ مطہرہ علیہ الرحمہ نے اپنی انگشت شہادت آل رحمن ابوالبرکات محی الدین جیلانی کے دہن مبارک میں ڈالی۔ مفتی اعظم شیر مادر کی طرح چوسنے لگے۔ تاجدار مارہرہ مطہرہ نے داخل سلسلہ فرمایا اور تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ بیعت کے وقت ارشاد فرمایا:

> ''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے۔ اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر قائم ہوں گے۔ یہ فیض کا دریا بہائے گا۔''

امام احمد رضا نے اپنے ونر نظر حضرت مفتی اعظم کو جمیع اور ادواشغال، اوفاق واعمال اور جمیع سلاسل طریقت میں ماذون ومجاز بنایا۔ مرشد کامل اور والد ماجد دونوں کی دعاؤں اور بشارتوں کا ایک ایک حرف پورا ہوا۔

سیدنا حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے پچاس خلفا کی فہرست میں ۲ رنمبر پر یہ تحریر فرمایا ''صاحبزادہ جناب مولانا مولوی محمد مصطفی رضا خاں صاحب محلہ سوداگران بریلی۔ عالم، فقیہ، واعظ، مناظر، حامی سنت ومجاز طریقت''۔۔۔مرتب

خلفاء عظام: مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خان بریلوی، ریحان ملت علامہ ریحان رضا خان بریلوی، تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان بریلوی، بحر العلوم مفتی افضل حسین مونگیری، رئیس التحریر علامہ ارشد القادری، پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی، رئیس الفقہا علامہ مفتی اعجاز ولی خان بریلوی، افضل المحدثین علامہ تقدس علی خان بریلوی، بدر ملت مفتی بدر الدین گورکھپوری، امین ملت ڈاکٹر سید امین میاں مارہروی، مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمن بھدرکی، شمس العلماء قاضی شمس الدین جونپوری، مفتی مالکیہ علامہ مفتی سید محمد علوی مالکی، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی گھوسوی، ان کے

علاوہ سینکڑوں خلفاء کی تعداد ہندو پاک میں ہیں (مفتی اعظم اوران کے خلفاء) مرتب۔

حج وزیارت: ۱۹۷۵ء کے دسمبر میں حضرت مفتی اعظم حج وزیارت کے عزم وارادہ سے مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور میمن رباط محلہ جبار میں اپنے مختصر اہل خانہ کے ساتھ قیام پذیر ہوئے، آپ کی عمر شریف اس وقت ۸۰ ربرس سے متجاوز تھی مگر اس حال میں بھی ان مقامات عالیہ کی زیارت کیلئے حاضر ہوتے، جن کا انتساب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے، امام احمد رضا کے شہزادے عالی وقار کی نسبت نے علماء حرمین کی دلوں میں آپ کی محبت اجاگر کردی، آپ کی خوب پذیرائی ہوئی، بعض علمائے کرام نے علمی استفادہ بھی کیا اور اجازت وخلافت بھی حاصل کی۔ اس سفر مبارک میں آپ کی اہلیہ محترمہ علیہا الرحمہ ساتھ تھیں، جنہیں اہل محبت ''حضرت چھوٹی بی صاحبہ'' سے یاد کرتے تھے (جہان مفتی اعظم، ص:۱۰۸۱) مرتب۔

فتویٰ نویسی: ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں جب مفتی اعظم کی عمر شریف ۱۸ رسال تھی، آپ کسی کام سے رضوی دارالافتا میں پہنچے تو وہاں ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری اور مولانا عبدالرشید عظیم آبادی فتویٰ لکھنے کیلئے رضاعت کے کسی مسئلہ پر تبادلہ خیال کررہے تھے۔ بات کچھ الجھی تو ملک العلماء اٹھے تاکہ الماری سے فتاویٰ رضویہ نکال کر اس سے روشنی حاصل کریں، حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

''نوعمری کا زمانہ تھا، میں نے کہا! کیا فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں، مولانا نے فرمایا! اچھا تم بغیر دیکھے لکھ دو تو جانوں۔ میں نے فوراً لکھ دیا۔ وہ رضاعت کا مسئلہ تھا''، حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے حضرت مفتی اعظم کے اس فتویٰ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا! اس پر دستخط کرو، دستخط کروانے کے بعد امام احمد رضا نے صحیح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب لکھ کر اپنے دستخط فرمائے۔ فتویٰ نویسی کے اس حسن آغاز پر امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے اس شہزادۂ اصغر مفتی اعظم کو پانچ روپے بطور انعام عطا فرما کر ارشاد فرمایا:

''تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں۔ اب فتویٰ لکھا کرو۔ اپنا ایک رجسٹر بنالو۔ اس میں نقل بھی کیا کرو'' امام احمد رضا نے اپنے دست مبارک سے مہر کا خاکہ تیار فرمایا۔ مندرجہ ذیل عبارت لکھی،

''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل رحمن عرف مصطفی رضا'' جب مہر تیار ہوگئی تو شہزادہ کو بلا کر عطا فرمایا، یہ مہر دینی شعور کی سند تھی اور اصابت فکر کا اعلان تھا۔

رجب المرجب ۱۳۳۹ھ میں سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ نے متحدہ ہندوستان کیلئے ''دارالقضاء شرعی'' قائم فرمایا اور بعض علماء کی موجودگی میں حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ اور حضرت مفتی اعظم کو افتاء وقضاء پر مامور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا ہے اس بناء پر ان دونوں کو نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں، کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوتی جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے''

پھر اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر اس کام کیلئے قلم اور دوات وغیرہ سپرد فرمایا اور مقدمات کے فیصلے کروائے۔

صدر الافضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ نے ۱۹۴۶ء میں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی قدس سرہ کو سنی کانفرنس بنارس میں شرکت کا جو دعوت نامہ ارسال کیا تھا اس میں حضرت کو ''مفتی اعظم'' ہی لکھا کہ نہ مفتی اعظم ہند۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے اپنے والد ماجد امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات ظاہری میں ۱۳۲۸ھ/۱۹۲۱ء تک فتاویٰ لکھے۔ والد ماجد کے وصال کے بعد ۱۳۹۵ھ تک مسلسل فتویٰ نویسی فرمائی۔ اس کے بعد ضعف وعلالت کی وجہ سے فتویٰ نویسی کا کام نہ ہوسکا۔ تاہم آخری لمحات تک مفتیان دین کی علمی مشکلات کو زبانی حل فرماتے۔ اس طرح ۷۰ سال کے طویل عرصہ تک بلا معاوضہ فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی، حضرت مفتی اعظم علامہ مصطفی رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کی تعداد لاکھوں ہیں۔

فتویٰ نسبندی: ۱۳۹۶/۹۷ھ بمطابق ۱۹۷۶/۷۷ء کا دور اسلامیان ہند کیلئے ایک بھیانک طوفان تھا، حکومت نے نس بندی کے جواز کے لیے مفتیان عظام کو ترغیب وترہیب سے مائل کرنے کی کوشش شروع کردی، کانگریسی مفتیان نے اس کے جواز کا فتویٰ جاری کردیا، ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ فتاویٰ کی خوب تشہیر کی، ہندوستان کا مسلمان اب ایک ایسے نازک موڑ پر آچکا تھا جہاں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی، اس حال میں پاسبان ناموس رسالت حضرت مفتی اعظم اپنے علمی روحانی وقار سے جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہتے ہوئے کھڑے ہوئے، آپ نے بے باکی اور حق گوئی سے کام لیتے ہوئے فتویٰ جاری کیا،

"نس بندی حرام ہے نس بندی حرام ہے"

چونکہ ذرائع ابلاغ پر حکومت کے آہنی پنجوں کا مضبوط قبضہ تھا، ان کو اشاعت کا ذریعہ بنانا ممکن نہ تھا، آپ نے حکومت کے خلاف فتویٰ عدم جواز نسبندی کو سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا، ظالم وجابر حاکم ایمرجنسی کے دور میں آپ کے فتویٰ کے مقابل بے بس ہو کر رہ گیا، نسبندی کے خلاف فتویٰ جاری کرنے اور اسے شائع کرنے کی بنا پر ضلع کلکٹر نے ایک مسلح فورس کے ساتھ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی محبوسی کیلئے سخت وارنٹی جاری کردی، لیکن ایک صوبائی وزیر اور سابق اسپیکر یوپی نے مرکزی حکومت سے رابطہ قائم کرکے صورتحال سے آگاہ کیا اور کہا کہ حضرت مفتی اعظم کو گرفتار کیا گیا تو پورے ملک میں بے چینی اور تشدد بڑھ جائے گا، دیگر ذرائع نے بھی مرکزی حکومت کو یہی خبر دی کہ حضرت مفتی اعظم کی گرفتاری سے حالات مزید ابتر ہوجائیں گے، اس لیے کہ وہ کسی بھی حال میں اپنا فتویٰ واپس نہیں لیں گے، اس پر مرکزی حکومت نے مداخلت کی اور بریلی کی انتظامیہ کو ہدایت کی کہ گرفتاری کے احکام ختم کردیئے جائیں۔ کچھ دنوں کے بعد وہ حکومت بھی ختم ہوگئی۔

مسئلہ رویت ہلال پاکستان: جنرل محمد ایوب خان سابق صدر پاکستان کے دور میں حکومت کی طرف سے ایک رویت ہلال کمیٹی قائم کی گئی تھی، جس کے ذمہ عید وبقرعید کے موقعوں پر ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنا تھا اور پھر رویت ہلال کی تصدیق پر حکومت کی طرف سے چاند کی رویت کا اعلان کیا جاتا تھا، ایک دفعہ عید کے موقع پر ۲۹ رمضان المبارک کو اس کمیٹی کے کچھ افراد ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے گئے، مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) سے مغربی پاکستان جاتے ہوئے ان افراد کو چاند نظر آگیا اور انہوں نے

اس کی اطلاع حکومت وقت کو دے دی، جس کے نتیجہ میں حکومت وقت نے رویت ہلال کا اعلان کر دیا، مگر پاکستان کے سنی علماء نے اس پر کان تک نہیں دھرا، دنیائے اسلام کے بیشتر ممالک میں مفتیان کرام سے اس سلسلہ میں فتویٰ مانگا گیا اور ایک استفتاء مفتی اعظم کی خدمت میں بھی روانہ کیا۔ دنیا کے تقریباً تمام مفتیان کرام نے رویت ہلال کی تائید کی، مگر مفتی اعظم نے اسے نہیں مانا اور اپنا فتویٰ صادر فرمایا کہ

"چاند کو زمین سے دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شرعی شہادت پر قاضی شرع حکم دے گا۔ چاند کو سطح زمین سے یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہو وہاں سے دیکھنا چاہئے۔ رہا جہاز سے چاند دیکھنا۔ تو یہ غلط ہے کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہیں چاند ۲۹ کو اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے۔ اگر جہاز میں چاند دیکھ کر رویت کا اعلان درست ہوتا تو مزید بلندی پر جا کر ۲۷، ۲۸ تاریخ کو بھی چاند نظر آ سکتا ہے۔ تو کیا ۲۷، ۲۸ کو چاند دیکھ کر یہ حکم صادر کیا جا سکتا ہے کہ اگلے روز عید یا بقر عید جائز ہے، اسی لیے جہاز سے چاند دیکھ کر یہ فتویٰ صادر کرنا کہ ۲۹ کا چاند دیکھنا معتبر ہے، بھلا کس طرح صحیح ہوگا۔"

فقیر مصطفی رضا قادری

حضرت مفتی اعظم کے اس فتویٰ کو پاکستان کے ہر اخبار میں جلی سرخیوں سے شائع کیا گیا اور اگلے ماہ ۲۷، ۲۸ تاریخوں میں حکومت کی جانب سے اس بات کی تصدیق کرائی گئی، تو بلندی پر پرواز کرنے پر چاند نظر آ گیا۔ تب حکومت نے مفتی اعظم کے فتویٰ کو تسلیم کر کے رویت ہلال کمیٹی توڑ دی اور وہاں کے تمام مفتیان کرام نے مفتی اعظم کے علم و فضل کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں اور اس کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے کا سلسلہ منسوخ کر دیا گیا۔

مسجد شہید گنج لاہور: ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں سکھوں نے انگریز حکام کی پشت پناہی میں مسجد شہید گنج لاہور کو مسمار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ عمارت اور جگہ گرودوارہ کی ہے۔ مسلمانوں نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے، مسجد کے انہدام پر برصغیر کے مسلمان تڑپ اٹھے، مسجد کی واگزاری کیلئے جلسہ اور جلوسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، بدقسمتی سے مجلس احرار نے مسلمانوں کی اجتماعی مساعی میں نہ صرف عدم شرکت کی بلکہ اس خالص اسلامی تحریک کی مخالفت کی اور یہ پروپیگنڈہ کیا کہ اس تحریک میں حصہ لینا جائز نہیں، جو مسلمان اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں ان کی موت حرام موت ہے، وہ شہید نہیں۔ ۲۷/ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۹/ جولائی ۱۹۳۵ء کو مسجد شہید گنج کی بازیابی کے ضمن میں ہلاک ہونے اور تحریک میں حصہ لینے والوں کی شرعی حیثیت سے ایک استفتا حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں آیا، آپ نے نہایت تفصیل سے دلائل شرعیہ سے ثابت کیا کہ اس تحریک میں حصہ لے کر مسلمانوں پر فرض ہے کہ مسجد کو سکھوں سے آزاد کرائیں اور جو لوگ اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں وہ شہید ہیں (تفصیل ملاحظہ کریں: فتاویٰ مصطفویہ جلد دوم ص: ۹۵ تا ۱۰۱، مطبوعہ الہ آباد)

تصنیفات و تالیفات: حضرت مفتی اعظم نے ہزارہا

مصروفیات کے، باوجود اہل محبت کو علمی ذخیرہ سے مالامال فرمایا ہے۔ آپ کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد تقریباً ۴۵ ہیں ان میں سے چند کے اسماء یہ ہیں:

وقعات السنان، نورالفرقان، ادخال السنان، سیف القہار، النکۃ علی مرآۃ کلکتہ، الموت الاحمر، ملفوظات اعلیٰ حضرت (چار حصص) الطاری الداری لہفوات عبدالباری (تین حصص) سامان بخشش، فتاویٰ مصطفویہ (دو حصص) حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد اول، سوم، چہارم، تربیت فتاویٰ رضویہ دوم، حاشیہ تفسیر احمدی، حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ، فتاویٰ مفتی اعظم (۶ جلدیں) وغیرہ۔

تصدیق حسام الحرمین: کتاب لاجواب حسام الحرمین کے سب احکام بیشک وارتیاب حق وصواب ہیں، بے شبہ مرزا غلام احمد قادیانی کثیر کفریات واضحہ شنیعہ قبیحہ کے سبب کافر ہے اور یقینا ایسا کہ اس کے کافرو مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک، ذرا تامل، کچھ تردد، تھوڑا سا شبہ کرنے والا بھی اسی کی طرح کافر کہ جس طرح ایمان کو ایمان جاننا لازم ہے یوہیں کفر کو کفر ماننا، کفر ضد ایمان ہے اور الاشیاء تعرف باضداھا۔ جو کفر کو کفر نہ جانے گا وہ ایمان کی قدر کیا جانے گا، اندھے کو روشنی کا حال کیا کھلے گا۔ تو جو کفر کو کفر نہیں جانتا۔ یقیناوہ اندھے کی طرح ہے۔ روشنی ایمان سے اس کا قلب محروم ہے۔ ہر مسلمان کو بحکم قرآن کفر وایمان دونوں کی پہچان ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **فمن یکفر بالطاغوت ومنھم باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی**۔ ترجمہ: جس نے کفر کیا طواغیت سے اور ایمان لایا اللہ پر تو اسنے بیشک مضبوط گرہ تھامی۔

جو جو بات اللہ عزوجل کے ساتھ کفر ہے اسے ہر مسلمان ضرور کفر جانتا ہے، اور جو اسے کفر نہ جانے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، قادیانی اس لیے کافر ہے کہ اس نے ختم نبوت کا انکام کیا اور انکار ختم نبوت قرآن کا انکار ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آدمی کچھ کافر ہو کچھ مسلمان۔ اگر سارے قرآن پر دعوائے ایمان رکھتا ہو اور ایک کلمہ کی قرآنیت سے منکر ہو وہ سب کا منکر اور کھلا کافر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **افتؤمنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض**۔ قادیانی اپنی نبوت کا مدعی ہے اور چھوٹا نبی ہے وہ مفتری علی اللہ کافر باللہ ہے۔ قادیانی حضرت روح اللہ وکلمۃ اللہ و نبی اللہ عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کی توہین کرتا ہے۔ یونہی موسیٰ علیہ السلام کی بلکہ بہت سے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ کی اور جو کسی ایک نبی کی توہین کرے وہ اجماعاً قطعاً کافر ہے۔ (الصوارم الہندیہ، ص: ۳۳، ۳۴) مرتب۔

وصال مبارک: امام احمد رضا کا یہ نور نظر تاجدار اہل سنت سرکاری مفتی اعظم ۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۰۲ھ، ۱۲ رنومبر ۱۹۸۱ء رات ایک بج کر ۴۰ منٹ پر کلمہ طیبہ کا ورد کرتا ہوا خالق حقیقی سے جاملا، اگلے روش نماز جمعہ کے بعد اسلامیہ کالج کے وسیع میدان میں تین بج کر پندرہ منٹ پر نماز جنازہ ہوئی اور تقریباً چھ بجے امام احمد رضا کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ نماز جنازہ میں تقریباً پچیس لاکھ کا مجمع ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔

❀❀❀

محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہ

مولانا ذاکر حسین راج محلی

ولادت مبارکہ: عارف باللہ شیخ المشائخ حضور شاہ سید علی حسین اشرفی میاں اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ کی شہزادی کی شادی جائس کے حکیم الاسلام حضرت مولانا سید نذر اشرف جائسی سے ہوئی، حضور اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی دعاء بارگاہ رب العزت میں قبول ہوئی اور حضرت مولانا سید علی حسن اشرفی جیلانی جائسی (م ۱۹۱۰ء) ماموں حضرت سید نذر اشرف کے دولت کدہ میں ۱۵/ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۵ء کی درمیانی شب، شب چہارشنبہ کو شہزادی حضرت اشرفی میاں نے خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ ان کے ہاتھ میں قرآن وحدیث دے کر مبارکباد دیتے ہیں، ان کی آنکھ کھل گئی اور اس وقت دردزہ شروع ہوگیا، لیکن معمولی تکلیف محسوس ہوئی اور حضرت محدث اعظم ہند رضی اللہ کی ولادت ہوئی۔

بچپن میں محدث اعظم ہند عام بچوں سے عادات میں منفرد تھے، والدہ ماجدہ کو سجدہ میں دیکھ کر نقل کی سعی کرنا، کتابوں میں صرف قرآن پاک تک رسائی کرنے کی جدوجہد کرنا اور ابتدائی گوئی کے لیے اللہ، محمد کے الفاظ کا زبان پر جاری ہونا، غیب سے بچہ کی ترتیب اور حفاظت کا اہتمام تھا۔

تعلیم وتربیت: جب آپ کی عمر شریف چار سال چار مہینہ اور چار دن کی ہوئی تو خاندانی معمول کے مطابق آپ کے جد امجد حضرت مولانا سید شاہ فضل حسین اشرفی جیلانی قدس سرہ (م ۱۳۳۸ھ) نے مٹھائی بطور نیاز منگوا کر فاتحہ خوانی کی اور ۱۹/ربیع الاول ۱۳۱۵ھ کو آپ نے بسم اللہ پڑھائی۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ محمدی خاتون مرحومہ ومغفورہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ کی دختر نیک اختر اور حضرت مولانا سید احمد اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہ کی حقیقی بہن نے آپ کو ابتدائی تعلیم دی اور آپ کو صرف چھ ماہ میں قاعدہ بغدادی اور پارہ عم ختم کرا دیا، آپ نے فارسی وعربی اور ریاضی وہندسہ وغیرہ کے اسباق اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید نذر اشرف اشرفی جیلانی فاضل کچھوچھوی سے پڑھی، سلسلہ تعلیم کے دوران دو سال تک سخت بیمار رہے، متعدد مرتبہ چیچک نکلی، امید وزیست منقطع ہوگئی، نانا جان حضور اشرفی میاں اور اکابر اہل خاندان کی دعائیں مقبول ہوئیں اور تیسرے سال آپ صحت یاب ہوگئے۔ جب آپ عربی کی ابتدائی کتابوں سے فارغ ہوئے

تو تمام دینیات کی تکمیل اور اعلیٰ تعلیم کیلئے برص غیر کے سب سے مشہور مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ کا رخ کیا اور بحر العلوم حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی سے آٹھ سال میں تعلیم مکمل کی اور سند فضیلت حاصل کی، تقریباً چودہ سال کی عمر شریف میں ۱۹۰۷ء میں تمام درسیات نظامی علوم عربیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ آپ نے لکھنؤ سے علی گڑھ آکر استاذ زمن حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے شرح تجرید، افق المبین، جیسی منطق وفلسفہ کی ادق ونایاب کتابیں پڑھیں۔ مفتی صاحب نے جو سند فراغت مرحمت فرمائی اس میں آپ کے نام کے ساتھ ''علامہ'' تحریر فرمایا۔ پھر آپ علی گڑھ سے پیلی بھیت تشریف لائے اور جلیل القدر محدث حضرت علامہ وصی احمد صاحب قدس سرہ سے صحاح ستہ، معانی الآثار وغیرہ حدیثوں کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں، اس کے بعد آپ کے حقیقی ماموں حضرت علامہ سید احمد اشرف قدس سرہ نے آپ کو بریلی شریف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا خاں صاحب قدس سہ کے سپرد کیا، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں دو سال رہ کر فقہ وفتاویٰ پر مہارت نامہ حاصل کی، جب تک آپ کا وہاں قیام رہا فتاویٰ نویسی کا مشغلہ جاری رہا، پھر آپ اعلیٰ حضرت کی دعائی اور برکتیں لے کر بدایوں شریف آستانہ عالیہ قادریہ تشریف لے گئے اور یہاں مطیع الرسول حضرت علامہ عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہ سے سند حدیث حاصل کی۔ اور عالم میں محدث اعظم ہند کی شہرت ورفعت سے سرفراز ہوئے، ان تمام تعلمی تحقیقی منازل کو سرکار محدث اعظم ہند قدس سرہ نے سترہ سال کی عمر میں عبور کیا، جس میں دو سال کچھوچھہ شریف میں شدید علالت کا دور بھی شامل ہے۔

اساتذہ کرام: (۱) سیدہ محمدی خاتون ''والدہ ماجدہ'' (۲) علامہ سید نذر اشرف اشرفی ''والد گرامی'' (۳) مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی (۴) استاذ العلماء مفتی لطف اللہ علی گڑھی، (۵) ابوالوقت علامہ عبدالباری فرنگی محلی (۶) امام المحدثین علامہ وصی احمدی محدث سورتی (۷) مطیع الرسول علامہ عبد المقتدر بدایونی (۸) عالم ربانی علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی ''ماموں جان''۔

تدریسی خدمات: آپ تعلیمی فراغت کے بعد دہلی تشریف لائے اور یہاں حضرت علامہ محمد میر صاحب کی سرپرستی میں مدرسۃ الحدیث قائم کیا اور بارہ سال تک درس حدیث کا فریضہ انجام دیا، رسالہ قشیریہ، قانون شیخ کے علاوہ تصوف اور فن طب بھی آپ نے پڑھایا۔ دہلی کو خیرباد کہتے ہوئے کچھوچھہ مقدسہ تشریف لائے اور یہاں جامعہ اشرفیہ میں منصب شیخ الحدیث کے مسند نشیں ہوئے اور ایک طویل زمانے تک درس دیتے رہے، ساتھ ہی فتاویٰ بھی لکھتے رہے۔ آپ کے نامور تلامذہ میں (۱) علامہ سلیمان اشرفی بھاگلپوری (۲) مفتی افض الدین اشرفی (۳) علامہ سید نعیم اشرف اشرفی جائسی (۴) شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی ہیں۔

بیعت وخلافت: حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنے نانا جان اعلیٰ حضرت حضور اشرفی میاں قدس سرہ کی ایماپر اپنے حقیقی ماموں حضرت مولانا ابوالمحمود سید احمد

اشرف اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ کو اپنا پیر منتخب کیا اور آپ کی ارادت میں داخل سلسلہ ہوئے، سلوک وعرفان کی راہ میں تیرہ سال گزارے اور زبردست ریاضات ومجاہدات کی، یہاں تک کہ اسم ذات اور اسم صفات کے ورد سے آپ میں آثار جہانگیری نمایا ہوگئے، آپ کے ماموں جان نے اپنے حقیقی بھانجے پر علمی اور روحانی نوازشات کے دروازے کھول چکے تھے، لائق بھانجے نے شفیق ماموں کے اور مرید صادق نے مرشد برحق کے علمی وعرفانی اور روحانی خزانوں سے اپنے آپ کو خوب مالا مال کیا، یہاں تک کہ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں تمام سلاسل کی مثالی خلافت عطا کی گئی اور وہ بھی مدینہ طیبہ میں، مواجہ شریف میں اس مبارک دولت سے سرفراز ہوئے۔

جناب پروفیسر مجید اللہ قادری ”تذکرہ خلفا اعلیٰ حضرت“، صفحہ ۳۲۳ پر لکھتے ہیں:

> ”اعلیٰ حضرت بھی آپ کو سید ہونے کی وجہ بہت محترم جانتے اور بڑے ادب سے پیش آتے، یہاں تک کہ ہاتھ چومتے، اعلیٰ حضرت نے آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا تھا“۔

تصنیف وتالیف: حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی تصنیفات یوں تو سیکڑوں سے زائد ہیں، جو آپ کی حیات مبارکہ میں عرب وعجم میں شائع ہوئی، جنہیں اہل علم وتحقیق پڑھ کر انگشت بدنداں اور ممنون احسان ہوئے اور آپ کے علمی تفوق وتبحر اور ہمہ گیری کی علمی دنیا میں دھوم مچی، ان نایاب مطبوعہ تصانیف اور مضامین کی معلومات ہوسکیں، ذیل میں ایک مختصر فہرست پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) معارف القرآن (۲) تفسیر قرآن پاک (۳) اتمام حجت (۴) حیات غوث العالم (۵) مرقومات بے مثال (۶) تحقیق التقلید (۷) روداد مناظرہ کچھوچھہ (۸) شیخ العالم (۹) سلطان المشائخ (۱۰) سوانح غوث (۱۱) وصایا شریف امام اعظم (۱۲) خدا کی رحمت (۱۳) عید معراج (۱۴) کتاب الصلاۃ (۱۵) فتاویٰ اشرفیہ (۱۶) جزیرۃ العرب و آریہ ناریہ (۱۷) میلاد اشرفی (۱۸) فتنہ عظیمہ اور اس کا دفاع (۱۹) سیرۃ الخلفا (۲۰) مکالمہ جمعہ ”روداد مناظرہ بنارس“ (۲۱) معظم الابواب (۲۲) پیران پیر (۲۳) منافقین اسلام کا آغاز وارتقا (۲۴) حقا کہ بنائے لاالہ است حسین (۲۵) بصارۃ العین

وعظ وتقریر: حضرت مولانا ابوالعلاء قادری شیخ الحدیث قصور تحریر فرماتے ہیں:

> ”میں نے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس جہاں علامہ عبدالحامد صاحب قادری بدایونی علیہ الرحمہ کا بیان سنا ان کے پہلو میں بیٹھے ہوئے حضرت محدث اعظم ہند کی بھی تقریر سنی، خدا کی قسم وہ تقریر تھی نہیں، نہیں، وہ ایک والہانہ انگیز جذبہ تھا، جس نے دو لاکھ کے مجمع میں ایسی روح پھونک دی جو پاکستان کی صوت میں ظاہر ہوئی اور لفظ بنارس سے ۳۱۳ کا عدد نکال کر بتایا کہ غزوہ در میں

۱۳۳۱ کامیاب ہوئے، یہ اجلاس بھی کامیاب ہوگا اور پاکستان بن کر رہے گا۔"

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی مدیر اعلیٰ جہان رضا لاہور نے تحریر فرمایا:

حضرت سید محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے ۱۹۳۹ء میں "مرکزی انجمن حزب الاحناف" کے سالانہ جلسہ میں مسجد وزیر خان لاہور کے شاندار اسٹیج پر پہلی بار دیکھا، آپ سر پر شاہی تاج سجائے گیروا لباس پہنے تقریر کے آغاز میں ایک خوبصورت منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، میں نے زندگی میں پہلی بار ایک عالم دین کے سر پر شاہانہ تاج (تاج شاہ سمناں) سجائے دیکھا تو حیرت زدہ ہوگیا، حضرت محدث اعظم ہند کی آنکھو کی سرخی اوران کے چہرے کا جلال یوں دکھائی دیتا جیسے واقعی ایک زبردست شہنشاہ اپنے وزراء اور امراء کے حلقے میں اپنی رعایا سے خطاب کر رہا ہے۔ حضرت کی آواز سے مسجد کے بام و در گونج رہے تھے، جس سے در و دیوار معمور تھے، خطبہ کے الفاظ کی ادائیگی اتنی پر شکوہ تھی کہ سامعین دم بخود تھے، یہ سامعین عامی نہیں تھے بلکہ علم وفضل والے تھے، اہل ذوق ومحبت تھے، محدث صاحب کی تقریر فصاحت وبلاغت کا نمونہ تھی، آپ کا انداز بیاں اہل علم کے لیے غذائے روح تھا، آپ کا خطاب آدھا گھنٹہ یا ایک گھنٹہ نہیں تھا بلکہ رات ڈھلنے تک تھا، سامعین ہمہ تن گوش بیٹھے رہے، یہ ان دنوں کی بات ہے جب مسجد وزیر خاں کا صحن اہل ذوق اور سامعین سے لبالب بھرا ہوا تھا، یہ ان دنوں کی بات ہے جب تشنگان علم وفضل "نوشانوش" کی آواز پر امڈ آتے تھے"۔

سفر حج: یہ سفر حج آپ کا ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں تقسیم ہندو پاک کے بعد ہوا، آپ کا یہ حج دوسرا یا تیسرا یا چوتھا تھا، اس کا تعین ذرا مشکل ہے، آپ حرم شریف میں مناسک ادا فرمارہے تھے کہ اسی دوران آپ کو انوار باطن سے یہ منکشف ہوا کہ آج حضرت صدر الافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی دار فانی سے دار البقا کی طرف انتقال فرماگئے۔ آپ کی حالت غیر ہونی لگی، غموں سے دل دبا رہنے لگا، حرم شریف سے طیبہ تک آپ حسرت وغم کا مجسمہ بنے رہے، ہمراہ وہم سفر بڑے حیران وپریشان تھے کہ خدایا حضرت کی حالت کیوں بدل گئی ہے، نہ کھانے پینے کی رغبت نہ زندگی کا کوئی خیال ہے، آخر سبب کیا ہے، جب آپ کو مدینہ طیبہ میں حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موجہ اقدس میں سکون ملا، پھر ہمراہوں کو معلوم ہوا کہ آج حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین انتقال فرماگئے ہیں، اس واقعہ کو حضرت مولانا قطب الدین احمد اشرفی نائب مدیر "سواد اعظم" لاہور نے اپنے نظم کے اندر منقبت میں یوں کہا ہے:

جناب محدث کچھوچھہ کو واللہ

تھی صدر الافاضل سے بیحد محبت
مناسک حرم میں ادا کر رہے تھے
ہوئی جب صدر الافاضل کی رحلت
ہوا منکشف یہ بانوار باطن
کہ رخصت ہوئے آج دنیا سے حضرت
رہا طیبہ تک یہ غم دل کا عالم
نہ جینے کی پرواہ نہ کھانے کی رغبت
پریشان و حیراں تھے ہمراہی سارے
خدایا یہ کیوں ان کی بدلی ہے حالت
کھلا عقدہ جا کر مدینہ میں سب کو
کہ صدر الافاضل ہوئے آہ رخصت
سکوں آگیا جب مواجہ میں شہ کے
نظر آئی صدر الافاضل کی صورت

آخری حج آپ نے یہ حج اکبر ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں ادا فرمایا، اسی آخری حج میں آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال پاک کی زیارت سے حالت بیداری میں مشرف ہوئے تھے، آپ نے اس سہانا منظر کو اپنی غزل میں یاد فرمایا:

جانب مرغزار پھرتے ہیں
دن ترے اے ہزار پھرتے ہیں
دیکھیں دن ہجرے یار کے کس دن
میرے پروردگار پھرتے ہیں
آج سید کہیں کے نظارے
آنکھ میں بار بار پھرتے ہیں

شادی خانہ آبادی: حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی شادی ۲۳؍سال کی عمر میں حضرت اشرفی میاں کی پوتی اور حضرت مولانا سید احمد اشرف کی شہزادی محترمہ سید فاطمہ کے ساتھ ۱۹۱۵ء میں ہوئی، جو سرکار کلاں حضرت سید شاہ مختار اشرف کی حقیقی بہن تھیں۔

وصال مبارک: ۱۶؍رجب المرجب ۱۳۸۱ھ/ ۲۵؍دسمبر ۱۹۶۱ء بروز دوشنبہ ساڑھے بارہ بجے دن حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اللہ اللہ کی تسبیح پڑھتے ہوئے آخری سانس لی اور دفعتاً حرکت قلب بند ہونے کے سبب عالم اسلام کا یہ مہر نیم روز مشیب الٰہی کا اشارہ پا کر ہمیشہ کیلئے ہماری نگاہوں سے روپوش ہویا، ۴؍بجے شام حضرت سرکار کلاں مولانا الحاج سید مختار اشرف صاحب سجادہ نشیں نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت کی وصیت کے مطابق مکان کے مغربی حصے میں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔

عمدۃ المتکلمین علامہ سید سلیمان اشرف بہاری قدس سرہ

مولانا محمد علی اعظم قادری (کلکتہ)

ولادت باسعادت: سید المتکلمین حضرت سید شاہ سلیمان اشرف اصدقی رضوی بہاری علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۸ء محلہ میردار بہار شریف ضلع نالندہ (بہار) میں ہوئی۔ آپ ایک ممتاز خاندان کے سادات کے چشم و چراغ تھے، آپ کے والد گرامی کا نام سید محمد عبید اللہ اصدقی تھا، جو ایک درویش صفت بزرگ تھے، ریاضت ومجاہدہ، زہد وقناعت کے پیکر تھ، آپ نے اپنی ساری زندگی فقر ودرویشی میں گزاری، آپ کا انتقال بہار شریف میں ہوا۔

حلیہ مبارکہ: آپ وجیہ شکل وصورت کے مالک تھے، آپ کی صباحت وحلیہ مبارکہ کا تذکرہ اردو کے مشہور معروف نقاد پروفیسر رشید احمد صدیقی اپنی تصنیف ''گنجہائے گرانمایہ'' میں یوں بیان کرتے ہیں:

''قدمیانہ، رنگ صاف، جلد روشن، اعضا پتلے، نقشہ نرم نازک، آنکھیں چھوٹی جس میں جذبات کا اتار چڑھاؤ چھلکتا رہتا، نظر تیز پر اعتماد، انداز میں بانکپن، انگلیاں ایسی جن میں قلم شمشیر ورباب سب ہی زیب دیں'' خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں: ''گورا رنگ، مضبوط جسم، گنجان داڑھی، تیز اور چمکدار آنکھیں۔''

تعلیم وتربیت: چونکہ بچپن ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس لیے آپ مکمل طور پر والدہ ماجدہ کے زیر سایہ رہے، آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش وپرداخت کے ساتھ ساتھ بہتر تربیت فرمائی اور اعلی تعلیم کی رغبت دلاکر ایک مشفقہ ماں کا ثبوت پیش کیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے مادر وطن بہار شریف میں مولوی رمضان علی مرحوم سے حاصل کی، اس کے بعد بہار اسکول میں داخلہ لیا، آپ دسویں جماعت میں تھے کہ اچانک دل اچاٹ ہوگیا اور عربی تعلیم کی طرف طبیعت مائل ہوگئی، لہذا والدہ ماجدہ سے رضامندی حاصل کرکے آپ نے حضرت مولانا نور محمد اصدقی سے باضابطہ عربی اور فارسی میں درس لینا شروع کیا، جب حضرت مولانا نور محمد اصدقی کا انتقال ہوگیا تو آپ بہت مغموم ہوئے لیکن حصول تعلیم کا سلسلہ منقطع نہی کیا بلکہ مولانا ابوالحسن استھانوی کی خدمت میں رجوع فرماکر حصول تعلیم میں منہمک رہے، پھر بھی آپ کو سیرابی نہیں ہوئی تو کانپور کا سفر کیا اور باضابطہ حضرت علامہ احمد حسن کانپوری علیہ الرحمہ کے مدرس میں درس لینے لگے، تھوڑے ہی دنوں کے بعد مدرسہ حنفیہ جونپوری تشریف لے گئے وہاں بحر العلوم حضرت علامہ

ہدایت اللہ فاضل رامپوری کی مکمل شاگردی اختیار کی اور تفسیر، حدیث، فقہ، منطق وفلسفہ کی سند سے سرفراز ہوئے۔ بعد فراغت استاد محترم کے پاس جونپور میں مقیم رہے، جب آپ کا بروز دوشنبہ ۵ ربجے شام یکم رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ جونپور میں وصال ہوا تو آپ نے جونپور کو خیر بار کہا۔

تذکرہ علماء اہلسنت میں حضرت مولانا مفتی محمود احمد رفاقی رلکھتے ہیں کہ حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے علم حدیث امام المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی سے حاصل کی۔

اساتذہ کرام: ☆امام المحدثین حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ)، ☆اعلم العلما حضرت علامہ احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ)، ☆بحر العلوم علامہ ہدایت اللہ جونپوری (م ۱۳۲۶ھ)، ☆عارف باللہ علامہ نور محمد اصدقی (۱۳۲۵ھ)، ☆مولوی رمضان علی مرحوم، ☆مولانا ابوالحسن استھانوی۔

اساتذہ سے محبت: آپ کو اپنے تمام اساتذہ سے حد درجہ محبت وعقیدت تھی، اس لیے جب اپنے کسی استاذ کا ذکر فرماتے تو آپ پر کیف کا عالم پیدا ہوجاتا، آپ اپنے اساتذہ کے ساتھ ساتھ ان سے تعلق رکھنے والے افراد کیلئے بھی اپنے دل میں کشادہ جگہ رکھتے تھے، جیسا کہ آپ کے استاذ اور پیر ومرشد حضرت مولانا نور محمد اصدقی رحمۃ اللہ علیہ کے پیرزادہ جب علی گڑھ تشریف لے گئے تو آپ سے ملنے آپ کے قیام گاہ پر تشریف لے گئے، دروازہ پر پہنچ کر دستک دی، اندر سے آکر کسی نے جواب دیا کہ مولانا ابھی بہت مصروف ہیں کسی اور وقت تشریف لائیے۔ انہوں نے کہا جاؤ میرا نام بتاؤ اور کہو میں بہار سے آیا ہوں۔ مولانا کو جب معلوم ہوا تو بنفس نفیس تشریف لائے، فرط محبت سے سلام ودست بوسی کی اور اپنے حجرے میں ساتھ لیتے تھے، خوب خاطر ومدارت کی اور انتہائی تعظیم وتکریم کے ساتھ رخصت کیا۔

ایسے ہی جب آپ کے استاذ گرامی بحر العلوم علامہ ہدایت اللہ رامپوری ثم جونپوری علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا تو آپ غم وآلام کے اتھاہ ساگر میں ڈوب گئے، دل بالکل ہی ٹوٹ کر رہ گیا، ہر وقت بجھے بجھے سے رہنے لگے، آخر کار جب استاذ موصوف کے شہر میں رہ کر ان کا صدمہ دل سے نکلنا ممکن نہ ہوسکا تو آپ بہار چلے آئے۔ آپ کے اساتذہ کی عقیدت کا تذکرہ مولانا سلیمان ندوی نے اس طرح کیا ہے، ”مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کو حقیقت یہی کہ اپنے استاذ کے ساتھ عقیدت ہی نہیں عشق تھا، ان کے حالات جب سناتے تو ان کے طرز بیان اور گفتار کی ہر ادا سے ان کی والہانہ عقیدت تراوش کرتی تھی۔“

طلبا درس قرآن: مولانا فضل الرحمن انصاری، پروفیسر رشید احمد صدیقی، قاری محمد انوار صمدانی، ڈاکٹر سید عابد علی، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی وغیرہ

بیعت واجازت: آپ طالب علمی کے ہی زمانے میں اپنے استاذ محترم عارف باللہ حضرت علامہ سید نور محمد اصدقی علیہ الرحمہ سے سلسلہ اصدقیہ میں مرید ہوگئے تھے اور استاذ محترم سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی اور سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں مجدد اعظم سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔

مرشد اجازت سے عقیدت: آپ کو اساتذہ کرام

کے علاوہ جس دوسری عظیم المرتبت شخصیت سے گہری عقیدت تھی وہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات رامی سے تھے، جس کا تذکرہ آپ کے شاگرد عزیز جناب ڈاکٹر سید عابد علی (سابق ڈائرکٹر بیت القرآن، لاہور) نے ایک مضمون میں یوں کہا ہے:

''استاذ محترم سید سلیمان اشرف بہاری پر حضرت مولانا بریلوی کا اتنا اثر تھا کہ میں مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ کی عظیم شخصیت کا اندازہ دراصل استاذ محترم کی شخصیت ہی سے لگایا۔ مجھے مولانا سلیمان اشرف سے شرف تلمذ کے علاوہ ان کا انتہائی قرب بھی رہا اور میں دیکھتا تھا کہ اکثر مولانا بریلوی کا ذکر چھیڑ دیتے اور یوں محسوس ہوتا کہ اکثر ان ہی کے تصور میں مگن رہتے، حتیٰ کہ استاذ محترم کی طبیعت ان ہی کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور معتقدات اور ایمانیات میں منطقی استدلال اور علوم عقلیہ میں خوش کلامی اور قوت بیان میں مولانا کے انداز اور کیفیات کو اپنا چکے تھے، غیر اسلامی شعاری مذمت میں تشدد، کانگریسی اور ہندوؤں کی ہمنوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت گیر رویہ، مشرکین کو نجس سمجھنا اور ان کے معاملے میں کسی مداہنت روا نہ رکھ، ایسے سب صفات دونوں بزرگوں (علامہ بریلوی، استاذ محترم) میں مشترک تھی، اسی طرح عشق رسول کے معاملہ میں طبیعت کا ایک والہانہ انداز بھی سید صاحب میں حضرت فاضل بریلوی کی طرف پایا تھا۔ لباس اور وضع قطع میں بھی یاد ہے کہ آپ عمامہ بھی اسی انداز کا رکھے جیسا کہ حضرت مولانا (بریلوی) استعمال فرماتے تھے۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے جو آپ کو عشق تھا اور مسلک اہل سنت سے جو گہرا لگاؤ تھا اس کا تذکرہ سلیمان ندوی نے بھی کیا ہے:

''ان کے مذہبی خیالات علماء بریلی کے مطابق تھے اور ان کے بڑے مداح تھے، صرف یہی نہیں بلکہ اپنے مذہبی معتقدات میں بڑے متصلب تھے اور جب مذہبی گفتگو ہوتی تو جلال میں آجاتے۔''

دیوانگی، عشق بڑی چیز ہے سیماب
یہ ان کا کرم ہے جسے دیوانہ بنالیں

اس حقیقت کا اظہار مولانا نور محمد قادری اس طرح کرتے ہیں:

''استاذ گرامی مولانا ہدایت اللہ خاں کی وفات کے بعد اعلیٰ حضرت ہی کی ذات تھی جو آپ کا ملجا و ماویٰ تھا، اعلیٰ حضرت کی وفات تک مولانا کے نیازمندانہ تعلقات قائم رہے جبکہ اعلیٰ حضرت کے مرض الموت کے دنوں میں آپ بریلی شریف میں ہی تھے اور اعلیٰ حضرت کی تجہیز و تکفین کا شرف بھی حاصل ہوا۔''

آپ کو امام احمد رضا کی علمی قابلیت پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی

گڑھ کو علم ریاضی کا ایک مسئلہ میں الجھن پیدا ہوئی اور وہ اس کی تحقیق کیلئے یورپ جانا چاہ رہے تھے جس کا تذکرہ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری سے کیا تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ یورپ کے بجائے بریلی شریف جائیں۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب مولانا سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ کے ہمراہ بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس خوبی سے مسئلہ کو حل کر دیا کہ وہ حیرت زدہ رہ گئے اور زندگی بھر کیلئے اعلیٰ حضرت کی قابلیت کے قائل ہو گئے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی آپ سے بے حد متاثر تھے اور قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ ''مولانا سید سلیمان اشرف بہاری جب مناظرہ میں تنقیحات قائم کرتے تو مخالفین کو شکست ہو جاتی ہے۔''

عادت شریفہ: آپ کے شاگرد عزیز پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> ''مرحوم کی زندگی کا ایک پہلو یہ تھا کہ جو چیز رکھتے تھے، اس میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہوتی اور دلکش ہوتی، قیمتی ہوتی، ہمیشہ پاکیزہ قیمتی مردانہ وضع کے لباس پہنتے، گراں قیمت اور نادر قسم کے اونی کپڑوں کا بہت شوق تھا، شیروانی یا اونی روئی دار، اچکن کا کپڑا دلکش ہوتا، مرحوم کے معمولات غیر معمولی تھے۔ گرمیوں میں باہر سوتے تھے، ابتدا تو بالکل صحن میں، لیکن ادھر چند سال سے برآمدہ میں آرام کرنے لگے تھے، سردیوں میں اندر رضائی اوڑھ کر گز ر گداز، چادریں سحریں، تکئے متعدد، پنکھے کا کوئی دستور نہ تھا، گرمی میں نہ برف کا پانی مل سکتا تھا نہ سردی میں گرم پانی کہ پسینہ آنا بہت اچھا ہے۔ شام کا نہانا اور دھوپ میں بیٹھنا منع کرتیت ھے، دوسرے کے تولیے اور رومال سے ہاتھ نہیں پوچھتیت ھے۔ ننگے سر بمشکل دیکھے گئے، گفتگو بلند آواز کرتے، کانہ پھوسی گوارا نہ تھا، عمامہ اکثر ہلکے زعفرانی رنگ کا ہوتا، جوتی دلی کے پرزر، ململ کا لمبا بڑی کشادہ آستینوں کا کرتا پہنتے، جس کے نیچے ہمیشہ ململ کی بٹن دار صدری ہوتی، کپڑا قیمتی اور شریفانہ رنگ اور وضع کا ہوتا، اچھا کپڑا پہنے دیکھتے تو خوش ہوتے اور تعریف کرتے، ناپسند ہوتا تو کہہ دیتے، سالن تیز مرچوں کا پسند تھا، ہمیشہ چٹائی پر اکڑوں بیٹھ کر کھاتے، نوکروں کا ہمیشہ پاس رکھتے، لکھنے میں سطر کبھی سیدھی نہیں ہوتی تھی جسے درست رکھتے نہایت خوش ہو کر آگے بڑھ کر جی کھول کر ملتے اور کوئی نہ کوئی دلی کا فقرہ ضرور کہتے۔ مرعوب ہونا جانتے ہی نہ تھے، کسی کے علم سے، نہ کسی کے دولت سے، نہ کسی کے اقتدار سے، مذہبی عقائد میں کٹر، سلوک میں بے لوث، جو جتنا چھوٹا ہوتا اس سے اتنی ہی فروتنی

سے ملتے، بڑا ہوتا اس سے کہیں بڑا ہو کر ملتے، علم کا وقار ان کے دم سے تھا، معزز محبوب عالم میں، میں نے انہی کو پایا"۔

مولانا سلیمان ندوی لکھتے ہیں "مرحوم خوش اندام، خوش لباس، خوش طبع، نفاست پسند، سادہ مزاج اور بے تکلف تھے، ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی اپنی عزت نفس کا پاس تھا۔"

مسلم یونیورسٹی میں تقرر: مولانا حبیب الرحمن شیروانی علی گڑھ سے مولانا سید ضمیر الدین بہاری سے ملنے پٹنہ تشریف لائے، اتفاق سے اسی درمیان مولانا سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ بھی مولانا سید ضمیر الدین سے ملاقات کی غرض سے تشریف لے آئے اور وہیں آپ کی ملاقات مولانا حبیب الرحمن شیروانی سے ہوئی، مولانا حبیب الرحمن شیروانی نے پہلی ہی ملاقات میں آپ کے علم وفضل کو بھانپ لیا اور آپ کے اندر چھپے ہوئے جوہر کا سراغ لگالیا۔ لہٰذا مولانا شیروانی نے آپ کو علی گڑھ چلنے کو کہا، آپ راضی ہو گئے اور علی گڑھ تشریف لے گئے، وہاں پہنچے ہی تھے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۱۹۰۲ء میں شعبہ دینیات کے لیے ایک لکچرر کی ضرورت پیش آئی، آپ کو اطلاع ملی تو اپنے آپ کو آپ نے بحیثیت امیدوار پیش کیا، آپ سے انٹرویو میں معجزہ پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی گئی اور کہا گیا کہ اگر کتابوں کی ضرورت ہو تو حبیب گنج تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا بحمد اللہ! مجھے کتابوں کی ضرورت نہیں صرف کاغذ اور قلم دیا جائے۔ لہٰذا آپ بعد نماز عشاء کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گئے اور صبح کی نماز تک ایک ہی مجلس میں معجزہ پر ایک مدلل ومفصل مضمون (جو ۲۲ فل اسکیپ صفحات پر محیط تھا) قلمبند کر دیا جسے ارباب علم وفن نے بہت پسند کیا۔ پھر نماز جمعہ کے بعد توحید پر خطاب کرنے کو کہا گیا۔ آپ نے اس موضوع پر پر مغز تقریر فرمائی۔ جسے سن کر سامعین مست ہو گئے۔ سننے والوں میں نواب وقار الملک مشتاق حسین اور مولانا حبیب الرحمن شیروانی کے ساتھ ساتھ تمام اراکین دینیات کمیٹی موجود تھے، متاثر ہوئے اور شعبہ دینیات میں پچاس روپے مشاہرہ پر آپ کا تقرر کر لیا۔

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ نے درس وتدریس کے فرائض بہت خوش اسلوبی اور مستقل مزاجی کے ساتھ انجام دیئے۔ مولانا موصوف پچاس برس تک مسلم یونیورسٹی میں منصب درس وتدریس پر فائز رہے۔ آپ سے بے شمار افراد نے اشفادہ کیا، آپ کے قیام گاہ پر صاحب علم وفن کا جمگھٹا ہوتا اور آپ کی علمی گفتگو سے باہر سے ہر آنے والا مستفیض ہوتا، رشید احمد صدیقی آپ کی علمی منظر کشی اس طرح کرتے ہیں:

"کرسی ہو، مونڈھا ہو، صوفہ ہو، تخت ہو، بیٹھنا ایک وضع سے تھے، پاؤں اٹھا کر اور سمیٹ کر، اسی طرح بیٹھ کر چائے پیتے، مطالعہ کرتے، لکھتے اور باتیں کرتے، ناشتہ کا ہر طرح کا سامان ہوتا، چبوترے سے متصل نیم دائرہ سائبان میں مونڈھے بچھے ہوتے، ایک طرف چارپائی بھی ہوتی، بڑے سے بڑے آدمی بھی کیوں نہ آجاتا اس کیلئے کوئی اچھی کرسی یا صوفہ وغیرہ نہ نکالا جاتا، جو موجود ہوتا

اسی پر وہ بیٹھ جاتا۔ مجمع دیکھ ہر ہی معلوم ہوتا مرحوم ہی سب پر چھائے ہوئے ہیں، کسی سے مرحوم نے آج تک ایسی گفتگو نہ کی جس سے معلوم ہوا کہ نو وارد سے مرعوب ہیں یا خاص طور پر مخاطب ہیں۔''

پاکیزہ نشست: علامہ کے مزاج کو بے ضابطگی ہرگز پسند نہ تھی، آپ نے ہر کام کیلئے اصول وضوابط بنا رکھے تھے اور اس پر سختی سے قائم رہتے، آپ نے اپنی علمی مجالس کے انعقاد کیلئے بھی اصول مرتب کیے جن پر شرکاء مجلس سختی سے عمل کرتے۔ ان اصولوں کا تذکرہ مولانا مقتدی خاں شیروانی نے یوں بیان کیا ہے:

(۱) کسی کی بدخوئی نہ ہوتی تھی۔

(۲) کوئی خودغرضی کا عامل نہ ہوتا تھا۔

(۳) ہر قسم کے مضامین پر ایسے انداز میں باتیں ہوتی تھیں کہ دماغ پر مطلق بار نہ ہو۔

(۴) قابل ہمدردی لوگوں کی مدد پر غور ہوتا تھا۔

(۵) دوسروں کے اخلاقی اقدار کو سراہا جاتا تھا، وغیرہ وغیرہ۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی آپ کی فیضان صحبت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں: ''مولانا کی صحبت سے جب کبھی اٹھا تو معلوم ہوتا کہ کوئی اور اچھی بات سیکھی یا کوئی نیا حوصلہ اور اچھا جذبہ پیدا ہو گیا، پریشان مایوس ہوا تو ان کے یہاں سے بشاش اٹھا، رنج یا غصہ ہوا تو مرحوم کی باتوں سے غم غلط ہو گیا۔ خالی الذہن گیا تھا تو معلومات کے ایسے نادر ولطیف نکتوں سے بہرہ مند اٹھا جو شاید مدتوں کے مطالعے یا مشاہدہ سے حاصل نہ ہو سکے۔''

مزید آگے لکھتے ہیں: ''مرحوم ایسے کبھی علمی گفتگو نہ کرتے، جن کے بارے میں ان کو یقین ہوتا کہ اس کو علم کا گھمنڈ ہے یا علم کی گہرائی یا وزن نصیب نہیں ہے۔ یا صرف دنیوی اقتدار کا حامل ہے۔ اگر کوئی چھیڑ بھی دیتا تو ٹال جاتے ورنہ صاف کہہ دیتے کوئی دوسری بات کہیے، آپ کو ان باتوں سے کیا سروکار۔''

مولانا سلیمان ندوی نے آپ کی محفل کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

''ان کی قیام گاہ ایک درویش کی خانقاہ تھی، جو آتا جھک جاتا۔ اگر مجلس سازگار ہوئی تو دعائیں لے کر گیا ورنہ الٹے پاؤں ایسا واپس آیا کہ پھر ادھر کا رخ نہ کیا۔''

سید بدرالدین علوی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''نواب صدر الدین یار جنگ مرحوم کی عادت تھی کہ جتنے دن بھی علی گڑھ قیام رہتا روزانہ مغرب کے قریب مولانا سلیمان اشرف کے یہاں تشریف لاتے، علمی ودینی مسائل بزرگوں کے تذکرے اور تاریخی واقعات موضوع سخن رہتے۔''

عزم واستقلال: آپ ایک نڈر اور بہادر مرد مجاہد وعزم واستقلال کے پیکر تھے، بڑے بڑے حوادث میں بھی آپ کے پائے استقلال میں لرزش پیدا نہیں ہوتی۔ مولانا سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی خودداری اور اپنے عزت نفس کا پاس تھا، ان کی

ساری عمر علی گڑھ میں گزری، جہاں امراء اور ارباب جاہ کا تانتا لگا رہتا تھا مگر انہوں نے کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اور ان میں سے کسی سے دب کر یا جھک کر نہ ملے، جس سے ملتے برابری سے ملے اور اپنے عالمانہ وقار کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر۔ علی گڑھ کی سیاسی انقلابات کی آندیاں بھی ان کو نہ ہلا سکیں۔''

پروفیسر رشید صدیقی لکھتے ہیں:

''مرحوم کے خلاف اخباروں میں بڑے نامعقول مضامین نکلے اور اکثر ایسے نا روا رکیک حملے کیے گئے کہ انہیں یاد کر کے آج تک میرا دل کڑھتا ہے اور لکھنے والوں سے قلبی نفرت پیدا ہوگئی ہے لیکن مولانا پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ آج تک میں نے ان کی زبان سے کوئی کلمہ نہیں سنا جس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ ان پر اس کا کوئی اثر ہے۔ ایک دن معلوم نہیں کون سا موقع تھا، اس اخباری گندگی کا تذکرہ آیا تو فرمایا اور مخصوص قلندرانہ انداز سے چلو، آگے بڑھو یہ نہیں دیکھتے کون کہہ رہا ہے۔ صاحبزادہ! یہی دیکھتے کہ کس کے خلاف کہہ رہا ہے۔ لڑائی مجھے پسند ہے، لیکن بہادروں سے، بدکرداروں سے نہیں۔''

خطابت سحر انگیز: خواجہ حسن نظامی آپ کے خطابت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''تقریر ایسی تیز اور مسلسل کرتے ہیں کہ جیسے ای آئی آر کی ڈاک گاڑی، دوران تقریر صرف درود شریف پڑھنے کا وقفہ ہوتا ہے ورنہ یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ ہمالیہ کی چوٹی سے گنگا کی دھار نکلی ہے جو ہری دوار تک ہی رکنے اور ٹھہرنے کا نام نہ لے گی، بیان کی ایسی روانی آج تک ہندوستان کے کسی عالم میں نہیں ہے۔ تقریر میں محض الفاظ نہیں ہوتے بلکہ ہر فقرے میں دلیل اور علمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔''

مولانا سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''ان کی تقریر و وعظ میں بڑی دلچسپی اور گرویدگی تھی۔''

مولانا بدرالدین لکھتے ہیں؛

''مولانا بڑے شیریں گفتار تھے، اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین یا کوئی معمولی موضوع پر گفتگو ہو، سب پر بڑی شگفتگی کے ساتھ تقریر کرتے، ان کی گفتگو میں مزاح بھی ہوتا، ادب کا لطف بھی آتا اور نئے نئے جملے اور محاورات ان کی گفتگو میں نگینہ بن کر چمکتے۔ علم خطابت میں ان کا درجہ ہندوستان کے بڑے بڑے مقررین کے مقابلے میں مانا ہوا تھا۔''

بریلی میں جمعیۃ العلماء کا جلسہ: ماہ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ مارچ ۱۹۲۱ء کو بریلی شریف میں خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء کی جانب سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک تھے، غیر شرعی حرکات کی بنا پر علماء اہل سنت نے اس کانفرنس کا بائیکاٹ کیا، ادھر اراکین کانفرنس کا پلان تھا کہ اس میں علماء اہل سنت کا رد کیا جائے گا۔ ان لوگوں نے کانفرنس کی جانب سے دو پوسٹر بعنوان ''آفتاب صداقت'' اور ''مستعار کی چند ساعتیں'' شائع کیے تھے، اشتہار میں علماء اہل سنت کو منکرین ومخالفین کے القاب دے کر چیلنج کیا گیا تھا اور مزو کنایہ کے ساتھ مقابلہ کا اعلان بھی تھا، اس اشتہار کے چند سطور ملاحظہ ہوں:

''منکرین ومخالفین پر اتمام حجت، مسائل حاضرہ کا انقطاعی فیصلہ خدائی فرمان پہنچانے

کیلئے بریلی میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس ہونے والا ہے، سچائی ظاہر ہوگئی اور جھوٹ بھاگ نکلا۔ خدا جبار و قہار کا فرمان پورا ہو کر رہے گا۔''

علماء اہل سنت نے اس چیلنج کو قبول کیا اور جماعت رضائے مصطفی بریلی شریف کی جانب سے صدر الشریعہ مولانا امجد علی (مصنف بہار شریعت) نے ستر سوالات پر مشتمل سوالنامہ مرتب کر کے قائدین جماعت کو بھجوایا کہ پڑھ کر اجلاس میں جواب دیں۔ ایسے موقع پر امام اہل سنت محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ایما پر سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ کو بریلی طلب کیا گیا۔ بالآخر ۱۴/رجب المرجب ۱۳۳۹ھ بعد نماز مغرب حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی، حضرت صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی، صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی، ملک العلماء مفتی ظفر الدین بہاری، حکیم الاسلام علامہ حسنین رضا خاں بریلوی، برہان ملت علامہ مفتی برہان الحق جبلپوری علیہم الرحمۃ والرضوان پر مشتمل علماء اہل سنت کا قافلہ شان وشوکت کے ساتھ جمعیۃ علماء کے پنڈال میں پہنچا۔ اسٹیج پر عمائدین جمعیۃ کے علاوہ ابوالکلام آزاد بھی موجود تھے۔ آپ نے یہاں تقریر کا وقت مانگا، ابوالکلام آزاد نے ۳۰ منٹ کا وقت دیا کیونکہ آپ کو جلسہ میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی آپ نے اپنے مخصوص والہانہ انداز میں ایسی دھواں دھار تقریر فرمائی کہ اراکین کا جفرنس حواس باختہ ہو گئے اور سامعین محو ہو کر تقریر سنتے رہے، ان پر وجدانی کیفیت طاری تھی۔

عبدالماجد دریابادی نے آپ کی وارفتگانہ تقریر کے مناظر کو اس طرح پیش کیا ہے:

''مخالفین کی طرف سے میدان خطابت کا پہلوان شہ زور پیل تن اکھاڑے میں اتارا گیا جو کشتی پہ کشتی مارے ہوئے داؤ پیچ کے استادی میں نام پائے ہوئے اور اس نے تقریر میں یہ مارا وہ مارا کے انداز میں شروع کی، جلسہ پر ایک نشہ کی کیفیت طاری تھی اور خلافت والوں کی زبان پر وظیفے یا حفیظ کے جاری تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے علماء اہل سنت کو اس میں کامیابی عطا فرمائی اور امام احمد رضا کی دعاؤں کی برکت نے اہل سنت کے وفد کو سرخروئی عطا فرمائی اور اہل سنت کا پرچم سربلند نظر آیا اور مخالفین کو ذلت رسوائی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آئی۔

تصنیفات تالیفات: آپ نے دینی اور مسلکی مصروفیات کے باوجود کئی علمی اور فکری تصنیفات اہل علم وفن کو عطا فرمائی ہیں جن میں چند کے نام یہ ہیں (۱) المبین، (۲) النور، (۳) الارشاد، (۴) النہار، (۵) الحج وغیرہ۔

وصال مبارک: طویل علالت کے بعد اہل سنت کا چمکتا دمکتا ستارہ ہمیشہ کیلئے ربیع الاول ۱۳۵۸ھ/ ۲۷/اپریل ۱۹۳۹ء کو روپوش ہو گیا، آپ کے نماز جنازہ میں چاہنے والوں کا ازدہام تھا، آپ کی نماز جنازہ آپ کے شاگرد عزیز جناب مولانا محمد شفیع صاحب نے پڑھائی اور شیروانیوں کے قبرستان علی گڑھ میں تدفین عمل میں آئی۔

❀❀❀

مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ

علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ (لاہور)

محسن ملت، نازش اہل سنت، بلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی بن حضرت علامہ عبدالحکیم قدس سرہما ۱۵رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ، ۳/اپریل ۱۸۹۲ء کو میرٹھ (یوپی) میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد عظیم المرتب ودرویش صفت عالم دین اور بلند پایہ شاعر تھے، جوش تخلص کرتے تھے، ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی، چار سال دس ماہ کی عمر میں قرآن مقدس کو پڑھ لیا، اردو، عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی، بعض ازاں جامعہ میرٹھ میں داخل ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں درس نظامیہ کی سند حاصل کی۔

آپ کو چونکہ شروع ہی سے تبلیغ اسلام کا شوق تھا، اس لیے علوم جدیدہ حاصل کرنے کیلئے اٹاوہ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا اور پھر ڈویژنل کالج میرٹھ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۱ء میں بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا، کالج کی چھٹیوں کے دنوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں بریلی شریف حاضر ہو کر اکتساب فیض کیا کرتے۔

میرٹھ کالج کی تعلیم کے دوران آپ کو آل برما ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا، اس کانفرنس میں آپ نے جو خطبہ دیا وہ برما اور سیلون میں عام ہوا، اور برما کے احباب سے دینی نشر واشاعت پر آپ کی جو گفتگو ہوئی وہ مستقبل کے مشن کیلئے بنیاد ثابت ہوئی۔

آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے اور انہیں کی ایما اور ارشاد پر اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمت اسلام کیلئے وقف کر دی اور اپنے نجی خرچ پر پیغام اسلام دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا، محسن امام اہل سنت آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اپنے تلامذہ اور خلفا میں سے حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عبدعلیم کے علم کو سن کر جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں (رضا)

سیدی اعلیٰ حضرت اپنے خلفاء کی فہرست میں آپ کا اسم گرامی ۲۷ رواں نمبر پر درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جناب مولانا مولوی الحاج محمد عبدالعلیم الصدیقی ۲۳۶، محلہ مشائخاں میرٹھ، عالم، فاضل، واعظ خوش بیان وم جاز طریقت" مرتب۔

حضرت مولانا صدیقی قدس سرہ کو اپنے شیخ طریقت سے کمال عقیدت تھی، حرمین طیبین کی زیارت سے واپسی پر آپ نے ایک طویل قصیدہ مدحیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت عالیہ میں پیش کیا جس کے چند شعر درج ہیں:

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو

غریق بحر الفت، مست جام بادۂ وحدت
محبت خاص منظور حبیب کبریا تم ہو
غریق بحر الفت، مست جام بادۂ وحدت
محبت خاص منظور حبیب کبریا تم ہو
جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیاء تم ہو
عرب میں جاکے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی
صورت کو عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو
تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں
امام اہل سنت نائب غوث الوریٰ تم ہو
علیم خستہ ایک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اس کے تہا تم ہو

جب یہ اشعار سنا چکے تو امام اہل سنت نے اپنے قیمتی عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''مولانا آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ آپ اس دیار پاک سے تشریف لا رہے ہیں، یہ عمامہ آپ کے قدموں کے لائق بھی نہیں، البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے وہ حاضر کیے دیتا ہوں۔''

اس واقعہ اور مندرجہ بالا قصیدہ کو غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ آج کل وہ خلوص ومحبت کہاں، جو ان مقدس ہستیوں کا طرہ امتیاز تھا۔ حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی صدیقی علیہ الرحمہ شعلہ بیان خطیب، بلند پایہ ادیب اور عظیم مفکر اسلام تھے، جب آپ اپنی نغمہ ریز آواز میں دلائل وبراہین سے اسلام کی حقانیت بیان کرتے تو حاضرین پر سکوت چھا جاتا اور بڑے بڑے سائنسداں، فلاسفر اور دہریہ قسم کے لوگ آپ کے دست اقدس پر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے، تقریباً دنیا کی ہر زبان میں اس روانی سے تقریر کرتے تھے کہ خود اہل لسان ورطہ حیرت میں رہ جاتے، آپ نے پوری قوت اور بے باکی سے دین فطرت اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا جس کے نتیجے میں پچاس ہزار سے زائد غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ وہ ناقابل فراموش کارنامہ ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

۱۹۵۱ میں آپ نے پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا جس میں قابل ذکر ممالک انگلستان، فرانس، برٹس، گیانا، اٹلی، مڈغاسکر، سعودی عرب، ٹرینی ڈاڈ، امریکہ، کناڈا، فلپائن، سنگاپور، ملائشیا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا اور سیلون تھے۔ ان کے علاوہ برما، سیلون، ملائشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، انڈوچائنا، چین، جاپان، ماریشش، جنوبی ومشرقی افریقہ، کی نوآبادیات، سعودی عرب، عراق، اردن، فلسطین، شام اور مصر کے متعدد دورے کیے۔ تمام مذاہب کے لوگوں کو دعوت اسلام دی اور ہر زبان میں اسلام کا لٹریچر شائع کیا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح، مراکز کے غازی عبدالکریم، فلسطین کے مفتی اعظم سید امین الحسینی، اخوان المسلمین کے سربراہ حسن البناء، سیلون کے آنریبل جسٹس ایم مراوانی، کولمبو کے جسٹس ایم ٹی اکبر، سنگاپور کے ایس این دت اور مشہور انگریز ڈرامہ نویس اور فلسفی جارج برناڈ شاہ آپ کی علمی اور روحانی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔

۷/اپریل کو ممباسا (جنوبی افریقہ) میں جارج برناڈ شاہ سے آپ کی ملاقات ہوئی، آپ نے برناڈ شاہ کے مختلف سوالات کے جوابات اس انداز سے دیئے کہ دنیا کا عظیم فلاسفر آپ کے سامنے طفل مکتب نظر آنے لگا، آپ نے اسلام اور عیسائیت کا تقابلی جائزہ تاریخ، سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اس طرح بیان کیا کہ برناڈ شاہ کو اسلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا، اس گفتگو کا اردو ترجمہ ترجمان اہل سنت کراچی شمارہ محرم وصفر

۱۳۹۲ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیمات اسلامیہ کو عام کرنے کیلئے ہر پہلو پر توجہ دی، متعدد مساجد تعمیر کرائیں جن میں سے حنفی جامع مسجد کولمبو، سلطان مسجد سنگاپور اور مسجد ناگریا جاپان زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ عربی یونیورسٹی ملایا، پاکستان مسلم ڈائجسٹ، ٹرینی ڈاڈ مسلم اینول، (جنوبی افریقہ) کی بنیاد آپ ہی نے قائم کی۔ ۱۹۴۹ء میں سنگاپور میں بین المذاہب کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد ڈالی اور تمام دنیا کے عیسائی، یہودی، بدھ مت اور سکھ مذاہب کے نام کے پیشواؤں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے لادینیت کا قلعہ قمع کرنے کی اپیل کی۔ تمام مذاہب کے اس مشترکہ کانفرنس میں آپ کو ہزاکزلٹیڈ ایمی نینس کا خطاب دیا گیا، نیز مصر میں تنظیم بین المذاہب الاسلامی کے نام سے مکاتب فکر کی ایک تنظیم قائم کی۔

۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء میں حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہ، رابطہ اسلامیہ ہند کے رئیس وفد اور ملایا، شرقی جنوبی افریقہ اور جزائر شرقیہ کے مندوب کی حیثیت سے سعودی عرب تشریف لے گئے اور سعودی حکومت کی طرف سے حجاج پر عائد کردہ ٹیکسوں کے خاتمہ اور حجاج کیلئے سہولتیں فراہم کرنے کیلئے دنیا بھر سے آئے ہوئے اجلہ علماء حکومت سعودیہ کے عمائدین اور عبدالعزیز بن سعود سے مذاکرات کیے۔ جن کا خاصہ اثر ہوا، ان مذاکرات کی تفصیلی بیان عربی میں شائع ہوئی تھی جس کے آغاز میں اخوان المسلمین (مصر) کے بانی حسن البناء نے ابتدائی لکھا اور حضرت مولانا عبدالعلیم قدس سرہ کی مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دوسال ہوئے ہماری ملاقات ارض مقدس میں بیت اللہ شریف کے پاس صاحب فضیلت مبلغ اسلام الشیخ محمد عبدالعلیم صدیقی سے ہوئی (کچھ عبارت کے بعد) ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحب فضیلت الشیخ استاذ عبدالعلیم صدیقی کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔“

ایک داعی اسلام کو جن جن صفات کا حامل ہونا چاہئے حضرت علامہ عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمہ نے ان داعیانہ صفات کو یوں بیان فرمایا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد اختر حسین قادری ”سہ ماہی افکار رضا ممبئی، جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء“ میں تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) مبلغین اسلام کے ہمراہ پختہ ایمان وعزیمت کا توشہ ہونا ضروری ہے۔

(۲) مبلغین کا سینہ اس احساس سے لبریز ہو کہ جو کام کر رہا ہے وہ خالص اللہ کی خوشنودی کے پیش نظر کر رہا ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مقصود نہ ہو۔

(۳) خود داعی کی زندگی دعوت حق کی آئینہ دار ہو، اگر بالکلیہ نہیں تو ہم از کم اتنا ہو کہ جس عظیم دعوت حق کو دوسروں کے سامنے پیش کر رہا ہے اس کا عمل اس کے خلاف نہ ہو۔

(۴) ایمانیات پر اس کی نگاہ وسیع ہو۔

(۵) عقائد میں وہ خود اتنا پختہ ہو کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل نہ ہو۔

(۶) اعمال حسنہ کی کھلی کھلی برکتوں پر خود اس کی نگاہ ہو۔

(۷) اور افعال شنیعہ کی تباہ کاریوں سے اس کا سینہ لرز رہا ہو۔

(۸) رضائے حق اسے ہر مرحلہ حیات میں عزیز ہو۔

(۹) اور دعوتوں کی لذتوں سے ذہن وفکر آسودہ اور پر یقین ہو۔

(۱۰) خدا سے قہر وغضب ہی اس کیلئے سب زیادہ ڈرنے کی چیز ہو۔

(۱۱) آیات انداز پر اس کے دل و نگاہ کانپ جاتے ہوں۔

(۱۲) راستی، اخلاص، مروت، صدق، دیانت، پاکبازی، حیا اور تقویٰ اس کی زندگی کے صفات ہوں۔

(۱۳) کبر، عجب، نفرت، فقو فجور اور فواحش و منکرات سے وہ غلاظتوں کی طرح نفرت کرتا ہو (مرتب)

تبلیغ اسلام کی قابل قدر خدمات کے علاوہ آپ کی سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ دنیا کے کسی بھی گوشے میں مسلمانوں پر ظلم ڈھایا جاتا تو آپ بے چین ہو جاتے تھے، تحریک خلافت، شدھی تحریک اور تحریک پاکستان میں مردانہ وار حصہ لیا، صرف پاک و ہند میں نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی تحریک پاکستان کیلئے فضا ہموار کی، مصر اور انگلینڈ میں کانگریسی ایجنٹوں سے مناظرے کیے، مسلم لیگ کی طرف سے باقاعدہ طور پر علماء کی ایک جماعت کی قائد کی حیثیت سے حج کے موقع پر مکہ مکرمہ جاکر دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کی اہمیت کو واضح کیا، مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی، حسن البناء قائد اخوان المسلمین، سید عبداللہ شاہ (اردن) اور دیگر عرب لیڈروں کو تحریک پاکستان سے پوری طرح روشناس کرایا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت کی اور علی الاعلان تحریک پاکستان کی حمایت فرمائی، قائداعظم کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے عالمی دورے سے واپسی پر کراچی میں عظیم کانفرنس منعقد کی جس میں سندھ، پنجاب اور مشرقی پاکستان کے اکابر علماء اور مشائخ نے شرکت کی، اس کانفرنس میں پاکستان کیلئے آئین اسلامی کے جامع دستور کا مسودہ تیار کیا گیا، علماء نے تائیدی نوٹ لکھے اور حضرت مولانا صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی سرکردگی میں قائداعظم کی خدمت میں مسودہ آئین پیش کیا گیا، قائداعظم نے تین گھنٹہ تک مسودہ آئین کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی، حضرت مولانا نے انہیں اس خوش اسلوبی سے مطمئن کیا کہ قائداعظم نے یقین دلایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ قومی اسمبلی کے منظور کرنے پر بہت جلد یہ آئین نافذ کر دیا جائیگا۔ اس کے بعد جلد ہی ان کی وفات ہوئی، قائداعظم علماء کرام سے کیا ہوا یہ وعدہ ایفا نہ کر سکے، یاد رہے کہ پاکستان بننے کے بعد قائداعظم نے پہلی نماز عید آپ ہی کے اقتداء میں ادا کی تھی۔

حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی صدیقی قدس سرہ نے تالیف و تصنیف پر بھی خاطر خواہ توجہ دی اور کثیر التعداد قابل فخر تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا، لیکن افسوس ان میں سے بہت سی تصانیف زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکیں اور جو طبع ہوئیں ان کا زیادہ اہتمام نہ کیا گیا، چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

اردو میں تصانیف (۱) ذکر حبیب، دو حصے، (۲) کتاب تصوف، (۳) بہار شباب۔ نوجوانوں کی اصلاح کیلئے بہترین کتاب، (۴) احکام رمضان۔ انگریزی میں تصانیف، (۵) اسلام کی ابتدائی تعلیمات، (۶) اسلام کے اصول، (۷) اسلام اور اشتراکیت، (۸) مسائل انسانی کا حل، (۹) اسلام میں عورتوں کے حقوق، (۱۰) مکالمہ جارج برناڈ شاہ (۱۱) مرزائی حقیقت کا اظہار۔

چالیس سال تک دنیا بھر میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے کر ۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ/ ۱۲/ اگست ۱۹۵۴ء کو مدینہ منورہ میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے اور تعلیمات اسلامیہ کی تبلیغ و اشاعت کے انعام کے طور پر جنت البقیع میں جگہ ملی، اس نابغہ روزہستی کے وصال سے تاریخ اسلام کا ایک روشن ورق الٹ گیا۔

قائد اہل سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ (م

۱۲/دسمبر ۲۰۰۳ء) حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی رضوی میرٹھی علیہ الرحمہ کی وصیت دوران خطاب یوں بیان کرتے ہیں جسے مرزا ارشادعلی بیگ اپنی کتاب "حیات علیم" کے ص ۵۷ میں لکھتے ہیں:

"ہمارے لیے باعث فخر ہے کہ ہم سنی ہیں اور اس بات پر بھی فخر ہے کہ ہمارا روحانی سلسلہ اور اس کی نسبت اعلیٰ حضرت بریلوی امام اہل سنت شاہ احمد رضا خاں بریلوی سے ہے اور مجھے اپنے والد ماجد مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یاد ہیں۔ ان کی چھوٹی سی مختصر وصیت جواب بھی میرے پاس محفوظ ہے، جو آخری وقت مدینہ منورہ میں تحریر فرمائی۔

الحمدللہ! میں مسلک اہل سنت پر زندہ رہا اور مسلک اہل سنت وہ ہے جو اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ الحمدللہ! اسی پر میری عمر گزری اور الحمدللہ! آخر وقت اسی مسلک پر حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک میں خاتمہ بالخیر ہو رہا ہے اور آپ بھی اسی مسلک پر قائم رہو۔" (مرتب)

اس عظیم مبلغ اسلام کی بارگاہ عالی میں قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (م ۲۰۰۲ء) یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، ماہنامہ کنزالایمان، دہلی، ص ۴۲، ۱۹۹۹ء میں ملاحظہ فرمائیں:

"مبلغ اسلام کی پرشور زندگی کے جوں قوش تاریخ کے اوراق پر بکھرے ہوئے ہیں ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بیک وقت وہ علم اور عشق دونوں دریاؤں کے سنگم تھے، ان کے علم کا جلوہ بے حجاب دیکھنا ہو تو آٹھ اجنبی زبانوں پر اہل زبان کی طرح ان کی بھرپور قدرت دیکھئے اور اسلام کے ایک درد مند اور وارفتہ حال داعی کی حیثیت سے دیکھنا ہو تو کفر والحاد کے ساتھ انہوں نے بحث ومناظرہ کر کے جو بے شمار معرکے سر کیے ہیں ان کی روداد پڑھیے تو آپ کو ان کے علم آگہی کی جلالت شان، ان کی فکر وذہانت کی رفعت وبرتری، عالمی مذاہب وادیان پر ان کی وسعت معلومات، ان کی قوت بحث واستدلال اور ان کے انداز گفتگو کی سحر انگیزی کا صحیح اندازہ لگ جائے گا۔" (مرتب)

حضرت مبلغ اسلام علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ کی بارگاہ عالی میں ایک دیوبندی عالم مولانا سلیمان ندوی خلیفہ مولانا اشرف علی تھانوی کا اظہار خیال "سہ ماہی افکار رضا جنوری مارچ ۱۹۹۹ء میں پڑھتے چلیں:

"مولانا عبدالعلیم صدیقی قادری میرٹھ کے ایک پرجوش مبلغ عالم ہیں، بریلی میں عربی ومذہبی درسیات کی تکمیل کی ہے، ان کو تبلیغ کا شوق ہوا اور اپنے لیے ہند وچین کے جزیروں اور ساحلی شہروں کا میدان پسند کیا، ادھر کے چند مسلمان کیے ہوئے یوروپین مسلمان دیکھا اور حیرت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کس طرح کسی کی قسمت میں کوئی سعادت رکھتا ہے، موصوف کی یہ تبلیغی کوششیں علماء کے لیے قابل تقلید اور عام مسلمان کے شکریہ اور اعتراف کے قابل ہیں۔"

اور برناڈ شاہ لکھتے ہیں: آپ کی گفتگو اس قدر دلچسپ اور معلوماتی ہے کہ سالوں تک آپ کے ساتھ رہنا پسند کروں گا، واقعی اس بات کا افسوس ہے کہ آپ جیسے بزرگ عالم سے میں صرف اتنی مختصر بات چیت کر سکا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ بڑے شاندار اور بہترین انداز میں اسلامی تعلیمات کو پیش کرتے ہیں۔"

❀❀❀

برہان ملت مولانا شاہ برہان الحق جبلپوری قدس سرہ

مولانا عبدالوحید مصباحی:

ولادت با سعادت: حضرت برہان ملت علامہ مفتی شاہ عبدالباقی جبلپوری علیہ الرحمہ بن حضرت عید الاسلام شاہ مفتی علامہ عبدالسلام قادری رضوی بروز پنجشنبہ ۲۱/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ/ ۱۳/اکتوبر ۱۸۹۴ء کو بعد نماز فجر پیدا ہوئے، آپ کے جدامجد مولانا عبدالکریم قادری نقشبندی علیہ الرحمہ نماز فجر کے بعد قرآن مقدس کی تلاوت فرمارہے تھے کہ جب آپ کی دادی جان نے آپ کی ولادت کی خبر سنائی تو اس وقت آیت کریمہ ''**قد جاء کم برھان من ربکم**'' وردزبان تھی۔

تعلیم و تربیت: حضرت عید الاسلام علیہ الرحمہ نے اپنے ہونہار لخت جگر کی تعلیم وتربیت کا انتظام فرمایا، حضرت برہان ملت تحریر فرماتے ہیں ''میں جب پانچ سال کا ہوا، ۲۱/ربیع الاول ۱۳۱۵ھ کو حضرت جدامجد نے بسم اللہ شریف کی ابتدا فرمائی، مبارک دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ مجھے پڑھایا، یہ میری ابتدائی عمر کی داستان تھی۔''

اپنی تعلیمی مصروفیات کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں ''میری تعلیم صبح سے بارہ بجے اور ظہر کے بعد سے عصر تک اور عشاء کے بعد سے رات دس بجے تک ہوتی، عربی والد ماجد سے، فارسی چچا بشیر الدین سے پڑھتا رہا، درس کے درمیان اکثر وبیشتر اعلیٰ حضرت کا ذکر خیر ہوتا تو میرا دل زیارت اور قدم بوسی کی تمنا میں بیتاب ہوجاتا۔''

آپ نے اپنے آبائی مکان جبل پور ہی میں رہ کر ناظرہ سے لے کر درس نظامیہ کا کورس مکمل کرلیا تھا۔ مزید اعلیٰ تعلیم کیلئے تاجدار علم وفن سیدنا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے، آپ خود بیان کرتے ہیں ''دوران قیام بریلی والد صاحب نے مجھے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اکتساب فیض وتہذیب، تربیت وتکمیل علوم ظاہری وباطنی وروحانی کیلئے بھیجنے کی اجازت چاہی، ہم دو ہفتہ بریلی شریف رہ کر چلے آئے۔ پھر شوال ۱۳۳۲ھ کے دوسرے ہفتہ میں، میں بریلی شریف حاضر

ہو گیا، دارالافتاء دیکھتا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بیٹھ کر حضرت کے ارشادات لکھتا، وقت ملتا تو دارالعلوم منظر اسلام میں صدر مدرس مولانا ظہور الحسن صاحب رام پوری کے پاس بھی درس میں شریک ہوتا، اعلیٰ حضرت کے چھوٹے صاحبزادے مولانا مصطفی رضا خان صاحب (سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ) اور مولانا امجد علی صاحب (سرکار صدر الشریعہ علیہ الرحمہ) ہم تینوں ساتھ ہی کھانا کھاتے اور ہم تینوں کا زیادہ وقت دارالافتاء میں گزرتا۔''

حضرت برہان ملت علیہ الرحمہ کم وبیش تین سال اعلیٰ حضرت کی خدمت میں رہ کر تمام علوم وفنون اور فتویٰ نویسی میں مشق ومہارت پیدا کرلی، آپ کو فقہ وفتاویٰ میں اس قدر مہارت تھی کہ حضرت محدث بریلوی بھی آپ کے فقہ وافتاء پر کامل اعتماد کیا کرتے تھے۔ جب سیدنا مجدد اعظم کو غیر منقسم ہندوستان کیلئے قاضی شرع ومفتی شرع کی تقرری کرنا ہوئی تو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو قاضی اور حضور مفتی اعظم وحضور برہان ملت علیہما الرحمہ کو ان کا معاون مفتی مقرر فرمایا۔

آپ نے بارگاہ اعلیٰ حضرت میں رہ کر ہندسہ، ہیئت، زیجات، جبر ومقابلہ، توقیت کو بالخصوص پڑھا اور تفسیر، حدیث اور فقہ کی سند واجازت سے سرفراز کیے گئے۔

اساتذہ کرام: سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی، مولانا عبدالکریم نقشبندی (داداجان) حضرت علامہ عبدالسلام قادری رضوی (والد گرامی) حضرت مولانا شاہ بشیر الدین قادری رضوی (چچا جان) حضرت مولانا ظہور الحسن رامپوری، مولانا عبدالرحمن افغانی مولانا جلال میر پشاوری علیہم الرضوان۔

بیعت وخلافت: ۱۳۳۵ھ میں سیدنا اعلیٰ حضرت کے دست اقدس پر سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں داخل سلسلہ ہوئے اور ٹھیک دو سال پر ۲۶؍جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ جبلپور میں عیدگاہ کلاں کے جلسہ عام میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے آپ کو ۴۵ علوم اور سلسلوں کی اجازت مرحمت فرمائی اور عیدگاہ کے جلسہ عام میں ہی ارشاد فرمایا: مولانا عبدالاسلام صاحب برہان میاں آپ کے جسمانی فرزند ہیں اور میرے روحانی فرزند ہیں، دوران قیام بریلی میں فقیر نے ان کا ذہنی علمی علمی جائزہ بخوبی لیا، اخلاق، تقویٰ، فتویٰ اور اتباع سنت وغیرہا ہر پہلو سے آزمالیا ہے۔ میں اپنے اس روحانی سعادت مند فرزند برہان الحق کو دستار فضیلت سے مزین کر کے ۴۵ علوم وفنون اور ۱۱ ؍سلسلوں کی اجازت دیتا ہوں اور اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ میرے روحانی ولد اعز کو ان کے نام برہان الحق کے ساتھ برہان الدین، برہان السنہ اور برہان الملت بنائے۔

سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے خلفاء کی فہرست میں ۲۸ روں نمبر پر آپ کا اسم گرامی درج کیا ہے'' جناب مولانا المولوی عبدالباقی برہان الحق صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالاسلام، عالم، فاضل، مفتی، واعظ، مصنف، مجاز طریقت، ملقب از جانب اعلیٰ حضرت قبلہ بہ نور عینی'' مرتب۔

خلفاء عظام: آپ کے خلفاء کی تعداد تقریباً ۲۵ سے زائد ہیں، چند کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ مفتی محمود سلامی برہانی (شہزاد

اوسط) مولانا محمد انوار اسلامی برہانی (شہزادہ اکبر) تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خاں بریلوی (قاضی القضاۃ فی الہند) مفتی محمد حامد احمد سلامی رضوی (خلف اصغر) علامہ توصیف رضا خاں بریلوی، مفتی نظام الدین الہ آبادی، حاجی مولوی محمد حید رسلامی تلمیذ حضرت عبد الاسلام علیہ الرحمہ، مولانا صوفی عبد الودود کراچی، علامہ عبد المبین نعمانی (چریا کوٹ) مفتی عبد المنان کلیمی (مراد آباد) مولانا شمس ال ہدیٰ قادری رضوی (مبارکپور) شہزادہ محسن ملت مولانا محمد علی فاروقی قادری رضوی (رائے پور)

تصنیف و تالیف: سیدنا اعلیٰ حضرت آپ کی تصنیف ''اجلال الیقین'' کی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں:

''نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، الحمد اللہ فقیر غفرلہ القدس اس تالیف منیف وتر صیف لطیف کے مطالعہ سے مسرور ہوا، مولیٰ عز وجل اس کے مولف سعید حمید رشید فرزند دلبند سعادت مند مولانا مولوی برہان الحق جعلہ اللہ تعالیٰ دلیل الصدق وبرہان الحق کو دارین کی مدارج عالیہ ومعارج جلیلہ کرامت فرمائے''...... فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ۔

حضرت برہان ملت کی جملہ تصانیف کی تعداد ۲۶ ہے اور ۹ خطبے جو ملک کی مختلف کانفرنسوں کیلئے بحیثیت صدر و سرپرست تحریر فرمائے، المواہب الربانیہ بالفتاویٰ السلامیہ والبرہانیہ کے نام سے فتاویٰ کی ضخیم ضخیم ۱۹ر جلدیں جو کہ ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں، بعض فتاویٰ تو اتنے اہم اور تفصیلی ہیں کہ ایک ہی ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

چند تصانیف کے اسماء یہ ہیں: (۱) قیامت کبریٰ، (۲) اجلال الیقین (۳) سوافل وہابیت کی تصدیق (۴) المسلک المظہر فی تحقیق آزر (۵) اکرام امام احمد رضا (۵) صیانۃ الصلوات عن جیل البدعات (۶) حیات اعلیٰ حضرت کا ایک ورق (۷) سوانح امام دین مجدد مآۃ حاضرہ (۸) اکرامات مجدد اعظم (۹) نیر جلال مجدد اعظم (۱۰) حالات ارتقا عید الاسلام (۱۱) مسئلہ گائے قربانی (۱۲) چاند کی شرعی حیثیت (۱۳) زبدۃ الاصفیا صدر الشریعہ مولانا امجد علی رضی اللہ عنہ (۱۴) حیات حضرت مولانا عبد الکریم (۱۵) المواہب الربانیہ بالفتاویٰ السلامیہ والبرہانیہ ۱۹ر جلدیں۔

تبلیغ اسلام و سنیت: حضرت برہان ملت قدس سرہ کی تقریر جہاں عاشقان مصطفی کیلئے شیر وشکر، محبین اولیاء کیلئے دل بے قرار ثابت ہوتی ہیں وہیں دشمنان خدا ورسول کیلئے تیر ونشتر کا کام کرتی، آپ کی تقریر معمولات اہل سنت کے دلائل سے بھرپور اور بدعملوں کی اصلاح وفلاح کیلئے دعوت فکر وعمل سے لبریز ہوتی، سرکار برہان ملت کی تقریر بہت موثر ہوتی اور خلوص وللہیت سے موجزن ہوا کرتی تھی۔ حضرت برہان ملت خود بیان فرماتے ہیں:

۱۳۷۲ھ میں حضور مفتی اعظم ہند کے ساتھ اجمیر واپسی پر حاجی شیخ احمد حسین کی دعوت پر جے پور جانا ہوا، ہمارا قیام گاہ کے بالکل قریب ایک مسجد تھی، جمعہ کے دن حضرت سے جمعہ کی نماز پڑھانے کی درخواست کی گئی، حضرت نے یہ خدمت خادم کو تفویض کی، جب جمعہ کا وقت آیا، اذان ہوئی، ہم

نے مسجد جانے کی تیاری کی مگر حضرت میرے ساتھ جانے کو تیار نہ ہوئے، میں نے حضور کو مسجد چلنے کیلئے عرض کیا، یہاں کے مسجد کے لوگ بہت ضدی ہیں، اذان ثانی مسجد کے اندر دیتے ہیں، مسئلہ بتانے اور سمجھانے کے بعد بھی باز نہیں آتے ہیں اور میں خلاف سنت فعل اپنے سامنے ہوتے نہیں دیکھ سکتا، جب خطبہ شروع ہوگا آ جاؤں گا، میں نے عرض کی، حضور تشریف لے چلیں آج اذان مسجد کے باہر ہوگی، اس پر فرمایا بہت سمجھا چکا اور دیکھ چکا، یہ لوگ نہیں مانتے، خدا کرے آج آپ کے سمجھانے اور مسئلہ کی وضاحت سے خدا انہیں اس پر عمل کی توفیق دے۔ میں تنہا مسجد میں حاضر ہوا اور سنت کے بعد مجھ سے خطبہ کیلئے کہا گیا، میں ممبر پر بیٹھ گیا، موذن نے بالکل ممبر کے قریب سامنے کھڑا ہو کر اذان دینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ میں نے موذن کو روک کر حاضرین مسجد کو مخاطب ہو کر اذان سے متعلق مختصراً شرعی احکام سنائے، اذان کے مقصد سے آگاہ کیا، اذان اندر دینے پر کیا گناہ ہے اس سے باخبر کیا اور یہ بھی کہا کہ آپ حضرات کے جو شکوک وشبہات ہوں گے بعد جمعہ میں اس کا جواب دوں گا، خدا کا فضل ہوا کہ میری بات ان کے سمجھ میں آ گئی اور ان سب نے اس بات کو مان لیا کہ اذان مسجد کے باہر ہو چنانچہ موذن نے مسجد کے باہر ممبر کے سامنے اذان دی، جب مسجد کے باہر اذان کا خطبہ ہونے لگا تو حضرت کو معلوم ہوا، اذان مسجد کے باہر ہو رہی ہے، اس پر حضور مفتی اعظم ہند نے بڑی مسرت سے فرمایا ''الحمد للہ آج تو اذان مسجد کے باہر ہو رہی ہے برہان میاں نے صحیح کہا تھا کہ آج اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی'' حضور فوراً مسجد کے اندر تشریف لے آئے اور نماز جمعہ کے بعد مفتی اعظم ہند نے قیام گاہ میں خادم کو اس کامیابی پر بہت دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔

فقہی بصیرت: آپ کو فقہ وافتا میں اچھی مہارت تھی، آپ کے فتاویٰ مجمل ومفصل ہر دو قسم کے ہیں، آپ کے تمام فتاویٰ آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ، ارشادات ائمہ ومجتہدین سے مزین ومکمل ہوتے ہیں، آپ کے فتاویٰ میں جابجا حسب ضرورت ترجیح کے ساتھ ساتھ معتمد کتب کے حوالے مصالح شرعیہ کی وضاحت اور آداب افتا کی رعایت سے لبریز ہوتے ہیں، آپ کے فتاویٰ فقہی گہرائی وگیرائی، عبارت کی معنویت اور مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر تحقیق وتدقیق سے بھرپور ہوتے ہیں۔

سرکار برہان ملت علیہ الرحمہ نے فتاویٰ نویسی ۱۳۳۶ھ سے شروع کر دی تھی یعنی جب آپ بریلی شریف سے پڑھ کر جبل پور واپس آئے تب ہی سے آپ باضابطہ دارالافتاء عید

الاسلام میں بیٹھ کر مسائل شرعیہ کا جواب لکھنے لگے، حضرت عیدالاسلا کو آپ کے فتویٰ نویسی وفقہی بصیرت کو دیکھ کر آپ پر مکمل اعتماد واطمینان ہو گیا تھا، اس لیے آپ دارالافتاء عید الاسلام میں آئے ہوئے اہم سوالات بھی آپ ہی کے سپرد فرما دیتے، جن کا آپ تسلی بخش اور اور نہایت تحقیقی جواب قلمبند فرماتے۔ حضرت عیدالاسلام کے وصال کے بعد سے تو آپ مستقل دارالافتا عیدالاسلام میں ہر روز تمام آئے ہوئے سوالات کے جوابات تحریر فرماتے۔ اس طرح آپ نے تقریباً ۷۰ سال فقہ وفتاویٰ کی خدمت انجام دی، جس میں ہزارہا فتاویٰ تحریر فرمائے۔ **المواهب الربانيه بالفتاویٰ الا سلا ميه البرهاذيه** کی ۱۹؍جلدیں جو کہ ہزاروں صفحات اور لاکھوں مسائل پر مشتمل ہیں، آپ کے فتاویٰ وفقہی بصیرت کا زندہ جاوید ثبوت ہیں۔ فقیہ اسلام مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کو آپ کے فقہ وفتاویٰ پر نہ صرف اعتماد واطمینان تھا بلکہ آپ ان کی نظر میں ان چیدہ اور مایہ ناز فقہا ومفتیوں میں سے ایک تھے جن پر حضرت فاضل بریلوی کو ناز تھا، یہی وجہ ہے کہ جب فاضل بریلوی کو پورے متحدہ ہندوستان کیلئے قاضی ومفتی شرع کا انتخاب کرنا ہوا تو آپ کو مقرر کیا۔

سیاسی بصیرت: جوائی ۱۹۳۶ء کو جبل پور کی میونسپلٹی نے شادیوں کو رجسٹرڈ کرانے کا قانون پاس کیا کہ رجسٹرڈ نہ کرانے کی صورت میں مسلمانوں پر مقدمہ چلایا جائے اور پچاس روپے تک جرمانہ ادا کرنا ضروری قرار دیا یہ کالا قانون بعض شر پسند نام نہاد مسلمانوں کے مشورے سے پاس ہوا تھا، اس وقت شہر کے لوگوں کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے اور کس طرح اس قانون کے خلاف آواز اٹھا کر اس کا خاتمہ کیا جائے، حضرت برہان ملت نے ۱۵؍اگست ۱۹۳۶ء بروز سنیچر ۹ بجے کوتوالی کے سامنے ایک جلسہ عام کا اعلان کیا، اعلان سن کر وقت مقررہ پر پورا جبل پور امنڈ پڑا، آپ نے اس میں نہایت بے باکی اور سیرانہ انداز میں پرزور خطاب فرمایا۔ اس احتجاج سے جبل پور میونسپلٹی کو سخت دھچکا لگا۔

حضرت برہان ملت کے زمانے میں جب درگاہ اجمیر شریف میں دیوبندیوں کا قبضہ ہو گیا اور گورنمنٹ نے جمعیۃ العلماء نامی تنظیم کے زیر اختیار درگاہ اجمیر شریف کے امور کو سوپ دیا اور انہوں نے اپنی خباثت کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا، یہاں تک دارالعلوم معینیہ عثمانیہ میں کچھ دیوبندی طالب علم رات کے سناٹے میں مزار خواجہ پر غلاظت پھینک دی اور وقف شدہ زمین کا کچھ حصہ فروخت کر دیا۔ حضرت برہان ملت نے دیوبندیوں کی ان خباثت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا اور سرزمین دہلی میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کر کے اس میں تاریخی خطبہ صدارت پیش کر کے حکومت کو گھٹنا ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور دیوبندیوں کے چنگل سے اجمیر شریف درگاہ کو آزادی دلائی گئی۔

جب بریلی شریف میں جمعیۃ العلماء نے اپنی تاریخ ساز کانفرنس مولوی ابوالکلام آزاد کی صدارت میں کی تو اس وقت اسٹیج پر اکابر علماء اہل سنت یعنی حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا بریلوی، صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی، صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی، امام المتکلمین علامہ سلیمان اشرف بہاری، استاذ العلماء علامہ حسنین رضا بریلوی، برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری پہنچے اور دیوبندیوں کے مولوی

کے سامنے ستر سوالات رکھے، لیکن ان لوگوں نے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے کر اپنی شکست قبول کرلی۔ اس وقت حضرت برہان ملت نے آزاد کی تقریر پر سخت اعتراض کیا جس پر آزاد چراغ پا ہوگیا اور اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ **لعنته اللّٰه علی قائله** اس پر حضرت برہان ملت نے فرمایا: آزاد صاحب یہ کلمات لعنت اس اخبار میں شائع کرادیجئے تو امید کہ توبہ کے قائم مقام ہوجائیں۔ حضرت صدرالافاضل نے حضرت برہان ملت کا ہاتھ پکڑ کر حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: برہان میاں آپ دو ہی سوالوں نے ابوالکلام کو بالکل مبہوت کردیا۔

خانوادۂ رضا سے شیفتگی: خانوادہ اعلیٰ حضرت اور حضرت برہان ملت کیک خاندان سے اچھے مراسم وتعلقات تھے، آپ کے والد گرامی جب ندوہ کے اجلاس بریلی میں شرکت کیلئے جارہے تھے تو آپ کے دادا جان نے فرمایا تھا، جب بریلی جارہے ہو تو مولانا احمد رضا سے ضرور ملاقات کرنا اور ان سے استفادہ کرنا، اسی طرح حضرت امام احمد رضا بھی اس خاندان کے شہزادوں سے بے حد محبت فرمایا کرتے تھے، علامہ عبدالسلام کو عبدالاسلام کا خطاب دیا اور کئی مرتبہ آپ نے جبل پور کا سفر فرمایا اور اس خانوادہ کے شہزادے حضرت علامہ عبدالسلام قادری، مولانا بشیر الدین قادری، مفتی برہان الحق عبدالباقی قادری امام احمد رضا کی بارگاہ کے تربیت یافتہ اور مرید تھے۔ اس خانوادہ کے شہزادوں نے اپنا سب کچھ بریلی کے رضا پر قربان کردیا تھا اور حضرت رضا کے مسلک ومشن کے سچے داعی اور ترجمان بن کر اپنی زندگی وقت کردی تھی۔ حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت برہان ملت میں بہت ہی قریبی تعلقات تھے۔ جب آپ نے علوم خمسہ کے اثبات اور مسئلہ حاضر وناظر کو دلائل وبراہین کی روشنی میں شمس وامس کی طرح پیش کیا تو علماء مکہ ومدینہ آپ کی علمی جولانیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے برملا آپ کے عل وفضل اور خداداد ذہنت وفطانت کا کھلے دل سے اعتراف کیا، ان میں سے کئی علماء بانبین نے آپ کو تعریفی وتوصدیفی سندیں بھی پیش کیں اور بعض علماء نے آپ سے حدیث وفقہ کی اجازت بھی حاصل کی۔

نعت گوئی: آپ کے شہزدے مفتی محمود رضوی برہانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

"حضرت برہان ملت قدس سرہ کا نعتیہ کلام سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محامد ومناقب اولیاء کرام کا بہترین وحسین تحفہ ہے، جو درحقیقت ان کے عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا غوث اعظم وسلطان الہند غریب نواز اور امام اہل سنت فاضل بریلوی علیہم الرحمہ کے حضور پاکیزہ وصاف ستھرے جذبات وعقیدت ومحبت اور عتراف غلامی کا آئینہ دار ہے۔"

حضرت برہان ملت نے بائیس سال کی عمر شریف میں پہلی بار والد گرامی کے ساتھ بریلی شریف حاضر ہوئے اور بزبان فارسی ایک سلام بہ بارگاہ رسول لکھا اور اس کی اصلاح کیلئے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں اپنے ہم سفر منشی عبدالغفار کو اشارہ کیا کہ آپ سنادیں، اعلیٰ حضرت کی اجازت لے کر منشی صاحب نے سنانا شروع کیا:

حضور سید خیر الوریٰ سلام علیک
بارگاہ شفیع الوریٰ سلام علیک

روبسوئے توبر ہر قدم کنم سجدہ
نوائے قلب شود سیدا سلام علیک
بہ احمدے رضائیش ہم رضائے خدا ست
بگو زمن بصلوۃ اے سلام علیک
رسی چوں بردر احمد رضا بگو برہاں
باادب بشمار مرشدا سلام علیک

مذکورہ اشعار سن کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ یہ اشعار برہان میاں نے لکھے ہیں، ماشاء اللہ بارک اللہ، پھر فرمایا میں غور کر رہا تھا "حضرت جامی" کے طرز پر کس نے طبع آزمائی کی ہے، کہاں ہے برہان میاں، حضرت برہان ملت دار الافتاء میں بیٹھے تھے، حکم سن کر حاضر بارگاہ اعلیٰ حضرت ہوئے، سامنے دیکھ کر سرکار اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا "حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے جب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نعت شریف پیش کرنے کی اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر سنانے کی اجازت دی، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعت شریف کو بہت پسند فرمایا جسم اقدس پر شامی چادر تھی اتار کر حضرت حسان کے جسم پر اڑھادی، فقیر کیا حاضر کرے اتنا فرما کر عمامہ اتار کر حضرت برہان ملت کے جھکے ہوئے سر کو سرفراز فرما کر دعائے درازی عمر وتقی علم وعمل وثبات واستقامت فرمائی۔

حج بیت اللہ وزیارت سرکار عالی: حضرت برہان ملت ان خوش نصیب افراد اور خدا اور رسول کے مقبول ترین اشخاص میں سے ہیں کہ دو مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت میسر ہوئی، آپ نے پہلا حج اپنے والد ماجد کے ہمراہ ۱۳۴۰ھ میں کیا اور دوسرا حج ۱۳۷۵ھ میں ادا کیا۔

اس مبارک سفر میں امام احمد رضا کے تلمیذ رشید اور خلیفہ ہونے کی بنیاد پر آپ کی خوب پذیرائی ہوئی، علماء حرمین شریفین نے اجازت سند حدیث سے سرفراز فرمایا اور آپ کیلئے سب سے بڑا اعزاز یہ کہ کہ آقا مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار عالی جاہ میں یعنی قرب مزار پر انور شرف حاضری حاصل ہوئی۔ آپ نے علماء مکہ اور مدینہ سے علمی استفادہ کیا، ایک مجلس میں علوم خمسہ اور مسئلہ حاضر وناظر بھی زیر بحث رہی، جب آپ نے علوم خمسہ کے اثبات اور مسئلہ حاضر وناظر کو دلائل وبراہین کی روشنی میں شمس وامس کی طرح پیش کیا تو علماء مکہ ومدینہ آپ کی علمی جولانیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے برملا آپ کے علم وفضل اور خداداد ذہانت وفطانت کا کھلے دل سے اعتراف کیا، ان میں سے کئی بار علماء بانبین نے آپ کو تعریفی وتوصیفی سندیں بھی پیش کیں اور بعض علماء نے آپ سے حدیث وفقہ کی اجازت بھی حاصل کی۔

تصدیق حسام الحرمین: فتاویٰ مبارکہ حسم الحرمین بے شک حق وصواب طابق سنت وکتاب ہے، اس کا ماننا، اس کے ارشادات جلیلہ کو عین مطلوب شرع مطہر اور اصول ومقاصد مذہب حق سے جاننا، اس کے مطابق عقیدہ رکھنا، عمل کرنا، مسلمانوں پر فرض اور ان کے کامل الایمان صحیح الاعتقاد سچے پکے سنی مسلمان ہونے کی دلیل اور فرمان الٰہی جل وعلا فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر واحسن تاویلا اعراب لگا کر حوالہ بھی دیں کی عین تعمیل ہے۔ اور اس کا انکار، اس سے انحراف، مذہب حق وہدایت اور عقائد اہل سنت

واجماع ائمہ اہل سنت واجماع ائمہ ملت سے انحراف اور حدیث شریف **اتبعوا السواد الاعظم** کے صریح خلاف اور تہدید نبوی **من شذ شذ فی النار** اور وعید شدید قرآنی **و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصلی جهنم وسائت مصیرا**۔ کے تحت حکم اپنے داخل ہونے کا اعتراف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلمہ مجدہ اتم واحکم۔ کتبہ الفقیر عبدالباقی محمد برہان الحق القادری الرضوی الجبل فوری غفرلہ۔

وصال مبارک: حضرت برہان ملت شاہ مفتی عبدالباقی قادری رضوی سلامی کا وصال مبارک ۲۶ر ربیع الاول ۱۴۰۵ھ ۲۰ر دسمبر ۱۹۸۴ء شب یوم جمعہ شام سوا چھ بجے ہوا، آپ کی آخری زیارت کیلئے ۳۹ر گھنٹہ جسد خاکی رکھا رہا، ۲۸ر ربیع الاول ۲۲ر دسمبر کو سوا بارہ بجے تقریباً ایک لاکھ کے مجمع نے نماز جنازادا کی، آپ کی نماز جنازہ آپ کے شہزادہ حضرت مفتی محمود قادری رضوی سلامی نے پڑھائی، دادا جان حضرت شاہ عبدالکریم قادری نقشبندی کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

سوئم کی مجلس ۲۹ر ربیع الاول ۲۳ر دسمبر کو ہوئی، اس مجلس میں حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا ازہری مدظلہ العالی، امین شریعت سلامہ سبطین رضا رضوی بریلوی اور دوسرے علماء اور مشائخ نے شرکت کی۔ حسب وصیت مفتی محمود قادری رضوی کی رسم سجادگی ادا کی گئی اور حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی نے مفتی صاحب کو خرقہ پہنایا اور عمامہ شریف باندھنے کی ابتداء کی اور دعاؤں سے نوازا۔

آپ کی رحلت پر علماء اور مشائخ نے حضرت مفتی محمود رضوی صاحب کی خدمت میں تعزیتی خطوط روانہ کیے، اس میں سے چند کے اسمایہ ہیں۔ حضرت مخدومہ پیرانی امی جان اہلیہ سرکار مفتی اعظم ہند، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری، مولانا مصلح الدین قادری، مفتی مظفر احمد داتا گنجوی، شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں کچھوچھہ شریف، مولانا مقصود علی حشمتی، علامہ قمر الزماں اعظمی، علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، مفتی وقار الدین رضوی، مفتی ظفر علی نعمانی، مولانا حسن قادری، مولانا شاہ تراب الحق قادری (پاکستان)

❀❀❀

شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ حشمت علی خان قدس سرہ

حضرت علامہ علی حسن میلسی، پاکستان

ابتدائی حالات: شیر بیشۂ اہل سنت، مظہر اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب قادری رضوی علیہ الرحمہ کی ولادت جناب مولوی نواب علی خاں صاحب کے ہاں ۱۳۱۹ھ میں ہوئی۔ آپ سگ بارگاہ بغداد کے جملہ سے اپنا سن ولادت بیان فرماتے تھے۔ حضرت اسد السنہ مولانا مفتی قاری محمد محبوب علی خاں صاحب رضوی علیہ الرحمہ خطیب بڑی مسجد مدن پورہ ممبئی آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کے والدین نے بچپن ہی سے ان حضرات کو دینی تعلیم کی طرف راغب کر دیا تھا۔ حضرت شیر بیشہ اہل سنت نے صرف دس سال کی عمر شریف میں قرآن عظیم حفظ کر لیا تھا، بارہ سال کی عمر میں قرأت کی سند بروایت حفص حاصل کی اور تیرہ برس کی عمر شریف میں سند قرأت سبعہ اور چودہ سال کی عمر میں سند عشرہ حاصل کی۔ ابتداً بعض بدعقیدہ علماء سے کچھ پڑھا مگر شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب نوری رضوی قدس سرہ کی برکت سے اس سے نجات مل گئی اور دار العلوم جامعہ رضویہ نظر اسلام بریلی شریف میں داخلہ لیا۔ حضرت صدر الشریعت، بدر الطریقت مولانا علامہ امجد علی صاحب اعظمی مصنف بہار شریعت وحجۃ الاسلام شیخ الانام علامہ محمد حامد رضا خاں قدس سرہ اور بعض اسباق خود سرکار اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت قدس سرہ العزیز سے پڑھے۔ دار العلوم منظر اسلام میں تعلیم مکمل فرمائی۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سال وصال ۱۳۴۰ھ میں آپ جملہ علوم وفنون سے فارغ التحصیل ہوئے۔

اجازت وخلافت: سند فراغت ودستار فضیلت کے بعد حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب قادری، سیدی صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی رضوی علیہما الرحمہ اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند سجادہ نشیں بریلی شریف نے آپ کو اپنی اجازتوں اور خلافتوں سے سرفراز فرمایا۔ حضرت حجۃ الاسلام شہزادۂ اعلیٰ حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کے خلف اکبر حضرت مفسر اعظم ہند علامہ شاہ محمد ابراہیم رضا خان صاحب جیلانی میاں قدس سرہ العزیز کا بیان ہے ابا جی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ایک مولانا سردار احمد صاحب اور ایک مولانا حشمت علی خان صاحب اور یہ سیدنا حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کی نگاہ مبارک کا اثر ہے کہ دونوں ہی ہم ذوق وہم مزاج سخت متصلب اور جذبہ تبلیغ سنیت سے سرشار تھے۔

خواب میں اعلیٰ حضرت کی زیارت وبشارت: حضرت شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ ایک دفعہ وظائف ذکر واذکار کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہوئے اور اعلیٰ حضرت کے بیاض مبارک سے سلسلہ

قادریہ رضویہ کے وظائف و اعمال کو کثرت سے پڑھنا شروع فرمادیا۔ خواب میں سرکار اعلیٰ حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں

''مولانا ابھی ہمیں آپ سے بہت کام لینا ہے
ہمارے سلسلہ قادریہ کا سب سے بڑا وظیفہ یہ
ہے کہ بے دینوں، بدمذہبوں، گستاخوں کا رد
کیا جائے، عظمت وشان رسالت کا تحفظ ہمارا
سب سے بڑا عمل ہے۔''

مولانا حشمت علی خاں صاحب جو وقتی طور پر تبلیغ و مناظرہ سے دست بردار ہوگئے تھے اعلیٰ حضرت کی حسب ہدایت دوبارہ اس میدان میں سرگرم عمل ہوگئے اور احقاق حق و ابطال باطل میں منہمک ہوگئے اور دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برسرپیکار رہنے لگے۔

ممبئی میں چاند پوری کا فرار: ممبئی میں مخالفین اہل سنت نے مولوی مرتضیٰ حسین در بھنگی چاند پوری کو بلوایا اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے خلاف اپنی خرافاتی توپوں کے دہانے کھول دئے، مولوی مرتضیٰ حسن در بھنگی ناظم تعلیمات مدرسہ دیوبند زہرافشانی کررہا تھا

''میں سات مرتبہ بریلی گیا خاں صاحب کے مکان پر جا کر دستک دی کہ مناظرہ کے لیے آؤ مگر خاں صاحب اندر سے دروازہ بند کرلیا اور کوئی جواب نہ دیا۔''

ممبئی کے اہل سنت نے اس کے جواب کیلئے شیر بیشہ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب کو بلایا، مولانا حشمت علی خان صاحب نے مجمع عام میں علی الاعلان فرمایا: اگر در بھنگی چاند پوری یہی بتادے کہ اعلیٰ حضرت کے مکان کا دروازہ کس سمت ہے تو اپنی شکست مان لوں گا۔

شیر بیشہ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت ہر رات چیلنج پر چیلنج دیتے رہے مگر چاند پوری میں اتنی غیرت کہاں تھی جو سامنے آتا اپنی مدد کیلئے مولوی منظور سنبھلی ''مدیر الفرقان'' کو بلوایا ادھر منظور پہنچا ادھر سنیوں نے محدث اعظم پاکستان سلطان المناظرین مولانا ابوالمنظور محمد سردار صاحب کو تار دیا جو اس وقت بریلی شریف میں صدر المدرسین و شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے، محدث اعظم علیہ الرحمہ کے تشریف لاتے ہی دیوبندی لوہے ٹھنڈے پڑ گئے، منظور راتوں رات بھاگ گیا کیوں کہ وہ محدث اعظم پاکستان کے ہاتھوں ایک سال قبل شرمناک شکست سے دوچار ہوا تھا اور وقت مناظرہ سے ایک گھنٹہ قبل میدان مناظرہ سے بھاگ گیا تھا، اپنی کتابیں، اپنی جوتیاں، اپنی عینک، اپنی چھڑی، اپنی چھتری مناظرہ گاہ میں چھوڑ گیا تھا جو محدث اعظم پاکستان کے قبضہ میں بطور سند محفوظ تھیں۔ الغرض ایک ماہ تک ممبئی میں امام المناظرین شیر بیشہ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب اور سلطان المناظرین امام اہل سنت مولانا ابوالمنظور محمد سردار احمد صاحب کی تقاریر ہوتی رہیں اور چاند پوری و سنبھلی کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اسی زمانہ کی ایک نظم ہے:

حق پہ ہیں سردار احمد آشکارا ہوگیا
اہل باطل کی شکستوں کا نظارہ ہوگیا

بہرحال اس طرح مرتضیٰ حسن چاند پوری شیر بیشہ اہل سنت کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکا اور راہ فرار اختیار کرگیا

انتقال پر ملال: ایمانی غیرت، دینی ولولہ، مضبوط عقیدہ اور استقامت فی الدین میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ وہ عظمت شان رسالت کے نڈر و بے خوف پاسبان تھے۔ غالباً ۶۳ سال کی عمر میں ۸ر محرم الحرام ۱۳۸۰ھ مطابق ۳ر جولائی ۱۹۶۰ء بروز اتوار بیش بہا دینی خدمات اور اعلاء کلمۃ الحق فرمانے کے بعد آپ نے اس دنیائے فانی سے دار جاودانی کو رحلت فرمائی اور پیلی بھیت شریف میں مدفون ہوئے۔

❁❁❁

رئیس المفکرین

قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی قدس سرہ

پروفیسر مختار الدین احمد آرزو، علی گڑھ

قاضی صاحب کا تعلق بہار کے ایک مقتدر مذہبی اور علمی خانوادہ سے ہے، وہ ماں کی طرف سے رضوی ہیں اور باپ کی طرف سے ان کا سلسلہ نسب حضرت امام محمد ملقب بہ تاج فقیہ جعفری زینی فاتح منیر تک پہنچتا ہے، جو ان کے مورث اعلیٰ تھے، تاج فقیہ دیار عرب سے کچھ مقامات پذیر ہوتے ہوئے بہار کے مشہور تاریخی مقام منیر شریف آکر ایک جنگ میں شریک ہوئے، انہوں نے منیر کو فتح کیا اور وہیں متمکن ہوگئے۔ انہوں نے وہاں قیام کر کے مخلوق خدا کو روحانی فیض پہنچائے۔ آپ کی اولاد میں متعدد مشائخ و علماء پیدا ہوئے جن میں سے بیشتر افراد حکومت وقت کی طرف سے قاضی و فقہی عہدوں پر سرفراز رہے۔

قاضی اسماعیل (قاضی عبدالوحید کے دادا) اردو فارسی کے شاعر تھے، قدیمی تخلص کرتے تھے، ان کی نظم ونثر کے کچھ نمونے محفوظ ہیں، انہوں نے ایک افسانے میں رموز تصوف بیان فرمائے ہیں، وہ نثر فارسی میں متعدد کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے اب کچھ موجود بھی ہیں، یہ پہلے قاضی بعد کو مصنف ہوئے۔ قاضی اسماعیل کے بیٹے قاضی عبدالمجید، یہ بخشی محلہ پٹنہ سیٹی میں رہتے تھے، ان کے خالو شیخ احمد اللہ کا انتقال ہوا تو ان کی ساری جائیداد ان کی زوجہ کے قبضے میں آئی، انہوں نے اس کے انتظام کیلئے انہیں لودی کٹرا بلایا اور وہ اسی محلہ میں رہنے لگے۔ ان کی شادی سید امجد علی ساکن موضع جربھوا ضلع مظفر کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ وہ ایک دیندار آدمی تھے اور ان کے مشاغل علمی نہ تھے، انہیں شعروشاعری سے لگاؤ تو تھا مگر خود بھی انہوں نے شعر کہے ہوں یہ معلوم نہ ہوسکا۔

قاضی عبدالوحید اسی مذہبی علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے جو عظیم آباد (پٹنہ سٹی) میں ۱۲۸۹ھ میں پیدا ہوئے، ''منظور النبی'' ان کا تاریخی نام ہے، درسی کتابیں انہوں نے شمس العلماء علامہ مولانا عبدالحق خیرآبادی (م ۱۳۱۶ھ) کے شاگرد رشید مولانا سید عبدالعزیز چشتی صابری سہارنپوری (م ۱۳۴۴ھ) سے پڑھیں۔ ان کے اور اساتذہ کا حال معلوم نہ ہوسکا، وہ حافظ قرآن (والد مرحوم کے کتب خانے میں ایک کتاب ''طلسم کشائے'' فن ندوہ مصنفہ مولوی غلام بشیر صدیقی حنفی قادری رئیس بلند شہر مطبوعہ بریلی ۱۳۱۶ھ ہے۔ اس کے آخر میں قاضی صاحب کے پیرومرشد شاہ امین احمد ثبات فردوسی کا ایک کھلا خط ان کے نام سے چھپا ہے جس کی ابتدا 'عزیز دلی، سعید ازلی مولوی قاضی حافظ عبدالوحید صاحب سلمہ اللّٰی تعالیٰ'' سے ہوتی ہے) بھی تھے۔

عربی کی تکمیل کے بعد وہ انگریزی کی طرف متوجہ

ہوئے، آئی اے (جسے پہلے ایف اے کہتے تھے) میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ان کے والد قاضی عبدالحمید سرسید کے دوست اور اپنے عزیز قاضی رضا حسین کے مشورے بلکہ اصرار پر انہیں مزید تعلیم کیلئے انگلستان بھیجنا چاہتے تھے، لیکن وہ کسی طرح اس پر راضی نہ ہوئے، یہی نہیں، انہوں نے یہاں رہ کر بھی مزید انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے انکار کر دیا، وجہ یہ ہے کہ ان کے خیالات میں انقلاب آ گیا تھا اور وہ مغربی تعلیم کو مذہب کیلئے سم قاتل سمجھتے تھے۔

سرسید احمد، انگریزی تعلیم یافتگان اور نیچریوں (پیروان سرسید احمد خاں) کے متعلق جو ان کی رائے ہوگی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ ندوۃ العلماء تک کے سخت خلاف تھے، وہ اس عقیدہ کے حامل تھے کہ ۷۳ فرقے جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں ان میں صرف ایک ہی ناجی ہے اور وہ فرقہ اہل سنت و جماعت کا ہے۔ انہوں نے ندوۃ العلماء کی سخت مخالفت کی، اس ادارے کو مسلمانوں کیلئے اس قدر مضر سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں جہاں کہیں ندوۃ کا جلسہ ہوتا وہ وہاں مخالفت میں جلسہ کرانا دین کی عین خدمت تصور کرتے تھے۔ وہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"آج معلوم ہوا کہ اب کی سال جلسہ ندوۃ پانچ جگہوں میں سے ایک جگہ ضرور ہوگا، حیدر آباد، ممبئی، پٹنہ، کلکرہ، میرٹھ، میرٹھ میں مولوی عبدالسمیع کو لکھئے، ممبئی میں علماء ممبئی کو لکھئے، حیدر آباد میں مخالفین ندوۃ کو لکھئے، کلکتہ میں غلام عبدالقادر بیگ صاحب کو لکھئے، پٹنہ کی حالت میں انشاء اللہ لکھتا رہوں گا" (مکتوب مورخہ ۱۲ رشعبان ۱۳۱۴ھ)

قاضی صاحب فرماتے ہیں "کلکتہ میں ندوۃ کا سالانہ جلسہ ہونے لگا تو وہ کلکتہ والوں کو اس کی مخالفت پر آمادہ کرنے کیلئے کلکتہ گئے، وہاں وہ ابوالکلام آزاد کے والد سے بھی ملے، عبدالرزاق ملیح آبادی نے ابوالکلام آزاد کے متعلق جو کتاب لکھی ہے اور جس کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ خود ابوالکلام کی لکھوائی ہوئی ہے، اس میں مرقوم ہے کہ قاضی عبدالوحید اپنے کو عقائد میں بہت متشدد سمجھتے تھے، مگر ابوالکلام آزاد کے والد سے ملے تو انہوں نے انہیں اپنے سے زیادہ متشدد پایا۔ ان کی تصنیف مجھے اپنے والد کی کتابوں میں ملی تھی کہ شیطان سے ابوجہل بدتر اور ابوجہل سے وہابی بدتر۔"

حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی (م ۱۳۴۰ء) کے خیالات و معتقدات کی اس زمانے میں دھوم تھی، ان کی علمی شہرت عظیم آباد تک پہنچ چکی تھی، قاضی عبدالوحید صاحب کی انگریزی تعلیم سے بیزاری میں تعجب نہیں ان کے خیالات بھی اثر انداز ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے تعلقات کی ابتدا کب ہوئی قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن یہ یقین ہے کہ ۱۳۱۲ھ میں یا اس سے کچھ پہلے ان دونوں میں مراسلات شروع ہو چکی تھی۔ یہ تعلقات آخری عمر تک قائم رہے، اس وقت حضرت قاضی عبدالوحید قدس سرہ کی عمر ۲۴ سال کے لگ بھگ تھی، انہوں نے دینی تعلیم کے فروغ کیلئے ایک درسگاہ "مدرسہ حنفیہ" کے نام سے قائم کی اور ایک روایت کے مطابق ۷۵ ہزار کی جائیداد اس کے اور دوسرے دینی کاموں کیلئے وقف کر دی تھی۔ مشہور عالم مولانا شاہ وصی احمد محدث شاہ سورتی پیلی بھیتی (۱۸۳۶۔۱۹۱۶ء) اس کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ ہر سال مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہوا کرتا تھا جن میں فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی ہوا کرتی تھی اور انہیں سند فراغت عطا کی جاتی تھی، اس موقع پر علماء کرام تشریف لاتے اور سیرت پاک کے جلسے ہوتے اور عوام و خواص علماء کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتے۔ قاضی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ قاضی

عبدالحمید کی خالہ، اہلیہ شیخ احمد اللہ نے کچھ جائیداد بھی وقف کر دی تھی، ان صاحب نے جو اس کے متولی تھے، میرے والد کی وفات پر مدرسہ کو جاری رکھنے کا بڑے شد و مد سے وعدہ کیا تھا مگر بہت جلد اسے بند کر دیا اور مدرسہ کے کتب خانے کی کتابیں بریلی بھیج دیں۔

۱۳۱۸ھ میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کا جلسہ پٹنہ میں منعقد ہوا، جس میں ملک کے مشاہیر علماء کرام جو ندوی تحریک کے ہم خیال تھے شریک ہوئے، مولانا محمد علی ناظم ندوۃ العلماء مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی (م ۱۹۱۶ء) مفتی لطف اللہ علی گڑھی، مولانا شاہ سلیمان پھلواری (۱۹۳۵ء) مولانا غلام حسین حسنین کنتوری (شیعہ مبلغ) ملا عبدالقیوم حیدرآبادی، مولانا ابراہیم آروی (غیر مقلد مبلغ) مولانا میر محمد شاہ رامپوری، مولانا عبداللہ انصاری، مولانا احمد حسن کانپوری کے اسماء یاد آتے ہیں۔

قاضی عبدالوحید صاحب جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ مقاصد ندوہ سے متفق نہیں تھے اور ندوہ کو "فرقہ ضالہ" میں شمار کرتے تھے، انہوں نے بقول ان کے "احقاق حق ابطال باطل" کیلئے ۱۵، ۱۶، ۱۷ ر رجب المرجب ۱۳۱۷ھ کو "مدرسہ حنفیہ" کا عظیم الشان سالانہ جلسہ منعقد کرایا جس میں پانچ سو کے قریب ملک کے علماء کرام شریک ہوئے، ان میں تاج الفحول محب رسول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی (۱۳۱۹ھ) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری (۱۳۲۶ھ) مولانا عبدالکافی صدر مدرس مدرسہ سبحانیہ الہ آباد (م ۱۳۵۰ھ) مولانا سید فاخر الہ آبادی، مولانا معوان حسین فرزند جانشیں حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین مجددی (م ۱۳۱۱ھ) مولانا عبدالمقتدر بدایونی (م ۱۳۳۴ھ) مولانا عبدالصمد سہسوانی (۱۳۲۳ھ) مولانا سلامت اللہ رامپوری، مولانا عبدالسلام جبلپوری، مولانا شاہ محی الدین قادری خلف الرشید حضرت شاہ بدار الدین سجادہ نشیں خانقاہ پھلواری شریف، مولانا سید شاہ محمد محسن ابوالعلائی خلف الرشید حضرت سید شاہ محمد اکبر ابوالعلائی داناپوری، مولانا شاہ اسماعیل حسن مارہروی، مولوی عبدالقیوم بدایونی، قابل ذکر ہیں، جلسے کی صدارت حضرت شاہ امین ثبات فردوسی سجادہ نشیں حضرت مخدوم شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری خانقاہ بہار شریف نے فرمائی۔

جلسہ کا سارا انتظام و انصرام قاضی عبدالوحید نے اپنے ذمہ لیا اور اس پر زر کثیر صرف کیا۔ ابھی حال میں ایک فارسی مثنوی صمصام حسن ۱۳۱۸ھ میں لکھی ہوئی اور تعجب نہیں اسی سال چھپی بھی ہو، نظر سے گزری۔ اس کے آخری عنوان بزم آرائی مشین سواد رمدح طرازی مجلس علمائے اہل سنت واقع عظیم آباد کے تحت آخری اشعار یہ ہیں:

از اثر کوشش عبدالوحید
خلد نہم گشت بہ پٹنہ پدید
یارب ازیں گلشن مینو نہاد
دست دے وجور خزاں دور باد
مدح علو ہمم ابن وحید
ہست زیارائے زبانم بعید
اکرمک اللہ وحید زمن
ندوۃ شکن ہستی وندوہ فگن
اے حسن احسنت حسن کن ختام
برشہ دیں باد درود وسلام

قریب یہ یقین ہے کہ یہ حسن مولانا حسن رضا خاں بریلوی (م ۱۳۲۶ھ) ہیں جو داغ دہلوی (م ۱۹۰۵ء) کے مشہور شاگردوں میں سے تھے اور صاحب دیوان شاعر، ان کا دیوان نعتیہ "ذوق نعت" شائع ہو گیا ہے۔

پروفیسر کلیم الدین (۱۹۰۹ء۔ ۱۹۸۳ء) اور ڈاکٹر عظیم الدین احمد (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۴۹ء) کے بزرگوں میں حکیم عبدالحمید پریشان صادق پوری (۱۸۱۸ء۔ ۱۹۰۵ء) اس وقت کے عظیم آباد کے مشہور عالم طبیبوں میں سے تھے اور فارسی کے شاعر بھی، وہ ندوۃ العلماء کے زبردست حامیوں میں سے تھے، انہوں نے ندوہ کے اجلاس ہفتم واقع پٹنہ میں ۱۶۵ اشعار کا ایک عربی قصیدہ اور ایک فارسی مثنوی پڑھی تھی، جو قاضی عبدالوحید کو انہوں نے بھیج دی تھی، مثنوی کے جواب میں تو حسن بریلوی نے مثنوی صمصام حسن لکھی۔ حکیم صاحب کے قصیدہ دالیہ جس کا مطلع یہ ہے:

لکم بشریٰ وجائکم الوفود

انتم مسقا کم الدھر العنود

اس کے جواب میں اسی وزن اور قافیہ میں ۱۷۰ اشعار کا ایک قصیدہ ارتجالاً کہہ کر مجمع میں پڑھا گیا، ادھر پھر چھاپ کر کے شائع کیا گیا، اس کا مطلع یہ ہے:

ھی الدنایتبید ولا تفید

فاف لمن یرید ومن یرود

قصیدہ کا جواب قصیدہ سے ہوا، پھر اردو نثر میں اس کی تنقید میں مطبع تحفہ حنفیہ پٹنہ سے اسی سال ۱۳۱۸ھ میں ایک رسالہ شائع ہوا جس پر مصنف کا نام مولانا مولوی سید عبدالکریم قادری برکاتی درج ہے، اس میں عبدالحکیم پریشان کے قصیدے کے ۱۶۵ ابیات میں سے ۴۲ ابیات پر ۷۰ مواخذے شرعی اور شعری کہے گئے ہیں۔ پھر پریشان کی فارسی مثنوی پر ۱۳۰ اعتراضات وارد کیے گئے ہیں۔

قاضی عبدالوحید صاحب ایک دینی رسالہ ''مخزن تحقیق'' جو ''تحفہ حنفیہ'' کے نام سے مشہور تھا ہر ماہ شائع کرنا شروع کیا تھا، جو ان کے مطبع (مطبع تحفہ حنفیہ) سے ان کی وفات (م ۱۳۲۶ھ) کے سال دو سال بعد تک شائع ہوتا رہا، رسالے کے مہتمم حضرت مولانا شاہ محمد ضیاء الدین پیلی بھیتی تھے، اس میں دوسروں کے علاوہ قاضی عبدالوحید کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ اس کی متعدد جلدیں والد صاحب (خلیفہ حضرت محدث بریلوی حضرت ملک العلماء علامہ مفتی ظفر الدین رضوی بہاری) کے کتب خانے میں تھیں۔ اور میری نظر سے گزری ہیں۔ میرے استفسار پر قاضی صاحب (قاضی عبدالودود) نے بتایا کہ اس رسالے کے کئی شمارے ان کے پاس موجود ہیں لیکن یہ ساری اشاعتوں پر مشتمل نہیں ہے کچھ مجلدات تعجب نہیں کتب خانہ خدا بخش پٹنہ میں بھی محفوظ ہوں۔

قاضی عبدالوحید صاحب کو بیعت سلسلہ فردوسیہ میں حضرت شاہ امین سے تھی اور انہیں مختلف سلسلوں خاص طور پر سلسلہ قادریہ میں حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ح اصل تھی، ابتدائی زمانہ میں ان کی شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی، وہ وحید تخلص کرتے تھے انہوں نے وحید الہ آبادی (۱۳۰۹ھ) شاگرد آتش کی صحبت پائی تھی، وہ باضابطہ ان کے شاگرد نہ ہوں گے، وحید کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد محمد اکبر دانا پوری ابوالعلائی (م ۱۳۲۷ھ) نے ایک طویل قطعہ تاریخ وفات نظم کیا تھا، جس میں وحید کے بیشتر تلامذہ کا ذکر ہے، اس فہرست میں قاضی عبدالوحید کا ذکر نہیں ہے۔ ان کا اردو کلام اس زمانہ کے اردو گلدستوں میں چھپا تھا، لیکن میرے استفسار پر قاضی عبدالودود نے بتایا کہ اب ان کے پاس موجود نہیں، ان کے عربی شاعری کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ میری نگاہ سے ان کے عربی اشعار نہیں گزرے۔ جنہیں قطعی طور پر ان کا زائیدہ فکر سمجھا جائے۔ ایک سوستر اشعار کا ایک عربی قصیدہ ''آمالی الابرار و آلام الاشرار'' جو حکیم عبدالحمید پریشان کے قصیدہ والیہ کے جواب میں لکھا گیا تھا، ان کے نام سے ضرور شائع ہوا تھا اور اس میں وحید تخلص بھی موجود ہے لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ یہ حضرت

فاضل بریلوی کے نتائج افکار میں سے ہے، اور انہی کے قلم کا لکھا ہوا میرے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

قاضی صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ قاضی عبدالوحید صاحب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بے حد محبت فرمایا کرتے تھے، وہ اپنے کو ''غلام صدیق'' کہا کرتے تھے۔ اپنے والد کو انہوں نے (قاضی عبدالودود) بہت ایمان دار اور صادق القول پایا، جھوٹ سے انہیں سخت نفرت تھی، انہیں ایک ایسا واقعہ یاد نہیں آتا جب انہوں نے سچائی سے انحراف کیا ہو، ایک زمنداری کا مقدمہ وہ اس لیے ہار گئے کہ مخالف وکیل کے اصرار کے باوجود وہ بعد کو بھی اپنی بات پر قائم رہے، اس عہد کے رؤسا کی عادت کے خلاف تاش، گنجفہ، شطرنج سے انہیں عنفوان شباب میں بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی، ہاں! داستان امیر حمزہ اور بوستان خیال ان کے مطالعے میں رہتی تھی، لیکن یہ بھی ان کے عمر کے ابتدائی زمانے کی بات ہے، بعد کو وہ دینی لٹریچر کی طرف مائل ہو گئے تھے، وہ عقائد میں متصلب تھے اور اچھے عقیدہ پر زور دیتے تھے، اپنی برادری کے جو غیر مقلد تھے، انہوں نے برادری سے ترک تعلق کر دیا تھا، وہ بہت متشرع تھے لیکن سخت گیر نہ تھے، برادری کے لوگ جو علانیہ فسق وفجور میں مبتلا تھے ان سے انہوں نے ترک تعلقات کر لئے تھے۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ''وہ بہت متشرع تھے، میرے دادا قاضی عبدالحمید نے کئی آدمیوں کو سودی قرض دے رکھا تھا، ان کی موت کے بعد انہوں نے سود کے ہزاروں روپے معاف کر دیئے۔ وہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے بہت روپے دوسروں پر صرف ہوا کرتے تھے، وہ بہت راست گفتار تھے، اور معاملات کے کھرے، کوئی شخص ان سے بدمعاملگی کرتا تو وہ اس سے خواہ وہ قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو، بہت خفا ہوتے تھے اور اس کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے، خدا پر انہیں بھروسہ تھا، میرے حقیقی ماموں طاعون میں مبتلا ہو گئے مجھے ان کے پاس جانے سے ہرگز نہ روکا، وہ تو ماموں تھے، معلم کا ایک بھانجا اس مرض کا شکار ہو گیا، اس کے پاس جانے کی بھی ممانعت نہ تھی، دونوں اسی مرض میں مر گئے۔''

قاضی عبدالوحید صاحب کا صرف ۳۷ سال کی عمر میں ربیع الاول ۱۳۲۶ھ میں محلہ کٹرا پٹنہ سیٹی میں انتقال ہو گیا، حضرت مخدوم شہاب الدین پیر جگجوت کی درگاہ جھلی میں دفن ہوئے، مادہ تاریخ ''مغفور'' ہے۔ باقر عظیم آبادی نے (جن کا ذکر داغ دہلوی ''م ۱۹۰۵ء'' نے فریاد داغ میں کیا ہے) ان کی وفات پر ایک طویل نظم لکھی تھی، جو رسالہ تحفہ حنفیہ پٹنہ میں شائع ہوئی تھی۔

شہزادہ امین شریعت، محقق زماں علامہ مفتی محمود احمد چشتی اشرفی رفاقتی اپنی کتاب ''تذکرہ علماء اہلسنت'' ص: ۱۵۳ مطبوعہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

''قاضی عبدالوحید صاحب کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے غیر معمولی عقیدت تھی، قاضی صاحب کے استاذ علامہ سید عبدالعزیز نے فاضل بریلوی کے حق میں بعض نالائم الفاظ نکالے، جس کا علم قاضی صاحب کو ہوا، نتیجتاً علامہ سید عبدالعزیز وطن واپس چلے گئے، فاضل بریلوی قدس سرہ بھی آپ سے بہت محبت کیا کرتے تھے، آپ کے مرض الموت میں عیادت کیلئے پٹنہ تشریف لے گئے اور علاج اپنے ہاتھ میں لے لیا، ماہ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جنازہ کی امامت فرمائی، چہارم کر کے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ بریلی شریف واپس ہوئے۔

ضیغم رضا علامہ محمد لعل خاں کلکتوی

مولانا محمد شاہد القادری

جنرل سکریٹری مجلس علمائے اسلام بنگال

حضرت مخدوم بنگال شاہ علاء الحق چشتی پنڈوی رضی اللہ عنہ کا بنگال، جس سرزمین پر لاکھوں بندگان خدا پیوند خاک ہیں اور ایک عالم ان سے فیضیاب ہو رہا ہے۔ اسی بنگال کی راجدھانی کلکتہ ہے، جسے عظیم تجارتی شہر ہونے کا مقام حاصل ہے۔ انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے بہانے اسی شہر پر پہلا پڑاؤ ڈالا اور ہندوستان پر ناجائز قبضہ کرنے کے لئے اسی شہر کو دارالسلطنت بھی بنایا۔

سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا فیض ساری دنیا پر برس رہا ہے، مخلوقان خدا اس فیضان سے دامن گھر بار کو بھر رہے ہیں۔ کلکتہ میں بھی سیدنا اعلیحضرت کا فیض جاری ہے اور اس فیضان کے منبع ضیغم رضا خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ محمد لعل خاں رضوی مدراسی کلکتوی ہیں.

ولادت و تعلیم و تربیت: حضرت علامہ مولانا الحاج محمد لعل خاں قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ایک علمی اور متدین گھرانے میں ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی جناب محمد قاسم خان صاحب کا شمار شہر مدراس میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص میں ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے لخت جگر نور نظر کو بھی عصری علوم سے لیس کیا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، علاقائی اسکول میں میٹرک کر کے مدراس یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور اعلیٰ نمبروں سے ممتاز قرار دیئے گئے۔ چونکہ گھرانہ مذہبی تھا اور اہل خانہ بزرگان دین سے لگاؤ رکھنے والے تھے اور والدہ ماجدہ سے بارہا سرکار رسالت مآب ﷺ کا ذکر جمیل، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کا تذکرۂ مبارکہ، سیدنا غوث اور سیدنا خواجہ پاک کی حیات طیبہ کے گوشے سنا کرتے تھے، اسی لیے بچپن سے دینی ذہن بنا ہوا تھا۔ جب آپ نے عملی دنیا میں قدم رکھا تو مزید دینی شعور میں بالیدگی پیدا ہوگئی۔ آپ فرماتے تھے کہ ”ہمارے گھر پر ایام مقدسہ میں نورانی محفل سجا کرتی تھی، گھر پر قسم قسم کے پکوان تیار ہوتے تھے، پڑوسی اور احباب تشریف لاتے، ختم غوثیہ اور ختم خواجگان کے مبارک مواقع پر پر تکلف انواع و اقسام کے کھانے کا اہتمام والدین کرتے تھے۔ بالخصوص عید میلاد النبی ﷺ کے پر بہار موقع پر نئے نئے کپڑوں میں ملبوس ہوتے، گویا کہ پورا ماحول عید جیسا لگتا تھا، ہم عمر بچے قسم قسم کی مٹھائیاں کھا کر جھوما کرتے تھے۔“

ترک ملازمت: اردو انگریزی تعلیم پانے کے بعد

۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء میں اٹھارہ برس کی عمر میں فوج میں محرری کے عہدہ پر تعین ہو کر برما کی جنگ میں شریک ہوئے، دوران جنگ آپ کے دل میں اسلامیات اور کتب سیرت کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، تو اس سلسلہ میں شمس العلما حضرت علامہ غلام رسول مدراسی رحمۃ اللہ علیہ سے چند کتب منگوائی، علامہ موصوف نے آپ کی تسکین ذوق کے لئے ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء میں "اکسیر ہدایت، حکایات الصالحین اور کنز الدقائق" وغیرہ کتب روانہ کئے۔

"اکسیر ہدایت" کے مطالعہ کے دوران رزق حلال کا بیان پڑھ کر دل ملازمت سے اچاٹ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ جونہی پلٹن واپس ہندوستان پہنچے گی تو ملازمت کو خیر باد کہہ دوں گا، مگر والدہ صاحبہ کے ساتھ دیگر اہل خانہ رضامند نہ ہوئے، جب ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۹۰ء میں پلٹن واپس مدراس سے سکندر آباد گئی، تو آپ اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا محی الدین ویلوری قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "یہ روزگار جو میں کرتا ہوں کیسا ہے؟" انہوں نے ارشاد فرمایا "حرام ہے" عرض کیا "میں اسے چھوڑ دوں" فرمایا "ہاں" آپ اس وقت کچھ مقروض تھے، اور صرف پچیس (۲۵/روپئے) روپیہ تنخواہ تھی، آپ نے کوشش کر کے چھ ماہ میں قرض ادا کر دیا اور ملازت سے سبکدوش ہو گئے۔ (تذکرہ خلفاا علیٰ حضرت، ص: ۳۱۷)

شہر کلکتہ آمد: ترک ملازمت کر کے ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء میں سفر حج بیت اللہ اور زیارت روضہ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں واپس تشریف لا کر کلکتہ میں مقیم ہو گئے اور آپ نے تجارت شروع کی، زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں تجارت کا وسیع کاروبار تھا، آپ ایک عرب تاجر محمد یوسف صاحب کے شریک کار تھے، کلکتہ سے عرب ممالک میں چاول وغیرہ برآمد کرتے، (تذکرہ خلفاا علیٰ حضرت، ص: ۳۱۷)

آپ کے نواسے جناب غلام سمنانی خاں (مقیم علی گڑھ) کی روایت ہے کہ "میرے نانا جان کی زبان پر ہر وقت یا صاحب الزمان ادرکنی کا ورد رہتا تھا، اسی وجہ سے ان کے تجارتی جہاز جاتے ہوئے بموں کے دھاکوں سے محفوظ رہتے تھے، جب کہ دوسرے تاجروں کے جہاز بموں کی وجہ سے چکنا چور ہو جاتے تھے، یہ واقعہ عالمی جنگ کے زمانے کا ہے" (ایضاً ص: ۳۲۰)

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی لکھتے ہیں "اچانک کلکتہ سے تار آیا، جس میں ملک العلما کی طلبی تھی، تار بھیجنے والے الحاج محمد لعل خاں مدراسی تھے، الحاج مدراسی مولد اُویلور (مدراس) کے تھے، موطناً کلکتوی تھے، نہایت دیندار تجارت پیشہ تھے، ملکی وغیر ملکی سامان تجارت کی آمدات و برآمدات میں ان کے چار جہاز دریاؤں کی لہر پر رواں دواں رہا کرتے تھے، وہ امام احمد رضا کے محب تھے، مداح بھی، ممدوح بھی، خلیفہ بھی، سپہ سالار بھی، وہ باقاعدہ سند یافتہ عالم دین نہیں تھے، دست قدرت کے تربیت یافتہ تھے، امام احمد رضا کے صحبت یافتہ تھے" (جہان ملک العلما ص: ۲۶۸)

حج و زیارت: ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء میں سفر حج بیت اللہ اور زیارت روضہ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے، دوران حج آپ بہت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید و مستفیض ہوتے رہے، خصوصاً حضرت علامہ سید شاہ معصوم بجنوری دہلوی عرف جوتے شاہ اور حضرت گوہر علی شاہ ٹونکی علیہما الرحمہ سے فیض حاصل کیا۔ (تذکرہ خلفاا علیٰ حضرت، ص: ۳۱۷)

خدمات جلیلہ:

(الف) **تعلیمی خدمات:** آپ نے علوم نبویہ کی اشاعت اور فکر رضا کی تشہیر کے لیے ایک علمی قلعہ بنام ''مدرسہ عثمانیہ'' بیادگار مرشد سرکار غریب نواز حضرت سیدنا شاہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ ۱۳۳۴ھ میں مرشد برحق سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں کلکتہ کے زکریا اسٹریٹ میں قائم فرمایا۔ مغربی بنگال میں جماعت اہلسنت کا یہ پہلا مدرسہ تھا، یہ مدرسہ معیار تعلیم کی بنیاد پر عروج پر تھا، جس میں مقامی اور بیرونی طلباء قیام پذیر تھے۔ خورد و نوش کا معقول انتظام تھا۔ علامہ کلکتوی نے تعلیمی معیار کو مزید مستحکم کرنے کے لیے سیدنا اعلیٰ حضرت کے توسل سے خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ سید غیاث الدین رضوی سہسرامی علیہ الرحمہ کو بحیثیت صدر المدرسین مقرر کیا۔ اس مدرسہ میں مروجہ کتب کے علاوہ تصوف کی بھی کتابیں داخل نصاب تھیں، جن میں مکتوبات صدی کو اول درجہ حاصل تھا۔ حضرت علامہ کلکتوی کے بھتیجے مولانا عبد العزیز کلکتوی علیہ الرحمہ جو اس وقت مدرسہ عثمانیہ میں زیر تعلیم تھے، آپ نے فرمایا کہ ''اس وقت مدرسہ میں دور دراز کے طلبا زیر تعلیم تھے، حضرت علامہ غیاث الدین سہسرامی کی آمد سے مدرسہ کا تعلیمی غلغلہ بنگال کی سرحدوں کو پار کر گیا۔ مالدہ، مرشد آباد، دارجلنگ، دیناجپور، بردوان، سلہٹ، کھولنا، جہانگیر پور، اڑیسہ، بہار اور آسام کے طلبا علمی سیرابی کے لیے تشریف لاتے تھے، گویا کہ یہ مدرسہ اپنے زمانے کا بنگال میں اہلسنت کا علمی مرکز بن گیا تھا۔ حضرت حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا علیہ الرحمہ نے اپنے قدم ناز سے اس مدرسہ کو سرفراز فرمایا اور مجھ کمتر کو شرف بیعت کی دولت سے مالا مال فرمایا''۔

(ب) **تحریکی کار نامے:۔** مسلک اہلسنت اور پیغام رضا کی تبلیغ کے لیے حضرت علامہ محمد لعل خاں کلکتوی علیہ الرحمہ نے ۱۳۳۴ھ میں سرزمین کلکتہ پر ''انجمن اصلاح عقائد'' کے نام سے ایک فعال تنظیم قائم کی۔ اس انجمن کے بینر تلے حضرت علامہ کلکتوی نے تبلیغی اور ملی کارنامے انجام دے کر اہلسنت و جماعت کو سربلندی عطا کی۔ ۱۳۳۴ھ کا واقعہ ہے کہ ایک دیوبندی مولوی ولی اللہ نام کا اہلسنت کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جماعت اہلسنت کا ایک وفد حضرت علامہ کلکتوی کے پاس پہنچا، آپ نے اس وفد کو ہمت دلاتے مناظرہ کے چیلنج کو قبول کا حکم صادر فرمایا۔ آپ نے رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ میں مرشد برحق سیدنا امام احمد رضا کو ایک خط روانہ کیا اور پوری تفصیلات سے آگاہ فرمایا۔ سیدنا اعلیٰ حضرت نے حضرت ملک العلماء بہاری علیہ الرحمہ کو ۲۰؍ روپے کرایہ عنایت فرما کر شوال ۱۳۳۴ھ میں کلکتہ روانہ فرمایا۔ ادھر علامہ محمد لعل خان مدراسی کلکتوی نے تیاریاں شروع کر دیں۔ علما اہلسنت کی ایک میٹنگ ''انجمن اصلاح عقائد'' کے بینر تلے زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں طلب کی۔ مختلف مداریوں سے علما کرام کو آگاہ فرمایا اور جلی حرفوں کے ساتھ قد آدم مناظرے کا پوسٹر پورے شہر میں شائع کر کے دیوبندیوں کے کچھار میں ہلچل پیدا کر دیئے۔ وقت مقررہ سے دو دن قبل حضرت ملک العلما کلکتہ تشریف لائے، آپ نے اپنے رفیق محترم علامہ کلکتوی سے حالات کی آگاہی چاہی اور پوری تفصیلات سے واقف ہوئے۔ دیوبندی مولوی ولی اللہ کو جب حضرت ملک العلما بہاری کی آمد کی خبر ملی تو وہ راتوں رات کلکتہ سے فرار ہو گیا، حضرت ملک العلما خود فرماتے ہیں ''سارا جوش ٹھنڈا ہو گیا، اب کس میں مناظرے کی

دم ہے، یہ اعلیٰ حضرت کی دعا کا اثر ہے"اس مناظرے کی مفصل کیفیت جناب حاجی عبدالرحمٰن (ماڑواری کل، شمالی ۲۴ر پرگنہ) نے "گنجینۂ مناظرہ" کے نام سے ۱۳۳۴ھ میں شائع کر دیا۔

(ج) **تصنیفی خدمات**:۔آپ نے فکر رضا کی ترسیل کے لیے تحریری خدمات بھی انجام دی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) سوانح ملک العلما:۔ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب تحریر فرماتے ہیں"دوسری تحریر ملک العلما کی مختصر سوانح ہے، تاریخی اعتبار سے یہ تحریر سب سے قدیم تھی، جو حضرت ملک العلما پر پہلے پہل لکھی گئی ہے، جس کا زمانہ ۱۳۳۳ھ یا ۱۳۳۴ھ۔ لکھنے والے حضرت والحاج مولانا محمد لعل خان مدراسی ثم کلکتوی ہیں۔مولانا کلکتوی اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ہیں، ملک العلما کے محب و معاصر ہیں۔تاریخ تحریر اور محرر ہر دو اعتبار سے یہ تحریر نہایت بہت اہم ہے"

(۲) **تاریخ وھابیہ**:۔بدنام زمانہ گستاخ رسول و اہل بیت محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک وہابیت کی مختصر تاریخ ہے۔آپ نے اس کتاب کے ذریعے وہابیوں کی حقیقت آئینہ کی طرح قوم کے سامنے رکھ دی ہے۔

تاریخ وھابیہ پر تقریظ: خلیفہ اعلیحضرت علامہ مفتی محمد اسماعیل محمود آبادی علیہ الرحمہ نے ماحی بدعت حضرت علامہ منشی محمد لعل خاں مدراسی کلکتوی علیہ الرحمہ کی عظیم تصنیفی شہکار"تاریخ وہابیہ" پر بہت ہی پرمغز تقریظ تحریر فرمائی ہے۔اس تحریر سے جہاں اس کی کتاب اہمیت اجاگر ہوتی ہے وہیں یہ تحریر آپ کی نثر نگاری کا عمدہ نمونہ بھی ہے۔

تاریخ وہابیہ پر تقریظ جلیل ملاحظہ فرمائیں:۔

الحمدللہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، امابعد!

سگ درگاہ قادری محمد اسماعیل حنفی چشتی محمود آبادی حضرات اہل سنت کلکتہ کی خدمت میں خصوصاً اور برون کلکتہ کی جناب میں عرض گزار کہ کتاب تاریخ وہابیہ دیوبندیہ مرسلہ مرتبہ برادر دینی ویقینی کرم فرمائے احباب عالی جناب منشی حاجی محمد لعل خان صاحب سنی حنفی رضوی مدراسی مطبوعہ کلیمی پریس، مچھوابازار، کلکتہ جس میں ابتدأ مناقب امام الائمہ سراج الامۃ سید التابعین امام الاعظم وہمام الافخم الاقدم رضی اللہ عنہ، پھر دیگر حالات مختصراً فرق باطلہ مثل وہابیہ دیوبندیہ یعنی خوشہ چیناں دہلویہ نیز مجسمہ و معتزلہ، یغفوریہ، حکمیہ، قرامطہ اور خارجیہ کے میری نظر سے گزری، واقعی حاجی صاحب موصوف نے مسلمان بھائیوں کے ساتھ احسان فرمایا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عنی و عن سائر المسلمین خیرا جزا خیرا۔ یہ لوگ جس پر وہابیہ کا اطلاق کیا گیا فی الحقیقت مخرب دین متین حبیب رب العالمین ہیں۔نہ اس فرقے کو خدا کا خوف، نہ رسول اللہ ﷺ کی شرم، علما اہلسنت نے صدہا بے باکیاں اور گستاخیاں جو بارگاہ رسالت میں اس فرقے نے کیں، اپنی تصانیف عالیہ میں ظاہر فرمائیں۔جو احباب طالب دید ہوں اس تاریخ سے ان کے اسماء ملاحظہ فرما کر مسرور ہوں۔

برادران اسلام! مجھے بھی اس فرقہ سے گاہ گاہ اتفاق رہا ہے۔اور مناظرہ و مناقشہ سے ترقی ہو کر دور تک نوبت پہنچی، مگر اس فرقہ نے اصلاح نہ کی، اس گروہ کے بعض افراد نے توبہ بھی

کی، مگر جب اپنے جرگے سے ملے تمسخر واستہزا ہی کیا اور توبہ سے کنارہ کشی ہی کی۔ برادران ملت نہ اس سے میل جول حلال نہ مصاحبت ٹھیک، قرآن کریم کا ارشاد ہے واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین پر عمل کرنا ضروری ہے، یعنی اگر شیطان تمہیں بھلا دیں تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ پر ظاہر کہ اس فرقے سے ظاہر کون؟ یہ کتاب تاریخ مذکورہ اگر انصاف سے دیکھی جائے اور پھر محبت واطاعت تعظیم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا موازنہ کیا جائے تو فوراً منصف کمر ہمت باندھ کر توبہ ان شاء اللہ وہابیت سے کر ہی لے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول خلائق کر کے مسلمانوں کو بدمذہبوں کی شر سے محفوظ ومحصون رکھے، ختم اللہ لنا ولکم بالخیر والحسنیٰ ووفقنا لمایحب ویرضیٰ واحشرنا فی ظلال حمایات اولیاء المقربین وتحت لوائی سید المرسلین وصلوۃ اللہ وسلامہ علیٰ خاتم النبیین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، برحمتک یاارحم الراحمین۔

محمد اسماعیل سنی قادری رضوی محمود آبادی۔ ۴/ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ۔

(۳) فتاویٰ بر عقائد وہابیہ و دیوبندیہ: اس کتاب میں علامہ کلکتوی نے وہابی علماء اور دیوبندی علما کے عقائد فاسدہ کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں اکابر اہلسنت کے فتاویٰ کو شامل کر کے اس کتاب کی اہمیت کو مزید اجاگر فرمایا ہے۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۳۳۵ھ

(۴) مخزن ہدایت: ۔اس کتاب میں آپ نے سنت رسول اور اسلامی اخلاق وآداب کا تذکرہ کیا ہے جو در اصل انجمن اصلاح عقائد کے بینر تلے اصلاح عقائد و اصلاح معاشرہ کی تحریک چلی تھی۔ اسی کا پیغام تھا۔

(۵) خزانۂ کرامت۔ مطبوعہ پٹنہ ۱۳۲۴ھ

(۶) یک گزوسہ فاختہ بیمناک۔

اس کے علاوہ آپ نے بہت سے مضامین تحریر فرمائی ہیں جو "ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ" اور "ماہنامہ الرضا بریلی شریف" کی زینت بنے ہیں۔

(د) اشاعتی خدمات: ۔حضرت علامہ محمد لعل خاں کلکتوی نے اپنی جیب خاص سے مرشد برحق سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ اور علما اہل سنت کی پچاسوں سے زائد کتابیں اشاعت کر کے تقسیم کروائی ہے، ان میں چند کتابیں یہ ہیں:۔

(۱) تدبیر فلاح ونجات: ۔علامہ کلکتوی نے مسلمانوں کی زبوں حالی کا ذکر کرتے ہوئے بارگاہ سیدنا اعلیٰ حضرت میں ایک استفتاء کیا۔ حضرت محدث بریلوی نے اپنے چہیتے کی دلجوئی اور مسلمانوں کے فلاح وبہبود کے لیے ایک رسالہ "تدبیر فلاح ونجات واصلاح" کے نام سے قلم زد کیا۔ جو ۱۹۱۲ء میں پہلی مرتبہ آپ نے کلکتہ سے شائع کیا۔

(۲) مؤذن الاوقات: ۔حضرت ملک العلما نے ۱۳۳۵ھ میں یہ رسالہ قلم فرمایا، ہندوستان کے لیے ۱۲/درجہ عرض سے ۲۴/درجہ عرض تک، ۲۳/رسالوں کو مرتب کی ضرورت تھی، دس شہروں کے اوقات صلوۃ وصوم مختلف احباب کی ضرورت وفرمائش پر ان رسالوں کو تیار کیا گیا۔ جس میں کلکتہ کا عرض ۲۲/درجہ حسب فرمائش حضرت علامہ کلکتوی ایک رسالہ بنام "مؤذن الاوقات" معرض وجود میں آیا۔

(۳) **جواہر البیان**:۔ یہ کتاب الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان کا اردو ترجمہ ہے۔ حضرت علامہ کلکتوی علیہ الرحمہ کی فرمائش پر حضرت ملک العلما نے اردو میں ترجمہ کیا۔ علامہ کلکتوی نے ۱۳۳۳ھ میں اسے شائع کیا۔

سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے لٹریچر کی اشاعت میں حضرت حاجی (علامہ کلکتوی) صاحب کی خدمات بے مثال ہیں، حضرت صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی تفسیر ''خزائن العرفان فی تفسیر القرآن'' کی اشاعت میں بھی معاونت فرمائی (تذکرہ خلفا اعلیٰ حضرت، ص: ۳۲۰)۔

علامہ کلکتوی نے باقاعدہ علما اہل سنت کی کتابوں کی اشاعت کے لیے زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں ایک مطبع بنام ''مطبع اہلسنت وجماعت'' قائم فرمایا تھا۔

ردتحریک ندوۃ العلما: مجلس علما اہلسنت کلکتہ کی دعوت پر ۱۷ ر شعبان المعظم ر یکم دسمبر ۱۹۰۱ء علما اہلسنت کا قافلہ کلکتہ پہنچا، مجلس علما اہلسنت کلکتہ نے ہندوستان کے مختلف بلاد وامصار سے علما اہلسنت کو اظہار حق کے لئے مدعو کیا تھا، کیونکہ انہیں ایام میں ندوۃ العلما کا جلسہ کلکتہ میں ہونے والا تھا، علما اہلسنت جو ندوۃ العلما کے ابتدائی اجلاسوں میں شرکت کے بعد ارباب ندوہ میں غیر مقلدین کی شمولیت پر احتجاجاً ندوہ سے علیحدہ ہوگئے تھے، ہمیشہ ندوہ کے مفسدات سے عوام اہلسنت کو آگاہ کرتے رہے، اور اس ضمن میں سفر بھی اختیار کرتے رہے، اجلاس پٹنہ کے موقع پر علما اہلسنت نے ایک مرتبہ پھر ارباب ندوہ کو مناظرہ کی دعوت دی، لیکن ندوی حضرات نے کوئی جواب نہیں دیا، چنانچہ طے کیا گیا کہ اس دعوت کی کلکتہ کے اجلاس کے موقع پر تجدید کی جائے، اس سلسلے حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا کے خلیفہ حضرت الحاج منشی لعل محمد خاں قادری رضوی مدراسی نے جو کلکتہ میں مقیم تھے بڑا اہم کردار ادا کیا، اور اس اجلاس ندوہ سے قبل دعوت مناظرہ کو بصورت اشتہار شائع کرا کے نہ صرف تقسیم کیا بلکہ اخبارات میں بھی شائع کیا، جس کے جواب میں مولوی نظام الدین ندوی نے مناظرہ کی دعوت قبول کرتے ہوئے منصفین کے دو بنچوں کے قیام کی ضرورت پر زور دیا، چنانچہ علما اہلسنت کلکتہ نے آٹھ حکم مقرر کئے جن میں استاذ زمن علامہ احمد حسن کانپوری، علامہ شاہ عبدالوہاب لکھنوی، استاذ العلما علامہ ہدایت اللہ جونپوری، علامہ محمد امین احمد سجادہ نشیں مخدوم بہار، مولانا شاہ بدرالدین پھلواری، مولانا عادل کانپوری و دیگر علما شامل تھے۔ متکلمین ومنظرین میں حافظ بخاری علامہ شاہ عبد الصمد سہوانی، امام المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی، عید الاسلام علامہ عبدالسلام جبلپوری، مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی عظیم آبادی اور مولانا حکیم مؤمن سجاد کانپوری شریک تھے۔ مناظرہ کی یہ دعوت ۱۶ر اگست ۱۹۰۱ء کے اخبار نصرت الاسلام کلکتہ میں شائع کی گئی، چنانچہ ارباب ندوہ کلکتہ پہنچے، اجلاس اختتام پذیر ہوا، مگر مناظرہ کی یہ دعوت جسے ابتدأ قبول کرلیا گیا تھا بعد میں خاموشی کے ساتھ رد کردی گئی، جو علما اہلسنت کے لئے کلکتہ میں ایک بڑی کامیابی تھی مجلس اہلسنت کلکتہ کی دعوت پر جو علما اہلسنت کلکتہ پہنچے ان میں مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی، مولانا عادل کانپوری، مولانا شاہ عبدالصمد سہوانی، قاضی عبدالوحید عظیم آبادی، مولانا عبدالسلام جبلپوری، اور دیگر علما اہلسنت شامل تھے۔ اس موقع پر علما اہلسنت کے ایک وفد نے جس میں امام احمد رضا فاضل

بریلوی، اور حضرت محدث سورتی شریک تھے۔ علامہ خیر الدین کلکتوی دہلوی علیہ الرحمہ (پدر بزرگوار ابوالکلام آزاد) سے بھی ملاقات کی تھی۔ کلکتہ میں علما اہلسنت نے کئی روز قیام کیا اور عوام کو برابر مفاسد ندوہ سے آگاہ کراتے رہے (تذکرہ محدث سورتی، ص:۱۷۱ تا ۱۷۳)

کلکتہ میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی قیادت میں تحریک ندوہ کو جس قدر ناکامی ملی، چشم دید گواہ حضرت علامہ حسنین رضا خاں رضوی، بریلوی علیہ الرحمہ کی زبانی سماعت فرمائیں:۔

"ندوہ والے ان (بریلی شریف میں ذلت کے بعد) پسپائی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ جان چھوٹی لاکھوں پائے، کلکتہ پہنچ کر اپنی تحریک میں جان ڈالیں گے، تیسرے اجلاس کے لیے کلکتہ پہنچ گئے، بہت سے دیوبندی مولویوں کو بھی اکٹھا کرلیا اور ندوہ تحریک کے لیے ان کی بڑی تعداد کلکتہ میں جمع ہوگئی، امام بریلوی قدس سرہ جو ان کے حیلوں سے اچھی طرح واقف تھے، تحفظ دین وملت کی خاطر ان حالات میں کب ان کا پیچھا چھوڑنے والے تھے، آپ اپنی جماعت کے ساتھ کلکتہ پہنچ گئے اور پوری قوت کے ساتھ ندوہ والوں کو تنبیہ کی کہ ندوہ کی تحریک نے اسلام میں جو ترمیم وتنسیخ کی ہے اس پر ایک بار گفت گو ہوجائے اور فرقہ پرستی کی لعنت سے مسلمانوں کو بچایا جائے۔ اس قسم کی نئی جماعت بنا کر مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالی جائے، ساتھ ہی کلکتہ میں اہلسنت کے جلسے زور شور سے ہونے لگے۔ اصحاب ندوہ یہاں بھی ٹال مٹول کی پالیسی پر چلتے رہے۔ اور آخر یہ تجویز پاس کرنے پر مجبور ہوگئے کہ ندوۃ العلما کا پروگرام عامۃ المسلمین کے سامنے رکھ کر جب تک استصواب نہ کرلیں گے ہم دوسری طرف متوجہ نہیں ہونگے۔ اس جواب نے کلکتہ کے مسلمانوں کو ندوۃ العلما سے متنفر کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ندوہ کی اس تحریک کا سارا زور ختم ہوگیا" (ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی، مارچ ۱۹۷۳ء)

۱۳۲۱ھ میں علماء ندوہ کا جلسہ مدراس میں منعقد ہوا، علامہ مدراسی بغرض تبلیغ کلکتہ سے یہاں تشریف لائے، اور حضرت علامہ عبدالمجید ویلوری علیہ الرحمہ سے ساتھ مل کر بذریعہ تبلیغ لٹریچر رد ندوہ میں بھرپور کام کیا، جس میں اہلسنت کو کامیابی ملی، اور ندوی اپنے مذموم عزائم میں ناکام ہوئے۔ اس عظیم الشان کامیابی پر سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نےآپ کو مبارکباد دی، ذیل میں سیدی اعلیٰ حضرت کا گرامی نامہ نقل کیا جاتا ہے۔

بملاحظہ حامئ سنت ماحئ بدعت جناب منشی محمد لعل خان صاحب

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، اللہ عزوجل نے مدراس میں ندوہ مخذولہ پر آپ کو فتح بخشی، الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے علما دین کی طرف راجع کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں بے شمار نعمتیں اور اجر عطا فرمائے۔ اور آپ جیسے عالی ہمت، خادم سنت، ہادم بدعت اہلسنت میں پیدا فرمائے، آمین، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین آمین۔

میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ اور مولانا قاضی عبد الوحید صاحب اور مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی کی شان کا ایک ایک سنی بھی ہر شہر میں پیدا ہوجائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اہل سنت کا طوطی بول جائے۔

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

رجب المرجب ۱۳۲۱ھ

بیعت وخلافت: حضرت علامہ شاہ محمد لعل خاں

قادری رضوی برکاتی مدراسی کلکتوی علیہ الرحمہ مدراس کے مشہور ومعروف بزرگ مرشد برحق حضرت علامہ شاہ محی الدین قادری ویلوری قدس سرہ کے دست حق پرست پر مرید ہوئے۔آپ کی دینی، ملی مسلکی، تصنیفی، تحریکی، تعلیمی اور اشاعتی خدمات نے چودھویں صدی کے مجدد برحق سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے دل کو اس قدر سرور بخشا کہ بارگاہ مجدد اعظم سے اجازت وخلافت کی عظیم دولت سے سرفراز کئے گئے اور آپ کی عظمت کو اجاگر کرتے ہوئے یہ شعر تحریر فرمایا کہ۔

جو ہر منشی لعل پہ ہیرا
کھا مرنے کو منگاتے یہ ہیں

اور سیدنا اعلیٰ حضرت نے ایک مرتبہ اپنے پچاس خلفا کی ایک فہرست جاری کی، تو اس میں ۴۲ رواں نمبر پر تحریر فرمایا ''جناب حاجی مولوی منشی محمد لعل خان صاحب ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب حامی سنت ماحی بدعت ۲۲ رزکریا اسٹریٹ کلکتہ، ناصر ملت، ماحی بدعت، مجاز طریقت''

بارگاہ رضا میں پذیرائی: آپ سیدی اعلیحضرت کے شیدائی تھے، امام عشق ومحبت بھی آپ سے بے حد لگاؤ رکھتے تھے، ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۲ء میں بریلی شریف حاضر ہوکر مرشد اجازت حضرت محدث بریلوی کی زیارت سے مشرف ہوئے، سیدی اعلیٰ حضرت آپ کے کارنامے سے بہت خوش ہوتے تھے ایک مرتبہ فرمایا ''میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آپ (علامہ کلکتوی اور مولانا قاضی عبد الوحید صاحب اور (حجۃ العصر) مولانا وصی احمد محدث سورتی کی شان کا ایک ایک سخی ہر شہر میں ہوجائے تو انشاء اللہ اہل سنت کا طوطی بول جائے'' (مکاتیب رضا دوم، ص:۲۳۰)

حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ اپنے شاگرد رشید حضرت ملک العلما مفتی ظفر الدین رضوی بہاری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ''کلکتہ میں بھی ایک سنی عالم کی بہت ضرورت ہے، حاجی (علامہ کلکتوی) صاحب کو اللہ تعالیٰ برکات دے، تنہا اپنی ذات سے وہ کیا کیا کریں، سنیوں کی عام حالت یہ ہی ہو رہی ہے، جس کے پاس مال ہے انہیں دین کا کم خیال ہے اور جنہیں دین سے غرض ہے، افلاس کا مرض ہے، ورنہ کلکتہ میں دین کے لئے دو ہزار ماہوار بھی کوئی چیز نہیں، افسوس کہ ادھر نہ مدرس، نہ واعظ، نہ ہمت والے مالدار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں'' (ایضاً ص:۳۵۸)

آپ کی دینی خدمات کو سراہتے ہوئے حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں ''آپ (حضرت ملک العلما) اور مولانا حامی سنت ماحی بدعت حاجی محمد لعل خاں سلکما جو کچھ خدمت دین کر رہے ہیں، مولیٰ عزوجل برحمہ قبول فرمائے اور دو جہاں میں اس پر اجر جزیل عطا دے، اور ہمیشہ اعدائے دین پر منصور رکھے'' (ایضاً، ص:۳۵۹)

آپ کے نواسے جناب غلام سمنانی خاں لکھتے ہیں ''میرے نانا کے ہاں تعویذ لینے والوں کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا تھا، اور لوگوں کو گونا گوں فوائد حاصل ہوتے، ان کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی، لڑکی کی شادی سیٹھ عبد العزیز سے ہوئی تھی''

بارگاہ اعلیٰ حضرت سے تمغۂ خطاب:

سیدنا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے دوسرے محبین کے ساتھ ساتھ اپنے اس چہیتے خلیفہ کے لئے بھی القابات تحریر

فرمائیں ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

حضرت محدث سورتی کے لئے "الاسد الاسد الاشد"

حضرت قاضی عبدالوحید صاحب فردوسی عظیم آبادی کے لئے "ندوہ شکن ندوی فگن"، حضرت مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی کے لئے "شیر بیشۂ اہلسنت" حضرت حاجی محمد لعل قادری برکاتی رضوی مدراسی کلکتوی کے لئے "حامیٔ سنت ماحی بدعت" اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی کے لئے "تاج الفحول" کا خطاب تجویز فرمایا (فتاویٰ رضویہ ششم، ص:۳۶۶)

معاصرین واقران: امام المحدثین علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی (م ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۲ء) حافظ بخاری علامہ شاہ عبدالصمد پھپھوندوی (م ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء) شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی (م ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۸ء) حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۳ء) عید الاسلام علامہ عبدالسلام جبلپوری (م ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء) صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۵۸ء) صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۵۸ء) استاذ زمن علامہ احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) رئیس العلما علامہ عادل کانپوری (م ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء) عالم ربانی علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی (م ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء) رئیس المتکلمین علامہ سید سلیمان اشرف بہاری (م ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء) ملک العلما مفتی ظفر الدین رضوی بہاری (م ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی (م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء) عاشق رضا مولانا عبدالوحید عظیم آبادی (م ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء) استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی (م ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء) قدوۃ الفقہا علامہ مفتی محمد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۸ء) حکیم الاسلام علامہ حسنین رضا خاں بریلوی (م ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء)

وصال مبارک: آپ کا وصال مبارک ۱۳۳۹ھ/ ۲۱ جولائی ۱۹۲۱ء کو ہوا، حضرت مولانا غلام احمد اخگر امرتسری مرحوم (خلیفہ مجاز محدث علی پوری) نے یہ تاریخ وصال کہی۔

واحسرتا واحسرتا افتاد ہے یہ ناگہاں
ہر ایک کا دل مغموم ہے زار و حزیں پیر و جواں
صدمہ بڑا جانکاہ ہے ہر اک کے لب پر آہ ہے
احباب کے دل میں بھلا صبر و شکیبائی کہاں
وہ حامیِ دین نبی، پرہیز گار و متقی
وہ ماحی لامذہبی مرحوم حاجی لعل خاں
دار فنا سے چل دیے اور ہم کو صدمہ دے گئے
اللہ سے واصل ہوئے پائی حیات جاوداں
اعمال ان کے خوب تھے افعال خوش اسلوب تھے
اللہ کے محبوب تھے، اللہ ان پر مہرباں
کرتے اطاعت دین کی تبلیغ راہ متین کی
تائید روح امین تھی ان پہ دائم بے گماں
اللہ تجھ کو بخش دے اعلیٰ ہوں تیرے مرتبے
اور روح اقدس پر تیرے رحمت حق بیکراں
سال وصال ان کا ہے، اخگر ہی تھا سوچتا
آئی ندا، عالی لقب مرحوم حاجی لعل خاں
(۱۳۳۹ھ)

(ہفت روزہ "الفقیہ امرتسر شمارہ ۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ/ ۵/ اگست ۱۹۲۱ء")

❀❀❀

باب پنجم

مرکز اہل سنت کی دیگر عظیم شخصیات

استاذ العلماء مولانا حسنین رضا خاں بریلوی

مولانا شہاب الدین رضوی، بریلی شریف

ولادت: استاذ العلماء حضرت مولانا حسنین رضا خاں بن مولانا حسن رضا خان بن مولانا مفتی نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء میں محلہ سوداگران بریلی میں ولادت ہوئی۔

جائے ولادت: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے برادر حقیقی مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی کے دولت کدہ (موجودہ) واقع آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کے عقب میں پیدائش ہوئی اور اسی مکان میں حضور مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا خاں نوری بریلوی ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷ جولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق دنیا میں تشریف لائے۔

امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں بریلوی قدس سرہ نے محلہ جسولی املی والی مسجد بریلی (موجودہ محلہ ذخیرہ) سے جب اپنا مکان تبدیل کیا تو انہوں نے محلہ سوداگران کے اسی مکان میں سکونت اختیار فرمائی پھر تا حیات اسی مکان میں رہتے رہے۔

تعلیم و تربیت: مولانا حسنین رضا خاں بریلوی نے قرآن پاک اور دیگر ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور دار العلوم منظر اسلام بریلی میں داخل ہوئے۔ یہاں کے جید علماء اور ماہرین علوم سے اکتساب علوم و فنون کیا۔

مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا بریلوی آپ کے ہم سبق رفقاء خاص میں تھے اور عمر میں ان سے صرف چھ ماہ بڑے تھے آپ نے معقولات کی کچھ کتابیں رام پور جا کر مدرسہ ارشاد العلوم میں پڑھیں۔

امتحان میں امتیازی شان: مولانا قدس سرہ بلا کے ذہین تھے، تمام اساتذہ اور سالانہ ممتحن آپ سے بے حد خوش رہتے۔ مدرسہ منظر اسلام بریلی کے ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء کی سالانہ رپورٹ میں ممتحن نے آپ کو اور مفتی اعظم قدس سرہ کو ان کی محنت شاقہ، خوبی و خوش اسلوبی کی داد تحسین دی ہے۔ مولانا حسنین رضا خاں اور مفتی اعظم ایک ہی جماعت کے طالب علم تھے۔ امتحان لینے والوں میں علامہ وصی احمد محدث سوتی پیلی بھیتی، مولانا مفتی عبد السلام جبل پوری، مولانا شاہ سلامت اللہ مجددی رام پوری، مولانا ارشد علی رام پوری، مولانا حکیم شفیق الرحمن رام پوری، مولانا پرول ولایتی عظیم آبادی اور حافظ قاری بشیر الدین جبل پوری تھے۔

فراغت: مولانا قدس سرہ نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں بعمر اٹھارہ سال خداداد ذہانت، ذوق مطالعہ، لگن اور محبت اور اساتذہ

کرام کی شفقت ورافت، والدین وچچا کی توجہ کامل اور شیخ مکرم کے روحانی فیض کے نتیجے میں جملہ علوم وفنون منقول ومعقولات حاصل کر کے دارالعلوم منظر اسلام بریلی سے تکمیل وفراغت پائی۔

اساتذہ کرام: مولانا حسنین رضاخاں بریلوی کے دوران تعلیم بریلی اور رام پور کے اساتذہ درس میں ذیل کے نام ہی مل سکے۔(۱)اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی،(۲) مولانا حسن رضاخاں حسن بریلوی،(۳)مولانا مفتیار شاہ حسین مجددی فاروقی رام پوری،(۴) مولانا رحم الٰہی منگلوری،(۵) مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری،(۶) مولانا ظہور الحسین فاروقی رام پوری،(۷) مولانا عبدالعزیز، تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی،(۸) مولانا نورالحسین مجددی فاروقی رام پوری۔

درس و تدریس: فراغت کے بعد مولانا حسنین رضاخاں نے دارالعلوم منظر اسلام میں درس وتدریس کی مسند کو زینت بخشی اور ایک عرصہ دراز تک تشنگان علوم دینیہ کو فیضیاب کرتے رہے۔ اس تدریس کا سلسلہ تقریباً دس سال تک مسلسل چلتا رہا۔ آپ سے اکتساب علم کرنے والوں میں نامور علماء ومشائخ اور مناظر ہیں۔

علم وفضل: مولانا حسنین رضاخاں قدس سرہ کا سینہ علم کا گنجینہ تھا۔ مولانا سبطین رضاخاں بریلوی، مولانا غلام جیلانی اعظمی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’جس زمانہ میں حضرت درس دیتے تھے، معقولات کی بڑی بڑی کتابیں آپ کے پاس رہا کرتی تھیں، کبھی کبھی ایسا ہوا کرتا کہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے جاتے، ہفتہ عشرہ بعد شب میں واپس ہوتے اور صبح کو بغیر مطالعہ کیے درسگاہ میں تشریف لے آتے اور پڑھانا شروع کر دیا۔ مشکل سے مشکل سبق ہوتا، طلبہ جو اس وقت محنتی اور ذہین ہوتے تھے ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھار کرتے اور آپ سب کو یکے بعد دیگر مسکت اور تسلی بخش جواب دیئے جاتے اور دوران سبق محسوس نہ ہونے دیتے کہ بغیر مطالعہ پڑھا رہے ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ، آپ کے اخلاق حسنہ، اولیاء کرام کے حالات زندگی اور تاریخی واقعات کو اس خوبی سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس بیٹھنے والے جن میں وکلاء وبیرسٹران بھی ہوتے تھے وہ بھی آپ کی گفتگو پورے انہماک اور توجہ سے سنتے اور اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔

پاکستان کے مشہور قلم کار جناب مختار جاوید لاہوری نے مولانا حسنین رضا کو مشہور علمی وروحانی خاندان کا چشم وچراغ اور ملت کیلئے دردمند دل بتلایا ہے۔

سیاسی بصیرت: مولانا حسنین رضاخاں بریلوی جید عالم دین، فقیہ ومدبر کے ساتھ ساتھ بلند خیال سیاست داں تھے۔ سیاست کے پیچ وتاب سے خوب واقف تھے۔ آپ نے صالح سیاست اختیار کی اور وہ بھی قوم وملت کیلئے۔

آپ کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا، جس میں علماء ومشائخ کے علاوہ شہر وبیرون شہر کے بہت رؤسا، وکلاء بیرسٹران نیز سیاسی لیڈران، حکام ضلع، اعلیٰ افسران، امیر وغریب غرض کہ ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ مگر آپ کے علم وفضل کے دل سے معترف تھے ،اور آپ کا ادب واحترام پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے۔

ایک زمانہ میں مسلم لیگ کا زور ہوا اور ملک بھر میں متعدد طوفانی تحریکیں چلیں، آپ نظریاتی اعتبار سے مسلم لیگ کے حامی تھے، مسلم لیگ کی تنظیم کے انتخاب میں آپ کو ذمہ داران نے ضلع بریلی کا جنرل سکریٹری منتخب کیا، مسلم لیگ کے شباب

کے دور میں مولوی عزیز احمد خاں نے الیکشن لڑا جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے مگر بعد میں اپنی تمام تر ذمہ داریوں وعہدوں سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

تحریکات کا تعاقب: تحریک وہابیت کے خلاف آپ نے بے شمار مضامین تحریر فرمائے اور جلسہ وغیرہ میں تقاریر فرمائیں۔

تحریک وہابیت کی نوزائیدہ فتنے مثلاً دیوبندیت، نیچریت، قادیانیت، غیر مقلدیت وغیرہ اٹھنے والے فتنوں کے سدباب کیلئے شہزادگان امام احمد رضا بریلوی حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، مفتی اعظم مولانا مصطفی رضا خاں ودیگر علماء کرام کے ہمراہ فاضل بریلوی کا دست راست بن کر کام کرتے رہے۔ ۱۹۲۰ء میں جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جماعت رضائے مصطفی کی بنیاد ڈالی تو آپ نے سرگرمی سے کام لیا۔ جبکہ ایک سیاسی پلیٹ فارم جماعت انصار الاسلام کے نام سے خود بھی چلا رہے تھے۔ جماعت انصار الاسلام کا مقصد سلطنت عثمانیہ اور ترکوں کی اعانت ونصرت تھا۔

مولانا حسنین رضا خاں نے جمعیۃ العلماء ہند، خلافت کمیٹی، تحریک ترک موالات، تحریک ہجرت، ہندو مسلم اتحاد جیسی تمام تحریکات کا ڈٹ کر مقابلہ اور تعاقب کیا۔ ان تنظیموں کے مکروہ پروپیگنڈہ سے بے پرواہ ہو کر مردانہ وار میدان مقابلہ میں جمے رہے۔ جمعیۃ العلماء انگریز نواز جماعت تھی۔ دوسری طرف امام احمد رضا بریلوی اور ان کے خلفاء تلامذہ انگریزوں کے شدید ترین مخالف تھے۔

۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۹ھ/ ۲۲ مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ العلماء کی طرف سے بریلی شہر میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مسٹر ابوالکلام آزاد خصوصی طور پر مدعو تھے۔ جماعت رضائے مصطفی کی طرف سے مسٹر آزاد کا تعاقب کیا گیا اور اتمام حجت تامہ کے نام سے ستر سوالات کیے گئے اور عین جلسہ گاہ میں جا کر اسٹیج پر مسٹر آزاد، مولوی عبد الماجد بدایونی، مسٹر گاندھی ودیگر لیڈران کے خلاف تقریریں اور احتجاج کیا۔ اس وفد میں مولانا حسنین رضا خاں بریلوی بھی شامل تھے۔ انہوں نے خصوصیت سے لیڈران قوم پر وار کیے جس کا وہ لوگ کوئی جواب نہ دے سکے۔

اتباع شریعت اور علم دین کی تبلیغ:

اتباع شریعت اور حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت آپ کی حیات مبارکہ کا بہترین سرمایہ تھی۔ ان کو بے شمار احادیث زبانی یاد تھیں جنہیں وقتاً فوقتاً عوامی نشستوں میں بیان فرماتے تھے اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ حدیث شریف بیان کرتے ہوئے آپ کے قلب مبارک پر رقت طاری ہو جاتی اور آنسوؤں سے آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔

مولانا حسنین رضا خاں کو علم دین، خصوصاً قرآن پاک اور حدیث شریف سے گہرا لگاؤ تھا، اس دعویٰ کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ آپ نے اپنے تینوں فرزندوں کو دین ہی کی تعلیم دلوائی جبکہ بہترین مواقع آپ کیلئے تھے، مغربی تعلیم کیلئے فارن کنٹری بھی بھیج سکتے تھے مگر اسکول کی ابتدائی تعلیم تک نہیں دلائی اور آج بحمد اللہ تعالیٰ تینوں صاحبزدگان عالم، مفتی، محدث اور پیر طریقت ہیں جن سے ایک عالم فیضیاب ہو رہا ہے۔ مولانا سبطین رضا خاں بریلوی والد ماجد کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

"عزیز احمد خاں صاحب ایڈووکیٹ جو شہر بریلی کے ایک مشہور اور قابل وکیل تھے آپ

کے یہاں کے حاضر باش اور قدرے بے تکلف تھے، وہ کبھی کبھی کہہ دیا کرتے تھے کہ مولانا آپ نے سب بچوں کو نرا مولوی بنائے دیتے ہیں۔ کم از کم ایک کو تو انگریزی پڑھایئے...... تو آپ خوش اسلوبی سے ٹال دیتے اور فرماتے کہ ہاں انہیں نرا مولوی ہی بنانا ہے اور اسی میں فلاح ہے آپ کی اپنی اولاد کیلئے خصوصی دعا یہ ہوتی کہ اے رب کریم! تو ان سب کو دین کا سچا خادم، اور اعلیٰ حضرت کے علوم کا وارث بنادے اور ان سے دین کی وہ خدمت لے جس سے تو اور تیرے رسول راضی ہوں اور اس کے ساتھ ہی اپنے تمام اعزہ واحباب اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کیلئے دعا فرماتے تھے۔''

اشاعت علوم نبویہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خاطر آپ نے تمام اثرات وتعلقات اور مواقع کو بالائے طاق رکھ دیا کاش کہ یہی جذبہ آج کے علماء ومشائخ اور عامۃ المسلمین میں پیدا ہوجائے۔ پھر یہ ملت اسلامیہ کے پیروکاروں کی بے راہ روی اور غلط روش حرف غلط کی طرح مٹ جائے گی۔ مولانا حسنین رضا بریلوی کا یہ طریقہ قلب وجگر کو ہلا دینے والا ہے کیونکہ ان کا سینہ محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آئینہ تھا۔

خصوصیات: مولانا حسنین رضا خاں بریلوی میں خاندانی شرافت ونجابت، علمی قابلیت وصلاحیت کے علاوہ بے شمار خصوصیات پائی جاتی تھیں، خداداد ذہانت، زور قلم، حق گوئی وبے باکی، شگفتہ مزاجی، حسن اخلاق کے اعلیٰ مرقع، فیاضی طبع، سادگی، ایثار وقربانی، دینی وملی ہمدردی، مخلوق خدا کی خدمت کا جذبہ بیکراں وغیرہ وغیرہ...... یہ وہ خصوصیات ہیں جو آپ میں نمایاں طور پر پائی جاتیں۔

آپ کی طبیعت اتنی مرنج مرنجاں اور شگفتہ تھی کہ کیسا ہی مغموم انسان آپ کے پاس آتا لیکن تھوڑی دیر میں سارا رنج وغم بھول جاتا، ہر ماحول میں اپنے لیے گنجائش پیدا کر لینا اور بروقت وبرجستہ دماغ سے ایسی بات نکالنا کہ جو پورے ماحول پر اثرانداز ہو، اس میں کمال حاصل تھا۔ وہ اپنی تشہیر پسند نہیں فرماتے تھے، نام کو اہمیت دینے کے بجائے کام ہی کو اہمیت دیتے تھے۔ بقول مفتی محمد شریف الحق امجدی ''ان کا علم وفضل اوران کی ساری خوبیاں، ان کی سادگی میں پوشیدہ تھیں۔ شہرت ونام ونمود سے ہمیشہ دور ونفور رہے۔''

بیعت وخلافت: مولانا حسنین رضا خاں سلسلہ عالیہ قادریہ میں شیخ المسلمین حضرت شاہ سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ سے بیعت تھے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے چاروں سلاسل طریقت اوراحادیث مبارکہ کی اجازت سے نوازا تھا۔

انتقال: علماء کا استاذ، علم کا آفتاب ومہتاب مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ۹۱ر برس کی زندگی پاکر ۵ رصفر المظفر ۱۴۰۱ھ/ ۱۴ ردسمبر ۱۹۸۱ء بروز یکشنبہ کو دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ مولوی سید اعجاز حسین رضوی جو ایک معمر اور دیانتدار آدمی تھے، آپ کے غسل میں شریک تھے۔ قسم کھا کر کہا کہ دوران غسل مولانا حسنین رضا خاں کی زبان پر لفظ اللہ جاری تھا، جو میں نے ایک دفعہ خود سنا۔ **مزار شریف**: مولانا حسنین رضا خاں قدس سرہ کی تدفین آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ محلہ سوداگران بریلی میں عمل میں آئی۔

❁❁❁

مفسر اعظم ھند

علامہ شاہ ابراہیم رضا بریلوی قدس سرہ

مفتی محمد سلیم بریلوی، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام
مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

بریلی شریف کی مرکزی حیثیت:

امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دینی، مذہبی، مسلکی، علمی اور روحانی خدمات کی بنیاد پر بریلی شریف کو عالم سنیت میں مرکز اہل سنت کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے۔ یوں تو اعلیٰ حضرت کے گھرانے میں رشد و ہدایت، بیعت وارشاد اور فتویٰ نویسی کا سلسلہ آپ کے جد امجد سیدنا مفتی محمد رضا علی خاں علیہ الرحمہ ہی کے زمانے (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) سے باقاعدگی کے ساتھ جاری وساری تھا جس کو اعلیٰ حضرت کے والد ماجد امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے مزید استحکام بخشا مگر امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو نشان امتیاز عطا فرمایا۔ آپ کے دور میں آپ کے علم وفضل کی شہرت کی وجہ سے پوری دنیائے سنیت کے خطے خطے سے علماء، مشائخ اور عوام وخواص آپ کی طرف پروانہ وار کشاں کشاں آنے لگے حتیٰ کہ ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ جب علمائے اہل سنت کی مقتدر اور عبقری شخصیتوں نے آپ کو مجدد تسلیم کیا اور بریلی شریف کو اپنا مرکز مانا۔

ذات اعلیٰ حضرت سنیت کا نشانِ امتیاز:۔

سیدی سرکار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں قدس سرہ نے اپنی مخلصانہ، دینی ومذہبی، مسلکی ومشربی اور علمی وروحانی خدمات کے ذریعہ بریلی شریف اور خانوادۂ رضویہ کو نشان امتیاز بخشا اور اس طرح بخشا کہ ان کی ذات ہی خوش عقیدگی اور ٹھوس سنیت کی کسوٹی اور معیار بن گئی۔ اہل سنت نے امام اہل سنت کی بے مثال دینی خدمات کی وجہ سے بریلی شریف کو مرکز اہل سنت تسلیم کیا۔ اس دار فانی سے امام اہل سنت کے کوچ کر جانے کے بعد اُن کے دونوں شہزادگان حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں اور تاجدار اہل سنت سیدی سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مرکز اہل سنت بریلی شریف کی مرکزیت کو ہر جہت سے مضبوط و مستحکم کرنے کا زریں کارنامہ انجام دیا۔ حضور مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں علیہ الرحمہ بھی شب وروز مرکز ومسلک کے استحکام میں مصروف رہے۔ سرکار مفتی اعظم ہند اور حضرت جیلانی میاں کے وصال کے بعد ریحان ملت حضرت علامہ مفتی محمد ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ نے خاندان اعلیٰ حضرت اور مرکز اہلسنت کی آن بان شان کو برقرار رکھا، ملک وبیرون ملک کے بیشمار دورے کر کے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کو فروغ بخشا۔ جن

ملکوں میں خانوادۂ رضویہ بزرگوں میں سے کوئی نہ پہنچا وہاں حضرت ریحان ملت ہی سب سے پہلے تشریف لے گئے۔ خاندان اعلیٰ حضرت کے بزرگوں میں سے، بیرون ملک کے اسفار سب سے پہلے حضرت ریحان ملت ہی نے شروع کئے۔ قدرت کی طرف سے اگرچہ انہیں بہت کم عمر نصیب ہوئی تھی مگر اس مختصر سی مدت میں انہوں نے مذہب و مسلک اور مرکز اہل سنت کی بے شمار خدمات انجام دیں۔ مرکز اہل سنت کو خوب سے خوب تر تقویت بھی پہنچائی اور اسے استحکام بھی بخشا۔ ہندوستان کے علاوہ پاکستان، نیپال، موریشس، افریقہ، ہالینڈ، امریکہ، سرینام جیسے بہت سے ممالک کا انہوں نے سفر کیا۔ ان خطوں اور ملکوں میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ترسیل و تبلیغ کے ساتھ سلسلۂ قادریہ، برکاتیہ، رضویہ کو بھی خوب فروغ بخشا۔ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت، یادگار اعلیٰ حضرت جامعہ رضویہ منظر اسلام میں بہت سارے تعمیری اور ترقیاتی کام کرائے۔

عہد اعلیٰ حضرت میں بریلی شریف کی مرکزیت:

اللہ تعالیٰ کا یہ خاص کرم ہے کہ اس نے شہر بریلی شریف میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کو پیدا فرما کر ہمارے اس شہر کو مرکز اہل سنت بنا دیا۔ ویسے تو اعلیٰ حضرت کے آبا واجداد بھی اپنے اپنے دور میں روحانی پیشوا اور دینی مقتدا تسلیم کئے گئے۔ اس لئے آپ کے جد امجد حضرت علامہ رضا علی خاں علیہ الرحمہ کو "قطب بریلی" کے نام سے یاد کیا گیا لیکن بریلی شریف کو دنیائے سنیت کا مرکز ہونے کا شرف امام اہل سنت کی بے لوث دینی و مسلکی خدمات کی بنیاد پر حاصل ہوا۔

عہد حجۃ الاسلام میں مرکز اہلسنت کا استحکام:

اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد محبین و معتقدین تو پُر امید تھے مگر حاسدین اور معاندین زیر لب تبسم ریز تھے کہ اب بریلی کی مرکزیت ختم ہو جائے گی کیونکہ اب ان کے مشن کو آگے بڑھانے والا اُن جیسا کوئی نہیں۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ مشیت خداوندی نے شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام، حضرت علامہ حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کو دین متین کی خدمت کے لیے منتخب فرما لیا جنہوں نے اپنی فکر و دانش، علم و عمل اور جد و جہد سے یہ ثابت کر دیا کہ بیٹا اپنے والد بزرگوار کی طرح تقدیس الوہیت اور تعظیم رسالت کا پرچم بحسن و خوبی بلند رکھنے کا اہل بھی ہے اور صالح بھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی دینی خدمات کے ذریعہ اسلام و سنیت کا بخوبی تحفظ بھی فرمایا اور اسلاف کرام خصوصاً اعلیٰ حضرت کے افکار و نظریات حقہ کو عام بھی کیا۔ سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کو بھی فروغ دیا اور بد مذہبوں کا بھی ہر محاذ پر مقابلہ کیا اور ردّ بلیغ بھی فرمایا۔

عہد مفتیٔ اعظم ہند میں مرکز اہلسنت کی بہاریں:

ان کے وصال کے بعد پھر مخالفین و معاندین کے دلوں میں یہ فتور جاں گزیں ہوا کہ اب بریلی کی مرکزیت ختم ہو جائے گی کہ حجۃ الاسلام جیسا اب اس خاندان میں کوئی نہیں۔ اب کون یہاں سے بریلی کی مرکزیت کو استحکام بخشے گا؟ مگر اللہ رب العزت نے انہیں کے دور میں اُن کے چھوٹے بھائی اور اعلیٰ حضرت کے چھوٹے شہزادے تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند کو اس عظیم دینی خدمت اور عشق رسول کے پیغام کو عام کرنے کے لیے منتخب فرما دیا۔ آپ اہل سنت و جماعت کے مقتدا تسلیم کئے گئے۔ آپ نے بھی خوب سے خوب تر مسلمانان اہل سنت کی ہر محاذ پر پیشوائی فرمائی۔

عہد مفسر اعظم ہند میں مرکز اہلسنت کی ارتقائی حیثیت:

حجۃ الاسلام کے بڑے شہزادے سرکار مفسر اعظم ہند حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ نے بھی اپنے چچا جان اور خسر محترم سرکار مفتی اعظم ہند کا دست وباز و بن کر ہر میدان میں اہل سنت کے پرچم کو بلند فرمایا، مرکز اہلسنت کو تقویت بخشی۔ اعلیٰ حضرت کی علمی یادگار منظر اسلام کو خوب سے خوب تر ترقیاتی راہ پر گامزن کیا، منظر اسلام کے تابناک ماضی کو اپنے عہد میں اپنا سب کچھ نچھاور کر کے نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ اس میں مزید سدھار ونکھار بھی پیدا فرمایا۔ خانقاہ رضویہ کے اوقاف کی بھی حفاظت فرمائی اور مرکز اہلسنت میں بے شمار علمی اور تعمیری کام بھی کرائے۔ اعلیٰ حضرت کی کتابوں کو طبع کرا کر دنیا کے خطے خطے میں پھیلانے کا بھی کارنامہ انجام دیا اور "لسان رضا" کی عملی تصویر بن کر ملک کے خطہ خطہ تک اعلیٰ حضرت اور اپنے مشائخ کرام کے پیغام کو عام کر کے جماعت اہلسنت کی مضبوط قیادت بھی فرمائی اور ان کے عقائد و معمولات کی حفاظت و پاسبانی کے لئے حتی الامکان کوششیں بھی فرمائیں۔

عہد ریحان ملت میں مرکز اہلسنت کی شان:

ان دونوں بزرگوں کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد پھر حاسدین کی باچھیں کھل گئیں اور دشمنان اہل سنت بغلیں بجانے لگے کہ اب بریلی شریف میں کوئی نہیں رہا جو اہل سنت کی پیشوائی کرے اور عقائد اہل سنت کی ترویج واشاعت کا کارنامہ انجام دے۔ مگر قدرت نے ایک بار پھر ان کے ارادوں کو اور ان کی باطل تمناؤں کو خاک میں ملا دیا کہ جب بریلی شریف کی مسند سجادگی پر ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان متمکن ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمی سطح پر مسلک اعلیٰ حضرت کا پرچم بلند فرمایا۔ مرکز کی آن بان شان کے لئے حضرت ریحان ملت کے جو کارنامے ہیں وہ بلاشبہ آبِ زر سے لکھ کر دنیا والوں کے سامنے لائے جانے کے لائق ہیں۔ ان شاء اللہ بہت جلد دنیا ان کی خدمات کو سینۂ قرطاس پر دیکھے گی۔

عہد حاضر میں مرکز اہلسنت کی حیثیت:۔

حضرت ریحان ملت کے وصال کے بعد جہاں خانقاہ عالیہ رضویہ اور درگاہ اعلیٰ حضرت کے تعمیری اور ترقیاتی کاموں، بروقت اعراس کے انتظامات، ملک و بیرون ملک سے مرکز اہل سنت میں حاضر ہونے والے مہمانوں کی بیشمار ضروریات کے اہتمام وانصرام اور اندرونی معاملات کی بحسن وخوبی انجام دہی کے لیے ریحان ملت کے شہزادے حضرت صاحب سجادہ حضور سبحانی میاں صاحب منتخب ہوئے۔ وہیں عالمی سطح پر مرکز اہل سنت کی مرکزیت، فقہ وفتاویٰ کے میدان میں اس کی خصوصیات، بدمذہبوں کے رد وابطال میں اس کی مثالی خوبیوں اور اس کے علمی امتیازات کے تحفظ و پاسبانی کے لیے اللہ رب العزت نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ اور بزرگان دین کے طفیل تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں علیہ الرحمہ کو منتخب فرما دیا۔ جنہوں نے ہر میدان میں اپنے بزرگوں اور اسلاف امت کے عقائد ونظریات کو مبرہن اور مدلل کرنے کے ساتھ خوب سے خوب تر اس کی ترویج و اشاعت کی۔ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کو ایسا فروغ بخشا کہ اتنا فروغ آج تک کسی کے ذریعہ سے نہ ہوا۔

اللہ کا بے پناہ احسان، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم صدقہ

اور بزرگانِ دین کا بے انتہا فیضان کہ خانوادۂ رضویہ کے افراد کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین وسنیت کی خدمات کا خوب سے خوب تر جذبہ عطا فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے موجودہ شاہزادگان میں سے ہر ایک اپنے اپنے طور پر مرکز ومسلک کی خدمات انجام دینے کے لئے ہر وقت کمر بستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ خانوادۂ رضویہ کی عظمت ورفعت کو قیامت تک باقی رکھے۔

خانقاہ رضویہ کے خانقاہی اختصاصات:

یوں تو خاندان اعلیٰ حضرت کی پہچان یہاں کے بزرگوں کی بے مثال دینی ومذہبی اور علمی خدمات کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ فقہ وفتاویٰ کے میدان اور عشق رسول کی حفاظت وپاسبانی کے سلسلہ میں اس خاندان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ان خدمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں رشد وہدایت اور بیعت وارشاد کے میدان میں بھی بے مثال امتیازات واختصاصات سے نوازا ہے۔ اس خاندان میں بیعت وارشاد اور خانقاہی رسوم کی ادائیگی شریعت وطریقت اور معرفت وروحانیت کی مکمل پاسداری کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس خاندان سے سلسلہ قادریہ اور صوفیانہ رسم ورواج کو جس قدر فروغ حاصل ہوا وہ بلا شبہ تاریخ تصوف کا ایک اہم اور روشن وتابناک باب ہے۔

رشد وہدایت، بیعت وارشاد اور خانقاہی رسوم کی ادائیگی کا سلسلہ اعلیٰ حضرت کے جد امجد سیدنا مفتی محمد رضا علی خاں علیہ الرحمہ ہی کے زمانے (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) سے باقاعدگی کے ساتھ جاری وساری تھا مگر سرکار اعلیٰ حضرت کے دینی ومذہبی بے مثال کارناموں کی وجہ سے پوری دنیائے سنیت کے خطہ خطہ سے علما، مشائخ اور عوام وخواص آپ کی طرف پروانہ وار کشاں کشاں آنے لگے، جس کی وجہ سے اس خانقاہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے متحدہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو بے حد عروج وارتقا حاصل ہونے لگا۔

خانقاہ رضویہ کا ایک جامع تعارف کراتے ہوئے استاذ گرامی وقار حضرت علامہ مفتی ڈاکٹر ارشاد احمد رضوی ساحلؔ شہسرامی تحریر فرماتے ہیں کہ:

> مرکز اہل سنت بریلی شریف کا خانوادۂ رضویہ دوسو سال سے امت مسلمہ کی قیادت اور سیادت کا فریضہ انجام دیتا آرہا ہے۔ اس خانوادۂ عالیہ میں سات پشتوں سے ولایت وکرامت کا تسلسل برقرار ہے، لیکن اسے عالمگیر شہرت اور مقبولیت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، عارف باللہ، قطب الارشاد، عاشق رسول، شیخ الاسلام والمسلمین، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ [۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء - ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء] کی ذات ستودہ صفات کی بدولت نصیب ہوئی۔ پھر سلسلۂ قیادت وسیادت اور شہرت ومقبولیت کو آپ کے شہزادگان حجۃ الاسلام، مرشد الانام حضرت علامہ شاہ محمد حامد رضا قادری [م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء]، مفتی اعظم قطب عالم شاہ مصطفیٰ رضا قادری [م ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء]، مفسر اعظم ہند حضرت ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں، مفکر اعظم

ریحان ملت حضرت علامہ مفتی ریحان رضا خاں اور نبیرۂ اعلیٰ حضرت تاج الشریعہ سراج الطریقہ قطب زماں قاضی القضاۃ فخر ازہر علامہ شاہ اختر رضا قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ (علیہ الرحمہ) اور موجودہ صاحب سجادہ نبیرۂ اعلیٰ حضرت، محسن قوم وملت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں ودیگر خانوادۂ اعلیٰ حضرت نے اپنی بے لوث دینی، علمی، روحانی، ملی خدمات کے ذریعہ تسلسل کے ساتھ باقی رکھا اور اس سلسلے کو عالمی سطح پر مزید وسعت بخشی۔

خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ برصغیر میں سلسلۂ قادریہ کو فروغ دینے والی ایک عظیم خانقاہ ہے۔ جس تناسب سے سلسلۂ قادریہ کا فروغ اس خانقاہ عالیہ کے ذریعہ ہوا اور ہو رہا ہے، وہ اپنے آپ میں بے نظیر ہے۔ براہ راست خانوادۂ رضویہ کے مشائخ طریقت کے ذریعہ سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ سے وابستہ ہونے والے افراد کی تعداد بارہ سے پندرہ کروڑ تک پہنچتی ہے اور آئے دن اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ سلسلۂ قادریہ رضویہ کی یہ وسعت صرف ایک صدی کی دین ہے۔ بعض دیگر خانقاہوں کی طرح اپنے خلفا کے مریدین کو خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ اپنے خانے میں ڈالنے کی قائل نہیں، ورنہ رضوی قادریوں کی تعداد میں کئی کروڑ کا مزید اضافہ ہو جائے۔

خانقاہ قادریہ رضویہ، بریلی شریف کی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں:

علم وفضل اور تصنیف وتالیف کی خوبیاں بہت سی خانقاہوں اور خانوادوں میں ملتی ہیں، لیکن جیسی وسعت، ہمہ گیری اور مقبولیت خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ کے مشائخ کی تصانیف عالیہ کو نصیب ہوئی، وہ اپنے آپ میں بے نظیر ہے۔ یہ خانقاہ تقریباً دو صدی کی مدت میں ڈیڑھ ہزار سے زائد نہایت قیمتی تصانیف امت مسلمہ کو نذر کر چکی ہے جن کی گراں قدری، ہمہ گیری، حوالہ جاتی حیثیت اور اشاعت کا پھیلاؤ اس قدر عظیم ہے کہ یہ بحر وبر کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ چکی ہیں اور کروڑوں کی تعداد میں چھپ کر یورپ، ایشیا، مشرق وسطیٰ، عالم عرب، آسٹریلیا اور افریقہ کے براعظم میں پھیل چکی ہیں۔ صرف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی مطبوعہ تصانیف تین سو سے زائد ہیں، کئی سو مخطوطات کی صورت میں ہیں اور نہ جانے کتنی گردش زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ حضرت حجۃ الاسلام کی بھی کئی تصانیف مبارکہ ہیں۔ حضرت مفتی اعظم قطب عالم قدس سرہٗ کی تصانیف کی تعداد تقریباً پچاس ہے۔ حضرت مفسر اعظم ہند کی تصانیف بھی ایک درجن سے زائد ہیں۔ حضرت تاج الشریعہ کی تصانیف مبارکہ ستّر سے تجاوز کر چکی ہیں جو عربی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ اور شائع ہو کر عالم عرب اور یوروپی ممالک میں پھیل چکی ہیں۔ یہ تصانیف عالیہ ملت اسلامیہ کے ایمانی تحفظ، علمی افادے اور روحانی بالیدگی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں اور ہر جگہ اہل سنت کے لئے حوالہ اور ماخذ کا کام دیتی ہیں۔ اسی بنیاد پر بریلی شریف کو اہل سنت کی مرکزیت نصیب ہے۔

نعت ومناقب کے مجموعے دیگر عالی خانقاہوں کے بزرگوں نے بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل فرمائی ہے جن میں سے بعض مجموعے اور کلام عوام اہل سنت میں خاصے مقبول اور رائج ہیں لیکن خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ کے مشائخ کے تحریر

فرمودہ مجموعہ ہائے نعت ومناقب کو جیسا قبول عام اور رواج دوام حاصل ہے، وہ اپنے آپ میں بے مثل و بے مثال ہے۔ یہ ان بزرگوں کی اللہ اور اس کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قرب خاص اور مقبولیت کی روشن دلیل ہے۔ اعلیٰ حضرت، استاذ زمن، حضرت حجۃ الاسلام، سرکار مفتی اعظم، حضور ریحان ملت اور حضرت تاج الشریعہ کے کلام کو اہل سنت کے درمیان لافانی مقبولیت حاصل ہے۔ صرف حدائق بخشش کے لاکھوں نسخے ہر سال شائع ہو کر محبان رسول کے ہاتھوں میں پہنچتے ہیں۔ کلام رضا اور سلام رضا کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ یہ ساری دنیا میں پورے ذوق وشوق کے ساتھ پڑھا اور سنا جاتا ہے، حتیٰ کہ جہاں اردو زبان جاننے والے عام طور سے نہیں ملتے، وہاں بھی یہ سلام روزانہ بعد نماز فجر اور میلاد شریف کی محفلوں میں پڑھا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ میں ایک ایسے ملک میں پہنچا جہاں زمین کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں اور صرف سمندر رہ جاتا ہے، اور وہاں کے لوگ اردو زبان سے بھی واقف نہیں، وہاں بھی میں نے فجر کی نماز کے بعد سلام رضا کا نغمہ اپنے کانوں سے سنا۔ بقول علامہ کوثر نیازی ”اذان کے بعد فضاؤں میں سب سے زیادہ گونجنے والا کلام اور نغمہ سلام رضا ہے۔“ جس سے ایمان کو بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔ **ذٰلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔**

عملیات کی دنیا میں بہت سے بزرگوں کی کتابیں موجود اور رائج ہیں لیکن جیسی مقبولیت ”شمع شبستان رضا“ اور ”مجموعۂ اعمال رضا“ کو ملی، وہ بے مثل ہے۔ بلا مبالغہ شمع شبستان رضا کی ہزار ہا ہزار جلدیں ہر سال فروخت ہوتی ہیں اور درجنوں طباعتی ادارے اسے شائع کرتے ہیں۔ ایک حاسد خانقاہ نے اس کے بالمقابل اپنی شبستان کی شمع روشن کی لیکن وہ شمع شبستان رضا کے بالمقابل بالکل پھیکی اور ماند رہی۔

سرکار اعلیٰ حضرت اور سرکار مفتی اعظم قطب عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مستخرجہ نقوش وتعویذات بھی پوری دنیا میں مقبول ومعروف ہیں اور آج بھی خلق خدا کی حاجت روائی اور دستگیری کرتے ہیں، بالخصوص اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا چراغ قادری اور سرکار مفتی اعظم قطب عالم قدس سرہٗ کا تحفۂ نوری، امت مسلمہ کے لئے لازوال تحفہ اور آسیب، سحر اور شر دشمناں کو دفع کرنے میں بعونہ تعالیٰ اکسیر ہے۔ بریلی شریف کے تعویذات ونقوش اور تعویذات پر مشتمل انگشتریاں افادیت، مقبولیت اور شہرت میں بے نظیر ہیں۔ یہ بھی اس خانقاہ عالیہ کی ایک عظیم ملی، دینی اور سماجی خدمت ہے۔

شریعت کی پابندی اور علم دین کا فروغ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ اور اس سے وابستگان کی خاص پہچان ہے۔ اسی لئے یہ خانقاہ اور اس کے منتسبین، متوسلین اور اس کی نیازمند خانقاہیں غیر شرعی رسوم وخرافات سے بالکل پاک اور جادۂ شریعت مصطفویہ پر پوری استقامت کے ساتھ جمی رہتی ہیں۔ عقیدے کا تصلب اور شریعت کا اہتمام اس خانقاہ عالیہ کی شناخت ہے۔ میرے ایک چشتی دوست نے دوران گفتگو مجھ سے بیان کیا کہ ”میں نے حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کے جتنے مرید بھی دیکھے، سب میں عقیدے کی پختگی کے ساتھ خشیت الٰہی کا عنصر خاص طور سے پایا۔“ یہ خانقاہ عالیہ رضویہ کے مشائخ کی بارگاہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت کی دلیل ہے کہ ان سے وابستہ ہونے والا بھی اللہ والا ہو جاتا ہے۔

خانقاہیت اور بیعت وارشاد کا ہمہ گیر اور وسیع ترین خداداد

سلسلہ، خانوادۂ رضویہ پر عنایات ربانی کا صرف ایک گوشہ ہے۔ اس خانوادۂ کریمہ کا اصل طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس نے دو صدی کے دوران ہر زمانے میں تحفظ ایمان وسنیت کا مشن جاری رکھا عشق مصطفیٰ کی شمع فروزاں رکھی، اس کی لو کبھی مدھم نہ ہونے دی، ناموس مصطفیٰ کی حفاظت کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہا۔ اسلام پر غیروں یا اپنا کہلانے والوں نے جب بھی نگاہ ترچھی کی، اساطین خاندان رضویہ نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اپنی مساعی جمیلہ سے اسلامی قدریں اس قدر محفوظ اور مستحکم رکھیں کہ ہلائے نہ ہلیں۔ اسلام وسنیت اور شریعت کے خلاف جس کے قدم بھی اٹھے، اس خانوادہ کریمہ نے پاسبانی اسلام کے فرائض پوری تندہی اور ذمہ داری سے ادا کئے۔ اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کسی بھی دنیاوی مصلحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تحریک قادیانیت، وہابیت، نیچریت، دیوبندیت، رافضیت، بہائیت، شمع نیازی، جاہل متصوفین کی ہر بے راہ روی کا تعاقب یہاں سے کیا گیا، انہیں دعوت اصلاح وتوبہ دی گئی۔ جنہوں نے بے راہ روی سے توبہ کرلی، انہیں سینے سے لگالیا گیا، ورنہ اہل سنت کو شرعی حکم کے مطابق ان سے رابطہ ختم کر لینے کی تلقین کی گئی۔ دین وشریعت کے معاملے میں اس خانوادے کا معیار اکھرا اور بے لوث ہے۔ یہاں دین اور خانقاہیت کے نام پر کوئی سیاست نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہوتا ہے، اس سے مقصود رضائے الٰہی کے حصول کے لئے دین وشریعت، اسلام و سنیت اور اکابرین تصوف کی روحانی قدروں کا تحفظ ہوتا ہے اور اس میں اپنے اور بے گانے کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت شمارہ ستمبر ۲۰۱۵ء)

مفسر اعظم ہند کے حالات زندگی کا اجمالی جائزہ:

تاریخ پیدائش:۔ حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کی پیدائش ۱۰؍ربیع الاول ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء کو ہوئی۔ حجۃ الاسلام کے یہاں یہ پہلی ولادت تھی جس کی وجہ سے پورے گھرانے میں کافی خوشیاں منائی گئیں۔ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''**تحنیک**'' جیسی پیاری سنت نبوی کے مطابق چھوہارے کی قانش چبا کر حضرت مفسر اعظم ہند کو کھلوائی۔ استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں کی زبان مبارک سے فی البدیہ ایک مصرعہ جاری ہوا جو ولادت مفسر اعظم ہند کا مادۂ تاریخ بن گیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ استاذ زمن کو فن تاریخ گوئی میں ملکہ حاصل تھا۔ یہ مصرعہ مندرجہ ذیل ہے۔ ع علم وعمر اقبال وطالع دے خدا

(۱۳۲۵ھ)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے شاندار اور تاریخ ساز عقیقہ کیا جس کا ذکر حیات اعلیٰ حضرت میں نہایت تفصیل سے کیا گیا ہے۔ خاندانی روایت کے مطابق یہ عقیقہ ''محمد'' نام پر کیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے اپنی کتاب ''مفسر اعظم ہند'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''آپ کا نام ابراہیم رضا حجۃ الاسلام نے تجویز فرمایا''، لیکن مفتی محمود احمد رفاقتی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''تذکرۂ علمائے اہلسنت'' میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ آپ کا یہ نام اعلیٰ حضرت کے شاگرد وخلیفہ حضرت مولانا سید محمد ابراہیم مدنی جو مدینہ طیبہ کے باشندے تھے اور اعلیٰ حضرت کے شاگرد وخلیفہ حضرت سید حسین مدنی علیہ الرحمہ کے بھائی تھے انہوں نے اپنے نام پر ''محمد ابراہیم'' تجویز فرمایا تھا۔ دونوں میں تطبیق کی صورت یوں ہو سکتی ہے کہ حجۃ الاسلام کو انہوں نے اس نام کا مشورہ دیا ہو اور پھر آپ نے یہی نام اپنے فرزند کا رکھ دیا ہو۔

تعلیم وتربیت:۔ خاندانی دستور کے مطابق جب آپ کی عمر چار سال چار ماہ چار دن کی ہوئی تو ۱۴؍شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ بروز چہار شنبہ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے علما ومشائخ اور دیگر احباب کی موجودگی میں حضرت مفسر اعظم ہند کی رسم بسم اللہ خوانی ادا کرائی اور اسی موقع پر آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں بیعت فرما کر بشرط علم وعمل اجازت وخلافت بھی عطا فرمادی جس کی تصریح حجۃ الاسلام نے اپنے رجسٹرڈ وقف نامہ میں کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اعلیٰ حضرت جیسے قطب وقت نے اپنی ہی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا: ’’میرا یہ پوتا میری زبان ہوگا‘‘۔ (مفہوما)

مفسر اعظم ہند نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی اہلیہ مکرمہ یعنی اپنی دادی صاحبہ اور اپنی والدہ ماجدہ سے ابتدائی تعلیم، ناظرۂ قرآن اور اردو کی ابتدائی کتابوں کی تکمیل فرمائی۔ سات سال کی عمر میں یادگار اعلیٰ حضرت جامعہ رضویہ منظر اسلام میں داخل ہوکر اس وقت کے اساتذہ منظر اسلام سے علوم اسلامیہ کی تحصیل فرمائی۔ مشکوٰۃ المصابیح خاص طور حضرت حجۃ الاسلام سے پڑھی۔ آپ کے زمانہ تعلیم ہی میں سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۳۴۰ھ؍۱۹۲۱ء میں وصال فرماگئے۔

فراغت ودستار بندی:۔ ۱۹؍سال کی عمر میں ۱۳۴۴ھ؍۱۹۲۵ء میں آپ نے جملہ علوم مروجہ اور درس نظامی میں شامل جملہ فنون کی تکمیل فرمائی۔ حضرت حجۃ الاسلام نے جماعت اہل سنت کے مقتدر علماء ومشائخ کی موجودگی میں آپ کی دستار بندی فرمائی اور اپنی نیابت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

عقد نکاح:۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بڑے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام اور چھوٹے شہزادے سرکار مفتئ اعظم ہند ہیں۔ قطب وقت اور مجدد عصر سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کی زبان مبارک سے یہ بات نکل چکی تھی کہ ع

حامد منی انا من حامد

اس وجہ سے یہ بات تو سو فیصد سچی ہونا ہی تھی کہ اللہ کے نیک اور مقرب بندے اپنے نیک کاموں سے اللہ کا ایسا قرب حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ جو کہہ دیں وہیں مثل صبح نمودار ہو جاتا ہے۔ حجۃ الاسلام ہی سے خاندان اعلیٰ حضرت کی بقا لکھی جا چکی تھی۔ یہ سلسلہ خاندان آپ ہی نسل سے چلنا تھا۔ ایک موقع پر مفسر اعظم ہند کم سنی کے عالم میں اپنے دادا جان اور وقت کے مجدد کی آغوش میں تھے۔ دوسری طرف آپ کے چھوٹے شہزادے حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی کم سن شہزادی بھی مجدد عصر کی بارگاہ میں موجود تھیں۔ دونوں ہی کی عمر بہت کم تھی اسی موقع پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے دونوں شہزادوں کو بلا کر اپنے پوتے اور پوتی دونوں کا نکاح فرمادیا۔ جب مفسر اعظم ہند کی عمر تقریباً ۲۲؍سال کی ہوئی تو مؤرخہ ۲۶؍ربیع الآخر بروز بدھ ۱۳۴۷ھ؍۱۹۲۸ء آپ کی سہرا بندی کی رسم ادا کی گئی۔ پھر بارات سرکار مفتئ اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں گئی، رخصتی عمل میں آئی۔ نیز ۲۸؍ربیع الآخر بروز جمعہ دعوت ولیمہ کا انعقاد ہوا۔ اس موقع پر شاندار جشن اور ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ اس جشن شادی کا دعوت نامہ منفرد انداز میں خود حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے منظوم شکل میں تیار فرمایا۔ اس جشن کے مادہ تاریخ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تہنیت شادی بلطف الٰہی (۱۳۴۷ھ)

(۲) جشن شادی ابراہیم رضا (۱۹۲۸ء)

مرکز اہلسنت کی ذمہ داریاں اور حجۃ الاسلام کی نیابت:

حجۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد پوری زندگی مرکز اہلسنت خانقاہ رضویہ، درگاہ اعلیٰ حضرت، رضا مسجد اور منظر اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے۔ مگر جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے مذکورہ بالا تمام اوقاف کے لیے ایک رجسٹرڈ وصیت نامہ تیار کیا جس میں آپ نے اپنے بعد اپنے بڑے شہزادے سرکار مفسر اعظم ہند حضرت مفتی محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ کو اپنا جانشین، نائب مطلق، خانقاہ رضویہ حامدیہ کا سجادہ نشین، منظر اسلام کا مہتمم اور رضا مسجد کا متولی نامزد فرمایا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی اپنی کتاب ''مفسر اعظم ہند'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''حجۃ الاسلام نے اپنے وصال ۱۷ر جمادی الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ر مئی ۱۹۴۳ء سے قبل اپنے دونوں صاحبزادگان مفسر اعظم حضرت محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں اور حضرت حماد رضا خاں نعمانی میاں رحمۃ اللہ علیہم کے لیے اپنی خلافت کا اعلان فرما دیا تھا اور اپنی وصیت کے مطابق حضور مفسر اعظم کو اپنا نائب مطلق، خانقاہ عالیہ رضویہ کا سجادہ نشین اور دار العلوم منظر اسلام کا مہتمم نامزد فرمایا تھا۔''
>
> (مفسر اعظم ہند ص ۱۸)

سرکار حجۃ الاسلام کی اسی وصیت کی قدرے وضاحت کرتے ہوئے مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم صاحب لطیفی استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام اپنی کتاب ''جہان ریحان'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''۱۹۳۸ء کی شام کاشانۂ اعلیٰ حضرت، گھر کے تمام افراد چار پائیوں پر تشریف فرما تھے، حجۃ الاسلام حامد رضا خاں نے فرمایا: میں نے اپنی وصیت تحریر کرادی ہے۔ تمام موجود اہل خانہ ہمہ تن گوش تھے۔ آپ فرما رہے تھے ''میرے بعد میرا فرزند اکبر محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں اور بعدہٗ، فرزند اصغر نعمانی میاں اور اس کے بعد ہمارا سجادہ نشین و متولی ریحان رضا ہوگا''۔ زمانہ حیران تھا کہ ریحان رضا ابھی صرف ۴ر سال کے ہیں اور حجۃ الاسلام نے ریحان رضا کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خانقاہ کا سجادہ نشین نامزد کر دیا''۔ (جہان ریحان)

مذکورہ بالا اقتباسات میں ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی صاحب مرحوم اور ڈاکٹر اعجاز انجم صاحب لطیفی نے حجۃ الاسلام کی جس رجسٹرڈ وصیت کا تذکرہ فرمایا ہے اس رجسٹرڈ وصیت نامہ اور وقف نامہ کی کاپی فقیر راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام نے مؤرخہ ۳۰ر اگست ۱۹۳۸ء کو یہ وقف نامہ اور وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا۔ یہ وقف نامہ مؤرخہ ۲ر ستمبر ۱۹۳۸ء کو بریلی تحصیل میں رجسٹرڈ

ہوا۔ حضرت جیلان میاں علیہ الرحمہ کی جانشینی سے متعلق اس رجسٹرڈ وصیت نامہ میں جو تصریحات ہیں انہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اس وقف نامہ میں ایک جگہ حضرت حجۃ الاسلام تحریر فرماتے ہیں کہ:

"انتظامِ تولیتِ خانقاہ شریف:۔ متولی وسجادہ نشین خانقاہ ہمارے بعد ہمارے دونوں فرزند یکے بعد دیگرے، "اکبر" بعدہ "اصغر" اور ان کے بعد ہمارا نبیرہ "ریحان رضا خاں سلمہ" صاحب سجادہ ومتولی ہوگا۔ ہمارے خلفِ اکبر "ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں" کو حضور پرُنور "اعلیٰ حضرت" قبلہ قدس سرہ نے اپنا "مجاز وماذون" بشرطِ علم فرمایا تھا اور خلف اصغر "حماد رضا خاں عرف نعمانی میاں" سلمہ کو مجھ مقرّ اول نے بشرط علم "اجازت وخلافت" دی اور اپنے نبیرہ "ریحان رضا خاں" سلمہ کو بھی "مجاز وماذون" کیا اور مجھ مقرّ اول نے اپنے داماد "مولوی تقدس علی خاں ولد سردار ولی خاں" سلمہ کو بھی "مجاز وماذون" کیا ہے"۔

(رجسٹرڈ حامدی وقف نامہ)

سرکار مفسر اعظم ہند ۱۷ / جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ / ۲۳ مئی ۱۹۴۳ء سے لے کر ۱۱ / صفر ۱۳۸۵ھ / ۱۲ جون ۱۹۶۵ء تک خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ حامدیہ کے سجادہ نشین ومتولی، رضا مسجد کے متولی اور منظر اسلام کے مہتمم اور دیگر اوقاف کے متولی رہے۔

دینی وعلمی خدمات:۔ آپ نے اپنے دور میں مرکز اہلسنت کی بے مثال خدمات انجام دیں۔ منظر اسلام میں مہتمم کے منصب پر رہ کر طالبان علوم نبویہ کی علمی پیاس بھی بجھائی اور اپنے دعوت وارشاد کے دوروں سے سنیت کو فروغ بھی بخشا۔ اعلیٰ حضرت کے پیغام کی ترسیل وتبلیغ کے لئے آپ نے ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا دسمبر ۱۹۶۰ء میں اجراء فرمایا۔ علامہ تقدس علی خاں علیہ الرحمہ جب ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے تو منظر اسلام کا انتظام وانصرام ڈومنی مسجد، محلہ ذخیرہ بریلی شریف کے رہنے والے فیاض نامی شخص کے حوالے کر گئے۔ اس شخص نے وقف بورڈ کے ذریعہ منظر اسلام کی تولیت کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۲ء کے درمیان وقف بورڈ میں یہ مقدمہ چلتا رہا۔ سروے انسپکٹر وقف بورڈ کے ذریعہ تفتیش وانکوائری ہوئی۔ اس نے حضرت مفسر اعظم ہند کی حمایت میں اپنی رپورٹ پیش کی تب وقف بورڈ نے یہ تولیت آپ کے حوالے کر دی۔ وقف بورڈ کے اس مقدمہ کے درمیان حضرت مفسر اعظم ہند کو بے شمار تکلیفوں، ذہنی الجھنوں اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا آخر کار اپنے اجداد کرام کی اس نشانی کو آپ نے تباہ و برباد ہونے سے بچا لیا۔ منظر اسلام جس حالت میں آپ کے پاس آیا وہ ناقابل بیان ہے۔ منظر اسلام میں تعلیمی سلسلہ موقوف ہو گیا تھا۔ آپ نے نہایت جد وجہد کے ذریعہ دوبارہ اس کو از سر نو شروع کیا۔ ذرائع آمدنی ختم ہو گئے تھے تب آپ نے اپنے نذرانے، گھر کے زیورات اور آبائی زمینوں کا غلہ وغیرہ سب قربان کر کے اس کے تعلیمی نظام کو استحکام بخشا۔ اعلیٰ حضرت کی کتابیں چھپواتے۔ ان کتابوں سے جو آمدنی ہوتی اسے منظر اسلام پر خرچ کر دیتے۔ اپنی کتابیں لکھ کر شائع

کرتے اور ان سے آنے والی رقم کو بھی منظر اسلام کے مصارف میں صرف فرما دیتے۔

منظر اسلام کے ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے آپ بیماری کی حالت میں بھی دور دراز کے سفر کرتے مگر اعلیٰ حضرت کی اس علمی یادگار پر خزاں کا موسم نہ آنے دیتے۔ اس سلسلے میں آپ نے کیسی مشقتیں برداشت کیں اس کا اندازہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں درج ''کوائف دار العلوم منظر اسلام'' کی سرخی کے ذیل میں دی گئی اس رپورٹ سے لگا سکتے ہیں۔

''باوجود سخت علالت کے نبیرۂ اعلیٰ حضرت (مفسر اعظم ہند) نے دعوت عرس پکھریرا خانقاہ رحمانی پر بنارس ہوتے ہوئے مظفر پور کا سفر کیا۔ اس سفر کا داعیہ یہ تھا کہ دستار بندی کے اس جلسے میں ۳۰ر طلبہ کی دستار بندی ہونا تھی۔ ۲۸ر طلبہ درجہ حدیث، دو حفاظ اور ۲۸ر طلبہ کی دستار کے ساتھ ''عبا پوشی'' کرنا تھی۔ بریلی میں حاسدین کی کشمکش سے انتظام مشکل تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اہل بنارس نے اس بات کو بخوشی برداشت کیا حالانکہ انہیں اور کام بھی تھے۔ ایک مقدمہ بھی تھا جو دیو بندی فتنہ کی پیداوار ہے۔ مسجد اہل سنت پر جس کی آمدنی اچھی ہے تولیت کا (دیابنہ بنارس کی طرف سے) دعویٰ ہے۔ اہل بنارس کا خود مدرسہ موجود ہے۔ ''مدرسہ حمیدیہ رضویہ'' پھر بھی اہل سنت بنارس نے جامعہ اعلیٰ حضرت (منظر اسلام) کی امداد کی کہ جبہ و دستار کا صرفہ اپنے ذمہ لے لیا۔ اس سفر میں ایک صاحب خیر نے پانچ سو روپئے بھی نذر جامعہ اعلیٰ حضرت کیئے''۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت دسمبر ۱۹۶۲ء رجب المرجب ۱۳۶۲ھ صفحہ نمبر ۳۰)

اس سفر میں آپ کی علالت کس قدر تھی اس کا اندازہ ذیل کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔

''اس سفر میں دو مرتبہ خطرے سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر بھی سفر جاری رہا۔ انجکشنوں سے تدارک کیا گیا۔ پوکھریرا دیہات ہے (ضلع مظفر پور بہار) یہاں خانقاہ رحمانی کا عرس تھا یہ خانقاہ اس اطراف میں مرکز اہل سنت ہے۔ نبیرۂ اعلیٰ حضرت (مفسر اعظم ہند) کی آمد پر یہاں ہمیشہ بڑا اجتماع ہوا کرتا ہے چنانچہ ہوا۔ زبان بندی (علالت اس قدر تھی کہ زبان بند ہوگئی تھی مگر منظر اسلام کی وجہ سے پھر بھی سفر کیا) کی وجہ سے تقریر سے معذوری تھی پھر بھی تقریر (تحریری شکل میں سنا کر) ہوئی۔ تحریری تقریر کو مولانا سلیمان صاحب باتھوی، مدرس مدرسہ رحمانیہ نے سنائی۔ الحمد للہ! اس سفر کا منشا (طلبہ کے جبہ و دستار کے انتظام کا مقصد) پورا ہوا۔ اس سپاہی کی مثال ایک مجاہد کی طرح ہے۔ جیسے اس کا داہنا ہاتھ

کٹ گیا ہو وہ بائیں ہاتھ سے جنگ کر رہا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف ہے اسی طرح یہ بھی۔ زبان سے تقریر نہیں ہو رہی تھی وہ ماؤف ہے تو قلم سے وہی کرتا رہا جو زبان کرتی تھی''۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت دسمبر ۱۹۶۲ء رجب المرجب ۱۳۶۲ھ صفحہ نمبر ۳۰)

ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا اجراء:۔

اعلیٰ حضرت کو صحافت کی اہمیت کا بخوبی احساس تھا۔ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی تعمیر و ترقی کے لئے آپ نے جو دس نکاتی فارمولہ سنیوں کے سامنے پیش فرمایا تھا اس میں ''اپنے رسائل و جرائد ہوں (مفہوما)'' یہ بھی ایک شق تھی جو بتاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی نگاہ میں صحافت کی کیا اہمیت تھی۔ آپ نے صرف منصوبہ ہی نہیں پیش فرمایا بلکہ عملی اقدام بھی کئے۔ تحفہ حنفیہ پٹنہ، الفقیہ امرتسر اور دبدبہ سکندری جیسے صحافتی ستاروں کو روشن و منور رکھنے کے لئے ہر طرح سے مدد کی۔ خود بریلی شریف میں آپ کے زمانے میں آپ کے چھوٹے بھائی استاذ زمن کی سرپرستی میں دو ماہنامہ اور ایک اخبار جاری ہوئے تھے۔ ماہنامہ ''قہر الدیان''، ماہنامہ ''بہارِ بے خزاں'' اور ہفت روزہ اخبار ''روز افزوں'' بہار بے خزاں کا رسم اجراء فروری ۱۹۰۳ء میں اور اخبار روز افزوں کا اجراء ۱۹۰۲ء میں ہوا تھا۔ ان کے علاوہ ۱۳۳۸ھ میں ماہنامہ الرضا جاری ہوا۔ جس کے مدیر علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ تھے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد جب یہ ماہنامہ بند ہو گیا تو حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے ۱۳۴۵ھ میں ماہنامہ یادگار رضا جاری فرمایا۔ یہ

ماہنامہ بھی حضرت حجۃ الاسلام کے وصال (۱۹۴۳ء) کے بعد بند ہو گیا۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۶۰ء تک مکمل خاموشی رہی۔ حضرت مفسر اعظم ہند کو اس کا بہت احساس تھا۔ وہ صحافتی اہمیت و افادیت کو بخوبی جانتے تھے۔ منظر اسلام کی تعمیر و ترقی کے لئے بھی آپ نے اس ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ عقائد اہلسنت کی ترویج و اشاعت کے میدان میں بھی ایک ماہنامہ کی شدید ضرورت آپ کے مدنظر تھی۔ اس لئے آپ نے جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ دسمبر ۱۹۶۰ء میں فروغ اہل سنت، اشاعت افکار رضا اور منظر اسلام کے عروج و ارتقا کے لیے ''ماہنامہ اعلیٰ حضرت'' جاری فرمایا۔ اس کے پہلے شمارے میں ماہنامہ کے اجراء کے محرکات کی وضاحت یوں فرمائی:

''عرصے سے ایک ماہنامہ رسالے کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اہلسنت کے پاس نہ رسائل و اخبارات خصوصاً ہندوستان میں، اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر طرف باطل کی سیاہ کالی گھٹائیں چھائی چلی جا رہی ہیں اور اس کی کوئی امداد نہیں ہو رہی ہے اس سلسلے میں کرنے کی ضروری چیز روزانہ اخبار، ماہنامہ رسائل اور مدارس اہلسنت کی بڑے پیمانے پر امداد ہے'۔

کچھ آگے فرماتے ہیں:

اس ضرورت کے پیش نظر یہ رسالہ شائع کیا جا رہا ہے۔ بہر حال ضرور شائع ہونا ہے۔ خدا نے چاہا مستقل شائع ہوگا۔ یہ رسالہ ایسے ہی چلے گا جیسا دار العلوم۔ ماہنامہ اعلیٰ

حضرت ان شاء اللہ خبر نامہ ہی ہوگا۔ ابھی تو ہلا
ل ہی ہے۔ ایک دن آئے گا جب یہ ہلال بدر
کامل ہو جائے گا۔ اور یہ ہو کر رہے گا"۔
(بحوالہ صد سالہ نمبر دوسری قسط ص ۱۵٦)

تدریسی، خانقاہی اور دعوت و ارشاد کے اسفار کی ذمہ داریوں کے باوجود آپ مسلسل ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح پر مشتمل عمدہ مضامین تحریر فرماتے۔

منظر اسلام کی تعمیر وترقی میں ماہنامہ اعلی حضرت کا اہم کردار:۔

چونکہ آپ کا بنیادی نصب العین اعلیٰ حضرت کی علمی یادگار منظر اسلام کے روشن وتابناک ماضی کی بحالی اور اس کی عظمت رفتہ کی بازیافت تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ یادگار رضا کی بقا اور اس کی تعمیر وترقی کے لئے ایک وسیع لائحہ عمل تیار کیا جائے اور اس کو عملی جامہ پہنانے اور اس خاکے میں رنگ بھرنے کے لئے چوطرفہ ایک عالمگیر یا کم ازکم ملک گیر تحریک چلائی جائے چنانچہ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے حضور مفسر اعظم ہند مدرسہ منظر اسلام کی تعمیر وترقی کے لئے عملی طور پر کمر بستہ ہو کر سرفروشانہ طریقہ سے میدان عمل میں کود پڑتے ہیں۔ خود ہی صدر مدرس ہیں، خود ہی مہتمم، خود ہی محصل ہیں، خود ہی مبلغ، خود ہی مدیر ہیں اور خود ہی منتظم۔

کبھی درسگاہ میں علم وفن کے موتی لٹا رہے ہیں تو کبھی میدان مناظرہ میں رازی وغزالی کے جلوے، علالت کے باوجود کبھی تو دور دراز کے دورے فرما رہے ہیں تو کبھی پوری رات منظر اسلام کی آبیاری، غرض کہ ایک جذبہ ہے۔ ایک عزم ہے، منظر اسلام کو اوج ثریا پر پہنچانا ہے، اعلی حضرت کی امانت کو بچانا ہے۔ اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں اور اس میدان میں جب اس بات کا احساس ہوا کہ کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے لٹریچر کا ہونا بہت ضروری ہے۔ قلم کی طاقت وہ طاقت ہے جس نے حکومتوں کی بساطوں کو راتوں رات الٹ کر رکھ دیا، تحریر کی اثر انگیزی نے دیکھتے ہی دیکھتے قلوب واذہان کو مسخر کرلیا تو آپ نے انتہائی کس مپرسی کی حالت میں عقائد اہل سنت کے تحفظ، مسلک اعلی حضرت کی ترویج واشاعت اور جامعہ رضویہ منظر اسلام کی تعمیر وترقی کے لئے اس ماہنامہ کو عروج تک پہنچانے کے لئے بے پناہ جدوجہد بھی کی اور قربانیاں بھی پیش فرمائیں۔ اس کے ذریعہ آپ نے منظر اسلام کو خوب خوب استحکام بخشا۔

منظر اسلام کی تعمیر وترقی کے لیے اپیلیں، ماہنامہ اعلیحضرت کے پلیٹ فارم سے:

ماہنامہ کے قیام کے بعد منظر اسلام کے توسیعی خاکہ میں رنگ بھرنا کافی آسان ہوگیا۔ اس میں کافی تیزی آگئی چنانچہ حضور مفسر اعظم ہند کے زمانے میں جہاں ایک طرف باقاعدہ منظر اسلام کی تعمیر وترقی پر مشتمل سالانہ رپورٹ، رمضان، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعوں پر زکوۃ، صدقات اور چرم قربانی کی اپیل جاری کی جاتی تو وہیں دوسری طرف چندہ دہندگان کی فہرست اور دار العلوم کے احوال وکوائف کے نام سے روداد چمن بھی ہوتی اور آمد وخرچ کا گوشوارہ بھی۔ رسالہ اور دار العلوم کے تعاون کے لئے ماہنامہ اعلی حضرت کی دردمندانہ یہ اپیل تو ذرا دیکھیں کہ جس میں حضرت مفسر اعظم ہند نے مرکز اہلسنت، خانقاہ رضویہ اور منظر اسلام کے تعلق سے اپنے جذبہ، لگن، تڑپ، ایثار، قربانی اور مرکز کے لئے مالی

قربانی کے ساتھ صحت وتوانی کی قربانی تک دینے کی ایک ایسی جامع روداد بیان فرمائی ہے جسے آپ کی دینی ومسلکی خدمات کا مکمل آئینہ قرار دیا جاسکتا ہے۔اس اپیل کوذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں:

"یہ آپ کو کرنا ہے" مگر کر نہیں رہے۔اس رسالے کی اشاعت میں توسیع کرنا ہے۔علاوہ ازیں اپنا رسالہ دوسروں کو پڑھنے کے لیے دینا ہے، اپنے اور بچوں کو زور دے کر پڑھوانا ہے، اس کے مضامین سنانا ہے۔خصوصاً ائمہ مساجد کو یہ فرض ادا کرنا ہے۔جہاں لوگ عادتاً نشست رکھتے ہیں وہاں اس کے سنانے کے لئے وقت مقرر کرنا ہے اور سنانا ہے۔تبلیغ کے خیال سے اسے ہر اس جگہ پہنچانا ہے جہاں شیخ نجدی کا اڈا ہے یا اس کا گزر ہے یا اس کا اثر پڑ رہا ہے۔دار العلوم اس رسالہ کا مالی بار برداشت کر رہا ہے جو مارچ واپریل ۱۹۶۲ء کے ماہ کا کم وبیش ۵۵۰/ روپے ہے۔اس لئے دار العلوم کی مالی امداد کرنا ہے۔مستقل، مسلسل۔فطرہ، زکاۃ، پوست قربانی، زائد سے زائد دار العلوم کو دینا ہے۔دوسروں سے لینا ہے۔غلہ کی زکاۃ سے زائد سے زائد دار العلوم کی اعانت کرنا ہے۔رسیدات ایک روپیہ، آٹھ آنے، چار آنے، دو آنے والی تیار ہو چکی ہیں۔ان رسیدات کو طلب کریں، اور لوگوں سے حسب حیثیت لے کر رسید دیں اور دار العلوم کو روانہ کریں یہ آپ کو کرنا ہے۔یہاں علم وعمل، معرفت واخلاص ونعت نبی کی شیریں کھجوریں اور دشمنان رسول کے لئے پتوں کی نوک پر نوکیلے کانٹے سب کچھ موجود ہے۔مگر نہیں ہے مال دنیا اور نہ آپ کا وہ تعاون جس کی ضرورت ہے۔اگر تمام قارئین رسالہ حمیت سے کام لیں اور ماہانہ ۴/۸ کے ٹکٹ روانہ کرتے رہیں تو بھی ایک کثیر رقم ماہانہ جمع ہو سکتی ہے اور یہ پریشانیاں دور ہو سکتی ہیں۔یہ وقت پوست چرم قربانی کی قیمت روانہ کرنے کا ہے زائد سے زائد سعی کریں یہ آپ کو کرنا ہے۔نہ کرنا افسوسناک اور شرمناک ہے

"ولینصرن اللہ من ینصرہ"

(قرآن شریف) اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی (اس کے دین کی) مدد کرے گا۔۔۔۔۔۔۔ان اپیلوں کو سنی ان سنی مت کر دو۔اور انہیں ضائع نہ کرو۔بے عملی کو ترک کرد۔عمل کرو عمل! سعی کرو سعی! یہ کرنا ہے۔مگر کر نہیں رہے ہو! رسالہ کی اشاعت کو تین ہزار ماہانہ تک پہنچا دیجئے۔اگر صرف ایک خریدار ایک صاحب دیں تو یہ ہو سکتا ہے اور مدرسہ کی ماہانہ آمدنی کو تین ہزار ماہانہ تک پہنچا دیجیے۔یہ ہو سکتا ہے۔اس طرح کہ ہر ایک خریدار اس وقت کہ ۱۵۰۰/ اشاعت ہے دو روپے ماہانہ کی امداد کریں۔کوئی باہم۔جیسا چاہے کرے۔مگر ہماری طرف سے درخواست ہے کہ کم از کم ایک روپیہ ماہانہ کی امداد فرمائیں۔غور فرمائیے! ہمارے اخلاص ومحنت پر، قرضۂ مہتمم ذمۂ مدرسہ ۲۳۷۰۵ رہے جو کب لینا ہے؟۔جب

مدرسہ اس قابل ہو! وہ آج تک اس قابل نہ ہوا۔ نہ بظاہر امید ہے۔ لہذا امید وصول نہیں الا اس صورت میں کہ خدانہ کردہ کوئی سخت احتیاط ہو تو کچھ قدر قلیل لے لیا جائے۔ (حضرت مفسر اعظم کا وہ قرضہ جو دارالعلوم کے ذمہ تھا آپ کی آخری سانس تک مدرسہ کے ذمہ ہی باقی رہا کبھی ادا نہ ہو سکا۔ بریلوی) اس طرف سے اہتمام۔ درس، رسالہ کے مضامین سب بلا معاوضہ ہو رہا ہے۔ اگر اس سب کا معاوضہ لیا جاتا تو خانقاہ سے لے کر یہ سب خدمات ڈھائی تین سو روپے ماہوار میں انجام پاتیں۔ مگر باوجود ان خدمات بلا معاوضہ کے پھر بھی ضرورت پڑنے پر اپنا پیسہ بھی بے دریغ خرچ ہوتا رہا ہے۔ اور اتنی مشکلات و پریشانیاں اس سلسلے میں برداشت کی گئی ہیں جو علالت و مرض الموت کا باعث بن گئی ہیں۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت شمارہ جون ۱۹۶۲ء ص ۱۳، ۱۴)

یہ وہ دردمندانہ اپیل ہے جو ذرا سی بھی دینی حمیت رکھنے والے کی رگ حمیت پھڑکا دینے کے لیے کافی ہے۔ جس میں ایک طرف رسالہ کا درد ہے تو دوسری طرف دارالعلوم منظر اسلام کی تعمیر و ترقی کی تڑپ، اپنا ایثار بھی ہے تو دوسروں سے ایثار کی درخواست بھی۔

اسی اپیل کے ساتھ حضور مفسر اعظم ہند نے ہر شمارے کے ساتھ ایک روپیہ آٹھ آنے چار آنے اور دو آنے کی رسیدیں منسلک کر کے بھیجنے کا بھی انتظام کیا تھا۔ اس وقت جو رسیدیں راقم کو ملیں ان میں مندرجہ ذیل یہ مضمون اور چندہ دہندگان کی طرف سے یہ عہد تھا کہ:

رسید دارالعلوم منظر اسلام محلہ سوداگران بریلی شریف۔ دینی خدمات، درس قرآن و حدیث اور ماہنامہ اعلیحضرت کی مالی اعانت کے لیے، خصوصی تعمیر وغیرہ کے لیے۔ سالانہ، ماہانہ یا جیسا موقع ہو، اکثر مدد کرتا رہوں گا''۔

(رسید منسلک ماہنامہ اعلیحضرت شمارہ جون ۱۹۶۲ء)

کوائف دارالعلوم کے عنوان سے دارالعلوم کی تعمیری پیش رفت کے سلسلے میں یہ صراحت ملتی ہے:

دارالعلوم کی بعض دوکانات جو بوسیدہ اور پرانی ہو کر گر چکی تھیں اب ان کی تعمیر ہو رہی ہے۔ اگرچہ یہ کام بہت بڑا ہے مگر تھوڑا تھوڑا اور ضروری ضروری۔ اہم فالاھم کے اصول پر آہستہ آہستہ ہو رہا ہے۔ گزشتہ سال ایک مکان بن کر تیار ہوا اور اس سال یہ دوکان تعمیر ہو رہی ہے۔ دوکانات تعمیر ہونا اشد ضروری ہے اور ایک مکان کی خریداری اشد ضروری ہے۔ کتابوں کا بھی آرڈر گیا ہے۔ ۶۰۰/روپئے کی کتابیں فوراً خریدی جا رہی ہیں جبکہ شدید حاجت ۱۰۰۰/روپئے کی کتابوں کی تھی۔

(ماہنامہ اعلیحضرت شمارہ جون ۱۹۶۲ء: ص ۳۰)

"دارالعلوم کی تعمیر ہو رہی ہے" کے عنوان سے یہ اپیل بھی پڑھے جانے کے لائق ہے۔

"یہ تعمیر کا سلسلہ، دوکانات، مکانات اور اصل دارالعلوم کی عمارت کی تعمیر سے شروع ہو رہا ہے۔ کام جاری ہے لہذا اہل

الخیر اور ناظرین رسالہ سے گذارش ہے کہ وہ رسیدات چاک کر کے دار العلوم کے دفتر میں روانہ فرمادیں مع اس رقم کے جو رسید کے متعلق ہو اور اس کے لیے خود عنایت فرمائیں اور دوسروں کو توجہ دلائیں۔ دار العلوم کو مالی مشکلات کا سامنا ہے اور یہ اس لئے کہ اس کو بعض صاحبان کی مخالفانہ اور معاندانہ سرگرمیوں سے مستقل تکلیف ہے۔ چنانچہ اس وقت پوست قربانی میں دار العلوم کو ایک پوست بالمقابل دس کے مل سکی ہے اور باوجود ان عظیم مصیبتوں کے اعلیحضرت کا دار العلوم اہل باطل دیوبندیوں اور وہابیوں کے مقابل سینہ تانے ہوئے آگے ہی بڑھ رہا ہے اگرچہ اس کی پیٹھ میں اور بغل میں خنجر بھونکا جارہا ہے۔ فقیر ابراہیم رضا خان عفی عنہ

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت شمارہ جون ۱۹۶۲ء، آخری صفحہ)

ان اپیلوں کو پڑھ کر ہر صاحب فکر و دانش بخوبی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے مرکز اہلسنت کو استحکام بخشنے، خانقاہ رضویہ کو عروج تک پہنچانے، منظر اسلام کے تعلیمی اور تعمیری ڈھانچے کو طاقتور بنانے اور اس کے ترقیاتی خاکہ میں رنگ بھرنے میں کس قدر محنت، مشقت، جد وجہد اور کوشش کی ہے۔ آپ کی اسی مخلصانہ لگن کا نتیجہ تھا کہ اللہ رب العزت نے منظر اسلام کو اس کی عظمت رفتہ دوبارہ عطا فرمائی اور اعلیٰ حضرت کا یہ گلستانِ علم وفن پھر سے پر بہار ہوگیا۔

لسان رضا:۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو اپنی زبان فرمایا تھا۔ آپ کی زبان میں بہت تاثیر تھی۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی دعاؤں کی مقبولیت کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تقریروں، تحریروں اور تدریس سے مسلک و مرکز کو بہت فائدہ پہونچا۔ آپ کی کتابیں نہایت مفید اور عوام وخواص کے لئے دلچسپی سے پڑھے جانے کا باعث ہیں۔ ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں شائع ہونے والے آپ کے مقالات میں جو علمی نکات ہیں وہ بلاشبہ پڑھے جانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تقریبا ۱۵ر کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں۔ زیادہ تر چھوٹے چھوٹے رسائل کی صورت میں ہیں۔ کمیت کے بجائے آپ کیفیت پر نگاہ رکھتے تھے۔ آپ کے اکثر رسائل پر الحمدللہ! راقم کافی کام کر چکا ہے۔ ارادہ تھا کہ صد سالہ عرس رضوی کے موقع سے منظر عام پر لائے جائیں۔ کمپوزنگ ہو چکی ہے۔ کوشش یہی ہے کہ اسی موقع پر آجائیں۔ آپ کے جتنے مقالات ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں شائع ہوئے تھے ان میں اکثر کی راقم کمپوزنگ کرا چکا ہے۔ بہر کیف بات چل رہی تھی کہ آپ کی زبان میں بہت تاثیر تھی اور اس کی وجہ اعلیٰ حضرت کا وہ جملہ ہے جسے مفتی رفیق احمد صاحب عباسی امروہی ثم دہلوی نے بیان فرمایا جو ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں شائع ہو چکا ہے۔ اس پر جو سرخی ہے وہ یوں ہے "اعلیٰ حضرت کی پیش گوئی"۔ "از: رفیق احمد صاحب عباسی (من) مفتیان امروہوی ثم الدہلوی"

اس سرخی کے ساتھ ان کا جو آنکھوں دیکھا واقعہ ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

"ایک مرتبہ میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ موقع دستار

بندی کے جلسہ کا تھا مدرسہ منظر اسلام کے ۔اور میں اعلیٰ حضرت کے دستر خوان پہ حاضر تھا۔ یہ مری قسمت تھی کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے ہمراہ کھانا کھلایا۔اور بہت سے علما موجود تھے۔ حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں صاحب جیلانی میاں مکان سے باہر تشریف لے آئے۔ یہ ان کے بچپن کا زمانہ تھا۔ میں وہیں اعلیٰ حضرت کے دستر خوان پر سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ جس وقت جیلانی میاں صاحب آپ کے قریب آئے تو (اعلیٰ حضرت نے) اپنا دست مبارک ان کے سر پر رکھ کر فرمایا کہ ''یہ ثانی احمد رضا ہے''۔ خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہی خوبیاں آج نمایاں ہیں۔آثار دعائیہ یاد کیجئے ؎

یہ دعا ہے۔ یہ دعا ہے۔ یہ دعا!
تیرا اور میرا خدا۔ (اے) احمد رضا!
تیری نسل پاک سے پیدا کرے
کوئی تجھ سا دوسرا احمد رضا

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت دسمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۲)

ایک ضروری وضاحت:۔ مذکورہ بالا رباعی کی کتابت و تحریر میں تحریف کرتے ہوئے وہابیہ ودیابنہ خبثاء نے صرف پہلا شعر نقل کیا اور ''تیرا اور میرا خدا'' کے بعد ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں جوڈیش (۔) لگا ہوا تھا وہ اڑا دیا اور مفہوم یہ گڑھا کہ بریلوی لوگ احمد رضا کو (معاذ اللہ) خدا کہتے ہیں۔ حالانکہ ان خبیثوں کو بہ خوبی یہ معلوم ہے کہ رباعی کا پورا مفہوم چاروں مصرعوں سے مل کر پورا ہوتا ہے۔ نیز جوڈیش لگایا گیا تھا وہ بھی ''تیرا اور میرا خدا'' والے جملے کو ''احمد رضا'' والے جملے سے منفصل کرنے کے لئے تھا۔اس دعائیہ رباعی کا مفہوم یہ ہے کہ: ''شاعر اپنی تمنا کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعائیہ انداز میں پیش کرتے ہوئے عرض کر رہا ہے کہ اے امام احمد رضا! آپ کا اور میرا خدائے ذو الجلال آپ کی نسل سے آپ ہی کے مثل کوئی دوسرا احمد رضا پیدا کردے۔ یہی ہماری ہر وقت کی دعا ہے''۔

وصال:۔ اپنے علم وفن کی خوشبو بکھیرتا رضا کا یہ شگفتہ پھول مؤرخہ ۱۱؍ صفر المظفر ۱۳۸۵ھ؍ مطابق ۱۲؍ جون ۱۹۶۵ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر (جبکہ آپ فجر کی نماز ادا کر چکے تھے اور اوراد وظائف میں مصروف تھے) تقریباً سات بجے اپنے لبہائے مبارکہ پر تبسم سجائے اس دنیا سے روپوش ہو گیا مگر ان کے علم وفن، ان کے ذریعہ مذہب ومسلک، دین وسنیت اور مرکز وملت کی ناقابل فراموش خدمات کی خوشبو سے آج بھی اہل سنت کے عوام وخواص اپنے قلوب واذہان معطر کر رہے ہیں۔ مورخہ ۱۲؍ صفر المظفر مطابق ۱۳؍ جون بروز اتوار تقریباً ۸؍ بجے صبح آپ کی نماز جنازہ اسلامیہ انٹر کالج بریلی کے میدان میں ہوئی۔ تقریباً ساڑھے نو بجے صبح کو سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کی مشرقی جانب آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

اولاد:۔ اللہ رب العزت نے آپ کو پانچ شہزادوں اور تین شہزادیوں کی نعمت سے نوازا تھا۔ شہزادگان کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ۔
(۲) مولانا محمد تنویر رضا خاں صاحب قبلہ (آپ

۷۰ رکی دہائی میں مفقود الخبر ہو گئے۔ آج تک آپ کا کہیں پتہ ونشان نہ لگ پایا۔ آپ پر جذب وتصوف کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ کا ابھی عقد نکاح بھی نہ ہوا تھا۔

(۳) تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ۔

(۴) قمر ملت حضرت علامہ محمد قمر رضا خاں علیہ الرحمہ

(۵) نبیرۂ اعلیٰ حضرت پیر طریقت حضرت علامہ محمد منان رضا خاں منانی میاں صاحب مدظلہ۔

آپ کے شہزادوں میں سے اس وقت صرف حضرت منانی میاں صاحب قبلہ مدظلہ باحیات ہیں۔ نیز تینوں شہزادیوں کا بھی وصال ہو چکا ہے۔

تصانیف: آپ نے اپنے بعد مندرجہ ذیل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

(۱) ترجمہ تحفۂ حنفیہ (۲) ترجمہ الدرر السنیہ (۳) نعمۃ اللہ (۴) رحمۃ اللہ (۵) ذکر اللہ (۶) حجۃ اللہ (۷) فضائل درود شریف (۸) تفسیر سورۂ بلد (۹) تشریح قصیدۂ نعمانیہ (۱۰) زیارت قبور (۱۱) نور الصفاء (۱۲) تفسیر آیات متشابہات (۱۳) گلزار احادیث (۱۵) چہل حدیث۔

ان شاء اللہ آپ کی یہ تمام تصانیف مبارکہ راقم کی ترتیب جدید کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آئیں گی۔

مفسر اعظم ہند کی تحریروں کے چند نمونے:

مفسر اعظم ہند کی چہل حدیث کا تعارف

حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ''چہل حدیث'' کے نام سے ایک اربعین تصنیف فرمائی ہے۔ آپ نے اپنی اس اربعین کو سرزمین کلکتہ پر مورخہ ۵، ۶ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ میں تصنیف فرمایا۔ دراصل آپ کلکتہ بیعت وارشاد اور دعوت وتبلیغ کی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں آپ کے پاس نہ تو کتابیں تھی اور نہ ہی شروحات۔ لیکن آپ کے ذہن ودماغ میں عقائد اہل سنت کی تائید وتوثیق کرنے والی ایسی احادیث کریمہ اور ان کی تشریحات کا ایسا دریا موجزن تھا کہ جن سے سنیوں کے ایمان میں جلا اور تروتازگی پیدا ہوتی۔ اس لئے آپ نے بریلی شریف واپس لوٹ کر لکھنے پر انحصار نہ فرمایا بلکہ اسی حالت سفر ہی میں فوراً انہیں سپرد قرطاس فرما دیا۔

اس ''چہل حدیث'' میں حضرت مفسر اعظم ہند نے امام محمد ابن عبد اللہ خطیب تبریزی (م ۷۴۱ھ) کی ''مشکوۃ المصابیح'' سے چالیس حدیثیں منتخب فرما کر ان کا ترجمہ اور فوائد وتشریح جمع فرمائے ہیں۔ اس میں آپ نے احادیث کریمہ کا عربی متن نقل نہیں فرمایا۔ ان احادیث کریمہ کے تحت آپ نے عقائد اہل سنت کے اثبات، وہابیہ اور دیابنہ کے رد وابطال پر مشتمل جو علمی نکات بیان فرمائے ہیں وہ پڑھے جانے، سنائے جانے، تقریروں میں بیان کئے جانے اور محفوظ رکھے جانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان علمی وفنی نکات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا کہ حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کو فن تفسیر کے ساتھ فن حدیث میں کس قدر ملکہ حاصل تھا۔ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم وفنون کے جلوے آپ کی تحریروں میں جابجا دکھائی دیتے ہیں۔ کیوں نہ دکھائی دے جبکہ آپ تو ''لسان رضا'' ہیں۔

''چہل حدیث'' کے اپنے مقدمہ میں آپ اس اربعین کا تعارف، سبب تالیف، تاریخ تالیف اور غرض تالیف

پر روشنی ڈالتے ہوئے خود ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ مختصر، فقیر نے تالیف کیا"

مشکوٰۃ المصابیح" سے۔ یہ اظہار اس لیے کہ اس کا انکار نہ کر سکیں اور فقیر نے اس مختصر میں ان احادیث کا ذکر کیا جو کہ عقائد حقہ اہلسنت و جماعت کی تائید و توثیق کرتی ہیں اور فضائل اعمال کی احادیث کی طرف زیادہ توجہ نہ کی کہ جب تک عقیدہ درست نہ ہو، اعمال بے حقیقت ہیں۔ پھر میں نے ذکر و شکر کا اہتمام کیا اور جہاں تک ہو سکا مضمون کو طول دینے سے اجتناب کیا ہے اور مناسب موقع و محل بعض نکات قرآنی جو اس کے الفاظ سے محتمل ہیں "درجۂ تاویل" میں، فقیر نے ذکر کیے اور یہ میرے سینہ میں جوش زن تھے اور میں مسرور ہوں کہ میرے رب نے توفیق عطا فرمائی طباعت و اشاعت کی کہ وہ نکات و اسرار شائع نہ ہوتے اور میں انتقال کرتا تو مجھ کو خوف تھا کہ یہ میرے لئے باعث ہلاکت ہوتا اور یہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث مسرت ہوگا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے نئے نئے جواہر پارے ان کو دستیاب ہوئے۔

"یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان"۔

{سورۂ رحمٰن۔ آیت ۲۲ رکوع ۱۱ پارہ ۲۷}

{ترجمہ: ان میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے۔ کنز الایمان}

{سبب تالیف}

یہ بحرین قرآن و حدیث کے گہر و لعل و جواہر زواہر جس "غواص حبشی" (مفسر اعظم ہند) نے پیش کیے ہیں اسے امید ہے کہ محبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبول ہوں گے اور ان کی چمک دمک سے اس کا سیاہ رنگ اور تیرہ بختی اور قبر کی تاریکی کافور ہوگی اور یہ ایک نمونہ ہیں اور بہت کچھ ابھی باقی ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ بہ برکات اولیائے کرام، یہ امانت میں ان کو پہنچا دوں جو اس کے اہل ہیں تا کہ ان کے قلوب و قبور و دین و دنیا روشن ہوں اور یہ فقیر ان کی خیر خواہی کا حق ادا کر سکے اور جو نا اہل ہیں ان کے چہرے اور تاریک ہوں۔

"یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ"۔

(سورۂ آل عمران آیت ۱۰۶ رکوع ۲ پارہ ۴)

{ترجمہ: جس دن کچھ منہ اونجالے (روشن) ہوں گے اور کچھ منہ کالے۔ کنز الایمان}

مولی تعالی محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے قلوب میں جاگزیں فرمائے۔ آمین۔

{تاریخ تالیف}

اور لکھا میں نے اس کو کلکتہ میں ۵/ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ اور ۶/ صفر میں دراں حالیکہ میرے پاس شروح وغیرہ نہ تھیں اور نہ کوئی اور کتاب اور جب آپ مطلع ہوں میری خطا پر تو میرے لئے استغفار کریں اور اطلاع دیں اور جب آپ متعجب و متحیر ہوں اور کوئی چیز آپ پر اثر ڈالے اور آپ کو خوش

کرے تو میرے لئے دعا فرمائیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔

"وتعاونوا علی البر والتقوی"

{سورۂ مائدہ ۱۔ آیت ۲/رکوع ۵/پارہ ۶}

{ترجمہ: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ کنز الایمان۔}

{فائدۂ تالیف}

اور جو ان (۴۰) احادیث کو یاد کرے اور دوسروں کو سنائے یا لکھ کر دے یا کتاب دوسروں کو پہونچائے تو بے شک اس نے دین کی خدمت کی اور علم کو پھیلایا اور روز قیامت یہ شخص زمرۂ علما میں محشور ہوگا اور ثواب عظیم حاصل کرے گا اور اموات کو ایصال ثواب کے لئے ایسی کتابوں کا جیسی یہ ہے، طبع کرانا، تقسیم کرانا، کارِ عظیم ہے۔

چہل حدیث کا اجمالی خاکہ:

حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ''چہل حدیث'' نامی اپنی اس اربعین میں مشکوٰۃ المصابیح کی کتاب العلم سے ۵، کتاب الایمان کے مختلف ابواب سے ۲۳، کتاب فضائل قرآن سے ۴، کتاب الدعوات سے ۴/اور کتاب الصلوٰۃ/باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ سے ۴۔ چار حدیثوں کو جمع فرمایا ہے جن کی مجموعی تعداد چالیس ہوتی ہے۔

یہ نسخہ کتابچے سائز کے ۴۸/صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع اور آخر کا ٹائٹل پیج اس میں نہیں تھا۔ اس لئے یہ پتہ نہیں لگ پایا کہ یہ رسالہ کہاں سے شائع ہوا تھا۔ اس نسخہ کی ابتداء تسمیہ وتحمید سے ہوتی ہے اور اختتام **والصلوٰۃ والسلام علی محمد** الخ پر ہوا ہے۔

اسی طرح آپ کی دیگر تصانیف بھی علمی جواہر پاروں سے بھرپور ہیں۔

مقالاتِ مفسر اعظم ہند کے چند نمونے

(۱) مقالہ نمبر ۱۔ قصیدۂ نعمانیہ کے چند اشعار کی تشریح:

فروغ اہل سنت اور اشاعت افکار رضا کے لیے آپ نے ۱۹۶۰ء میں ''ماہنامہ اعلیٰ حضرت'' جاری فرمایا۔ آپ مسلسل اس میں قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح پر مشتمل عمدہ مضامین تحریر فرماتے، مگر افسوس کہ دفتری امور کے ذمہ دار ملازمین کی بے توجہی کے باعث ابتدائی شمارے یہاں سے مفقود ہو گئے۔ ابھی چند روز پہلے کچھ پرانے اور ابتدائی شمارے حاصل ہوئے جن میں سرکار مفسر اعظم ہند کے جو مضامین موجود ہیں ان میں سے سیدنا سرکار امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور ومعروف قصیدۂ نعمانیہ کے تین اشعار کی تشریح پر مشتمل سرکار مفسر اعظم ہند کا یہ عمدہ ونفیس اور دلائل وبراہین سے مزین مضمون حاضر ہے۔ اپنی عادت کے مطابق سرکار مفسر اعظم ہند نے ان اشعار سے اہل سنت کے عقائد مثلاً عظمت مصطفی، شفاعت مصطفی، اختیارات مصطفی، ندائے یا رسول اللہ، زیارت روضۂ انور اور سرکار سے توسل واستعانت جیسے عقائد اہل سنت کو نہایت ہی نفیس انداز میں ثابت فرمایا ہے۔ اس مضمون میں کہیں کہیں توضیحی الفاظ کا قوسین میں راقم نے اضافہ کیا ہے۔

تشریح اشعار از مفسر اعظم ہند:

یاسید السادات جئتک قاصدا

ارجو رضاک واحتمی بحماکا۔

''اے سیدوں کے سید! آپ کے دربار میں بالقصد حاضر ہوا ہوں۔ آپ کی رضا کا امیدوار، آپ کی مدد کا طلبگار ہوں۔''

اس میں ندا ہے، بالقصد حاضری ہے، مدد کی طلب ہے جسے اہل زیغ وضلال شرک وبدعت بتا رہے ہیں۔ یہ حضرت امام اعظم ہیں۔ دیوبندی جن کے مقلد بنتے ہیں یہ دعویٰ (یعنی دعوئے تقلید) کہاں تک صحیح و درست ہے (حضرت امام اعظم) تابعی ہیں صحابہ کرام کو دیکھنے والے۔ دین کے اعلم۔ احادیث کے واقف **من رأنی بعد وفاتی عند قبری کان کمن زارنی فی حیاتی**۔ یعنی جس نے میری زیارت کی بعد میرے انتقال کے میری قبر شریف کے نزدیک گویا اس نے میری زیارت کی میری حیات میں۔ اس ہی کے مثل حدیث مشکوٰۃ شریف حضرت ابن عمر سے ہے۔ حدیث آخر **من جاءنی زائداً لا تحمله حاجة الا زیادتی کان حقاً علی ان اکون له شفیعا یوم القیامة**۔ جو میری زیارت کو آیا اور اسے کوئی حاجت نہیں سوائے میری زیارت کے اس کا میرے اوپر حق ہے کہ میں اس کا شفیع ہو جاؤں قیامت کے دن۔ اور حدیث ہے مسلم شریف میں **انا سید ولد ادم یوم القیامة**۔ میں تمام اولاد آدم کا (سردار) ہوں قیامت کے دن۔

حضرت امام نووی (۶۰۰ھ تقریباً) اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''علامہ قاضی عیاض مالکی شفاء میں تحریر فرماتے ہیں **السید هو الذی یفزع الیه فی النوائب و الشدائد۔ (وفی المحنة یلجأ)** یعنی سید وہ ہوتا ہے جس کی طرف پناہ لیتے ہیں۔ بھاگ کر آتے ہیں مشکلات ومصائب میں یعنی تمام اولاد آدم میری پناہ لے گی اپنی تمام مشکلات میں روز قیامت۔ اور حضرت شیخ نے مدارج میں لکھا کہ جب لوگ پل صراط سے پھسلیں گے تو کہیں گے **وامحمداہ!** یعنی یا رسول اللہ! المدد۔ اور روز قیامت حق ہوگا ناحق وکفر نہ ہو سکے گا۔ اس لیے کہ حق ظاہر ہو جائے گا اور جو اس حق پر عملاً واعتقاداً دنیا میں قائم رہا تو اس پر روز قیامت قائم رہے گا اور نفع پائے گا۔ مثلاً **لا اله الا الله محمد رسول الله** حق ہے۔ جس نے اس کو کہا اور اس پر اعتقاد رکھا تو روز قیامت اس کے کہنے کا نفع پائے گا اور اگر دنیا میں اس پر اعتقاد وعمل نہ تھا اس پر ایمان سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ **ویثبت الله الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیاة الدنیا فی الاٰخرہ**۔ یعنی ''اللہ تعالیٰ ثابت رکھتا ہے اہل ایمان کو حق بات پر دنیا وآخرت میں'' تو (لہٰذا) جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سید ومولیٰ حاجت روا ومشکل کشا دنیا میں نہیں جانتا۔ اور یا رسول اللہ المدد پر عقیدہ وعمل یہاں نہیں رکھتا وہ حضور کی طرف روز قیامت کس طرح پناہ لے گا؟

جو آج ان کی طرف پناہ لیتے ہیں وہ کل ان کی طرف اپنے مصائب و مشکلات میں پناہ لیں گے۔ جو آج یارسول اللہ المدد کہتے ہیں وہ کل صراط پر یارسول اللہ المدد کہہ سکیں گے اور اس کا نفع پائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں ؎

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

حدیث سے معلوم ہوا کہ پل صراط پر سخت پھسلن ہے۔ لوگ پھسلیں گے تو یارسول اللہ المدد کہیں گے مگر جو نجد کے کانٹوں میں پھنس گئے وہ یہ نہ کہہ سکیں گے۔ وہ گر جائیں گے۔ والعیاذ باللہ۔

(۲)

انت الذی لما توسل أدم
من زلة بک فاز وهو اباکا

یعنی ''آپ ہی وہ ہیں کہ جب حضرت آدم نے آپ کو وسیلہ بنایا تو وہ کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے باپ ہیں۔''

اس کے باوجود آپ سے توسل کر رہے ہیں اور اس کی بنیاد اس اقرار پر ہے کہ آدم علیہ السلام بھی آپ کے مرتبہ کی بلندی اور آپ کی فضیلت کے معترف ہیں۔ باپ تو بیٹے کا دامن پکڑ کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو رہے ہیں اور وہ احمق (وہابی و دیوبندی) جو دعویٰ برابری کا کرتے ہیں بھائی بن رہے ہیں اور دامن مبارک سے توسل کو شرک قرار دے رہے ہیں

اور حدیث توسل آدم علیہ السلام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے روایت کیا اس کو حضرت امام حدیث علامہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اسناد صحیح سے اور کہا علامہ حافظ ذہبی نے (جو متقدمین ائمہ حدیث سے ہیں) توسل کو لازم پکڑو یہ ہدایت و نور ہے۔ اور تصریح فرمائی امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور صحیح کہا اس کو حضرت حاکم امام حدیث نے اور علامہ قاضی عیاض اور علامہ ابن حجر نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔ جن میں طعن کی گنجائش نہیں۔ جس کے راوی سب ثقہ ہیں۔ جن میں کوئی وضاع و کذاب نہیں (ہاں وضاع کذاب وہ ہیں جو اس حدیث صحیح کو موضوع کہتے ہیں بلا دلیل کے۔ محض اتباع ہوا کرتے ہیں یعنی اپنی خواہش نفسانی سے)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بھی اس حدیث کی تصحیح کرتا ہے جسے اس باب میں تحقیق درکار ہے وہ **الدرر السنیه** کا مطالعہ کرے جو دار العلوم ہذا (منظر اسلام) کی مطبوعات میں سے ہے۔

حضرت محمد بن سلیمان الجزولی دلائل الخیرات میں تحریر فرماتے ہیں حضور کی نعت (تعریف) میں۔ **اقرب رسل اللہ الی اللہ وسیلة**۔ (یعنی) سب رسولوں سے زیادہ قریب تر وسیلہ آپ ہیں اللہ کی طرف۔ اس سلسلہ

میں بخوف طوالت بہت (سے) مضامین کو ترک کرتا ہوں صرف صحیح بخاری سے حضرت عطا کی یہ حدیث ذکر کرتا ہوں اور صرف ترجمہ پر اختصار کرتا ہوں۔

حدیث یہ ہے کہ توریت شریف میں حضور کا ذکر اس طرح ہے ''اے محبوب میں نے بھیجا تجھے گواہ بنا کر، خوشخبری سنانے والا، ڈرانے والا۔ پناہ اپنی امت کے لیے۔ تو میرا خاص بندہ ہے'' (حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی) نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ حقیقت اس مقام کی اور کمال اس مرتبہ کا تیرے سوا کسی کے لائق نہیں تو میرا رسول ہے تمام خلق کی طرف۔ تیرا نام متوکل رکھا سخت مزاج نہیں۔ بازاروں میں اونچی آواز سے بولنے والا نہیں، برائی سے برائی کو دفاع نہیں کرتا بلکہ معاف فرماتا ہے اور درگزر فرماتا ہے، حق تعالیٰ قبض روح نہ فرمائے گا جب تک ٹیڑھی ملت کو سیدھا نہ کردے **یفتح به اعینا و آذانا صما وقلو باغلفا۔** اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے کافۃ خلق (یعنی تمام مخلوق) کہ جنکی طرف وہ رسول ہیں اندھی آنکھیں روشن فرمائے گا۔ بہرے کانوں کو سنوائی عطا کرے گا۔ بند دلوں کو کھولے گا۔ (الی آخر الحدیث)

تو اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اور وسیلے سے بینائی عطا فرمائے گا۔ سنوائی عطا فرمائے گا۔ **اهدی به بعد الضلالة** 'ان کے ذریعہ گمراہ کو ہدایت فرمائے گا''، فقیری کے بعد ان کے ذریعہ تو انگری عطا فرمائے گا۔ تو جن کو یہ ذریعہ و وسیلہ قبول نہیں تو یہ وہ ہیں کہ کبھی بینا نہ ہونگے۔ کبھی شنوا (سننے والے) نہ ہونگے۔ ان کے دل نہ کھلیں گے۔ وہ ہدایت نہ پائیں گے۔

(۳)

واللہ لوان البحار مدادھم
والعشب اقلام جعلن لذاک۔

''(یعنی) خدا کی قسم آپ کی نعت تحریر کرنے کے لئے اگر سمندر روشنائی اور درخت قلم بنادیے جائیں'' (پھر بھی)۔

(۴)

لم یقدر الثقلان تجمع نزرہ
ابدا وما اسطاعوا له ادراکا۔

''تو جن وانس آپ کی چند صفتیں بھی جمع نہیں کر سکتے اور ابد تک وہ نہ سمجھ پاتے (سکتے)''۔

حضرت امام اعظم کے ان دو اشعار سے ہمیں قرآن

شریف کی ان آیات کی تفسیر و تاویل معلوم ہوئی۔ **قل لوکان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثله مددا ط قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم اله واحد۔ ترجمہ:-**

اےمحبوب! تم فرمادو اگر ہوں سمندر روشنائی میرے رب (رب محمد) کے کلمات (میرے رب کی باتوں) کے لیے تو ضرور سمندر ختم ہو جائیں گے اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگر چہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔ تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

تو یہاں حضرت امام اعظم کے فرمان سے معلوم ہوا کہ رب کے کلمات سے مراد نعت مصطفی ﷺ ہے کہ نعت مصطفی اگر لکھی جائے تو سمندر ختم ہو جائیں اگر چہ اتنے سمندر اور بنوا دیے جائیں۔

اور حدیث شریف میں: **ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔** کی تفسیر آئی کہ اللہ تعالیٰ نعت بیان فرماتا ہے اپنے محبوب کی۔ تو (معلوم ہوا کہ) ثنائے حبیب۔ کلمات رب ہیں۔

اور حضرت عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ صفحہ ۹۴ ر پر مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں: **قل لوکان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولوجئنا بمثلہ مدداً۔** (اور دوسری آیت) **ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر لنفدت کلمات اللہ۔** ”مراد بایں کلمات نزد اہل تحقیق فضائل کمالات وحقائق ومعارف است کہ حضرت ذوالجلال والاکرام برخاصگان درگاہ خود از انبیاء واصفیا خصوصاً بر سید انبیاء وسند اصفیاء افاضہ نمودہ۔ والا آنچہ صفت حق وشیون ذات مطلق است منزہ ومقدس است کہ بایں تمثیل وتنظیر نمایند۔

ترجمہ:- مرادان کلمات سے اہل تحقیق کے نزدیک فضائل وکمالات وحقائق ومعارف ہیں کہ حضرت ذوالجلال والاکرام نے اپنے خاصان بارگاہ (یعنی) انبیاء واصفیا پر خصوصاً سید انبیاء وسند اصفیاء (سرکار دو عالم ﷺ) پر افاضہ فرمائے۔ الا (ورنہ) صفت حق وشانہائے باری تعالیٰ منزہ ومقدس ہیں کہ ان کی یہ (اشجار وسمندر وغیرہ سے مثال دینا) تمثیل ہوں“۔

دوسری آیت کا ترجمہ ہے ”اگر روئے زمین کے (تمام درخت) درخت قلمیں بنادی جائیں اور سمندر روشنائی اس کے بعد سات سمندر اور بھی تو رب کے کلمات ختم نہ ہوں“۔

اب آیت کریمہ کا خیال فرمائے: **منہ اٰیت محکمٰت ھن ام الکتٰب واخر متشابہات۔ فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ۔**

قرآن شریف کی کچھ آیتیں محکم ہیں کہ وہ اصل کتاب ہیں اور دوسری کچھ متشابہات ہیں کہ جن کے دلوں میں زیغ (گمراہی وعناد رسول) ہے وہ آیات متشابہات کی پیروی کرتے ہیں

فتنہ چاہنے کے لیے۔ تو یہاں پہلی آیت: **قل لو کان البحر...** محکم ہے اور دوسری آیت: **قل انما انا بشر مثلکم...** متشابہ ہے۔

تو (وہ) کچھ بد نصیب (کہ) جن کا حصہ آخرت میں (کچھ بھی) نہیں ہے (وہ) محکمات سے روگردانی کرتے ہیں۔ فضائل و کمالات نبوت سے اعراض کرتے ہیں اور متشابہات کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ہم دونوں ہی پر ایمان لاتے ہیں۔

حضرت علامہ امام (شیخ شرف الدین محمد بن سعید) بوصیری (م ۶۹۷ھ) قصیدہ بردہ (شریف) میں فرماتے ہیں ؎

محکمات فما یبقین من شبہ
لذی شقاق و لا یبغین من حکم

ترجمہ: "یعنی" آیات محکمات نے ذی شقاق (عداوت والے) کے لیے شبہ باقی نہ چھوڑا اور اب کسی فیصلہ کرنے والی کی حاجت نہیں۔

اللھم نعوذ بک من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه وآلہ وصحبہ وبارک وسلم"۔

(ماخوذ از ماہنامہ اعلیٰ حضرت شمارہ فروری ۱۹۶۶ء ص ۳۰ تا ۳۲)

(۲) مقالہ نمبر ۲۔

عقائد اہل سنت احادیث کریمہ کی روشنی میں:

علم غیب کے اثبات پر مشتمل "حدیث حذیفہ" کی تشریحات سے مزین سرکار مفسر اعظم ہند کا یہ عمدہ و نفیس نکات سے بھرپور اور دلائل و براہین سے مزین مضمون حاضر ہے۔ اپنی عادت کے مطابق سرکار مفسر اعظم ہند نے "معارف الحدیث" کے نام سے اس حدیث حذیفہ کے ذریعہ عقائد اہل سنت کو نہایت ہی نفیس انداز میں ثابت فرمایا ہے۔ اس مضمون میں ذیلی سرخیوں، مرکزی عنوان اور کہیں کہیں قوسین میں توضیحی الفاظ کا راقم نے اضافہ کیا ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ اعلیٰ حضرت فروری ۱۹۶۶ء کے شمارہ سے لیا گیا ہے مضمون کے آخر میں "باقی آئندہ" لکھا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون قسط وار تھا مگر راقم کو اس سے اگلا شمارہ دستیاب نہ ہو سکا۔ تلاش جاری ہے، دستیاب ہوتے ہی شائع کر دیا جائے گا۔ (محمد سلیم بریلوی)

"عن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقاما۔ ماترک شیئا یکون فی مقامه ذالک الی قیام الساعة الا حدث به حفظه من حفظه و نسیه من نسیه قد علمه اصحابی هؤلاء وانه لیکون منها الشئی قد نسیة فاراه فاذکره کما یذکر الرجل وجه الرجل اذا غاب عنه ثم اذا راه عرفه (متفق علیہ)

ترجمہ: فرمایا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے۔ کہا کھڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان اور وعظ کہا۔ نہ چھوڑی بیان کرنے سے کوئی چیز جو ہونے

والی ہے قیامت تک مگر بیان کردی آپ نے اسی مقام میں جس میں کھڑے تھے۔ یاد رہا اسے جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔ اس کو میرے ساتھی خوب جانتے ہیں۔ میں بھی کچھ چیزیں بھول گیا ہوں پھر یاد آجاتی ہیں جب انکو دیکھتا ہوں (کہ یہ تو وہی ہے جیسا کہا تھا رسول اللہ ﷺ نے) جیسا کہ ایک شخص جب غائب ہو جاتا ہے تو وہ بھلا دیا جاتا ہے پھر بعد مدت کے دیکھا جاتا ہے تو یاد آجاتا ہے پہچانا جاتا ہے۔

علم غیب کا اثبات:۔

اس حدیث میں اخبار غیب ہے جیسا کہ اسی باب میں سب غیب ہیں جن کی خبر دی ہے رسول اللہ ﷺ نے وعنه قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول تعرض الفتن على القلوب كالحصير عودا عودا فاى قلب أشربها نكتت فيه نكتة سوداء واى قلب انكرها نكتت فيه نكتة بيضاء حتى تصير على قلبين على ابيض مثل الصفا ولا تضره فتنة مادامت السموت والارض والآخر اسود مربادا كالكوز مجخيا لا يعرف معروفا ولا ينكر منكرا الا مااشرب عن هواه (مسلم)

انہیں حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے کہ آپ نے فرمایا فتنے بار بار پیئے در پیئے اس طرح پیش کئے جائیں گے دلوں پر کہ جس طرح چٹائی کے تنکے ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں (فتنے کے معنے ہیں گمراہی) پس وہ دل کہ جسے پلا دیا گیا فتنہ (جیسے سفید کپڑا رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے) تو اس دل میں ایک نقطہ سیاہ پڑ جاتا ہے جو رفتہ رفتہ سیاہ پہاڑ ہو جاتا ہے جیسے الٹا (اوندھا ہوا) لوٹا کہ پانی ایمان کا اس میں ایک قطرہ بھی نہیں۔ وہ دل نہیں پہچانتا معروف کو اور نہیں انکار کرتا منکر کا یعنی اسے معروف و منکر کی پہچان نہیں۔ الا ما اشرب عن هواه مگر وہی نفسانیت جو اسے پلا دی گئی ہے (رواہ مسلم) یعنی دلیل سے قائل معقول و معترف بھی ہو جائیگا۔ مگر دل سے مانے گا نہیں۔ کہے گا پھر وہی جو کہتا رہا تھا۔ (یعنی وقتی طور پر دلائل سن کر اعتراف تو کرے گا مگر بعد میں پھر وہی کہتا رہے گا۔)

تشریح حدیث: حدیث کا یہ فرمان کالحصیر عودا عودا مثل بنارے چٹائی کے (یعنی چٹائی کے پھندے) بار بار لوٹنا جیسے چٹائی کا بنارا بار بار لوٹتا ہے ویسے ہی حال ہے فتنوں کا کہ بار بار لوٹ کر آتے ہیں ہر بار اس کو لوٹانا پڑتا ہے۔ ایک بار ہی اگر فتنہ دل پر اثر کر جائے معاذ اللہ۔ فای

قلب اشر بھانکتت لہ نکتہ سوداء جو جو قلب اس کو پلادیا گیا (جام شیخ نجدی کے پیشاب کا) تو اس دل پر نقطہ سیاہ پڑ جائے گا جو رفتہ رفتہ سیاہ پہاڑ ہو جائے گا۔ (یعنی جس دل پر بھی یہ فتنہ گمراہی اثر کر جائے تو وہ دل سیاہ ہو کر گستاخ و بے دین ہو جاتا ہے۔ اور جو دل فتنہ کا انکار کرتا رہا اس دل پر ایک نقطہ سفید (نور کا) پڑ جائیگا جو رفتہ رفتہ نور کا سفید پہاڑ ہو جائے گا۔ اس دل پر فتنہ فتنۂ وہابیت و دیوبندیت) قیامت تک اثر نہ کر پائے گا۔ (یعنی وہ دل جو اللہ کے کرم سے اس گمراہیت و بدمذہبیت سے محفوظ رہتے ہیں وہ عشق و عرفان اور ادب و تعظیم کے ایمانی نور سے منور رہتے ہیں بریلوی۔

قلب۔اعلیٰ حضرت کی نظر میں:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ قلب کی مثال ایک پیالے کی طرح ہے کہ قلب مرشدین کرام کے نیچے ہے۔ انوار فیضان پہلے تو قلب محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (اس پیالے میں) گرتے ہیں اس سے ابل کر اولیاء کے قلب پر گرتے ہیں اس طرح قلب مرشد پر فیضان ہوتا ہے۔ قلب مرشد (پیر کامل) سے قلب مسترشد (مرید صادق) پر بہتے ہیں لہٰذا جو پیالہ سیدھا ہے وہ بھرا ہوا ہے اور جو پیالہ اوندھا ہے اس میں ایک قطرہ بھی نہیں ہے معاذ اللہ۔ (یعنی جس طرح اوندھے اور الٹے پیالہ میں پانی نہیں رک سکتا اسی طرح وہ دل جو محبت رسول سے روگرداں ہو کر اوندھے ہو جاتے ہیں ان میں نورِ ایمان اور فیضان عرفان نہیں سما سکتا۔

معرفت کیلئے نورِ ایمانی ضروری: اور معرفت اسی نور سے ہو سکتی ہے جو دل میں ودیعت کیا ہوا ہے جب نور سے وہ دل خالی ہے تو معرفت کیسی؟ تو ایسا دل لایعرف معروفا ولا ینکر منکرا نہیں پہچانتا معروف کو نہ منکر کو کیونکہ اس میں معرفت نہیں۔ معرفت کے معنے ہیں جاننا اور پہچاننا اور معروف کا معنی ہے جانا اور پہچانا ہوا۔ تو معروف کا جب پیالہ اوندھا ہو گیا کہ اس میں فیضان معرفت آتا ہی تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار دُر (گہر) بارے تو اب معرفت کیسی۔ اب تو تو اوندھا ہو گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اولیائے کرام سے تو معرفت کا فیضان تجھ سے بالکل منقطع ہو گیا تو اب لایعرف معروفا ولا ینکر منکرا کا مصداق ہے العیاذ باللہ تعالیٰ۔

معروف کا لغوی و اصطلاحی معنی:

معروف کے لغوی معنی وہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے نیز لغوی معنی میں اور اصطلاحی معنی میں مناسبت ضروری ہے۔ معروف کا معنی نیکی

اور بھلائی اور منکر کا معنی ہے برائی۔ اور دراصل لغوی معنی ہے معروف کا جانا پہچانا ہوا۔ اور منکر کا معنی ہے اجنبی۔ جانا ہوا، پہچانا ہوا، نہیں ۔جیسے وہ لوگ جو آتے جاتے ہیں وہ جانے پہچانے ہوئے ہوتے ہیں۔ اجنبی مرد اور عورت وہ لوگ ہیں جو نئے ہیں۔ جانے پہچانے ہوئے نہیں ہیں۔

معمولات اہلِ سنت معروف ہیں اور ان سے روکنا منکر ہے:

تو معروف (یعنی) جانا پہچانا ہوا وہ ہے جو ہمارے درمیان پہلے سے موجود ہے جیسے سورۂ فاتحہ برائے ایصال ثواب مشہور و معروف ہے، جانی پہچانی ہوئی چیز ہے، معروف ہے یعنی نیکی ہے بھلائی ہے۔ جیسے مجلس میلاد، قیام، درود و سلام بھی کہ یہ بھی مشہور و معروف ہیں نہ صرف ہمارے زمانہ میں۔ نہ صرف ہمارے ملک میں۔ نہ صرف ہمارے شہر میں بلکہ مشہور و معروف و متعارف ہیں سب زمانوں میں سب شہروں میں۔ اس کے مقابلہ میں منکر ہے، اجنبی ہے۔ تو اجنبی، بدعت منکر تو اس کا، یعنی میلاد و فاتحہ وغیرہ ان تمام چیزوں کا انکار ہے۔ منکر اس کا مصداق ہے (یعنی فاتحہ عرس، میلاد، قیام، اور صلوٰۃ و سلام وغیرہ یہ تمام چیزیں پہلے سے ہوتی آرہی ہیں تو یہ معروف و مشہور کے زمرہ میں ہیں البتہ ان تمام مستحسن و نیک امور کا انکار یہ نئی چیز ہے جو "منکر" کے زمرہ میں آتی ہے کہ یہ ایک نئی اور اجنبی چیز ہے مگر چونکہ ان وہابیوں اور دیوبندیوں کے دلوں میں گمراہی کی سیاہی پھیل چکی ہے لہٰذا حدیث شریف کے فرمان کے مطابق یہ "معروف و منکر" میں تمیز نہیں کر پاتے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ بریلوی) لا یعرف معروفا و لا منکرا۔ یہ منکر مردود اس دلیل سے قائل ہونے والا نہیں کہ حدیث کا فرمان ہے الا ما اشرب عن ہواہ۔ قرآن میں ہے فان آمنوا بمثل ما آمنتم بہ فقد اہتدوا و ان تولوا فانما ہم فی شقاق۔ پھر اگر ایمان لائیں (مان جائیں) جس طرح تم ایمان لائے ہو (تم مانے ہو) پھر تب تو یقیناً راہ پائی اور اگر نہ مانیں تو وہی مجرم ہیں اختلاف کے سبب۔

اب ہم معرفت اور معروف سے بحث کر رہے ہیں اور ہمارے سامنے تفاسیر مثل مدارک التنزیل اور تفسیر خازن رکھی ہوئی ہیں۔

ولما جاءہم کتاب من عند اللہ مصدق لما معہم و کانوا من قبل (ای من مبعث النبی ﷺ) یستفتحون (ای یستنصرون بہ) علی الذین کفروا (یعنی مشرکی العرب اذا قاتلوہم قالوا اللہم

انصر بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجدنعتہ فی التوراۃ) فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین۔ اور پھر جب آئی یہود کے پاس کتاب (قرآن حکیم) اللہ کے پاس سے اس کی تصدیق کرتی ہوئی جوان کے ساتھ ہے (یعنی توریت) اور حال یہ ہے کہ قرآن ورسول آنے سے قبل اور بعثتِ نبوی سے پہلے وہ یہودی مدد مانگتے تھے کافروں کے خلاف (یعنی مشرکین عرب کے خلاف اور دعا میں یہ کہتے تھے۔

"اللھم انصر بالنبی المبعوث فی أخر الزمان الذی نجدنعتہ فی التوراۃ"۔ ائے ہمارے اللہ! ہماری مدد فرما اس نبی کے وسیلہ سے جو مبعوث ہوگا آخر زمانہ میں وہ کہ اس کی نعت واوصاف پاتے ہیں (لکھی ہوئی) توریت میں۔ فلما جاءھم ما عرفوا" تو تب وہ تشریف لایا کہ جس کو وہ خوب "ما عرفوا" کی طرح جانتے اور پہچانتے تھے تو منکر ہو بیٹھے" تو اللہ کی لعنت کافروں پر"۔ " ما عرفوا" کے تحت ہے مدارک میں ای ما عرفوہ اور خازن میں ہے ای الذی عرفوہ یعنی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ای عرفوا نعتہ و صفتہ"۔

(۳) مقالہ نمبر ۳۔ معمولاتِ اہلِ سنت معروف اور ان سے روکنا منکر ہے:

مذکورہ بالا مقالۂ مفسر اعظم ہند جو علم غیب کے اثبات پر مشتمل "حدیثِ حذیفہ" کی تشریح پر مبنی تھا اس کے آخر میں آپ نے "معروف ومنکر" کی تشریح پیش کی تھی زیر نظر مضمون بھی اسی کا ایک حصہ معلوم پڑتا ہے۔ اپنی عادت کے مطابق سرکار مفسر اعظم ہند نے معروف ومنکر کی اس بحث کے ضمن میں بھی عقائد اہل سنت کو نہایت ہی نفیس انداز میں ثابت فرمایا ہے۔ اس مضمون میں ذیلی سرخیوں، مرکزی عنوان اور کہیں کہیں قوسین میں توضیحی الفاظ کا راقم نے اضافہ کیا ہے۔ یہ مضمون ماہنامہ اعلیٰ حضرت فروری ۱۹۶۶ء کے شمارہ سے لیا گیا ہے۔ (محمد سلیم بریلوی)

"معروف کے معنی جانا پہچانا ہوا۔ منکر اس کی ضد ہے (جس کا معنی ہے) اجنبی غیر معروف، نہ جانا نہ پہچانا ہوا۔ معروف ومنکر کو آپ گزشتہ اشاعتوں میں جو لکھا گیا ہے اس سے جانتے ہیں۔ اس پرچہ میں یہ یاد تازہ کی جارہی ہے تو ایک اہم نکتہ کیلئے۔ جانتے پہنچانتے اسے ہیں جسے پہلے سے دیکھتے رہے ہیں، جو ہمارے درمیان ہمیشہ سے ہر جگہ موجود ہے۔ یہ ہے سبیل مومنین۔ راہ سلوک، سنت جاریہ، سنت فاشیہ۔ جسے علماء نے "من احدی الحجج" کہا ہے۔ دلیلوں میں سے ایک حجت ودلیل تو ہمارے درمیان ہمیشہ سے جو ہو رہا ہے ہوتا رہا ہے ہر شہر میں ہر جگہ جس پر علمائے حق، علمائے معروفین کا اجماع ہے۔ (یعنی معمولات اہلسنت کے حق ہونے کی ایک دلیل تو ان کا

زمانہ قدیم سے چلن اور معروف ومشہور ہونا ہے بریلوی) مثلاً فاتحہ ایصال ثواب، میلاد، قیام، معروف ہے۔ جانا پہچانا ہوا ہے۔ اس کا انکار نئی بات بدعت (اور) عقیدہ جدیدہ ہے۔ یہ ہے منکر، اجنبی اور اس روشنی میں بھی حق و ناحق کو پہچانئے کہ قرآن شریف میں مومن کی صفت آئی **یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر**۔ معروف کا حکم کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ اور منافق کی صفت بیان ہوئی **یامرون بالمنکر و ینھون عن المعروف**۔ منکر کا حکم کرتے ہیں اور معروف سے منع کرتے ہیں۔ اور معروف ہے فاتحہ و میلاد و قیام و تعظیم نبی ﷺ اور بقصد زیارت شریف سفر کرنا یہ سب معروف ہے۔ اس سے منع کرتے ہیں۔ تو یہ منع کرنا یہی تو دلیل ہے ان کے منافق ہونے کی۔ اس لئے کہ اللہ نے فرمایا منافق معروف سے روکتا ہے۔

ہم گزشتہ اشاعت میں لکھ چکے کہ حدیث میں آیا **یحشر الناس علی عاداتھم**۔ لوگ اپنی عادتوں پر حشر کئے جائیں گے۔ یعنی قبر میں اور روز قیامت جب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تو ان کی عادتیں وہی ہونگی جن پر وہ مرے تھے۔ مومن کی اپنی مخصوص عادت ہوگی وہی تعظیم نبی ﷺ بزرگوں کیلئے کھڑا ہوجانا۔ ان سے دست بوس، قدمبوس ہونا وغیرہ وغیرہ اور منافق کی اس کی مخصوص عادت ہوگی۔ اس کی ضد اس کے برعکس اس معروف کو شرک بدعت جاننا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ ان تمام معروف مشہور اور زمانہ قدیم سے رائج معمولات اہلسنت سے روکنا بحکم قرآن منافقت ہے اور ان کا کرنا ایمان کی علامت نیز یہ بھی پتہ چلا کہ کل قیامت میں بھی ہم سنی مودب ہوں گے اور یہ وہابیہ دیابنہ گستاخ۔ (بریلوی)

قبر میں تعظیم رسول: حدیث میں ہے جب میت کو قبر میں رکھا جائے گا اور قبر بند کردی جائے گی تو دو فرشتے آئیں گے (منکر نکیر) جو مردے کو بٹھادیں گے اس سے تیسرا سوال کریں گے۔ **ما کنت تقول فی ھذا الرجل**۔ اس مرد کے بارے میں تو کیا کہا کرتا تھا۔ یہ سوال سرکار دو عالم ﷺ کے بارے میں ہوگا۔ تو مومن حسب عادت امر معروف پر عمل کرے گا، قدمبوسی کرے گا اور تعظیم کیلئے کھڑا ہو جائے گا اور درود و سلام پڑھنا شروع کرے گا، حضور سے استعانت کرے گا۔ بے خود ہو جائے گا نہایت مسرور ہوگا آپ کی زیارت پر اور یہ مسرت اس کی ابدی مسرت کا باعث ہوجائے گی۔

اور منافق اپنی عادت پر اٹھے گا، نہ کھڑا

ہوگا، نہ تعظیم کرے گا، نہ قدمبوسی، نہ دست بوسی ۔ بلکہ وہی ہمسری وسرکشی وتمرد، جس منکر کا وہ عادی تھا اسی پر از خود عمل کرے گا۔ نکتہ یہ ہے اور اسی کیلئے مضمون کو دوبارہ ضبط تحریر میں لایا گیا کہ مومن معروف پر عمل کرے گا۔ اور منافق منکر پر، منکر کو آپ پہچان چکے۔ اب یہاں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ ایک فرشتے کا نام ہے "منکر" دوسرے کا نام ہے "نکیر" "جس کے معنی ہیں عذاب کے یعنی جو منکر پر عمل کرتا ہے اس کا واسطہ منکر (فرشتے) سے پڑتا ہے اور اسے نکیر (نامی فرشتہ) عذاب دیتا ہے۔ جو معروف پر عمل کرتا ہے خصوصاً وقت امتحان وسوال قبر اس کا واسطہ (یعنی عذاب دینے کا واسطہ) منکر نکیر سے نہیں پڑتا ۔تو منکر ونکیر ان کیلئے ہے ہمارے لئے نہیں۔ جیسے ہی ہمارے عمل بالمعروف کو دیکھیں گے ہمیں چھوڑ کر چل دیں گے۔ اور ان پر "بقامع حدید" (لوہے کی گرزوں کی مار) کی ضربات لامتناہی سے قیامت قائم ہوجائیگی۔ اس سفر کی بعض تقاریر میں یہ اہم نکتہ بیان ہوا جسے یہاں مشرحاً لکھ دیا گیا"۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنی تقریروں، تحریروں اور دیگر جدوجہد کے ذریعہ مرکز اہل سنت کی علمی وعرفانی شان کو برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا فرمایا۔

❁❁❁

ریحان ملت حضرت علامہ ریحان رضا خاں

(خلف اکبر حضرت مفسر اعظم ہند)

ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی

مدرس جامعہ منظر اسلام، بریلی شریف

حضرت ریحان ملت کی وہ ذات ستودہ صفات ہے جن کی ذات بابرکات کسی بھی حیثیت سے محتاج تعارف نہیں انکی عالمی شہرت کا ڈنکا ہند ہی نہیں بلکہ ایشیا افریقہ امریکہ وغیرہ تمام براعظم میں بج رہا ہے ہندو پاک میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں آپ ''رحمانی میاں'' کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور یہی عرفی نام معروف ومشہور ہے۔ نیز عوام وخواص سب کی زبان زد ہے۔ آپ کی علمی بصیرت سیاسی فراست حکمت ومعرفت یگانہ روزگار تھی، تفسیر اصول تفسیر۔ حدیث اصول حدیث فقہ اصول فقہ، منطق، فلسفہ، ادب وغیرہ علوم وفنون میں کامل مہارت منفرد دسترس رکھتے تھے، شعروشاعری میں بھی کہنہ مشق تھے، غرضیکہ آپ کو دینی و دنیوی علوم وفنون میں سنگ میل کا درجہ حاصل تھا۔ حضرت رحمانی میاں کی عبقری شخصیت علم وادب کی محفلوں میں شمع فروزاں کے مانند تابندہ ودرخشندہ رہتی تھی۔ بڑے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں میں اکثر وبیشتر آپ بحیثیت صدر مدعو ہوتے تھے اور آپ کے بغیر محفل سونی سونی نظر آتی تھی۔ آپ کی ذات ستودہ صفات صرف ایک مولوی یا پیر ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ ایک محرک وفعال ہمہ گیر وہمہ جہت شخصیت تھی۔

ولادت باسعادت:

ان تمام اوصاف حمیدہ وصاحب کمالات سعیدہ کی حامل شخصیت کی پیدائش ۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۴ء کو مرکز عقیدت شہر بریلی شریف کے محلہ خاجہ قطب میں ہوئی آپ کا اسم گرامی آپ کے جدامجد حضور حجۃ الاسلام نے ریحان رضا منتخب فرمایا اور خاندانی روایات کے مطابق محمد نام پر آپ کا عقیقہ ہوا۔ آپ کے جدامجد نے آپ کے لیے جس نام کا انتخاب فرمای تاھ۔ اس نام کی برکت وبرتری کا آپ نے اپنی حیات میں خود احساس کیا۔ اسی لیے اس واقعہ کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے آپ نے اپنی ایک تحریر کردہ نعت کے مقطع میں تحریر فرمایا ہے۔

نام یہ جس نے دیا اس کو خبر تھی شاید
انکار ریحان کبھی دنیا میں چمکتا ہوگا

شجرۂ نسب:

آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح سے ہے۔ محمد ریحان رضا خاں ابن مفسر اعظم محمد ابراہیم رضا خاں ابن حجۃ الاسلام محمد حامد

رضا خاں ابن مجدد اعظم امام احمد رضا خاں علیہم الرحمۃ والرضوان۔

سراپا:

رنگ گندمی، پیشانی کشادہ، چہرہ نورانی، قد لمبا، آنکھیں سرمگیں ناک دراز، سینہ چوڑا، آپ کے چہرہ کو دیکھ کر لوگ متاثر ہوجایا کرتے تھے، ہمیشہ چہرہ سے جلال ایمانی ٹپکتا تھا۔ کافر و مرتد بد مذہب و بد دین آپ کے پر جلال بارعب چہرہ ہی کو دیکھ کر خوف زدہ ہوجاتے تھے آپ اپنوں میں ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے کسی غیر متوقع پریشانی میں بھی لبوں پر مسکراہٹ پھیلی رہتی تھی۔

تعلیم:

پیدائش کے بعد آپ نے طفولیت کے ایام علم و حکمت معرفت و طریقت کے خوشگوار ماحول میں گزارے جب سخن آموزی کی منزل عبور کر چکے تو خاندانی روایت کے مطابق چار سال چار مہینے چار دن کی عمر میں بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کی گئی پھر جب ہی سے آپ حصول علم کی طرف راغب رہے کیونکہ بچپن ہی سے آپ علم و ادب کے دلدادہ تھے، اعلیٰ ذہانت و فطانت رکھتے تھے آپ کی ذہانت و فطانت، فراست و دانائی دیکھ کر آپ کے جد امجد حجۃ الاسلام نے صرف تین سال کی عمر میں آپ کو وصیت نامہ میں ولی عہد سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ رضویہ کا متولی، نیز مدرسہ منظر اسلام کا مہتمم نامزد فرمایا تھا۔ اسی سے آپ کی بلند اقبالی اور خداداد علمی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وصیت کرنے والا کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ بلکہ ایک خدا رسیدہ کامل بزرگ تھا۔ جس کی ولایت و بزرگی کی پوری دنیا معترف ہے وہ اپنی نگاہ بصیرت اور نظر ولایت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ بچہ کل ملک و ملت کا آبیار شریعت و طریقت کا علم بردار ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت مجدد دین و ملت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا سچا و پکا جانشین ہوگا اسی لیے یہ بات بانگ دہل کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی ذات بابرکت بچپن ہی سے۔

بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

کے مصداق تھی۔ غالباً حضرت رحمانی میاں علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی میں جد امجد کی پیشین گوئی کو بنفس نفیس محسوس کیا تھا۔ جبھی تو آپ اس کی منظر کشی کرتے ہوئے اپنے دیوان میں لکھتے ہیں کہ:

رضا و حامد و نوری کا گلشن ہے، بہاروں پر
شگفتہ اس چمن میں خیر سے ریحاں رضا تم ہو

آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی پھر والد ماجد حضور مفسر اعظم ہند کے حکم کے مطابق آپ لائلپور پاکستان تشریف لے گئے وہاں پر جامعہ رضویہ منظر اسلام کے سابق شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا سردار احمد صاحب قبلہ کی خدمت میں تین سال رہ کر معیاری کتابوں کا درس حاصل کیا۔ پھر وہاں سے واپسی کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام سے آپ کی باقاعدہ دستار بندی ہوئی اور آپ نے سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ کرام:

آپ کے اساتذہ کرام میں ان حضرات کا نام خصوصیت کے ساتھ درج ہے کہ جنھوں نے آپ کو شب و روز شفقت و محبت کے ساتھ علم دین پڑھایا، معرفت و حکمت کی

تشنگی دور فرما کر مستند عالم دین بنایا حضور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب، صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت، مولانا غلام جیلانی صاحب اعظمی، حضور مفسر اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں حضور مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب، محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد صاحب، حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی، حضرت مولانا احسان علی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد احمد جہانگیر خاں صاحب، حضرت مولانا سید افضل حسین صاحب علیہم الرحمۃ والرضوان۔

تدریس:

سند فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ کی صلاحیت وقابلیت کو دیکھ کر جامعہ کے اراکین نے جامعہ رضویہ منظر اسلام خدمات انجام دیتے رہے تدریس کا ملکہ آپ کو بہت ہی بہتر حاصل تھا۔ افہام وتفہیم کا انداز نرالا تھا۔ طلبہ آپ کی درسگاہ میں بلا جھجک اعتراف کیا کرتے تھے اور ہشاش بشاش رہا کرتے تھے آپ ہر ایک اعتراض کا جواب متانت وسنجیدگی سے دیا کرتے تھے۔ غرضیکہ مسلسل زبان فیض ترجمان سے گوہر فشانی کیا کرتے تھے، دوران تدریس آپ نے درس نظامی کی مختلف کتابیں پڑھائیں۔ تفسیر، اصول تفسیر ،حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ اور ادب سے آپ کو زیادہ دلچسپی تھی۔ یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے جب آپ کے کندھوں پر جامعہ کی نظامت کا بار گراں آیا تو اس کے فرائض کی انجام دہی اور دیگر سماجی اور سیاسی امور میں منہمک ہونے کی وجہ سے کافی عرصہ تک درس وتدریس سے آپ علیحدہ رہے ایک طویل مدت کے بعد مدرسین کی کمی کی وجہ سے آپ نے دوبارہ ۸۰ء سے لیکر ۸۲ء تک جامعہ میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر بخاری شریف ومسلم شریف اور دیگر درسی کتابوں کا درس دیا۔ جامعہ کے منتہی طلبہ اس وقت بھی آپ کی قابلیت وصلاحیت کے معترف تھے۔ حالانکہ مدت دراز تک آپ کا تدریسی معاملہ موقوف رہا۔ لیکن جب آپ بخاری شریف کا درس دیتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو علم حدیث پر مکمل عبور حاصل ہے، آج کل اساتذہ بخاری شریف کا ترجمہ اردو زبان میں کرتے وہئے دشواری محسوس کرتے ہیں۔ مگر آپ نے اکثر عربی زبان میں بخاری شریف ومسلم شریف کا درس دیا ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ کچھ طلبہ دوسرے ملک کے ایسے تھے جو اردو زبان بالکل نہیں جانتے تھے انہیں صرف عربی آتی تھی ، اس لیے آپ نے درسگاہ کے علاوہ جامعہ کے دفتر میں ان کو عربی زبان میں بخاری شریف کئی ماہ تک پڑھایا۔ وہ لوگ آپ کی عربی زبان دانی دیکھ کر آپ سے بہت مانوس ہوئے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

تلامذہ:

چودہ پندرہ سالہ دور تدریس میں آپ نے سیکڑوں نامور وفن کار شاگرد بنائے۔ اور قوم وملت کی خدمت کے لیے دنیا کے مختلف گوشوں میں روانہ کیے کہ جنہوں نے ملک وبیرون ملک میں بے لوث خدمت خلق کا کام انجام دے کر اپنے مشفق استاذ کا حق ادا کر دیا ہے اور تاحیات اسی طور سے اپنے اپنے ملک اور اطراف وجوانب میں خدمت دین متین میں سرگرم

عمل رہیں گے۔

اے کاش! آپ کچھ اور مدت تک درس وتدریس کا کام انجام دیتے تو نہ جانے کتنے علم وفن کے ماہ ونجوم بنکر چمکتے لیکن معاشی پریشانی اور دیگر وجوہات کے سبب آپ درس وتدریس سے کنارہ کش ہو گئے۔ آپ کے پروردہ نامور ومشہور تلامذہ جنہوں نے اپنی بے مثال خدمت کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں ان کے نامنامی اس گرامی درج ذیل ہیں۔ حضرت مفتی اختر رضا خاں ازہری مدظلہ العالی۔ حضرت علامہ مولانا سید عارف صاحب سابق شیخ الحدیث منظر اسلام۔ حضرت علامہ مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم صاحب صدر مفتی مرکزی دار الافتاء بریلی شریف، حضرت مولانا راشد القادری صاحب اناؤ کانپور، حضرت مولانا برکت اللہ صاحب نانپاروی، حضرت مولانا راحت علی صاحب نانپاروی، حضرت مولانا نور الدین نظامی صاحب رامپور، مفتی ریاض احمد صاحب سیوان، مولانا غلام رسول صاحب شیخ الحدیث بحر العلوم کٹیہار، مولوی محمد حنیف صاحب خطیب مسجد انگلیڈ، مولوی عبد المنان صاحب اشرفی خطیب وامام مسجد بولٹین (بروایت صدر الدین رضا نوری رضوی) حضرت مولانا داؤد صاحب، حضرت مولانا عبد الصمد صاحب، حضرت مولانا بدر الدین صاحب، حضرت مولانا عبد الحمید پالمر صاحب افریقی، مولانا احمد مقدم صاحب افریقی، مولانا عبد الہادی صاحب افریقی۔

اولاد:۔

آپ کی اولاد میں پانچ صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں ہیں۔ سب سے بڑے صاحب زادے حضرت الحاج مولانا سبحان رضا خان سبحانی میاں جو اس وقت آپ کے ولیٔ عہد اور خانقاہ عالیہ رضویہ کے سجادہ نشین ہیں۔ جامعہ منظر اسلام کے ناظم اعلیٰ نیز ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' کے مدیر اعلی بھی ہیں۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضا خان انجم میاں صاحب، حضرت توقیر رضا خان صاحب، حضرت الحاج مولانا توصیف رضا خان صاحب جو آج ہندوستان کے مایۂ ناز شعلہ بار خطیبوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور مرکز اہل سنت کی نمائندگی آپ ہی کی ذات سے پوری ہوتی ہے۔ ان کے بعد حضرت الحاج قاری تسلیم رضا خان صاحب عرف شیراز نوری سب کے سب باحیات ہیں اور ماشاء اللہ سبھی حضرات خدمت خلق، مذہب اہل سنت، مسلک اعلی حضرت کی اشاعت وتبلیغ کے لیے ہمہ اوقات مستعد وکمر بستہ رہتے ہیں۔

فتویٰ نویسی:۔

آپ کی فقہی صلاحیت کو دیکھ کر علمائے کرام ومفتیان عظام حیرت کیا کرتے تھے۔ آپ نے مختلف موضوع پر فتاوے لکھے ہیں۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ کے بعد وصال آپ فتاوئ نویسی کے کام میں زیادہ مشغول ہو گئے تھے۔ جامعہ رضویہ منظر اسلام کا دار الافتا آپ ہی کی زیر نگرانی تھا۔ آپ کا فتوی نہایت ہی مفصل ومدلل ہوا کرتا تھا۔ وصال سے پہلے جو آپ نے فتویٰ تحریر کیا وہ نہایت مفصل ومدلل ہے اور آپ کا آخری فتویٰ بھی ہے۔

تبلیغ وخطابت:۔

آپ ایک بہترین مقرر تھے۔ آپ نے کبھی بھی تقریر کرنے سے قبل ذہن میں مضامین کی ترتیب نہیں دی اور نہ ہی کبھی تقریر کو لکھ کر یاد کیا بلکہ جس وقت آپ اسٹیج پر جاتے تھے

اسی وقت آپ سے کہ دیا جاتا تھا کہ فلاں مضمون (عنوان) پر آپ کو بولنا ہے۔ پھر آپ جس وقت تقریر فرماتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم کا دریا موجزن ہے۔ آپ مدلل تقریر فرماتے تھے، آپ کی تقریر نہایت مؤثر ہوتی تھی کہ سامعین سنتے ہی متاثر ہو جایا کرتے تھے۔

ابتدائی تقریر کا ایک واقعہ آپ نے اس طرح سے بیان کیا ہے جو قابل توجہ ہے: ''والد ماجد حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد جب دستار سجادگی ہوئی اور مجھے تقریری کے لیے پکارا گیا تو میں اس وقت تقریری نہیں کیا کرتا تھا مگر تقریر کے لیے میرا اعلان کر دیا گیا، یہ اعلان سن کر میں دنگ رہ گیا اور سب سے پہلے جد امجد سرکار سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت، پیکر کرامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر کہا کہ حضور اگر آج میری تقریر کامیاب نہیں ہوئی تو میں زندگی بھر تقریر نہیں کروں گا۔ سیدنا مجدد اعظم قدس سرہٗ سے استعانت طلب کی، حضور اعلیٰ حضرت کی روحانی تصرفات سے یہ تقریر بہت کامیاب رہی۔ اس کے بعد سے معیاری تقریر ہوتی رہی جو لوگوں کے لیے دل پذیر ہو گئی''۔

شعر وشاعری:

حضور ریحان ملت نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔

موصوف کی شاعری میں سلاست، روانی اور جدت ترازی ساتھ ہی ساتھ صنائع بدائع، تلمیح واشارات وکنایات حد درجہ پائی جاتی ہیں۔ ہر چند کہ شاعری ایک الگ فن ہے۔ اور بڑا نازک فن اور اس فن کی نازک ترین صنف نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اتنا نازک اور اتنا خطرناک کہ بقول عرفی شیرازی:

عرفی مشتاب ایں راہ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ بردم تیغ است قدم را

علماء کرام فرماتے ہیں کہ شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری کرنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نعت گوئی کتنا مشکل فن ہے لیکن، ریحان ملت نے اس ڈگر پر چل کر ثابت کر دیا ہے کہ نعت گوئی کا ملکہ آپ کے اندر بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ آپ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت علامہ شبنم کمالی صاحب رقم طراز ہیں۔

بریلی اردو نثر اردو نظم دونوں کے لیے دبستان کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا جو مقام خاص ہے وہ مسلم ہے دبستان بریلی کا دائرہ محدود ہے۔ اور نہ اس کا حلقہ محصور ہے۔ بلکہ برصغیر اور بیرونی ممالک میں جو ادباء وشعراء بریلی مسلک فکر یا واضح طور پر اسے یوں کہیے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مصلحانہ اور مجتہدانہ تحقیق وتنقیح کی روشنی میں مقدس ایمانی، اسلامی اور اصلاحی عقید ہو نظریہ ے مسلک ہیں سبھی دبستان بریلی ہی سے وابستہ ہیں امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں۔

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اُٹھائے کیوں

یقیناً بندۂ مومن کا یہی عقیدہ ونظریہ ہے اور جس کا یہ عقیدہ ونظریہ ہے وہ دبستان بریلی ہی سے وابستہ ہے اسی چمنستان بریلی کے ایک شگفتہ گل تر بلکہ گلستان اعلیٰ حضرت بریلی کے ریحان مقدس حضرت علامہ الحاج مولانا ریحان رضا

خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔ یا آپ اسے یوں کہیے کہ اسی پاکیزہ دبستان بریلی کے کوکب درخشاں حضور ریحان ملت ہیں۔ آپ اپنی ایک نعت پاک کے مقطع میں ارشاد فرماتے ہیں۔

گلستان رضا کا پھول ہوں ریحان کہتے ہیں
مرا آغاز جنت ہے مرا انجام جنت ہے

ظاہر ہے گلستان پھول اور ریحان کا آغاز وانجام جنت کے سوا کوئی اور ہو بھی نہیں سکتا۔ باغ دنیا ہو یا باغ آخرت دونوں مقامات میں گلشن، گل اور ریحان کا کمال وجمال نظر آئے گا۔ ریحان خوشبودار پودے کو کہتے ہیں۔ جس کا تعلق گلستاں سے ہوتا ہے جس میں پھول کھلتے اور اگتے ہیں اور اپنی خوشبو سے فضا کو معطر کرتے اور اہل خرد انسانوں کے دل ودماغ کو مست کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے آغاز وانجام کے جنت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ حضرت ریحان ملت کا عرفی نام ''ریحان رضا'' حضور حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رکھا تھا۔ اور شاعری کے لیے ریحان کا تخلص خود حضور ریحان رضا نے انتخاب کیا تھا ریحان رضا کے چند شعر اور بھی پیش نظر رکھیں۔ آپ فرماتے ہیں:

نام یہ جس نے دیا اس کو خبر تھی شاید
ان کا ریحان کبھی دنیا میں چمکتا ہوگا

پودا اگر حسین وجمیل پاکیزہ اور شفاف ہو تو چمکتا ہے۔ مگر یہاں چمکنا مہکنے کے معنیٰ میں ہے کہ ان کی خشبو دنیا میں پھیلے گی۔ اس کا نام عالم میں روشن ہوگا۔ اور وہ ایک دن شہرت وعظمت کی بلندیوں پر ماہ تاباں کی صورت میں روشن ہوگا۔ اور وہ ایک دن شہرت وعظمت کی بلندیوں پر ماہ تاباں کی صورت میں چمکے گا۔ اور ایسا ہوا بھی اسے حضرت نے تحدیث نعمت کے طور پر نام کی برکت اور نام رکھنے والے کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے بیان فرمایا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

یہ ریحاں دین وسنت کے مہکتے ہیں جدھر دیکھو
نوازش ہے رضا کی اور احساں ان کے منظر کا

کتنی اچھی اور کتنی پیاری بات اس شعر میں کہہ دی گئی ہے۔ اس بات کا اعتراف تو ضرور ہے، کہ دین وسنت کا یہ ریحان فضائے عالم میں ہر طرف مہک کر اہل ایماں کے مشام جان وایمان کو معطر کر رہا ہے۔ صرف شہر بریلی ہی نہیں بلکہ پورے ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں اور صرف برصغیر ہی میں نہیں بلکہ یورپ افریقہ اور دوسرے ممالک میں بھی ہر طرف اس کے علم اور تبلیغ واصلاح کے پھول ریحان (خوشبودار پودا) کی صورت میں مہک رہے ہیں اس کی شہرت اکناف عالم میں پھیلی ہوئی ہے مگر اس سعادت وشہرت وعظمت کے لیے وہ اپنی ذات کی طرف نگاہ نہیں ڈالتے بلکہ اسے حضور سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور حضرت حجۃ الاسلام حامد رضا کی نوازش قرار دیتے ہیں اور جامعہ منظر اسلام جو مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کا منظر ہے اس کی تعلیم وتربیت کا احسان ثابت کرتے ہیں۔ یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیں:

ریحاں سا کوئی پھول گلستاں میں نہیں ہے
ہر رخ سے چمن اہل نظر دیکھ رہے ہیں

یہ شعر واقعی تحدیث نعمت ہی کے طور پر پیش فرمایا گیا ہے۔ خانوادۂ اعلیٰ حضرت کہہ لیجیے یا گلستان اعلیٰ حضرت، اس میں ریحان نام کا کوئی دوسرا فرد نہیں تھا۔ اس لیے کوئی دوسرا پھول

بھی اس نام کا نہیں تھا۔ پھر جس دور کی بات کہی جارہی ہے اس دور میں جو امتیازی خصوصیات انہیں حاصل تھیں وہ میرے خیال میں شاید کسی کو بھی نہیں تھیں، خصوصیات پر غور فرمائیں۔ مسند اعلیٰ حضرت کا سجادہ نشین، جامعہ منظر اسلام کا مہتمم بہ حیثیت شیخ الحدیث جامعہ کا مدرس، مفتی مرکز اہل سنت، خاندان اعلیٰ حضرت کا شاندار خطیب، رسالہٗ اعلیٰ حضرت کا مدیر اور اس کی اشاعت کر کے مسلک مقدس کا ترجمان، ایک عظیم شاعر، مصلح قوم وملت، سیاسی اور سماجی بصیرت رکھتے ہوئے ایوان حکومت میں نمائندگی، جامع علوم وفنون، یہ تمام خوبیاں بہ یک وقت حضرت ریحان ملت میں جمع تھیں۔

ابھی تک میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور ریحان ملت نے اپنے نام اور تخلص سے کیسے کیسے فائدے اُٹھائے ہیں۔ کس طرح اپنی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے گویا اپنی زندگی اپنی نسبت اور اپنی شخصیت کا نقش جمیل اہل فکر ونظر کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب آیئے آپ کے دوسرے اشعار کی طرف بھی رخ کر کے حضرت ریحان رضا کی شاعری کا جائزہ لیں اور اپنے لیے کیف وسرور کا سامان فراہم کریں۔

بیعت وخلافت:

آپ سرکار مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر عنفوان شباب ہی میں بیعت حاصل کر چکے تھے۔ یہ بات بھی یہاں قابل ذکر اور لائق صد ستائش ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند جیسا تقویٰ شعار زہد وورع کا پیکر معرفت وحکمت کی ناپید اکنار ہستی نے خاندان میں سب سے پہلے اگر کسی کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کیا تھا تو وہ ہستی نے خاندان میں سب سے پہلے اگر کسی کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کیا تھا تو وہ حضرت ریحان ملت کی ذات ستودہ صفات تھی۔ حضور مفتی اعظم ہند کا حضرت ریحانی میاں کو اپنا خلیفہ بنانا اور بیعت وارشاد کی اجازت مرحمت فرمانا یہی ریحان ملت کی معرفت وحکمت رفعت وعظمت تقویٰ وطہارت کا بین ثبوت ہے۔ جس پر مزید خامہ فرسائی اور دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ اخلاص فی العمل کے آپ پیکر تھے آپ جس طرح سے اپنے گھر میں رہتے تھے اور اپنے محلے میں چلتے پھرتے تھے۔ اسی طرح سادگی کے ساتھ اپنے مریدوں میں بھی رہتے تھے۔ ان پیروں کی طرح نہیں رہتے تھیکہ جو گھر میں بے نمازی ہوں اور مریدوں میں تہجد گزار شب زندہ دار ہوں۔ آپ کے ہر کام میں اخلاص تھا تو کل علی اللہ سے آپ کی ذات مملو تھی۔

چمنستان رضا میں شہزادہ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام الشاہ محمد حامد رضا خان کی دعاؤں سے ۱۳۹۱ھ میں مفسر اعظم مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں کے آنگن میں ایک پھول کھلا اس پھول کا نام دادا نے تجویز کرتے ہوئے ریحان رکھا ریحان کے لغوی معنیٰ خوشبودار پودے کے ہیں۔ اس خوشبودار پودے نے اپنی نوعمری کے زمانے سے ہی اپنے اردگرد کے ماحول کو معطر بنا رکھا تھا۔ ریحان کو جو بھی اپنی گود میں لیتا وہ ریحان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

ایک دن مفسر اعظم ہند حضرت جیلانی میں ریحان رضا کو گود میں لیے ہوئے تھے اور پیار سے کہنے لگے، ریحان تو کالا ہے، حجۃ الاسلام قریب ہی تشریف فرما تھے فرمایا جیلانی میاں ریحان میری آنکھ کا تارا ہے، ریحان کو کوئی میری آنکھ سے دیکھے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ریحان کیا ہے۔ (عبد الجبار رحمانی، پاکستان)

۱۹۳۸ء کی شام کاشانۂ اعلیٰ حضرت کے تمام افراد چارپائیوں پر تشریف فرما تھے۔ حجۃ الاسلام حامد رضا خاں نے فرمایا میں نے اپنی وصیت تحریر کرادی ہے۔ تمام موجود اہل خانہ ہمہ تن گوش تھے آپ فرمارہے تھے "میرے بعد میرا فرزند اکبر محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں اور بعدہٗ فرزند اصغر نعمانی میاں اور اس کے بعد ہمارا سجادہ نشیں و متولی ریحان رضا ہوگا" زمانہ حیران تھا کہ ریحان رضا ابھی صرف چار سال کے ہیں اور حجۃ الاسلام نے ریحان رضا کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خانقاہ کا سجادہ نشین نامزد کردیا۔ مگر کسی کی یہ جسارت نہ تھی کہ کوئی حجۃ الاسلام سے اس مسئلہ پر استفسار کرسکے وقت گزرتا رہا آپ کی تعلیم و تربیت کا زمانہ شروع ہوا۔

آپ کی تعلیم کے لیے ماہر اساتذہ کا تقرر کیا گیا جن میں محدث اعظم پاکستان جن میں محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد فیصل آبادی، حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی، حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں کی خصوصی تعلیم نے ریحان رضا کو ریحان ملت بنادیا۔

ریحان ملت کی زندگی کے بے شمار پہلو ہیں اور ان پر روشنی ڈالنے کی بے حد ضرورت ہے۔ اگر میں اپنے مرشد کے لیے لکھوں تو بڑی بات نہیں بڑی بات تو یہ ہے کہ آج ایک عالم میرے مرشد کی مدح سرائی کررہا ہے۔ میرا عنوان ریحان ملت کی بیعت و خلافت ہے ریحان ملت کے بارے میں میں نے بے شمار مقامات پر یہ پڑھا ہے کہ آپ مفتی اعظم ہند سے بیعت ہیں اور آپ کو مفتی اعظم ہند نے خاندان میں سب سے پہلے خلافت عطا فرمائی اور یہ حقیقت ہے اس سے انکار نا ممکن ہے۔ مگر اس سلسلے میں میری ایک مزید تحقیق ہے کہ ریحان ملت کو حجۃ الاسلام الشاہ مولانا حامد رضا خان صاحب نے بھی بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا اس کے لیے میں جو دلیل پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے اپنی تاریخی وصیت میں فرمایا ہے میں نے اپنے نبیرہ ریحان رضا خاں رحمانی میاں قبلہ حجۃ الاسلام سے بیعت تھے اور ان سے خلافت و اجازت بھی پاچکے تھے اس تحقیق کا مقصد کسی قسم کا اختلاف پیدا کرنا ہرگز نہیں میری تحقیق کے مطابق اب صورت یہ ہے کہ حجۃ الاسلام کے دنیا سے پردہ کرنے کے بعد مفتی اعظم ہند نے حضرت ریحان ملت مولانا الشاہ مفتی محمد ریحان رضا خان رحمانی میاں رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

الجامعۃ الاسلامیہ مسولی شریف

مشرقی یوپی کا نہایت معتبر، معیاری اور دینی ادارہ ہے جہاں 375 طالبان علوم نبویہ اس میکدۂ علم وعرفان سے سیرابی حاصل کر رہے ہیں۔ طعام وقیام اور خورد ونوش کے علاوہ علاج ومعالجہ کا بھی تشفی بخش انتظام ہے۔ 14 افراد پر مشتمل اساتذۂ ذوی الاحترام کی مخلص ٹیم نئی نسلوں کے دلوں کو علوم عقلیہ ونقلیہ کے اجالوں سے آراستہ کرنے میں مصروف ہے۔

جامعہ اسمٰعیلیہ

نے مختصر سی مدت میں جو کارہائے نمایاں انجام دیا وہ تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ مخدوم الملت، شیخ طریقت، جانشین سرکار مسولی حضرت علامہ الشاہ سید گلزار اسماعیل واسطی زید کرمہ صاحب سجادہ آستانۂ فلک وسربراہ اعلی الجامعۃ الاسمٰعیلیہ کی قیادت وسیادت میں ادارہ روز افزوں ترقی کی راہوں سے ہمکنار ہے۔

سرکاران مسولی شریف کا فیضان

،حضور صاحب سجادہ کی روحانیت

اور اساتذۂ کرام کی محنت ہے

کہ امسال عرس اسمٰعیلی میں 63 بچے جامعہ اسماعیلیہ مسولی شریف سے فارغ ہو رہے ہیں جن میں 12 علماء، 21 حفاظ اور 31 قراء ہیں، مزید خوش آئند بات یہ ہے کہ رئیس الاولیاء انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی کا 3 اگست، 2018 میں افتتاح ہوا۔ دین وشریعت کے فروغ کے لیے مدارس دینیہ کا قیام ضروری ہے تاکہ اسلام کے سپاہی اسلحہ سے لیس ہو کر مسلک ومذہب کی حفاظت کر سکیں، لہٰذا ان غازیان اسلام کی صحیح تربیت کے لیے آپ اہل دل سے خصوصی توجہ کی گزارش ہے۔

مہتمم

الجامعۃ الاسمٰعیلیہ مسولی شریف

امین شریعت علامہ سبطین رضا خان بریلوی قدس سرہ

مولانا محمد قمر الزماں مصباحی، مظفر پور
القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج، پٹنہ

حضور امین شریعت، شبیہ مفتی اعظم حضرت علامہ سبطین رضا خان صاحب قبلہ مدظلہ العالی کا شجرۂ علم و نسب بڑا اونچا ہے۔ آپ کے جد کریم استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ، مجدد دین وملت اعلی حضرت امام احمد رضا قادری کے منجھلے بھائی ہیں، جن کے بارے میں آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ مری خدمات دینیہ میں آدھا حصہ مرے بھائی حسن مرحوم کا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ جملہ بتا رہا ہے کہ ابطال باطل، احقاق حق اور فروغ سنیت میں حضور استاذ زمن اپنے برادر اکبر کے شانہ بشانہ نظر آ رہے ہیں۔ حضور امین شریعت زیدہ مجدہ کے لئے یہی نسبت کافی ہے کہ آپ نے اس خاندان میں پرورش پائی جو علم و فضل، سلوک و تصوف، زہد و تقویٰ، فقہ و تفسیر، احسان و مروت، ارشاد و ہدایت اور خدمت دین و سنیت میں بے مثال ہے۔ آپ کے والد محترم استاذ العلما حضرت علامہ شاہ حسنین رضا قادری قدس سرہ یگانہ زمانہ، علم و شعور کے کوہ ہمالہ اور عبقری الشرق شخصیت کے مالک تھے اور خود حضور امین شریعت کا قد علم و تقویٰ کے اعتبار بہت اونچا ہے مگر اتنا کچھ ہونے کے باوجود نہ نخوت فکر، نہ پندار علم اور نہ ہی خاندانی عز و شرف کا کوئی غرہ، پوری زندگی عجز و انکساری کا مرقع، تواضع و خاکساری کا مجسمہ، حسن اخلاق، تابندہ کردار اور سادگی و کسر نفسی کا پیکر نظر آتی ہے۔ قدرت نے آپ کی دعوت و تبلیغ کے لئے اس علاقے کا انتخاب فرمایا جہاں کفر و اسلام میں کوئی فرق نہ تھا، دھوپ چھاؤں کی کوئی تمیز نہ تھی، بدعت و سنت میں کوئی امتیاز نہ تھا اور شرعی حسن و قبح سے لوگ مکمل نا آشنا تھے، لیکن آپ کی پاکیزہ سیرت، قائدانہ بصیرت اور شب و روز کی محنت و مشقت سے پوری آبادی میں ایمان و عقیدہ کا ایسا نور پھیل گیا کہ جن گھروں میں ہولی اور دیوالی منائی جاتی تھی وہاں سے تلاوت قرآن کی خوشبو پھوٹنے لگی، ہر گھر میں عقیدے کی بہار آ گئی، زندگی میں حسن کردار کی مستیاں چھانے لگیں، زبانوں پر نغمہ توحید کے پھول کھلنے لگے، چہروں پر نور کے سبزے اگنے لگے، کثافت قلبی دور ہونے لگی اور پیشانیاں لذت سجدہ سے سرشار ہونے لگیں۔ یہ ایک سچائی ہے کہ چھتیس گڑھ میں اسلامی تہذیب و شرافت کا جو چراغ جل رہا ہے اس میں آپ کے لہو کا تیل بھی شامل ہے۔ وہ آبادیاں جو صرف پہاڑوں اور خارداروں سے ہی نہیں بلکہ شرک و بدعت کے جنگلوں سے گھری ہوئی تھیں اس وادی غیر ذی زرع میں ایمان و ایقان، عشق و اخلاص اور نبی ناز رحمت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے کردار کے جو پھول مہکائے ہیں اس سے آج بھی دماغ سنیت معطر ہے اگر آج پورا علاقہ سنت وشریعت کی کرنوں سے رشک قمر بنا ہوا ہے تو اسی مرد قلندر کی نگاہ مقدر ساز کا اثر ہے۔

اس سے پہلے کہ میں حضور امین شریعت کی داعیانہ بصیرت پر روشنی ڈالوں آیئے دعوت وتبلیغ کے معنی ومفہوم، دعوت کے مراتب اور داعی کے اوصاف قرآن مجید کے اجالے میں ملاحظہ کریں تا کہ ممدوح کی شخصیت کے جلوۂ صد ہزار سے آپ کچھ حظ اٹھا سکیں۔

دعوت وتبلیغ:۔ دعوت کا لغوی معنی "کسی چیز کی طرف بلانا "اور تبلیغ کا لغوی معنی" کوئی چیز پہونچانا" شریعت میں دعوت کا معنی دین کی طرف بلانا اور تبلیغ کا معنی احکام دینیہ کو پہونچانا۔

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمہ نے دعوت کے چار مراتب بیان کئے ہیں۔

(۱) انبیاے کرام علیہ السلام کی دعوت:۔ جو معجزات و براہین اور تلوار کے ذریعہ ہوتی ہے۔

(۲) علماے کرام کی دعوت:۔ جو دلائل و براہین سے دی جاتی ہے۔

(۳) سلاطین اسلام کی دعوت:۔ تلوار کی طاقت سے دی جاتی ہے، یہ حضرات کفار سے اس وقت تک جہاد کرتے ہیں جب تک کہ وہ دین اسلام میں داخل نہ ہو جائیں۔

(۴) موذن کی دعوت:۔ نماز کے لئے۔

خداوند قدوس کی کتاب قرآن مجید کی سورۂ نحل میں دعوت و تبلیغ کے چند روشن اصول یہ ہیں:

۱. اچھی تدبیر (حکمت)۔ ۲. موعظ حسنہ (اچھی نصیحت)۔ ۳. جدال احسن (اچھی طریقہ پر بحث کرنا)۔ ۴. صبر واستقامت۔ ۵. تقویٰ و احسان۔ (معارف محسن ملت، ص: ۱۲۴ تا ۱۲۶)

حکمت:۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گفتگو خواہ جس قدر حسین جملوں کے غلاف میں لپٹی ہوا گر دلائل اور عقلیت سے خالی ہو تو بے وزن ہو کر رہ جاتی ہے یوں ہی سامع کی فکر اور ذوق سماعت کو اپیل بھی کر رہی ہو اور حدیث رسول بھی اسی کی تعلیم دیتی ہے کہ گفتگو مخاطب کے فہم وشعور کے اعتبار سے کرو ورنہ تمھاری بات مقصدیت کو کھو بیٹھے گی۔

موعظ حسنہ:۔ گفتگو میں جس قدر بھی وزنی دلائل پیش کئے جائیں اگر انداز میں تلخی اور لہجے میں کرختگی ہے تو گفتگو روح کی خلوتوں میں نہیں جھانک سکتی۔ اس لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے ملفوظ شریف میں ارشاد فرمایا دیکھو نرمی میں جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز نہیں حاصل ہو سکتے۔ گویا دعوت کو پر اثر بنانے کے لئے جہاں گفتگو دلائل و براہین سے روشن ہو وہیں باتوں میں لذت وحلاوت بھی ضروری ہے۔

جدال احسن:۔ دعوت وتبلیغ کی راہ ایسی ہے کہ کبھی کبھی بحث ومناظرہ کے ماحول سے بھی گزرنا پڑتا ہے ایسی صورت میں حلم و بردباری اور صبر وتحمل کی ضرورت ہے۔ گفتگو معقول ہونے کے ساتھ انداز میں متانت اور لب ولہجہ میں سنجیدگی لازم ہے۔ گرم جوشی اور مجادلہ کا اظہار بالکل نہ ہونے پائے۔

صبرو استقامت:۔ دعوت کی راہ میں قدم قدم پر زحمتیں، مصیبتیں، دشواریاں اور پریشانیاں ہیں۔ پھولوں سے نہیں انگاروں سے گزرنا ہے، کانٹوں سے کھیلنا ہے، دامن کو کلیوں سے نہیں پتھروں سے سجانا ہے ایسی مشکل ترین گھڑی میں ایک داعی کی سب سے اہم پونجی صبر واستقامت ہے۔ گویا ظلم کی دھوپ میں صبر کے خیمے نصب کرنے ہیں، ستم کے سائے میں بیٹھ کر استقامت کی تاریخ رقم کرنی ہے اور جسے یہ دولت گرامایہ میسر ہے یقین جانئے اس کی دعوت کامیاب ہے۔

صبر واستقامت کی انوکھی مثال:۔ جہاں تک میرا حافظہ کام دے رہا ہے بات ۱۹۹۵ء کی ہے کشن گنج سے قریب جہانگیر پوری کے ایک جلسے میں مدعو تھا۔ سرپرستی میں حضور امین شریعت کا نام تھا۔ ممبئی گیتانجلی ٹرین پر میں بیٹھا حضرت رائے پور سے اس ٹرین پر سوار ہوئے میری بوگی حضرت کے ڈبے سے قریب تھی اس لئے کلکتہ تک کئی مرتبہ حضرت کے قدموں میں حاضر ہو کران کی دعائیں سمیٹتا رہا۔ رات ۹ ربجے کلکتہ سے کشن گنج کے لئے ٹرین تھی۔ میرا ٹکٹ جنرل بوگی کا تھا اس لئے جنرل ڈبے میں گھس کر کسی طرح جگہ بنانے کی کوشش کی مگر اپنی کوشش میں ناکام رہا۔ لمبی ویٹنگ کی وجہ سے حضرت کا ٹکٹ بھی کنفرم نہیں ہو سکا پھر بھی حضرت کو رزرویشن بوگی میں بٹھا کر اپنی بوگی میں لوٹ آیا اور اپنی اٹیچی پر ہی بیٹھ کر جھپکیاں لینے لگا۔ کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضرت بھی اسی ڈبے میں اپنے بکس پر تشریف فرما ہیں اور لوگ حضرت کو پھلانگ کر اپنی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے خادم سے پوچھا: کیا بات ہے؟ تو اس نے جواب دیا: ٹکٹ کنفرم نہ ہونے کی وجہ سے ٹی ٹی نے ہم لوگوں کو اس ڈبے میں بھیج دیا ہے۔ وہ منظر آج بھی نظروں میں رقصاں ہے۔ اور سچ پوچھئے تو اسی دن سے آپ کی اخلاقی بلندی اور روحانی عظمتوں کا سکہ میرے دل میں بیٹھ گیا۔ ایک طرف خاندانی برتری، علمی طمطراق، فکری جاہ وجلال اور دوسری طرف ایسی خاکساری وانکساری کہ جنرل بوگی میں بیٹھنے کے لئے جگہ نہیں ہے تو اپنے بکس پر بیٹھیں ہیں، وہ بھی عام گزرگاہ پر، مگر واہ رے مفتی اعظم کے منظور نظر اور خاندان رضا کے تابندہ قمر نہ زبان پر کوئی حرف شکایت اور نہ پیشانی پر کوئی بل، ہونٹوں پر تبسم، چہرے پر بشاشت اور لبوں پر نصیحت کے اتنے میٹھے بول کہ سننے والے کی زحمتیں بھی دور ہو جائیں۔ میں نے عرض کیا: حضور! جلسے کے منتظمین کس قدر ظالم ہیں کہ آپ کو ایک عام عالم کی صف میں شمار کر لیا ہے، نہ مقام و منصب کا احترام اور نہ ہی عمر کا پاس ولحاظ، اپنے مقتدا کے ساتھ ان کا یہ نا روا سلوک کیا تاریخ انہیں معاف کر سکے گی...؟ حضرت نے بڑے شیریں لہجے میں ارشاد فرمایا کہ عزیزم ابھی آپ اس راہ کے نئے مسافر ہیں۔ صحرا میں پھول کھلانا ہر ایک کا مقدر نہیں اور ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں۔ رشد وہدایت کے پیامی انہیں کانٹوں سے گزرتے ہیں جدھر بہاروں نے کبھی رخ نہیں کیا ہو، اور ایک داعی الی الحق ان سنگ ریزوں بھری راہوں سے جب گزرتا ہے تو راہ کی آبلہ پائی نہ صرف لطف ولذت عطا کرتی ہے بلکہ چودہ سو سالہ پرنور ماضی کی پاکیزہ یادیں شکستہ حوصلوں میں توانائی کا رنگ بھرنے لگتی ہیں اور پھر اس کے بعد حضور مفتی اعظم، سلطان المناظرین علامہ رفاقت حسین، سید العلما حضرت سید آل مصطفی مارہروی اور حضور مجاہد ملت کی تاریخ دعوت وعزیمت کے روشن اوراق الٹنا شروع کر دیئے۔ میں بھی سر جھکائے ان کے درد بھرے واقعات سنتا رہا، آنکھیں برستی رہیں اور دعوتی زندگی میں ہمارے بزرگوں نے جو چوٹیں کھائیں ہیں اس کی کسک میں بھی اپنے دل میں محسوس کرنے لگا۔ علی الصباح ہم لوگ کشن گنج پہنچ گئے۔ سخت ٹھنڈک کا موسم، کہرے اتنے دبیز کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے اس وقت مصیبت اور دہری ہو گئی جب اسٹیشن پر منتظمین جلسہ میں سے کوئی نظر نہیں آیا۔ حضرت نے تبسم آمیز لہجے میں ارشاد فرمایا "اب کیا ہوگا...؟" میں نے عرض کیا کہ حضور جناب منا مشتاق کا گھر یہاں سے بہت قریب ہے جنہیں حکومت بہار نے کوئی قلمدان بھی دے رکھا ہے خوشی کی بات ہے کہ پکے سنی سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے دست گرفتہ ہیں۔ حضرت نے کہا" آپ انہیں جانتے ہیں...؟" میں نے عرض کیا "شناسائی تو نہیں ہے تاہم بریلی شریف کا وسیلہ کافی ہے۔ ہم لوگ رکشے پر بیٹھے اور منا مشتاق صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ پٹنہ اسمبلی اجلاس میں مصروف ہیں جب گھر میں اطلاع ملی کہ بریلی شریف سے حضرت آئے ہیں تو ان حضرت کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی۔ ہر شخص قدموں میں بچھ گیا اور اکرام واحترام میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ شام کے

۸بج گئے مگر جلسے والوں نے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ بعد نماز مغرب لوگ گاڑی لے کر آئے میں نے سمجھا کہ حضرت ڈانٹ پلائیں گے لیکن اس وقت چہرے پر جمال کی کرنیں ابھری ہوئی تھیں، زبان پر کوئی گلہ نہیں۔ یہ ہے صبر واستقامت کی انوکھی مثال اور دعوت الی الحق کا سچا جذبہ۔ ع

"کہتی ہے صداقت کہ کوئی مرد خدا ہے"

اس تناظر میں بھی حضور امین شریعت کی شخصیت ممتاز و منفرد نظر آتی ہے۔ پوری زندگی تقویٰ وطہارت اور حسن سلوک کے اجالوں سے روشن ہے۔ ہم نے حضرت کو بزم میں دیکھا اور خلوتوں میں بھی، عوام کی بھیڑ میں بھی دیکھا اور علما کی محفل میں بھی، دانشوروں کی مجلس میں بھی دیکھا اور مشائخ کی انجمن میں بھی، کہیں بھی تارک سنت نہیں پایا ہر جگہ اتباع رسول کا پیکر دیکھا، یوں تو کتنی بار حضرت کے ساتھ کھانے پر شرکت میسر آئی لیکن ایک بار پونہ میں ہوا یوں کہ جب ہم لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو صاحب خانہ پہلے حضرت کا ہاتھ دھلانے کے لئے آگے بڑھے تو حضرت نے فرمایا سنت طریقہ یہ ہے کہ کھانے سے پہلے چھوٹوں کا ہاتھ دھلانا چاہئے اور جب کھانے سے فارغ ہو جائیں تو دستر خوان پر جو سب سے اہم شخصیت ہو اس کا ہاتھ دھلانا چاہئے۔ جب سنت رسول کی پیروی کا یہ عالم ہے تو پھر فرائض وواجبات پر عمل کا کتنا اچھا جذبہ ہوگا۔ خوف خدا، عشق رسول، اخلاص وللّٰہیت، منکرات سے اجتناب، اوامر پر عمل، الغرض ایک داعی کے اندر جتنی خوبیاں ہونی چاہئے وہ سب وآپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

تقویٰ اور احسان:۔ یہ ایسی خوبی ہے کہ اس کے بغیر دعوتی نظام کی تکمیل کا تصور ہی نہیں۔ ظاہر ہے جو دوسروں کو خیر کی طرف بلائے اور خود اس کا دامن نیکیوں کے پھولوں سے خالی ہو تو اس کی دعوت کیوں کر موثر ہو سکتی ہے اور اگر داعی تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہے اس کی زندگی سے حسن عمل کا اجالا برس رہا ہو اور ادا ادا سے اخلاص وللّٰہیت کی شعائیں پھوٹ رہی ہوں تو اس کی گفتگو، اس کی پاکیزہ سیرت اور اس کا زندہ کردار دوسروں کی زندگی میں انقلاب کا داعی ہوسکتا ہے۔ اس پس منظر میں اگر حضور امین شریعت کی پرنور شخصیت کا جائزہ لیں تو پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آپ کا پورا وجود حکمت وموعظت، سنجیدگی ومتانت، صبر و استقامت کے ساتھ تقویٰ وطہارت کی خوشبو میں لپٹا ہوا ہے۔

کانکیر بستر ضلع کا نہایت مشہور شہر ہے۔ جہاں آپ نے کم و بیش چالیس سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے اور اصلاح وتذکیر کے نور سے پورے علاقے کو منور کیا، مگر جب تبلیغی دورے دور دور تک ہونے لگے تو امامت کی ذمہ داریوں سے خود کو الگ کر لیا۔ منصب امامت سے جدا ہونے کے بعد آپ نے مسجد کا حجرہ خالی کر دیا۔ کمیٹی کے کے افراد نے بڑی کوشش کی کہ حضرت جب کبھی تبلیغی دورے سے تشریف لائیں تو اسی حجرے میں قیام کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تک مسجد کی خدمت کرتا تھا تو اسی وقت تک مسجد کے حجرے کے استعمال کا حق تھا، لیکن جب اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا تو اب مسجد کے حجرے میں رہنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ہاں! اس حجرے میں رہنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اس کا کرایہ میں مسجد کو ادا کروں۔ بات اسی پر طے ہوئی اور چند ارادت مندوں نے اس خدمت کو اپنے حق میں سعادت سمجھ کر قبول کر لیا۔ یہ ہے آپ کا بلند تقویٰ اور شریعت کے احکام پر عمل کا جذبہ خیر۔

❁❁❁

خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف

کے زیر اہتمام شائع شدہ کتابیں

تذکرۂ سید عالی نسب	مصنف:	سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی رزاقی اسماعیلی
تذکرۂ رئیس الاولیاء	مصنف:	〃 〃 〃
ہواتفِ روحانیہ	مصنف:	〃 〃 〃
فضائل تبرکات	مصنف:	〃 〃 〃
تاجدار مسولی	مصنف:	مفتی محمد رضوان احمد شریفی
شمع نیازی	مصنف:	〃 〃
قطب مسولی	مصنف:	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری
ممبئ میں وہابیت کا پہلا قدم	مصنف:	ڈاکٹر غلام جابر شمسؔ مصباحی
تجلیات اسمٰعیلی	مرتب:	فیروز راحتؔ کلکتوی
مدینے سے مسولی تک	مرتب:	〃 〃 〃 〃
محرابِ عقیدت	مرتب:	〃 〃 〃 〃
تجلیات اسمٰعیلی کا مرکز اہل سنت نمبر	مرتبین:	ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ، مولانا محمد قمر الزماں مصباحی، فیروز راحتؔ کلکتوی

کتاب حاصل کرنے کے لئے رابطہ کریں

خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف، ضلع بارہ بنکی یوپی

صدر العلماء علامہ تحسین رضا خان بریلوی

مولانا غلام سرور قادری مصباحی
القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کی ہمہ جہت شخصیت اپنی دینی خدمات اور تبلیغی کارناموں کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں مرجع خلائق رہی ہے۔ مگر ایسا نہیں کہ یہ عظمتیں صرف ان کی ذات تک محدود رہیں بلکہ آپ کے خانوادے میں کوئی نہ کوئی ایسی شخصیت ہر دور میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی رہی ہے جن کی دینی، ملی خدمات اور علمی عبقریت کے آستانے پر عوام سے لیکر خواص تک اپنی محبتوں کا خراج پیش کرنے میں سعادت محسوس کرتے ہیں۔ اور اسے اس خانوادے پر خلاق عالم کی بے پناہ کرم پاشیاں کہنا چاہیے کہ ہر فرد اپنے عہد کا آفتاب و ماہتاب بن کر طلوع ہوا۔ اعلیٰ حضرت، استاذ زمن، مفتی آفاق مفتی محمد رضا، حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند، علامہ حسنین رضا، مفسر اعظم ہند، علامہ ریحان رضا، علامہ سبطین رضا، اور تاج الشریعہ وغیرہ قدست اسرارہم وہ ذوات قدسیہ ہیں جو اپنے اپنے عصر میں مرکز علم بھی اور مرکز افتاء بھی۔ انہیں میں ایک نمایاں، محترم اور معتبر نام صدر العلماء مظہر مفتی اعظم حضرت علامہ تحسین رضا قدس سرہٗ کا ہے۔

حضرت صدر العلماء کی ولادت باسعادت محلہ سوداگران بریلی شریف میں بتاریخ ۱۴ رشعبان المعظم ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۳۰ء کو ہوئی "محمد" نام تجویز ہوا، "تحسین رضا" عرف قرار پایا، شاعری میں تخلص "تحسین" اختیار فرمایا، علماء کرام، مشائخ عظام اور دانشوران قوم وملت نے بقیۃ السلف، عمدۃ الخلف، خیر الاذکیاء، زبدۃ الاتقیاء، مظہر مفتی اعظم، پیکر علم وعمل، شیخ الحدیث، محدث بریلوی، استاذ الاساتذہ اور صدر العلماء جیسے عظیم القاب سے نوازا اور یاد کیا۔ خاندان کے بزرگ شخصیات کے زیر سایہ تربیت ہوئی قدرت نے ذہانت وفطانت اور فہم وفراست کی دولت سے نوازا تھا۔ ابتدائی تعلیم تو مقامی مکتب ومدرسہ میں حاصل کی البتہ عربی وفارسی تعلیم کے لیے تقریباً ۱۲ رسال کی عمر میں آپ کے والد گرامی حکیم الملت حضرت علامہ حسنین رضا علیہ الرحمہ نے غالباً ۱۳۶۰ء مطابق ۱۹۴۱ء میں دارُ العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں داخل فرمایا۔ جہاں آپ پوری توجہ انہماک اور یکسوئی کے ساتھ حضور محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ اور دیگر اساتذہ کی خصوصی عنایت سے بہرہ مند ہوتے رہے۔ اس کے بعد منتہی کتابوں کی تعلیم کے لیے آپ کے والد گرامی علیہ الرحمہ نے غالباً ۱۳۶۸ء مطابق ۱۹۴۹ء میں یادگار اعلیٰ حضرت دارُ العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں داخل فرمایا۔ والد ماجد استاذ

العلماء کی خواہش وہدایت کے مطابق منظر اسلام کے نابغۂ روزگار درسگاہی علوم وفنون کے فنکار علماء متبحرین وماہرین اساتذۂ کرام سے کمال ذوق جذبے اور لگن کے ساتھ پڑھا۔ اور ہمیشہ اپنے ہم سبق ساتھیوں سے امتحانات میں سبقت لے کر فائق وفائز المرام ہوئے۔

مگر تقسیم ہند کے وقت محدث اعظم حضرت مولانا سردار احمد پاکستان تشریف لے گئے۔ اور وہاں ایک عظیم درسگاہ جامعہ رضویہ مظہر اسلام (فیصل آباد پاکستان) کے نام سے قائم فرمائی تو آپ کا بھی شوق مچلا لہٰذا والد صاحب کی اجازت ملتے ہی آپ بھی پاکستان تشریف لے گئے یہاں رہ کر چھ ماہ کی مختصر سی مدت میں دور حدیث مکمل کیا۔ آپ نے خداداد صلاحیت اور اپنی علمی لیاقت کی وجہ سے اساتذۂ کرام خصوصاً محدث اعظم کی نگاہ میں مکمل اعتماد حاصل کر لیا۔ جس کا اعتراف خود حضرت محدث اعظم نے حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں تحریر کردہ اپنے ایک گرامی نامہ میں یوں فرمایا: ''عزیزم مولانا تحسین رضا خاں صاحب سلمہٗ کی دستار بندی حضور والا کو مبارک ہو۔ دارالعلوم (مظہر اسلام بریلی شریف) میں اسباق جو ان کے سپرد کئے جائیں ان میں مشکوٰۃ شریف، ان کے پاس ضرور رکھی جائے۔ اور آئندہ سال نسائی شریف اس کے بعد ابن ماجہ پھر مسلم شریف پھر ترمذی شریف۔ جب ہر سال حدیث کی ایک کتاب پڑھالیں تو بعد میں بخاری شریف۔ خدا چاہے تو اس طرح تدریجاً یہ دورۂ حدیث کے اسباق پڑھالیں گے۔ حدیث کے سبق کے علاوہ جو اسباق ان کے مناسب ہوں دیئے جائیں کوئی چھ ماہ اس جگہ انہوں نے قیام کیا ہے اگر دو سال یہاں قیام ہو جاتا تو خدا چاہے مزید استعداد اور قابلیت ہو جاتی۔ ماشاء اللہ سمجھدار ہیں ہوشیار ہیں۔

دیکھئے کس وثوق اور اعتماد سے صلاح پیش کر رہے ہیں اپنے دور کے محدث اعظم انداز تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو حدیث میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ یقیناً حضور محدث اعظم پاکستان کی یہ پر اعتماد سفارش آپ کی اعلیٰ استعداد وصلاحیت اور انتہائی ذہانت وفطانت کے اعتراف کا کھلا ثبوت ہے۔

حضرت صدر العلماء کے اساتذۂ کرام:

آپ نے اپنے وقت کے جلیل القدر علماء کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا الشاہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ (مصنف بہار شریعت) سے آپ نے تفسیر جلالین شریف پڑھی۔ مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ محمد مصطفٰے رضا خاں علیہ الرحمہ سے آپ نے بھرپور علمی اور روحانی استفادہ کیا۔ بالخصوص حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے آپ نے فتویٰ نویسی جیسا اہم علم حاصل کیا۔ محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا محمد سردار احمد رضوی علیہ الرحمہ سے علم حدیث کی تکمیل کی ان کے علاوہ شمس العلماء مفتی قاضی شمس الدین احمد رضوی جعفری جونپوری (مصنف قانون شریعت)، شیخ المعقولات مولانا سردار علی خاں رضوی بریلوی، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ غلام یٰسین صاحب رشیدی پورنوی، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی وقار الدین قادری رضوی، شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی رضوی اعظمی علیہم الرحمۃ والرضوان جیسی گراں قدر شخصیات سے اکتساب علم کیا۔

تدریسی مراحل:

حضرت صدر العلماء نے فراغت سے قبل ہی حضور مفتی

اعظم ہند کے حکم پر دارُ العلوم مظہر اسلام مسجد بی بی والی بریلی شریف میں تدریس کا آغاز فرمادیا تھا۔ پھر اگست ۱۹۵۴ء میں حضور محدث اعظم پاکستان کی بارگاہ میں فیصل آباد تشریف لے گئے جہاں چھ ماہ رہ کر دورحدیث شریف مکمل کیا۔ واپسی پر دوبارہ پھر دارُ العلوم مظہر اسلام میں تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔ یہاں آپ نے ۱۸ / سال تک تدریس فرمائی۔ اس دوران ہزاروں لوگوں نے آپ سے اکتساب علم کیا۔ ۱۹۷۵ء میں بعض وجوہات کی بناپر دارُ العلوم مظہر اسلام سے استعفیٰ دے کر آپ حضرت ریحان ملت رحمانی میاں علیہ الرحمہ کی گزارش پر یادگار اعلیٰ حضرت دارُ العلوم منظر اسلام میں تشریف لے آئے۔ جہاں آپ نے بحیثیت صدر المدرسین ۷ / سال تک تعلیمی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۲ء میں جامعہ رضویہ بریلی شریف کا قیام عمل میں آیا جس کی تعلیمی ذمہ داری آپ کے سپرد کردی گئی۔ آپ تقریباً ۲۳ / سال تک بحیثیت شیخ الحدیث جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف میں درس دیتے رہے۔ پھر حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ نے جامعۃ الرضا میں آنے کی گذارش کی آپ نے ان کی بات منظور فرمالی اور وہاں سال نو (تعلیمی سال) کے آغاز یعنی ماہ شوال سے کہ ۲۰۰۵ء میں تھا آپ کا تقرر ہوا بحیثیت صدر المدرسین و شیخ الجامعہ تادم وصال دونوں منصب پر فائز رہے۔ جب ۲۰۰۵ء کے شوال سے جامعۃ الرضا میں آپ کی کارکردگی کی ابتدا ہے اور ۱۸ / رجب المرجب ۱۴۲۸ھ مطابق ۳ / اگست ۲۰۰۷ء میں انتہا ہے، تو معلوم ہوا کہ تقریباً دو ڈھائی سال ہی وہاں آپ خدمت دراسات وفرائض صدارت انجام دے سکے۔

صدر العلماء کے چند مشہور تلامذہ ومستفدین:

صدر العلماء کم وبیش ۵۵ / سال تک تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے میرے خیال میں ہر ذی شعور اندازہ کرسکتا ہے کہ آپ کے تلامذہ کی تعداد کیا رہی ہوگی۔ اگرچہ آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہو کر سیراب ہونے والے ہزاروں علماء کا شمار مشکل ہے جن میں محقق، مصنف، شیخ الحدیث، مفتی، مدرس، مناظر، اور مقرر بھی شامل ہیں۔ جو پوری دنیا میں پھیل کر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے چند کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں علیہ الرحمہ (۲) نواسۂ مفتی اعظم ہند مولانا خالد علی خاں علیہ الرحمہ، مہتمم مظہر اسلام بریلی شریف (۳) نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا منان رضا خاں منانی میاں، مہتمم جامعہ نوریہ بریلی شریف (۴) مناظر اعظم فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی پورنوی (۵) اشرف الفقہاء حضرت علامہ مفتی مجیب اشرف ناگپوری (۶) فقیہ اسلام حضرت علامہ مفتی ایوب مظہر صاحب پورنوی (۷) حضرت علامہ مفتی محمد یامین مرادآبادی، مدرس ومفتی جامعہ حمیدیہ بنارس (۸) حضرت علامہ محمد ہاشم صاحب پروفیسر معقولات جامعہ نعیمہ مرادآباد (۹) استاذ العلماء حضرت علامہ محمد ہاشم رشیدی پورنوی (۱۰) علم بردار اہلسنت حضرت علامہ مفتی رحمت حسین کلیمی پورنوی (۱۱) حضرت علامہ مفتی محمد صالح صاحب شیخ الحدیث جامعۃ الرضا بریلی شریف (۱۲) مناظر اہلسنت حضرت علامہ صغیر احمد صاحب جوکھنپوری، ناظم اعلیٰ جامعہ قادریہ رچھا بریلی شریف (۱۳) حضرت علامہ محمد حنیف خاں رضوی مرتب جامع الاحادیث وصدر المدرسین جامعہ رضویہ بریلی شریف (۱۴) حضرت علامہ محمد حسین ابو

الحقانی (۱۵) حضرت علامہ جید القادری مظفر پوری (۱۶) شہزادۂ حضور تاج الشریعہ علامہ محمد عسجد رضا خاں (۱۷) حضرت علامہ تطہیر احمد رضوی بریلی شریف (۱۸) حضرت علامہ عبد السلام رضوی، مدرس جامعہ نوریہ بریلی شریف (۱۹) حضرت علامہ محمد انور علی رضوی، مدرس دار العلوم منظر اسلام (۲۰) حضرت علامہ ابو القاسم برکاتی رضوی پورنوی۔

تصنیفی خدمات:

چونکہ فراغت کے فوراً بعد ہی حضور مفتی اعظم ہند نے آپ کو مسند تدریس پر بٹھا دیا تھا لہٰذا درس و تدریس میں آپ بہت زیادہ مصروف رہے اور اپنی اس مصروفیت کی وجہ سے نہ تو آپ نے تقریر و خطابت میں دلچسپی لی اور نہ ہی تصنیف و تالیف کے لیے وقت دے سکے۔ آپ کا پہلا شوق درس و تدریس ہی تھا اس کے باوجود کچھ کتابوں پر آپ کی گراں قدر تقریظات اور تبصرے رقم ہیں جن سے قلم کی پختگی اور متانت آشکارا ہے۔ بطور نمونہ مندرجہ ذیل اقتباس پیش ہے، جامع الاحادیث مرتبہ حضرت مولانا محمد حنیف خاں صاحب رضوی پر آپ نے جو تقریظ تحریر فرمائی اسے ملاحظہ کیجئے اور آپ کی تحریر کی سادگی، سلاست، روانی، اور خوبصورتی کا اندازہ لگائیے۔ آپ فرماتے ہیں:

”مولانا محمد حنیف خاں صاحب صدر مدرس جامعہ نوریہ رضویہ موجودہ دور کے علماء میں ممتاز شخصیت کے مالک ہیں، درس و تدریس کی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی بحمد اللہ قائم ہے۔ پیش نظر کتاب سے پہلے بھی آپ نے متعدد کتب تصنیف یا تالیف فرمائیں جو اہل علم اور عوام میں مقبول ہوئیں، مختلف مقالے و مضامین بھی آپ نے سپرد قلم کیے جن سے انفرادیت کی شان نمایاں ہے۔ پیش نظر کتاب اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی کتب و رسائل خصوصاً فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدوں میں روایت کردہ احادیث کریمہ کا مجموعہ ہے۔ جس میں تقریباً ۴ہزار احادیث جمع کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی احادیث کو اعلیٰ حضرت کی تصانیف سے صرف جمع کرنا ہی بہت بڑا کام ہے۔ جو اکیلے ایک ایسے آدمی کو انجام دینا دشوار ہے جو تدریسی خدمات بھی انجام دیتا ہو کسی دار العلوم کی نظم و نسق اور انتظامی امور کی ذمہ داری بھی اُٹھائے ہوئے ہو نا کہ اس پر مزید یہ کہ ان سب احادیث کو کتب احادیث سے مطابق کرنا، ان کی سندیں جمع کرنا، ان پر کتب حدیث اور تصانیف امام احمد رضا سے بے شمار فوائد جو تصانیف امام اور فتاویٰ میں موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے، یکجا کرنا کتنا بڑا کام ہے۔ اس کے لیے کتنے وقت اور محنت کی ضرورت ہے، اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو اس منزل سے گذر چکا ہو یا گذر رہا ہو۔ بہر حال میرے خیال میں یہ ایک عظیم خدمت ہے۔ جو مولانا حنیف

صاحب نے انجام دی۔ میں دست بدعا ہوں
کہ مولائے کریم ان کی اس خدمت کو قبول
فرمائے۔ اور اس کی بہتر سے بہتر جزا دے۔
آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔''

ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت صدر العلماء کے تمام ملفوظات تقریظات اور تبصرے یکجا کیے جائیں تاکہ ایک اہم علمی سرمایہ ضائع ہونے سے محفوظ ہوجائے۔

فتاویٰ نویسی:

حضرت صدر العلماء کو جہاں دیگر علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی وہیں علم فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نے درس و تدریس کے علاوہ دارُ الافتاء میں بھی وقت دیا اور ایک زمانہ تک حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی زیر نگرانی فتاوی تحریر فرمائے جو یقیناً اسلامی معلومات و دینیات کا بہت بڑا ذخیرہ رہے ہونگے۔ افسوس شومئ قسمت سے یہ قیمتی سرمایہ محفوظ نہ رہ سکا۔ حضرت مولانا حنیف خاں صاحب رضوی حضرت صدر العلماء کی فتویٰ نویسی کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''میں نے مستقل طور پر کبھی آپ کو
فتاویٰ تحریر فرماتے ہوئے تو نہیں دیکھا لیکن
آپ کو اس عظیم شخصیت سے شرف تلمذ حاصل
تھا جس کو دنیائے سنیت میں مفتئ اعظم کے
لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی شہزادۂ
اعلیٰ حضرت تاجدار اہلسنت سیدی ومرشدی
ذخری لیومی وغدی حضرت مفتئ اعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے پھر بھلا آپ اس میدان
میں کیونکر تہی دامن رہتے، میں نے جامعہ
نوریہ رضویہ میں خود دیکھا کہ آپ یہاں لکھے
جانے والے فتاویٰ کی اصلاح فرماتے اور
نہایت مختصر وموجز الفاظ میں مفتیان کرام کو
رائے صواب سے نوازتے۔''

مجھے خود یاد ہے ایک مرتبہ ایک مفتی صاحب نے منصب ،معیار ولایت کے استدلال میں آیت کریمہ تحریر کی ''ان اولیاءہ الا المتقون''، جس سے یہ ثابت کرنا تھا کہ اللہ کے ولی متقی وپرہیزگار اشخاص ہی ہوتے ہیں، آپ نے نقد تنقید فرمائی اور ارشاد فرمایا، یہ آیت تو مسجد حرام کی تولیت کے سلسلہ میں ہے کہ اولیاءہٗ میں ضمیر باری تعالیٰ کی جانب راجع نہیں بلکہ مسجد حرام کی جانب راجع ہے اور سیاق آیت میں اس بات کی صراحت ہے، آیت کریمہ یوں ہے۔

وما لهم الا يعذبهم الله وهم يصدون عن المسجد الحرام وما كانوا اولياءه ان اولياءه الا المتقون والكن اكثرهم لا يعلمون.

ایک مرتبہ جامعہ نوریہ میں فتاویٰ نویسی سے متعلق کوئی مفتی صاحب نہیں تھے میں خدمت میں حاضر تھا، فرمایا یہ استفتاء آیا ہے تم ہی فتویٰ لکھ دو، میں نے عرض کیا، میں نے اس میدان میں کبھی طبع آزمائی نہیں کی ہے لہٰذا مجھے تعمیل حکم میں کچھ وقت صرف کرنا ہوگا۔، چونکہ جواب فوراً جانا تھا لہٰذا حضرت نے فرمایا لائیے ہم ہی لکھے دیتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ نے قلم برداشتہ فتویٰ تحریر فرمادیا میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ فتویٰ نویسی آپ کا مشغلہ تو نہیں دیکھا لیکن ایسی مہارت حاصل ہے مراجعت کتب کے بغیر ہی آپ فتاویٰ تحریر فرمادیتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ فتویٰ طلاق سے متعلق تھا۔ اور اس میں نفس حکم

بیان کرنے کے ساتھ آیات وغیرہ سے استدلال بھی تحریر فرمایا تھا۔ جامعہ نوریہ کے رجسٹروں میں اس طرح کے بیشتر فتاویٰ موجود ہیں جو آپ کی تصدیق سے جاری ہوئے ہیں۔ (تجلیات رضا کا محدث بریلوی نمبر، صفحہ ۱۸۵)

کاش کوئی مرد مجاہد صدر العلماء کے ان مختلف جگہوں پر منتشر فتاویٰ کو یکجا کرلے تو ایک عظیم فقہی سرمایہ محفوظ ہوجائے۔

بیعت وارشاد:

حضرت صدر العلماء محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے درس وتدریس کے علاوہ عوام الناس کے لیے درس قرآن اور حدیث کی محفل کا اہتمام فرماتے، جس میں شہر اور مضافات کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوکر ایمان وعمل میں پختگی پیدا کرتے، تعویذ نویسی کے ذریعے خلق خدا کی خدمت کرتے اعلیٰ حضرت اور دیگر علمائے اہلسنت کی کتابوں کی اشاعت کے لیے آپ نے ایک مکتبہ ''مکتبہ مشرق'' کانکر ٹولہ بریلی کے نام سے قائم فرمایا۔ جہاں سے درجنوں کتابیں شائع ہوئیں۔ ان مصروفیات کی وجہ سے آپ ہمیشہ سفر کرنے سے گریز ہی فرماتے، لیکن لوگوں کے بے حد اصرار اور مزید دین ومسلک کی خدمت لوگوں کی رشد وہدایت اور فکر رضا کی ترسیل کے لیے ملک اور بیرون ملک کے تبلیغی دورے کیے۔ اور بیعت وارشاد کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی فرمائی۔ آپ قولاً بھی مظہر مفتی اعظم تھے اور عملاً بھی، ایسے مقامات پر بھی آپ نے دورے کیے جہاں سواری اور دیگر سہولیات کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ آپ کی مریدین ومتوسلین کی تعداد لاکھوں ہے۔ تبلیغی دورے کے تعلق سے آپ کے خلف اوسط حضرت صوفی محمد رضوان خاں صاحب نوری رقم طراز ہیں:

''ابا جان لوگوں کی دعوت پر پورے ہندوستان کا سفر فرماتے ایسے مقامات پر بھی جانا ہوتا جہاں سواری کا معقول بندوبست نہیں ہوتا۔ بلکہ ٹرین اور بس سے اتر کر بیل گاڑی یا گھوڑے، ٹانگے سے جانا پڑتا۔ ایک بار حضور تاج الشریعہ جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا قادری نے ابا جان سے فرمایا آپ اتنی کمزوری میں بہار، بنگال اور دیہاتی علاقوں کا سفر نہ کیا کریں تکلیف ہوتی ہے، ابا جان نے جواب دیا کہ جب میں خراب راستوں والے علاقے میں جاتا ہوں تو لوگ بتاتے ہیں کہ پہلے مفتی اعظم ہند یہاں آئے تھے اور اب آپ آئے ہیں۔ تو میں سوچتا ہوں کہ ۲۵ سال پہلے حضور مفتی اعظم ہند کس طرح یہاں پہونچے ہونگے، اور بہار کے لوگ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ (تجلیات رضا کا محدث بریلوی نمبر، صفحہ ۳۰۳)

تاج الشریعہ علامہ الشاہ اختر رضا خان بریلوی

مفتی عبدالرحیم نشتر فاروقی
ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف

چودھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں چرخ رضویت پر ایک ایسا مہ کامل طلوع ہوا جو اپنے مرشد و مربی حضور مفتی اعظم کے فیضان نظر کے طفیل محفل انجم میں "اختر" بن کر چمکتا دمکتا رہا، وہ علوم اعلیٰ حضرت کا مجسم پیکر، حسن و جمال حجۃ الاسلام کا پرتو، زہد و تقوی مفتی اعظم کا مظہر اور نور دیدۂ مفسر اعظم بن کر تقریباً ۵۰ رسالوں تک کروڑوں بندگان خدا کو رشد و ہدایت کا جام پلاتا رہا۔

نمود صبح:

حضور تاج الشریعہ کی ولادت باسعادت ۲۴ رذیقعدہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ رنومبر ۱۹۴۳ء بروز منگل محلہ سوداگران رضا نگر بریلی شریف میں ہوئی، جب آپ کی عمر چار سال چار ماہ چار دن کی ہوئی تو خاندانی روایت کے مطابق والد ماجد حضور مفسر اعظم ہند نے رسم "بسم اللہ خوانی" کی ایک عظیم الشان تقریب منعقد فرمائی، جس میں جامعہ منظر اسلام کے جملہ طلبا و اساتذہ کی پر تکلف دعوت کی، تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز نے رسم بسم اللہ خوانی ادا فرمائی۔

تعلیمی ادوار:

تاج الشریعہ نے قرآن پاک ناظرہ اپنی والدہ مشفقہ سے گھر ہی پڑھا، مزید ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضور مفسر اعظم ہند سے حاصل کی، بعدہ آپ کا داخلہ جامعہ منظر اسلام میں ہوا جہاں آپ نے فارسی اور نحو و صرف کی ابتدائی کتب سے ہدایہ آخرین وجلالین تک کتب متداولہ کی تعلیم جامعہ منظر اسلام کے قابل اور ذی استعداد ساتذۂ کرام سے حاصل کی، اسی دوران عصری علوم وفنون کے حصول کے لئے آپ نے ۱۹۵۲ء میں فضل الرحمن اسلامیہ انٹر کالج میں داخلہ لیا، جہاں ہندی، انگریزی اور دیگر عصری علوم حاصل کیے۔

جامعہ منظر اسلام سے فراغت کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے جہاں تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث اور دیگر علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی اور ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں وہاں سے فارغ ہوئے۔

مشہور اساتذۂ کرام میں حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الحاج الشاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز، بحر العلوم حضرت علامہ مفتی سید محمد افضل حسین صاحب مونگیری قدس سرہ العزیز، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی بریلوی قدس سرہ العزیز، استاذ العلماء حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی محمد جہانگیر خاں رضوی اعظمی قدس سرہ العزیز، فضیلۃ الشیخ حضرت العلام محمد سماحی شیخ التفسیر جامعہ ازہر قاہرہ مصر، فضیلۃ الشیخ حضرت العلام محمود عبد الغفار شیخ الحدیث جامعہ ازہر قارہ مصر کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

والد ماجد کا انتقال

آپ جامعہ ازہر میں تحصیل علم میں مشغول ہی تھے کہ آپ کے والد ماجد حضور مفسر اعظم کا ۶۰ر سال کی عمر میں ۱۱ر صفر المظفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۲ر جون ۱۹۶۵ء کو انتقال ہوگیا، انتقال کی خبر پہنچتے ہی آپ کے دل دماغ کو گہرا صدمہ پہنچا، جس کا اظہار آپ نے ان اشعار میں فرمایا:

کس کے غم میں ہائے تڑپاتا ہے دل
اور کچھ زیادہ امڈ آتا ہے دل
ہائے دل کا آسرا ہی چل بسا
ٹکڑے ٹکڑے اب ہوا جاتا ہے دل
اپنے اختر پر عنایت کیجئے
میرے مولیٰ کس کو بہکاتا ہے دل

اور صدمہ کیوں کر نہ پہونچتا آپ کے سر سے تو ایسے مشفق والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا تھا جنہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت میں کوئی کمی نہیں رہنے دی بلکہ قدم قدم پر آپ کی رہنمائی کی اور مبلغ اسلام ہونے کے لئے جن علوم وفنون اور عادات واطوار کی ضرورت ہوتی ہے ان سے آپ کو مزین کر دیا تھا۔

مگر اس صدمہ کے باوجود آپ کے قدم نہ ڈگمگائے بلکہ اپنے اس عظیم مقصد کی تحصیل میں لگے رہے جس کے لئے آپ کے والد ماجد نے آپ کو اتنی دور بھیجا تھا۔

اساتذۂ کرام

آپ نے اپنے والد محترم حضور مفسر اعظم اور والدہ محترمہ نگار فاطمہ عرف سرکار بیگم کے بعد دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے لے کر جامعہ ازہر مصر تک جن اساتذۂ کرام سے دولت علم حاصل کی، ان میں چند مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں:

حضور مفتی اعظم علامہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری بریلی شریف

حضور مفسر اعظم علامہ مولانا محمد ابراہیم رضا قادری جیلانی بریلی شریف

بحر العلوم مفتی افضل حسین مونگیری دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف

استاذ الاساتذہ مولانا محمد احمد جہانگیر دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف

مولانا انعام اللہ تسنیم حامدی دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف

شیخ عبد التواب مصری دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف

شیخ محمد سماحی جامعہ ازہر مصر

شیخ عبدالغفار جامعہ ازہر مصر

علوم وفنون

حضور تاج الشریعہ کو درج ذیل علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی۔

تفسیر، علوم قرآن، حدیث، علوم حدیث فقہ اصول فقہ فرائض، نحوصرف معانی بیان بدیع لغت ادب عروض وقوافی، قراءت، تجوید اوفاق، اعداد، کلام مناظرہ ہندسہ حساب۔ ریاضی ہیئت توقیت تکسیر تصوف سلوک اخلاق، یوں تو ان سارے علوم میں حضرت کو درجہ اختصاص حاصل تھا مگر تفسیر، حدیث، فقہ اور عربی ادب سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا۔

جامعہ ازہر سے واپسی

جامعہ ازہر سے فراغت پانے کے بعد آپ بریلی شریف تشریف لائے، آپ کے آنے کی خبر سنتے ہی چاروں طرف خوشیوں کا سماں بندھ گیا، حضور مفتی اعظم ہند کے خادم خاص الحاج محمد ناصر رضوی بریلوی کے بقول آپ کو لینے کے لئے حضور مفتی اعظم خود بنفس نفیس تشریف لے گئے اور ٹرین کا بے تابانہ انتظار فرماتے رہے، جیسے ہی ٹرین پلیٹ فارم پر پہنچی اور حضور تاج الشریعہ ٹرین سے اترے سب سے پہلے حضرت نے گلے لگایا، پیشانی چومی اور بہت دعائیں دیں اور فرمایا کہ کچھ لوگ گئے تھے مگر بدل کر آئے مگر میرے بچے پر جامعہ کی تہذیب کا کوئی اثر نہیں ہوا ماشاء اللہ۔

حضرت کی سرپرستی میں متعلقین ومتوسلین اور اہل خاندان وعلماء کرام وطلبہ دار العلوم منظر اسلام کے علاوہ بے شمار معتقدین حضرات نے جن میں بیرون شہر کے لوگ بھی موجود تھے شاندار استقبال کیا اور خوش رنگ پھولوں کے گجروں اور ہاروں کی پیش کش سے اپنے والہانہ جذبات وخلوص وعقیدت کا اظہار کیا اور دعاؤں سے نوازا۔

عقد مسنون

جامعہ ازہر سے واپسی کے دوسال بعد ۳ رنومبر ۱۹۶۸ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ بروز اتوار اپنے ہی خانوادہ میں حضرت علامہ حسنین رضا خان علیہ الرحمۃ کی نیک سیرت صاحبزادی سلیم فاطمہ سے ہوا جو تقوی وطہارت، پابندئ شریعت، امانتداری، مہمان نوازی اور غرباء پروری میں اپنی مثال آپ ہیں، علم کی دولت سے مالامال ہیں، انتظام وانصرام تو کوئی آپ سے سیکھے، مرکزی دار الافتاء کے مفتیان کرام کا خیال، جامعۃ الرضا کے تعمیری اور تعلیمی امور، عرس رضوی، عرس حامدی اور عرس نوری میں لنگر اور سال میں مختلف محافل ومجالس مقدسہ کے انعقاد کا پورا انتظام آپ فرماتی ہیں، کیا مجال کہ ایک پائی بھی ادھر سے ادھر ہو جائے، آپ نے گھریلو امور میں حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کو بے فکر کر دیا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اس کا بہتر صلہ عطا فرمائے اور صحت وتندرستی عطا فرمائے اور ہمارے سروں پر آپ کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ آمین

اولاد امجاد

اللہ تعالیٰ نے حضور تاج الشریعہ کو ایک صاحبزادہ (مولانا عسجد رضا خان قادری صاحب) اور پانچ صاحبزادیاں عطا فرمائیں، سبھی ماشاء اللہ شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

بیعت وارادت

حضور تاج الشریعہ حضور مفتی اعظم ہند کے مرید صادق تھے، خود فرماتے تھے کہ مجھے حضور مفتی اعظم ہند نے بچپن ہی میں داخل سلسلہ فرمالیا تھا۔

اجازت وخلافت

ایک مرتبہ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے ساجد میاں مہتمم دار العلوم مظہر اسلام کو حکم دیا کہ ۱۵ر جنوری ۱۹۶۲ء مطابق ۸ر شعبان ۱۳۸۱ھ کو صبح ۸ر بجے گھر پر محفل میلاد شریف کا انعقاد کیا جائے، میلاد خواں حضرات علماء ومشائخ وطلبہ مدارس وفارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کی دعوت کی جائے، شدید سردی کے موسم میں بھی کئی ہزار لوگوں نے میلاد شریف کی اس خصوصی تقریب میں شرکت کی، محفل میلا دشریف کے آخر میں حضور مفتی اعظم ہند تشریف لائے اور حضور تاج الشریعہ کو بلوایا، اپنے قریب بٹھایا، دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر جمیع سلاسل عالیہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ نقشبندیہ اور جمیع سلاسل طریقت اور حدیث مسلسل بالاولیت کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، تمام اوراد وظائف، اعمال واشغال، دلائل الخیرات، حزب البحر اور تعویذات کی اجازت مرحمت فرمائی، اس موقع پر مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن عباسی رئیس اعظم اڑیسہ، برہان ملت مفتی برہان الحق جبل پوری، مولانا خلیل الرحمن محدث امروہوی، علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی، مفتی نذیر الاکرم نعیمی مرادآبادی، مولانا محمد حسین سنبھلی، مولانا انوار احمد شاہجہانپوری، مولانا قاضی شمس الدین جعفری جونپوری، مولانا کمال احمد تلسی پوری، مولانا شعبان علی حبانی گونڈوی، صوفی عزیز احمد بریلوی وغیرھم جیسے جید علماء ومشائخ موجود تھے، سبھی حضرات نے اٹھ اٹھ کر یکے بعد دیگرے حضور تاج الشریعہ کو مبارکبادیاں دیں۔

اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم کی جانشینی

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے والد ماجد حضور مفسر اعظم ہند نے حضور تاج الشریعہ کو قبل فراغت ہی اعلیٰ حضرت کا جانشین بنایا اور ایک تحریر بھی عنایت فرمائی، ریحان ملت حضرت علامہ محمد ریحان رضا خان قادری بریلوی مہتمم منظر اسلام اپنی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' میں بعنوان ''کوائف دار العلوم'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''بوجہ علالت (حضور مفسر اعظم ہند) یہ توقع نہیں کہ اب زیادہ زندگی ہو بنابریں ضرورت تھی کہ دوسرا قائم مقام ہو، لہٰذا اختر رضا سلمہ کو قائم مقام وجانشین اعلیٰ حضرت بنا دیا گیا جانشینی کا عمامہ باندھا گیا، عبا پہنائی گئی، یہ دستار اور عبا اور طلبہ کی دستار اور عبا اہل بنارس کی طرف سے ملی۔''

۱۵ر جنوری ۱۹۶۲ء کو جس مجلس مسعود میں حضور مفتی اعظم نے حضور تاج الشریعہ کو اپنی اجازت وخلافت سے نوازا اسی مجلس میں برہان ملت مولانا برہان الحق جبل پوری، شمس العلماء قاضی شمس الدین احمد جعفر جونپوری نے حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے دریافت کیا کہ حضرت! آپ کا جانشین کون ہوگا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ جانشین اپنے وقت پر ہی ہوگا جسے ہونا ہوگا، حضرت (مفتی اعظم ہند) نے تاج الشریعہ کے متعلق فرمایا کہ اس لڑکے (تاج الشریعہ) سے امیدیں وابستہ ہیں، حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے آخری زمانہ میں ایک تحریر حضور تاج الشریعہ کو عنایت فرمائی جس میں آپ کو اپنا جانشین اور قائم مقام مقرر فرمایا چنانچہ اس تحریر میں خطبہ کے بعد پہلا جملہ یہی لکھا تھا۔

"میں اختر میاں سلمہ کو اپنا قائم
کرتا ہوں۔"

۱۴ر۱۵ر نومبر ۱۹۸۴ء کو مارہرہ مطہرہ میں عرس قاسمی کی تقریب میں احسن العلماء حضرت مولانا سید حسن میاں برکاتی سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف نے جانشین مفتی اعظم ہند کا استقبال "قائم مقام مفتی اعظم ہند علامہ ازہری زندہ باد" کے نعرے سے کیا اور مجمع کثیر میں علماء ومشائخ اور فضلاء ودانشوروں کی موجودگی میں جانشین مفتی اعظم ہند کو یہ فرمایا:

"فقیر آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ
نوریہ کے سجادہ کی حیثیت سے قائم مقام
مفتی اعظم ہند علامہ اختر رضا خاں
صاحب کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ نوریہ کی
عام خلافت واجازت سے ماذون ومجاز
کرتا ہوں پورا مجمع سن لے!، تمام
برکاتی بھائی سن لیں! اور یہ علماء کرام
(جو عرس میں موجود ہیں) اس بات کے
گواہ رہیں۔"

بعدہٗ احسن العلماء سید حسن میاں برکاتی نے جانشین مفتی اعظم ہند کی دستار بندی کی اور نذر بھی پیش کی، سید العلماء حضرت سید آل مصطفی برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ نے جمیع سلاسل کی خلافت واجازت عطا فرمائی اور خلیفہ اعلیٰ حضرت برہان ملت حضرت مفتی برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ نے تمام سلاسل اور حدیث شریف کی اجازت سے نوازا۔

حج وزیارت

حج وزیارت ہر بندۂ مومن کا ایک ایسا کیف آور خواب ہے جس کی تعبیر اس کے لئے معراج حیات سے کم نہیں، چنانچہ وہ اسے حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے سیکڑوں جتن کرتا ہے، ہزاروں مشکلات کا سامنا کرتا ہے، لاکھوں دعائے سحر گاہی کرتا ہے، تب کہیں جا کر رحمت الٰہی اور سرکار ابد قرار کی نظر عنایت ہوتی ہے اور اس سرمدی سعادت اور لازوال نعمت سے سرفراز ہو پاتا ہے، حرمین شریفین کا سفر ایک بندۂ مومن کو اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کی یاد دلاتا ہے، رنگ ونسل کا فرق مٹا کر مساوات کا درس دیتا ہے

اور اللہ کی نشانیوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔

تاج الشریعہ نے پہلے حج وزیارت کی سعادت ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء میں حاصل کی، دوسرے حج سے ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں اور تیسرے حج سے ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں مشرف ہوئے، اس کے علاوہ اب تک کئی حج وعمرے اور وزیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔

حضور تاج الشریعہ کی شخصیت پوری دنیا میں امام احمد رضا کے سچے علمی وارث وامین کی حیثیت سے جانی اور پہچانی جاتی تھی، آپ غواص بحر حقیقت ومعرفت اور شہسوار میدان شریعت وطریقت تھے، اگر تعصب وتنگ نظری کی عینک اتار دی جائے تو یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ فی الوقت دنیائے سنیت تاج الشریعہ جیسی علم وعمل، فضل وکمال اور شہرت ومقبولیت میں یکتائے روزگار شخصیت سے خالی نظر آتی ہے، خود آپ نے ایک جگہ تحدیث نعمت کے طور پر یوں ارشاد فرمایا:

مفتیٔ اعظم کا ذرّہ کیا بنا اخترؔ رضا
محفل انجم میں اخترؔ دوسرا ملتا نہیں

دنیا میں بااثر شخصیات پر ریسرچ کرنے والے ادارے کے مطابق دنیا کی ان چند بااثر مذہبی شخصیات میں آپ کا نام سرفہرست ہے جن کا دائرۂ اثر عالمی سطح پر ہر سمت پھیلا ہوا تھا، ۳؍سال قبل ہی جامعہ ازہر مصر نے ''فخر ازہر ایوارڈ'' دے کر آپ کے علمی فضل وکمال اور مذہبی جاہ وجلال کا اعتراف کیا تھا۔

اس دور میں تاج الشریعہ خوبیوں کا بحر ذخار، کمالات کا منبع اور رشد وہدایت کا سرچشمہ تھے، راہ حق کے متلاشیوں کو ان کے در دولت سے منزل کا پتہ ملتا تھا، گم گشتگان منزل ان کی ایک نگاہ کیمیا اثر سے گوہر مقصود پا لیتے تھے، تشنگان علم وفن آپ کے فیضان نظر سے امیر کشور علم وحکمت بن جاتے تھے، غرض کہ آپ کی ذات بابرکات اس وقت افق سنیت پر سراپا ابر کرم بن کر برسنے والی ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔

اولاد وامجاد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور تاج الشریعہ کو عزت وعظمت، شہرت ومقبولیت، علم وعمل اور فضل وکمال جیسی دارین کی ساری نعمتوں سے نوازا تھا، مولیٰ نے اولاد کی نعمت سے بھی آپ کو سرفراز فرمایا تھا، چنانچہ آپ کو ایک صاحبزادے (حضرت مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری) اور پانچ صاحبزادیوں سے نوازا تھا، ماشاء اللہ سبھی اولادیں شادی شدہ، صاحب اولاد اور اپنے اپنے گھروں میں خوشگوار زندگی گزار رہی ہیں۔

سفر آخرت

حضور تاج الشریعہ نے ۷؍ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰؍جولائی ۲۰۱۸ء کو جمعہ کا دن گزار عین اذان مغرب کے وقت ۷؍بج کر ۱۴؍منٹ پر اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ کے وصال کا منظر جب یادوں کے دریچے سے نگاہوں کے

سامنے آتا ہے تو جان و دل، ہوش و خرد سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، بے اختیار آنکھوں سے اشکوں کا دریا جاری ہو جاتا ہے، یہ یقین نہیں ہوتا کہ حضور تاج الشریعہ ہم سے ہمیشہ ہمیش کے لئے رخصت ہو چکے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ سنیت یتیم ہو چکی ہے، اللہ رب العزت ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کے فیوض و برکات سب پر عام و تام فرمائے، آمین۔

تدریسی خدمات

جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد آپ نے ۱۹۶۷ء میں منظر اسلام میں تدریس کا باضابطہ آغاز کیا، ۱۹۷۸ء میں آپ صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہوئے، کم وبیش تین سال یعنی ۱۹۸۰ء تک سارے کام بحسن وخوبی انجام پائے مگر ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۱ء میں جب حضور مفتی اعظم ہند کا وصال ہوا تو آپ کو عہدۂ صدارت سے ہی نہیں بلکہ تدریسی ذمہ داریوں سے بھی کچھ عرصہ کے لئے سبکدوش ہونا پڑا، کیونکہ ملک اور بیرون ملک کے تبلیغی دوروں کی وجہ سے آپ کے لئے ایک جگہ رک کر سلسلہ تدریس کو برقرار رکھنا مشکل امر ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد جب حالات معمول پر آگئے تو آپ نے اپنے دولت کدہ پر پہلے درس قرآن پاک کا آغاز فرمایا، اس کے بعد بخاری شریف کا بھی درس دینے لگے، پھر جب آپ کے قائم کردہ مرکزی دار الافتا میں تربیت افتا کے لئے کچھ طلبہ حاضر ہوئے تو انہیں بھی شرح عقود رسم المفتی، الاشباہ والنظائر، فواتح الرحموت اور بدائع الصنائع کا درس دینے لگے۔

آپ نے اپنی تدریس مروجہ درسی کتابوں تک ہی محدود نہیں رکھی بلکہ وقت ملنے پر آپ غیر درسی کتابوں جیسے کہ شرح قصیدہ ہمزیہ للامام ابن حجر مکی وغیرہ کا بھی درس دیتے تھے، ان دروس میں دار العلوم منظر اسلام، دار العلوم مظہر اسلام، جامعہ نوریہ رضویہ کے طلبہ اور دور دراز سے آئے ہوئے علمائے کرام اور طلبائے عظام کثرت سے شریک ہوتے تھے۔

۲۰۰۸ء سے آپ نے ازہری مہمان خانہ جو اب آپ کی آخری آرام گاہ ہے میں ہر جمعرات کو سوال و جواب کی مجلس شروع کی جس میں عوام و خواص کثیر تعداد میں شریک ہو کر آپ کے علمی فیضان سے مالا مال ہوتے تھے، لوگوں کی فرمائش پر پرانے شہر کے حبیب مسجد میں جمعہ کے دن مغرب سے عشا تک کا وقت سوال و جواب کی مجلس کے لئے متعین فرمایا، پہلے سوال و جواب کا سلسلہ چلتا پھر لوگوں کو بیعت کر کے ان کے لئے دعا کی جاتی تھی اور سلام رضا پر مجلس اختتام پذیر ہوتی۔

کچھ عرصہ کے بعد جب انٹرنیٹ کی سہولت مہیا ہوئی تو انٹرنیٹ پر بھی سوال و جواب کی یہ مجلس شروع ہوئی، جس میں دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ سوال کرتے اور حضرت ان کا شافی جواب ارشاد فرماتے اس مجلس میں بھی پہلے سوال جواب پھر بیعت، ارادت اور اجازت وظائف پھر پریشان حال لوگوں کے لئے دعائیں ہوتیں۔

کراچی پاکستان کے حافظ اسلم صاحب نے بھی ہر

مہینہ اپنے یہاں موبائل پر یہ مجلس جاری کروادی جس میں سوال وجواب وبیعت وارادت واجازت وظائف اور دعاؤں کا سلسلہ چلتا، پھر لوگوں کے اصرار پر پہلے درس بخاری شریف پھر عربی درس قصیدہ بردہ شریف اور پھر کنز الایمان اور دیگر تراجم قرآن پاک کا تقابلی جائزہ بھی نشر ہونے لگا۔

تصنیفی خدمات

تاج الشریعہ کو تصنیف وتالیف اور تعریب وترجمہ میں بھی ید طولیٰ حاصل ہے، آپ کی تصنیفات وتالیفات دلائل وبراہین سے مزّین ومسجع ہوتی ہیں، جب آپ ضلالت وگمراہی اور قعر مذلت کے سکّان باطل فرقوں کا تحریری تعاقب فرماتے ہیں تو دلائل وبراہین اور آثار وشواہد کے طلاطم میں ان کی کج فہمی اور بدمذہبی کی نیّا کو غرق ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

تاج الشریعہ جب کسی کتاب کی تعریب یا ترجمہ فرماتے ہیں، اس وقت اہل علم ودانش آپ کی علمی صلاحیتوں کے جلوؤں کا نظارہ کرتے نہیں تھکتے، تعریب وترجمہ کا کام اس قدر عرق ریزی اور حاضر دماغی کا ہے کہ سب کچھ اپنی نظروں کے سامنے ہونے کے باوجود بھی ہر ایک اس کی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ نہیں ہو پاتا لیکن یہاں تو معاملہ ہی بالکل برعکس ہے نہ اصل کتاب نظروں کے سامنے ہے، نہ اس کی عبارات لاحق وسابق، نہ ترجمہ کے مسطورہ الفاظ گزشتہ پیش نگاہ نہ موجودہ، پھر بھی ترجمہ کے کمال صحت کا حال یہ ہے کہ بڑے بڑے ناقدان فکر وفن اور عظیم ترین صاحبان علم وفضل بھی ترجمہ اور اصل کتاب میں کوئی فرق محسوس نہیں کر پاتے۔

جب اس راہ پُر خار کا کوئی مسافر یہ منظر دیکھتا ہے تو حیرت واستعجاب کے بحر بے کراں میں ڈوبنے، ابھرنے لگتا ہے اور اس عطیۂ خداوندی پر اپنا سر دھنتے ہوئے بے اختیار حضرت شیخ سعدی کا ہم زبان ہوجاتا ہے کہ ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے فتاوی کے علاوہ کئی بیش قیمت کتابیں تصنیف فرمائیں اور اعلیٰ حضرت کے کچھ عربی رسائل کا اردو میں اور کچھ اردو رسائل کا عربی میں ترجمہ فرما کر ان پر تعلیقات بھی تحریر فرمائیں، جب تک آپ کی بینائی کام کرتی رہی خود ہی تحریر وتصنیفی کا ام انجام فرماتے تھے مگر جب سے بینائی نے ساتھ چھوڑ دیا تب مفتی مظفر حسین صاحب، راقم الحروف محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی یا مولانا یونس رضا کو بلا کر املا کرواتے، کبھی کبھی جامعۃ الرضا کے اساتذۂ کرام بھی انجام دیتے، ۲۰۰۸ء سے کام مستقلاً مولانا عاشق حسین کشمیری کے ذمہ ہوگیا، اس دوران بفضلہ تعالیٰ درج ذیل تصانیف، تراجم اور تعلیقات معرض تحریر میں آئیں:

تنظیمی خدمات

تاج الشریعہ ملکی سطح پر کام کرنے والی کئی مذہبی تنظیموں کے صدر اور سرپرست بھی رہے، اس سلسلے میں سنی تبلیغی

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	مطبع
۱	شرح حدیث نیت	اردو	معارف رضا پاکستان
۲	ہجرت رسول ﷺ	اردو	مطبوعہ المجمع الرضوی، ادارہ معارف رضا، پاکستان
۳	آثار قیامت	اردو	مطبوعہ المجمع الرضوی، ادارہ معارف رضا، پاکستان
۴	سنو! چپ رہو!	اردو	مطبوعہ ادارہ معارف رضا، پاکستان/ برکاتی پبلیشرز، کراچی
۵	ٹائی کا مسئلہ	اردو	مطبوعہ المجمع الرضوی، سوداگران بریلی
۶	تین طلاقوں کا شرعی حکم	اردو	مطبوعہ اختر بکڈپو، خواجہ قطب، بریلی
۷	تصویروں کا حکم	اردو	مطبوعہ اختر بکڈپو، خواجہ قطب، بریلی
۸	دفاع کنز الایمان ۲ جز	اردو	مطبوعہ ادارہ سنی دنیا، سوداگران بریلی
۹	الحق المبین	اردو	مطبوعہ ادارہ سنی دنیا، سوداگران بریلی
۱۰	ٹی وی اور ویڈیو کا آپریشن مع شرعی حکم	اردو	مطبوعہ ادارہ سنی دنیا، سوداگران بریلی
۱۱	القول الفائق بحکم اقتداء الفاسق	اردو	مطبوعہ المجمع الرضوی، سوداگران بریلی
۱۲	حضرت ابراہیم کے والد تارخ یا آزر	اردو	المجمع الرضوی، سوداگران، بریلی
۱۳	کیا دین کی مہم پوری ہو چکی؟، مقالہ	اردو	المجمع الرضوی، سوداگران، بریلی
۱۴	جشن عید میلاد النبی ﷺ، مقالہ	اردو	المجمع الرضوی، سوداگران، بریلی
۱۵	متعدد فقہی مقالات	اردو	مطبوعہ/غیر مطبوعہ
۱۶	سعودی مظالم کی کہانی اختر رضا کی زبانی	اردو	مطبوعہ ماہنامہ سنی دنیا، سوداگران، بریلی
۱۷	المواہب الرضویہ فی الفتاوی الازہریہ	اردو	مطبوعہ دو جلد/غیر مطبوعہ
۱۸	منحۃ الباری فی شرح البخاری	اردو	جامعۃ الرضا، بریلی شریف
۱۹	تراجم قرآن میں کنز الایمان کی فوقیت	اردو	اس پر کام جاری ہے
۲۰	الحق المبین	عربی	مطبوعہ المجمع الرضوی
۲۱	الصحابۃ نجوم الاھتداء	عربی	مطبوعہ دار المقطم، مصر
۲۲	شرح حدیث الاخلاص	عربی	المجمع الرضوی
۲۳	سد المشارع علی من یقول ان الدین یستغنی عن الشارع	عربی	دار المقطم، قاہرہ، مصر
۲۴	تحقیق ان ابا ابراہیم تارخ لا آزر	عربی	مطبوعہ دار المقطم، قاہرہ، مصر
۲۵	نبذۃ حیاۃ الامام احمد رضا	عربی	دار المقطم، قاہرہ، مصر
۲۶	مرآۃ النجدیہ بجواب البریلویہ (حقیقۃ البریلویہ)	عربی	دار المقطم، قاہرہ، مصر
۲۷	حاشیۃ الازہری علی صحیح البخاری	عربی	مطبوعہ مجلس برکات، مبارکپور
۲۸	حاشیہ المعتقد والمنتقد	اردو	مطبوعہ المجمع الرضوی، بریلی
۲۹	سفینہ بخشش (دیوان)	عربی/اردو	مطبوعہ متعدد بار، المجمع الرضوی، بریلی

۳۰	انوار المنان فی توحید القرآن	اردو	المجمع الرضوی، بریلی
۳۱	المعتقد المنتقد مع المعتمد المستند (ترجمہ)	اردو	المجمع الرضوی، بریلی
۳۲	الزلال الانقی مع بحر سبقۃ الاتقی (ترجمہ)	اردو	ادارہ سنی دنیا، بریلی
۳۳	اھلاک الوہابین علی توہین القبور المسلمین (تعریب)	عربی	المجمع الرضوی، بریلی
۳۴	شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام (تعریب)	عربی	شائع از سعودی، مطبع کا نام نہیں ہے
۳۵	الھاد الکاف فی حکم الضعاف (تعریب)	عربی	دار السنابل، دمشق
۳۶	برکات الامداد لاھل الاستمداد (تعریب)	عربی	جمعیۃ رضائے المصطفیٰ، کراچی
۳۷	عطایا القدیر فی حکم التصویر (تعریب)	عربی	المجمع الرضوی، بریلی
۳۸	تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون (تعریب)	عربی	المجمع الرضوی، بریلی
۳۹	قوارع القہار فی رد المجسمۃ الفجار (تعریب)	عربی	دار النعمان للعلوم، دمشق
۴۰	سبحان السبوح (تعریب)	عربی	دار النعمان للعلوم، دمشق
۴۱	القمع المبین لامال المکذبین	عربی	دار النعمان للعلوم، دمشق
۴۲	النھی الاکید (تعریب)	عربی	دار النعمان للعلوم، دمشق
۴۳	حاجز البحرین (تعریب)	عربی	دار النعمان للعلوم، دمشق
۴۴	فقہ شہنشاہ وآن القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ (تعریب)	عربی	المجمع الرضوی، سوداگران، بریلی
۴۵	ملفوظات تاج الشریعہ	اردو	غیر مطبوعہ/قلمی
۴۶	تقدیم تجلیۃ السلم فی مسائل نصف العلم	اردو	اختر بکڈپو، خواجہ قطب، بریلی
۴۷	ترجمہ قصیدتان رائعتان	اردو	غیر مطبوعہ/قلمی
۴۸	Few English fatawa	انگلش	ادارہ سنی دنیا، بریلی
۴۹	ازہر الفتاوی	انگلش	حبیبی دار الافتاء ڈربن، ساؤتھ افریقہ
۵۰	ٹائی کا مسئلہ	انگلش	ادارہ سنی دنیا، بریلی
۵۱	A Just Answer to the blased author	انگلش	سنی پبلکیشن ڈربن، ساؤتھ افریقہ
۵۲	فضیلت نسب (ترجمہ اراءۃ الادب لفاضل النسب)	اردو	مکتبہ سنی دنیا، بریلی
۵۳	ایک غلط فہمی کا ازالہ	اردو	برکات رضا، پوربندر، گجرات
۵۴	حاشیہ انوار المنان	عربی	المجمع الرضوی، سوداگران بریلی
۵۵	الفردہ فی شرح قصیدۃ البردہ	عربی	دار النعمان للعلوم، دمشق الشام
۵۶	رویت ہلال	اردو	مشمولہ، ماہنامہ سنی دنیا، شمارہ جنوری ۲۰۱۴ء
۵۷	چلتی ٹرین پر نماز کا حکم	اردو	مشمولہ، ماہنامہ سنی دنیا، شمارہ جنوری ۲۰۱۴ء
۵۸	افضلیت صدیق اکبر وفاروق اعظم	اردو	جامعۃ الرضا بریلی شریف
۵۹	تعریب فتاوی رضویہ، جلد اول	اردو	زیر طبع
۶۰	نغمات اختر	عربی	جامعۃ الرضا، بریلی شریف
۶۱	صلات الصفا بنور المصطفیٰ (تعریب)	عربی	زیر طبع

جماعت باسنی، آل انڈیا تبلیغ سیرت بنارس، آل انڈیا سنی جمیعۃ العلما جیسی متحرک وفعال تنظیموں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

جماعت رضائے مصطفےٰ کی نشاۃ ثانیہ:

جماعت رضائے مصطفےٰ کی نشاۃ ثانیہ کا سہرا بھی آپ ہی کے سر جاتا ہے، اس جماعت کو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت نے اسلام اور مسلمانوں کو مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ۱۹۲۰ء میں قائم فرمایا تھا، غالباً ۱۹۹۷ء میں نشاۃ ثانیہ کے بعد اب تک یہ جماعت آپ کی بابرکت سرپرستی اور شہزادۂ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری بریلوی مدظلہ القوی کی صدارت میں اب تک قومی اور ملی خدمات میں مصروف رہی ہے۔

شرعی کونسل آف انڈیا کا قیام:

امت مسلمہ کو درپیش نئے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے حضور تاج الشریعہ نے ۲۰۰۳ء میں ''شرعی کونسل آف انڈیا'' کے نام سے ایک فقہی تنظیم قائم فرمائی تھی جو ہر سال کوئی ۳/ نو پید مسائل پر ملک وملت کے نامور علما ومشائخ اور جید مفتیان کرام کو مدعو کرتی ہے اور شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہر مسئلے کا تلاش کرتی ہے، شرعی کونسل اب تک تقریباً ۴۵/ عنوانات سے متعلق ۱۵/ فقہی سمینار منعقد کر چکی ہے اور ۳۳/ عنوانات پر مشتمل گیارہ فقہی سمیناروں کے فیصلہ جات کتابی شکل میں بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔

تعلیمی خدمات

تاج الشریعہ نے ملک وبیرون ملک میں تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہزاروں اداروں کی سرپرستی فرمائی اور قوم وملت کے مخیر اور صاحب ثروت حضرات کو متوجہ فرما کر انھیں ترقی کی راہوں پر گامزن کیا، جامعہ نوریہ رضویہ باقر گنج بریلی شریف کا قیام بھی آپ ہی نے فرمایا اور اسے ترقی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچا کر اپنے برادر اصغر حضرت علامہ مولانا منان رضا خاں منانی میاں قادری بریلوی کے سپرد فرما دیا، جواب خیر سے شہر بریلی کے بڑے اور معیاری اداروں میں شمار ہوتا ہے۔

جامعۃ الرضا کا قیام:

اسی طرح آپ کی تعلیمی خدمات میں ایک شہرۂ آفاق نام ''جامعۃ الرضا'' کا آتا ہے جو اپنے طرز تعمیر، طریقۂ تعلیم اور اعلیٰ نظم ونسق کے لئے آج عالمی سطح پر جانا اور پہچانا جاتا ہے، یہاں زیر تعلیم طلبہ دینی اور دنیوی دونوں علوم میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہاں زیر تعلیم ایک ہزار طلبہ کے لئے قیام وطعام کا عمدہ نظم ونسق ہے، یہ ادارہ تقریباً ۱۷/ ایکڑ اراضی میں پھیلا ہوا ہے۔

جامعہ کے گراؤنڈ میں ایک بے مثال اور عالیشان ''حامدی مسجد'' زیر تعمیر ہے جو اپنے منفرد طرز تعمیر کے اعتبار سے پورے ہندوستان کی پہلی مسجد ہے، حامدی مسجد میں بیک وقت ۳۰۰۰۰/ افراد کے نماز پڑھنے کی وسعت ہے۔

تبلیغی خدمات:

حضور تاج الشریعہ نے ملک وبیرون ملک بے شمار تبلیغی دورے فرما کر خلق خدا کو سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ سے منسلک فرمایا، آپ جہاں بھی جاتے لاکھوں دیوانوں کا ایسا ہجوم اکٹھا ہوتا کہ دیکھنے والے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ ایسی مقبولیت اور ایسی دیوانگی کسی اور کے لئے دیکھنے کو نہیں ملتی، حضور تاج الشریعہ نے دنیا کے اکثر ممالک اور ہندوستان کے تقریباً سبھی صوبوں اور حصوں میں تبلیغی دورے فرمائے۔

فقہی خدمات:

آغاز تدریس کے ساتھ ہی آپ نے حضور مفتی اعظم ہند اور حضرت علامہ مفتی سید محمد افضل حسین صاحب مونگیری کی زیر نگرانی فتویٰ نویسی کا بھی آغاز فرمایا اور ایک سال بعد ہی آپ کو ''رضوی دار الافتاء'' کا صدر مفتی بنا دیا گیا، تقریباً چالیس سال سے

مسلسل افتاء کی عظیم ذمہ داری کو آپ بحسن خوبی انجام دے رہے ہیں، دنیائے علم وفن میں جو اعتبار و اعتماد آپ کے فتاویٰ کو حاصل ہے وہ عصر حاضر میں کسی اور کے فتوے کو نصیب نہیں، آپ کے فتاویٰ اقصائے عالم میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، آپ کے فتاویٰ کی چار جلدیں ''فتاویٰ تاج الشریعہ'' کے نام سے جامعۃ الرضا نے شائع کی ہیں، مزید جلدوں پر تیزی کے ساتھ کام جاری ہے۔

شعری خدمات:

حضور تاج الشریعہ ایک سچے عاشق رسول اور ایک عمدہ نعت گو شاعر بھی تھے، آپ کو دین و مذہب والہانہ وابستگی کے ساتھ ساتھ موزونئ طبع، خوش کلامی، شعر فہمی اور شاعرانہ ذوق بھی ورثے میں ملا تھا، آپ کی نعتیہ شاعری عشق و وارفتگی کا ایک حسین گلدستہ تھی، آپ نے اردو، عربی اور فارسی زبان میں بے شمار نعتیں، منقبتیں اور نظمیں بھی تحریر فرمائی ہیں، آپ کو نئے لب ولہجہ میں نعتیہ اشعار کہنے میں زبردست ملکہ حاصل تھا، آپ کی شاعری معنویت وغنائیت، پیکر تراشی اور سرشاری و شیفتگی کا نادر نمونہ ہے، آپ کے قلم سے نکلنے والے اشعار فصاحت و بلاغت، حلاوت و ملاحت، جذب و کیف اور سوز وگداز میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔

آپ کا مجموعہ کلام ''سفینۂ بخشش'' اور ''نغمات اختر'' کے نام سے مقبول خاص وعام ہے اور عاشقان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبۂ عشق کو سوز وگداز سے ہمکنار کرنے میں اپنی مثال آپ ہے، عاشقوں کی کوئی ایسی محفل نہیں جو آپ کے نغمات کی غنائیت سے خالی ہوتی ہو۔

مسلکی خدمات

مرکزی دارالافتاء کا قیام □ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کو اس منصب کو سنبھالنے کے لئے تیار فرمایا تھا اور لوگوں کو بھی باخبر فرمادیا تھا کہ میرے بعد یہی میرے جانشین ہیں، اسی لئے ۱۹۸۱ء میں جب حضور مفتی اعظم ہند کا وصال ہوا تو آپ پر لوگوں کی نظریں مرکوز ہوگئیں اور آپ ہی ان کی توجہ کا مرکز بن گئے، لوگ اپنے دینی مسائل کے حل کے لئے آپ کی جانب رخ کرنے لگے، ۱۹۸۲ء میں آپ نے ''مرکزی دارالافتاء'' کا قیام فرمایا اور یہیں سے فتویٰ جاری فرمانے لگے، سوالات کی کثرت اور مصروفیت کی پیش نظر آپ نے مولانا مفتی حبیب رضا خاں قادری بریلوی، حضرت مولانا مفتی قاضی عبدالرحیم بستوی اور حضرت مولانا مفتی ناظم علی قادری جیسے جید مفتیان کرام کی تقرری فرمائی جبکہ نقل فتویٰ کے لئے حضرت مولانا عبدالوحید خاں بریلوی کی تقرری فرمائی۔

حضور تاج الشریعہ شروع سے اب تک تمام مفتیان مرکزی دارالافتاء کا ماہانہ مشاہرہ اپنے ذاتی صرفے سے ادا فرماتے رہے اور آج بھی یہ زرّیں سلسلہ آپ کے شہزادۂ گرامی کی نگرانی میں جاری وساری ہے، جس میں کئی افراد پر مشتمل مفتیان کرام کی ذمہ دار ٹیم نہایت ہی دیانت داری کے ساتھ آپ کے متعین کردہ خطوط پر فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دے رہی ہے۔

مرکزی دارالقضاء کا قیام

مسلمانوں کے آپسی نزاعی معاملات کا شرعی حل پیش کرنے کے لئے آپ نے ''مرکزی دارالقضاء'' کا قیام بھی فرمایا، یہ شعبہ بھی آپ کے شہزادۂ گرامی بحسن وخوبی سنبھال رہے ہیں۔

ماہنامہ سنی دنیا کا اجرأ

کسی بھی تحریک وتنظیم کی ترویج واشاعت کے لئے اس کا اپنا آرگن ہونا لازم وضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر تبلیغ وترسیل کے فرائض کما حقہ ادا نہیں ہوسکتے، تحریک وتنظیم کے پیغامات دوررس، دیرپا اور ہمہ گیر نہیں ہوسکتے، مفکر اسلام امام

احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز نے بھی اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر فروغ اہل سنت کے لئے اپنے دس نکاتی منصوبوں میں اس امر کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں

''آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بہ قیمت وبلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔'' [فتاویٰ رضویہ، جلد ا رص ۱۳۴]

عصر حاضر میں ایک طرف مخالفین اسلام خود نت نئے حملے کر کے اسلام کو بدنام کرنے کی سعی کر رہے ہیں تو دوسری طرف اپنے ٹکڑوں پر پلنے والے گندم نما جو فروشوں کے ذریعہ احکام شرع کی غلط تعبیریں کر کے اسلام کی شبیہ مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ایسے میں اسلام کی صحیح تعلیمات کو عام کرنا از حد ضروری ہو جاتا ہے، مخالفین کے تعاقب کے ساتھ ساتھ ان کے زر خرید غلاموں کی نقاب کشائی بھی لازم ہو جاتی ہے، چنانچہ اس اہم ضرورت کا احساس کرتے ہوئے حضور تاج الشریعہ نے ۳۶ رسال پہلے ۱۹۸۲ء میں ''ماہنامہ سنی دنیا'' کا اجرا فرمایا تھا جو اب تک آپ کی سرپرستی میں نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ اہل سنت کی صحیح ترجمانی اور اس کی پاسبانی کے فرائض انجام دے رہا ہے، دنیائے سنیت میں بہت ہی کم ایسے رسالے ہیں جو اس قدر طویل مدت سے اپنا صحافتی سفر مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔

شہزادۂ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری بریلوی مدظلہ العالی کی فعال نگرانی میں سنی دنیا دن بدن شاہ راہ ترقی پر گامزن ہے اور الحمد للہ اب یہ رسالہ صحافت، طباعت اور اشاعت کے عصری تقاضوں کو پورا کرتا ہوا چرخ صحافت کا آفتاب وماہتاب بن گیا ہے اور ہر سو اس کی منفرد ضوفشانیوں کا چرچہ ہے، ہر دل اس کی دینی تابشوں سے منور ہو رہا ہے، مزید یہ کہ جنوری ۲۰۱۸ء سے سنی دنیا ہندی میں بھی منظر عام آرہا ہے۔

اصلاحی خدمات

مرکز اہل سنت کی مرکزیت کو دوام واستحکام بخشنے میں حضور تاج الشریعہ کی ہمہ جہت خدمات جلیلہ نے اہم رول ادا کیا ہے، اس کے لئے آپ نے تدریسی، تصنیفی، تنظیمی، تعلیمی، تبلیغی، فقہی، اصلاحی اور مسلکی محاذ پر بیک وقت گہری نظر رکھتے تھے اور مقتضائے وقت کے مطابق ہر خدمت انجام دیتے تھے، حضور تاج الشریعہ نے قوم وملت کی اصلاح کے فرائض جہاں تحریر اور اپنے تبلیغی دوروں کے ذریعہ انجام دیئے وہیں اپنی تقریر کے ذریعہ بھی اصلاحی خدمات انجام دیں ہیں، آپ بلا ناغہ ہر اتوار کو رات نو بجے ملک وبیرون ملک سے ہونے والے سوالات کے جوابات کے لئے آن لائن بھی ہوتے تھے، ان سوالات وجوابات کے کچھ حصے کو ''ملفوظات تاج الشریعہ'' کے نام سے راقم نے مرتب کر دیا ہے، ان شاء اللہ الرحمٰن عرس صد سالہ میں اس کے منظر عام آنے کی امید قوی ہے۔

تاج الشریعہ کی خدمات جلیلہ ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہیں، درس وتدریس ہو، تصنیف وتالیف ہو، تقریر وتحریر ہو، کتب ورسائل ہوں، شعر وسخن ہو، تعلیم وتنظیم ہو، بیعت وارشاد یا قوم وملت کی اصلاح ہو، آپ نے تبلیغ وترسیل کے ہر شعبہ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، مولائے کریم ہم تمام شیدایان تاج الشریعہ کو آپ کے فیض وبرکات سے مالا مال فرمائے، آمین۔

❀❀❀

قمر ملت حضرت مولانا ڈاکٹر قمر رضا خاں بریلوی

سید محمد مبشر قادری

مولد و مسکن:

حضرت محلہ سوداگران رضا نگر سے متصل محلہ خواجہ قطب بریلی شریف میں بتاریخ ۱۴؍ جولائی ۱۹۴۶ء اور ہجری کے اعتبار سے ۱۴؍ شعبان ۱۳۶۵ھ پیدا ہوئے۔

نام ونسب شریف:

محمد قمر رضا بن محمد ابراہیم رضا بن محمد حامد رضا بن امام احمد رضا خاں بن علامہ نقی علی خاں بن علامہ رضا علی خاں علیہم الرحمۃ الرضوان۔

تعلیم وتربیت:

خاندانی دستور کے مطابق چار سال چار ماہ چار دن کی عمر مبارک میں حضرت کی رسم بسم اللہ خوانی ہوئی، اس کے بعد ابتدائی تعلیم والد ماجد مفسر اعظم ہند علیہ الرحمۃ المنان سے ہی حاصل کی، بعد ازیں عربی فارسی اور دینیات کی تعلیم یادگار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ جامعہ رضویہ منظر اسلام سے حاصل کی۔

علی گڑھ روانگی:

دینی تعلیم کے بعد تقریباً ۱۹۶۶ء میں عصری تعلیم کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تشریف لے۔

بیعت وخلافت:

شعور کی منزل پر پہنچ کر تقریباً ۱۹۶۰ء میں سرکار مفتی اعظم عالم اسلام علیہ الرحمۃ الرضوان سے بیعت ہوئے، ۱۹۸۴ء میں اہل سلسلہ حضرات کے پُرزور اصرار پر بیعت وارشاد کی طرف مائل ہوئے اور حضرت صدر العلماء بدر العرفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلسلہ رضویہ کے فروغ کے لیے خلافت واجازت سے نوازا اور تعویذات کی مشق بھی کرائی، علاوہ ازیں علوم دینیات کی تکمیل بھی ان سے ہی کی۔

عقد نکاح:

حضور قمر ملت اعلیٰ حضرت سے نسباً نجیب الطرفین ہیں، ایک تو خود عالم دین بھی ہوئے اور اعلیٰ حضرت سے ایسی قربت، ان دو فضیلتوں کا اجتماع اس بات کا متقاضی تھا کہ حضرت کا ہمسفر اور ہم راز بھی اسی شان کا مالک ہو، چنانچہ یہ تقاضہ بھی پورا ہوا اور حضرت کا نکاح ۱۲؍ جنوری ۱۹۷۵ء میں نواسی حضور مفتی اعظم عالم اسلام سے ہوا، جنہوں نے اپنی پوری زندگی حضرت کے ساتھ نہایت ذمہ داری اور پاسداری سے گزار دی، خود حضرت بھی اس کا اظہار اکثر

فرمایا کرتے تھے اس طور پر کہ کوئی بھی کام مثلاً بچوں کی تعلیم وتربیت، شادی بیاہ اور جملہ خانگی معاملات جو حسن انجام کو پہنچتے اور اس پر کوئی انہیں مبارکباد پیش کرتا تو بطور چاہت ومحبت یوں فرماتے کہ ''یہ سب میری بیوی کی کرامت ہے'' اور کیوں نہ فرماتے کہ یہ وہی نواسی ہیں کہ جنہیں ایک دفعہ حضور مفتی اعظم ہند نے گود میں اُٹھا کر فرمایا ''یہ بہت خوش نصیب بچی ہے'' سونے پہ سہاگہ یہ رہا کہ یہ نکاح خود حضور مفتی اعظم ہند نے پڑھایا۔

رشد وہدایت وتبلیغی اسفار:

مذہب مہذب اہلسنت وجماعت کی ترویج اور نشر واشاعت کے لیے آپ نے ملک وبیرون ملک کے سفر ۱۹۸۴ء سے تادم زیست فرمائے، جن میں قابل ذکر عراق، عرب، پاکستان، یوپی، سری لنکا کے علاوہ بہار، بنگال، جھارکھنڈ، آسام، گجرات، راجستھان، مہاراشٹر، ایم پی، آندھراپردیش اور کشمیر وغیرہ صوبائی اور ملکی سطح پر آپ نے بیشمار سفر کر کے سلسلہ رضویہ کو بے پناہ فروغ بخشا۔ آپ اکثر دورے دیہاتوں اور نواحی بستیوں میں فرماتے تھے، چنانچہ آج آپ کے مریدین کی تعداد لاکھوں میں ہے۔

فضائل وکمالات:

حضرت نہایت ذہین تھے، ذکاوت تو انہیں اپنے جد اعلیٰ امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ورثے میں ملی تھی، عربی، فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی، زبانوں کے علاوہ آپ کو سائنس، ریاضی، علم الاعداد اور تاریخ گوئی وغیرہ علوم پر ید طولیٰ حاصل تھا، حتیٰ کہ حضور تاج الشریعہ سے بھی اگر کسی نے کہا کہ حضور کسی کتاب کا یا ادارے کا تاریخی نام تجویز فرمائیں تو حضرت بھی یہی فرماتے کہ یہ کام قمر میاں سے لو، شمسی تاریخ سے قمری تاریخ بلاتردد نکال دیا کرتے تھے۔

اپنے آپ میں ایک فعال اور متحرک تنظیم کی حیثیت رکھتے تھے، ہزاروں غیر مسلم آپ کے نورانی چہرے کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے، ایک موقع پر آپ کسی انجان بستی یا گاؤں سے گزر رہے تھے اسی اثناء میں آپ نے گاڑی رکوائی اور فرمایا کہ یہاں کوئی تکلیف زدہ ہے، اور اتر کو خود ہی بغیر کسی رہنمائی کے اس گھر کو پہنچ گئے، اس گھر کے رہائشی بدمذہب تھے ان کا اکلوتا بچہ جو بسبب علالت حال مرگ کو جا پہنچا تھا، حضرت نے اس پر دم فرمایا وہ اسی وقت ٹھیک ہو گیا، یہ کرامت دیکھ کر سب اسی وقت سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہو گئے اور حضرت سے بیت بھی ہو گئے، آپ مستجاب الدعوات تھے اور آپ کی دعا نہایت سریع الاثر ہوا کرتی تھی، جس بیمار پر بھی آپ دم فرماتے اگر مشیت ایزدی میں اس کی زندگی بصحت وعافیت ہے تو اسی وقت ٹھیک ہو جاتا، خود اس حقیر کے والد محترم جو بلڈ پریشر کے شکار تھے ایک دفعہ حضرت نے بذریعہ ٹیلی فون کان میں دعا پڑھی تب سے اب تک بفضلہٖ تعالیٰ وبحمدہٖ تعالیٰ وبعونہ تعالیٰ بلڈ پریشر کی شکایت نہیں ہوئی، الحمدللہ! خود اس حقیر کے کئی کام انہیں کی دعا سے بنے ایسے کام جو بظاہر ناممکن نظر آتے تھے حضرت کا یہ فرمانا ہوتا تھا کہ، ہو جائے گا، ہو کر ہی رہتا تھا، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک سائل حاضر خدمت ہوا اور کہنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت نے فوراً فرمایا تیرا یہ مسئلہ ہے اور اس کا حل یہ ہے، اس واقعہ

کا یہ حقیر عینی شاہد ہے۔

وصال کی پیشنگوئی:

آپ اپنے وصال کی خبریں بھی کئی بار دے چکے تھے۔ مثلاً جب ڈھائی تین سال قبل ہم بریلی شریف میں تھے تو واپسی پر حضرت ہمیں دہلی تک چھوڑنے آئے یہ کہہ کر کہ میں تم لوگوں کو آخری بار چھوڑ آؤں اور پاکستان میں جب فون پر بات ہوتی تھی تو عاصم رضا خان صاحب کی شادی کے حوالے سے فرماتے تھے کہ اس کی شادی تو تم لوگ کروگے میں تو نہیں ہونگا، ہم کبھی ان کی بات سمجھ ہی نہ سکے، ایک حافظ صاحب نے حضرت سے مصلیٰ سنانے کے لیے مسجد میں جگہ مانگی حضرت نے انہیں اپنا موبائل نمبر دے دیا اور فرمایا تم بریلی آجانا میرے بچے تمہارا کام کرادیں گے میرے پاس اب وقت نہیں ہے، قبل از وصال جہاں دورے پر سے آئے تھے وہاں اپنے مریدین، معتقدین اور متوسلین کو بھی اس بات سے آگاہ فرمایا دیا تھا کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔

آپ نہایت شفیق اور مہربان تھے، اپنے مریدین پر بھی اتنے شفیق تھے جیسے کوئی باپ اپنے حقیقی بچوں پر ہوتا ہے، کئی لوگوں کی شادیاں آپ نے اپنے خرچے پر کرائیں، خدمت خلق کو اپنی حیات کا نصب العین بنالیا تھا، آپ ایک دارُ العلوم بھی اپنی جیب خاص سے چلارہے تھے، آپ نہایت منکسر المزاج اور شہرت سے دور رہنے والے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے ان معاملات کا علم آپ کے اہل خانہ کو بعد از وصال ہوا المختصر آپ گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے جن کا احاطہ اس مختصر سی تحریر میں ممکن نہیں، چند الفاظ میں آپ ''اشداءعلی الکفار رحماء بینھم'' اور ''الحب فی اللہ والبغض فی اللہ'' کی جیتی جاگتی تفسیر تھے یہی وجہ ہے کہ آپ اس شان سے گئے کہ ایک نے خواب میں دیکھا کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا جنازہ جارہا ہے اور حضرت تاج الشریعہ دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ قمر میاں کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ لینے آئے ہیں۔

وصال پُرملال:

بروایت شہزادۂ اکبر مولانا عمر رضا خان صاحب آپ کافی وقت سے ''شوگر'' اور ''ہارٹ'' کے مریض تھے اس کے باوجود آپ تبلیغی اسفار برابر فرمارہے تھے، ۲۴ر جون کو رات میں آپ کی طبیعت معمول کے مطابق کچھ ناساز تھی اور شوگر بڑھی ہوئی تھی۔ لہٰذا ڈاکٹر نے دوا دے کر آرام کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ دوسرے دن ۲۵ر جون ۲۰۱۲ء بمطابق ۵ر شعبان ۱۴۳۳ء کو معمول کے مطابق شوگر بڑھ گئی ایک بجے رات کا کھانا کھایا اور پھر ڈیڑھ بجے رات خلف اکبر مولانا عمر رضا خان صاحب نے دوا کھلا کر ان کے کمرے میں لٹادیا، صبح کو جب نماز فجر کو بیدار نہ ہوئے تو خادم کو تشویش ہوئی اس نے آپ کو جگانا چاہا اس عمل سے پتہ چلا کہ آپ ابدی نیند سو گئے اہل خانہ کے تو پیروں تلے زمین نکل گئی، آناً فاناً میں اس حادثہ جانکاہ کی خبر وحشت اثر موبائل فون، ایس ایم ایس، اور انٹرنیٹ کے ذریعے ملک و بیرون ملک جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی، حضور صاحب سجادہ نشین مدظلہ العالی نے

اس خبر کو سن کر فوراً کلمات ترجیع پڑھ کر نمناک اور گلو گیر آواز میں جامعہ منظر اسلام کی دو روزہ تعطیل اور قرآن خوانی برائے ایصال ثواب کا حکم صادر فرمایا، کراچی دارُالعلوم امجدیہ میں بھی ایصال ثواب کی محفل منعقد کی گئی، قمر ملت کا پردہ فرمانا نہ صرف خانوادۂ اعلیٰ حضرت کا نقصان بلکہ پوری سنیت کا نقصان ہے، قمر ملت اب ہم میں نہیں رہے، یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے کہ جس کی تلخی نے نہ جانے کتنے دلوں کو غم وحزن میں ڈبو دیا ہے۔

نماز جنازہ وتدفین:

۲۷؍جون بروز بدھ بعد نماز عصر اسلامیہ انٹر کالج میدان میں نماز جنازہ کا اعلان کیا گیا تھا، لہٰذا اعلان کے مطابق حضور صاحب سجادہ اور خاندان کے دیگر بزرگوں کی موجودگی میں انتہائی شان وشوکت کے ساتھ جلوس جنازہ، کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود کے مقدس وباعظمت نغموں کے سائے میں خواجہ قطب سے بی بی جی مسجد اور بہاری پور ہوتا ہوا اسلامیہ میدان میں پہنچا، جہاں ہر طرف عشاق کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر، ٹوپی وعمامہ اور سفید وپاکیزہ لباس میں ملبوس ایک روحانی ونورانی منظر پیش کر رہا تھا قمر ملت کی وصیت کے مطابق حضرت کی نماز جنازہ حضرت کے برادر اکبر حضور تاج الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری مدظلہٗ النورانی نے پڑھائی، مغرب کے وقت قبہ رضویہ کے اندر تدفین عمل میں آئی اور رات گئے مٹی دینے کا سلسلہ جاری رہا۔

قبلہ قمر رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے پسماندگان میں اپنی اہلیہ، ایک شہزادی اور تین شہزادوں کو چھوڑا ہے، مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کے شہزادگان کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے لواحقین، معتقدین، مریدین، متوسلین کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید الامین والمرسلین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❁❁❁

باب ششم:

مرکز اہل سنت کی تجلیات

خانوادۂ رضا: علمی وفکری جہات

مفتی توفیق احسنؔ برکاتی:
استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

شہر بریلی شمالی ہندستان کے صوبۂ اتر پردیش کا وہ مشہور مقام ہے جہاں تیرہویں صدی میں چند ایسی نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیتیں منصۂ شہود پر جلوہ بار ہوئیں جن کے گیسوے علم وحکمت اور فکر وفن کی خوشبو سے ایک عالم مہک رہا ہے، جنھیں دنیا ''خاندانِ رضا'' اور ''خانوادۂ رضویہ'' کے نام سے جانتی ہے۔ اس خاندان کے نفوس قدسیہ اور مردانِ حق آگاہ نے سیاسی، سماجی، اصلاحی، تبلیغی، مذہبی اور دینی خدمات میں وہ اثر چھوڑا ہے جو تا قیامت تابندہ ودرخشندہ رہے گا۔

حضرت علامہ مفتی رضا علی خاں قادری بریلوی قدس سرہ نے علم وحکمت کے جس گلشن کی آبیاری کی اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کرنوں سے جس کے ذرے ذرے کو رشک کہکشاں بنایا، تقریباً ڈیڑھ سو سالوں سے ان کے عظیم وارثانِ علم حضرت علامہ نقی علی خاں بریلوی، مجدد اعظم امام احمد رضا قادری برکاتی، استاذ زمن علامہ حسنؔ رضا بریلوی، مفتی محمد رضا بریلوی، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا بریلوی، مفتی اعظم علامہ مصطفی رضا نوری، علامہ ابراہیم رضا قادری جیلانی، علامہ ریحانؔ رضا بریلوی، علامہ حسنین رضا قادری، علامہ تحسین رضا قادری، علامہ سبطین رضا قادری اور تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا قادری علیہم الرحمہ اسے سنبھالا دے رہے ہیں۔

اس خانوادے کی دینی وملی خدمات اور علمی وفقہی کارناموں سے پوری دنیائے علم ودانش متعارف ہے اور دین وسنیت کے لیے ان کی مساعی جمیلہ اور کارگزاریوں کو خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ اس مقدس اور تاریخی گھرانے کی علمی وادبی خدمات اور کارہائے نمایاں کا ایک تاریخی باب اور ایک امتیازی شناخت ہے نیز زبان وادب کے فروغ و اشاعت کے سلسلے میں ان حضرات کی کاوشیں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، ان کے ذریعہ زبان وادب، شعر وسخن کو بلند اقبالی اور شہرت دوام حاصل ہوئی۔ سردست ''خانوادۂ رضا کی علمی وادبی خدمات'' [راقم الحروف کا ایک تحقیقی مقالہ] کا ایک باب ''خانوادۂ رضا: علمی وفکری جہات'' ملاحظہ کریں۔

خانوادۂ رضا: ایک تاریخی جائزہ

خاندانِ رضا نسباً ونسلاً افغانیوں کے معروف قبیلہ ''بھڑیچ'' سے تعلق رکھتا ہے، قبیلہ بھڑیچ افغانیوں کا معزز قبیلہ مانا جاتا ہے، جس میں بہت جلیل الشان اور نابغہ روزگار افراد ہوئے اور افغانستان وہندستان میں ان کے مزارات آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ قبیلہ بھڑیچ کے مورث اعلیٰ بھڑیچ

بن شر جنون بن ابراہیم سڑبن ہیں۔ یہ قبیلہ اپنی شجاعت اور جواں مردی میں کافی مشہور رہا، قندھار اور افغانستان پر سینکڑوں سال تک قبیلہ بھڑیچ نے حکمرانی کی۔ اسی قبیلے کے ایک معزز سردار کا نام شجاعت جنگ محمد سعید اللہ خاں ہیں، جو نادر شاہ کے ہمراہ ہندوستان وارد ہوئے، نادر شاہ نے ۱۷۳۱ء میں ہندستان پر حملہ کیا تھا، پھر واپس چلا گیا، لیکن شجاعت جنگ نے ہندوستان ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ محمد شاہ نے لاہور کا شیش محل بطور جاگیر آپ کو دیا، ساتھ ہی منصب شش ہزاری پر فائز کر کے ''شجاعت جنگ'' خطاب سے بھی نوازا، اس کے علاوہ ریاست رام پور کے بہت سے مواضعات معافی و دوامی عطا کیے۔ انھی کے فرزند ارجمند ہیں سعادت یار خاں، جن کے سن شعور کو پہنچتے ہی شجاعت جنگ نے دربار شاہی سے علاحدگی اختیار کر لی اور بقیہ عمر یاد الٰہی اور ذکر و فکر میں گزار دی۔

سعادت یار خاں سلطان محمد شاہ کے دربار سے وابستہ ہو کر وزیر مالیات کے عہدے پر فائز ہوئے۔ روہیل کھنڈ پر جب سلطنت دہلی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور باغیوں کی سرکشی بڑھ گئی تو بادشاہ ہند نے باغیوں کے خلاف تادیبی کاروائی کے لیے سعادت یار خاں کو بھیجا جنھوں نے بڑی مہارت اور حکمت عملی سے وہ مہم سر کی، اپنی جواں مردی کے خوب جوہر دکھائے اور ۲؍ جون ۱۷۵۴ء کو روہیلوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح فتح بریلی کا سہرا آپ کے سر رہا۔ بادشاہِ ہند نے رام پور کے کچھ مواضعات آپ کو دیے تھے، لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے وہ جاگیر ضبط کر لی اور ریاست رام پور میں ضم کر دیا۔

سعادت یار خاں کے تین فرزند شہزادہ محمد اعظم خاں، شہزادہ محمد معظم خاں، اور شہزادہ محمد مکرم خاں تھے۔ فرزند اکبر مولانا محمد اعظم خاں دربار شاہی سے وابستہ تھے، انھیں شاہی دربار میں منصب بھی ملا تھا مگر ان کا قلبی رجحان دربار شاہی سے میل نہیں کھاتا تھا، اس لیے جلد ہی شاہی منصب سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور زہد و ریاضت کی راہ لی۔ تارک الدنیا ہونے کے بعد مولانا محمد اعظم خاں نے بریلی کے محلہ معماران کو اپنا مسکن بنایا۔ مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی لکھتے ہیں:

''اعظم خاں نے منصب وزارت سے سبک دوش ہو کر زہد و ریاضت کی۔ وادی میں قدم رکھا اور ملک کو چھوڑ کر مالک الملک کو اپنانے کی ادہمی [حضرت ابراہیم بن ادہم کا طریقہ] اور سمنانی [سید مخدوم اشرف سمنانی کی سنت] مثال ایک بار پھر پیش کی اور حکومت کی کرسی سے الگ ہو کر قبرستان کو اپنا مسکن بنایا۔''(۱)

اعظم خاں نے دو شادیاں کیں، زوجہ اولی سے حافظ محمد کاظم علی خاں اور زوجہ ثانیہ سے چار صاحب زادیاں پیدا ہوئیں۔ سلطنت مغلیہ زوال پذیر ہوئی، اس لیے حافظ محمد کاظم علی خاں نے سلطنت اودھ سے وابستگی اختیار کی۔ ان کے کارہائے نمایاں کے عوض سلطنت اودھ سے بدایوں کا نظم و نسق عطا کیا گیا، دو سو سواروں کی بٹالیں آپ کی خدمت میں رہتی تھیں، آٹھ گاؤں بطور جاگیر حاصل ہوئے، جن میں سے دو گاؤں اپنے متعلقین کو عطا کر دیے، بقیہ چھ گاؤں آپ کی جاگیر میں رہے۔

مولانا حافظ کاظم علی انتہائی دین دار اور سنت و شریعت

کے وفادار تھے۔ امام احمد رضا کے مرشد طریقت حضرت خاتم الاکابر سید آل رسول مارہروی کے استاذ مولانا انوار الحق فرنگی محلی سے سلسلہ رزاقیہ میں بیعت تھے اور پیر و مرشد سے خلافت و اجازت بھی حاصل تھی۔ آپ سچے عاشق رسول [صلی اللہ علیہ وسلم] تھے اور پابندی کے ساتھ محفل میلاد منعقد کرتے تھے، یہ معمول آج بھی ان کے خاندان میں رائج ہے۔ امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا کاظم علی ہر سال ۱۲/ربیع الاول کو محفل میلاد مبارکہ بڑے التزام سے منعقد کرتے تھے، الحمد للہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔'' (۲)

مولانا کاظم علی خاں نے تین شادیاں کیں، زوجہ اولیٰ سے دو فرزند مولانا رضا علی خاں اور حکیم تقی علی خاں تھے اور ایک دختر زینت بیگم تھیں۔ زوجہ ثانیہ سے تین صاحب زادیاں اور زوجہ ثالثہ سے ایک فرزند جعفر علی خاں پیدا ہوئے جو لاولد فوت ہوئے۔ مولانا کاظم علی کی نسل ان کے دونوں بیٹوں سے چلی۔ جن میں فرزندِ اکبر مولانا مفتی رضا علی خاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے جد امجد ہیں، جن کا تذکرہ پیش خدمت ہے:

امام العلماء مفتی رضا علی خاں بریلوی قدس سرہ:

قدوۃ الواصلین حضرت مولانا رضا علی خاں بن حافظ کاظم علی خاں ابن محمد اعظم خان ابن محمد سعادت یار خان ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء بریلی میں پیدا ہوئے۔ (۳) ۲۳ سال کی عمر میں ٹونک راجستھان میں مولانا خلیل الرحمٰن بن مولانا محمد عرفان رام پوری سے علوم وفنون کی تحصیل کر کے شہرۂ آفاق ہوئے۔

مولانا رحمان علی تحریر کرتے ہیں:

''مولانا رضا علی خاں ۱۲۲۴ھ [۱۸۰۹ء] میں پیدا ہوئے اور شہر ٹونک میں مولوی خلیل الرحمن صاحب مرحوم سے علوم درسیہ حاصل کر بہ عمر ۲۳/سال [۱۸۲۷ء میں] سند فراغت حاصل کر کے اماثل واقران کے منظور نظر اور مشہور اطراف وزمان ہوئے۔'' (۴)

علامہ رضا علی خان بریلوی علیہ الرحمہ نے باقاعدہ فتویٰ نویسی کی بنیاد رکھی اور بریلی کو تمغۂ افتخار عطا فرمایا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ اس حقیقت کو یوں واشگاف فرماتے ہیں:

''بحمدہ اللہ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے ۹۱/برس اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے بعونہ تعالیٰ ۵۱/برس ہونے آئے، یعنی اس صفر کی ۱۴/تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گزرے، اس نوکم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے، بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں۔'' (۵)

مورخ خاندانِ رضا مولانا محمد شہاب الدین رضوی رقم طراز ہیں:

''تیرہویں صدی ہجری میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے جد امجد مفتی رضا علی خاں بریلوی (۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) نے ۱۲۴۶ھ میں بریلی کی سرزمین پر مسندِ افتا کی بنیاد رکھی اور ۱۲۸۲ھ تک فتویٰ نویسی کا گراں قدر کام بحسن وخوبی انجام دیا۔'' (۶)

علم فقہ میں آپ یکتائے زمانہ تھے، بے مثل فقیہ، بلند

مایہ عالم باعمل، تقویٰ وطہارت کے پیکرولی صفت انسان تھے، سلام وکلام میں ابتدا کرتے تھے۔ آپ کے ہم عصروں نے آپ سے کافی استفادہ کیا، اور آپ کی علمی تحقیقات کو کافی سراہنا ملی۔ چنانچہ حکیم عبدالحئی لکھنوی آپ کی علمی قدروں کو سراہتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مولانا محمد رضا علی خان نے ۲۳/برس میں علوم منقولہ ومعقولہ سے فراغت حاصل کی، اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز ہوئے اور علم فقہ میں بڑی مہارت حاصل کی۔'' (۷)

آپ بہت پر تاثیر تقریر فرماتے، آپ کے اوصاف شمار سے باہر ہیں، نسبتِ کلام، سبقتِ سلام، زہد وقناعت، علم و تواضع میں یگانۂ زمانہ تھے۔ حکومتِ وقت نے آپ کے لیے لائق وفائق عہدوں کی پیش کش کی، لیکن آپ نے قبول نہ کیے، لالچ دی مگر کامیاب نہ ہوئے، اس لیے کہ آپ کی زندگی ابتدا ہی سے فقر وغنا اور درویشانہ شان رکھتی تھی، محتاجوں کی امداد آپ کو پسند تھی اور رضائے الٰہی آپ کی پونجی تھی۔ اس سلسلے میں مولانا بدرالدین قادری فرماتے ہیں:

''قطب الوقت مولانا شاہ رضا علی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے کے بے مثل عالم اور ولی کامل تھے، دنیوی حکومت کے عہدے آپ نے قبول نہ کیے، بلکہ ابتدا ہی سے زہد وتقویٰ فقر وتصوف کی زندگی گزاری۔'' (۸)

امام العلماء کو خلافت واجازت اور سند حدیث مولانا خلیل الرحمن اور ان کو فاضل محمد سنڈیلوی سے اور ان کو ملک العلماء بحر العلوم مولانا محمد عبدالعلی لکھنوی سے تھی۔ آپ نے شعروشاعری کا ذوق بھی رکھا اور فن وادب کو کافی کچھ دیا، اردو، عربی اور فارسی تین زبانوں میں شعر گوئی کی۔ مجاہد آزادی مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی [۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء] کی شاگردی اختیار کی اور شاعری میں ان سے اصلاحات لیں، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ کی خدمات تاریخِ ہند کے زریں اوراق میں نمایاں مقام رکھتی ہیں، سرزمین ہند میں انگریزوں کے تسلط اور ملکی خرد برد کے حوالے سے ان کا یہ شعر پڑھنے کے لائق ہے:

آہ ہم پر ہوا مسلط وبال فرنگیاں
ہمیں ہیں مالک اور ہمیں آنکھ دکھائی جاتی ہے

مفتی رضا علی خاں نے جمعہ اور عیدین کے لیے عربی زبان میں خطبات تصنیف کیے تھے، جن کو آپ کے شاگرد و مرید مولانا محمد حسن علمی نے ترتیب دے کر ''خطباتِ علمی'' کے نام سے شائع کیا، خطبات میں اردو کے منظوم تراجم مولانا محمد حسن علمی کے ہیں، اس لیے بطور مولف انھی کا نام کتاب پر درج ہوا۔ یہ خطبات برصغیر ہندو پاک وبنگلہ دیش میں آج بھی جمعہ وعیدین کو پڑھے جاتے ہیں اور ان کی خوب خوب اشاعت ہوتی ہے۔ مفتی رضا علی خان کے متعدد تلامذہ ہوئے، ان میں ''خطباتِ علمی'' کے مرتب مولانا محمد حسن علمی اور ملک محمد علی خاں [مرتبِ ''تصحیح الایمان رد تقویۃ الایمان''] بہت مشہور ہیں، ایک شاگرد مولانا فخرالدین قادری سنڈیلوی تھے جو انگریزوں کے خلاف جہاد میں شریک ہو کر بریلی میں شہید ہوئے۔

مفتی محمد رضا علی خاں بریلوی جید عالم دین اور ماہر مفتی ہونے کے ساتھ عظیم مجاہد آزادی بھی تھے، تمام عمر ظالم فرنگیوں کے خلاف برسرپیکار رہے، عملاً بھی جنگ آزادی

میں حصہ لیا، ان کے مجاہدانہ کارنامے تاریخ ہند کا ایک روشن باب ہیں جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں ترجمان اہل سنت، کراچی کا ''جنگِ آزادی نمبر'' [ماہ جولائی، ۱۹۷۵ء] ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، اس کا ایک اقتباس دیکھیں:

''جنگ آزادی کا مورخ رقم طراز ہے کہ آپ [مفتی رضا علی خاں] جنگِ آزادی کے عظیم رہنما تھے، عمر بھر فرنگی اقتدار کے خلاف برسرِ پیکار رہے، آپ ایک بہترین جنگ جو اور بیباک سپاہی تھے۔ لارڈ ہسٹنگ آپ کے نام سے کانپتا تھا، جنرل ہڈسن جیسے برطانوی جنرل نے آپ کا سر قلم کرنے کا انعام پانچ سو روپیہ مقرر کیا تھا، مگر اپنے مقصد میں عمر بھر ناکام رہا۔ جب آپ نے برطانوی حکام کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تو انگریزوں نے آپ کے احاطہ میں نقب زنی کر کے پچیس گھوڑے چوری کر لیے کیوں کہ آپ نے اپنے تمام گھوڑے مجاہدین آزادی کو انگریزوں کی پناہ گاہ پر شب خون مارنے کے لیے مفت دیے تھے۔''

مفتی رضا علی خاں نے تحریر و تقریر کے ذریعہ بھی انگریزوں کے خلاف عوام کی ذہن سازی کی اور ان کے جذبہ حریت کو بیدا کیا۔ جب انگریزوں کی بیخ کنی کے لیے جہاد کمیٹی تشکیل دی گئی تو آپ اس میں سرفہرست رہے،، اس لیے ظالم فرنگی آپ سے خار کھاتے تھے اور بندش ڈالنے کی فراق میں ہمہ وقت رہتے۔ لیکن امام العلماء کبھی گرفتار نہ ہوئے، انگریز اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوا، اس لیے جہاد کرنے کے جرم میں ان کی جائداد ضبط کر لی اور ریاست رام پور میں ضم کر دی۔

۲/ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۶ء کو امام العلماء کا وصال پر ملال ہوا اور بریلی میں سپرد خاک ہوئے۔(۹)

خاتم المحققین مولانا نقی علی خاں بریلوی قدس سرہ:

مولانا مفتی نقی علی خاں بن مفتی رضا علی خاں بریلوی یکم رجب المرجب ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔(۱۰) اپنے والد محترم سے جملہ علوم ظاہری و باطنی کا اکتساب کیا، والد ماجد نے آپ کی تعلیم پر کافی توجہ دی، آپ کو انوارِ علوم اسلامیہ کا درخشندہ آفتاب بنا دیا اور مسندِ افتا سپرد کی۔

مولوی رحمن علی لکھتے ہیں:

''مولوی نقی علی خان بریلوی بن مولوی رضا علی خان ساکن بریلی روہیل کھنڈ [شمالی، مغربی یوپی] یکم رجب ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد سے تعلیم و تربیت پائی اور ان ہی سے درسی علوم سے فراغت حاصل کیا۔ ذہن ثاقب اور رائے صائب رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کو ہم عصروں میں معاش و معاد میں ممتاز فرمایا تھا۔ فطری شجاعت کے علاوہ سخاوت، تواضع، اور استغنا کی صفات سے متصف تھے۔ اپنی عمر عزیز کو سنت کی اشاعت اور بدعت کے رد میں صرف کیا۔''(۱۱)

والد ماجد مفتی رضا علی خاں علیہ الرحمہ نے نہ صرف خود مسندِ افتا کو زینت بخشی بلکہ اپنے فرزندِ سعید حضرت مولانا مفتی نقی علی بریلوی کو خصوصی تعلیم و تربیت دے کر مسندِ افتا پر فائز کیا۔ علامہ نقی علی بریلوی درس و تدریس، تصنیف و تالیف، فقہ و افتا کے علاوہ فہم و فراست، جودت طبع اور علو ہمت میں یگانۂ زمانہ تھے۔ ان کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا، ان کے علمی رسوخ کا اعتراف ان کے معاصرین نے برملا کیا ہے، ان کا شمار ان علمائے کبار میں ہوتا ہے جنھوں نے زندگی بھر زبان و

قلم سے دین حق کی حفاظت کی اور فروغ علم کا بیش بہا کارنامہ انجام دیا۔ زبان وتحریر میں اختصار و جامعیت ان کا وصف خاص تھا۔

مولانا نقی علی خان کے فرزند امام احمد رضا قادری نے ایک مرتبہ نہایت پیچیدہ مسئلہ کا حکم بڑی جاں فشانی سے تحریر کیا اور اس کی تائید مع تنقیح آٹھ اوراق میں جمع کی، جب انھوں نے اپنا یہ فتویٰ والد ماجد علامہ نقی خاں علیہ الرحمہ کے سامنے پیش کیا تو والد ماجد نے کوئی ایسا جملہ بتایا جس سے یہ سب اوراق رَد ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اس طرح کو جامع ومانع جملوں کے متعلق لکھتے ہیں:

''وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے۔'' (۱۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے ایک شاگرد مولانا احمد اشرف کچھوچھوی کو جو نصائح ارشاد فرمائے تھے اس کے چند جملوں سے بھی مولانا نقی علی خاں کے تبحر علمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''ردِّ وہابیہ اور افتا، یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کے طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک طبیب حاذق [مولانا نقی علی خاں] کے مطب میں سات برس بیٹھا ہوں۔'' (۱۳)

آپ کی فراست صادقہ کا یہ حال تھا کہ جس معاملہ میں جو کچھ فرمایا وہی ظہور میں آیا، فقرا و مساکین کے ساتھ آپ کے معاملات بڑے عمدہ تھے، اغنیا ورؤسا وحکام کو دینی امر میں قابل اعتنا نہ گردانتے، سخاوت، شجاعت، قناعت، حلم و بردباری جیسے اوصاف جلیلہ کے مرقع تھے۔ ۵ر جمادی الآخرہ ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء کو مارہرہ مقدسہ میں حضرت سید شاہ آلِ رسول احمدی تاجدارِ مارہرہ قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور تمام سلاسل قدیمہ وجدیدہ کی اجازت وخلافت پائی اور سندِ حدیث بھی حاصل کی۔ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ سید احمد ذینی دحلان وغیرہ علمائے مکہ سے دوبارہ علم حدیث کی سند حاصل کی۔

ان کے تلامذہ میں امام احمد رضا قادری، مولانا حسن رضا، مولانا برکات احمد، مولانا ہدایت رسول لکھنوی، مفتی حافظ بخش آنولوی، مولوی حشمت خان، مولوی سید امیر احمد بریلوی اور مولوی حکیم عبد الصمد وغیرہم کے اسما قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے باقاعدگی کے ساتھ مسندِ افتا سنبھالے رکھی اور فتویٰ نویسی کا عظیم فریضہ انجام دیتے رہے۔ مولانا سید شاہد علی رضوی رقم طراز ہیں:

''آپ نے مسند افتا پر فائز ہونے کے بعد ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ معاصر علما وفقہا سے اپنی علمی صلاحیت اور فقہی بصیرت کو لوہا منوا کر مرجع فتاویٰ ہو گئے۔'' (۱۴)

آپ کے عہد تک بریلی میں مختلف علمائے کرام انفرادی طور پر دینی تعلیم دیتے رہے جن میں مولانا ہدایت علی فاروقی [تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی] اور مولانا یعقوب علی کا نام قابل ذکر ہے۔ مولانا ہدایت علی فاروقی نے مدرسہ شریعت کے نام سے بریلی میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس

میں وہ باقاعدہ تدریس کا فریضہ نبھاتے تھے۔ بریلی کا پہلا دینی مدرسہ اکبر حسین کمبوہ کی بیوی نے کھولا تھا جس میں مولانا یعقوب علی نے بھی کچھ عرصہ تعلیم دی ہے۔ ان مدارس کے علاوہ کوئی دینی دانش گاہ ایسی نہیں تھی جس میں باقاعدہ تعلیم و تدریس کا اعلیٰ نظم ہو، اس لیے مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ نے ''مدرسہ اہل سنت'' کے نام سے ایک دانش گاہ کی بنیاد ڈالی اور پوری کوشش سے اسے فروغ دیا۔ انھیں یہ مشغلہ تعلیم و کارِ تدریس کافی اچھا لگتا تھا، اس لیے مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے۔

آپ کے رفیق نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ ''سرور القلوب'' کی تقریظ میں لکھتے ہیں:

''مولوی [مولانا نقی علی خاں] صاحب سلمہ تعالیٰ کا گل اسلام تازہ رنگ لایا، یعنی اکثر اشخاص کو تعلیم علم کا شوق دلاتے ہیں۔ اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف فرماتے ہیں۔ ہنگام کلام علوم کا دریا بہہ جاتا ہے، العالم اذا تکلم فھو البحر وتموج۔ [عالم جب گفتگو کرتا ہے تو علم کے سمندر میں غوطہ لگاتا ہے] کا مضمون انھیں کی ذات مجمع حسنات پر صادق آتا ہے۔ کسی نحو، کسی علم میں عاری نہیں، ہر علم میں دخل معقول ہونا بجز عنایت باری نہیں، امور خیر میں اپنے اوقات عزیز صرف کرے میں دشواری نہیں۔ مسائل مشکلہ معقول نے ان کے سامنے مرتبہ حضوری پایا۔ منقول میں بدوں حوالہ آیت اور حدیث کلام نہ کرنا ان کا ایک قاعدہ کلی نظر آیا۔ ان کے حضور اکثر منطقی انے اپنے قیاس وشعور کے موافق صغرائے ثنا اور کبرائے مدح شکل بدیہی الانتاج بنا کر دعویٰ توصیف کو ثابت کر دکھاتے ہیں، آخر الامر نتیجہ نکالتے وقت یہ شرف زبان پر لاتے ہیں:

کیا عجب مدرسہ علم میں ایسا عالم
شمس آکر سبق شمسیہ پڑھتا ہو اگر

(۱۵)

مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کے خوانِ علم سے خوشہ چینی کرنے والے ان کے نامور فرزند امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں:

''آہ، آہ!! ہندوستان میں میرے زمانہ ہوش میں دو بندۂ خدا تھے جن پر اصول وفروع میں اور عقائد وفقہ، سب میں اعتماد کلی کی اجازت تھی: اول: اقدس حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد، حاشا، للہ! نہ اس لیے کہ وہ میرے والد و والی، ولی نعمت تھے، بلکہ اس لیے کہ الحق والحق اقول: الصدق واللہ یحب الصدق، میں نے اس طبیب حاذق کا برسوں مطب پایا اور وہ دیکھا کہ عرب وعجم میں جس کا نظیر نظر نہ آیا، اس جناب رفیع قدس اللہ سرہ البدیع کو اصول حنفی سے استنباط فروع کا ملکہ حاصل تھا۔ اگرچہ کبھی اس پر حکم نہ فرماتے مگر یوں ظاہر ہوتا تھا کہ نادر ودقیق اور معضل مسئلہ پیش نہ ہوا کہ کتب متداولہ میں جس کا پتہ نہیں۔ خادم کمینہ کو مراجعتِ کتب واستخراجِ جزئیہ کا حکم ہوتا اور ارشاد فرماتے: ''ظاہراً حکم یوں ہونا چاہیے۔'' جو وہ فرماتے وہی نکلتا، یا بعض کتب میں اس کا خلاف نکلتا تو زیادتِ مطالعہ نے واضح کر دیا کہ دیگر کتب میں ترجیح اسی کو دی جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔۔۔۔

دوم: والا حضرت تاج الفحول محب رسول مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف، پچیس برس فقیر کو اس جناب سے بھی صحبت رہی، ان کی سی

وسعت نظر وقوت حفظ وتحقیق انیق ان کے بعد کسی میں نظر نہ آئی، ان دونوں آفتاب وماہتاب کے غروب ہونے کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نسبت عرض کروں کہ آنکھیں بند کر کے اس کے فتویٰ پر عمل ہو۔" (۱۶)

"فتاویٰ رضویہ" کے "خطبۃ الکتاب" میں امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"فتاویٰ رضویہ کی تدوین وترتیب کا سبب یہ ہوا کہ میرے آقا ووالد، سایۂ رحمت الٰہی، خاتم المحققین، امام المدققین، فتنوں کو مٹانے والے، سنتوں کی حمایت فرمانے والے، ہمارے سردار ومولیٰ حضرت مولانا محمد نقی علی خاں قادری برکاتی [امطر اللّٰہ تعالٰی علی مرقدہ الکریم شابیب رضوانہ فی الحاضر والآتی] نے مجھے چودہ شعبان المعظم کو فتویٰ لکھنے پر مامور فرمایا جب کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت سے ۱۲۸۶ھ سال تھے اور اس وقت میری عمر پورے چودہ سال نہ ہوئی تھی، کیوں کہ میری ولادت ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ کو ہوئی، تو میں نے فتویٰ دینا شروع کیا اور جہاں میں غلطی کرتا، حضرت قدس سرہ اصلاح فرماتے۔ [عطر اللّٰہ تعالیٰ مرقدہ النقی العلی] سات برس بعد مجھے اذن فرما دیا کہ اب فتویٰ لکھوں اور بغیر حضور کو سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں، مگر میں نے اس پر جرأت نہ کی، یہاں تک کہ رحمن عزوجل نے حضرت والد کو سلخ ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ کو اپنے پاس بلا لیا۔" (۱۷)

مولانا نقی علی خاں چالیس سے زیادہ علوم وفنون پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، علامہ نقی علی خان کی حیات اور علمی وادبی کارناموں پر برصغیر میں لکھے جانے والے پی، ایچ، ڈی مقالے [محقق: ڈاکٹر محمد حسن، مطبوعہ: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی] کے صفحہ ۳۶ پر ان علوم وفنون کی تفصیل درج ہے، ملاحظہ فرمائیں:

علم قرآن، علم تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ حنفی، اصول فقہ، علم فرائض، علم العقائد والکلام، اسماء الرجال، تجوید وقراءت، تاریخ، لغت، ادب، تکسیر، فلسفہ، سیر، علم جفر، مناظرہ، سلوک، تصوف، مربعات، نظم عربی، نثر عربی، نثر فارسی، نظم فارسی، نثر اردو، نظم اردو، علم معانی وبیان، بدیع، جدل مہذب، اخلاق، منطق، ہیئت وحساب، علم زائچہ، خط نسخ، ہندسہ، علم نحو، علم صرف، علم توقیت، خط نستعلیق، فقہ مذاہب اربعہ۔ [۱۸]

ڈاکٹر محمد حسن [پی، ایچ، ڈی] لکھتے ہیں:

"مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا۔ آپ کے تبحر علمی کا اعتراف آپ کے ہم عصر علما نے بھی کیا، آپ عالم اسلام کی ان مقدس ترین شخصیتوں میں سے ہیں جنھوں نے علم وعرفان کے دریا بہائے۔ آپ نے زبان وقلم کے ذریعہ اشاعت دین اور ناموس رسالت کے لیے جہادِ پیہم کیا۔ آپ کے علم وفضل کی شہادت کے لیے آپ کی تصانیف شاہد وعادل ہیں۔ عوام وخواص کی رشد وہدایت کے لیے آپ کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں اور کئی کئی صفحات پر بھاری ہوتے تھے۔" (۱۹)

تیس سے زائد آپ کی اہم تصانیف اس کا بین ثبوت اور آپ کی علمی یادگار ہیں، مگر صرف چھبیس کتب ہی امتدادِ زمانہ سے بچ سکیں۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت [از: مولانا محمد ظفر الدین رضوی] جلد اول ص: ۹۱، ۹۲ میں بھی ۲۶ کی صراحت

موجود ہے۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی آپ کی تصنیفات و تالیفات سے متعلق لکھتے ہیں:

''علامہ نقی علی خاں قدس سرہ کی تصنیفات کی تعداد تقریباً چالیس ہے، تذکرۂ علمائے ہند کے مصنف نے ان کی تعداد ۲۶/ بتائی ہے۔ صاحب الاعلام نے تصانیف کے ضمن میں ۶/ کتابوں کا ذکر کیا ہے، مولانا محمد شہاب الدین رضوی نے ۱۹/ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔''(۲۰)

ان کی تصانیف کی ایک نامکمل فہرست درج ذیل ہے:

مطبوعہ تصانیف:

[۱] الکلام الاوضح فی تفسیر سورہ الم نشرح، طبع مکتبہ رضا بیسل پور، پیلی بھیت

[۲] سرور القلوب فی ذکر المحبوب، سنہ اشاعت: ۱۸۷۱ء

[۳] جواھر البیان فی اسرار الارکان، صبح صادق، سیتاپور، ۱۸۸۱ء

[۴] اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد، صبح صادق، سیتاپور، ۱۸۸۱ء

[۵] ھدایۃ البریۃ الی الشریعۃ الاحمدیۃ، کتب خانہ سمنانی، میرٹھ، ۱۹۲۶ء

[۶] اذاقۃ الأثام لمانعی عمل المولد والقیام، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۲۰۰۴ء

[۷] فضل العلم والعلماء، ۱۹۸۲ء

[۸] احسن الوعا لأداب الدعا، مکتبۃ المدینہ، کراچی، ۲۰۰۹ء

غیر مطبوعہ تصانیف:

[۹] ازالۃ الاوھام

[۱۰] الکوکب الزھر فی فضائل العلم وآداب العلماء

[۱۱] النقاوۃ النقویۃ فی الخصائص النبویۃ

[۱۲] لمعۃ النبراس فی آداب الاکل واللباس

[۱۳] التمکن فی تحقیق مسائل التزین

[۱۴] ھدایۃ المشتاق الی سیر الانفس والأفاق

[۱۵] اجمل الفکر فی مباحث الذکر

[۱۶] تشوق الاداۃ الی طریق محبۃ اللّٰہ

[۱۷] اقوی الذریعۃ الی تحقیق الطریقۃ والشریعۃ

[۱۸] تزکیۃ الایقان رد تقویۃ الایمان

[۱۹] الروایۃ الرویۃ فی الاخلاق النبویۃ

[۲۰] وسیلۃ النجاۃ

[۲۱] ترویح الارواح فی تفسیر سورۃ الم نشرح

[۲۲] خیر المخاطبۃ فی الحاسبۃ والمراقبۃ

[۲۳] ارشاد الاحباب الی آداب الاحتساب

[۲۴] عین المشاھدۃ لحسن المجاھدۃ

[۲۵] نھایۃ السعادۃ فی تحقیق الھمۃ والارداۃ

[۲۶] اصلاح ذات البین

علامہ نقی علی خاں قدس سرہ العزیز کی تصانیف اپنے موضوع پر کماحقہ روشنی ڈالتی ہیں اور ان کے مباحث قارئین کے دل و دماغ میں بس جاتے ہیں، مذکورہ کتابوں کے اسما سے ان کے موضوعات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ امام احمد رضا قادری نے والد ماجد کی انتہائی مہتم بالشان تصنیف ''احسن الوعا لآداب الدعا'' پر ''ذیل المدعا لاحسن الوعا'' کے نام سے ضروری تعلیقات بھی تحریر فرمائے ہیں،

اسی طرح والد ماجد کی کتاب ''جواھر البیان فی اسرار الارکان'' میں امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے'' حالات مصنف'' کے تحت والد ماجد کی چھبیس کتابوں کا تعارف نامہ تحریر فرمایا ہے اور اخیر میں لکھا ہے:

''ان کے سوا اور تصانیف شریفہ کے مسودے بستوں میں ملتے ہیں مگر منتشر، جن کے اجزا اول، آخر یا اوسط سے گم ہیں، ان کے بارے میں حسرت و مجبوری ہے۔ غرض ،عمر اس جناب کی ترویج دین و ہدایت مسلمین و نکات اعدا و حمایت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں گزری، جزاہ اللہ من الاسلام والمسلمین خیر جزاء، آمین۔'' (۲۱)

علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ ایک عظیم مجاہد آزادی بھی تھے، انھیں انگریزی اقتدار سے سخت نفرت تھی، اس لیے تاحیات ظالم فرنگیوں کی مخالفت کی اور انھیں ہندستان سے بے دخل کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے پہنچانے کی ذمہ داری نبھاتے تھے۔ ان کی تقاریر سے انگریزوں کے خلاف غم وغصہ کی فضا قائم ہوئی تھی اور مسلمانوں میں جوش وولولہ پیدا ہوا تھا۔

مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ کی چھ اولادیں ہوئیں تین صاحب زادیاں اور تین فرزندان گرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، استاذِ زمن مولانا حسن رضا قادری اور مولانا محمد رضا قادری علیہم الرحمہ۔ مولانا محمد نقی علی خاں علیہ الرحمہ بہت بڑے عاشق رسول تھے، کئی کتابیں ان کی سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع کو اجالتی ہیں، یہی جذبہ انھوں نے اپنے فرزندوں، اہل خاندان اور مصاحبین کو بھی عطا فرمایا تھا۔

علامہ نقی علی بریلوی قدس سرہ العزیز کی یہ تحریر پڑھیں اور اس سے عیاں رموزِ ادب اور پند ونصیحت پر خوب خوب غور کریں:

''دیوار جس قدر بلند ہو، نیو کی طرف احتیاج زیادہ ہوتی ہے اور نیو کے خراب ہوتے ہی گر جاتی ہے، جب تک درخت قائم ہے ثمر متوقع ہے، جب درخت نہ رہا ثمر کہاں؟ صوفیائے کرام فرماتے ہیں: آج جو راہِ شرع پر ثابت قدم ہے قیامت کو صراط مستقیم پر قائم رہے گا اور جو خطِ مستقیم شریعت سے ذرا بھی جدا ہوگا جس قدر چلے گا مرکز ومقصد سے دور پڑے گا۔'' (۲۲)

آخری ذوقعدہ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں ۵۱ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۳)

خانوادۂ رضا کے ان دو جلیل القدر بزرگوں کی حیات و افکار کے تفصیلی ذکر سے ان کے اخلاف کی علمی وفکری جہات کا اندازلگایا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات:

(۱) مولانا محمد ابراہیم خوشتر، تذکرہ جمیل، طبع سنی رضوی سوسائٹی ،ماریشش، ص: ۹۴

(۲) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص: ۳۰۲، ج: ۲

(۳) مولانا محمد ظفر الدین رضوی، حیاتِ اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۳ء ص ۸۴، ج: ۱

(۴) مولوی رحمن علی، تذکرہ علمائے ہند، مترجم، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۸۰

(۵) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، رضا اکیڈمی، ممبئی،

۱۹۹۴ء، ص ۲۳۰، ج:۳

(۶) مولانا شہاب الدین رضوی، مفتی اعظم اور ان کے خلفا، ممبئی، ۱۹۹۰ء، ص ۴۷، ج:۱

(۷) حکیم عبدالحیٔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، کراچی، ص ۱۷۹، ج:۷

(۸) مولانا بدرالدین رضوی، سوانح اعلیٰ حضرت، رضا اکیڈمی ممبئی، ۲۰۰۲ء، ص:۸۷

(۹) جہانِ مفتی اعظم، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۲۰۰۷ء، ص:۱۰۵۷

(۱۰) مولوی رحمن علی، تذکرہ علمائے ہند، مترجم، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص:۴۴۹

(۱۱) مولوی رحمن علی، تذکرہ علمائے ہند، مترجم، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص:۴۴۹

(۱۲) مولانا محمد مصطفی رضا نوری، الملفوظ، دہلی، ص:۱۰۶، ج:۱

(۱۳) مولانا محمد مصطفی رضا نوری، الملفوظ، دہلی، ص:۱۰۶، ج:۱

(۱۴) مولانا شہاب الدین رضوی، مفتی اعظم اور ان کے خلفا، ممبئی، ۱۹۹۰ء، ص ۵۷، ج:۱

(۱۵) مولانا نقی علی خاں، سرور القلوب فی ذکر المحبوب، تقریظ، ص:۶

(۱۶) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ مترجم، طبع گجرات، ص:۵۹۵، ۵۹۶، ج:۲۹

(۱۷) امام احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ مترجم، طبع گجرات، ص:۸۸، ج:۱

(۱۸) ڈاکٹر محمد حسن، مولانا نقی علی خاں، حیات اور علمی کارنامے، کراچی، ص:۳۶

(۱۹) ڈاکٹر محمد حسن، مولانا نقی علی خاں، حیات اور علمی کارنامے، کراچی، ص:۳۶

(۲۰) ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، تاریخ مشائخ قادریہ، امجدیہ، دہلی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۹۶، ج:۲

(۲۱) مولانا نقی علی خاں، جواھر البیان فی اسرار الارکان، لاہور، دسمبر ۲۰۱۳ء، ص:۱۱

(۲۲) مولانا نقی علی خاں، ھدایۃ البریۃ الی الشریعۃ الاحمدیۃ، طبع ممبئی، ص:۱۷

(۲۳) مولانا شفیق احمد شریفی، تذکرۂ اکابر اہل سنت، الٰہ آباد، ۱۹۹۵ء، ص:۳۵، ج:۱

استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی شہر بریلی کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ دینی رہ نمائی اور رشد و ہدایت کے علاوہ یہ خاندان شعر و ادب کے بیش بہا خزائن کا مالک تھا اور ہے۔

آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے:

حسن رضا خاں بن نقی علی خاں بن رضا علی خاں بن کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں بن محمد سعادت یار خاں بن محمد سعید اللہ خاں۔ علیہم الرحمۃ والرضوان

محمد سعید اللہ خاں قندھار افغانستان کے باعظمت قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے حکومت مغلیہ کے زمانے میں لاہور تشریف لائے اور معزز عہدوں پر فائز رہے، لاہور کا شیش محل انھیں کی جاگیر تھا، پھر وہاں سے دہلی تشریف لائے، شش ہزاری عہدے پر فائز تھے، دربار شاہی سے آپ کو سجاعت جنگ کا خطاب ملا۔

❀❀❀

استاذ زمن کی شاعری اور بریلی کی بزم سخن

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

محمد سعادت یار خاں کو حکومت مغلیہ نے ایک جنگی مہم سر کرنے کے لیے روہیل کھنڈ بھیجا، فتح یابی کے بعد فرمان شاہی پہنچا کہ آپ کو اس علاقے کا صوبے دار بنایا گیا ہے، لیکن اس وقت آپ بستر علالت پر تھے اور سفر آخرت کی تیار کر رہے تھے۔

مولانا محمد اعظم خاں بریلی تشریف فرما ہوئے، کچھ دن حکومت کے عہدۂ وزارت پر فائز رہے، پھر امور سلطنت سے بالکل الگ ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے لگے، آپ نے ترک دنیا فرما کر شہر بریلی کے محلہ معماران میں اقامت اختیار فرمائی، وہیں مزار پاک بھی ہے، آپ کو شمار صاحب کرامات اولیا میں ہے۔

مولانا حافظ کاظم علی خاں شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے، اس زمانے کا یہ عہدہ آج کل کے ڈی، ایم کے منصب کا قائم مقام تھا، دو سو سواروں کی بٹالین آپ کی خدمت میں رہا کرتی تھی، آپ کو آٹھ گاؤں معافی جاگیر میں ملے تھے۔

قطب الوقت مولانا شاہ رجا علی خاں اپنی زمانے کے بے مثل عالم اور ولی کامل گزرے ہیں، (حسن رضا خاں) کے خاندان میں آپ ہی کے وقت سے حکم رانی کا رنگ ختم ہو کر فقر و درویشی کا رنگ غالب آ گیا ورنہ آپ سے پہلے بزرگوں کا یہ عالم تھا کہ شروع میں امور سلطنت کے عہدوں پر فائز رہتے پھر آخر میں اس سے الگ ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے، لیکن یہ سلسلہ حضرت مولانا شاہ رضا علی کی ذات سے ختم ہو گیا، چناں چہ آپ نے دنیوی حکومت کا کوئی عہدہ اختیار نہ فرمایا اور ابتدا ہی سے زہد و تقوی، فقر و تصوف کی زندگی گزاری، آپ کی ذات گرامی سے بہت سے کرامتیں ظہور میں آئیں۔

مولانا شاہ نقی علی خاں نے اپنے والد ماجد شاہ رضا علی خاں سے علوم ظاہری و باطنی حاصل کیے آپ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم بے مثل مناظر بے نظیر اور مصنف گزرے ہیں، آپ کی سب بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضور اقدس سرور عالم ﷺ کی غلامی و خدمت اور حضور انور کے دشمنوں پر غلظت و شدت کے لیے پیدا فرمایا تھا۔

(سوانح اعلیٰ حضرت، ص:86-87، از: علامہ بدر الدین احمد رضوی۔ رضا اکیڈمی ممبئی)

حسنؔ بریلوی ۲۲؍ ربیع الاوّل ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۹؍ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو شہر بریلی میں پیدا ہوئے، والد ماجد مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں عالم باعمل اور نیک سیرت

بزرگ تھے، جن کا شمار روہیل کھنڈ کے بزرگ ترین علما میں ہوتا تھا۔ تعلیم اپنے والد مکرم مولانا نقی علی خاں بریلوی اور برادر اکبر مجدد اسلام امام احمد رضا قادری بریلوی علیہم الرحمۃ والرضوان سے حاصل کی، خاندانی روایت کے مطابق شعر وشاعری کا شوق ابتدا ہی سے تھا سن شعور کو پہنچے تو فصیح الملک نواب مرزا خاں داغؔ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا اور حسنؔ تخلص اختیار کیا۔

آپ داغؔ کی شاگردی پر فخر کرتے تھے غزل کے ایک شعر میں لکھتے ہیں:

کیوں نہ ہو میرے سخن میں لذتِ سوز وگداز
اے حسنؔ شاگرد ہوں مَیں داغ سے استاذ کا

ایک جگہ "گل زار داغؔ" کا حوالہ دے کر یوں لکھتے ہیں:

یہ گل فشانیاں تو نہ ہوتیں کبھی حسنؔ
تم نے چنے ہیں پھول یہ "گل زار داغؔ" سے

لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید حصہ دوم میں آپ کے تعلق سے لکھتے ہیں:

سخن ور خوش بیاں، ناظمِ شیریں زباں مولانا حاجی محمد حسن رضا خاں حسن بریلوی خلف مولانا مولوی نقی علی خاں صاحب مرحوم وبرادر مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب عالم اہل سنت وشاگرد رشید حضرت فصیح الملک بہادر داغ دہلوی۔

ان تکریمی الفاظ کے بعد لکھتے ہیں:

نعت گوئی میں اپنے برادر بزرگ مولوی احمد رضا خاں صاحب سے مستفیض ہیں اور عاشقانہ رنگ میں بلبل ہندوستان (داغ دہلوی) سے تلمذ تھا جس زمانے میں حضرت داغ رام پور میں تھے آپ ان کے ساگرد ہوئے اور ہر سال ایک دو مہینے ان کی خدمت میں رہ کر فیض صحبت سے مستفیض ہوتے رہے داغ صاحب کو ان سے خاص انس تھا اور اکثر پیارے شاگرد انھیں کہا کرتے تھے 1335ھ میں مع عیال حج کیا اور واپسی پر غزل گوئی ترک کر دی محض نعت اور منقبت کو ہی اپنا مشغلہ ٹھہرایا۔ (خم خانۂ جاوید، دوم، ص:450)

ادیب بریلوی لکھتے ہیں کہ حسنؔ نے مرثیۂ داغ میں لکھا ہے:

پیار شاگرد تھا لقب میرا
کس سے اس پیار کا مزا کہیے

مولانا حسرتؔ موہانی یوں رقم طراز ہیں:

شعر وسخن کا شوق حضرت حسن بریلوی کو ابتدا ہی سے تھا کچھ روز تک بہ طور خود مشق کرتے رہے اس کے بعد مرزا داغؔ کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا اور مدت تک رام پور میں رہ کر استاذ کے گلشن سخن سے گل چینی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ بجائے خود استاذ مستند قرار پائے۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص:16، از حسنین رضا خاں بریلوی، امام احمد رضا اکیڈمی)

شاگردان مرزا داغؔ میں حسنؔ مرحوم بریلوی کا پایۂ شاعری بہت بلند تھا...... انھوں نے اپنے انداز سخن کو استاذ کے رنگ کلام سے مشابہ بنانے میں اس قدر کامیابی حاصل کی کہ اکثر قطعوں میں داغؔ و حسنؔ کی شاعری میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ (سیرت اعلیٰ حضرت، ص:18، از حسنین رضا خاں بریلوی، امام احمد رضا اکیڈمی)

مثلاً: مرزا داغ دہلوی کہتے ہیں:

ایک چلو ہی میں بس داغ بہک اٹھتے ہیں
آج سنتے ہیں نکالے گئے مے خانے سے

حسنؔ بریلوی لکھتے ہیں:

گر یہی ہے شور فریاد و فغاں
تو نکالے جائیں گے محشر سے ہم

داغؔ دہلوی رقم طراز ہیں:

حیا بولی ابھرا جو جوبن کسی کا
مٹادوں گی میں چلبلا پن کسی کا

حسنؔ بریلوی بھی اس ضمن میں استاذ کی پوری پیرویکرتے ہیں:

کہا یہ ضبط نے جوبن جواں کا جوش میں آیا
خبردار اے حیا! اب ہم سے پردہ ہو نہیں سکتا

اس طرح کی مماثلت دونوں کے یہاں کثرت سے ملتی ہیں۔

خم خانہ جاوید میں ہے:

آپ کا عاشقانہ کلام آپ کے بعد طبع ہوا جو فی الحقیقت بہت ہی عمدہ ہے، صفائی، سادگی، بندش اور شوکت الفاظ کے علاوہ پر درد اور مؤثر بھی ہے، طرز بیان میں سادگی کے ساتھ ساتھ تیکھا پن غضب کا ہے، تعقید اور آورد کا شروع سے آخر تک نام ونشان بھی نہیں ہے، اکثر مصرع ثانی بہ نسبت مصرع اولیٰ تو آپ غضب ہی کا لکھ جاتے ہیں بعض اشعار میں مصرع اولی کے الفاظ کو الٹ پلٹ کر اس خوبی سے مصرع ثانی کا مضمون پیدا کر لیتے ہیں کہ تعریف نہیں ہوسکتی، بول چال اور محاورات میں بھی حرف گیری کی کم گنجائش ہے، الغرض، آپ کا مذاق شعر پاکیزہ اور اسلوب بیان قابل تعریف ہے، اس میں شک نہیں کہ نواب فصیح الملک مرزا داغؔ دہلوی کے تلامذہ میں آپ ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے اور کچھ عجب نہیں کہ زندگی مستعار وفا کرتی اور یہ مشغلہ قائم رہتا تو ان کے نام کو جلا دیتے۔ (خم خانہ جاوید، دوم، ص:450-451، از: لالہ سری رام)

ادیب بریلوی لکھتے ہیں:

حسنؔ نے داغ کی غزل کی سوقیت دور کی، زود گوئی کے باوجود غزل کی فضا کو برقرار رکھا، اظہار حدیث خلوت، خمریات، شوخی اور مضامین غزل کو باندھنے کے باوصف استاد کی تقلید میں ایک تنگ دائرے میں مقید نہیں ہوئے، انھوں نے دل کی فطری کسک اور قلب کے نور کو بھی اپنی غزل میں پیش کیا، وہ فطری طور پر غزل کے مزاج سے زیادہ ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں، (بطور نمونہ چند چیدہ اشعار پیش خدمت ہیں):

حسن جب مقتل کی جانب تیغ براں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

آرزوے دید جاناں بزم میں لائی مجھے
آہ کسی کے دید کی بیمار ہجراں لے چلا

میرے گھر تک پاوں پڑ کر ان کو لایا تھا نیاز
ناز دامن کھینچتا سوے رقیباں لے چلا

دل کو جاناں سے حسنؔ سمجھا بجھا کر لائے تھے
دل ہمیں سمجھا بجھا کر سوے جاناں لے چلا

محو رضاے یار ہوں مجھ کو خبر نہیں
انداز لطف کیا ہے ادائے عتاب کیا

نقاب میں بھی وہ جلوہ تہ نقاب نہیں
سحاب سے جو چھپے یہ وہ آفتاب نہیں

اعجاز کی باتیں تیری گفتار میں دیکھیں
رفتار میں چلتا ہوا جادو نظر آیا

(چند شعرائے بریلی، ص:148-149، از: ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب)

غزلیات کا مجموعہ ''ثمر فصاحت'' کے نام سے مطبع اہل سنّت بریلی سے شائع ہو چکا ہے۔

اور بریلی میں ان کے ذریعے زبان دانی، فصیح البیانی اور معاملہ بندی کی ترویج واشاعت ہورہی تھی، یہ ایسا سیلاب تھا جس میں بریلی کے شعرا بہہ گئے۔ ہر گلی کوچے میں بڑے بڑے شعرا تھے ہر نمایاں شاعر بہ ذات خود ایک انجمن تھا۔ مشاعروں کا انعقاد آئے روز کا دھندا تھا۔ اس وقت حسن رضا خاں حسنؔ سب سے زیادہ پیش پیش تھے ان کے ساتھ بریلی کے ایک عصر کی ادبی زندگی وابستہ تھی۔ (چند شعرائے بریلی، ص:140، از: ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب)

ادیب بریلوی ثمر فصاحت پر چند لفظوں میں یوں تاثر پیش کرتے ہیں:

حسن رضا خاں حسنؔ کے دیوان کا شعر بہ شعر مطالعہ کرنے کے بعد مستفاد ہوا کہ انھوں نے اپنے استاد کی تقلید کی، ان کے الفاظ، تراکیب لغات، روزمرہ، محاورہ، جان فصاحت ہیں، ان کی زبان میں غضب کی کشادگی اور خوش گوئی ملتی ہے انھوں نے بھی اپنے استاد کی طرح بداعت کا سہارا نہیں لیا مگر اس کی تقلید کے باوجود وہ امتیاز کے حامل ہیں اس امتیاز کا باعث ان کی شخصی زندگی ہے۔ (چند شعرائے بریلی، ص: 147، از: ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب)

شعروسخن سے وابستگی کے ساتھ صحافت کا بھی پختہ تجربہ رکھتے تھے، ادیب بریلوی لکھتے ہیں:

ان (حسن بریلوی) کی نگرانی اور میر سیّد محمود علی عاشق کی ادارت میں ماہ نامہ ''بہارِ بے خزاں'' اور ہفتہ وار ''روز افزوں'' بھی جاری ہوا جو اس عہد کے مذاق کے مطابق پاکیزہ ادب پیش کرتے تھے..... ''گلدستۂ بہارِ بے خزاں'' کا فروری ۱۹۰۳ء میں اجرا ہوا حضور احمد خاں آثم بریلوی نے تاریخ لکھی تھی:

لکھی تاریخ آثم نے یہ اس کی
بہت زیبا بہارِ بے خزاں ہے

گل دستہ کا نام نواب مرزا داغ نے عطا فرمایا تھا اور وہ اس کے سرپرست بھی تھے اس کے سرورق پر یہ تحریر موجود ہے:

ہم بہت فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمیں گل دستہ کے لیے یہ مبارک نام جہاں استاد ناظم یار جنگ بلبل ہندوستان عالی جناب حضرت نواب مرزا خاں صاحب داغ مدظلہ نے عطا فرمایا تھا،

اس زمانے کے رواج کے مطابق اس گل دستہ میں بھی مصرع طرح پر کہی ہوئی غزلیات طبع ہوتی تھیں مثلاً: فروری 1903ء کی اشاعت میں یہ مصرع طرح تھا:

جلوۂ یار کا آنکھوں نے تماشا دیکھا

جس پر چھبیس غزلیات لکھی گئیں اور گل دستہ میں طبع ہوئیں، بیش تر غزلیات کا تعلق شعرائے بریلی سے تھا، یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ گل دستہ کس سنہ میں بند ہوا۔

"اخبار روز افزوں" ہفتہ وار کا اجرا ۱۹۰۲ء میں ہوا۔اس کے مدیر بھی میر محمود علی عاشق بریلوی تلمیذ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی تھے یہ ہفتہ وار اخبار اپنے زمانے میں بہت مشہور تھا، اس کا اشتہار گل دستۂ بہار بے خزاں میں چھپا تھا جس کی عبارت یہ ہے:

اخبار روز افزوں میں ملک میں اپنی روز افزوں ترقی 1902ء سے نہایت مستعدی کے ساتھ حمایت مذہب اور پولٹیکل معاملات پر اپنی آزادانہ (رائے) ظاہر کر کے بڑا نام پیدا کیا ہے، ہم اس کی نسبت ناظرین والا تمکین کی خدمت میں صرف اس قدر عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ کو ایسا اخبار دیکھنے کا شوق ہے جو سچوں کا دوست، جھوٹوں کا دشمن، قوم کا خیر خواہ، گورنمنٹ کا مشیر، رعایا کے حقوق کا دست گیر ہو تو شہر بریلی کا مشہور اخبار "روز افزوں ہفتہ وار" دیکھیے جس میں ہر شخص کا طبیعت کا عمدہ سامان موجود ہے اگر آپ کو فاضلانہ مضامین پڑھنے سے شوق ہے تو ایڈیٹوریل مضامین ملاحظہ فرمائیں، اور اگر آپ کو علم دین اور مسائل شرعیہ سے دل چسپی ہے تو "مذاکرۂ علمیہ" سے آپ کی پوری تسکین ہوسکتی ہے، اگر آپ خبروں کے شائق ہیں تو "عطر مجموعہ" اور "جام جہاں نماں" کی سیر کیجیے اگر آپ کو شعر و سخن سے دل بستگی ہے تو نامی گرامی شعرائے زمانہ کا کلام جو نہایت حسن انتظام سے شائع کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمایئے۔(چند شعرائے بریلی، ص: 143-145، از: ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب)

مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی نے ادبی اور مذہبی دونوں خدمات انجام دیے لیکن مذہبی خدمات زیادہ نمایاں اور غالب رہیں، جس کی وجہ سے ادبی خدمات دب کر رہ گئیں۔

۱۳۲۶ھ میں حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد غزل گوئی ترک کردی صرف نعت اور منقبت کو اپنا مشغلہ بنایا، نعت گوئی کا شعور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کے فیض صحبت سے حاصل ہوا۔نعتوں کا مجموعہ "ذوق نعت" کے نام سے چھپ چکا ہے۔جو زبان کی لطافت، حسن ادا، کیف آوری اور اثر انگیزی کا بہترین نمونہ ہے۔کلام کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے کہ مولانا اپنے وقت کے استاذ فن تھے۔

مولانا حسن رضا خاں کے زمانے میں ہی نعتیہ مشاعروں کا رواج پڑا، ان سے قبل بریلی کے مشاعروں میں بہ طور ہدیۂ تبریک حمد و نعت و منقبت خوانی ہوتی تھی، جب حسنؔ کی نعت گوئی نے ہندوستان گیر شہرت حاصل کی اور بریلی میں نعت گوئی کو غیر معمولی مقبولیت نصیب ہوئی تب نعت گوئی کے لیے مشاعرے بھی جدا منعقد ہونے لگے۔

حسن رضا خاں کے زمانے سے ہی مشاعروں میں مزاح نگاروں نے اپنا کلام پڑھا اس کا آغاز یوں ہوا کہ حسنؔ سے ایک ہزل گو خنداںؔ وابستہ تھے اور حکیم عبد الصمد سرشارؔ سے ایک شفقہ جن کا تخلص فلفل تھا مشاعروں میں ہر دو گروپوں کی طرف سے یہ ہزل گو پیش ہوتے اور سامعین کے لیے انبساط کا سامان فراہم کرتے، خنداں کے دیوان کا (سائز بغدادی قاعدہ تعداد صفحات چوبیس کاغذ بھدا گلابی) ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے۔

بحیثیت مجموعی بریلی میں اردو شاعری کا وہ دور جس کا آغاز حسنؔ رضا خاں کے ساتھ ہوا اور جس کا اختتام ۱۹۴۷ء میں ہوا ایک دلچسپ رنگارنگ اور ہمہ ہمی کا دور تھا۔(چند شعرائے بریلی، ص: 145-146، از: ڈاکٹر سید لطیف

حسین ادیب)

جب حسنؔ رام پور سے بریلی آئے تو عوام نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا وہ بہت مشہور ہو گئے، مشاعروں کا وہ زور بندھا کہ باید وشاید، محلہ معماران بریلی میں وہ عمارت جو امام باڑہ کہلاتی ہے اور جس میں ہر سال سات محرم کو بڑی دھوم دھام ہوتی ہے، نئے شہر میں مشاعروں کا بڑا مرکز تھی، اسی عمارت میں استاد داغ کی زیر صدارت مشاعرہ ہوا تھا، جس کا حال میں نے اپنی کم عمری کے زمانے میں بڑے بوڑھوں سے سنا تھا، حسنؔ کے تلامذہ کی تعداد شمار میں نہیں آسکتی وہ جب تک زندہ رہے بریلی کی اقلیم شاعری ان کے قبضے میں رہی۔ حسنؔ کے تلامذہ میں مداح رسول مولانا جمیل الرحمٰن خاں جمیلؔ، قاضی محمد خلیل حیرانؔ، سیّد محمود علی عاشقؔ اور دوارکا پرساد حلمؔ مشہور ہوئے یہ تمام شعرا خود اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، حسنؔ کے انتقال کے بعد انھوں نے بریلی کی ادبی وقعت کو قائم رکھا اور داغ کے طرز شاعری کو فروغ بخشا۔

(چند شعرائے بریلی، ص:143، از: ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب)

ان کے علاوہ اور بہت سے شعرا کی تعداد آپ کے تلمذ سے مستفیض ہوئی۔

ادیب صاحب بریلی کی تاریخ نعت گوئی کے تعلق سے ایک معلوماتی تحریر پیش کرتے ہیں:

میں جب بریلی کی تاریخ نعت گوئی کا تصور کرتا ہوں تو بے شمار سرمایۂ نعت نظر میں آتا ہے چوں کہ بریلی مدت مدید سے علما و فقرا کا مرکز ہے لہٰذا بریلی میں نعتیہ شاعری بھی عام اردو شاعری کی ہم سفر رہی، یہ سرمایہ بہ اعتبار مقدار اتنا زیادہ ہے کہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے، 1857ء کا دور مابعد جس کا تعلق حسن رضا خاں حسنؔ سے ہے بریلی میں عظیم المرتبت نعت گویاں پر مشتمل ہے، نواب حیدر حسین خاں حیدرؔ، نواب محمد عبد الرزاق خاں رزاقؔ، شاہ سید حسین سیدؔ، مولوی لطف علی خاں لطفؔ، مولوی احمد رضا خاں رضاؔ، سید شاہ فضل غوث ساقیؔ، حضور احمد خاں آثمؔ، مولوی محمد حسن علمیؔ، سید محمد فدا علی واثقؔ، علی حسین شاہ طالبؔ اور محمد جمیل الرحمٰن خاں جمیلؔ وہ صاحب دیوان برگزیدہ شعرائے نعت ہیں جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے، حسنؔ کی پیدائش سے فوراً پہلے کے زمانے میں دو باہر کے آئے ہوئے شاعر یعنی کرامت علی خاں شہیدیؔ اور کفایت اللہ کافیؔ مرادآبادی نے اپنی نعتیہ شاعری سے بریلی میں نعتیہ شاعری کے لیے غیر شعوری تحریک پیدا کی تھی، میں سمجھتا ہوں کہ 1857ء کے دور مابعد کے نعت گویاں کے لیے بریلی میں شہیدیؔ اور کافیؔ نے عقبی زمین کا کام کیا ہے۔ (چند شعرائے بریلی، ص:150، از: ڈاکٹر سید لطیف حسین

ادیب)

حسن (بریلوی) عالم دین اور منقولات ومعقولات کے منتہی تھے۔ان کی تربیت دینی ماحول میں ہوئی تھی وہ متقی و پرہیز گار انسان تھے انھوں نے شاعری کو وسیلۂ رزق اور ذریعہ شہرت نہیں بنایا تھا وہ درباروں سے غیر متعلق تھے وہ نہایت خوددار اور تہذیب نفس کی دولت سے مالا مال شاعر تھے لہٰذا داغ کی تقلید میں غزلیں لکھتے وقت انھوں نے اپنے علم وفضل، اپنی خودداری وتہذیب نفس کے نور کی چادر مرمریں مجسمے پر ڈالی بالکل اسی طرح جیسے سابقین نے بلاغت کے پردے میں حسن کی برہنگی کو چھپالیا تھا، یہ اعلیٰ فن کاری تھی سابقین میں جرأت اور متاخرین میں داغ ایسی فن کاری سے محروم رہے داغ کے شاگردوں میں سے حسن اور امیر مینائی کے شاگردوں میں سے حفیظ جون پوری ایسی اعلیٰ فن کاری کے حامل ہیں نقش ثانی نقش اوّل سے بدرجہا بہتر تھا۔(چند شعراے بریلی، ص: 147-148، از: ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب)

مولانا نے متعدد تصنیفات بھی یادگار چھوڑی ہیں عاشقانہ مجموعہ ''ثمر فصاحت'' کے علاوہ سب پر مذہبی رنگ غالب ہے۔حسن بریلوی کی جن تصنیفات کا اب تک پتا چل سکا وہ یہ ہیں:

(1) تزک مرتضوی در اثبات تفضیل شیخین (۲) نگارستان لطافت در ذکر میلاد شریف (۳) بے موقع فریاد کا جواب در مسئلہ قربانی (۴) آئینۂ قیامت، ذکر کربلاے معلی (۵) دین حسن در حقانیت اسلام ورد مذہب دیگر (۶) ذکر کرامات غوث اعظم (۷) انتخاب شہادت (۸) صُمصام حسن (۹) ذوق نعت (نعتیہ مجموعہ اردو) (۱۰) وسائل بخشش (مثنوی) (۱۱) ثمر فصاحت (مجموعۂ غزل)

۳؍شوال المکرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء کو پچاس سال چھ ماہ کی عمر میں اس جہان فانی سے رحلت ہوئی۔(انا للہ وانا الیہ راجعون) بریلی اسٹیشن سے متصل قبرستان میں آخری آرام گاہ ہے۔آپ کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں مطالعہ کی جاسکتی ہیں۔

چند شعراے بریلی — از ڈاکٹر لطیف حسین ادیب بریلوی

نعت گویان بریلی — //

چند نعت گو شعرا — از ڈاکٹر سیّد شمیم گوہر الہ آبادی

شعر حسن — از نظیر لدھیانوی

سیرت اعلیٰ حضرت — از مولانا حسنین رضا ابن مولانا حسن رضا بریلوی

مولانا حسن بریلوی نمبر (ماہ نامہ سنی دُنیا) از مولانا محمد شہاب الدین رضوی

حضور مفتی اعظم ہند کی ادبی خدمات

ڈاکٹر محمد حسین مشاہدؔ رضوی، مالیگاؤں

تحقیق ومطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوریؔ بریلوی کی ادبی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ وہ مختلف اصنافِ ادب کے ماہر، صاحبِ طرز ادیب، مایۂ ناز انشا پرداز اور قادر الکلام نعت گو شاعر تھے۔ آپ کی تصنیف وتالیف اور حواشی میں بیش تر کتب ورسائل کو جب پیشِ نظر رکھتے ہیں تو بہت سارے ادبی پہلو سامنے آتے ہیں۔

الملفوظ کی ترتیب وتدوین، الاستمداد کی شرح وتکمیلات، سامانِ بخشش اور مختلف کتب ورسائل سے آپ کی ادبیت آشکار ہے۔ آپ کی تصنیفات میں اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں کا کثرت سے استعمال ہے۔ حضرت نوریؔ بریلوی کی شاعری سے متعلق تحقیقی جائزہ تو پیشِ نظر مقالے کا خاص موضوع ہے۔ یہاں صرف آپ کی نثر نگاری پر قدرے روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی کی تصانیف ــــ جہاں اپنے فن کے اعتبار سے معرکہ آرا کہلاتی ہیں۔ وہیں زبان و بیان اور اسلوبِ نگارش کے اعتبار سے بھی اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ آپ نے انشائیے، خاکے اور مضامین بھی لکھے۔ جس میں اعلیٰ درجہ کی نثر نگاری کی جھلک سامنے آئی ہے۔ مسجع ومقفا عبارتیں بھی لکھیں۔ سیدھے سادھے جملے بھی لکھے۔ مگر ان میں بھی بلا کی پرکاری اور دلفریبی انگڑائیاں لیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بات میں بات پیدا کرنا، تشبیہ واستعارہ اور صنعتی گل بوٹے کھلانا آپ کی نثر نگاری کا اعلا نمونہ ہے۔ محدثِ اعظم پاکستان کے وصال پر ''وہ میرا چاند تھا'' کے عنوان سے ماہ نامہ نوری کرن، بریلی کے محدثِ اعظم نمبر 1382ھ میں آپ کا ایک مضمون شائع ہوا جو نثر نگاری کا ایک عمدہ نمونہ ہے:

''وہ میرا چاند تھا؛ جو بڑھتا ہی رہا کبھی نہ گھٹا جو اپنی گفتار...... اپنی رفتار...... اپنے کردار سے فتنوں...... فسادوں...... کفر وگمراہی کی گھٹا کو دفع کرتا رہا...... کبھی گھٹاوں میں نہ چھپا...... کتنی ہی دھولیں اڑیں...... کتنا ہی گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا...... وہ چمکتا جگمگاتا ہی رہا...... وہ میرے دین کا چاند تھا...... دین کا چاند بڑھتا ہی رہتا ہے آسمانِ دنیا کے چاند کی طرح بار بار گھٹتا اور اتر تا اور اتر کر غائب نہیں ہوتا...... وہ میرا چاند تھا؛ جس نے ملک میں بہت چاند روشن کیے۔''

امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے علوم ومعارف کا ایک بڑا ذخیرہ ''الملفوظ'' ہے جو ان کے ارشادات اور کلمات طیبات پر مشتمل ہے۔ اس کو مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوریؔ بریلوی نے چار حصوں میں جمع کیا، مکمل کتاب میں جا بجا ادبی جواہر پارے نظر آتے ہیں، نثر اعلا ترین ہے، اس کا مقدمہ مسجع ومقفا نثر نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ نشانِ خاطر کیجیے:

''یہاں جو دیکھا شریعت وطریقت کے باریک مسائل جن

پر مدتوں غور وخوض کامل کے بعد ہماری کیا بساط بڑے بڑے سر پٹک کر رہ جائیں فکر کرتے کرتے تھک جائیں اور ہرگز نہ سمجھیں صاف لاعلمی کا دم بھریں وہ یہاں ایک فقرہ میں ایسے صاف فرمادیے جائیں کہ ہر شخص سمجھ لے اور حقائق ونکاتِ مذہب وملّت جو ایک چیستاں اور معمہ ہیں جن کا حل دشوار تر ہے وہ یہاں حل فرمادیے جائیں تو خیال گذرا کہ یہ جواہرِ عالیہ اور زواہرِ غالیہ یونہی بکھرے رہے اور انھیں سلکِ تحریر میں نہ لایا تو اندیشہ ہے کہ وہ کچھ عرصہ بعد ضائع ہوجائیں۔''(1)

اسی طرح الاستمداد کے مقدمہ کی یہ عبارت بھی کتنی شگفتہ سلیس، اور رواں دواں ہے:

''فضول قصوں، ناولوں کی نظمیں، نثریں دیکھتے پڑھتے گھنٹوں گزریں یہ بھی ایک مزہ دار نظم ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زینت ہے، قیامت قریب ہے۔ اللہ حسیب ہے۔ اس کا ثواب عظیم اور عذاب شدید ہے، دین کو جھگڑا سمجھنا مسلمانوں کی شان سے بعید ہے، تنہا یادو دو اطمینان سے۔ انصاف یا ایمان سے۔ دو تین بار سچے دل سے ایک ہی نگاہ دیکھ لیجیے مگر یہ کہ صاف بات میں نہ ایچ پیچ کی حاجت۔ نہ اللہ جل وعلا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کسی کی رعایت۔''(2)

علاوہ ازیں امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی کتاب 'دوام العیش فی الائمۃ من القریش' کے مقدمہ میں جو مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے لکھا ہے اس میں ایسی ایسی عبارتیں ہیں جنھیں پڑھنے کے بعد قاری یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ کسی مولوی کے جملے ہیں؟ اس کی زبان ہے یا کسی صاحبِ طرز ادیب یا قلم کار کی عبارتیں ہیں؟

''اگر چہ چہرۂ پُرنور، ماہتابِ صدق پر کذابوں کے کذب کی نہایت وحشت ناک تیرگیاں چھائیں، اور روے آفتابِ حق پر باطل کی سخت بھیانک اور خوف ناک تاریکیاں اور کالی کالی ڈراونی بدلیاں آئیں، مگر ہمارے قلوب بفضلہٖ تعالیٰ مطمئن تھے، ہم سمجھے ہوئے تھے یہ بھی کچھ روز کی ہَوا ہے، جو دم میں ہَوا ہے، آخر کار وہی ہُوا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔ وہ دن آہی گیا کہ وہ تیرگی دور اور تاریکی کافور ہوئی، نورِ حق کا جگمگاتا، چمکتا دمکتا پُرنور چہرۂ آفتاب نصف النہار کی طرح آنکھیں خیرہ کرتے نکلا اور ایک عالم نے آنکھوں دیکھ لیا کہ حق یہ ہے اور باطل وہ تھا جو اس کے حضور جم نہ سکا پتّا توڑ بھاگا، کب تک باطل حجابِ حق کو چھپائے تابہ کے جھوٹے نقابِ صدق کی آڑ کر سکے، آخر حق کی شعاعوں نے ان باطل پردوں کو خاکستر ہی کر دیا، جھوٹے نقابوں کو جلا ہی ڈالا اور دنیا کو اپنا جلوۂ جہاں تاب دکھا ہی دیا''(3)

اس اقتباس میں ''چہرۂ پُرنور، ماہتابِ صدق، روے آفتابِ حق، نقابِ صدق، حجابِ حق'' وغیرہ جیسے تراکیب کے حُسن ''وحشت ناک، خوف ناک، جگمگاتا، چمکتا، دمکتا''، وغیرہ ہم آواز اور ہم وزن الفاظ نیز ''تیرگیاں، تاریکیاں، جگمگاتا، چمکتا، دمکتا'' وغیرہ مترادفات اور ''کالی کالی'' لفظ کے جوڑے وغیرہ کا سلیقہ مندانہ استعمال نے تحریر میں صوتی فضا بھر دی اور اسے جمال وجلال کا حسین امتزاج بنا دیا ہے۔ کچھ روز کی ہوا، اور پتہ توڑ بھاگا جیسے محاورات، ہَوا ہَوا اور ہُوا کا استعمال،...... ذرا یہ جملہ دیکھیے:

''کچھ روز کی ہَوا ہے، جو دم میں ہَوا ہے، آخر کار وہی ہُوا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔ وہ دن آہی گیا''۔

''کی ...... روز ...... ہَوا ...... ہُوا'' کی تکرار نے تحریر میں حُسن ولطافت پیدا کر دی ہے مزید یہ کہ تحریر میں استفہامیہ انداز بھی ہے، تشبیہات واستعارات کی جلوہ گری بھی۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کی ایک مقفا ومسجع تحریر دیکھیے اور اس میں لطیف طنز کا جلوہ بھی خاطر نشین کیجیے:

"یہ ہے آپ کی سندوں کا بھاگ...... یہ ہے آپ کے کمل کا باگ...... یہ ہے آپ کی کتابوں کی قطار...... یہ ہے آپ کی روایتوں کی پکار ع

شرم بادت از خدا ورسول"(4)

مذکورہ تحریر میں شعری فضا کے اہتمام کے ساتھ فارسی مصرع نے حُسنِ تحریر کو اور بھی دوبالا کر دیا ہے۔ یہ اقتباس نشانِ خاطر کیجیے:

"وہ بے چارے ہیبت کے مارے، خاموش روپوش اور یہ چاری لگائے جاتے ہیں۔ ہر بار منہ کی کھاتے ہیں۔ مگر مکر وکید سے کب باز آتے ہیں"۔

عبارت مقفا بھی ہے اور ترکیب بند بھی۔ آوازوں کے جوڑوں نے جملے میں آہنگ برپا کر دیا ہے۔" خاموش، روپوش، بے چارے، ہیبت کے مارے" لائقِ دید ہیں۔"چاری لگائے جاتے ہیں، ہر بار منہ کی کھاتے ہیں"۔ میں شعری ملاحت کا جلوہ دیدنی ہے۔

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے تاعمر فتویٰ نویسی کی، قرآن وحدیث سے تحریروں کو آراستہ کیا اور اللہ و رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور نظامِ اسلام کے نفاذ واشاعت اور ترویج وتشہیر کی سعی بلیغ فرمائی، فقہ وفتویٰ اور دینی تحریرات میں فصاحت واستدلال لازمی جزو ہیں، ساتھ ہی ساتھ ایجاز واختصار اور متانت وسنجیدگی بھی ضروری ہے۔

ایک سائل نے سوال کیا کہ :

"اصول کو اہل منطق اور اہلِ فلسفہ وحدتِ نظری اور عوام الناس نظمِ کائنات کہتے ہیں، کیا اس طرح قائل نے نظمِ کائنات کو دائمی اور ابدی نہیں کہا؟"

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے اس کا جواب یوں دیا :

"قائل، نظمِ کائنات کو ابدی کہتا ہے نہ کائنات کو، کائنات کو نہ ابدی اور دائمی بتایا نہ اس کے کسی لفظ سے مترشح۔ نظمِ کائنات اس نے انھیں اصولوں کا نام رکھا جن پر نظامِ کائنات برقرار ہے۔جن پر کائنات کا مدار ہے۔ رہا یہ کہ کن اصولوں کو وہ دائمی ومحکم وابدی کہتا ہے یہ اس عبارتِ منقولہ میں نہیں وہ بھی منقول ہوتے تو ان کا حکم بتایا جاتا مگر ایسے اصول ہیں جنھیں ابدی کہہ سکتے ہیں مگر وہ بھی جواز کی بھی ہیں اور ابدی بھی ہمیشہ سے ہے اور ابدالآباد تک رہے گا۔ وہ اصل کیا ہے لا الٰہ الا اللہ جس پر نظامِ کائنات کا مدار ہے جب عالم میں کوئی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا جب ہی قیامت قائم ہوگی اور یہ نظامِ عالم درہم برہم اور عالم تہہ وبالا نیست ونابود ہوجائے گا۔ فنا کے گھاٹ اُتر جائے گا۔ تو اسے ابدی دائمی کہنے میں کیا حرج کہ قطعاً ابدی ودائمی ہے۔ اصول کے دائمی وابدی ہونے سے نظامِ عالم ابدی ودائمی نہ ہوجائیں گے!"(5) غور کریں اس قدر فلسفیانہ اور زبردست دینی مسئلہ کو کس قدر آسانی کے ساتھ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے سمجھایا ہے کہ قوتِ استدلال اور منطقیانہ اندازِ بیان دیدنی وشنیدنی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ایجاز واختصار اور متانت وسنجیدگی کو بھی برقرار رکھا گیا ہے۔

طنز ونشتریت بھی ادب کا اہم جز ہے اس سے فن پارے میں لذت وملاحت پیدا ہوتی ہے اور یہ اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بھی ہے اور فسادات کو روکتا اور دور کرتا ہے۔ مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی نے فرقہائے باطلہ کے پیشواؤں، بد عقیدوں، مشرکوں، ملحدوں، اشتراکیوں، غیروں کی چال وجال میں آکر اسلامی عقائد اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے والے اپنوں اور بے گانوں نیز بے عمل مسلمانوں وغیرہ پر طنز وتعریض اور تنقید

کی نشتر زنی کی ہے اور اپنی تحریروں کو نمکین حُسن کا پیکر بنا دیا ہے، چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے :

"نہ تم انھیں مسجدوں میں لے جاتے اور انھیں مسجد کے منبر پر مسلمانوں سے اونچا اٹھاتے، نہ تم ان کو واعظ بناتے، نہ تم ان کے فوٹو کھنچواتے، تصویر اتر واتے، نہ تم یہ روزِ بد دیکھتے نہ اوروں کو دکھاتے۔ آج میدانِ ارتداد میں منشی رام، شردھانند کا وہ فوٹو جو جامع مسجد دہلی میں اس کے منبر پر بیٹھے ہونے اور لکچر دینے کا لیا گیا ہے، مسلمانوں کو دکھا دکھا کر مرتد کیا جا رہا ہے۔ شرم، شرم، شرم۔" (6)

اسلام میں خلافت وامامت کے لئے "قُرشیت" شرط ہے مگر مولانا عبدالباری فرنگی محلی اس شرط کو نہیں مانتے تھے ان کے دادا مولانا عبدالرزاق صاحب نے بھی امامت وخلافت کے لئے "قُرشیت" کو لازمی قرار دیا اس پر مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی موصوف کو لکھتے ہیں طنز کا یہ لطیف مگر کاٹ دار انداز لائقِ دید ہے :

"اب فرمایئے! آپ حق پر ہیں یا آپ کے دادا اور وہ آپ کے جدِ اعلیٰ بحر العلوم دیکھیں تو آپ کیسے بات کے دھنی ہیں کہ اپنے بزرگوں پر بھی کوئی فتویٰ لگاتے ہیں یا نہیں یا یہ عنایت، ہم غربا اور ائمہ وعلما پر ہے۔" (7)

اسی طرح علما کی بارگاہ کے بے ادب وگستاخ افراد پر کس طرح طنز کے ہلکے ہلکے نشتر چلائے ہیں:

"اے مدعیانِ علم وتہذیب وادب علما کی شان میں گستاخ نہ بنو، انھیں اپنے پر قیاس نہ کرو۔" (8)

مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کے یہاں جملہ اقسامِ نثر کے تمام خوب صورت نمونے موجود ہیں۔ یہاں مزید ایک اقتباس خاطر نشین کیجیے:

"اللہ اللہ! اہل اللہ کی زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کی اعلا نعمت ہے۔ سبحان اللہ! انھیں نفوسِ قدسیہ طاہرہ کے قدم کی برکت سے وہ عقدۂ لاینحل چٹکی بجاتے حل ہو جاتے ہیں جنھیں قیامت تک کبھی بھی ناخنِ تدبیر نہ کھول سکے جس سے کیسا ہی کوئی عقیل، مدبّر ہو، حیران رہ جائے، کچھ نہ بول سکے، جسے میزانِ عقل میں تول نہ سکے، اللہ اکبر! ان کی سیرت، ان کی صورت، ان کی رفتار، ان کی گفتار، ان کی ہر روش، ان کی ہر ادا، ان کا ہر ہر کردار، اسرارِ پروردگار عز مجدہٗ کا ایک بہترین مرقع اور بولتی تصویر ہے کہ یہ انفاسِ نفیسہ مظہرِ ذاتِ عُلیا وصفاتِ قدسیہ ہوتے ہیں۔" (9)

علاوہ ازیں اس طرح کی درجنوں نادر مثالیں مفتیِ اعظم حضرت نوری بریلوی کے مکتوبات، تصنیفات، تالیفات، حواشی اور فتاواے مصطفویہ کے سیکڑوں صفحات پر جا بہ جا جلوہ افروز ہیں جن سے آپ کی اعلاترین ادبیت آشکار ہوتی ہے۔

ذیل میں آپ کی مختلف تصنیفات وتالیفات سے بلاتبصرہ چند ادبی جواہر پارے پیش کیے جاتے ہیں جن میں اعلاترین نثر کے نمونے، مسجع ومقفا جملے اور روزمرہ محاورات کے استعمال ملتے ہیں ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں مفتیِ اعظم علامہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی کے قلم نے تازگی وطرفگی کے گلہاے رنگا رنگ کھلائے ہیں :

"حمد کی جان اس مالک عرش وفرش پر قربان۔ جس نے صدق وحق کو پسند کیا اور اسے عزت دی اور اس سے اپنی حمد فرمائی کہ فرمایا۔ من اصدق من اللہ قیلا۔ اور فرمایا۔ ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ اور ارشاد ہوا۔ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل۔ اور کذب وباطل کو سخت مبغوض رکھا اور کذابوں پر لعنت بھیجی اور ان پر اپنا غضب اتارا کہ فرمایا۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ حق کو باطل پر ہمیشہ غلبہ عطا فرمایا حق گو، راست بازوں کا منہ اجالا اور جھوٹے کذابوں، دروغ بافوں، ناپاکوں کا منہ کالا کیا جس نے ہمیں یہ پیارا پیارا روح افزا جاں فزا مژدہ سنایا۔

قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔تم فرمادو !حق آیا اور باطل بھاگا اور باطل تو بھاگنے ہی کو تھا اور ہزاروں صلاۃ و لاکھوں تسلیمات کروروں تحیات زاکیات کی نچھاور اس کے مقدس رسول حبیب ومحبوب، طالب ومطلوب، دانائے کل غیوب، صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جنھوں نے فرمایا۔الصدق نجی والکذاب یھلک سچ نجات دیتا ہے اور کذب ہلاکت کرتا ہے پھران کی آل واصحاب پر جنھوں نے امتیازِ حق وباطل کے لیے جان توڑ کوششیں فرمائیں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا۔''(10)

''ہاں تکفیر کرنے والے ان کے نزدیک خطا کار ہیں۔قصوروار ہیں۔مجرم ہیں گنہ گار ہیں۔ان کے خیال میں کفر کرنا کفر بکنا کچھ عیب نہیں کافر کہنا عیب ہے، جب تو کفر بکنے والوں کے طرف دار ہیں۔اور تکفیر کرنے والوں سے برسرِ پیکار ہیں۔کوئی کہتا ہے صاحب ان کے یہاں کفر کی مشین ہے جس میں رات دن کفر کے فتوے ڈھلتے ہیں۔کوئی کہتا ہے اجی ساری دنیا کافر ہے بس یہ مسلمان ہیں۔یہ بھی کافر وہ بھی کافر سب کو کافر کیے ڈالتے ہیں کوئی کہتا ہے یہ سب کو کافر کہتے ہیں انھوں نے اسلام کا دائرہ تنگ کردیا ہے بڑے تنگ نظر ہیں، بہت تنگ خیال ہیں۔''(11)

''یہ بے ادب و بے تہذیب، مدعیانِ تہذیب وادب، علما پر بے تہذیبی کا الزام لگاتے ہیں اور بے ادبی کا منہ آتے ہیں۔کہ یہ لوگ گالیاں سناتے ہیں۔مخلوقِ خدا کو ناحق ستاتے ہیں۔بہت سختیاں برتتے ہیں۔نہایت شدتیں کرتے ہیں۔ان کے اعتراض علما تک ہی نہیں رہتے بل کہ اللہ ورسول تک جاتے ہیں، علماہی ان کی گندی گھنونی گالیوں سے ایذا نہیں پاتے ہیں بل کہ یہ کہہ کر اللہ ورسول تک ایذا پہنچاتے ہیں علما کیا فرماتے ہیں جنھیں یہ گالیاں بتاتے ہیں۔بے تہذیبی ٹھہراتے ہیں ۔علما تو وہی کہتے ہیں جو قرآن وحدیث انھیں سکھاتے ہیں۔وہ اگر کافر کہتے ہیں تو اللہ ورسول نے کافر فرمایا۔''(12)

''اگر اس قسم کی آیات واحادیث لکھوں تو دفتر درکار ہے۔اور مدِ نظر اختصار ہے۔ اور ہے یہ کہ ع

درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

اور معاند کے لیے اوراقِ سماوات وارض کے شواہد ناکافی ۔غرض اتنا تو بفضلہ تعالیٰ ہر ادنا عقل والے پر روشن ہوگیا کہ علمائے کرام متخلق باخلاق اللہ المنان ہیں۔ ہر طرح اس کے اور اس کے رسول کے تابعِ فرمان ہیں۔اور یہ ان کے دشمن اعدائے دین ومذہب ومتبع خطوٰتِ شیطان ہیں۔والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اے عزیز! یہ مسئلہ بھی ایسا ہے جس کے لیے دلائلِ فقیہہ درکار ہیں ۔اور اگر یہی اصرار ہے تو یہاں کب انکار ہے۔''(13)

''کیا اب بھی جوازِ مزامیر کا بے سُرا راگ گائے جاؤ گے؟۔ کیا اب بھی بے وقت کی راگنی الاپے جاؤ گے؟ حضور سلطان المشائخ کے فرمانِ ذی شان کے آگے سرِ تسلیم جھکاؤ۔اور اپنے غلط وباطل کہے پر پشیماں ہو اور شرماؤ۔کیا حضور نے مزامیر کو ناجائز، حرام، ممنوع ومعصیت نہ فرمایا؟ کیا حضور نے ان کا معصیت ہونا غیر صوفیہ کے ساتھ خاص فرمادیا؟ کیا خود صوفیہ کے لیے بار بار نہ فرمادیا کہ میں منع کرچکا ہوں؟ انھوں نے بُرا کیا۔نامشروع کام کیا، معصیت کی، پھر یارب! اب وہ کون سے صوفی ہیں جو حضور سلطان المشائخ کے مریدوں سے بھی آگے ہیں اور ہوں بھی تو علی الاطلاق یہ کہنا کہ صوفیوں کے لیے مزامیر حلال ہیں کیوں کر برمحل ہوگا؟۔ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔(14)

''جو حکم انسانی قوت وطاقتِ بشری، وسعت واستطاعت سے باہر ہو وہ ہرگز حکم شریعتِ مطہرہ نہیں، جس حکم میں باقاعدہ اتلاف جان واہلاکِ نفس ہو وہ اس شرع مبین کا حکم نہیں یوہیں جس حکم سے سوتے فتنے جاگیں فساد برپا ہوں وہ کبھی مقدس اسلام کا

حکم نہیں ہوسکتا اب یہی خود دیکھ لیں یہاں اس وقت حکمِ جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں؟ اس میں فائدہ ہے یا مضرت؟ جانوں کی بلاوجہ ہلاکت یا حفاظت، فتنہ وفساد کی اشارت ہے یا اقامت؟ اس میں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلت؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر؟ ان امور پر غور کرنے کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا، اصلا خفا نہ ہوگا کیا نہتوں کو ان سے جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہوں لڑنے کا حکم دینا سختی نہیں؟ اور تکلیفِ فوق الوسعت نہیں؟ کیا ایسوں کو جو ہتھیار چلانا بڑی بات ہے اٹھانا نہیں جانتے، جن کے وہم میں بھی کبھی نہیں گذرا کہ بندوق کس طرح اٹھاتے، تلوار کیوں کر تھامتے، مارتے، طمنچے کیسے چلاتے ہیں، جنھوں نے کبھی جنگ کے ہنگامے، لڑائی کے معرکے خواب میں نہ دیکھے ہوں انھیں توپوں کے سامنے کر دینا کچھ زیادتی نہیں؟ کیا ایسوں سے میدان کرانا اور ان کی جانیں مفت گنوانا عبث نہیں؟ کیا یہ فتنہ وفساد نہیں کہ مسلمانوں کی عزیز اور قیمتی جانیں مفت ضائع ہوں؟ اس سے بڑھ کر اور فتنہ اور اس سے زائد فسادفی الارض کیا ہوگا؟۔'' (15)

''ہم کہتے ہیں اگر معاذ اللہ شریف سے بھی کوئی کفر بھی ہو گیا ہوتا۔ تو ان کے کفر کا جب کہ امن پر کوئی اثر نہ ہوتا حج کیوں ناروا ہوتا؟ اب جب کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان سے صدورِ کفر تو کفر، فسق بھی بہ طریقِ ثبوتِ شرعی ثابت نہیں اور امن موجود؛ جوازِ حج کیوں مفقود؟ اتنی سی عبارت میں اکاذیبِ مضمون نگار کا انبار؛ اور اس کے افتراءات کا طومار۔'' (16)

''مضمون نگار صاحب یہ سمجھے کہ اتنی خیانتیں کر کے اب یہ عبارت ان کے مقصود کی موید ہو گئی۔ مگر خدا کا دھرا سر پر انھیں نصیبوں سے کیا خبر۔ عبارت اتنی کاٹ چھانٹ، لوٹ پوٹ پر بھی ان کے مقصود کے خلاف ہی ہے اور ان کی کج فہمی، ناسمجھی کا پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے، اس کا بیان ہم آگے کریں گے پہلے مضمون نگار کی چوریاں بتا دیں۔ سینہ زوریاں دکھا دیں۔'' (17)

''تحریفیں بھی کیں، خیانتیں بھی کیں، مطلب خبط کرنے کو اوپر کی عبارت نیچے، نیچے کی اوپر بھی کی، یہ سب کچھ ہوا مگر للہ الحمد! وہ ستم زدہ عبارت وہی فرماتی رہی جو اس ستم سے پہلے فرما رہی تھی، یہ اپنی کج فہمی سے اسے اپنے حسبِ منشا بن جانا سمجھے اور اسے نقل کر لائے اور نہ جانا کہ اس میں اب بھی ان کے لیے زہرِ ہلاہل سمِ قاتل ملا ہوا ہے۔'' (18)

''ہر مسلمان مظلوم کی حمایت کی جائے گی بلکہ ہر مظلوم انسان کی حالت دل دکھاتی اور خواہ نخواہ حمایت پر لاتی ہے پھر یہ کہ حمایت ہمدردی ہی سے ہوتی ہے سلطان کو سلطان مان کر حمایت کی تو ان کی ہم دردی ہے۔ انھیں معزول کیا یہ بھی ان کی ہم دردی ہے۔ کہ وہ اپنے ملک سنبھال نہ سکے لہٰذا انھیں گوشۂ عافیت میں بٹھایا اپنے آپ ملک کا انتظام کیا اگر ہم دردی نہ ہوتی یہ ترک اللہ تعالیٰ انھیں اپنی ہزاروں نعمتوں سے نوازے اور ان کی تمام جائز مرادیں پوری فرمائے اپنے آپ کیوں زحمتیں گوارا کرتے کیوں مشقتیں اٹھاتے کس لیے مصیبتیں جھیلتے کاہے کو تکلیفیں برداشت کرتے سلطان کے ہم درد نہ ہوتے تو ان کا سارا ملک معاذ اللہ! سارا ملک غیروں کے قبضہ میں چلا جاتا ان کے کان پر جوں نہ رینگتی وہ خود ان کے ہاتھ میں پڑ جاتے انھیں خیال بھی نہ ہوتا کہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ وہ ہم درد تھے جب ہی تو انھیں درد ہوا ان کے ملک کی حمایت وحفاظت ان کی حمایت وحفاظت ہے۔'' (19)

متذکرۂ بالا مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مفتیِ اعظم حضرت نوری بریلوی قدس سرہ کی نثر اعلا پایے کی ہے۔ آپ کے قلم نے تازگی وطرفگی کے گلہائے رنگا رنگ کھلائے ہیں۔ آپ کی نثر میں مسجع

ومقفا عبارتیں بھی ہیں، سیدھے سادھے جملے بھی۔ تشبیہات و استعارات بھی ہیں اور صنعتوں کے گل بوٹے بھی۔ روزمرہ محاورات کا استعمال بھی ہے، اور ایجاز و اختصار اور متانت و سنجیدگی بھی۔ اور کہیں کہیں عبارت کی طنز و نشتریت نے آپ کی نثر کو اور بھی لطیف بنادیا ہے۔ تصنیفاتِ نوری کے مطالعہ کے بعد آپ کو مایۂ ناز ادیب اور بلند پایہ انشا پرداز قرار دینا غیر مناسب نہ ہوگا۔

حواشی

(1) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: الملفوظ، فیاض الحسن بک سیلر، کانپور، ص20

(2) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: مقدمہ الاستمداد، مرکزی مجلسِ رضا، لاہور، ص2/3

(3) احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش فی الائمۃ من القریش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص34

(4) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: مقتلِ کذب وکید، مطبع بریلی ص12

(5) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: فتاویٰ مصطفویہ، اختر رضا بک ڈپو، بریلی، ج1 ص50

(6) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص23

(7) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: سوراخ در سوراج، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص76/77

(8) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، مطبع بریلی، ص52

(9) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: الملفوظ، فیاض الحسن بک سیلر، کانپور، ص18

(10) احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش فی الائمۃ من القریش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص11

(11) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: القسورۃ علیٰ ادوار الحمرۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص18

(12) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: القسورۃ علیٰ ادوار الحمرۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص35/36

(13) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: القسورۃ علیٰ ادوار الحمرۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص43/44

(14) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: مسائل سماع، رضا اکیڈمی ممبئی، ص10/11

(15) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: طرق الہدیٰ والارشاد، رضا اکیڈمی ممبئی، ص7/8

(16) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: حجۃ واہرہ، رضا اکیڈمی ممبئی، ص19/20

(17) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: حجۃ واہرہ، رضا اکیڈمی ممبئی، ص29/30

(18) مصطفیٰ رضا نوری بریلوی، علامہ: حجۃ واہرہ، رضا اکیڈمی ممبئی، ص32/33

(19) احمد رضا بریلوی، امام: مقدمہ دوام العیش فی الائمۃ من القریش، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص38

❀❀❀

حضور مفسر اعظم ہند بحیثیت محافظ مرکز اہلسنت

مفتی سید کفیل احمد ہاشمی:

دارُالافتاء منظر اسلام بریلی شریف

علم وعرفان کے شہنشاہ زہد وتقویٰ فضل وکمال معرفت وحقیقت کے بحر بیکراں عارف باللہ جنہوں نے مرکز اہلسنت کو اپنے تبحر علمی اور جد جہد کے ذریعے پوری دنیا میں پہونچا دیا اور اعلمبر دار اہلست ہونے کا حق ادا کیا جو بلاشبہ امام عشق ومحبت مجدد دین وملت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے سچے نائب اور قولی عملی طور پر ان کی زبان تھے یعنی حضرت علامہ الشان مفتی محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنہوں نے اپنی پوری زندگی اتباع شریعت میں گزار دی اور تحفظ مرکزیت کے لیے بے مثال اور نمایاں کردار ادا فرما کر اس کی مرکزیت کو ثابت فرما دیا ان کی ان مثالی خدمات جلیلہ کو عوام اہلسنت کے قلب وجگر کے لیے مشام جان ثابت فرمایا ہے، اور نہ اس دور کو بھولا جا سکتا ہے جب امام اہلسنت علیہ الرحمہ نے ۱۹۰۴ء میں ایک ادارہ بنام منظر اسلام کی بنیاد ڈالی اور یہاں ایک سے بڑھ کر ایک عالم وفاضل، محقق، مفتی بن کر نکلے اور پوری دنیا میں چھاتے چلے گئے جس سے اس کی مرکزیت اور مسلک کی خوب خوب خدمت ہوتی چلی گئی مگر بعد میں پھر چند وجوہ سے ادارہ کے تعلیمی نظام پر بہت گہرا اثر پڑا اور یہ کمزور ہونے لگا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آمدنی کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا اور ان کے والد گرامی نے انہیں اپنی حیات میں ہی اس کا مہتمم بنا دیا تھا یہ ایک بہت بڑی ذمہ اری ان پر عائد ہو چکی مگر اعلیٰ حضرت اس شیر نے بہت ہی عزم واستقلال کے ساتھ اس ذمہ داری کو منظور کرتے ہوئے اپنے عاقلانہ عالمانہ شان وشوکت کے ساتھ اس کے فروغ میں لگ گئے اور مفسر اعظم ہند نے میدان علم وفن کے شہنشاہ اساتذۂ کرام کو مقرر فرمایا جو بلاشبہہ قابل ذکر وفخر ہیں جن میں محدث جلیل حضرت علامہ محدث احسان علی فیض پوری، اپنے وقت کے جید بہترین ونامور مفتی، حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی سید افضل حسین صاحب مونگیری، اور جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ مفتی جہانگیر خانصاحب راجستھانی رحمۃ اللہ علیہم کو خاص خاص عہدوں پر فائز فرمایا اور اس کے علاوہ دیگر ذی التعداد علوم وفنون کے ماہر اساتذہ کرام کی بھی تقرری کی،، ادارہ کی افادیت شہرت وترقی اور اہلسنت وجماعت کی خدمت کے پیش نظر خود بھی پابندی کے ساتھ طلبہ کو درس دینے لگے، آپ چونکہ عربی زبان وادب میں مہارت رکھتے تھے اور طلبہ کے درمیان بھی عربی زبان وادب میں دلچسپی لینے کی

تلقین فرماتے اور گہری نظر رکھتے۔ آپ صرف ونحو وغیرہ سے لے کر اصول وقو پر جامع بحث فرماتے، اکثر طلبہ سے عربی زبان میں ہی گفتگو فرماتے اور انہیں عربی بولنے کا سلیقہ سکھاتے، اس مرکز کے تحفظ، اور منظر اسلام کو بام عروج تک پہونچانے کے لیے انہوں نے ہر وہ قدم اُٹھایا جس سے اس مرکزیت سلامت رہے۔ حتی کہ انہوں نے مصری سفارت خانے کے توسط سے ایک مصری عالم طلبہ کی عربی زبان وادب میں مہارت کے لیے رکھا تھا، وہ مصری عالم کئی سال تک دارُالعلوم میں رہ کر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

اسی مصری سفارت خانہ کے ذریعہ آپ نے دنیا کی عظیم عربی یونیورسٹی الجامعۃ الازہر، قاہرہ مصر، کے شیوخ سے آپ کے گہرے روابط ہو گئے، اس کے بعد آپ نے اس کی مرکزیت کی بقاو تحفظ کے لیے ایک اعلیٰ فیصلہ لیا کہ آپ نے اپنے لائق وفائق شہزادہ، وارث علوم اعلیٰ حضرت، جانشین مفتی اعظم ہند میرے مرشد اجازت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمۃ والرضوان، کو بعد فراغت منظر اسلام مزید تعلیم کے لیے مصر بھیج دیا۔ آپ نے حضور تاج الشریعہ سے ایام طفلی میں ہی عربی زبان میں گفتگو کرنا شروع کر دی تھی اور عربی انشاء کی طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ فرمایا کرتے تھے، اسی لیے، تاج الشریعہ پہلے ہی سے عربی زبان وادب میں ماہر ہو گئے تھے، دینیات اور عربی ادب میں ایم، اے کر کے تین سال میں واپس تشریف لے آئے۔

حضور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کو عربی زبان سے بہت زیادہ لگاؤ تھا اکثر وبیشتر علماء ومفتیان کرام سے عربی زبان میں ہی گفتگو فرماتے، بسا اوقات بہت فصیح عربی بولتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ عجمی نہیں بلکہ عربی النسل ہیں، منظر اسلام میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے استاذ گرامی حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی علیہ الرحمہ اکثر وبیشتر اپنی درسگاہ میں حضرت جیلانی میاں علیہ الرحمہ کی علمی گہرائی وگیرائی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ حضرت جیلانی میاں ہر ایک اور ہر فن کی کتاب بغیر مطالعہ کے پڑھاتے اور عربی ادب بہت شوق کے ساتھ پڑھاتے تھے (اپنی زندگی کے آخری حصہ میں خواہش کے مطابق مفتی صاحب علیہ الرحمہ منظر اسلام کے شیخ الحدیث رہے) مفسر اعظم ہند عربی زبان سے خاص تعلق کیوں نہ رکھتے جبکہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کی زبان ہے، جنت کی زبان ہے اور قرآن مقدس کی زبان ہے۔

بریلی شریف کی مرکزیت کے تحفظ اور اسے بام عروج تک پہونچانے کے لیے آپ نے بے پناہ جد وجہد کی اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت اور اس فروغ کے لیے منظر اسلام کی طرف اپنی توجہ کو مرکوز فرمایا، حالانکہ انہیں بہت زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا مگر چونکہ وہ اعلیٰ حضرت کی زبان تھے، لہٰذا ثابت قدم رہ کر حوصلہ اور جرأت مندی کے ساتھ مقصد خیر میں کامیابی کے لیے آگے بڑھتے رہے، جبکہ انسان کو اگر کسی کام کے کرنے میں پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور اپنا قدم کھینچ لیتا ہے، مگر حضور جیلانی میاں کو در اصل سرکار اعلیٰ حضرت کے مقصد کو پورا کرنا تھا۔ اس لیے بغیر کسی پریشانی ودشواری کا خیال کیے ہوئے عزم استقلال کے ساتھ کھڑے رہے۔ وہ وقت بھی کیسا وقت تھا اور کیسی مالی تنگی تھی وہ بھی ایسی کہ

اساتذۂ کرام کی تنخواہیں دینا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ آمدنی بالکل نہ کے برابر تھی۔ کئی مرتبہ گوایسا ہوا کہ آپ نے مدرسین و دیگر خدام کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے گھر کے زیورات تک بیچ ڈالے، پھر آپ نے ادارہ بہتری اور بحالی کے لیے جلسوں کانفرنسوں میں جانا شروع کیا اور ان سے جو یافت ہوتی اس کا اکثر و بیشتر حصہ ادارہ میں صرف فرماتے تھے۔

آپ کی علمیت، خطابت خاندانی وجاہت اور تقوی اور دینداری نیز تعویذات وغیرہ کے اثر نے مسلمانان اہل سنت کو آپ سے بہت ہی زیادہ متاثر کرنا شروع کر دیا تھا پھر لوگ خود ہی خصوصی توجہ دینے لگے پھر تو یہ ادارہ روز افزوں ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا نہ صرف نہ کہ پہلے کی حالت میں ادارہ آ گیا بلکہ ہند و پاک کا سب سے عظیم ادارہ ہو گیا، اور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کی محنت و کوشش سے مرکز اہلسنت کے نام سے مشہور ہونے لگا۔

آپ کا خلق بہت عمدہ تھا جہاں علماء اہلسنت کا ادب واحترام اور خدمت و محبت کرتے تھے وہیں طلبہ سے والہانہ محبت فرماتے یہی وجہ تھی آپ سے ہر ایک طالب علم قلبی عقیدت و محبت رکھتا اور آپ کے حکم وارشاد کا متمنی رہتا۔

حضور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ بزرگوں کی کتابیں تقاریر کے اقتباسات شائع کراتے مفت بھی تقسیم کرتے اور بغیر طلب کے جو کچھ حاصل ہو جاتا اسے مسلک کی ترویج واشاعت میں صرف فرماتے تھے۔

آپ نے فروغ سنیت کے لیے اپنی تقاریر کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے ٹیپ کراتے اور لوگوں میں بنٹوا دیتے اور فرماتے کہ جاؤ اسے خوب پھیلاؤ کیونکہ آپ کی تقریر قرآن وحدیث کا مجموعہ ہوتی تھی کیونکہ آپ علم و قلم کے شہنشاہ مجدد اعظم حضور اعلیٰ حضرت نے اپنی زبان فرمایا تھا، تو ظاہر ہے بے سبب نہیں کہا تاہ، معلوم تھا کہ ان کا لاڈلا ہوتا اپنی زبان سے وہ علمی نکات پیش کرے گا جسے برسوں کی ریاضت اور تحقیق کے بعد اچھے اچھے قلمکار پیش نہیں کر سکتے، ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر ہر لفظ قرآن وسنت کا ترجمان اور علم وادب کی آن بان ہوا کرتا تھا۔ ہر ہر لفظ شریعت کا قانون ہوتا تھا، آپ کی خطابت الفاظ کی جادوگری نہ ہو قرآن وحدیث کی سچی ترجمانی اور علم کا نور ہوا کرتی تھی۔

آپ نے سنیت کی بقا کے لیے دور دراز کا سفر کیا بہت تکالیف برداشت لیں۔ مگر زبان پر کبھی شکوہ نہ لایا آپ اپنے اخراجات سے جلسے کراتے لوگوں کے پاس خود جاتے اور کہتے تم لوگ صرف جمع ہو جانا آج جلسہ ہے میری تقریر ہوگی خرچ کی فکر مت کرنا یہ سب میری طرف سے ہوگا۔ لاؤڈ اسپیکر شامیانہ وغیرہ خود ہی لگواتے اور ایسی تقریر فرماتے تھے کہ وہاں کے تمام لوگ عش عش کرتے، جہاں جیسی جگہ ہوتی جیسے لوگ ہوتے اسی کے مطابق تقریر فرماتے تا کہ ان کی سمجھ میں خوب آ جائے انہیں سمجھا کر واپس آتے، اگر کہیں وہابیت دیوبندیت کا فتنہ ہوتا تو صرف خبر ملنے پر وہاں پہونچ جاتے اور وہابیوں دیوبندیوں کا قلعہ ڈھا دیتے، ایسے سحر البیان بھی تھے مفسر اعظم ہند۔

کلکتہ کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ ناخدا مسجد ذکریا اسٹریٹ میں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا وہ اس ادارہ کے ذریعے خوب گمرہی پھیلا رہے تھے، سرکار مفسر اعظم ہند نے ان کی گمراہیت کی کمر کو توڑنے کے لیے ان کے گڑھ میں اپنے

خرچ سے ایک بڑی کانفرنس کا انعقاد کیا، علاقائی اکابر اصاغر علماء کی تقاریر کرائیں اپنی جیب خاص سے نذرانے دیئے اور خیر خود زبردست طابل سوز، ایمان افروز، اور دلنشیں خطاب فرمایا اور رد بدعقیدگی کا ایسا حق ادا کیا کہ عوام خواص اصل مذہب، مذہب سنیت کے واقف ہو گئے، حضور مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر تائب ہوئے اور سیکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے شرف بیعت حاصل کی، مرید ہونے والوں میں کثیر تعداد علمائے کرام کی تھی۔

مفسر اعظم ہند حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ کے بے پناہ کارنامے ایسے ہیں جو آپ زر سے لکھنے کے لائق ہیں ان میں سے ایک ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا اجرا بھی ہے۔ اہلسنت کے پاس اس وقت ذرائع ابلاغ بہت کمی تھی آپ نے اس کی کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کیا اور مرکز سے انجام دیئے جانے والے دینی ملی، سماجی تبلیغی امور اور امام اہلسنت کی تعلیمات ونظریات عام کرنے کی غرض سے ایک رسالہ (ماہنامہ بنام اعلیٰ حضرت) جاری کیا، اور خود ہی اس کے مدیر اعلیٰ بھی تھے، اس رسالہ نے بہت کم وقت میں مقبولیت حاصل کی۔ آپ قرآنی تفسیریں، فنی علمی مقالات ومضامین لکھتے اور ہر ماہ پابندی کے ساتھ شائع کراتے۔ دیگر اہل قلم علم دوست، علماء کرام دانشوران قوم کے مضامین بھی شائع ہوتے اس کی مقبولیت کو دیکھ کر دیگر قلمکار تصنیفی وصحافتی میدان میں آئے اور اس نہج پر انہوں نے بھی قوم وملت کی خیر خواہی میں ان رہنمائی کے لیے رسائل وجرائد کے ذریعے خدمات انجام دیئے جو ناقابل فراموش ہے۔

بریلی شریف وہ مقدس اور پاکیزہ سرزمین جہاں رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب وعاشق صادق کی جلوہ گری ہوئی اور اس خاندان میں اب تک ایک سے بڑھ کر ایک تبحر عالم وفقیہ ہوئے کوئی شیخ اعظم تو کوئی مجدد اعظم، کوئی حجۃ الاسلام، تو کوئی مفتی اعظم، کوئی مفسر اعظم، کوئی قائد اعظم، کوئی تاج الشریعہ پر ای ک اپنے وقت کے گوہر نایاب رہے۔

حضور مفسر اعظم ہند رلیہ الرحمۃ والرضوان کے علمی فلاحی مسلکی کارناموں کو ہرگز ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان کے لعمی وقلمی کارنامے بھی بہت ہیں ان میں سے چند یہ ہے۔

ترجمہ تحفہ حنفیہ، ترجمہ الدرالسنیہ، ذکر اللہ، نعمت اللہ۔ حجۃ اللہ، فضائل دروشریف، تفسیر سورۂ بلد، تشریح قصیدۂ نعمانیہ، معارف القرآن، معارف الحدیث، انتخاب مثنوی حجۃ اللہ، فضائل درودشریف، تفسیر سورۂ بلد، تشریح قصیدۂ نعمانیہ، معارف القرآن، معارف الحدیث، انتخاب مثنوی مقالات مفسر اعظم،۔

حضور مفسر اعظم ہند علمی عملی کمالات کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت خصوصیات کے مالک تھے یہی وجہ ہے کہ اکابر علمائے ومشائخ نے ان کے اوصاف وکمالات کا ذکر اپنے انداز میں فرمایا ہے کیونکہ ان کے والد بزرگوار حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان علیہ الرحمہ نے بعد اجازت وخلافت پہ دعاء کی تھی، میں اپنے عزیز تر بیٹے مولوی ابراہیم رضا جیلانی کو اجازت وخلافت دے کا ہوں، اللہ تعالیٰ طرق بدعیہ اور خیالات فاسدہ شیطانیہ سے محفوظ وسلامت رکھے اور سلف صالحین کا بہتر جانشین بنائے اور تمام عمرائے دین متین کی حمایت نیز فسادیوں مرتدوں کو دندان شکن جواب

دینے کی توفیق مفسر اعظم ہند، محدث اعظم ہند کو اعلیٰ حضرت کی کوئی عبارت یا شعر سناتے تو محدث اعظم ہند فرماتے کرامت اعلیٰ حضرت زندہ باد، زبان اعلیٰ حضرت پائندہ باد۔

حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بھاگلپوری علیہ الرحمہ جب جلسہ عام میں آپ کا تعارف کراتے تو اکثر فرماتے۔ اے لوگو اگر اعلیٰ حضرت کی چلتی پھرتی کرامت دیکھنا چاہتے ہو تو مفسر اعظم ہند کی زیارت کرو۔ اگر اعلیٰ حضرت کی زبان ترجمانی سے کچھ سننا چاہتے ہو تو مفسر اعظم کی باتیں سنو، اگر قرآن فہمی کا صحیح ذوق ہے تو مفسر اعظم کے دامن میں آجاؤ۔

حضرت علامہ سید ضیاء الدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ حضور اس فقیر کو جو کچھ ملا ہے وہ آپ ہی کے گھرانے کا عطیہ ہے وہ آپ کو سونپتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کے مشن کو آگے بڑھائیں گے۔

حضرت برہان ملت، بقریت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں، مرحوم کی ضعف اور مرض کی حالت جو فقیر نے آخری ملاقات میں دیکھی، مایوس کن تھی۔ بہر حال ایک سایہ عاطفت تھا، جو نہ صرف آپ صاحبزادوں پر سے بلکہ اہلسنت پر سے اُٹھ گیا۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ تعزیت نامہ میں حضور تاج الشریعہ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں حضرت موصوف صوری معنوی تمام خوبیوں کے جامع تھے، جامع الکمالات تھے، دین متین کی بڑی زریں خدمات انجام دیتے تھے، حضرت مرحوم کا وجود بڑا ہی قیمتی وجود تھا ان کی رحلت سے ایک خلا پیدا ہو رہا ہے، سخت صدمہ ہے مشیت ربانی میں بجز صبر چارہ نہیں۔

حضور مجاہد ملت اپنے مخدوم زادے حضرت مفسر اعظم کا بے حد احترام فرماتے ایک مرتبہ حضور مجاہد ملت شرف لقا کے لیے تشریف لائے حضرت کے ساتھ ہی جائے نماز پر بیٹھ گئے آپ نے وظیفہ سے فراغت کے بعد خیریت لی تو حضور مجاہد ملت نے فرمایا حضور میں اس وقت عجلت و پریشانی میں لقااب میں شکرانہ ادا کرنے اور فیض صحبت سے شادکام ہونے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

لہٰذا مفسر اعظم ہند اپنے آپ میں خود ایک ادارہ وانجمن تھے شان مرکزیت تھے ان کے دور کے تمام اکابر واصاغر علماء ومشائخ کرام انکی طرف رجوع فرماتے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مفسر اعظم کی ذات کیسی عظیم المرتبت تھی مرکزی علماء ومشائخ ہر دور میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے جنکی خدمات جلیلہ ناقابل فراموش ہیں۔

مولیٰ تبارک وتعالیٰ مرکز اہلسنت کو روز افزوں خوب ترقیاں عطا فرمائے اور عوام اہلسنت کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق دے آمین آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والہ وصحبہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔

مرادآباد اور بریلی کے روابط: ایک جائزہ

مولانا سید محمد نظام الدین نعیمی قادری
خانقاہ عالیہ قادریہ نعیمیہ مغربی بنگال الہند

ابھی چند ایام پہلے نماز مغرب پڑھ کر میں نے اپنا فون چالو کیا اور چند منٹ ابھی گزرے تھے کہ یکے بعد دیگرے رفیقان گرامی حضرت مولانا الیاس فیضی صاحب بوکارو اور شاعر خوش الحان حضرت فیروز راحت صاحب کلکتوی کے فون آئے بعد خیریت معلوم ہوا کہ شہزادۂ غوث الوریٰ اہل سنت کے پیشوا جانشین سرکار مسولی ناشر مسلک اعلیٰ حضرت آفت جان صلح کلیت حضرت علامہ مولانا الشاہ سید گلزار میاں اسماعیلی رزاقی صاحب قبلہ ہر سال کی طرح اس سال بھی ایک مجلہ بنام سالنامہ "تجلیات اسماعیلی" نکالنے جارہے ہیں مگر اس مجلہ کی خصوصیات یہ ہوگی کہ عرس اعلیٰ حضرت کے صد سال مکمل ہونے کی وجہ سے اس بار اسی مناسبت سے اسکو نکالا جائیگا اور اسکا مصمم ارادہ حضور صاحب سجادہ سید گلزار میاں صاحب قبلہ کر چکے ہیں۔

اور حضرت گلزار میاں صاحب کی خواہش ہے کہ مرکز اہل سنت بریلی شریف اور امام الہند حضور صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے روابط کو بھی اس مجلّے میں شامل کیا جائے تاکہ ہمارے اکابرین کے مابین تعلقات کو عام کر کے نسل نو کو ان کے مشن کا پیغام دیا جائے۔

فقیر قادری اسیر بارگاہ صدر الافاضل نے اپنے بزرگوں کے فرمان پر لبیک کہا اور کچھ سپرد قرطاس کرنے کا ارادہ کیا مرور عصر میں اکثر درگاہوں کے سجادگان صرف اپنے ہی سلسلہ اور اجداد کی تواریخ کو عام کرنے میں کوشاں رہتے ہیں مگر قربان اللہ کی شان کریمی پر کے اس کریم نے ہمیں گلزار ملت جیسا قائد ومقتدا عطا فرمایا جو صرف اپنی خانقاہ کے لئے نہیں سوچتے بلکہ انکی ہر سانس اور دل کی دھڑکن مسلک اعلیٰ حضرت اور جماعت اہلسنت کے لئے ہر لحہ فکر مند رہتی ہیں۔

الحمد اللہ 2016ء میں یہ فقیر عرس اسماعیلی میں حضور گلزار ملت کی دعوت محبت پر حاضری کی سعادت حاصل کر چکا ہے اور بچشم خود ملاحظہ بھی کر چکا ہے کہ خانقاہ اسمعیلیہ ہمارے ملک بلکہ غیر منقسم ہندو پاک کی وہ عظیم خانقاہ ہے جہاں حقیقت میں امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی محبت کے جام پلا کر مسلک اعلیٰ حضرت کے سچے پیروکار بنائے جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بطفیل مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم خانقاہ اور اسکے شہزادگان کے اقبال میں بلندیاں عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری و امام الہند حضور صدر الافاضل علیہما الرحمۃ کی ملاقات

اعلیٰ حضرت و صدر الافاضل کی پہلی ملاقات کب ہوئی یہ جاننے سے پہلے یہ جاننا بھی اہم ہے کہ ان دو عظیم بزرگوں کی ملاقات کب ہوئی اعلیٰ حضرت کے سوانح نگاروں نے 10 شوال المکرم 1272ھ سال ولادت لکھا ہے جبکہ حضور صدر الافاضل 21 صفر المظفر 1300ھ لکھا ہے۔

اعلیٰ حضرت 13 سال۔۔۔ ماہ کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ سے سرفراز ہوئے وہیں حضور صدر الافاضل 20 سال کی عمر شریف میں علوم عقلیہ و نقلیہ سے سرفراز و فارغ التحصیل ہوئے۔

یعنی ان دونوں بزرگوں کی عمر میں 28 سال کا فرق تھا اور جس وقت حضور صدر الافاضل اور اعلیٰ حضرت کی ملاقات ہوئی اس وقت حضور صدر الافاضل کی عمر شریف ۲۱ برس اور امام اہلسنت کی عمر شریف 49 برس تھی۔

حیات صدر الافاضل شمارہ 1959ء کے حوالے سے رامپور کا ادریس نامی بد عقیدہ شخص نے اخبار نظام الملک میں ایک مضمون اعلیٰ حضرت کی مخالفت میں لکھا جس میں اس نے امام اہلسنت کی شان میں خوب سخت الفاظ کہے اور وہ اخبار حضرت صدر الافاضل تک پہنچا حضور صدر الافاضل کی عمر اس وقت 21 بہاریں دیکھ چکی تھی اور اعلیٰ حضرت سے باضابطہ کوئی ملاقات بھی نہیں تھی۔

نظام الملک کا وہ مضمون اس قدر سخت الزام تراشی کذب بیانی پر محیط تھا کہ اسکی سختی اور امام اہلسنت کی بارگاہ میں اس قدر گستاخانہ تحریر کو پڑھنے کے بعد حضور صدر الافاضل کو سخت بخار آ گیا۔

مگر اس بخار کی کیفیت ہی میں آپ نے اس مضمون کا رد بلیغ تحریر فرمایا اور صبح کو اخبار کے دفتر مضمون لیکر حاضر ہوئے اور اپنا مضمون اخبار کے ایڈیٹر کو چھاپنے کی بات کہی جس پر پہلے اس نے انکار کیا مگر پھر حضرت صدر الافاضل نے تاجرانہ حکمتوں سے اسکو سمجھایا تو وہ فوراً راضی ہو گیا اور مسلسل کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

ادھر امام اہلسنت کی بارگاہ میں اس اخبار کی مکمل کا پیاں لیکر آپکے کوئی عقیدت مند حاضر ہوئے اور ادریس کی شکست فاش پر مبارکباد پیش کی۔

کہ حضور آپ نے کیا احسن دلائل دیکر ادریس کے قلم کو توڑا اب زندگی بھر وہ اس سے باز رہے گا۔

اعلیٰ حضرت استعجاب میں ڈوبے ساری باتیں سنکر فرماتے ہیں میں نے تو کوئی جواب ادریس کا نظام الملک میں نہیں بھیجا۔

تب انہوں نے نظام الملک کی وہ کاپیاں اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں پیش کریں۔

امام اہلسنت نے بغور جائزہ لیا اور فرمایا یہ مضامین میرے نہیں اسی زمانہ میں حضور صدر الافاضل کی ایک معرکۃ الآرا اور پہلا قلمی شاہکار نسخہ بنام "الکلمۃ العلیا لاعلاء علم المصطفیٰ" نے علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز و استحسان پر چھپ کر سامنے آیا جس میں آپ نے ایسے دلائل و براہین کے انبار لگائے کہ سہارنپور سے لیکر تھانہ بھون تک علماء دیابنہ کے مکر و فریب کو دنیا کے سامنے لا کر ان کی سیاہ کاری کو ظاہر فرما دیا۔

جب "الکلمۃ العلیا" اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں پہنچی تو

وقت کے امام نے اس کتاب کو بڑی دلچسپی سے مطالعہ فرمایا اور آپ کے ایک مرید خاص جو مرادآباد کے رہنے والے تھے جو حاجی ملا اشرف شاذلی کے نام سے موسوم تھے انکو طلب کیا اور فرمایا ملا اشرف صاحب مرادآباد میں علامہ سید نعیم الدین صاحب جیسے بزرگ رہتے ہیں آپ نے کبھی ان سے ملاقات نہیں کروائی اور نہ کبھی تذکرہ کیا؟

ملا اشرف صاحب مرادآبادی نور اللہ مرقدہ مسکرا کر جواب دیتے ہیں حضور آپ جن کو بزرگ تصور کر رہے ہیں وہ ابھی نوجوان شہزادے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا" اتنی کم عمر اور اتنے احسن دلائل شہزادے کے ہونہار ہونے کی علامت ہے"

آپ جاکر میری جانب سے دعوت پیش کردیں اور فرمائیں اگر وہ دعوت قبول کرلیں اور تشریف لائیں تو بہتر ہے ورنہ دوسری صورت میں انشاءاللہ میں مرادآباد حاضر آتا ہوں۔

جب مجدد وقت قدس سرہ کا پیغام حاجی ملا اشرف شاذلی صاحب مرادآباد لیکر پہنچے تو حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ نے فرمایا" حاجی صاحب آپ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے فرمادیں انکو زحمت نہیں دونگا اور میں فلاں دن بریلی شریف آستانہ عالیہ پر حاضر آجاؤنگا۔"

پھر جب صدرالافاضل بریلی شریف حاضر ہوئے تب آپ کی آمد پر اعلیٰ حضرت نے ایسا اہتمام کیا جس کی نظیر نہیں ملتی اور یہ سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ حضور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اس دن سے میرا بستر کبھی بریلی شریف کیلئے کھلا ہی نہیں ہر پیر اور جمعہ کو میں آستانہ عالیہ پر حاضری کی سعادت حاصل کرتا۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں جب میں علامہ سید نعیم الدین صاحب کو دیکھتا ہوں تو میرا علم جوش مارنے لگتا ہے۔

ہمیں وثوق اور معتمد علیہ روایت پہنچی ہے کہ حضور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ایک بار سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فقہ مجھے علامہ ابن عابدین سے حاصل ہوئی، تو ہم نے اسے تواضع پر محمول کیا اس لئے کہ ہماری نگاہ میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحقیقات عالیہ علامہ شامی کی تحقیقات سے عالی و بلند تر ہیں۔"

(تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدرالافاضل ص ۳۱۱)

حضور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں" کہ علم فقہ میں جو تبحر و کمال اعلیٰ حضرت کو حاصل تھا اسکو عرب وعجم مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ تفصیل انکے فتاوٰی دیکھنے پر موقوف ہے اگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں سمجھئے تو موجودہ صدی میں دنیا بھر میں ایک مفتی تھا جسکی طرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفتا کیلئے رجوع کیے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا اور زمانے بھر کے سوالوں کا جواب بھی دیتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی۔

خانوادہ نعیمیہ وخانوادہ رضویہ کے تعلقات

ہندوستان کے ان دو عظیم خانوادوں کے تعلقات ایک صدی سے زائد پر محیط ہیں۔

آقائے نعمت حضور صدر الافاضل علیہ الرحمۃ و اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کے مزاج شناس احب الخلفاء ہونے کے ساتھ ساتھ معتمد خاص اور وکیل خاص تھے۔

بعد میں حضور مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام نے بھی ان تعلقات کو بحسن وخوبی نبھایا۔

بعد میں حضور مفسر اعظم علامہ ابراہیم رضا قادری اور پھر وارث علوم اعلیٰ حضرت جانشین مفتی اعظم حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان قادری ازہری میاں نور اللہ مرقدہ نے بھی اپنے اجداد کی اس تاریخ کو عملی جامہ پہنایا حضور ازہری میاں صدر الافاضل سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اس بات کا اندازہ یہاں سے کیا جاسکتا ہے کہ جب سن 2013 میں محبان صدر الافاضل وابنائے جامعہ نعیمیہ مراد آباد نے اک کانفرنس وسیمینار کا انعقاد کیا اور اس کانفرنس وسیمینار کو" صدر الافاضل کانفرنس وسیمینار" کا نام دیا اور اس میں مہمان خصوصی حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کو مدعو کیا اور جب کانفرنس کی تاریخ میں آپ تشریف فرما ہوئے تو باوجود یکہ سخت علیل تھے مگر صدر الافاضل کی عظمت پر گفتگو کرتے ہوئے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

اے اہل مراد آباد! تم بڑے خوش نصیب ہو کہ شہر صدر الافاضل میں رہتے ہو مگر یاد رکھو ایمان کے لٹیرے ہر چہار جانب گھوم رہے ہیں، اگر ایمان وعقیدہ بچانا ہے تو میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ فکر صدر الافاضل پر مضبوطی سے قائم رہنا یہی فکر تمہاری نجات کے لئے کافی ہے۔

صدر الافاضل کے والد گرامی استاذ الشعراء حضرت مخدوم، سید معین الدین نزہت مراد آبادی علیہ الرحمۃ کے وصال پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا تعزیت نامہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ پر ملال کارڈ روز عید آیا میں نماز پڑھنے نینی تال گیا ہوا تھا شب کو بے خواب رہا دن کو بھی بے خواب اور آتے جاتے ڈانڈی میں چودہ میل کا سفر۔

دوسرے دن بعد نماز سو کر اٹھا تو یہ کارڈ پایا۔ اسی رات میں تاریخیں خیال میں آئیں ایک بے تکلف قرآن عظیم سے اور انشاء اللہ فال حسن ہے۔ دوسری حسب فرمائش سامی فارسی میں مگر دو شعر کیلئے فرمایا تھا یہ پانچ ہو گئے اور مادّے میں ایک کا تجزیہ کرنا ہوا جس کا میں عادی نہیں مگر اس میں کوئی لفظ قابل تبدیل نہیں تھا لہٰذا یوں ہی رکھا اور اسی روز سے مولانا المرحوم (سید معین الدین نزہت) کا نام تابقائے حیات ان شاء اللہ روزانہ ایصال ثواب کیلئے داخل وظیفہ کر لیا وہ بہت اچھے گئے مگر ان سے ملنے کی حسرت رہ گئی۔ مولیٰ تعالیٰ آخرت میں لوائے سرکار غوثیت ملائے آمین اللھم آمین!

تاریخ وصال از قرآن عظیم

رزق ربّك خیر

۱۳ ھ ۳۹

یک شہادت وفات در رمضان

دگر جمعہ شبہات درست

مردہ ہرگز نہ شد معین الدین

کہ تراچوں نعیم دیں پرست
او رضا سال بے سر اعمال
قرب صدق ملیک مقتدر ست
۱۳۳۹ھ

شب عید کی بے خوابی اور دن کو بے خوابی اور دوسرے سفر کا پیچ وتاب اس کے سبب کل شام تک حالت روی رہی، قابل حاضری ہوتا تو سر سے چل کر مزار کی زیارت اور آپ کی تعزیت کرتا، مصطفےٰ رضا کل صبح بریلی گئے ہیں میں نے کہہ دیا ہے کہ تعزیت کے لیے حاضر خدمت ہوں۔

کل شام تک بہت غیر حالت رہی طبیعت نے اس نیاز نامہ کی تعویق کی اور کل اتوار تھا لفافہ نہ مل سکا اب حاضر کرتا ہوں۔

والسلام مع الکرام احباب کو سلام

شب پنج شنبہ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ از۔ بھالی

نوٹ۔ ۵ ا اشعار میں صرف ۱۳ اشعار ہی پڑھنے میں جنہیں منقول کر دیا

(تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت ص ۲۹)

دونوں بزرگوں کی خدمات کا اعتراف:

جماعت اہل سنت کے ارباب حل وعقد کی نگاہ ان دو عظیم شخصیتوں کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ جماعت رضائے مصطفی کے ارکان کی جانب سے لکھے گئے اس مکتوب سے لگا ئیں جو انہوں نے شدھی تحریک میں امام الہند صدر الافاضل اور مفتی اعظم ہند کی بے مثال کارگزاری وجانفشانی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت اور ہدیۂ تشکر پیش کیا اخبار دبدبہ سکندری میں مذکور ہے۔

تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیل اور مخلص کارکنوں کی شاق محنتوں کا مکمل تذکرہ دفتروں میں بھی نہیں آسکتا۔ صاحبزادہ عالیشان فاضل جلیل المکانۃ والمکان حضرت مولانا مولوی مفتی شاہ محمد مصطفی رضا خان دامت برکاتہم استاذ العلما مولانا مولوی حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین دامت برکاتہم کی جانفشانیاں اور محنتیں اور ان حضرات کے فیوض وبرکات اور سرگرم مسعی کا تذکرہ کیے. جماعت کے پاس زبان نہیں ہے کہ ادا کر سکے انہیں کی ہمت وبرکت تھی کہ جماعت کو ہر معرکہ اور ہر موقع میں امید سے زیادہ کامیابیاں نصیب ہوئیں ہم نہ اس کے اس احسان کو فراموش کر سکتے ہیں اور نہ ان کے شکریہ سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جو تکلیفیں انہوں نے اٹھائی ہیں اور جو محنتیں برداشت کی ہیں ان کے نقوش ہمارے سینوں سے کبھی محو نہیں ہو سکتے ہیں ۔(اخبار دبدبہ سکندری مجریہ یکم مارچ 1926ء)

خرقہ پوشی حضور حجۃ الاسلام

عرس کے ایام میں خرقہ پوشی کا وقت اپنی شان وشوکت کے لحاظ سے بڑی خصوصیت رکھتا ہے مخصوص حضرات کے حلقوں میں دولت سرائے اعلیٰ حضرت پہنچ جاتے ہیں جہاں پہلے سے بہت اہتمام کے ساتھ پہرے لگے ہوتے ہیں اور مخصوصین کے سوا کوئی شخص پھاٹک کے اندر داخل نہیں ہوسکتا ۔ان کی آنکھوں کے سامنے اس وقت صاحب سجادہ کے پیکر میں اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین ملت قدس سرہ کی جلوہ افروزی ہو رہی ہے آرزو سندل ٹوٹے جارہے ہیں اسی شبیہ میں حضرت سیدنا ابوالحسن صاحب اور سیدنا شاہ آل رسول صاحب قدس اللہ اسرارہم کے بھی جلوے نظر آرہے ہیں اسی لباس میں حضرت شاہ برکت اللہ صاحب اور حضرت شاہ اچھے میاں صاحب قدس اللہ اسرارہم کے انوار بھی چمک

رہے ہیں ماہرہ مطہرہ اور بغداد مقدس کی سرکاریں بر سر فیض ہیں جنہیں ایک مرتبہ دیکھ کر عمر بھر لذت دیدار کے مزے آتے رہتے ہیں حضرت صاحب سجادہ کا خداداد حسن و جمال اور عالمانہ وقار، درویشانہ انکسار، بزرگانہ شوکت پر خرقہ پوشی کچھ ایسے ساز و سامان میں ہو رہی ہے۔

حضرت صدر الافاضل اس سال اپنے اہل وعیال کی علالتوں کے باعث ایک روز کی تاخیر سے تشریف لائے ہر شخص آپ کے لیے محو انتظار تھا آپ کی تشریف آوری سے مجمع میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی آپ نے آتے ہی اپنے حسب معمول سب سے اول اعلیٰ حضرت صاحب عرس قدس سرہ کے مزار پاک پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی اور چونکہ حضرت صاحب سجادہ دامت برکاتہم کی خرقہ پوشی کا وقت آ گیا تھا تمام اکابر علما مشائخ موجود تھے آپ نے بھی اس میں شرکت فرمائی۔

حضرت صدر الافاضل صاحب قبلہ سے بیان کی استدعا کی ہر طرف سے یہی آواز اٹھی آپ نے مسلمانوں کے اصرار اور حضرت صاحب سجادہ کے ارشاد سے تخمیناً ڈیڑھ گھنٹہ تقریر فرمائی آپ کی تقریر کے متعلق میں کیا عرض کروں حسن بیان قوت ادلہ فصیح زبان متین انداز اور جو خوبیاں ہیں آج ان کی تقریروں کی ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی ہے صرف اتنا عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ واقعات حجاز ہی پر آپ نے گفتگو فرمائی مگر جتنی دیر تقریر فرماتے رہے مجمع کا آنسو نہیں تھما اور تمام مجمع روتے روتے بے اختیار ہو گیا اور اسلامی جزبات سینہ میں موجیں مارنے لگے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم حجاز مقدس میں ہیں اور تمام واقعات ہماری نگاہوں کے سامنے ہو رہے ہیں آخر میں آپ نے فرمایا کہ یہ خاص وقت ہے اور حضرت صاحب عرس کی روح کو ایک خاص توجہ ہے ان کے منتسبین کو کسب فیض کا بہتر موقع ہے یہ کچھ ولولہ انگیز لفظوں میں فرمایا جس نے رضویوں کو بہت فائدہ دیا اور اس شب ذکر و دعا میں مشغول رہے غرض بڑی شان و شوکت کے ساتھ عرس کی محافل ہوتی رہی،، (سنی دنیا بریلی شریف۔نومبر ۲۰۱۶ ،، از: قاضی محمد احسان الحق نعیمی صاحب)

مفتی اعظم ہند کا حضرت صدر الافاضل سے لگاؤ

جب ۱۹۲۳ء میں شدت پسند ہندوؤں کی شدھی اور سنگھٹن نے مسلم راجپوتوں کے خلاف ارتداد کی مہم چلائی اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنا ڈالا تب سرزمین بریلی سے اس فتنہ کے خلاف حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے آواز اٹھائی اور مراداباد سے امام الہند حضرت صدر الافاضل کو یاد فرمایا آپ حاضر ہوئے تو حجۃ الاسلام نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے جن دو شخصیتوں کا انتخاب فرمایا حضور مفتی اعظم ہند اور حضور صدر الافاضل کی شخصیات تھیں ان کی سرپرستی میں علما کا دس رکنی قافلہ روانہ ہوا۔

اس دس رکنی وفد نے راجپوتوں کو واپس اسلام میں لانے کے لیے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور محنتیں کیں جب یہ وفد آگرہ پہنچا جہاں اس ارتدادی مہم نے کافی مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا تو وہاں کی جامع مسجد میں حضرت صدر الافاضل کا خطاب نایاب ہوا جس کی مکمل روداد تحریری روپ میں حضرت مفتی اعظم ہند نے اس طرح درج کی ہے

ہمارے وفد کے بہترین رکن حضرت مولانا المحترم مولوی محمد نعیم الدین صاحب زیدت برکاتہ نے اسلام کی شان و شوکت اور موجودہ حالت زار دلگداز تقریر فرمائی۔اللہ

تعالی کے فضل سے مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور مسلمانوں کے دل اسلامی جوش سے لہریں مار رہے تھے.* (دبدبہ سکندری مجریہ ۱۹۔فروری ۱۹۲۳ء)

مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل سے قرابت:

جس وقت بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حضرت صدر الافاضل کی پہلی حاضری ہوئی اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی یہ وہ وقت جب کہ حضرت مفتی اعظم ہند عمر کی محض گیارہ سال کی تھی یعنی دونوں کی عمر میں قریب دس سال کا فرق تھا لیکن حضور مفتی اعظم ہند تو مادرزاد ولی تھے وقت کے ایک عظیم بزرگ وشیخ نے ان کی ولایت کی پہلی ہی گواہی دی تھی اسی وجہ سے مفتی اعظم دیگر بچوں سے کافی ممتاز تھے جیسا کہ۔ کہاوت ہے۔ ہونہار بروا کے ہوتے چکنے چکنے پات" اس وقت سے حضرت صدر الافاضل اور مفتی اعظم ہند کے مابین جو تعلق قائم ہوا وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا کیونکہ اس تعلق میں عمر نہیں خیالات کی یکسانیت تھی خدمت دین کے مساوی جزبات تھے دونوں ہی ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے واقف وراز دار تھے اور اس تعلق کی بنیاد خلوص ایثار اور والہانہ محبت پر مبنی تھی جب جب اہل سنت کو مشکلات درپیش ہوئیں تو اس کے دفاع کے لیے ان دو بزرگوں کا آپسی تال میل دیکھنے والا ہوتا تھا تاریخ کے سینے پر ایسے کتنے واقعات درج ہیں جو میرے اس دعوے کی تائید کرینگے* مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل سے قرابت*

جس وقت بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حضرت صدر الافاضل کی پہلی حاضری ہوئی اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی یہ وہ وقت جب کہ حضرت مفتی اعظم ہند عمر کی محض گیارہ سال کی تھی یعنی دونوں کی عمر میں قریب دس سال کا فرق تھا لیکن حضور مفتی اعظم ہند تو مادرزاد ولی تھے وقت کے ایک عظیم بزرگ وشیخ نے ان کی ولایت کی پہلی ہی گواہی دی تھی اسی وجہ سے مفتی اعظم دیگر بچوں سے کافی ممتاز تھے جیسا کہ۔ کہاوت ہے۔ ہونہار بروا کے ہوتے چکنے چکنے پات" اس وقت سے حضرت صدر الافاضل اور مفتی اعظم ہند کے مابین جو تعلق قائم ہوا وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا کیونکہ اس تعلق میں عمر نہیں خیالات کی یکسانیت تھی خدمت دین کے مساوی جزبات تھے دونوں ہی ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے واقف وراز دار تھے اور اس تعلق کی بنیاد خلوص ایثار اور والہانہ محبت مبنی تھی جب جب اہل سنت کو مشکلات درپیش ہوئیں تو اس کے دفاع کے لیے ان دو بزرگوں کا آپسی تال میل دیکھنے والا ہوتا تھا تاریخ کے سینے پر ایسے کتنے واقعات درج ہیں جو میرے اس دعوے کی تائید کریں گے۔

عجلت میں یہ مختصر تواریخ کے پہلو میں نے آپ کی نظر نواز کئے مزید معلومات کے لئے اعلی حضرت وصدر الافاضل رضی اللہ عنہما کی سوانح وخدمات کا مطالعہ ہمارے لئے مفید و معین ثابت ہوگا۔

اللہ رب العزت جل مجدہ مصطفی کریم ﷺ کے طفیل ہم کو اپنے اسلاف کے مسلک پر استقامت عطا فرمائے۔

اسیر بارگاہ صدر الافاضل۔

سید محمد نظام الدین نعیمی قادری

خانقاہ عالیہ قادریہ نعیمیہ مغربی بنگال الہند

❀❀❀

حضور تاج الشریعہ مرکز اہل سنت کے میر کارواں

مفتی شاکر القادری فیضی

دار العلوم فیضان تاج الشریعہ اودے پور

لک الحمد یارب العٰلمین عزوجل

والصلوۃ والسلام علیک یارحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ کا فضل خاص اہل زمین پر ہمیشہ سے رہا ہے کہ نسل انسانی کی ہدایت ورہنمائی کیلئے اپنے محبوب بندوں کو بھیجتا رہا۔ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام تک انبیاء ومرسلین اپنے اپنے دور میں تشریف لاتے رہے۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ نے دعائے خلیل، نوید مسیح، پیغمبر آخر الزماں، سید انس وجاں ،ہادی کل، آقا مولا مصطفیٰ مجتبیٰ حضور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ورسول ہادی اعظم بن کر تشریف لائے۔ اور کامل دین اسلام پیش فرما کر بنی نوع انسانی کو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچایا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات وفرمودات اور لائی ہوئی کتاب قرآن حکیم کی روشنی میں خلفائے راشدین ،اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، اولیاء کاملین، علمائے ربانین وغیرھم پیغمبری مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔ اسی مشن کو لیکر اہل ہند کے درمیان حضرت سید سالار مسعود غازی، خواجۂ خواجگاں غریب نواز، حضرت سید مخدوم اشرف سمناں، کالپی کے میر، بلگرام کے پیر، مسولی کے دستگیر، مارہرہ کے اقطاب بنظیر، مجدد الف ثانی سرہند، بریلی کے مجدد دین وملت، حجۃ الاسلام، مفتی اعظم، شعیب الاولیاء علیہم الرحمہ تشریف لاتے رہے۔ اور رشد وہدایت کا کام کرتے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انہیں برگزیدہ مقبول ومحبوب بندوں میں ایک ذات تاج الشریعہ بدر الطریقہ امام المشائخ حضرت مفتی الحاج الشاہ مفتی اختر رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہے۔ جنہوں نے اپنی حیات کے ایک ایک لمحہ کو دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اشاعت، بزرگوں کے مشن کی ترویج کیلئے وقف فرما رکھی تھی۔ حضور تاج الشریعہ کی خداداد مقبولیت ومحبوبیت اور علمی جلالت کے عرب وعجم معترف ہیں۔ پوری دنیا میں جہاں بھی دین وسنت کی اشاعت، بیعت وارشاد کے لیے تشریف لے جاتے پورے علاقہ

کے اطراف واکناف میں انقلابی ماحول کے ساتھ اہل سنت و جماعت کے لوگوں میں مسرت وخوشی کی لہر دوڑتی ہوئی نظر آتی تھی اور مخلوق خدا کے اجتماع کا نورانی قافلہ نظر آنے لگتا تھا۔ فقہی سیمینار و علمی مجالس میں علماء ومشائخ کے میر کارواں ہوتے، عوام وخواص لاکھوں عقید تمند، مریدن، متوسلین ایک جھلک دیکھنے کیلئے بے تاب نظر آتے رہتے۔ ملک و بیرون ملک افریقہ، امریکہ، لندن، عرب امارات میں بھی نورانی منظر ہوتا۔ اس میں کسی مادی طاقت، الیکٹرونک میڈیا یا چینل کا دخل نہیں ہوتا بلکہ آپ کی علمی جلالت، روحانی لیاقت اور شخصی وجاہت، تقویٰ طہارت میں انفرادیت فضل الٰہی عز وجل، کرم مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، نگاہ بزرگاں اوران کی روحانی عملی صلاحیت کا اثر تھا۔

آپ مرجع العلماء، سلطان الفقہاء اور مرجع الخلائق تھے۔ ہر بستی، ہر ضلع، ہر صوبہ ہر ملک بلکہ ہر سنی کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ حضور تاج الشریعہ کے قدم ناز کی برکتیں ہمیں بھی حاصل ہوجاتیں۔ آپ جس علاقہ میں تشریف لے جاتے اس علاقے کے قرب وجوار کا نصیبہ جاگ اٹھتا تھا۔ سوئی سنیت بیدار ہوجاتی۔ اور جو کام سالہا سال کی محنت ومشقت سے ہو نہیں پاتا وہ آپ کی آمد کی برکت سے چند ساعتوں میں ہوجاتا اور اس کی برکت مدتوں تک محسوس کی جاتی۔ عوام وخواص آپ کے قرب میں بہت ہی راحت وچین پاتے۔ آپ کی مجلس خالص دینی، ملی، فلاحی، مسلکی، علمی فلاح وصلاح کیلئے ہوتی تھی۔ ہر جہت سے مقبول انام تھے۔ اودے پور راجستھان کے آٹھ سفروں کی روداد اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ رواں صدی کے انقلاب آفریں عظیم عبقری شخصیت تھے۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی ولادت با سعادت ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء بریلی شریف میں ہوئی۔ تقریب بسم اللہ خوانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں سرکار مفتی اعظم ہند کے ذریعہ ہوئی جس میں طلبہ ومدرسین کی دعوت عام تھی۔ آپ نے گھر پر ہی والدہ ماجدہ عابدہ زاہدہ ''نگار فاطمہ عرف سرکار بیگم'' سے قرآن کریم ناظرہ ختم کیا۔ اسی دوران والد ماجد مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خان جیلانی میاں سے ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں۔ بعدہٗ منظر اسلام کے کہنہ مشق اکابر اساتذہ کرام سے ہدایہ آخرین تک کتابیں پڑھیں۔

حضور مفتی اعظم ہند قطب عالم مصطفی رضا نوری علیہ الرحمہ نے عوام وخواص علماء مفتیان کرام اور ہزاروں مریدین کی موجودگی میں شعبان المعظم ۱۳۸۱ھ ۱۵ جنوری ۱۹۶۲ء کو سلاسل اربعہ کی اجازت وخلافت سے نوازا۔ حضور مفتی اعظم کے علاوہ اور بھی کئی مشائخ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ ۱۳۸۳ھ

مطابق ۱۹۶۳ء میں عالمی یونیورسیٹی جامعہ ازہر قاہرہ مصر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے ''کلیۃ اصول الدین'' (ایم-اے) میں داخلہ لیا۔ مسلسل تین سال تک جامعہ ازہر میں رہ کر تفسیر وحدیث کے متعدد علوم وفنون کی تکمیل کی اور ۱۹۶۶ء میں اول پوزیشن سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد بریلی شریف واپس تشریف لائے۔ آپ کی آمد پر ہم شبیہ غوث اعظم مفتی اعظم عالم کی سربراہی اور ریحان ملت علیہما الرحمہ کی سرکردگی میں استقبالیہ پرجوش جلوس کا اہتمام ہوا۔ پھر حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے بریلی شریف میں جامعہ منظر الاسلام کو مسند تدریس کی زینت بخشی۔ بارہ سال تک تدریسی خدمات کے ذریعہ اپنے فیضان سے طالبان علوم نبویہ کو فیضیاب کرتے رہے۔ تدریسی خدمات کے دور میں آپ صدر مدرس، شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔ یہیں سے علمی لیاقت، فقہی قابلیت روحانی صلاحیت کے ظہور کا آغاز ہوا، جس میں ناناجان حضور مفتی اعظم عالم رضی اللہ تعالی عنہ کی فیض رساں صحبتوں کا اہم رول رہا۔ آپ کے والد گرامی حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنی حیات میں ہی آپ کا رشتہ برادر اعلحضرت استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی پوتی حضرت علامہ حکیم حسنین رضا خان علیہ الرحمہ کی صاحبزادی سے طے فرمادیا تھا۔ نومبر ۱۹۶۸ء میں نکاح کی رسم شریعت وسنت کے مطابق ادا کی گئی۔ جن سے آپ کی پانچ صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ بلند اقبال حضرت مفتی عسجد رضا خان مدظلہ العالی ہوئے۔ جو آج حضور تاج الشریعہ کے جانشین اور علوم کے حقیقی وارث وامین ہیں۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی تدریسی خدمات کا سلسلہ جاری ہی تھا۔ کہ تبلیغی ودعوتی اسفار شروع ہوگئے۔ اطراف واکناف قرب وجوار اور ملک وبیرون ملک سے دینی، مشربی اشاعت کی دعوتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلا مصروفیات بہت بڑھ گئیں اور باضابطہ تدریس مشکل ہوگئی تو جامعہ منظر اسلام سے سبک دوش ہوگئے۔ اور حسب فرصت قیامگاہ پر ہی درس قرآن وحدیث وغیرہ کا سلسلہ شروع کیا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ جامعہ منظر اسلام، مظہر اسلام اور جامعہ رضویہ نوریہ تینوں اداروں کے طلبہ کو استفادہ کا موقع ملا۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے فتوئی نویسی کا کام چودہ سال کی عمر میں ہی شروع کردیا تھا۔ اس سلسلے میں حضور مفتی اعظم ہند اور حضرت مفتی سید افضل حسین مونگری سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد حضور مفتی اعظم ہند نے دار الافتاء آپ کے حوالہ کردیا۔ حضور سیدی مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد جب فتوئی نویسی کا سلسلہ کافی بڑھ گیا۔ تو آپ نے ۱۹۸۱ء میں باقاعدہ مرکزی دار الافتاء قائم فرمایا۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے پہلا حج ۱۹۸۳ء میں، دوسرا حج ۱۹۸۵ء میں اور تیسرا حج ۱۹۸۶ء میں ادا کیا اسی تیسرے حج کے دوران سعودی حکومت نے افواہوں کی بنیاد پر آپ کو جیل میں رکھا جس کے بعد بین الاقوامی سطح پر احتجاج ہوا جس کے نتیجہ میں رہائی عمل میں آئی۔ بلکہ اس کے بعد سعودی حکومت نے سابقہ نارواں سلوک کی تلافی کیلئے آپ کو ایک ماہ کا خصوصی ویزا دیا تاکہ آپ عمرہ و زیارت کر سکیں۔ آپ نے کئی حج اور عمرہ کا شرف حاصل کیا۔

خلیفۂ اعلیحضرت قطب مدینہ منورہ حضرت علامہ ضیاء الدین احمد مدنی اور شیخ سید علوی مالکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما نے آپ کو ''تاج الشریعہ'' اور ''مرجع العلمائ'' کا خطاب دیا، اور شرعی کاؤنسل آف انڈیا بریلی شریف کے ایک اجلاس میں علمائے کرام مشائخ عظام کی موجودگی میں آپ کو ''قاضی القضاۃ فی الھند'' کے طور پر قبول کیا گیا۔

۱۸/ اگست ۱۹۸۴ء صوبہ گجرات کے ضلع جونا گڑھ کے جامع مسجد بزم رضا کانفرنس میں علمائے اسلام، مفتیان کرام، مشائخ عظام اور کثیر عوام کی موجودگی میں بدر طریقت حضرت مفتی اختر رضا خان قادری ازہری علیہ الرحمہ کو ''تاج الاسلام'' کے لقب سے ملقب کیا گیا اور مفتی گجرات حضرت احمد میاں علیہ الرحمہ نے اپنے ہاتھوں سے عوام و خواص کی موجودگی میں حضور علامہ ازہری میاں مدظلہ کے سر مبارک پر ''تاج الاسلام'' کا تاج پہنایا۔ نیز اسی بزم رضا میں شیخ الحدیث علامہ مفتی سید شاہد علی رضوی رامپوری نے آپ کو ''فقیہ الاسلام'' کے لقب سے نوازہ۔ اسی بزم رضا کانفرنس میں فقیہ اسلام حضرت علامہ اختر رضا ازہری میاں علیہ الرحمہ کو ''تاج الشریعہ'' اور ''معراج العلماء'' کا لقب بھی دیا گیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ اسی بزم میں اکابرین کی موجودگی میں یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اس وقت عالم اسلام میں سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا مفتی، محدث، مفسر، فقیہ، مدبر، مدقق، اور زیادہ زہد و ورئی کا مالک اگر کوئی مقبول اور محبوب ذات ہے تو وہ فقیہ اسلام مفتی اختر رضا خاں ازہری میاں کی ہے۔ اور بلا شبہ یہی ایک ذات عبقری ہے جو اس بات کے لائق ہے کہ انہیں تاج الشریعہ کے لقب سے ملقب کیا جائے۔ باتفاق رائے اس کا عوام و خواص میں اعلان ہوا اور سبھی نے تائید کی۔

حضور تاج الشریعہ، فقیہ اسلام، قاضی القضاۃ فی الہند مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی بین الاقوامی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف وغیرہ کا سلسلہ جاری رکھا اور ان گنت پروگراموں اور تبلیغی اسفار کی وجہ سے یہ کام کم ہو پاتا ہے مگر حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی عادت مبارکہ تھی کہ سفر و حضر میں مضامین، فتاویٰ، تصنیف و تالیف اور ترتیب و تراجم کا املا کراتے رہتے۔ اس کے علاوہ حضرت کا معمول تھا کہ

روزانہ صبح وشام عربی عبارات کا ترجمہ اردو زبان میں۔ اور اردو زبان کا ترجمہ عربی میں مرکزی دار الافتاء کے مفتیان کرام یا جامعۃ الرضا کے اساتذہ کو املا کرادیتے تھے۔ وہ سوالات جو دار الافتاء میں مفتیان کرام حل نہیں کر پاتے ان کو جمع کر دیا جاتا اور جب حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ باہر تبلیغی دورے پر تشریف لے جاتے تو مسائل ساتھ ہوتے ٹرین یا ہوائی جہاز وغیرہ میں ان سوالات کے جوابات برجستہ قلم بند کروادیتے، حضور تاج الشریعہ دنیائے اسلام کیلئے مرجع علماء وفقہاء اور مرکز اہل سنت بریلی شریف کے میر کارواں تھے۔ دو درجنوں سے زیادہ کتب تصنیف فرمائیں اور ہزاروں مسائل کا حل فرما کر لاجواب فتاویٰ کا شاہکار بھی عطا فرمایا۔ ملک و بیرون ملک میں عموماً دیار عرب شریف خصوصاً مسلک اعلیحضرت کی اشاعت وترویج میں بھرپور کوشش فرمائی اور اس میں آپ کو کامیابی بھی ملی۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ تقریباً چالیس سال بعد اپنے مادر علمی جامعہ ازہر مصر ۲۰۱۲ء میں تشریف لے گیے جہاں ایک شاندار استقبالیہ پروگرام ہوا اور وہاں کے اساتذہ وشیوخ نے شرکت کی اور آپ کی علمی جلالت، تقویٰ طہارت و شخصی وجاہت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو" الدرع الفخری" فخر جامعہ ازہر ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے مرکز اہل سنت بریلی شریف میں اعلیٰحضرت امام اہل سنت سیدنا امام احمد رضا قادری محقق بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علمی فیضان کو عام کرنے کیلئے ۲۴ر صفر ۱۴۲۱ھ مطابق مئی ۲۰۰۰ء میں عرس رضوی کے موقعہ پر اپنے دست حق پرست سے ملک وبیرون ملک کے مشاہیر علماء ومشائخ کی موجودگی میں گنبد اعلیٰحضرت سے ۷ رکیلومیٹر دور مرکز نگر، سی، بی گنج بریلی شریف میں دہلی ہائیوے پر، مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا کا سنگ بنیاد رکھا دیکھتے ہی دیکھتے اہل سنت وجماعت کا ایک پر مرکز تعلیمی قلعہ معروض وجود میں آگیا اور جامعۃ الرضا ایک اسلامی اور عصری تعلیمی مرکز کی حیثیت سے دنیا میں متعارف ہوا۔

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے کثیر الجہات انفرادی انداز میں دین اسلام، مذہب اہل سنت، مسلک اعلیٰحضرت کی نمایاں خدمت انجام دی ہیں۔ اور حیات مبارکہ کے اخیر لمحہ تک شریعت وسنت کی ترویج میں لگے رہے۔

۶ رذی قعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰ رجولائی ۲۰۱۸ء بروز جمعہ بریلی شریف میں آفتاب غروب ہونے کا وقت ہوا، موذن نے اذان مغرب دینی شروع کی آپ جواب میں اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے ہوئے علم وادب کا یہ سورج ، آفتاب رشد وہدایت، مہتاب ولایت ہمیشہ کیلئے روپوش ہوگیا۔ آفاق عالم پر تاریکی اور اداسی چھا گئی، پوری دنیائے

سنیت غم واندوہ میں ڈوب گئی بلاتفریق مشرب جس سے جس طرح ہوسکا وہ مرجع الخلائق مجدد مأۃ حاضرہ تاج الشریعہ بدر الطریقہ مفتی اختر رضا قادری ازہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ میں شرکت وزیارت کو چل نکلا۔ حضور والا کے جنازہ میں اتنی بڑی تعداد میں متوسلین، معتقدین، مریدین شریک ہوئے کہ رواں صدی میں اتنا بڑا جنازہ عالم کی نگاہوں نے نہ دیکھا۔ ہر چہار جانب انسانوں کا سیلاب، ہر طرف سر ہی سر نظر آرہے تھے تعداد کا شمار خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ ناچیز بھی شریک زیارت وجنازہ رہا ایسی مقبولیت ومحبوبیت کہیں نہیں دیکھی۔ لاکھوں عقیدتمند بس یہی کہتے سنائی دیئے کہ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ اس صدی کے مقبول ترین اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک ہیں آپ کے نماز جنازہ کی امامت کا شرف آپ کے صاحبزادہ بلند اقبال وارث علوم تاج الشریعہ پیر طریقت جامع العلوم قائد ملت حضرت مفتی عسجد رضا قادری عرف اچھے میاں مدظلہ سجادہ نشین حضور تاج الشریعہ کو حاصل ہوا۔

ہزاروں رحمتیں ہوں اے! امیر کارواں آپ پر

بہت ہی لائق مبارکباد وصد افتخار ہیں خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف کے صاحب سجادہ شیخ طریقت، مخدوم ملت، پاسبان مسلک اعلیٰحضرت، جگر گوشۂ خاتون جنت، عطائے تاج الاولیائ، شہزادۂ نور الاولیاء، جانشین سرکار مسولی حضرت علامہ الشاہ سید گلزار اسمٰعیل واسطی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی ومفتی ملت شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی سجاد علی مصباحی رضوی اور شاعر اسلام فیروز راحت کلکتوی و دیگر فعال کارکنان جنہوں نے عرس اسمٰعیلی کے حسین موقعہ پر ''مرکز اہل سنت نمبر'' شائع کرکے بہت اہم کام کیا ہے خدائے تعالیٰ اپنے فضل اور اپنے محبوبوں کے صدقہ وطفیل دارین کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

باب ہفتم:

تجلیات مناقب

امام احمد رضا خان

برصنعت توشیح

علامہ سید اولاد رسول قدسی، امریکہ

(ا) اسلام کے اصول کی نوری کتاب ہو
ایمان کی عظمتوں کے ضیابار باب ہو

(م) مرہون ہے زمانہ تمہارے فیوض کا
مردہ دلوں کے واسطے تم ماہتاب ہو

(ا) ایثار، عشق، علم، ولایت، قلم، جہاد
اوصاف کی بہار چمکتے شہاب ہو

(م) ماحول میں فساد ہے آجاؤ تم اگر
موت آئے مفسدوں کو تو شر آب آب ہو

(ح) حاصل ہوئی ہے تم سے حقیقت کی روشنی
حامل ہو مدحتوں کے تقدس مآب ہو

(م) مسرور زندگی ہے معطر مشام جاں
مہر کرم سنن کے مہکتے گلاب ہو

(د) داخل نجات میں ہیں تمہاری محبتیں
دعوے کی خود دلیل مکمل جواب ہو

(ر) راہ عمل کی واسطے مخزن ہو نور کے
رحمت کے مستحق ہو سراپا ثواب ہو

(ض) ضیغم ہو شاہ کون ومکاں کے کچھار کے
ضامن ہو سنیت کے حسیں آفتاب ہو

(ا) اعدائے دین کے واسطے سیف ادق ہو تم
اپنوں کے سر پہ فیض مسلسل سحاب ہو

(خ) خوگر فنا کے، شمع ہو راہ سلوک کی
خیر بقا میں بخت کے لب لباب ہو

(ا) آ ثار ارتقا میں ثر یا کے ہو مثیل
انوار چرخ خلق کی قسمت کے خواب ہو

(ن) نخل حیات دین کے ہوتا بندہ اک ثمر
نااہل کے لیے تو فقط اک سراب ہو

قدسی تمہارے مسلک حق کا ہے اک امین
گرنے نہ پائے یہ کبھی ایسا عقاب ہو

اختر رضا خان ازہری

برصنعت توشیح

(ا) اتقیا کی شان تھے اختر رضا خاں ازہری
اتقا کی جان تھے اختر رضا خاں ازہری

(خ) خوگر احقاق حق اور رضا کے فکر کی
خاص اک پہچان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ت) تابش چرخ مہارت، نازش شعروسخن
تحفۂ رحمان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ر) راستی سے تھی محبت کذب سے تھیں نفرتیں
رہبر ذیشان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ر) رات دن فکر رضا کے نشر میں تھے مستعد

رہرو ایمان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ض) ضونظر آتی تھی ان سے نسبت اسلاف کی
ضامن فیضان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ا) آسمانِ علم وفن کے نیر تاباں تھے وہ
آیت عرفان تھے اختر رضا خاں ازہری

(خ) خواب حضرت حجۃ الاسلام کی تعبیر تھے
خیر کے عنوان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ا) امر بالمعروف وہ تازندگی کرتا رہے
امن کے ارمان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ن) نت نئے مشکل مسائل ان سے حل ہوتے رہے
نظم اور میزان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ا) ابر رحمت ذات تھی ان کی برائے سنیت
اجر کے سامان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ز) زیر ہوکر رہ گئیں باطل کی ساری سازشیں
زندہ دل انسان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ہ) ہستی ان کی نعمت رب تھی ہمارے واسطے
ہدیۂ احسان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ر) راج کرتے تھے دلوں میں سیکڑوں انسان کے
رمز حق کی کان تھے اختر رضا خاں ازہری

(ی) یادان کی کیسے مٹ سکتی ہے قدسی قلب سے
یاورِ ذیشان تھے اختر رضا خاں ازہری

چراغ الفت جلا رہے ہو

علامہ سید شاہ وجاہت رسول قادری: کراچی

چراغ الفت جلا رہے ہو یوں پھول کلیاں سجا سجا کر
کہ راہ روشن دکھا رہے ہوں پھول کلیاں سجا سجا کر
بھٹک نہ جائے کوئی مسافر حیات کی ظلمتوں میں آخر
رہِ منور دکھا رہے ہو چراغ طیبہ اٹھا اٹھا کر
ابھی تو سو سال ہی ہیں گزرے مقام محشر میں کیسا ہوگا
رضا کو قفسی بلائیں گے جب سلام رحمت سنا سنا کر
رضا کی اقتدا میں جتنے سلام محشر میں پڑھتے ہوں
فرشتے آمین کہتے ہوں گے دو دوست اپنے اٹھا اٹھا کر
رضا کو اہل بصر نے دیکھا مواجہہ میں سلام پڑھتے
کلام کرتے پیام لیتے نگاہ اپنی جھکا جھکا کر
یہ تاباں چہرے یہ نام روشن دکھا رہے ہیں بتا رہے ہیں
رضا کی کرسی ہے کیسی اونچی دکھا رہے ہیں اٹھا اٹھا کر

حوصلہ کی جان صد سالہ امام احمد رضا

محبوب گوہر اسلام پوری

حوصلہ کی جان صد سالہ امام احمد رضا
ہے عظیم شان صد سالہ امام احمد رضا
اپنی جلوہ ریزیوں سے ہے تروتازہ کئے

گلشن ایمان صد سالہ امام احمد رضا
باغیان دین احمد کے لئے ہے بالیقیں
باعث نقصان صد سالہ امام احمد رضا
ہر طرف ہے دھوم تصنیفات و تالیفات کی
سب کا عنوان صد سالہ امام احمد رضا
سنیت میں تجھ سے آیا تازہ جوش ولولہ
تجھ میں قربان صد سالہ امام احمد رضا
ایسی بیداری جماعت میں نظر آتی نہ تھی
ہے نیا وجدان صد سالہ امام احمد رضا
بستی بستی قریہ قریہ ہے مچی آمد کی دھوم
جیسے ہو مہمان صد سالہ امام احمد رضا
اہل سنت میں بڑھا ڈالا ہے گوہر قادری
قوت عرفان صد سالہ امام احمد رضا

مشائخ عظام خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف

وہ شخصیات اسلام جنہوں نے مذہب اسلام کے تار و پود کو ہم تک پہونچایا جنکی ذوات قدسیہ ہمارے لئے کسی عظیم نعمت سے کم نہیں ہمارے اسلام وایمان کا تحفظ جن کی رہین منت ہے جن کو رب کریم نے عظمت ولایت کے تاج سے سر فراز فرمایا۔ ان کی خدمات لائق صد تحسین اور قابل صد رشک ہیں انہوں نے دن کے اجالے اور رات کے اندھیرے، تندئی باد مخالف اور موج حوادث کی پرواہ کئے بغیر شمع اسلام کی بقا کے اسباب فراہم کئے۔ رہتی دنیا تک یہ قوم ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتی انہیں شخصیات اسلام میں سے خطہ اودھ کی عظیم الشان شخصیت واقف اسرار متشابہات التنزیل سرکار مسولی عالی نسب اعلیٰ حسب حضرت علامہ سید شاہ میر محمد اسماعیل واسطی صغروی قادری رزاقی زیدی الحسینی بلگرامی قدس سرہ السامی کی ہے جو خانقاہ اسمٰعیلیہ کے بانی عظیم اور خانوادۂ اسمٰعیلیہ کے جد کریم ہیں اور سلسلہ اسمٰعیلیہ جن کے مشرب صافی سے فیضیاب ہے۔

واقف اسرار متشابہات التنزیل سید عالی نسب سرکار مسولی سید میر محمد اسمٰعیل واسطی قادری رزاقی بلگرامی قدس سرہ السامی

ولادت۔ آپ کی ولادت باسعادت سادات بلگرام کی بیچ بھیا شاخ میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے در دولت پر ۱۰۳۴ھ میں ہوئی۔

والد بزرگوار۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید ابراہیم بن سید شاہ میر بن سید نعمت اللہ رضی اللہ عنہم ہے۔

سلسلہ نسب و خاندانی پس منظر

(۱) سید شاہ میر محمد اسمٰعیل بن (۲) سید ابراہیم بن (۳) سید شاہ میر بن (۴) سید شاہ نعمت اللہ بن (۵) سید طیب بن (۶) سید بدلے بن (۷) سید حسین بن (۸) سید فضل اللہ بن (۹) سید محمد بن (۱۰) سید فضل اللہ بن (۱۱) سید علاء الدین بن (۱۲) سید ابراہیم بن (۱۳) سید ناصر بن (۱۴) سید مسعود بن (۱۵) سید سالار بن (۱۶) سید محمد صاحب الدعوۃ الصغریٰ بن (۱۷) سید علی بن (۱۸) سید حسین بن (۱۹) سید ابو القرح ثانی بن (۲۰) سید ابو القراس بن (۲۱) سید ابو القرح واسطی بن (۲۲) سید داؤد بن (۲۳) سید حسین بن (۲۴) سید یحیٰ بن (۲۵) سید زید ثالث بن (۲۶) سید عمر بن (۲۷) سید علی بن (۲۸) سید علی عراقی بن (۲۹) سید حسین بن (۳۰) سید علی عراقی بن (۳۱) سید حسین بن (۳۲) سید

علی بن (۳۳) سید محمد بن (۳۴) سید عیسیٰ الموتم الاشبال بن (۳۵) حضرت سید امام زید شہید بن (۳۶) حضرت سیدنا امام زین العابدین بن (۳۷) حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا بن (۳۸) حضرت امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم زوج (۳۹) خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین دختر (۴۰) سید المرسلین خاتم النبین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

ہندوستان میں خانوادۂ اسمٰعیلیہ کے سب سے پہلے بزرگ جو یہاں اقامت پذیر ہوئے وہ سیاح بحر حقیقت تاج سلاسل سادات عظمٰی حضرت سید شاہ میر محمد صاحب الدعوۃ الصغریٰ فاتح بلگرام رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکت ہے جو شاہ ہندوستان شمس الدین التمش کے زمانہ میں شہر واسط عراق سے ہندوستان تشریف لائے تھے امام التارکین حضرت سید قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش پر سلطان شمس الدین التمش نے فاتح بلگرام کو بلگرام فتح کرنے کیلئے بھیجا تھا آپ نے اس کو فتح بھی کیا اور اس کو مرکز دائرۂ اسلام بنا کر اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھ دیا۔

بلگرام نام رکھنے کی وجہ

بلگرام کی وجہ تسمیہ بحوالہ سید عالی نسب مؤلفہ حضور گلزار ملت مدظلہ العالی (صفحہ ۳۶، ۳۷) پر آپ فرماتے ہیں شاید اس نام سے موسوم اس لئے کیا گیا کہ بعد کے لوگوں کو یہ نام شوکت وقوت اسلام کی یاد دلاتا رہے یہ بتاتا رہے کہ وہ مقام جو بیل، جیسے دیو لعین کا، گرام، شہر و جائے قیام تھا آج بفضلہ تعالیٰ نزہت کدۂ شعائر اسلام ہے اس لئے کہ یہ نام مرکب ہے دو لفظوں سے ایک ''بیل'' دوسرا ''گرام'' بمعنی گاؤں، شہر، آبادی، مقام۔ اور بیل، ایک دیو ملعون کا نام تھا جسے اس زمانے کے جوگی اور ساحر جو بلگرام میں بہت رہتے تھے کوہستان کشمیر سے پوجا پاٹ اور جادو کے ذریعہ مسخر کر کے اپنی امداد و اعانت کیلئے یہاں لائے اور اسے یہاں رکھا تھا یہ شیطان لعین ایسا زبردست تھا کہ دور دور تک اپنے مخالف کو نہ رہنے دیتا اور سوائے اپنی پوجا کے کسی کی پوجا نہ ہونے دیتا اگر کوئی اسے نہ پوجتا تو اسے آزار و اذیت پہونچاتا۔ حضرت خواجہ عماد الدین بلگرامی قدس سرہ نے حضرت سید محمد صغریٰ کے بلگرام فتح کرنے سے چند سال قبل اپنی قوت باطنی اور طاقت روحانی سے بحول وقوت الٰہی اس دیو لعین کو خاک کر ڈالا جب یہ خبر راجہ بلگرام کو پہونچی اس نے چاہا کہ حضرت خواجہ پر فوج کشی کرے تو اس کے مشیروں نے سمجھایا کہ ہم نے اپنی پوتھیوں

میں دیکھا ہے کہ ایک زمانے میں اس سرزمین پر مسلمان چھا جائیں گے اور جوان سے مقابلہ کرے گا وہ بجز ذلت و ناکامی اور کچھ نتیجہ نہ پائے گا۔ لہٰذا ان درویش سے تعرض (چھیڑ چھاڑ) نہیں کرنا چاہئے جو ایسے زبردست ہیں کہ جس بیل ملعون کے بل بوتے پر ہم کودتے تھے اسے انہوں نے ایک دم نابود کرڈالا۔ تیری کیا طاقت ہے جوان سے مقابلہ کرے۔ آخر راجہ نے فوج کشی سے باز آکر ایک جوگی کو سحر ساحری میں طاق تھا حضرت کے مقابلہ میں بھیجا۔ حضرت کے سامنے اس نے جادو کے کچھ شعبدے دکھائے جنہیں حضرت نے بحول وقوت الٰہی دفع کردیا۔ آخر وہ جوگی مشرف باسلام ہوکر راجہ کے پاس واپس گیا اور اپنی سحر کی بے اثری اور حضرت کی زور باطنی اور اسلام کی بزرگی وقوت بیان کرکے راجہ کو دعوت اسلام دی۔ اس سے راجہ غصہ ہوکر بولا تو پرانا رفیق ہے ورنہ میں تجھے مرواڈلتا۔ اس نے کہا تیری کیا طاقت جو مجھے مرواڈالے میں نے ایسے برگزیدۂ حق کا ہاتھ پکڑا ہے کہ تیرے جیسے ہزاروں اس کے سامنے خس (تنکا) کے برابر ہیں۔ اور وہاں سے آکر حضرت خواجہ سے اس راجہ کے تعصب کفر کا حال بیان کرکے اس کا قلع قمع کرنے کے لئے عرض کیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا۔ اس بیل دیو لعین کو مارڈالنا تو فقیر کے ہاتھ مقدر تھا جو واقع ہوا اور اس کافر راجہ کا استیصال (ختم کردینا) بھی کچھ مشکل نہیں مگر تقدیر الٰہی میں یوں جاری ہوچکا ہے کہ ولایت سے ایک سید مسلمانان اہل عرب کی فوج کے ساتھ آکر راہ حق میں جہاد کریگا اور ان کافروں کو ان کے مقر اصلی (جہنم) میں پہونچائیگا۔ چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد حضرت سید محمد صغریٰ نے آکر بلگرام فتح فرمایا اور اسے اسلام آباد کردیا

حلیہ مبارک

حضور سرکار مسولی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رخ زیبا چاند کی طرح روشن اور گول تھا چمک ایسی کی دیکھنے والے کو بقعہ نور بنادے خمیدہ ابرو، سرمئی آنکھیں جو بصیرت کے ساتھ بصارت سے بھرپور، خوبیوں سے معمور، شان رعنائی میں یکتا، دلربائی میں بے مثل تھے۔ آنکھوں کی خوشنمائی میں جس قدر اوصاف درکار ہوتے ہیں ان تمام اوصاف سے آپ کی چشم ولایت متصف تھی ان ظاہری خوبیوں کے علاوہ شرم وحیا جو برگزیدہ بندوں کی صفات عالیہ میں سے ہے اس سے بھرپور تھیں۔ ناک پتلی اور کھڑی بہت خوبصورت، پیشانی ہمیشہ خندہ، زلفیں سیاہ، ریش مبارک گھنی

دلکش، پاے مبارک متوسط صاف وشفاف نعلین مبارک نکالنے کے بعد بھی غبار نہ دیکھا گیا صاف وشفاف فرش پر بھی قدم رکھنے کے بعد نشان قدم نہ ملتے قد زیبا میانہ لباس ہمیشہ صاف ستھرا اور اسلاف کی طرز زندگی کا آئینہ دار۔

تعلیم و تربیت

آپ کی ابتدائی تعلیم بلگرام شریف ہی میں ہوئی اعلی تعلیم کے حصول کے لئے استاذ المحققین علامہ سید شاہ میر محمد طفیل اترولوی ثم بلگرامی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں شرف تلمذ حاصل کیا اور تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام، بلاغت، سیرت، فنون ادب، لغت، وغیرہ بیشتر علوم حاصل کئے۔ معقولات و منقولات کے علوم اعلی کی تحصیل کے بعد آپ کے اندر خدا طلبی کا جذبہ اور صحرائے لاہوتی میں آبلہ پائی کا ولولہ پیدا ہوا آپ نے بلگرام سے رخت سفر باندھا اور اپنے زمانے کے قدوۂ ارباب طریقت، نمونہ اصحاب حقیقت، قطب زماں، ناز سلسلہ محبوب یزداں، حضرت مخدوم سید شاہ عبد الرزاق بے کمر قادری بانسوی رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔

واقعہ بیعت

صاحب نظم اللالی کچھ یوں رقم طراز ہیں

سیدنا میر محمد اسمٰعیل بلگرامی قدس سرہ عنفوان شباب ہی سے حقیقت کی چاشنی کے دلدادہ تھے آپ کے زمانے کے اصحاب حقیقت میں جو سب سے منفرد شخصیت تھی وہ سیدنا عبد الرزاق بے کمر بانسوی قدس سرہ العزیز کی تھی آپ کی شہرت سن کر سید میر محمد اسمٰعیل قدس سرہ العزیز طلب مرشد میں نکلے اور بانسہ پہنچ گئے۔ ایک طویل عرصہ تک آپ ان کی خدمت میں حاضر رہ کر شب و روز گزارتے رہے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ سرکار بانسہ بظاہر محو خواب تھے اسی اثنا میں سید میر محمد اسمٰعیل بلگرامی نے آپ کی خدمت شروع کردی اس وقت سرکار بانسہ اذکار باطنی میں مصروف تھے جس میں آپ کو خلل ہوا آپ نے خفگی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا ”جاؤ نہ خود کچھ کرتے ہو نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہو“ سرکار مسولی آپ کی اس خفگی سے ملول خاطر ہو گئے اور نہایت رنجیدہ ہو کر وہاں سے چلے جانے کا ارادہ کیا ادھر جب سرکار بانسہ کی آنکھ لگی تو عالم خواب میں زوج بنت رسول فاتح خیبر داماد پیمبر سیدنا علی کرم اللہ

وجہہ الکریم تشریف لائے سرکار بانسہ سیدنا شاہ عبدالرزاق بانسوی نیاز مندانہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے مگر آپ نے رخ پھیر لیا پھر شاہ عبدالرزاق بانسوی اس طرف حاضر ہوئے تو حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ناراض لب ولہجہ میں ارشاد فرمایا میرا بیٹا تمہارے پاس تعلیم باطن کیلئے حاضر ہوا اور تم نے اسے ڈانٹ کر اپنے پاس سے بھگا دیا اور تعلیم نہیں دی جاؤ اسے بیعت کرو اور اس کی تعلیم باطن میں مصروف ہو جاؤ۔

شاہ عبدالرزاق بانسوی رضی اللہ تعالی عنہ اس واقعہ سے بہت ہراساں ہوئے افتاں خیزاں سرکار مسولی کی تلاش میں نکل پڑے، ادھر سرکار مسولی رضی اللہ تعالی عنہ سرکار بانسہ کے اس رویہ سے بد دل ہو کر حد درجہ رنجیدہ ہوئے تھے اسی اثنا میں آپ پر خواب کی کیفیت طاری ہوئی نصیبہ بیدار تھا حالت خواب میں داماد پیمبر فاتح خیبر مولائے کائنات تشریف لائے اپنی بیعت سے مشرف فرمایا اور اپنی آستین مبارک سے شیرینی کے پانچ لڈو نکال کر عطا فرمایا۔ سرکار مسولی سیدنا میر محمد اسمٰعیل قدس سرہ شاداں وفرحاں خواب سے بیدار ہوئے اور اسی عالم فرح وسرور میں پھر محو خواب ہو گئے۔ ادھر سرکار بانسہ افتاں خیزاں آپ کے پاس پہونچے۔ فرمایا صاحبزادے اٹھئے! آپ سو رہے ہیں اور میری تمام عمر کی محنت رائگاں ہو گئی۔ اٹھئے بیعت کیجئے اور میرے ساتھ آئیے۔ سرکار مسولی عالم خواب میں مولائے کائنات رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو چکے تھے اس لئے آپ کو ان سے بیعت ہونے میں تامل ہوا سرکار بانسہ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ آپ حالت خواب میں اپنے جد امجد سے بیعت ہو چکے ہیں لیکن میری ظاہری بیعت بھی ضروری ہے۔ پھر حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ نے آپ کو بیعت فرمایا پھر آپ کو بانسہ لے گئے اور نہایت توجہ سے تعلیم باطن وتصفیہ قلب کا فریضہ انجام دیا۔ (ملخص از نظم اللآلی)

سرکار بانسہ و سرکار مسولی رضی الله تعالی عنهما کے مراسم

سرکار بانسہ نے سرکار مسولی کو حلقہ بیعت میں داخل کرتے ہی تمام سلاسل کی اجازت وخلافت اور سارے اوراد و وظائف اور اعمال واشغال کی اجازت عطا فرما دی۔ سرکار مسولی اکثر و بیشتر اپنے مرشد گرامی کی خدمت میں ہی رہا کرتے تھے ایک دم آپ نے سرکار بانسہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی کہ حضور میں یہیں آپ کے پاس سکونت کرنے کا قصد رکھتا ہوں تو سرکار بانسہ نے فرمایا کہ تم مسولی ہی کو اپنا مسکن بناؤ جمعہ جمعہ آیا کرنا

روز کا آنا جانا محبت میں کمی کرتا ہے۔اس لئے آپ نے مسولی شریف ہی کو اپنا مسکن بنایا جو بانسہ شریف سے تقریبا تین کلومیٹر کی دوری پر جانب مشرق میں واقع ہے۔سرکار بانسہ تاحین حیات سرکار مسولی کی عزت افزائی فرماتے رہے سرکار مسولی جب بھی اپنے مرشد برحق کی زیارت کیلئے سرکار بانسہ کی بارگاہ میں جاتے اور جیسے آپ حدود بانسہ میں قدم رکھتے ویسے ہی حضور سرکار بانسہ کو اپنے مرید صادق کے آنے کی خبر مل جاتی اور کھڑے ہو کر ارشا فرماتے،خبر یا خبر دیت ہے سید عالی نسب آوت ہے،اوراس وقت تک والہانہ کھڑے رہتے جب تک کہ سرکار مسولی آپ کی بارگاہ میں حاضر نہ ہو جاتے۔

آپ کے چند مشاہیر خلفاء

(۱) زبدۃ العارفین کمال الاولیاء عالی نسب حضرت مولانا حکیم سید شاہ کمال احمد واسطی قادری رزاقی اسمٰعیلی بلگرامی ثم مسولوی قدس سرہ

(۲) سراج السالکین جمال الاولیاء عالی نسب حضرت مولانا حکیم سید شاہ جمال احمد واسطی قادری رزاقی اسمٰعیلی بلگرامی ثم مسولوی قدس سرہ

(۳) قدوۃ السالکین حضرت علامہ سید شاہ شاکر اللہ قادری اسمٰعیلی سندولوی قدسہ سرہ العزیز

(۴) اسد العارفین محبوب العاشقین حضرت شاہ سید حمزہ قادری مارہروی قدسہ سرہ العزیز

(۵) امام التارکین فرید العصر حضرت علامہ ملا عبد العزیز قادری اسمٰعیلی قدسہ سرہ العزیز فرنگی محل لکھنؤ

(۶) خیر الازکیاء حضرت ملا احمد حسین قادری رزاقی اسمٰعیلی قدسہ سرہ العزیز فرنگی محل لکھنؤ

(۷) واصل الی اللہ حضرت مفتی جار اللہ قادری رزاقی اسمٰعیلی قدسہ سرہ العزیز

(۸) عارف باللہ حضرت مفتی بار اللہ قادری رزاقی اسمٰعیلی قدسہ سرہ العزیز

رشتہ ازدواج و اولاد

سید عالی نسب حضور سرکار مسولی رضی اللہ تعالی عنہ کا عقد مسنون صغروی سادات کے گھرانے میں ہوا جن سے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں ہیں۔

(۱) حضرت سید کمال احمد واسطی (۲) سیدہ برکت فاطمہ (۳) سیدہ زینت فاطمہ (۴) حضرت سید جمال احمد واسطی قدست اسرارہم

سجادگان سرکار مسولی

(۱) زبدۃ العارفین کمال الاولیاء حضرت سید شاہ کمال احمد واسطی قادری اسمٰعیلی قدس سرہ

(۲) شمس العارفین حضرت سید شاہ علی احمد واسطی قدس سرہ

(۳) تاج العارفین حضرت سید شاہ مراد احمد واسطی قدس سرہ

(۴) اسوۃ المسلمین حضرت سید شاہ محمود احمد واسطی قدس سرہ

(۵) امام السالکین حضرت سید شاہ علی احمد ثانی واسطی قدس سرہ

(۶) قطب زماں حضرت سید شاہ کرم احمد واسطی قدس سرہ

(۷) رئیس الاولیاء حضرت سید شاہ الحاج حبیب احمد واسطی قدس سرہ

(۸) نور الاولیاء حضرت سید شاہ الحاج نور احمد سیف اللہ واسطی قدس سرہ

(۹) سراج السالکین جمال الاولیاء حضرت سید شاہ جمال احمد واسطی قدس سرہ

(۱۰) سید الاتقیاء حضرت سید شاہ فرزند حسین بلقب غوث احمد قدس سرہ

(۱۱) غوث الوقت حضرت سید شاہ میر حسن احمد حق نما واسطی قدس سرہ

(۱۲) تاج الاصفیاء حضرت سید شاہ گلزار احمد واسطی قدس سرہ

(۱۳) برہان الواصلین حضرت سید شاہ محمد احمد واسطی قدس سرہ

(۱۴) سلطان العارفین حضرت سید شاہ فضل احمد واسطی قدس سرہ

(۱۵) مخدوم المشائخ گلزار ملت حضرت سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی قادری رزاقی اسمٰعیلی قدس سرہ

سرکار مسولی کی وفات حسرت آیات

رب کریم کے برگزیدہ بندے جو اس عالم فانی کو قید خانہ سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔ انتقال ان کے لئے

باعث مسرت اور سبب فرح و سرور ہوتا ہے قید زندگانی ان کے لئے کسی مشقت سے کم نہیں۔ کیوں کہ انہیں ہمہ دم جام وصل کی طلب رہتی ہے اسی نعمت عظمٰی کی چاہت میں وہ زندگی کے روز و شب گزار دیتے ہیں اور جب وقت اجل قریب آتا ہے تو پیک اجل صدائے دلنواز سناتا ہے "یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" سرکار مسولی سید عالی نسب حضرت میر محمد اسمٰعیل بلگرامی ثم مسولوی قدس سرہ العزیز حیات فانی گزار کر ۱۳ ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ بروز جمعۃ المبارکہ یا بروز پیر "کل نفس ذایقة الموت" کے تحت وصال یار سے ہمکنار ہو کر خلق خدا کی نگاہ میں دنیا سے روپوش ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

علامہ آزاد بلگرامی نے ماثر الکرام میں مادۂ تاریخ پر یہ شعر قلمبند فرمایا ہے۔

آفتاب سحر آگاہ ہے
پیر روشن دل و صاحب تکمیل
گفت تاریخ وصالش ہاتف
زیب خلد آمد میر اسمٰعیل

۱۱۶۴ھ سرکار مسولی قدس سرہ کے دونوں صاحبزادے حضور کمال الاولیاء و جمال الاولیاء سے آپ کا نسب چلا اور تا ایں دم سلسلہ اسمٰعیلیہ کمالیہ کی سجادگی آپ ہی کے خانوادے میں موجود ہے حضور گلزار ملت سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی قادری رزاقی اسمٰعیلی مدظلہ العالی سجادگی کے نویں منصب پر فائز ہیں۔

زیر نظر مقالے میں وقت کی تنگئی داماں نے تمام سجادگان کا تذکرہ نہ کرنے دیا ان شاء المولی تعالی مستقبل قریب ہی میں تمام سجادگان کے تذکروں سے مزین ایک جامع کتاب منظر عام پر آئیگی جوان شاء اللہ اہل عقیدت کی تشنہ نگاہوں کی سیرابی کے لئے کافی وافی ہوگی۔ تاہم دور حاضر میں سلسلہ اسمٰعیلیہ کے سجادہ نشین کا تذکرہ رقم کر دیا گیا کیوں کہ آپ کی ہمہ جہت شخصیت ہی سے خانقاہ اسمٰعیلیہ چہار دانگ عالم میں مشتہر ہے۔

گلزار ملت حضرت سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی قادری رزاقی اسمٰعیلی

سجادہ نشین خانقاہ اسمٰعیلیہ بانی وسربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاسمٰعیلیہ مسولی شریف بارہ بنکی

آپ کا اسم مبارک سید گلزار اسمٰعیل واسطی ہے والد بزرگوار نور الاولیاء حضرت سید شاہ نور احمد سیف اللہ واسطی قادری رزاقی اسمٰعیلی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں آپ کی ولادت خانقاہ قادریہ رزاقیہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف کی پر بہار فضا میں بتاریخ ۱۹؍اگست ۱۹۷۰ء میں ہوئی خانقاہ اسمٰعیلیہ ہی آپ کا مولد ومسکن ہے آپ نے ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جو خاندان روحانیت، تصوف، تزکیۂ باطن، زہد وورع اور ظاہری باطنی کمالات کی آماجگاہ تھا کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھوّدانہٖ اوینصّرانہٖ اویمجّسانہٖ کے بموجب زہد واتقاء تدین وتقویٰ رغبت الی اللہ، عشق رسالت، فیضان ولایت علم وحلم جیسے عمدہ اوصاف آپ کے رگ وپے میں خوں کی طرح رواں دواں ہیں۔

تعلیم وتربیت:۔ سن شعور پہ قدم رکھنے کے بعد اسلامی ماحول ملا اپنے والدین اور جد کریم کا سایہ نصیب ہوا جو اپنے وقت کے عظیم المرتبت اشخاص تھے روحانی فضاؤں نے اس میں سونے پر سہاگہ کا کام کیا آپ کی شخصیت چمکتی اور نکھرتی گئی دین کے سانچے میں ڈھلتی گئی۔ گو آپ نے دنیوی تعلیم بھی حاصل کی عصری علوم میں دسترس حاصل کیا مگر آپ کا قلبی رجحان علوم دینیہ کی طرف ہی تھا رئیس الاولیاء حضور سید شاہ حبیب احمد واسطی قدس سرہ العزیز جن کی صحبت سے انکی طفلی زندگی روشن وتابندہ ہے جنہوں نے بارہا فرمایا ہے کہ ’’میرا یہ گلزار اس خانقاہ کو گلزار بنائے گا‘‘ روشن ضمیر ولی کامل محبوب بارگاہِ خدا کی زبان سے نکلا ہوا جملہ حرف بہ حرف صادق ہوا چونکہ آپ کی ذات سے اس خانقاہ کو گلزار ہونا تھا اس لئے آپ کی زندگی میں انقلاب پیدا ہوا یوپی بورڈ سے گریجویشن حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے درس نظامی کی تکمیل علی الترتیب مادر علمی دار العلوم وارثیہ گومتی نگر لکھنؤ، مدرسہ ثار العلوم اکبر پور، دار العلوم غریب نواز الہ آباد سے کی اور دار العلوم غریب نواز الہٰ آباد ہی سے دستار فضیلت وسند فراغت حاصل کی۔ بتقاضائے زمانہ آپ نے الہٰ آباد بورڈ سے منشی، مولوی، عالم، فاضل اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ادیب ماہر، کامل اور معلم کی سند بھی حاصل کی۔

ازدواجی زندگی :۔ جب آپ نے اپنی زندگی کی ۳۳ ویں بہار میں قدم رکھا تو ایک ساعت سعید میں مورخہ ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۷ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء حضرت سید شاہ شمس الضحیٰ قادری سید واڑہ غازیپور کی پوتی حضرت عزیز الرحمٰن صاحب قادری حال مقیم کریلی الہٰ آباد کی دختر نیک اختر کے ساتھ آپ کا عقد مسنون ہوا جن سے آپ کے دو شہزادے (۱) سید کرم حبیب واسطی سلمہ المنان (۲) سید فضل حبیب واسطی سلمہ المنان ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت آپ کا خصوصی وصف ہے پیغام تاج الشریعہ کو عام کرنا آپ کا خصوصی مشغلہ ہے آپ اپنے بیان میں اپنے آباواجداد اور اپنی خانقاہ کا تذکرہ نہ کر کے اپنے مرکز عقیدت محسن اہلسنت بریلی کے شاہ احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان اوران کے مشن کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

خانقاہ وجامعہ کہ ترویج واشاعت آپ ہی کہ محنت کا ثمرہ ہے علاوہ ازیں سیکڑوں مدارس وجامعات آپ کی سر پرستی سے فیضیاب ہورہے ہیں

اخلاق کریمانہ:۔ آپ کے اخلاق کریمانہ کا ایک جہان معترف ہے خلوت وجلوت سفر وحضر میں ساتھ رہنے والے آپ کی خوش خلقی وسیع النظری اور کشادہ دلی کا بیان کرتے ہیں تو یہ کہتے کہ آپ کے دیدار کو آنے والا ہر شخص آپ کی مجلس سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ ایک بار ملاقات کرلیا تو تشنگی اور بڑھ گئی اور دوبارہ ملاقات کا خواہاں نظر آیا۔ تبسم ریز ہونٹوں سے جب کلمات ادا ہوتے ہیں تو پھر چھوٹا بڑا کان کھولکر سننے پر مجبور ہوجاتا ہے اور ہر کوئی آپ سے تقرب کی کوشش کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ آپ ظاہر میں خوش خلق ہیں آپ کا باطن بھی ظاہر ہی کی طرح صاف وشفاف ہے آپ کے انھیں اوصاف کی وجہ سے متعدد ہنود مشرف باسلام ہوکر حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکے ہیں۔

میدان عمل:۔ حضور گلزار ملت مدظلہ العالی نے اپنے آباء واجداد کی روش پر چل کر دعوت وتبلیغ کو اپنا عمل بنایا کثرت کار وہجوم افکار کے باوجود آپ نے خانقاہ اسمٰعیلیہ اور الجامعۃ الاسمٰعیلیہ کو اپنی نگاہ توجہ سے محروم نہیں رکھا ۔زبان حال وقال سے ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ ہمیں زہد واتقاء پر ناتو ناز ہے نہ اعتماد ہماری بخشش کا اثاثہ اور نجات کا ذریعہ یہی خانۂ خدا وخانۂ رسول ہے۔ جس میں مہمانان رسول اپنی دنیا وآخرت کو سنوار رہے ہیں۔

ہماری نظریں دیکھ کر خیرہ ہیں اور قلوب متحیر ہیں کہ حضور گلزار ملت مدظلہ العالی شب و روز شام و سحر پا بہ رکاب رہتے ہیں ہر روز تبلیغی مصروفیات ہر دن ہر پل مسلکی مشغولیات۔ بے آرام کیئے دم پہ دم سفر کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں ملک و بیرون ملک (چین، جاپان، سوئزرلینڈ، فرانس، افریقہ، مسقط وغیرہ آپ کے تبلیغی اسفار جاری ہی رہتے ہیں اتنی مصروفیات کے باوجود حضور والا ہر جمعرات کو جامعہ حاضر ہوتے ہیں خانقاہ کا مشاہدہ فرماتے ہین آنے والے سیکڑوں زائرین معتقدین اہل ارادت اور پریشان حال افراد کی روحانی خدمات انجام دے کران کی فریادرسی فرماتے ہیں خوش خلقی کا یہ عالم ہے کہ ہفتہ بھر تھکے ہارے، جامعہ پہونچتے ہیں سیکڑوں کا جم غفیر ہوتا ہے ہر ایک کی تفصیلی گفتگو سماعت فرماتے ہیں تبسم ریز ہوکر شافی ووافی جواب دیتے ہیں اور جبین منور پر شکن تک محسوس نہیں ہوتی ہے۔

عزم وعزائم :۔ آپ کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے آپ عزم وہمت کے کوہ گراں استقلال واستقامت کے جبل شامخ اور ارادے میں کوہ ہمالہ کی طرح مضبوط و مستحکم ہیں مخالفین وحاسدین راہ میں روڑا بن کر آتے مگر آپ کے عزم وہمت کے سامنے خس وخاشاک کی طرح اڑ گئے اور آپ نے کبھی مخالفین کی مخالفت کی پرواہ نہ کی نہ انھیں کوئی جواب دیا بلکہ آپ کا کام ہی مخالفین کے لئے دنداں شکن جواب بن گیا۔ آپ کے عزائم بہت بلند، منصوبے، بہت دراز ہیں فرماتے ہیں۔ ”للا زندگی مختصر ہے اور کام کی فہرست بہت طویل ہے“۔ اپنے سینے میں قوم وملت کا جو درد رکھتے ہیں کبھی کبھار اس درد کی عکاسی زبان حال سے اور کبھی زبان قال سے کردیتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ قوم وملت کے لئے بہت عظیم کام کرنا چاہتے ہیں وہ بھی خاموشی کے ساتھ تاکہ اجر زیادہ سے زیادہ محفوظ رہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے سے بڑا کام آپ کی ذات سے انجام پاجاتا ہے اور محفلوں میں اس کا چرچا تک نہیں۔ جامعہ تین سالوں کے اندر کہاں سے کہاں پہونچ گیا ہر آنے والا دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ حضور گلزار ملت نے اتنی جلدی جامعہ کو اوج ثریا پر پہونچادیا یہ انھیں کا حوصلہ وہمت ہے جو انھوں نے کیا ہے۔
آپ کا کام ہی آپ کے دردمند دل کی عکاسی کرتا ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک والمنۃ لرسولہ الکریم

مقبولیت عامہ :۔ رب کریم نے آپ کو عام مقبولیت عطا فرمائی ہے دور طالب علمی ہی سے آپ کے

ارادتمندوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی آپ کے ہم عصروں اور ہمدرسوں نے بتایا کہ فراغت سے قبل ہی بہت سارے افراد آپ کی بیعت سے مشرف ہو چکے تھے۔فی الوقت آپ کی شخصیت کثیر مشائخ ،علما،صلحا،فقہا،حفاظ ،قراء،عمائدین ملت کی نورنظر بنی ہوئی ہے اور اکابر علماء کی مجالس میں آپ کا ذکر خیر ہوتا رہتا ہے عوام میں قبولیت عامہ کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اتنا قلیل العمر پیر کثیر المریدین پر آج تک میں نے نہیں دیکھا اور جن کے بارے میں آپ کے اجداد نے بشارت دے دی ہو اس کی مقبولیت کو کون روک سکتا ہے۔

سجاد علی خان رضوی مصباحی
الجامعۃ الاسمٰعیلیہ مسولی شریف ضلع بارہ بنکی



بموقعۂ جشنِ صد سالہ



مسلک اعلیحضرت زندہ باد

خانقاہ قادریہ رزاقیہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف بارہ بنکی